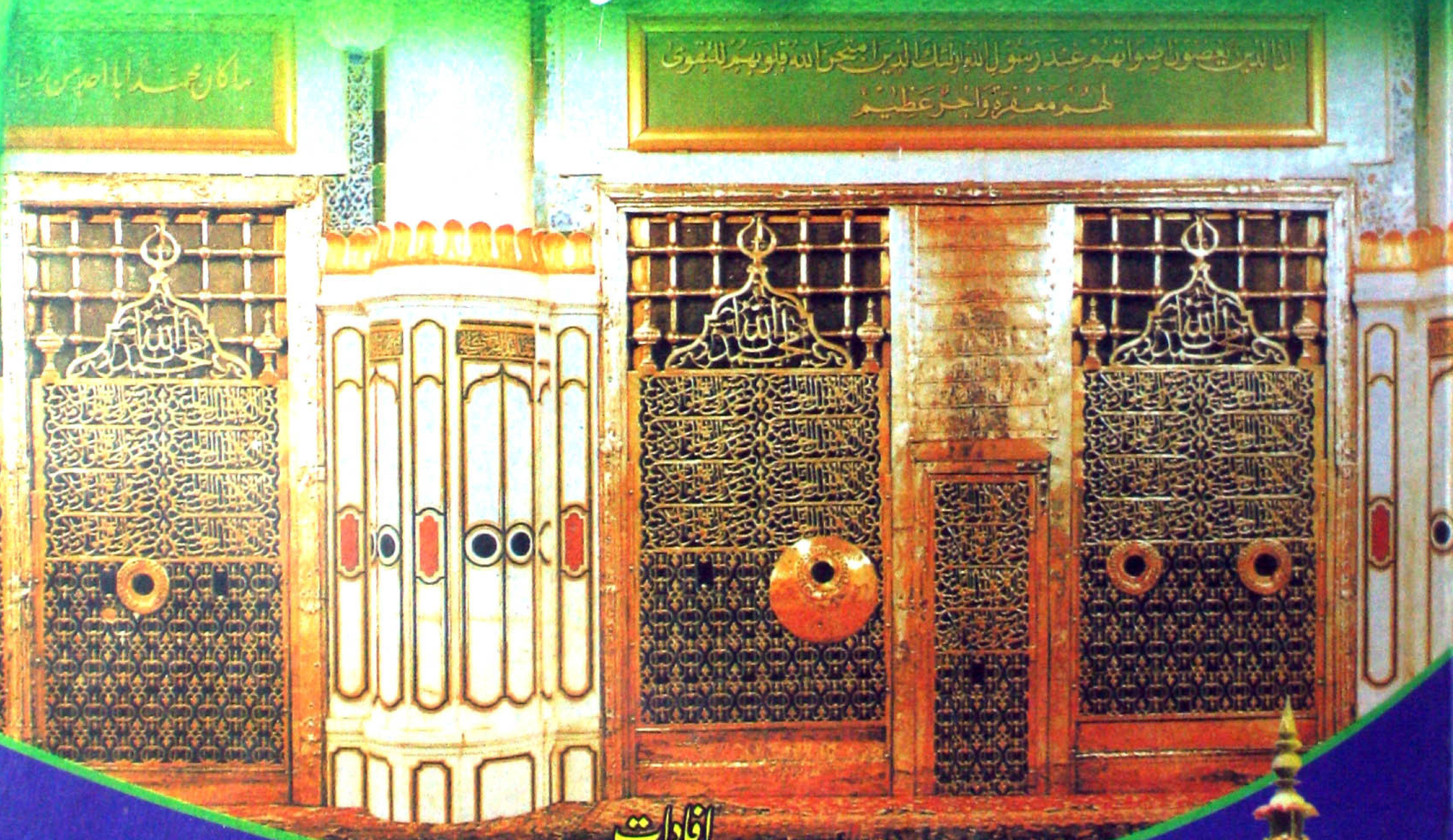
وما ارسلنک الا رحمۃ للعالمین

سیرتِ مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

جلد ا

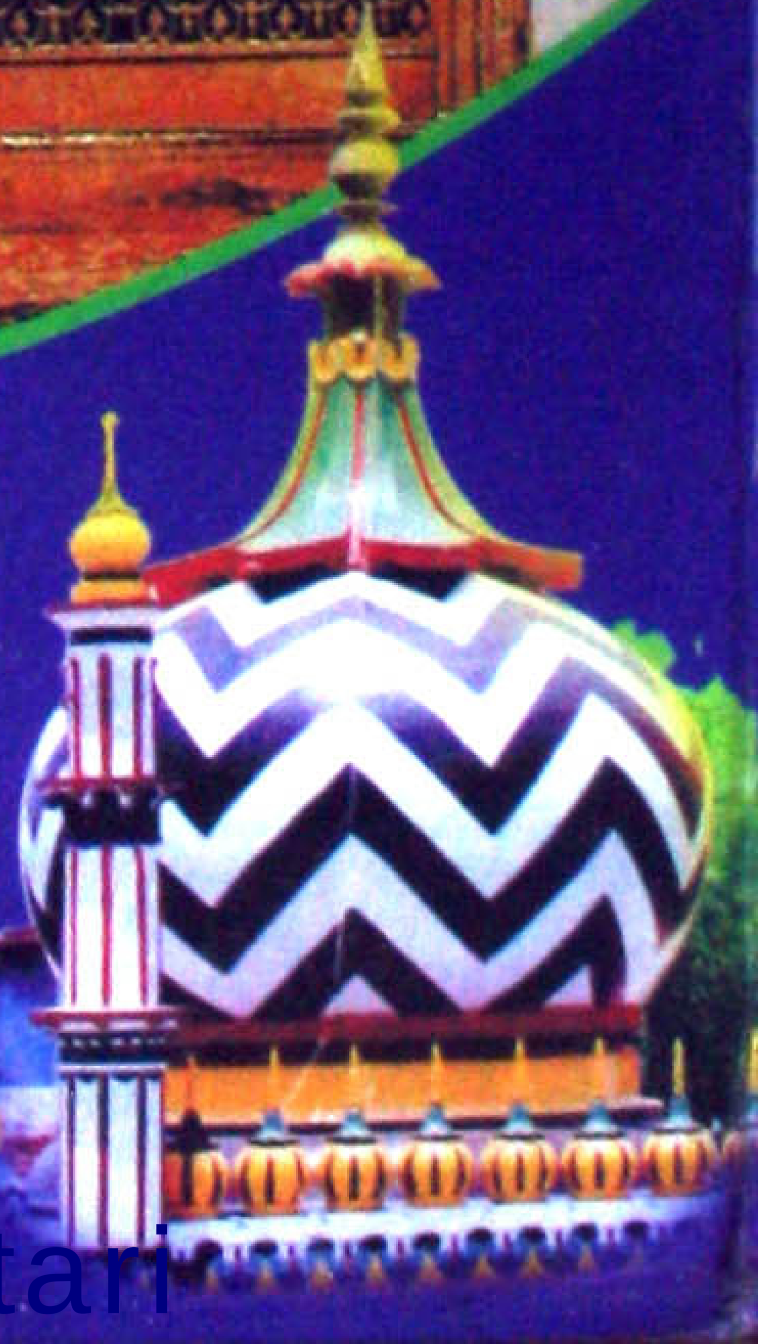


افادات

شیخ الاسلام والمسلمین

امام احمد رضا خاں محدّث بریلوی

رحمۃ اللہ علیہ



شبیر برادرز

اردو بازار ۰ لاہور

وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ

تصانیفِ اعلیٰ حضرت سے ماخوذ سیرت الرسول ﷺ کا

عظیم علمی و تحقیقی مجموعہ

سیرتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جانِ رحمت

افادات

شیخ الاسلام والمسلمین

امام احمد رضا خان محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

جمع و ترتیب

محمد عیسیٰ قادری رضوی

جلد اول

شبیر برادرز

زبیدہ سنٹر نزد مسلم ماڈل ہائی سکول ۴۰ اردو بازار لاہور

فون: 042-7246006

الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

سیرتِ مصطفٰی جانِ رحمت ﷺ

جلد 1

افادات	شیخ الاسلام والمسلمین امام احمد رضا خاں محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ
جمع و ترتیب	محمد عیسیٰ قادری رضوی
ناشر	ملک شبیر حسین
سن اشاعت	مئی 2007ء / ربیع الثانی 1428ھ
طابع	اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز لاہور
سرورق	فیضی گرافکس دربار مارکیٹ لاہور
قیمت	1600 روپے مکمل سیٹ

شبیر برادرز
اردو بازار لاہور

عرضِ ناشر

ہر طرح کی حمد اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے مخصوص ہے جس نے ہمارے پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بے حد و شمار درود و سلام، صبح و شام نازل ہو، جو جانِ رحمت ہیں، شمعِ بزمِ ہدایت ہیں، گلِ باغِ رسالت ہیں، نوشہ بزمِ جنت ہیں، نائبِ دستِ قدرت ہیں، قاسمِ کنزِ نعمت ہیں

ان کے ہر نام و نسبت پہ نامی درود
ان کے ہر وقت و حالت پہ لاکھوں سلام

ان کے مولیٰ کے ان پر کروڑوں درود
ان کے اصحاب و عترت پہ لاکھوں سلام

اللہ تعالیٰ کا بے حد و شمار احسان ہے کہ اس نے ہمیں اپنے پیارے حبیب کے لائے ہوئے دینِ متین کی خدمت کرنے کی سعادت و توفیق عطا کی ہے۔ الحمد للہ! آپ کا ادارہ شبیر برادرز عرصہ دراز سے مختلف موضوعات پر مشتمل اسلامی کتب کی نشر و اشاعت میں مصروف ہے۔ اسی سلسلے کی ایک کڑی، حضرت مولانا محمد عیسیٰ قادری رضوی کی تالیف ''سیرتِ مصطفیٰ جانِ رحمت'' ہے۔ جسے انہوں نے اعلیٰ حضرت عظیم البرکت، مجدد دین و ملت شیخ الاسلام والمسلمین امام احمد رضا خان محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی مختلف کتابوں میں سے انتخاب کے بعد مرتب کیا ہے۔

اعلیٰ حضرت بریلوی کی علمی جلالت اور فنی عظمت کا قائل ہر صاحبِ علم و مطالعہ شخص ہے۔ ہمیں توقع ہے کہ یہ کتاب آپ کی معلومات میں بیش بہا اضافے کا باعث اور سبب بنے گی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی زیادہ سے زیادہ خدمت کرنے کی سعادت عطا فرمائے۔

آپ کا مخلص
ملک شبیر حسین

فہرست مضامین

جلد اول

مضامین	صفحات

صفحات	مضامین

مضامین	صفحات

■ **جزیرۃ العرب** 123

مضامین	صفحات

مضامین	صفحات

صفحات	مضامین

■ **آیات قرآنیہ در ثنائے مصطفیٰ** 253

مضامین	صفحات

مضامین	صفحات
■ سرورکونین ﷺ کے فضائل وکمالات احادیث کی روشنی میں	349

مضامین	صفحات

مضامین	صفحات

صفحات	مضامین

مضامین	صفحات

مضامین	صفحات

■ **ابو طالب کی کفالت** 587

صفحات	مضامین

مضامین	صفحات

مضامین	صفحات

صفحات	مضامین

مضامین	صفحات

مضامین	صفحات

کلمۃ الناشر

از: مناظر اہل سنت، ماہر رضویات، علامہ عبدالستار ہمدانی ''مصروف'' برکاتی، نوری
بانی: مرکز اہل سنت برکات رضا، امام احمد رضا روڈ، پور بندر۔ گجرات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمدہ و نصلی و نسلم علی رسولہ الکریم

اعلیٰ حضرت، عظیم البرکت، کنز الکرامت، امام اہل سنت، مجدد دین وملت، **امام احمد رضا محقق بریلوی** علیہ الرحمۃ والرضوان کی ذات ستودہ صفات ایک ایسی جامع اور مانع شخصیت ہے کہ جن کی خصوصیات اور مہارت علم وفن دیکھ کر اہل علم وادب وفن انگشت بدنداں ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کے محبوب اعظم واکبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ان پر خاص فضل وکرم تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں قلم کا ایسا شہسوار بنایا تھا کہ ان کے قلم کی جولانی کے سامنے بڑے بڑے ماہرین فن دم بخود تھے۔ امام احمد رضا محقق بریلوی نے جس کسی بھی علم وفن پر قلم چلایا، نوک قلم سے جلالت علم وفن کے دریا بہتے نظر آئے ہیں۔ وہ علوم وفنون کہ عام طور پر جن سے ایک عالم دین کو بہت کم تعلق ہوتا ہے بلکہ مَس تک نہیں ہوتا جن علوم وفنون کا اکثر دنیوی امور سے تعلق ہوتا ہے، ایسے علوم وفنون میں جب امام احمد رضا نے خامہ آرائی کی ہے، تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گویا آپ نے پوری زندگی ان ہی علوم وفنون میں مہارت حاصل کرنے میں صرف فرمائی ہے۔ لیکن جب ہم ان کی سوانح حیات کا جائزہ لیتے ہیں، تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے کبھی بھی ان علوم کے سیکھنے کی طرف التفات نہیں فرمایا ہے۔ کیوں کہ آپ کے پاس اتنا وقت ہی نہیں تھا۔ دوسری بات یہ کہ اگر صرف ایک علم یا فن سیکھنے کی بات ہوتی تو شاید وقت نکالنا ممکن ہوتا لیکن یہاں امر واقعہ تو یہ ہے کہ آپ صرف ایک، دو یا پانچ، سات علوم میں مہارت تامہ نہیں رکھتے تھے بلکہ جہاں تک راقم الحروف کی تحقیق وتدقیق کی سعی بالغہ ہے، آپ کو کل دوسو پندرہ (۲۱۵)

علوم وفنون میں مہارت حاصل تھی۔

تاریخ شاہد ہے کہ ان علوم وفنون کے ماہرین آپ کے ہم عصر جب ان علوم وفنون میں آپ سے ٹکرائے تو ایک ادنیٰ طالب علم کی حیثیت سے زانوئے ادب تہہ کرتے ہوئے نظر آئے۔ بلکہ بعض علوم وفنون جو پردۂ گمنامی میں مستور ہو کر قریب الفنا ہو چکے تھے، ان علوم وفنون کو آپ کے قلم حیات بخش نے نئی زندگی بخشی بلکہ جدید اصول وقوانین سے مرصع وآراستہ فرما کر نئی زینت ورعنائی سے مزین فرمایا۔ عہد قدیم سے کچھ علوم وفنون کے تعلق سے جو قوانین وضوابط رائج تھے، اور صرف انھیں اصول وضوابط کے دائرہ میں محدود رہ کر ان علوم وفنون سے صحیح استفادہ نہیں کیا جا سکتا تھا، آپ نے ان اصول وضوابط میں حذف واضافہ کر کے جدید اصول وضوابط مرتب فرما کر ان علوم وفنون کو عام فہم اور نفع بخش بنا کر ان کو بھی اپنا مرہون منت بنایا۔

یہاں اتنی گنجائش نہیں ہے کہ ان تمام علوم وفنون کے تعلق سے سیر حاصل گفتگو کی جائے۔ حیرت اور تعجب کی بات تو یہ ہے کہ آپ تقریباً دوسو پندرہ (۲۱۵) علوم وفنون میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ اور ان تمام علوم وفنون کو آپ نے علم دین کا خادم بنا کر ان سے خدمت دین حاصل کی ہے اور دقیق علمی مسائل کو سہل وآسان بنانے کے لیے ان علوم وفنون سے استفادہ فرمایا ہے۔ جس کا صحیح اندازہ آپ کی ایک ہزار سے زائد تصانیف جلیلہ کے مطالعہ سے آجائے گا۔

ناظرین کرام کی ضیافت طبع کی خاطر ذیل میں چند علوم وفنون کے اسماء مع انگریزی نام درج ہیں:

- علم نجوم وزیجات = Astronomy
- علم ہندسہ=Geometry
- علم تصوف=Theology
- علم توقیت=Epherieris
- علم منطق =Logic
- علم فلسفہ=Philosophy
- علم اکسیر =Alchemy
- علم کیمیا= Chemistry
- علم اخلاقیات=Ethics
- علم حرکت=Dynamics

- علم ہیئت= Astrophysics
- علم موسمیات=Meteorology
- علم سلوک= Mysticism
- علم حشریات=Entomology
- علم حیوانات=Zoology
- علم ارضیات=Geology
- علم معدنیات=Minerology
- علم لوگارثمات=Logaritham
- علم الاعداد=Numberology
- علم وبائیات=Epidemology
- علم نباتات=Botany
- علم جغرافیہ=Geography
- علم زائچہ وزائرچہ=Horoscopology
- علم صوتیات=Phonetic
- علم ادویات=Pharmacy
- علم مربعات=Squarology
- اقلیدس= Euclid
- علم تکسیر=Arthmetic
- علم رمل= Augury
- علم حکمت=Reasoning
- علم جنسیات=Temperament of scienceوغیرہ وغیرہ

امام احمد رضا محقق بریلوی کی عبقری شخصیت پر ملت اسلامیہ کا ہر فرد فخر کرسکتا ہے بلکہ اس عظیم ملک بھارت کا سر بھی آپ کی ستودہ صفات شخصیت کی وجہ سے بلند ہے کہ ایسا جامع الکمالات فرد اس دھرتی کا سپوت ہے۔امام احمد رضا محقق بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کو سمجھنے کے لیے علم ودانش کے ساتھ ساتھ وسیع النظری اور بالغ الفکری درکار ہے۔وہ علوم وفنون جن پر جمود وتغافل کے دبیز پردے پڑ چکے تھے، جن سے استفادہ کرنا تو درکنار ان علوم وفنون سے تجاہل عارفانہ کا سلوک عرصۂ دراز سے ہورہا تھا اور ان علوم وفنون کو ان کی سنگلاخی کی وجہ سے مایوس ہوکر فراموش کردیا گیا تھا، ان علوم وفنون میں آپ نے جدید قوانین، اصول اور ضوابط کے وہ لہلہاتے گل کھلائے کہ آنے والی نسل ہمیشہ آپ کی مرہون منت رہے گی۔

بے شک امام احمد رضا محقق بریلوی ایک مذہبی پیشوا تھے، عالم تھے، محدث تھے، فاضل تھے، مفسر تھے،

محقق تھے، ادیب تھے، فقیہہ تھے، حافظ تھے، مجدد تھے، ان وجوہات کی بناء پر اسلامیات میں آپ کا ماہر ہونا لازمی اور ضروری تھا۔ قرآن وحدیث آپ کے خاص عنوان وموضوع (Subject) تھے۔ لیکن دیگر دنیوی علوم وفنون جو عام طور سے کالجوں اور یونیورسٹیوں تک محدود ہیں اور مذہبی ذہنیت رکھنے والے اکثر وبیشتر لوگوں کو ان علوم وفنون سے دور کا واسطہ تک نہیں ہوتا۔ ایسے علوم وفنون میں امام احمد رضا محقق بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے علم وعرفان کے ایسے دریا بہائے ہیں کہ ہر ایک کو اس میں چاروناچار غوطہ زن ہونا پڑتا ہے۔

امام احمد رضا محقق بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان ۲۱۵ رعلوم وفنون میں مہارت رکھتے تھے، یہ راقم الحروف کا صرف دعویٰ نہیں بلکہ دلیل کے ساتھ ثابت کردیا ہے۔ راقم الحروف کی تصنیف ''خزینۃ العلم فی تصانیف المجدد الاعظم'' جو تقریباً پندرہ سو(۱۵۰۰) صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب میں امام احمد رضا محقق بریلوی کے ان ۲۱۵ رعلوم وفنون میں مہارت تامہ کا بیان، نیز آپ نے ان علوم وفنون کے تعلق سے اپنی کس تصنیف میں بحث کی ہے، اس کی تفصیل ملاحظہ فرما کر یقیناً آپ انگشت بدنداں ہوجائیں گے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان علوم وفنون میں آپ کی مہارت کا جب یہ عالم ہے، تو قرآن وحدیث وفقہ جو آپ کے خاص عنوان وموضوع (Subject) تھے۔ ان میں آپ کی مہارت کا کیا عالم ہوگا؟

الختصر! امام احمد رضا محقق بریلوی نے منصب مجددیت کی شایان شان خدمت دین میں جو سعی بلیغ فرمائی ہے، اس کی نظیر نہیں۔ خصوصاً ملت اسلامیہ کے بھولے بھالے مسلمانوں کے ایمان وعقائد واعمال کے تحفظ اور اصلاح کے سلسلہ میں آپ نے جو قلمی خدمات انجام دی ہے وہ فقید المثال ہے۔

اپنے آقا ومولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمت شان رفیع کا پرچم بلند کرنے کے لیے آپ نے نادرزمن جو رشحات قلم صفحۂ قرطاس پر منقش فرمائے ہیں، وہ ملت کے لیے عظیم سرمایۂ ایمان ہیں۔ اور جو محبت وعقیدت کے گلہائے تروتازہ سے گلستان قلب وجگر میں رنگت ومہک بسائی ہے، انھیں عہد خزاں کے تیز وتند

جھونکے بھی کسی قسم کی ضرر رسانی سے عاجز و قاصر رہیں گے۔ بارگاہ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گستاخوں کے رد میں کلک رضا کی جولانیاں آج بھی اپنی آب و تاب کے ساتھ غالب و منصور کی حیثیت سے ایسی مسلط ہیں کہ مخالفین کو دم مارنے کی جگہ نہیں۔ قرآن و حدیث سے غلط استدلال کر کے توہین رسول کا زہر اگلنے والے باطل گروہ کے رد میں آپ نے دلائل و براہین کی وہ بہتات جاری فرمائی کہ ایک صدی کا عرصہ گزر جانے کے بعد بھی دلائل رضا کا جواب دینے سے تمام فرقۂ باطلہ کے قلم کار مبہوت و ساکت ہیں۔ وہابی، دیوبندی جماعت کے مناظر آنجہانی مولوی عبدالوفا شاہجہاں پوری کا ایک قول یاد آتا ہے کہ انھوں نے کلک رضا کی جولانی کی تاب نہ لاتے ہوئے یہاں تک کہہ دیا تھا:

''مولانا احمد رضا بریلوی جب کسی معاملہ یا مسئلہ میں دلیل دینے پر آتے ہیں تو اتنی دلیلیں پیش کرتے ہیں کہ دلائل کا انبار لگا دیتے ہیں، ہم کہاں تک ان کی دلیلوں کا جواب دیں۔''

خیر! امام احمد رضا محقق بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کی دلیلوں کا جواب دینے سے قاصر باطل گروہ نے عوام الناس کو مغالطہ دینے کی فاسد غرض سے یہ غلط پروپیگنڈہ برپا کر رکھا ہے کہ:

''مولانا احمد رضا نے مختلف اسلامی عناوین پر چاہے بہت کچھ لکھ ڈالا ہو لیکن انھوں نے سیرت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر کچھ بھی نہیں لکھا۔''

حالاں کہ یہ ان کا بیجا واویلا ہے۔ دلائل کے میدان سے راہ فرار اختیار کرنے والے بزدلوں نے شرم سے ڈوب مرنے کے بجائے کیچڑ اچھالنے کا شیوہ اختیار کیا ہے۔

اگر ان افترا پردازوں میں ذرہ برابر بھی غیرت ایمانی ہوتی تو وہ اس حقیقت سے قطعاً روگردانی نہ کرتے کہ امام احمد رضا محقق بریلوی نے جو کچھ بھی لکھا ہے، چاہے وہ نظم و نثر ہو یا فقہ و تفسیر، وہ اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت ہی ہے۔ سیرت کا لغوی معنی وصف بیان کرنا ہے۔ آپ ذرا امام

احمد رضا محقق بریلوی کی تصانیف کا بنظر عمیق جائزہ لیں گے تو یہ حقیقت آفتاب نصف النہار کی طرح سامنے آجائے گی کہ امام احمد رضا کی زندگی کا ہر لمحہ اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وصف بیان کرنے میں ہی بسر ہوا ہے۔ ولادت عظیمہ، خَلق جمیل، خُلق عظیم، ایام طفلی کے فقید المثال حالات و واقعات، عالم شباب میں صادق الامین پزیرائی، معاشی، معاشرتی، تجارتی، سماجی، ازدواجی، رواجی، ثروتی، انفرادی، اجتماعی، قومی اور مذہبی زندگی، جسم اقدس کا حسن و جمال، اخلاق کریمہ، تواضع وانکساری، تحمل وبردباری، صبر ورضا، جود وسخا، عبادت و ریاضت، شجاعت و جواں مردی، اختیارات وتصرفات، معجزات وخرق عادات واقعات، علم ما کان و ما یکون، بے سایہ جسم اقدس، نوری بشریت، دوررس نگاہیں، مجاہدانہ زندگی، اعلائے کلمۃ الحق میں سعی بلیغ، بلاخوف لومۃ لائم حق گوئی، بالمومنین رءوف ورحیم کا وصف، اشد علی الکفار کی ہیبت، نصرت ورعب کا کمال، شان جلال و جمال کی رعنائیاں، ختم نبوت کا فضل، سید الانبیاء والمرسلین کا وصف، وحی خدا کی حامل لسان فیض ترجمان، کن کی کنجی والی زبان اقدس کی نافذ حکومت، سرعرش پر قدم ناز کا گزر، دل فرش پر نظر، کوئی ان سا ہوا نہ ہوگا کی بے مثالی وغیرہ اوصاف جلیلہ، رفیعہ، عالیہ، بالغہ، جمیلہ، ساطعہ، قاطعہ، قطعیہ، عظیمہ کے دل نشین بیان میں ارقام شدہ نادرزمن تصانیف اس بات کی شاہد عادل ہیں کہ حضرت رضا صرف اور صرف اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اوصاف میں ہی ہمہ وقت محو تھے۔

حضرت رضا کی تصانیف مثلاً: ♦ تجلی الیقین ♦ الامن و العلیٰ ♦ سلطنت مصطفیٰ ♦ الدولة المكية ♦ اللؤلؤ المكنون ♦ اجلال جبرئيل ♦ فقه شهنشاه ♦ المجمل المدد ♦ بركات الامداد ♦ انوار الانتباه ♦ منير العين ♦ حيات الموات ♦ شمول الاسلام ♦ الزهر الباسم ♦ اسماء الاربعين ♦ نهج السلامه ♦ بدر الانوار ♦ جزى الله عدوه ♦ جمان التاج ♦ شفاء الواله ♦ انباء المصطفىٰ ♦ ابراء المجنون ♦ ازاقة الاثام ♦ عروس مملكة الله ♦ خالص الاعتقاد ♦ سيف مصطفىٰ ♦ المبين ختم

النبیین ♦ العروس الاسماء الحسنیٰ ♦ ظفرا لدین المجید ♦ سمع و طاعۃ لاحادیث الشفاعۃ ♦ صلات الصفاء بنور المصطفیٰ ♦ مالی الجیب بعلوم الغیب ♦ المیلاد النبویۃ ♦ ازاحۃ العیب بسیف الغیب ♦ منبہ المنیہ ♦ النور والضیاء ♦ نطق الھلال بارخ ♦ نفی الفی ♦ ھدی الحیران وغیرہ کتب سیرت النبی پر مشتمل نہیں تو پھر کیا ہیں؟

جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں کہ سیرت کا لغوی معنی ہے وصف بیان کرنا، تو جب کسی کی سیرت لکھی جاتی ہے، تب اس امر کو خاص طور پر ملحوظ رکھا جاتا ہے کہ جس کی سیرت لکھی جا رہی ہے اس کی تعریف وتوصیف ہی بیان کی جائے، اگر سیرت نگار بجائے تعریف وتوصیف کے توہین وتنقیص کا پہلو اختیار کرے، تو اب اس کا لکھنا فضیلت بیان کرنا نہ رہا بلکہ فضیحت کا تذکرہ ہو گیا۔ ایسی مذموم سیرت نگاری سے لاکھ درجہ بہتر سکوت اختیاری ہے بلکہ واجب ہے۔ کیوں کہ اس صورت میں اس پر صرف یہی الزام لگے گا کہ اس نے سیرت کے تعلق سے کچھ نہیں لکھا۔ متہم اور گستاخ ہونے کا بدنما داغ اس کی جبیں پر ہر گز نہیں لگے گا۔

لیکن ہائے افسوس! امام احمد رضا محقق بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے اپنی زندگی کا ہر لمحہ صرف اور صرف اپنے آقا ومولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت نگاری میں صرف فرمایا ہے پھر بھی مخالفین ہر وقت یہی سینہ کوبی کرتے ہیں کہ سیرت پر کچھ نہیں لکھا۔ ارے امام احمد رضا محقق بریلوی نے تن تنہا سیرت پر اتنا لکھا ہے کہ مخالفین کی پوری جماعت کے مصنفین نے مجموعی طور پر اس کا چوتھائی حصہ بھی نہیں لکھا۔

اور جو لکھا ہے......وہ بھی!!!

ایسا گھناؤنا اور پھوہڑ ہے کہ اس سے لاکھ مرتبہ واجب یہ تھا کہ نہ لکھتے۔ سیرت نگاری کے بہانے بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں بے ادبی اور گستاخی کرنے کا پہلو اختیار کیا گیا ہے۔ مثلاً :

جس کو وہابی، دیوبندی، تبلیغی جماعت کے متبعین، مایۂ ناز مناظر، مسلم امام اور حجۃ الاسلام جیسے القاب سے ملقب کرنے میں فخر محسوس کرتے ہیں، اس آنجہانی مولوی عبدالشکور کاکوروی، ناظم شعبہ اردو دارالعلوم دیوبند اور مدیر ماہنامہ "النجم لکھنؤ" نے ایک مختصر سا کتابچہ بنام "مختصر سیرت نبویہ" لکھا ہے۔ اس کے صفحہ نمبر ۲۲ کی عبارت لفظ بلفظ ہم یہاں نقل کرتے ہیں :

"لیکن باوجود ان محاسن عقلیہ کے محاسن شرعیہ سے آپ بالکل بے خبر تھے۔ محاسن شرعیہ کی اصل اصول یعنی ایمان باللہ کی حقیقت بھی آپ نہ جانتے تھے۔ **قال اللہ تعالیٰ "ووجدک ضالا فھدی" و قال " ما کنت تدری ما الکتٰب و لا الایمان " و قال " ما کنت تعلمہ انت و لا قومک"** یعنی اور پایا اس پروردگار نے آپ کو راہ سے بے خبر پس ہدایت کی اس نے آپ کو۔ نہیں جانتے تھے آپ کہ کیا چیز ہے کتاب خدا اور نہ جانتے تھے کہ ایمان باللہ کیا چیز ہے۔ نہیں جانتے تھے اس کو آپ اور نہ آپ کی قوم کے لوگ۔

اخلاقی محاسن کے تین جز ہیں۔ تہذیب اخلاق، تدبیر منزل، سیاست مدن۔ ان تینوں سے آپ قطعاً و اصلاً بے خبر تھے۔ جب آپ یہ بھی نہ جانتے تھے کہ کتاب الٰہی کیا چیز ہے اور ایمان کیا چیز ہے تو اور محاسن سے آپ کو کیوں کر آگاہی ہو سکتی ہے۔

کبھی کچھ ایسے کلمات آپ کی زبان سے صادر نہیں ہوئے، جس سے یہ معلوم ہوتا کہ آپ اپنے لیے اس مرتبہ عظمیٰ کی امید رکھتے ہیں جو چالیس برس کے بعد آپ کو عنایت ہوا۔"

(مختصر سیرت نبویہ، مصنف: مولوی عبدالشکور کاکوروی، مطبوعہ: عمدۃ المطابع برقی پریس، لکھنؤ۔ ص ۲۲)

مندرجہ بالا عبارت پر کچھ بھی تبصرہ نہ کرتے ہوئے صرف اتنا ہی کہنا ہے کہ اس عبارت میں وہابی، دیوبندی، تبلیغی جماعت کے پیشوا آنجہانی مولوی عبدالشکور کاکوروی نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی

صریح توہین کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

معاذ اللہ! ثم معاذ اللہ!

- آپ چالیس سال کی عمر تک ایمان باللہ کی حقیقت بھی نہ جانتے تھے۔
- آپ یہ بھی نہ جانتے تھے کہ اللہ کی کتاب یعنی قرآن کیا چیز ہے۔
- آپ یہ بھی نہ جانتے تھے کہ ایمان کیا چیز ہے۔
- آپ اپنے لیے مرتبہ عظمیٰ یعنی نبوت ملنے کی بھی امید نہ رکھتے تھے۔
- جب آپ ایمان، قرآن اور ایمان باللہ کی حقیقت سے ناواقف تھے، تو دیگر محاسن سے بھی آپ کو آگاہی نہ تھی۔
- آپ راہ حق سے بے خبر تھے۔ وغیرہ وغیرہ۔

صرف چونسٹھ (۶۴) صفحات پر مشتمل کتاب ''مختصر سیرت نبویہ'' لکھ کر مولوی عبدالشکور کاکوروی نے اپنے کو سیرت نگاروں کی جماعت میں شامل کرانے کی سعی بیجا کی ہے۔ یعنی بالفاظ دیگر ناخن کٹوا کر سر کٹانے والوں (شہداء) کی فہرست میں نام درج کرانے کی کوشش کی ہے۔ اور اس پر طرہ یہ ہے کہ سیرت نگاری کا اصل مقصد وصف بیان کرنے کے بجائے جرح وقدح سے کام لیا ہے۔ ایسی غیر ایمانی اور نا قابل برداشت عبارت لکھنے پر نادم وشرمندہ ہونے کے بجائے الثاان وہابیوں، دیوبندیوں نے امام احمد رضا محقق بریلوی کے خلاف ''سیرت پر کچھ نہ لکھا'' کا واویلا مچایا۔ ان میں اگر ذرہ برابر بھی غیرت ایمانی ہوتی تو چلو بھر پانی میں ڈوب مرتے۔

ارے امام احمد رضا محقق بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کی زندگی کا ہر لمحہ اپنے آقا ومولیٰ صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت نگاری کے ذریعہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمت، رفعت، وقعت، الفت، محبت، شفقت، شان دیانت، امامت، رسالت، نبوت، معجزات، کرامات، نصرت، قدرت، شجاعت، ہمت، عبادات وریاضت، خدا سے خوف وخشیت، رحمت وجلالت، انسیت، وجاہت وشفاعت، ملکیت ومحبوبیت، آپ کا حسن و جمال، افصح البیانی کا کمال، دلکش چال ڈھال، آپ کے دربار کی چہل پہل، آپ کا حال وقال، ولادت ووصال، کرم وافضال، عطاو بذل، ذات میں بے مثل، صفات میں بے مثال، شان توکل، عنبری کاکل وغیرہ کا وصف بیان کرنے میں ہی بسر ہوا ہے۔ آپ کے رشحات قلم ...... وصف رسول وسیرت نبی کے وہ بیش بہا موتی زینت قرطاس بنے ہیں کہ جن کی چمک، دمک سے آنکھیں خیرہ ہوجاتی ہیں۔

نیز امام احمد رضا نے سیرت نگاری میں اس امر کا بھی خاص طور پر اہتمام والتزام فرمایا ہے کہ گستاخان رسول کے ذریعہ توہین رسول کے لگائے گئے مغیلان زہرآلود کی بیخ کنی بھی کی جائے۔ مثلاً: گستاخ رسول مولوی عبد الشکور کاکوروی کی رسوائے زمانہ کتاب کی مذکورہ عبارت کا رد امام احمد رضا نے صرف ایک حدیث سے فرمادیا، مسند امام احمد بن حنبل جلد۴، ص ۱۲۸۔ اور المستدرک للحاکم کتاب التاریخ ذکر اخبار سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، جلد۲، ص۶۰۰ کے حوالے سے نقل فرمایا ہے کہ:

حدیث :احمد وحاکم وبیہقی وابن حبان نے حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں :

”انی مکتوب عند اللہ فی ام الکتاب خاتم النبیین و ان آدم لمنجدل فی طینتہ.“

بے شک بالیقین میں اللہ کے حضور لوح محفوظ میں خاتم النبیین لکھا ہوا تھا اور ہنوز آدم اپنی مٹی میں تھے۔

(۱) جزی اللہ عدوہ باباء ختم النبوۃ ص ۳۸

(۲) فتاوی رضویہ (مترجم) مطبوعہ مرکز اہل سنت برکات رضا، پوربندر، جلد۱۵، ص ۶۶۵

جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس وقت بھی نبی تھے، جب کہ حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کی تخلیق ہو رہی تھی، تو ثابت ہوا کہ آپ پیدائش کے وقت بھی نبی تھے۔ اور جب آپ پیدائش کے وقت نبی تھے تو آپ ایمان باللہ اور کتاب اللہ سے یقیناً بے خبر نہ تھے۔ اور نہ ہی آپ راہِ حق یعنی شریعت سے بھی بے خبر تھے۔

الحاصل! امام احمد رضا پر مخالفین کا یہ اعتراض کہ احمد رضا محقق بریلوی نے سیرت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تعلق سے کچھ نہیں لکھا، درحقیقت ایسا بے بنیاد واویلا ہے، جس کا سر ہے نہ پیر۔ امام احمد رضا محقق بریلوی نے سیرت کے تعلق سے مختلف عنوانات کے تحت انفرادی طور پر بہت کچھ لکھا ہے۔ مخالفین کے اس اعتراض کی قلعی کھولنے اور ان کے افتراء پردازی کی بدحواسی کا پردہ چاک کرنے میں صاحب تصانیف کثیرہ، عالم جلیل، فاضل نبیل، حضرت **علامہ ومولانا محمد عیسیٰ رضوی**، شیخ الحدیث جامعہ رضویہ مظہر العلوم، گرسہائے گنج، ضلع قنوج (یوپی) نے انتہا درجہ کی جدوجہد فرما کر تصانیف امام احمد رضا میں سیرت رسول یا سیرت رسول سے تعلق رکھنے والی بحثیں جو بکھرے ہوئے جواہر پاروں کی طرح تھیں، ان تمام ابحاث کو یکجا کر کے ایک عظیم کارنامہ انجام دیا ہے۔ اسی سلسلۃ الذہب کی ایک اہم کڑی، ان کی زیر نظر کتاب ''سیرت مصطفیٰ جانِ رحمت'' صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے۔

زیر نظر کتاب کل چار ۴ ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔ تقریباً چار ہزار صفحات میں پھیلی ہوئی یہ تاریخی کتاب رضویات کے بے بہا خزانے میں یقیناً اضافہ کر رہی ہے اور اس کی افادیت صرف خواص تک محدود نہ رہتے ہوئے عوام المسلمین کے لیے بھی نفع بخش علمی سرمایہ ثابت ہوگی۔

فاضل مصنف حضرت علامہ محمد عیسیٰ رضوی صاحب ہماری جماعت کے ذوفنون عالم دین ہیں۔ جن کے قلم کی برق رفتاری اور معتبری کا اہل علم طبقہ معترف وقائل ہے۔ تلاش جزیہ، تحقیق حوالہ، رجوع الی الماخذ، وصول دلیل، اعتدال، دعویٰ استنباط واستخراج، سلاست موضوع، سلامت روی، صحت براہین، عام

فہم اور سلیس انداز بیان، گرفت عنوان، تقسیم ابواب، تعین فصل، معتمد و معتبر و مستند دلائل، رواں رواں جملے، الفاظ کی بندش، اظہار و اخفاء، لیاقت عرض و معروض، معنی و مطلب و مقصد و مراد کی وضاحت، صدق گوئی، اجتناب کذب، ترک متروک و غیر ثقہ روایات، تحقیق انیق، افہام و تفہیم کی جدت و ندرت، سحر بیانی، شیریں لسانی وغیرہ اوصاف فاضل مصنف کی انوکھی شان ہیں۔ جن کا صحیح اندازہ زیر نظر کتاب ''سیرت مصطفیٰ جان رحمت'' (ﷺ) کے مطالعہ سے آجائے گا۔

فاضل مصنف کی کئی معترکۃ الآراء تصانیف زیور طباعت سے آراستہ ہوکر منظر عام پر آچکی ہیں۔ جو مقبول عام و خاص ہوکر فیض رسانی کی باد بہار بن کر اہل ایمان کو مسرور کر رہی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس ضخیم اور بیش بہا علمی سرمایہ کو کتاب کی شکل میں ناظرین کے ہاتھوں تک پہنچانے کی سعادت ہمیں حاصل ہو رہی ہے، بارگاہ خداوندی میں دعا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے محبوب اعظم واکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقہ و طفیل فاضل مصنف اور ہم کو جزائے خیر عطا فرمائے اور اس کتاب کے نفع بخش نتائج سے ملت اسلامیہ کو بہرہ مند فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

مورخہ : ۵؍صفر المظفر ۱۴۲۷ھ
مطابق : ۶؍مارچ ۲۰۰۶ء
بروز : عیدو دوشنبہ

خانقاہ عالیہ برکاتیہ مارہرہ مقدسہ اور
خانقاہ رضویہ نوریہ بریلی شریف کا
ادنیٰ سوالی
عبدالستار ہمدانی ''مصروف'' برکاتی، نوری

تقریظ

از: بقیۃ السلف، استاذ العلماء حضرت علامہ مفتی سید محمد عارف صاحب رضوی (مدظلہ العالی)

نان پارہ، بہرائچ (یوپی)

پچھلی کئی دہائیوں میں مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ پر مختلف جہات اور متنوع انداز میں کام ہوا، علماء و محققین اور دانشوران ملت نے ان کی زندگی کے ان گوشوں کو دلائل وشواہد کی روشنی میں واضح وآشکارا کیا جو آج تک پردۂ خفا میں تھے، یا وہ عدم توجہی اور بے اعتنائی کے شکار تھے۔ امام احمد رضا بریلوی کی زندگی میں علم وفن کی وہ اعلیٰ تحقیقات اور نادر علمی خزائن موجود ہیں، جن پر کما حقہ کام کرنے کے لیے محققین کو نہ جانے اور کتنے سال لگیں گے، ان کی ہمہ گیریت کو منصۂ شہود پر لانا کسی ایک فرد، ایک شخص یا کسی کا تنہا کدوکاوش کرنا، جوئے تیر لانا یا دوپہر کے سورج کو چراغ دکھانا ہے۔ اس کے لیے کسی بڑے ادارے اور بڑی انجمن یا ایک دائرۃ المعارف کی ضرورت ہے کیوں کہ امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے تن تنہا جو دینی وعلمی خدمات وکارہائے نمایاں انجام دیے ہیں وہ کسی ایک شخص کا کام نہیں ہے بلکہ وہ ایک بڑی سے بڑی تحریک وانجمن اور بڑے ادارے کا کام ہے، قلیل مدت میں ان کی تنہا دینی سرگرمیاں کسی ادارے کے برسوں کی خدمات وسرگرمیوں پر بھاری اور زیادہ ہیں۔

مگر حیرت ہے کہ آخر انھوں نے اکیلے اور تن تنہا اتنے ڈھیر سارے کام اور مختلف علوم وفنون پر تصانیف کے انبار کیسے لگا دیے؟ وہ کوئی مشین یا کمپیوٹر نہیں تھے بلکہ وہ ایک انسان تھے اس کے جواب میں ہمیں یہ برملا کہنا پڑے گا اور تسلیم کرنا پڑے گا کہ ان کی یہ خداداد کرامت تھی، ان پر اللہ عزوجل کا یہ خاص فضل واحسان تھا "ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء" (وہ جسے چاہتا ہے فضل عظیم عطا فرماتا ہے) ورنہ ایسے محیر العقول کارنامے انجام دینا کسی عام انسان کا کام نہیں اور کسی عام انسان کے بس کی بات نہیں، یا یہ کہا

جائے کہ وہ ایسے تھے جیسے "چوں قلم دردست کاتب" یعنی بظاہر قلم تو امام احمد رضا بریلوی کے ہاتھ میں تھا، مگر درحقیقت لکھانے والا کوئی اور تھا، یا کسی مخفی قوت نے ان سے لکھوایا اور انھوں نے لکھا، زندگی بھر لکھتے رہے اور ایسا لکھا کہ عرب وعجم کے علماء وفضلاء کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔

وہ مجدد تھے شان تجدید کا تقاضا ہی یہ ہے کہ مردہ علوم یا مردہ سنتوں کو زندہ کیا جائے انہوں نے ان علوم وفنون سے دنیا کو آگاہ کیا جن سے اس زمانے کے بہت کم لوگ آشنا تھے، جن فنون پر ان کی خدمات وتصانیف موجود ہیں ان میں سے بیشتر ابھی تک ایسی ہیں جن کو ہاتھ تک نہ لگایا گیا تقریباً ایک صدی سے ان کے جن علمی گوشوں کو واضح وآشکارا کیا جارہا ہے وہ تو مروجہ علوم وفنون ہیں جنھیں عام لوگ سمجھ سکتے ہیں ورنہ ان تمام علمی وفنی تحقیقات کے جملہ گوشوں اور ہمہ گیر پہلوؤں کو کما حقہ اجاگر وظاہر کرنے کے لیے ایک دوسرے امام احمد رضا کی ضرورت ہے، ہوسکتا ہے کوئی شخص میری اس بات کو مبالغہ آرائی اور جزاف پر محمول کرنے کی کوشش کرے، مگر حقائق وشواہد کے اجالے میں سچائی یہی ہے، ان کی بعض مطبوعہ تصانیف کے بعض ابحاث کے مندرجات سے اس کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، ان مباحث کو سمجھنے والے ہندوستان بھر میں انگلیوں پر گنے جانے والے چند افراد ہی موجود ہیں یہ تو معدودے چند مباحث کی بات ہے پھر کیا خیال ہے، ان تصانیف کے بارے میں جو پوری کی پوری ایسے ہی ابحاث وفنون پر مشتمل ہیں؟ ان تصانیف کا حل اور ان کا خلاصہ کون پیش کرسکتا ہے عقل وخرد کے پر وہاں جل اٹھتے ہیں جہاں پر امام احمد رضا کی بصیرت ودانائی محو پرواز ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ دنیا بھر کے علماء وافاضل ان کے معترف اور مداح نظر آتے ہیں۔

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کی شخصیت اور ان کے علمی کارناموں سے متعلق اب تک جو اور جتنا کام ہوا ہے وہ انتہائی امید افزا اور خوش آئند اقدام ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہماری جماعت کے علماء ومحققین اور دانشوران ملت بیدار ہیں، جمود وتغافل کے دبیز پردے ہٹ گئے ہیں صبح امید کا اجالا پھیل چکا

ہے ذہن وخیال کے ظلمت کدوں میں حقائق وسچائیوں کا سورج طلوع ہو چکا ہے جس کی ضیاء پاشیوں سے علم وفضل کے وہ بلند وبالا مینار تعمیر ہوئے جن کی نور بار شعاعوں سے عالم اسلام کا گوشہ گوشہ جگمگا اٹھا اور عرب وعجم کا علمی حلقہ نور ونکہت میں ڈوب گیا۔

زیر نظر کتاب ''سیرت مصطفیٰ جان رحمت'' صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (چار جلد) اسی سلسلۃ الذہب کی ایک اہم کڑی اور اس کا غیر معمولی حصہ ہے اس کتاب میں امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کی تصانیف سے چن چن کران تمام مضامین کو یکجا کر دیا گیا ہے جن کا تعلق سیرت الرسول یا اس سے متعلق کسی بھی بحث سے ہے اس کتاب کو میں نے چند مقامات سے دیکھا جس سے اندازہ ہوا کہ فاضل مولف میرے تلمیذ رشید عزیز گرامی حضرت مولانا محمد عیسیٰ صاحب رضوی قادری شیخ الحدیث الجامعۃ الرضویہ مظہر العلوم گرسہائے گنج ضلع قنوج نے انتہائی محنت وجاں فشانی اور عرق ریزی سے سیرت کا یہ مجموعہ تیار کیا ہے، عزیز موصوف کی یہ کاوش یقیناً سراہنے کے لائق ہے اور وہ پوری ملت کی طرف سے داد وتحسین اور مبارک باد کے مستحق ہیں ہماری جماعت کو ایسے مصنفین کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیئے، عزیز موصوف کی یہ عظیم خدمت وکارنامہ تاریخی حیثیت سے بھی یاد کیا جائے گا۔

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کے تعلق سے سیرت کی یہ کتاب اس اعتبار سے بھی اور زیادہ اہمیت کی حامل ہے کہ یہ غیروں کے اس اعتراض کا دنداں شکن اور مسکت جواب ہے کہ امام احمد رضا بریلوی نے اگر چہ ایک ہزار سے زائد کتابیں تصنیف کیں، مگر سیرت الرسول کے تعلق سے کچھ نہیں لکھا اگر چہ یہ اعتراض بے بنیاد اور لایعنی تھا مگر معترضین کی زبان دوزی کے لیے ہم اس کتاب کو فخر وانبساط کے ساتھ پیش کر سکتے ہیں۔

اور یہ کہ ''سیرت مصطفیٰ جان رحمت'' صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سیرت کی کتاب ہونے کی حیثیت سے ہماری جماعت اہل سنت کی اس کمی اور خلا کو بھی پورا کر دے گی، جس کا برسوں سے احساس تھا ہمارے یہاں

سیرت الرسول کے عنوان سے ایسی مبسوط اور ضخیم کتاب میرے خیال میں پہلی بار شائع ہوئی، اس اعتبار سے اگر دیکھا جائے تو اس کے مولف نے وہ کفارہ بھی ادا کر دیا جو پوری ملت پر برسوں سے قرض تھا، یقین جانیے تشنہ لبوں کے کام و دہن اس کتاب سے سیراب وشادماں ہو جائیں گے، ان کی تشنگی زائل و دور ہو جائے گی، انھیں پھر اس کمی اور مافات کا شکوہ نہ ہوگا۔

عزیز گرامی حضرت مولانا محمد عیسیٰ صاحب رضوی قادری ایک لائق وفائق فاضل ہیں درس نظامی پر مکمل عبور ومہارت رکھتے ہیں اس چھوٹی سی عمر میں ان کے علمی کارناموں اور خدمات کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے اندر ملت کا درد اور امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کا عشق و وارفتگی موجزن و موجود ہے یہ عشق وعقیدت ہی کی کارفرمائیاں ہیں ورنہ ایسی ضخیم ومبسوط کتاب لکھنے کی بہت ہی کم لوگ آج کل ہمت کرتے ہیں چوں کہ عقل وخرد کی منزل جہاں گم ہوتی ہے وہاں پر عشق ومحبت کی منزل کا پہلا زینہ ہوتا ہے۔

ہم کھلے دل سے اعتراف کرتے ہیں کہ قلیل مدت میں عزیز موصوف کی قلمی خدمات سے آپ کو حیرت بھی ہوگی اور فرحت وشادمانی بھی، تصنیف وتالیف کی شکل میں زیر نظر کتاب ''سیرت مصطفیٰ جان رحمت'' صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علاوہ ان کے دیگر قلمی شاہکار یہ ہیں۔

(۱) ''امام احمد رضا اور علم حدیث'' (پانچ جلد) تین جلدیں مطبوعہ، دو جلدیں زیر طبع۔

اس کتاب میں تصانیف امام احمد رضا بریلوی سے منتشر احادیث کریمہ کو یکجا ومجتمع کیا گیا ہے اور خوبی کی بات یہ ہے کہ احادیث کو اصل کتابوں کے حوالوں سے مزین وآراستہ بھی کر دیا گیا ہے۔

یہ کتاب بھی غیروں کی اس ہرزہ سرائی کا جواب ہے کہ امام احمد رضا بریلوی علم حدیث میں کم مایہ تھے، حالاں کہ ان کی حدیث دانی کا عالم یہ ہے کہ ایک ایک مسئلہ کو ثابت و واضح کرنے کے لیے

سوسوا احادیث پیش کرتے ہیں اور کبھی کبھی یہ تعداد تین سو تک پہنچ جاتی ہے، جب کہ حدیث کی کسی بھی کتاب میں ایک مسئلہ سے متعلق اتنی حدیثیں یکجا نہیں ملیں گی، یہ کتاب امام احمد رضا بریلوی کی علم حدیث پر مہارت وحذاقت اور ان کی وسعت معلومات کی بین دلیل اور واضح ثبوت ہے۔

(۲) ''تعارف تصانیف امام احمد رضا'' (دوجلد) جلد اول مطبوع، جلد دوم غیر مطبوع۔

اس کتاب میں تصانیف رضا کا تعارف و تجزیہ پیش کیا گیا ہے جس سے قاری کو معلوم ہو جاتا ہے کہ ان کی فلاں کتاب یا فلاں رسالے میں کس مسئلہ پر گفتگو کی گئی ہے، اس کا موضوع کیا ہے، وہ کب اور کس سوال کے جواب میں لکھا گیا، مابہ الامتیاز اس کی خصوصیات کیا ہیں۔

(۳) علوم القرآن، ترجمہ ''انباء الحی ان کلامه المصون تبیانا لکل شیء'' (زیر طبع)

جس زمانے میں ''الدولة المکیة'' کی گونج عرب وعجم میں سنائی دی اس کے بعد ہی ''الدولة المکیة'' کی ایک بحث سے متعلق امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے ''انباء الحی'' تصنیف کی جو ایک مستقل حاشیہ کی حیثیت سے ہندو پاک سے شائع ہوا۔ مولانا محمد عیسیٰ صاحب نے اس کا سلیس اردو میں ترجمہ کیا جس کی ضرورت شدت سے محسوس کی جارہی تھی، اصل کتاب تقریباً پانچ سوصفحات پر مشتمل ہے، اور یہ کتاب انتہائی معلومات افزا ہے اس میں یہی ثابت کیا گیا ہے کہ قرآن عظیم میں جو علوم و معارف موجود ہیں، وہ سب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاصل ہیں۔

(۴) عظمت قرآن، ترجمہ ''انوار المنان فی توحید القرآن'' (غیر مطبوع)

یہ کتاب مسئلہ خلق قرآن سے متعلق ہے کہ قرآن عظیم کلام اللہ ہے مخلوق نہیں ہے کلام اللہ صفت قدیمہ ازلیہ ہے حادث ونو پیدنہیں ہے اسے امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے رسالہ ''الکشف

شافیا فی حکم فونو جرافیا '' کی تصنیف کے دوران میں ایک ضمنی مسئلہ کی تحقیق میں تحریر فرمایا، اصل کتاب ۳۲ر صفحات پر مشتمل ہے۔

(۵) ''فیضان اعلیٰ حضرت'' (زیر ترتیب)

یہ کتاب عقائد و اعمال کی اصلاح و تربیت اور مراسم اہل سنت پر ایک گراں قدر اور عظیم کاوش ہے خاص بات یہ ہے کہ اس کے تمام مضامین امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کی تصانیف و فتاوے ہی سے ماخوذ و مستخرج ہیں مولانا موصوف نے مجھ سے بتایا کہ یہ کتاب ایک ضخیم جلد میں ہوگی اسے مساجد و مجالس میں سنایا جا سکے گا، کیوں کہ اس کتاب میں احادیث نبویہ، مسائل شرعیہ، عقائد حقہ، پند و نصائح، مواعظ و امثال اور حکایات اولیاء وغیرہ مفید و معلومات انگیز باتوں کو عام فہم اور سلیس انداز میں پیش کیا گیا ہے اس کا بیشتر کام ہو چکا ہے تاہنوز اس کا سلسلہ جاری ہے۔

اخیر میں ہم مخلص گرامی حضرت مولانا عبدالستار صاحب ہمدانی برکاتی رضوی کو دل کی گہرائیوں سے مبارک باد پیش کرتے ہیں کہ انھوں نے زیر نظر کتاب ''سیرت مصطفیٰ جان رحمت'' صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بارگراں اٹھایا اور اس کی طباعت و اشاعت میں خلوص دل سے حصہ لیا، یہ مولانا ہمدانی کے خلوص وللّٰہیت اور امام احمد رضا سے ان کے عشق وعقیدت کا آئینہ دار ہے، میری معلومات میں انھوں نے ادارہ ''مرکز اہل سنت برکات رضا'' قائم کرکے ایک عظیم دینی کارنامہ انجام دیا جس کے حوالے سے اب تک کافی کتابیں قوم کی میز پر پہنچ چکی ہیں۔ خصوصاً امام احمد رضا بریلوی کے تعلق سے اس ادارہ سے جو کام ہوا ہے وہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے، مجھے امید ہے کہ مستقبل کا مورخ ان کے عظیم و جلیل کارناموں کو فراموش نہیں کرے گا بلکہ انھیں وہ اپنی تاریخ کا پہلا باب اور جزء اول قرار دے گا۔

حضرت مولانا عبدالستار ہمدانی صاحب ہماری ملت کے ایک جیالے فرزند ہیں وہ ایک عظیم

مصنف بھی ہیں اور ایک جلیل القدر مورخ بھی، وہ بے پناہ مصروف زندگی گزارتے ہیں اس کے باوجود وہ بذات خود مختلف زبانوں میں سو سے زائد کتابوں کے مصنف بھی ہیں، اللہ تعالیٰ نے انھیں شعور وادراک کی منزل سے ہمکنار کیا ہے، انھیں سوچنے سمجھنے کی صلاحیت عطا کی ہے، مولیٰ تعالیٰ انھیں عمر خضر عطا فرمائے اور ان کے ادارے کو شب وروز کی ترقیوں سے مالا مال کردے، آمین۔

وما توفیقی الاباللہ علیہ توکلت والیہ انیب

سید محمد عارف رضوی

سابق شیخ الحدیث جامعہ منظر اسلام بریلی شریف

بانی جامعہ رضویہ حسینیہ، نان پارہ

ضلع بہرائچ (یوپی)

یکم اگست ۲۰۰۵ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمۃ الکتاب

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔

یا یحییٰ خذ الکتاب بقوۃ

اے یحییٰ کتاب مضبوط تھام (القرآن)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمۃ الکتاب

مکے کی شب دیجور میں جب صبح کا آفتاب ہدایت طلوع ہوا تو اس کی عنبر فشاں شعاعوں سے نہ صرف مکے کے ظلمت کدے روشن و منور ہوئے بلکہ ریگ زار عرب کا ایک ایک ذرہ چمک اٹھا، اس کی نور بار کرنوں سے صرف عرب کی ظلمت و تاریکی کا فور زائل نہیں ہوئی بلکہ کائنات کا گوشہ گوشہ جگمگا اٹھا، اس کے نور و نکہت سے عظمت انسانیت کے مقدر میں خوشبوؤں کا سویرا ہوا، آفتاب نبوت کی روشنی سے انسانوں کے ذہن و دماغ میں سرمدی اجالا پھیلا، گم گشتگان راہ کو منزل ہدایت کا نشان و سراغ ملا، مدتوں کے بھٹکے ہوئے فریب خوردہ انسان عرفان و ایقان کے راستے پر گامزن ہوئے، بیقرار و مضطرب روحوں کو طمانیت و آسودگی حاصل ہوئی۔

جو اپنے ہاتھوں سے بنائے ہوئے خداؤں کے سامنے جھکنے کو زندگی کی معراج کمال سمجھتے تھے اس سے سر مو تجاوز و انحراف کرنے کو اپنے خاندان و قبیلے کی توہین و تذلیل سمجھتے تھے، جو لات و ہبل کے پجاری تھے وہی شراب و شباب کے خوگر و عادی تھے، عصمت و عفت کا جنازہ انھیں بدمست پجاریوں کے ہاتھوں نکلتا تھا، انسانی وقار و عظمت انھیں کے ہاتھوں پامال و رسوا ہو رہی تھی، لاقانونیت و لادینیت کی دلدل و تاریکی میں پورا عرب بھٹک رہا تھا، کعبہ مقدسہ جو انبیاء و مرسلین کی سجدہ گاہ تھا وہاں مصنوعی خداؤں کا ہجوم و ڈیرا جما ہوا تھا، کعبہ کی عظمت و تقدیس بتوں کی آلائش و گندگی سے مجروح ہو چکی تھی، ظلم و بربریت کی ہر طرف گرم بازاری تھی، ظالم و جابر انسانوں کی حکومت و حکمرانی تھی، جبر و استبداد کی زنجیروں میں انسان جکڑا ہوا تھا، مظلوموں کی آہ و بکا رحمت و غفران کے باب اجابت میں دستک دے رہی تھی۔

انسان پورے طور پر خدا فراموش ہو کر خود فراموش ہو چکا تھا، خدا کا یقین و اعتقاد ایک تاریخی نظریہ

اور علم سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا تھا، لوگ صرف تاریخی طور پر یہ تسلیم کرتے تھے کہ اس عالم کو کسی زمانہ میں خدا نے پیدا کیا تھا و لئن سالتھم من خلق السموات و الارض لیقولن الله لیکن عملی زندگی کا کوئی ربط و تعلق اس سے باقی و موجود نہیں رہا تھا اور زندگی عملاً اس طرح گزر رہی تھی گویا خدا نہیں ہے یا ہے تو معاذ اللہ گوشہ نشیں و خلوت گزیں اور دوسروں کی خاطر سلطنت و حکومت سے دستبردار و مستعفی ہو چکا ہے، ساری زمین میں ارباب من دون اللہ کی عبادت و پرستش کا جال پھیلا ہوا تھا، کہیں بتوں کی پرستش تھی، کہیں قوم و نسل کی، کہیں ہوا و ہوس کی، کہیں بادشاہ و سلاطین کی اور کہیں احبار و رہبان (عالموں اور عابدوں) کی، انسان اپنی زندگی کا مقصد و مدعا اور اس کا مبداء و منتہیٰ فراموش کر چکا تھا اور زندگی کے صحیح مشاغل بھول کر تدریجی خودکشی و غلط مشاغل میں مصروف و منہمک تھا، ساری دنیا پر اک عالم خودفراموشی طاری و مسلط تھا، اہل حکومت و سطوت ظلم و جور، جبر و استبداد، مردم آزاری اور دولت ستانی میں مشغول تھے، امراء اپنے عیش و عشرت میں بدمست ہو رہے تھے، دنیا کے مہذب و متمدن ترین انسان وحشیوں کی طرح ایک دوسرے سے دست و گریباں اور برسرِ پیکار رہتے۔ پورے کرۂ ارض پر اس وقت اندھیرا چھایا ہوا تھا، انسانوں کی غلط کاریوں کی وجہ سے ایک عالم گیر ابتری و بدنظمی اور ہمہ گیر خرابی پھیلی ہوئی تھی۔

خالق کائنات کی رحمت و عنایت ملتفت و متوجہ ہوئی، کراہتے ہوئے انسانوں کو سہارا دینے اور سسکتی ہوئی انسانیت کو اوج کمال عطا کرنے کے لیے اس نے عرب ہی کے ایک معزز خاندان بنو ہاشم کا انتخاب کیا اسی مکرم خاندان کے ایک عظیم فرد حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب کے باوقار گھرانے میں جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پیدا فرمایا، تاکہ دنیا کو اس عذاب و ذلت سے نجات دیں، جس میں وہ صدیوں سے مبتلا تھی اور آخرت کے اس عذاب سے ڈرائیں جو پیش آنے والا ہے، تاریکیوں سے نکال کر خدا کی طاعت و بندگی میں داخل کر دیں اور بے راہ روی کی تمام زنجیریں اور بیڑیاں کاٹ دیں جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے ان کے وجود مسعود نے عرب کی اخلاقی پستیوں کو عزت و وقار کا آسمان بنا دیا، ذلیل

ترین انسانوں کوعظمت وتمکنت کا کوہ گراں بنادیا، جرائم پیشہ بدو اور صحرانشینوں کوعملی تربیت کی بنیاد پر دنیا کی مہذب قوموں کا حاکم وحکمران کردیا، ظالم وجابر انسانوں کے پنجۂ استبداد کو موڑ دیا، مظلوموں کی فریاد رسی کی، بتوں کے سامنے جھکنے والے انسانوں کی جبین عقیدت کو خدائے واحد کی بارگاہ میں سجدوں کی لذتوں سے آشنا کردیا، معبودان باطل کے پجاریوں کو خداشناس وخودآگاہ بنادیا، کعبہ کا تقدس ووقار بحال کیا گیا، اس کی عظمت رفتہ کو دعائے ابراہیم علیہ السلام کا سہارا ملا، ضلالت وگمراہیوں کی تاریکیوں میں بھٹکنے والوں کے قلوب واذہان میں نور ہدایت کا سویرا ہوا، ایقان وعرفان کی موج نسیم سے مدتوں کے بت کدے خانہائے خدا بن گئے، خودساختہ خداؤں کی حکومت وحکمرانی کا زمانہ ختم ہوا، اختراعی رسوم ورواج کے دلدادہ لوگوں کو قانون الٰہی کا پابند بنایا گیا، مطلق العنان وخودسر انسانوں کی فرعونیت وطاغوتیت ضرب یداللّٰہی کے درد وکرب سے پاش پاش وریزہ ریزہ ہوگئی، توحید کی گونج سے اصنام پرستوں اور بادیہ نشینوں کے تاریک دل جگمگانے لگے، پیاسی روحوں کو تسکین وقرار کا سامان ملا، حق کے متلاشی تعمیر حیات کا آشیانہ بنانے لگے۔

عرب کی درماندہ وپریشان حال قوم نے نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیغام امن وامان کو قبول وتسلیم کرلیا اور وہ ساری نعمتیں حاصل کیں جو اس پیغام کا لازمی نتیجہ ہیں۔ ان کی غلامی کی تمام زنجیریں اور بیڑیاں خودبخود کٹ گئیں، خدا کے آستانہ پر سرجھکا کر وہ دنیا کے تمام آستانوں سے بے نیاز ہوگئے، نہ نفس وہوا کی عبادت وبندگی رہی نہ بادشاہوں اور حکومتوں کی غلامی کی، نہ جاہلانہ رسم ورواج اور معاشرت و سوسائٹی کی ظالمانہ بندشیں، نہ اپنی لائی ہوئی اور نہ دوسروں کی ڈالی ہوئی مصیبتیں، خداشناسی اور خدا کی عظمت وکبریائی کے علم نے دنیا کے مصنوعی خداؤں کی عظمت ووجود کا طلسم توڑ دیا۔

ذہن وفکر کا وہ انقلاب جو ایک خدا کو اپنا معبود حقیقی اور رب مان لینے سے پیش آیا، ان کی زندگی سراسر تبدیل ہوگئی، جو بہائم ودرندہ صفت تھے وہ فرشتہ صفت انسان بن گئے، جو غارتگر اور رہزن وڈاکو تھے وہ

دوسروں کے جان و مال اور عزت و ناموس کے محافظ و پاسبان بن گئے، جو جانوروں کے پہلے اور پیچھے پانی پینے اور پلانے پر خون کی ندیاں بہا دیتے تھے وہ دوسروں کی خاطر پیاسا مرجانا پسند کرنے لگے، جو اپنی آغوش محبت میں پلی ہوئی بچیوں کو اپنے ہاتھوں زمین میں دفن کر دیا کرتے تھے وہ دوسروں کی بچیوں کی پرورش کے لیے اپنی گودیں خالی کرنے لگے، جو دوسروں کے مال کو اپنا مال سمجھتے تھے وہ اپنا عزیز ترین وقیمتی مال بھی دوسروں کا مال سمجھنے لگے، جن کو دن کے اجالے میں لوگوں کا مال لوٹ لینے میں باک نہ تھا وہ رات کی تاریکی میں شاہ ایران کا تاج زریں جو لاکھوں روپے کی مالیت کا تھا اپنے کمبل میں چھپا کر اپنے امیر کے پاس پہنچانے لگے۔

وہ سحاب رحمت جو عرب کے آسمان سے اٹھا وہ نور و نکہت کی پھوہار بنکر کائنات کے گوشے گوشے میں برسا، اس کے ایک ایک ذرے پر برسا جو انسانی دنیا کو حیات سرمدی کا مژدۂ جاں فزا دے گیا، اس کے دامن سے انوار و تجلیات کی وہ موسلا دھار بارشیں ہوئیں جن سے عالم کا چپہ چپہ بقعۂ نور بن گیا اور اس بارش رحمت کے فیض و برکت سے خزاں رسیدہ باغ زندگی میں بہار نو کی ہریالی و تازگی آگئی، نور یزدانی کا وہ پیکر جمیل جس کے فیض و برکت سے انسانوں کو علم و فضل، تہذیب و تمدن، اخوت و مساوات اور شعور و آگہی کا اجالا ملا، گم گشتگان منزل ہدایت و ارشاد کی دولت سے مالا مال ہو گئے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

اس پیکر نوری میں آخر وہ کونسی قوت تھی جس کی بنیاد پر دنیا کے لوگ اس کے قدموں میں سمٹ آئے،، وہ کونسی طاقت تھی کہ دنیا کی بڑی بڑی حکومتیں اس کے تابع فرمان و زیر نگیں ہو گئیں، وہ کونسا کمال تھا کہ عقل و شعور کے پتلے، فصاحت و بلاغت کے دعویدار اس نبی امی کے سامنے حیران و بے زبان ہو گئے، ان کے اپنے دعوے میں وہ خود ہی الجھ کر رہ گئے، کیا اس نبی حجازی نے دولت و ثروت کے نام پر لوگوں کو موم و نرم کیا؟ کیا حکومت و بادشاہت کا لالچ دے کر دنیا کو اپنے سے قریب کرنے کی کوشش کی؟ جب کہ وہ در یتیم

تھے وہ دولت وثروت کے مالک نہیں تھے نہ ان کے پاس بظاہر کوئی حکومت تھی نہ ان کی کوئی عظیم تجارت و جائداد تھی نہ کوئی دنیاوی سرمایہ تھا، دنیا کا دستور ہے کہ اگر کوئی حکومت دوسری حکومت کو تابع فرمان وغلام بنانا چاہتی ہے تو وہ طاقت وقوت کا بھی استعمال کرتی ہے اور بے دریغ مال ودولت بھی بہاتی ہے اور اس راہ میں جن اسباب و وسائل کی ضرورت پڑتی ہے، ان سب کا سہارا لیا جاتا ہے۔ دنیا کی تاریخ میں خودغرض انسانوں کا یہی حال رہا ہے۔ مگر وہاں تو ایسا کچھ نہ تھا نہ ملک گیری کی خواہش تھی، نہ حصول اقتدار کا جذبہ، ہاں اس پیغمبر انقلاب اور مسیحائے انسانیت کے اندر جو وصف وکمال جلوہ گر تھا وہ منصب نبوت ورسالت کے ساتھ حقانیت وصداقت، امانت ودیانت، طہارت وپاکیزگی، طاعت وریاضت، عبادت وبندگی، اخلاق و کردار، عصمت وعفت، زہد وتقویٰ، عقل کامل وادارک تام، غیرت وحمیت، شجاعت وبہادری، جوش وجذبہ، ہمت وحوصلہ، وقار وتمکنت، متانت وسنجیدگی، اخوت ومساوات، رحمت ورافت، ایثار وقربانی، محنت ولگن، خلوص وللّٰہیت، درد ومحبت، سوز وگداز، حسن وبانکپن، خوف وخشیت، عہد ووفا وغیرہ غرضیکہ ایک انسان کامل میں جو اوصاف وکمالات ہوتے ہیں وہ اس ذات ستودہ صفات پیغمبر کی زندگی میں بدرجۂ اتم موجود تھے، بلکہ دنیا نے اس اولوالعزم پیغمبر کی حیات اقدس سے یہ چیزیں بطور بھیک کے حاصل کیں اور دنیا کو جو ملا سب اسی محسن انسانیت کا صدقہ وعطیہ ہے۔ اقوام عالم کو زندگی کا جو شعور ووجدان ملا سب اسی انسان کامل کی عنایت ورحمت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا نے نبی برحق کی صدائے حق پر لبیک کہا اور ان سچائیوں کے سامنے جھکنے پر مجبور ہوگئی۔ سچائی وہ حقیقت ہے جو قلوب واذہان کی مملکت فتح کرلیتی ہے۔ اس کی شمیم سے دلوں کے آفاق معطر وشاداب ہوجاتے ہیں۔

آمنہ کے لال نے مکہ کے مکینوں میں آنکھیں کھولیں۔ انھیں میں چالیس سالہ زندگی کے مختلف مراحل اس شان سے طے کیے کہ ان کا دامن عفت ماحول کے نشیب وفراز سے قطعاً داغدار نہ ہوا، نہ کسی کو کسی بات میں ان پر انگشت نمائی کا کبھی موقع ملا۔ وہ اس پراگندہ معاشرے کے تکدر وتعفن سے کلیۃً محفوظ ومامون

رہے، عصیان و گناہ کی کسی بات میں وہ کبھی شریک و سہیم نہ ہوئے۔ عالم یہ ہے کہ اس پر خطر ماحول میں وہ ''صادق و امین'' کے معزز لقب سے پکارے گئے۔ پورا عرب انھیں صادق و امین سمجھتا تھا، پوری آبادی کی امانتیں انھیں کے پاس رہا کرتی تھیں صرف امانت و دیانت ہی میں نہیں بلکہ ہر معاملے میں لوگ انھیں عدل و انصاف کے پیکر مجسم اور عہد و وفا کے علمبردار سمجھتے تھے، مگر اس سب کے باوجود جب فریضۂ رسالت کی ادائیگی کے لیے نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صدائے توحید بلند کی، خدائے واحد کی عبادت و بندگی کی طرف بندگان خدا کو بلایا، اپنی نبوت و رسالت کا اعلان و اظہار کیا، ان کے معبودان باطل کی مذمت و برائی کی، ان کے اختراعی و مصنوعی خداؤں کی مخالفت کی اور ان پر نفرت و ملامت کا اظہار کیا تو وہ ایک دم برگشتہ و خفا ہو گئے ان کی عداوت و دشمنی میں انسانیت کے سارے رشتے ناطے توڑ دیئے گئے جن کی صداقت و راست بازی مشہور زمانہ تھی ان پر کذب و افتراء کے مکروہ و ناز یبا حملے ہونے لگے، انھیں ساحر و جادوگر اور کاہن کہا جانے لگا۔ معاذ اللہ! ۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ جو ہر معاملے میں صادق و امین تھے ان کی آواز پر مکے والے لبیک و سعدیک کہتے مگر انھوں نے اس محسن اعظم کی آواز پر آواز کسے، انھیں پاگل و مجنوں کہا گیا، ان کا معاشرتی بائیکاٹ و مقاطعہ کیا گیا، شعب ابی طالب میں انھیں محصور کر دیا گیا، انھیں طرح طرح کی ایذائیں دیں گئیں، ان کے قتل کے درپے ہو گئے، ان کے راستے میں کانٹے بچھائے گئے، انھیں بے یار و مددگار تنہا چھوڑ دیا گیا، ہر ممکن کوشش کی گئی کہ انھیں اظہار حق سے باز رکھا جائے، خدائے واحد کا پیغام پہنچانے سے روک دیا جائے مگر جس کا حافظ و ناصر اس کا خالق و مالک ہو دنیا کی کوئی طاقت اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکتی۔

فانوس بن کر جس کی حفاظت ہوا کرے
وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے

حق و صداقت کی بالادستی کی راہ میں کوئی باطل قوت حائل و مخل نہ ہو سکی۔ بعثت محمدی کے اثر و نفوذ

سے دلوں کی کائنات فتح ہوگئی اور آفاق کی وسعتوں میں پیغام محمدی کا شہرہ و چرچا ہونے لگا۔

آفاق میں پھیلے گی کب تک نہ مہک تیری
گھر گھر لیے پھرتی ہے پیغام صبا تیرا

اہل مکہ کی ستم رسانیاں اس انتہا کو پہنچیں کہ محبوب رب العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنا وطن عزیز چھوڑنا پڑا، انھیں مکے کو خیر باد کہہ کر مدینے کو ہجرت کرنی پڑی، حضور کا وطن چھوڑنا یا ہجرت کرنا اگر چہ نوشتۂ تقدیر تھا، ازل ہی میں اس کا فیصلہ ہو چکا تھا، مگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہی وہ ہجرت ہے جو اشاعت اسلام کا سبب بنی، اسلام کی شوکت و سربلندی کا ذریعہ بنی اور اسلامی فتوحات کا فتح باب ہوا۔ اسلام کی پہلی جنگ، جنگ بدر میں مسلمانوں کی قلیل تعداد کے باوجود رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بے مثال کامیابی اسی ہجرت کی پہلی فتح ہے۔ کسے معلوم تھا کہ جو پیغمبر بے سروسامانی کے عالم میں گھر بار چھوڑ رہے ہیں وہ ایک دن فاتح مکہ کی حیثیت سے مکہ آئیں گے، کسے خبر تھی کہ جن لوگوں نے انھیں گھر چھوڑنے پر مجبور کیا تھا، انھیں قتل کی دھمکیاں دی تھیں وہی لوگ مجرم کی طرح ان کے سامنے دست بستہ کھڑے ہوں گے اور ان کے اشارۂ ابرو کے منتظر ہوں گے۔ تاریخ کی یہی سچائی ہے کہ پیغمبران عظام کو حق وصداقت کی راہ میں صعوبتیں برداشت کرنی پڑیں، دردناک اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا مگر حق کی کرم فرمائیاں انھیں نفوس قدسیہ کے ساتھ رہیں، دنیا کو انھیں کی بدولت راہ حق نصیب ہوئی، کاروان انسانیت کو انھیں کے وجود سے ہدایت وارشاد کی روشنی ملی۔

حضرت آدم سے لے کر حضرت عیسیٰ تک اللہ تعالیٰ نے جتنے انبیاء ومرسلین علیہم الصلاۃ والسلام بھیجے انھیں مخصوص قبائل ومخصوص اقوام کی طرف محدود زمانہ کے لیے مبعوث فرمایا، ان کا دائرہ دعوت وارشاد مخصوص تھا، ان کا حلقۂ تبلیغ وہدایت عام نہ تھا، نبوت ورسالت کی جو گرانقدر ذمہ داریاں ان کو تفویض کی گئی تھیں وہ زمان ومکان اور خاندان وقبائل کی قیود سے محدود ومقید تھیں اس لیے انبیاء سابقین میں یکے بعد

دیگرے ان کے ورود و بعثت کا سلسلہ جاری و باقی رہا، لیکن اللہ رب العزت جل مجدہ نے جب اپنے محبوب رؤف ورحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس خاکدان گیتی پر بھیجا تو اپنی تمام مخلوقات کے لیے تا قیام قیامت ہادی ورہبر بنا کر مبعوث فرمایا، انھیں رسالت عامہ وکافہ عطائی فرمائی، وہ جملہ مخلوقات الٰہی کی طرف رسول بن کر آئے، ان کا پیغام رسالت قبیلہ وخاندان، نسل وقوم سے مخصوص نہ تھا نہ زمان ومکان کی حدود سے محدود تھا، اس لیے محبوب رب العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی داعیانہ ذمہ داریاں جملہ انبیاء سابقین سے کئی گنا زیادہ تھیں، وہ فضل وکمال، حسن و جمال، صوری محاسن ومعنوی خوبیاں جو اللہ تعالیٰ نے جملہ انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کو انفرادی حیثیت سے عطا فرمائی تھیں ان تمام محاسن وخوبیوں کو پوری شان کمال کے ساتھ خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات اقدس میں جمع فرما دیا اور حسن و جمال کی جملہ دل کش اداؤں کا امین و محافظ بنا کر بھیجا۔

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

داعیان حق میں بڑے بڑے اولو العزم رسول بھی آئے جنھوں نے طویل زمانہ تک نبوت و رسالت کا فریضہ انجام دیا، اپنی اپنی قوموں کو بارگاہ خداوندی میں جھکانے کے لیے سعیٔ بلیغ فرمائی، انھیں عذاب آخرت سے ڈرایا، ایمان لانے پر انھیں جنت اور اس کی دائمی نعمتوں کا مژدہ سنایا، مگر ان کی قوم سرکشی وکجروی سے باز نہ آئی، اپنے نبی کے دامن رحمت سے لپٹ نہ سکی، نہ عمومی طور پر اپنے داعی کے قریب ہوئی، صرف مخصوص اور گنے چنے لوگ ہی نبی کے وفادار وفرمانبردار رہے اور انھیں ایمان وعرفان کی دولت نصیب ہوئی۔ ان پیغمبران عظام کو اپنی داعیانہ زندگی میں مدتوں کی محنت و جفاکشی سے وہ کامیابیاں نہ ملیں جو نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ۲۳ رسال کی قلیل مدت میں ملیں انسانی تاریخ میں یہ ایک منفرد المثال اور حیرت انگیز کامیابی ہے۔ عالم یہ ہے کہ جب اللہ کے آخری نبی دنیا سے تشریف لے گئے تو اسلام اپنی آب

وتاب کے ساتھ عرب سے باہر نکل چکا تھا اور باطل وطاغوتی طاقت کے سینوں پر اپنی شوکت وسطوت کا جھنڈا نصب کر چکا تھا۔ فاران کی چوٹی سے جو نور یزدانی ہویدا ہوا تھا اس کی تابندہ ودرخشندہ شعاعوں سے شرق و غرب کے ظلمت کدے روشن ومنور ہو گئے اس کی چمک سے عظمت انسانیت کے وہ عظیم مینار تعمیر ہوئے جن کی بلندی مریخ وثریا تک پہنچی، نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہی وہ اعجازی کارنامہ ہے۔ اقوام عالم و کائنات ہستی میں جس کی مثال نہیں مل سکتی۔

پھر یہ کہ انبیاء سابقین کے وہ کارنامے اور واقعات جو قرآن عظیم میں مذکور ہوئے انھیں ابدی شہرت وعظمت ملی، ان کی صداقت وسچائی کو ٹھکرایا نہیں جا سکتا، لیکن وہ حقائق و یادگاریں جو دیگر آسمانی کتابوں اور صحیفوں میں مرقوم تھیں ان میں بے دریغ تحریف وترمیم کر دی گئی، ان کی صورت وحقیقت کو مسخ کر دیا گیا، دنیا ان حقائق سے آشنا نہ ہو سکی، ان پر دبیز پردہ ڈال دیا گیا، مگر اللہ کے آخری رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جو ابدی وسرمدی پیغام لے کر آئے تھے وہ انفس وآفاق میں پہنچا، اس سے دلوں کی مملکتیں فتح ہوئیں اور اس پیغام ربانی کی برکتوں سے اہل ایمان کو غیر فانی تقویت ودوام حاصل ہوا، حق کو دبانے، سچائیوں کا گلا گھونٹنے اور اسلام ومسلمانوں کو مٹانے کی کوششوں میں دشمن کا کوئی حربہ کارگر وکامیاب نہ ہوا، دنیا نے ہر دور اور ہر قرن میں بڑی کوشش کی کہ اسلام کا روشن چراغ گل ہو جائے، اس کا نام ونشان صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جائے، اسے ابدی نیند سلا دی جائے، مگر قرآن جس طرح کل ذریعۂ ہدایت تھا اسی طرح آج بھی وہ اپنے حسن وبانکپن اور معجزانہ کمال وداعیانہ طرز بیان کے ساتھ بھٹکے ہوئے انسانوں کو آواز دے رہا ہے۔ اس کا ابدی پیغام آفاق کی وسعتوں میں پھیل گیا، اس نے انسانوں کو انسانیت کی لافانی سوغات عطا کی، ذہن وفکر کو مہمیز دی، قلوب واذہان بدل دیے اور انسانوں کے لیے ترقیوں کے بے شمار راستے کھول دیے، ان کے جمود وتغافل کا سد باب کیا، خالق کائنات نے آمنہ کے لال کی شان جمال اور قرآن کے اعجازی کمال میں دوام واستمرار کی مہر ثبت کر دی، ان کی شوکت

وعظمت اوران کی صداقت وحقانیت کو ہر دور کے لیے سکۂ رائج الوقت قرار دیا ہے۔ جوں جوں کفر کی یلغار بڑھے گی قرآن کی شوکت وسچائی میں بالیدگی پیدا ہوگی، اس کے عجائب وحقائق آشکار ونمایاں ہوں گے اور کفر کی ظلمت وتاریکی کافور وزائل ہوگی۔ کفر ہزار کوشش، لاکھ جتن کرے مگر قرآن عظیم منزل من اللہ ہونے کی حیثیت سے باقی وقائم رہے گا اور انسانوں کو ایمان وعمل کا پیغام ودرس دیتا رہے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہر آنے والی گھڑی پچھلی گھڑی سے بہتر ہوگی۔ و للاخرۃ خیر لک من الاولیٰ۔

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

اس مرقع حسن وزیبائی کی مدح وستائش اور تعریف وتوصیف میں ازل سے ایک جہاں مصروف ہے اور تا ابد مصروف رہے گا پھر بھی اس پیکر جمیل کے ثنا خوانوں کو یہ احساس وخیال بے چین ومضطرب کرے گا کہ صد حیف! اپنے آقا وممدوح اور اپنے محبوب کی مدحت سرائی کا کما حقہ حق ادا نہ ہوسکا اور سچ یہ ہے کہ مخلوقات الٰہی میں کوئی اس پیکر حسن وجمال کی مدح وثنا کا حق ادا کر بھی نہیں سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت وحیات اور اسوۂ رسول پر صدہا ہزارہا کتابیں دنیا بھر کی مختلف زبانوں میں لکھی گئیں۔ حیرت یہ ہے کہ اپنوں کے ساتھ بے گانوں نے بھی بے شمار کتابیں لکھیں، حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زندگی اور نبوی کارناموں پر آج تک جتنی کتابیں عرصۂ وجود میں آئی ہیں اتنی کسی نبی، کسی داعی ومصلح اور دنیا کے کسی فاتح وسلطان کی حیات وخدمات پر نہیں لکھی گئیں، ان مصنفین ومؤلفین میں اعلیٰ پایہ کی وہ بے شمار جلیل القدر ہستیاں ہیں جنھوں نے رسول رحمت کے تذکرۂ جمیل کو بلند ونمایاں کرنے کے لیے اپنی قیمتی زندگیاں، اپنی علمی قوتیں، روحانی لطافتیں، اپنا مال وزر قربان کیا اور اس راہ کے معین ومددگار بے مثال اسباب ووسائل مہیا کیے اور جس عقیدت ووارفتگی سے رسول

ثقلین کے خدمات وکارناموں کو منصۂ شہود پر لایا گیا ہے کسی دوسرے کے بارے میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ عشاق نبوت نے اخلاق محمدی واسوۂ نبوی پر نثر ونظم میں انسانی دنیا کو جو پاکیزہ ادب عطا فرمایا ہے اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔

زیر نظر کتاب ''**سیرت مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم**'' بھی اسی طرح کی ایک ادنیٰ کوشش ہے جسے میں اپنے نبی کی بارگاہ محبت میں اس یقین واذعان کے ساتھ پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں کہ یہ میرے ایمان وعقیدت کا خراج ونذرانہ اور میرے لیے ذخیرۂ عقبیٰ وآخرت ہو۔ یہ کتاب سیرت الرسول کے ان مباحث ومضامین کا مجموعہ ہے جو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہ کی صدہا تصانیف وتحقیقات میں جا بجا پھیلے ہوئے ہیں، انھیں اس کتاب میں چن چن کر یکجا ومجتمع کر دیا گیا ہے۔ اس میں جو کچھ ہے وہ امام احمد رضا ہی کے رشحات قلم کی نکتہ سنجیاں ہیں۔

سبب تالیف

کہا یہ جا رہا ہے کہ امام احمد رضا بریلوی نے ایک ہزار سے زائد تصانیف یادگار چھوڑیں، پچاس سے زائد بلکہ جدید تحقیق کے مطابق سو سے زائد علوم وفنون پر ان کے آثار وباقیات اور تصانیف کثیرہ موجود ہیں، اتنا سب کچھ لکھنے کے باوجود انھوں نے ''سیرت الرسول'' کے نام پر کوئی کتاب نہیں لکھی، سیرت کے تعلق سے ان کی کوئی یادگار نہیں۔ مگر حیرت ہے کہ یہ اس امام عشق ومحبت کے بارے میں کہا گیا جس نے زندگی بھر ناموس رسالت پر لکھا، حضور کے اوصاف وکمالات اور محاسن وخوبیاں لکھیں، رسول اللہ کی عظمت و تقدیس لکھی، مصطفیٰ کا وقار واحترام لکھا، تاجدار عرب وعجم کی جلوت وخلوت لکھی، سرورِ کونین کی زندگی کے ایک ایک گوشے پر لکھا، صاحب قاب قوسین کی صبح وشام لکھی، محبوب رب ذوالجلال کی عبادت وریاضت لکھی، معاشرتی زندگی کے آداب واصول لکھے، پیغمبر انقلاب کا اسوۂ حسنہ لکھا، سرور انبیاء کے رزم وبزم کی

تاریخ لکھی، نبی برحق کے احکام وفرامین لکھے، آمنہ کے لال کی شوکت وعظمت لکھی، نبی مختار کا کمال واختیار لکھا، عالم ما کان وما یکون کے علوم ومعارف لکھے، انسان کامل کا جوہر حیات لکھا، صاحب خلق عظیم کے اخلاق وکردار لکھے، صاحب قرآن کی عائلی وعملی زندگی کے نمونے لکھے، سید عالم کی زندگی کے متعلقات ومبادیات اور حقائق ومعارف لکھے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وبارک وسلم۔

عاشق پاک باز نے یہ سب کچھ عشق رسالت کی رنگین جلوؤں میں لکھا، جو بھی لکھا اسے عشق نبی کے سانچے میں ڈھال کر لکھا، عشق محبوب کے آئینے میں لکھا، ان کی سطر سطر سے عشق رسول پھوٹا پڑتا ہے۔ عشق رسول ہی ان کی زندگی کا عظیم سرمایہ اور وہی ان کا سامان تسکین وتسلی تھا، چشم بینا امام عشق ومحبت کی تصانیف میں ان حسین جلوؤں کا نظارہ کرسکتی ہے اور دیکھ سکتی ہے کہ اس میں کتنی بڑی سچائی ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ اس عاشق رسول نے زندگی بھر سیرت الرسول ہی کے ہمہ گیر پہلوؤں پر لکھا۔

مجدد اسلام امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کے بارے میں یہ بات مشہور ہے کہ وہ مجدد رسالت تھے ان کے تجدیدی کارناموں اور کاوشوں کا تعلق رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت سے ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ انھوں نے زیادہ تر رسالت پر لکھا، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات اقدس اور حضور کے اوصاف وکمالات پر لکھا، اسی طرح شیخ مجدد الف ثانی کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ مجدد توحید ووحدانیت تھے ان کے تجدیدی کارناموں سے توحید کے مقتضیات وحقائق سامنے آئے، مجدد الف ثانی نے جو لکھا وہ توحید پر لکھا، ان کا قلم چلا تو وحدانیت کے عقدے حل کیے، ان کے قلم نے توحید کا نغمہ گایا، انھوں نے راز وحدت واسرار الٰہیہ سے فرزندان توحید کو آگاہ وآشنا کیا۔ مجھے عرض یہ کرنی ہے کہ جب مجدد الف ثانی کے بارے میں اس حقیقت کو بلا چوں وچرا تسلیم کرلیا گیا کہ وہ مجدد وحدانیت تھے، انھوں نے توحید پر لکھا، وحدت ہی کی توضیح وتشہیر ان کے پیش نظر رہی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے مکتوبات وحدۃ الوجود کے جلوؤں سے مالا مال ہیں۔ ان کی جو بھی تحریر سامنے آئی اس میں زیادہ تر وحدۃ الوجود ہی کی رنگ آمیزیاں

ہیں۔تو کیا مجدد ملت امام احمد رضا بریلوی کے بارے میں اس سچائی کو تسلیم وقبول نہیں کیا جا سکتا کہ وہ مجدد رسالت ہیں انھوں نے جولکھا وہ رسالت پر لکھا، اخلاق نبوت پر لکھا، سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہمہ گیر خدمات وکارنامے لکھے، عقیدۂ رسالت پر ہونے والے حملوں کا بھرپور دنداں شکن جواب دیا، شان اقدس میں نازیبا کلمات کہنے والوں کو ان کے کیفر کردار تک پہنچادیا، وہ مجدد رسالت ہیں انھوں نے عشق رسالت میں سرشار ہوکر لکھا۔

ہاں! یہ الگ بات ہے کہ امام احمد رضا بریلوی نے سیرت الرسول پر بالاستقلال نہیں لکھا۔ اگر وہ اس موضوع پر لکھتے تو کتب سیرت میں ان کی تصنیف کردہ کتاب کو ایک منفرد وامتیازی مقام حاصل ہوتا۔ گو کہ انھوں نے سیرت کے عنوان سے مستقل طور پر کوئی کتاب نہیں لکھی مگر ان کی صدہا تصانیف میں سیرت الرسول کے مبادیات ومضامین کی ایک حسین ورنگین دنیا آباد ہے۔ ان کی تصانیف میں مدنی تاجدار کے لیل ونہار کی جلوہ ریزیاں ورعنائیاں موجود ہیں؛ اس بات کی صداقت وسچائی کا یقین آپ کو ''سیرت مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم'' (چار جلدوں) کے مطالعہ سے خود بخود ہوجائے گا اور یہ کتاب اس دعوے کی روشن دلیل اور واضح ثبوت ہے۔ طلوع آفتاب کے بعد اس کا انکار کرنا عقل والوں کا کام نہیں، سپیدۂ سحر نمودار ہونے کے بعد اجالوں کا پھیل جانا ایک فطری ویقینی بات ہے۔

ایک مسموع روایت مشہور یہ ہے کہ امام احمد رضا بریلوی سے کسی صاحب دل نے گزارش کی کہ حضور اگر آپ سیرت الرسول پر ایک جامع کتاب لکھ دیتے تو بہت بہتر ہوتا اور اس کی حیثیت سیرت کے ایک انسائیکلوپیڈیا کی ہوتی۔ امام احمد رضا بریلوی نے فرمایا کہ بات تو بہت اچھی اور کام نہایت حسین وعمدہ ہے مگر شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ''مدارج النبوۃ'' کی موجودگی میں مجھے سیرت پر مستقل کتاب لکھنے کی ضرورت نہیں ہے، وہی کتاب سیرت الرسول پر نہایت جامع اور اہم کتاب ہے مجھے اتنی فرصت کہاں کہ آقائے نامدار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صبح وشام اور حیات اقدس کی خلوت وجلوت کو تفصیل سے لکھ

سکوں۔ میں تو اپنے آقا کے در کا سگ اور ادنیٰ محافظ و پاسبان ہوں۔ ناموس رسالت پر چوطرفہ حملے ہور ہے ہیں، میں ان کا جواب دیتا ہوں، گستاخان رسول کی سرکوبی میرا نصب العین اور بارگاہ رسالت کی پاسبانی میرا دینی فریضہ ہے۔ کبھی علم غیب مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا انکار کیا جاتا ہے تو امام احمد رضا کا قلم دنیا کو الدولۃ المکیۃ ، انباء الحی ، انباء المصطفیٰ بحال سر واخفیٰ ، خالص الاعتقاد وغیرہ عطا کرتا ہے، کبھی اختیارات مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے منکرین کے جواب میں امام احمد رضا بریلوی دنیا کے سامنے ''منیۃ اللبیب ان التشریع بید الحبیب'' پیش کرتے ہیں، کبھی حضور کی سیادت مطلقہ پر انکاری کلام کیا گیا تو امام احمد رضا بریلوی نے ''تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین'' پیش کی اور دنیا کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان سیادت وکمال اختیار اور غیب دانی کی حقیقت سے آگاہ وروشناس کرایا، ان کی اکثر تصانیف کا یہی حال ہے کہ وہ کسی نہ کسی سوال کے جواب میں لکھی گئیں اور بعض تصانیف میں سیرت الرسول کے منتخب پہلوؤں پر تفصیلی طور پر بحث کی گئی ہے اور ایک ایک موضوع پر الگ الگ مستقل کتاب لکھی گئی ہے، اگر چہ بعض تصانیف رد وابطال اور دیگر علمی موضوعات پر بھی ہیں، مگر ان میں بھی سیرت الرسول کے کسی نہ کسی گوشے کو واضح کیا گیا ہے، توہین رسول کے مرتکبین کو ان کے کیفر کردار تک پہنچانے میں بھی امام احمد رضا نے سیرت کا سہارا لیا ہے۔ جن باتوں کا تعلق براہ راست حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اوصاف وکمالات سے ہے ان کا اگر کوئی انکار کرے تو کیا ان باتوں کا جواب دینا سیرت نویسی نہیں؟ کیا علم غیب مصطفیٰ کا ثبوت، اختیارات مصطفیٰ کا اثبات، سیادت مطلقہ کی وضاحت بعینہ سیرت کے موضوعات ومقتضیات نہیں ہیں؟ کیا سیرت کا اطلاق کسی اور مباحث پر ہوتا ہے؟

فرق باطلہ کے رد وابطال کا تعلق اگر چہ سیرت کے موضوع سے نہیں مگر ناموس مصطفیٰ پر حملہ کیا جائے، حضور کے قرار واقعی مقام ومنصب کا انکار کیا جائے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان و عظمت گھٹائی جائے، محبوب رب العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خداداد اختیارات وعلوم ومعارف میں

تنقیص وتوہین کا پہلو تلاش کیا جائے تو ان باتوں کا جواب دینا اور فرقہائے باطلہ کی ضلالت وگمراہی کا پردہ چاک کرنا بعینہٖ سیرت نویسی اور فن سیرت ہے۔کیا یہ بات نہیں ہے کہ جب حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ مشرکین کی ہجو اور لغویات کا جواب دیتے تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انتہائی مسرور وخوش ہوتے اور بذات خود اپنے دست مبارک سے مسجد نبوی میں ان کے لیے منبر بچھاتے اور فرماتے اے حسان! مشرکین کی خوب ہجو کرو، ان کی تنقیص وتحقیر میں کوئی کسر یا کوئی کمی باقی نہ رکھو اور جناب روح القدس کے ذریعہ سے ان کی تائید وحمایت ہوتی تھی، اس سے معلوم ہوا کہ شان رسالت میں نقص واہانت آمیز باتوں کا جواب دینا حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سنت کریمہ ہے۔اور یہ کہ حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ صرف کفار ومشرکین کی مذمت و برائی بیان کرنے پر اکتفا نہ کرتے بلکہ ساتھ میں حضور سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعریف وتوصیف کا نغمہ وگیت گاتے، حضور کے محاسن وکمالات ارشاد فرماتے، امام احمد رضا بریلوی نے سنت حسان پر عمل کرتے ہوئے جہاں پر گستاخان رسول کا رد بلیغ فرمایا، ان کی مذمت و برائی بیان کی وہیں پر انھوں نے احمد مختار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقام ومنصب نبوت کی قرآن وحدیث کی روشنی میں وضاحت کی اور زندگی بھر نبی کا گیت گایا۔

اس نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو اندازہ ہوگا کہ یہ وہ چیزیں ہیں جو فن سیرت سے خارج وجدا نہیں ہوسکتیں بلکہ اگر بنظر غائر ان کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ سب چیزیں سیرت کی جان اور اس کے لیے جزو لاینفک ہیں۔سیرت کے مسلمہ پہلوؤں پر تو اپنوں کے ساتھ غیروں نے بھی طبع آزمائی کی اور بہت کچھ لکھا مگر شان اقدس میں معائب ونقائص تلاش کرنے والوں کے جواب میں ماضی قریب میں جس ممتاز ومنفرد ہستی نے لکھا وہ امام احمد رضا بریلوی کی ذات بابرکت ہے جس کی مثال کئی صدیوں میں بمشکل ملے گی۔

امام احمد رضا بریلوی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وفادار و عاشق صادق تھے اگر کوئی

حضور کی شان رفیع میں نازیبا و روح فرسا کلمات کہتا یا مسلمہ بات کا انکار کرتا تو وہ بے چین ومضطرب ہو جاتے اور اس کے ازالہ کے لیے وہ ہر ممکن سعی و کوشش کرتے اور اس راہ میں تن من دھن کی بازی لگانے میں بھی دریغ نہیں فرماتے وہ اپنے کو بارگاہ رسالت کا محافظ و پاسبان سمجھتے، محبوب کردگار کے ناموس وعزت پر قربان ہو جانے کو اپنی زندگی کی عظیم سعادت ومعراج کمال سمجھتے تھے اور امام احمد رضا بریلوی یہ چاہتے تھے کہ جس طرح حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشرکین کی ہجو و برائی بیان کرنے سے حضور روحی فداہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسرور وشاد ماں ہوتے اسی طرح ان کا بے دینوں اور بدعقیدوں کو جواب دینے سے رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان سے خوش ہو جائیں۔

امام احمد رضا بریلوی ایک استفسار کے جواب میں فرماتے ہیں کہ مجھے عظمت رسالت کے منکرین سے کیا خوف بعض لوگ برملا فحش گالیاں دیتے ہیں، بعض خبثاء تو مغلظات سے بھرے ہوئے بیرنگ خطوط بھیجتے ہیں پھر ایک نہیں اللہ اعلم کتنے آتے ہیں۔ مجھے اس کی پرواہ نہیں، اس سے زیادہ میری ذات پر حملے کریں۔ میں تو شکر کرتا ہوں کہ اللہ عزوجل نے مجھے دین حق کی سپر بنایا کہ جتنی دیر وہ مجھے کوستے، گالیاں دیتے، برا بھلا کہتے ہیں اتنی دیر اللہ ورسول جل وعلا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین وتنقیص سے باز رہتے ہیں، ادھر سے کبھی اس کے جواب کا وہم بھی نہیں ہوتا اور نہ کچھ برا معلوم ہوتا ہے کہ ہماری عزت ان کی عزت پر نثار ہی ہونے کے لیے ہے بلکہ ان پر نثار ہونا ہی عزت ہے۔ قرآن عظیم میں ارشاد فرمایا:

و لتسمعن من الذین اشر کوا و الذین اوتوا الکتاب من قبلکم اذی کثیرا

البتہ تم مشرکوں اور اگلے کتابیوں سے بہت کچھ برا سنو گے۔

بڑے بڑے ائمہ ومجتہدین وصحابہ وتابعین تو مخالفین کے سب وشتم سے بچے نہیں، یہ درکنار، جب اللہ واحد قہار اور اس کے پیارے حبیب ومحبوب احمد مختار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان گھٹانا چاہی، انھیں

عیب لگائے تو اور کوئی کس گنتی میں۔ (الملفوظ حصہ دوم)

اس اقتباس سے معلوم ہوا کہ ناموس رسالت کی حفاظت وصیانت ہی امام احمد رضا بریلوی کی تحریر و تقریر کا اولین مقصد و منصبی فریضہ ہے۔

جس طرح امام احمد رضا بریلوی سے سیرت الرسول پر کتاب لکھنے کی گزارش کی گئی تو عدم فرصت کا جواب دیا اسی طرح ان سے کسی نے یہ گزارش کی کہ حضور آپ نواسۂ رسول سید الشہداء حضرت امام حسین شہید گل گوں قبا رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور واقعات کربلا پر ایک کتاب قلم بند فرمادیں تاکہ وہ کتاب صحیح اور مستند واقعات وروایات پر مشتمل ہو اور ایک دستاویز کی حیثیت سے اسے ماخذ و مرجع قرار دیا جائے۔ امام احمد رضا نے فرمایا کہ امام عالی مقام اور واقعات کربلا لکھنے کی میرے قلم میں یارائے سخن کہاں! اسے اس خونچکاں داستان لکھنے کی تاب وطاقت نہیں، میرے ضبط وتحمل کی قوت جواب دے جائے گی، میرے صبر وشکیب کا پیمانہ لبریز ہو جائے گا اگر لکھنا شروع کروں تو آنسوؤں کی دھار قلم کی سیاہی کو دھو ڈالے گی، یہ اس امام فکر ونظر کا جواب ہے جس کا قلم ہر میدان میں اس شان سے چلا کہ علم وتحقیق کے سمندر بہادیے، جس طرف توجہ ہوگئی غزالی ورازی کی یاد تازہ ہوگئی، پھر فرمایا کہ میرے منجھلے بھائی حسن میاں (مولانا حسن رضا بریلوی) کی کتاب ''آئینۂ قیامت'' کربلا کے صحیح اور مستند واقعات پر مشتمل ہے اسے پڑھی جائے۔

اسی ضمن میں امام احمد رضا بریلوی سے ایک سوال ہوا کہ۔

محرم کی مجالس میں جو مرثیہ خوانی وغیرہ ہوتی ہے سننا چاہیئے یا نہیں؟

اس کے جواب میں فرمایا:

مولانا شاہ عبدالعزیز کی کتاب جو عربی میں ہے وہ یا حسن میاں مرحوم میرے بھائی کی کتاب ''آئینۂ قیامت'' میں صحیح روایات ہیں انھیں سننا چاہیئے، باقی غلط روایات کے پڑھنے سے نہ پڑھنا اور نہ

سننا بہتر ہے۔ (الملفوظ حصہ دوم)

زیر نظر کتاب ''سیرت مصطفیٰ جان رحمت'' کے سبب تالیف کی گفتگو کافی طویل اور اصل واقعہ سے دور ہوگئی۔ دراصل بات یہ ہے کہ ''امام احمد رضا اور علم حدیث'' جلد چہارم کی کتابت کے دوران میں جب میں اس کا مقدمہ لکھ رہا تھا تو درمیان میں امام احمد رضا بریلوی کی سیرت نگاری سے متعلق کوئی بات آئی جس پر کئی صفحات لکھے گئے اور دلائل وشواہد سے ثابت کیا گیا کہ سیرت نویسی میں امام احمد رضا نے وافر وکثیر حصہ لیا ہے اور امام احمد رضا کی وہ تصانیف جو بظاہر بھی سیرت الرسول سے متعلق ہیں جن کے مضامین بعینہ سیرت کے مضامین ومباحث ہیں ان کی ایک فہرست درج کی اور ان کا خاکہ بھی پیش کیا گیا، خصوصاً سلام رضا، ''مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام'' جو منظوم سیرت الرسول کا گنج گراں مایہ ہے، جس میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایک ایک چیز اور حضور سے متعلق ہر بات کو حسین پیرایہ بیان میں خوبصورت الفاظ کا جامہ پہنایا گیا ہے۔ اس کے حوالے سے بھی کچھ لکھا گیا۔ مناسب تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس مضمون کو یہاں پر شامل وضم کر دیا جائے، مگر یہ سوچ کر کہ قارئین کرام اسے وہیں پر ملاحظہ فرمالیں گے اس لیے مکرر ذکر کرنے اور اس کے اعادہ کی حاجت نہیں، پھر یہ کہ جہاں پر حقائق وسچائیاں سامنے موجود ہوں وہاں پر کسی اشاریے اور خاکہ پیش کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

پھر جب میں ''امام احمد رضا اور علم حدیث'' جلد پنجم کی تالیف وترتیب اور اس کی کتابت کی پروف ریڈنگ سے فارغ ہوا تو خیال پیدا ہوا کہ کاش! تصانیف امام احمد رضا بریلوی سے احادیث کی طرح اگر سیرت الرسول کے مواد ومضامین کو یکجا ومجتمع کیا جاتا تو سیرت پر اک ضخیم ومعرکۃ الآراء کتاب وجود میں آتی اور سیرت کے تعلق سے امام احمد رضا بریلوی کی گرانقدر تحقیقات وافادات سے دنیا جہان کے لوگ مانوس وآگاہ ہوتے، حاشیۂ ذہن ودماغ میں بار بار یہ خیال گدگدی اور انگڑائیاں لیتا مگر یہ سوچ کر کہ یہ کام انتہائی اہم وصعوبت انگیز ہے، میری ہمت جواب دے جاتی اور میں مایوس وناامید ہو کر بیٹھ جاتا، مگر

میرے خیالات وہمت میں مقابلہ ہوتا رہا، میرے وجود میں اس کی کشمکش باقی رہی، میں اسی فکر وخیال میں مستغرق رہا آخر ایک دن ایسا وقت آیا کہ میں خالق کائنات کی قدرت کاملہ، محبوب رب العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رحمت عامہ اور غوث ورضا کی نظر عنایت والتفات پر وثوق واعتماد کے ساتھ قرطاس وقلم لے کر بیٹھ گیا، اور تصانیف امام احمد رضا کے چمن زاہر وگلشن تحقیق وتدقیق سے مضامین ومبادیات سیرت کے رنگا رنگ شاداب وعطر بیز پھول چننے میں مصروف ومنہمک ہو گیا، جس کے نتیجے میں یہ حسین وجمیل مشک بار گلدستہ آپ کی بارگاہ محبت میں پیش کرنے میں قلبی مسرت ودارین کی سعادت محسوس کر رہا ہوں۔ یہ مجموعہ کئی سال کی محنت وکاوش اور مسلسل جد وجہد کا ثمرہ ہے، جو آپ اپنے ماتھے کی آنکھوں سے اپنے ہاتھوں میں دیکھ رہے ہیں۔ ہماری یہ کوشش کہاں تک کامیاب ہوئی اور اس کی حقیقت وسچائی کیا ہے؟ آپ کا ذوق لطیف اس کا فیصلہ کر سکتا ہے۔ اگر آپ نے اسے رغبت وپسندیدگی کی نظروں سے دیکھا تو مجھے امید ہے کہ یہ مجموعۂ سیرت بارگاہ رسالت میں بھی مقبول ومستجاب ہوگا، چوں کہ یہ اس عاشق صادق وعارف کامل کی تحریر وافادات ہیں جو محبت وعشق رسول کا پیکر مجسم ہے، جس کی علمی وعملی زندگی دنیا کو پیغام عشق ودرس محبت دیتی ہے۔

سیرت نگاری میں امام احمد رضا کا تفرد وامتیاز

اسلام کے دور اول سے لے کر آج تک ہر زمانے اور ہر قرن میں سیرت نویسی کا رواج رہا اور سعید روحوں نے اس پر طبع آزمائی کی۔ سیرت الرسول کے موضوع پر عربی، فارسی، اردو اور دنیا بھر کی مختلف زبانوں میں کتابیں تصنیف کی گئیں، فارسی اور اردو کے مقابلے میں عربی سیرت کی تصانیف زیادہ ہیں، پھر فارسی و اردو اور دیگر زبانوں میں پائی جاتی ہیں۔ زبانوں کے اختلاف کے باوجود سب کا ماخذ ومرجع قرآن عظیم اور احادیث مبارکہ ہی ہیں۔ مختلف زبانوں میں جو کتب سیرت ہیں ان میں فرق وتفاوت تو ہے ہی مگر ایک زبان کی متعدد کتابوں میں بھی ہر ایک کتاب کا انداز بیان الگ اور حسن ترتیب جداگانہ ہے۔ میرے

سامنے اس وقت سیرت کی کئی کتابیں ہیں مگر ان پر نہ کوئی تبصرہ کرنے کا میرا ارادہ ہے نہ اس کی کوئی حاجت، البتہ مجھے صرف ''مدارج النبوۃ'' کے تعلق سے ایک دو باتوں کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے۔ اسے علامہ شمس بریلوی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں۔

''میری نظر میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی پہلے سیرت نگار ہیں جنھوں نے سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے ہر پہلو کو پیش کیا ہے اور آپ کی معاشرتی زندگی کے ہر رخ کو ضبط تحریر میں لایا ہے خصوصاً جلد دوم کے آخری ابواب یعنی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اعمام، عمات، برادران رضاعی، جدات، خدام بارگاہ، موالی، محافظین، کاتبان وحی، سفراء وعمال، خطاط، موذنین، حدی خواناں اور شعرائے بارگاہ رسالت کے احوال میں تفحص اور ان کا استقصا قابل داد ہے۔ حضرت محدث دہلوی سے پہلے اس مہم کو کوئی دوسرا سیرت نگار سر نہیں کر سکا تھا۔ اسی کے ساتھ ساتھ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آلات حرب واسلحہ کا بھی ذکر فرمایا ہے۔ علم ہائے بارگاہ نبوی کی تحقیق بھی کی ہے، حضور سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فروس وبغول (گھوڑے، خچر) نیز اثاث البیت کو بھی تفصیل سے بیان کیا ہے اس طرح آپ نے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی معاشرتی اور مدنی زندگی کے ہر پہلو کو کمال تحقیق کے ساتھ بیان کیا ہے، اور ان کے علمی کمال کا یہ پہلو سب سے زیادہ نمایاں ہے کہ انھوں نے سیرت نگاری سے فقہی مسائل کا استخراج کیا ہے جو ان کی بالغ نگاہی کی دلیل ہے۔'' (مقدمہ مدارج النبوۃ، مترجم جلد دوم)

انھیں نمایاں خوبیوں کے پیش نظر علماء وفضلاء اور محققین و دانشوران ملت نے ''مدارج النبوۃ'' کو انتہائی پسندیدگی کی نظروں سے دیکھا اور ماضی قریب کی کتب سیرت میں اسے ایک مخصوص وانفرادی مقام حاصل ہوا، اس کی وجہ یہی ہے کہ اس میں کمال جامعیت کے ساتھ سیرت کے مبادیات ومقتضیات کو احاطۂ تحریر میں لایا گیا ہے اور ہر باب کے تحت میں اس سے متعلق بیشتر روایات کو پیش کرنے کی ممکنہ کوشش وجستجو

کی گئی ہے اور جدت طرازی کا بھی بھرپور خیال رکھا گیا ہے شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی سیرت نویسی کا انفرادی ونمایاں پہلو یہی ہے۔

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کی سیرت نگاری کا امتیازی وصف یہ ہے کہ انھوں نے سیرت کے مسلمہ پہلوؤں پر لکھنے کے ساتھ بعض ان موضوعات ؤمباحث پر تحقیق وتدقیق کے آئینے میں دل کھول کر لکھا سیرت کی کتابوں میں جن کا نام ونشان بھی نہیں ۔ مصنفین سیرت نے ان مباحث کو ہاتھ بھی نہ لگایا، حالاں کہ ان مضامین وموضوعات کا ربط وتعلق بھی سیرت ہی سے ہے، بلکہ وہ اصل سیرت اوراس کی جان ہیں اوران کا ماخذ ومرجع بھی قرآن مقدس واحادیث طیبہ ہی ہیں۔ مثلاً

- اختیارات مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
- عالم کی کنجیاں حضور کے سپرد ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
- حضور عالم کے لیے پناہ ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
- حضور نعمتیں عطا فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
- حضور دافع البلاء ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
- شہنشاہ کون ومکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
- حضور جان ومال کے مالک ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
- ندائے یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
- حضور کی سیادت مطلقہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
- اللہ ورسول کی طرف توبہ ورجوع جل وعلا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
- نام پاک سن کر انگوٹھے چومنا وغیرہ ۔

یہ وہ مضامین ہیں جن میں سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمت وشوکت کا سمندر لہریں لے

رہا ہے اور اہل ایمان کے لیے احترام و تکریم رسالت کے ساتھ ان میں عشق و وفا کا ابدی پیغام بھی ہے۔ ذرا انصاف و دیانت سے بتایا جائے کہ کیا ان میں سے کوئی ایک مضمون بھی ایسا ہے جسے فن سیرت سے خارج کیا جا سکتا ہے؟ جو سیرت کے حقائق و معارف اور اس کے مبادیات و مقتضیات کو پورا نہ کرتا ہو؟ یا یہ کہ اس کا تعلق رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زندگی اور آپ کے اوصاف و کمالات سے نہ ہو؟

امام احمد رضا بریلوی کی تصانیف میں ان موضوعات کے مضامین تو جا بجا پھیلے ہوئے ہیں ہی، مگر ان میں سے بعض پر انھوں نے باضابطہ کتابیں بھی تصنیف کی ہیں اور ان مضامین کو مستقل کتاب کی شکل میں پیش کیا ہے۔ یہ امام احمد رضا بریلوی کا طرۂ امتیاز ہے کہ انھوں نے جب لکھنا شروع کیا تو ایک ایک موضوع پر دلائل و شواہد کے انبار لگا دیے اور اس کے کسی بھی گوشۂ تحقیق کو تشنۂ تکمیل و نامکمل نہیں چھوڑا، اس کے ہر نشیب و فراز پر نگاہ ڈالی اور اس کے تمام پیچ و خم کو سلجھایا، اس حیثیت سے اگر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ امام احمد رضا نے سیرت کی مستقل کتاب بھی لکھی اور فن سیرت کے مقتضیات کو پورا کیا۔ مذکورہ مضامین پر ان کی تحقیقات و تصانیف اس بات پر شاہد و ناطق ہیں۔

اور یہ کہ جس طرح شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے سیرت نگاری سے فقہی احکام و مسائل کا استخراج کیا، سیرت کے گوشوں میں شرعی مسائل واضح کیے، اسی طرح امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے عقائد نگاری و احقاق حق، ابطال باطل اور بیان مسائل سے سیرت نویسی کا حسین و خوشگوار فریضہ انجام دیا، فقہی جزئیات و قوانین اور بیان عقائد و اعمال کے ضمن میں انھوں نے سیرت نگاری کا حقیقی کردار ادا کیا، انھوں نے عقیدۂ توحید و عقیدۂ رسالت پر کتابیں تصنیف کیں اور فقہی احکام و مسائل بیان کیے مگر ان کی یہی تصانیف سیرت الرسول کا حسین و جمیل گلدستہ بن گئیں، یہ کوئی مبالغہ و جزاف نہیں بلکہ یہ ایک ایسی حقیقت و سچائی ہے جس کو ٹھکرایا نہیں جا سکتا۔ ان کی مطبوعہ و غیر مطبوعہ تصانیف کے مطالعہ سے شک و ریب کا ازالہ ہو سکتا ہے۔

آج کے دور میں ''مدارج النبوۃ'' کو یہ خصوصیت وانفرادیت حاصل ہے کہ اس کے بعد سیرت پر جو بھی کتاب تحریر کی گئی اس کا ماخذ ومنبع ''مدارج النبوۃ'' ہی ہے کیوں کہ بعد والی کتابوں میں یہ ایک سنگ میل کی حیثیت سے ابھری اور فنی دستاویز کی حیثیت سے اس کا جائزہ لیا گیا اور یہ بعد کے مصنفین سیرت کے لیے مرکز نگاہ وقابل توجہ ہوگئی کیوں کہ اس میں سیرت الرسول کے تعلق سے ہر طرح کا جلال و جمال اور جملہ محاسن وخوبیاں موجود ہیں۔ اسی طرح امام احمد رضا بریلوی کی تصانیف سے سیرت الرسول کے منتشر مباحث ومتفرق مضامین کو یکجا ومجتمع کرنے کے بعد جب انھیں کتابی شکل دی گئی تو اس سے اندازہ ہوا کہ اس کا طرز استدلال، اسلوب تحقیق، انداز بیان، زبان وادا میں والہانہ عقیدت ووارفتگی وغیرہ سب کچھ مدارج النبوۃ ہی کی مانند وموافق ہیں، غرض کہ جو دلکشی ورعنائی مدارج النبوۃ کے دامن میں سمٹی ہوئی ہے وہ پورا حسن وتزئین ''سیرت مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم'' کے چمن زار میں بدرجۂ اتم واکمل طریقے پر موجود ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ یہ کتاب بھی مدارج النبوۃ کی مثل اور اسی کی ہم پایہ ہے تو بیجا نہ ہوگا۔ قارئین کرام کا ذوق مطالعہ اس بات کا فیصلہ کرسکتا ہے۔

ان معروضات وگزارشات سے میرا مطمح نظر ''مدارج النبوۃ'' اور زیر نظر کتاب ''سیرت مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم'' کے درمیان کوئی تقابلی جائزہ یا مطالعاتی تجزیہ پیش کرنا نہیں، بلکہ صرف یہ واضح وآشکارا کرنا مقصود ہے کہ امام احمد رضا بریلوی کے وہ افادات وتحقیقات جن کا تعلق سیرت نبویہ علیٰ صاحبہا التحیۃ والثناء سے ہے وہ جملہ ابواب سیرت پر جامع ومحیط ہیں۔ ان کی جمع وتدوین سے معلوم ہوتا ہے کہ امام احمد رضا بریلوی نے حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات اقدس کا ایک ایک گوشہ، حضور کی معاشرتی زندگی کی ایک ایک چیز اور حضور کے جملہ متعلقات کو کمال حسن وخوبی اور انتہائی حزم واحتیاط کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔

طرز تالیف

(۱) امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کی جن تصانیف سے سیرت الرسول کے مضامین ومواد اخذ کیے گئے ہیں آخر میں ان کا حوالہ دے دیا گیا ہے خاص طور سے فتاویٰ رضویہ کے صفحہ نمبر اور جلد کی تعین کر دی گئی ہے اس کے علاوہ دیگر تصانیف ورسائل کے حوالوں میں صرف ان کے نام پر اکتفاء کیا گیا ہے۔

(۲) ہر مضمون کے آغاز وابتداء میں امام احمد رضا کی تحریر نقل کرنے سے پہلے ''مدارج النبوۃ'' سیرت مصطفیٰ اور سیرت الرسول وغیرہ سے اس کا خلاصہ پیش کر دیا گیا اور آخر میں لفظ مولف لکھ کر اس کتاب کا حوالہ دے دیا گیا ہے تا کہ معلوم ہو کہ یہ اضافی تحریر مولف کی پیوند کاری ہے، کیوں کہ امام احمد رضا کی تحریر سیرت کے تعلق سے مسلسل ومربوط نہیں یا بعض مضمون پر سیر حاصل وتشفی بخش نہیں اسی لیے ہر بحث کے شروع میں اس کا ماحصل وخلاصہ لکھ دیا گیا ہے، تا کہ قاری کو کوئی تشنگی باقی نہ رہے وہ ہر طرح سے مطمئن ہو جائے، ایسا ان تمام مضامین کے شروع میں کیا گیا ہے جن پر امام احمد رضا کی تحریر دستیاب ہوئی اور وہ عنوانات جن کے تحت میں ان کی کوئی تحقیق وتحریر مجھے نہیں ملی، انھیں بھی مختصراً بیچ بیچ میں کتب سیرت کے حوالے سے درج کر دیا گیا ہے، تا کہ ہر طرح سے کتاب جامع ومکمل اور سیرت کے تمام مباحث پر مشتمل ہو اور کسی طرح کی کوئی کمی یا نقص کا شکوہ نہ رہے، لیکن ایسے مضامین بہت ہی کم ہیں جن پر امام احمد رضا کی کوئی تحریر میری نظر سے نہیں گزری۔ جس طرح ایک مالی گلستاں کے مختلف گوشوں کے رنگا رنگ پھولوں سے کوئی ہار یا گلدستہ تیار کرتا ہے اسی طرح اس کتاب کے مضامین امام احمد رضا بریلوی کی مختلف تصانیف وافادات کی چمنستان سے جمع کیے گئے ہیں اور انھیں ایک لڑی میں پرویا گیا ہے اگر چہ عام کتابوں کی طرح اس کی تصنیف وتحریر عمل میں نہیں آئی مگر اس کے باوجود مجھے یقین ہے کہ اس کی ترتیب وتہذیب میں نہ کوئی فرق پڑا ہے نہ اس کی سلاست وروانی میں کوئی

جھول واقع ہوا ہے۔

(۳) تصانیف امام احمد رضا کے مختلف مقامات سے مواد یکجا و اکٹھا کرنے کی صورت میں جس مضمون کی تحریر آپس میں غیر مربوط یا غیر مسلسل محسوس ہوئی وہاں پر ضمنی سرخیوں کے ذریعہ سے اس کی اجنبیت اور فاصلہ کو دور کر دیا گیا ہے، ان سرخیوں سے متفرق عبارات کے درمیان ربط و تعلق پیدا ہو گیا ہے اور وہ آپس میں ایک دوسرے سے متعلق و یکجان ہو گئی ہیں، اور یہ وضاحت کر دی گئی ہے کہ یہ تحریر کسی سوال کے جواب میں مستقل ہے یا متفرق عبارات کے درمیان سے اخذ کی گئی ہے۔

(۴) سیرت سے متعلق امام احمد رضا بریلوی کی جملہ عبارات کو نقل کیا گیا ہے خواہ عربی، فارسی ہو یا اردو، البتہ وہ عربی و فارسی عبارات جن کا ترجمہ مصنف کے قلم سے مرقوم نہیں ان کا اردو میں ترجمہ کر دیا گیا ہے اور آخر میں لفظ ''مولف'' لکھ کر دونوں کے درمیان تفریق کر دی گئی ہے، تاکہ معلوم ہو کہ جس عبارت یا جس ترجمہ کے آخر میں لفظ ''مولف'' لکھا ہوا ہے وہ مولف و مرتب کی کاوش و کوشش ہے۔ پہلے خیال یہ تھا کہ عربی و فارسی عبارات نقل نہ کی جائیں صرف ان کے ترجمے ہی پر اکتفاء کیا جائے، لیکن اس خیال سے کہ امام احمد رضا بریلوی کی تحقیقات سے دنیا جہاں کو آشنا و آگاہ کرنا مقصود ہے، ہر طرح کی جملہ عبارتیں نقل کی گئیں اور اس سلسلے کی جو عبارت و تحریر بھی نظر سے گزری اسے قلم انداز نہیں کیا گیا، اس سے کتاب کچھ ضخیم ضرور ہو گئی مگر اس کا فائدہ یہ ہوا کہ سیرت الرسول کے تعلق سے امام احمد رضا بریلوی کی جملہ تحریر و تحقیق واضح و نمایاں ہو کر سامنے آ گئی۔

(۵) امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کی تصانیف میں احادیث نبویہ علی صاحبہا التحیۃ والثناء کی ایک حسین و رنگین دنیا آباد ہے، انھیں احادیث سے استدلال و استخراج کا ملکہ راسخہ حاصل تھا، وہ اکثر احکام

ومسائل کے ثبوت وتحقیق میں احادیث کریمہ پیش کرتے تھے، کبھی ایک ایک مسئلہ کو ثابت وواضح کرنے کے لیے انھوں نے تین تین سو حدیثیں پیش کی ہیں (''امام احمد رضا اور علم حدیث'' کی پانچ جلدیں جو امام احمد رضا کی تصانیف سے ماخوذ حدیثوں کا مستند مجموعہ ہے، اس بات کی واضح دلیل ہیں) ان میں سے جن احادیث مبارکہ میں مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کسی فعل کا ذکر یا حضور سے متعلق کسی چیز کا تذکرہ ہے انھیں ضبط تحریر میں لایا گیا ہے یا صحابہ کرام کے وہ مرویات واقوال جن میں یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسا کیا یا ایسا نہیں کیا یا حضور کو ایسا کرتے دیکھا گیا وغیرہ، ان کو بھی من وعن نقل کیا گیا ہے، کیوں کہ یہی احادیث وروایات سیرت الرسول کا منبع وسرچشمہ ہیں، انھیں کی بدولت ہمیں اسوۂ نبوی اور حضور کی صبح وشام دیکھنے کا موقع ملا اور سیرت کی کتابیں وجود میں آئیں۔ اگر احادیث کا ذخیرہ مدون ومجتمع نہ ہوتا تو ہمیں نہ احکام ومسائل معلوم ہوتے نہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی مبارک زندگی اور حضور سے متعلق چیزوں کے احوال وکوائف کا علم ہوتا۔ اہل اسلام پر یہ محدثین کرام وائمہ عظام کا عظیم وجلیل احسان ہے کہ انھوں نے تدوین حدیث کے ذریعہ سے وہ کارہائے نمایاں انجام دیے جن کی بدولت اسلامی تاریخ وروایات کا سلسلہ تسلسل وتواتر کے ساتھ ہم تک پہنچا، ورنہ ہم انبیاء ومرسلین، صحابہ وتابعین اور اسلاف واکابر کے احوال واقوال اور ان کی تاریخ وسیرت جاننے سے محروم وعاجز رہتے اور ہمارا ماضی ہم سے تاریک وپوشیدہ رہتا۔ احادیث کے ساتھ مضامین کی مناسبت سے کہیں کہیں دیگر باتیں بھی درج کی گئی ہیں جن کا تعلق سیرت نبویہ کے ضمن میں عقائد دینیہ یا مسائل شرعیہ سے ہے۔

(۶) دیگر تصانیف امام احمد رضا بریلوی سے اخذ مواد کے ساتھ ان کی نعتیہ دیوان ''حدائق بخشش'' سے بھی مضامین کی مناسبت سے بعض اشعار کو شامل کتاب کر دیا گیا ہے تا کہ امام احمد رضا

بریلوی کی نثر میں سیرت نگاری کے ساتھ نظم میں بیان کردہ حضور کے فضائل و محاسن بھی واضح طور پر سامنے آجائیں۔ یوں تو پورا دیوان ہی محبوب رب جلیل صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نعت ومدح اور حضور کے فضل وکمال کے تذکرۂ جمیل سے مملو ومشحون ہے، مگر بعض مضمون کے آخر میں صرف ان اشعار کو ضم کیا گیا ہے جن میں ان مضامین وعنوانات سے متعلق صراحۃً کسی طرح کا کوئی ذکر موجود ہے جیسے قصیدۂ معراجیہ وقصیدۂ نور وغیرہ، ان میں سے ان مخصوص اشعار کا انتخاب کیا گیا ہے جن میں مثلاً معراج، براق، سدرہ، سیر سماوات یا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نور وغیرہ کا صریح طور پر ذکر ہے ورنہ حق تو یہ تھا کہ پورا پورا قصیدہ نقل کیا جاتا، کیوں کہ ان قصائد کا ایک ایک حرف حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان جمال وحسن کمال کو بتاتا ہے۔ لیکن کتاب کی مزید ضخامت کے خوف سے منتخب اشعار ہی کی نقل پر اکتفاء کیا گیا ہے۔

(۷) اس کے مضامین ومباحث کی ترتیب میں وہی انداز وطریقہ اختیار کیا گیا ہے جو عام کتب سیرت کا انداز ترتیب ہے جو واقعات وحالات جس سن میں وقوع پذیر ورونما ہوئے ان کو اسی ترتیب سے بیان کیا گیا ہے، تاکہ قاری کو الجھنوں اور مشکلات کا سامنا کرنا نہ پڑے، اور وہ مضامین جو محض امام احمد رضا بریلوی کی تحقیقات عالیہ ہیں انھیں بھی ماقبل ومابعد کی مناسبت سے بیچ بیچ میں شامل وضم کر دیا گیا ہے پھر بھی اس کے حسن ترتیب میں سلیقہ مندی کا فیصلہ قارئین کرام فرمائیں گے۔

(۸) شروع میں وہ صریح آیات قرآنیہ بطور تبرک پیش کی گئی ہیں جن میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اوصاف وکمالات کا واضح بیان موجود ہے۔ کنز الایمان سے ان کا ترجمہ کر دیا گیا ہے اور خزائن العرفان سے ان کی تفسیر وتوضیح بھی مختصراً پیش کی گئی ہے۔ ہر آیت کے آخر میں سورۃ اور

آیت نمبر کا حوالہ درج کر دیا گیا ہے۔

اس قسم کی تمام آیتوں کا استقصا و احاطہ کرنا تو میرے لیے ممکن نہیں، کیوں کہ شروع سے اخیر تک پورا قرآن ہی حضور سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدح و ثنا کا مخزن و مرقع ہے، البتہ جہاں تک میری نظر قاصر کی رسائی ہوئی ان آیات کی اختصار کے ساتھ تفسیر و تشریح پیش کی گئی ہے، پھر یہ کہ کتاب کی ضخامت کا خوف ہر لمحہ دامن کشاں رہا، قلم روکنے کے باوجود یہ مضمون طویل ہو گیا اور درجنوں صفحات بھر گئے، مگر حق یہ کہ حق ادا نہ ہوا۔ جس پیکر جمیل کے حسن و جمال، فضل و کمال، رفتار و گفتار، اخلاق و کردار اور اس کے سراپائے اطہر کی تعریف و توصیف خالق کائنات خود کر رہا ہو، مخلوقات میں سے کون اس کی شایان شان مدح و ستائش کر سکتا ہے۔ کون کما حقہ اس کی تعریف و ثنا کا حق ادا کر سکتا ہے۔

اے رضا خود صاحب قرآن ہے مداح حضور
تجھ سے کب ممکن ہے پھر مدحت رسول اللہ کی

●

لا یمکن الثناء کما کان حقہ
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

ہمارا تو حال یہ ہے:

ہزار بار بشویم دہن ز مشک و گلاب
ہنوز نام او گفتن کمال بے ادبی ست

(۹) آیات قرآنیہ کی طرح حصول برکت کے لیے بعض وہ احادیث بھی پیش کی گئی ہیں جن میں حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمت و تقدیس، جلال و جمال اور حضور کے فضل و کمال کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر لہریں لے رہا ہے۔ جس محبوب مکرم کی بارگاہ عالی میں زمزمہ سنجی و ثنا خوانی

کے لیے اہل ارادت واہل دل نے ہزاروں لاکھوں صفحات واوراق لکھے، اپنے عشق و وارفتگی اور والہانہ عقیدت مندی کا ثبوت دیا، حضور کے حسن و جمال اور حضور کے سراپائے اقدس کی تشریح و توضیح کی ان کا مبداء وماٰ خذ بھی احادیث فضائل وشمائل ہی ہیں۔ حصول سعادت وغفران کے لیے انھیں احادیث میں سے بعض کی مختصر وضاحت کی گئی ہے اور حضور مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حلیہ اقدس کا نقشہ بھی حسین وجمیل انداز میں کھینچا گیا ہے۔ اس سے ہمارا مقصود محبوب جلیل کے ذکر جمیل سے اپنے کو اور کتاب کو مشرف ومکرم کرنا ہے۔

ما ان مدحت محمدا بمقالتی

لکن مدحت مقالتی بمحمد

تشکر وامتنان

آخر میں استاذی الکریم حضرت مولانا محمد صالح صاحب بریلوی شیخ الحدیث منظر اسلام بریلی شریف کا دل کی گہرائیوں سے شکر گزار ہوں، جنھوں نے اس راہ میں مجھے حوصلہ افزاء قیمتی مشورے دیے اور اپنی دعاؤں سے نوازا۔

محقق عصر حضرت علامہ محمد احمد صاحب مصباحی صدر المدرسین الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور کے حکم و ایماء پر اس کتاب میں ان مضامین کا کتب سیرت کے حوالے سے اضافہ کیا گیا جن کے متعلق امام احمد رضا بریلوی کی کوئی تحریر مجھے نہیں ملی، اگر ایسا نہ کیا جاتا تو یہ کتاب سیرت کے تمام عناوین ومباحث پر جامع ومحیط نہ ہوتی اس بات کی نشان دہی پر میں ان کا بے حد ممنون ہوں۔

فخر صحافت آبروئے لوح وقلم حضرت علامہ یاسین اختر صاحب مصباحی بانی ومہتمم دار القلم دہلی کے مناسب واہم مشورے سے اس کتاب کا نام ''سیرت مصطفیٰ جان رحمت'' تجویز کیا گیا۔ انھوں نے

فرمایا کہ سلام رضا ''مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام'' میں دنیا بھر میں امام احمد رضا بریلوی کو تفرد و امتیاز حاصل ہے کہ ایسا سلام نہ ان سے پہلے کسی نے لکھا اور نہ ان کے بعد، اس اعتبار سے کتاب کے نام سے اہل علم کا ذہن اس نکتہ کی طرف جا سکتا ہے کہ اس میں امام احمد رضا بریلوی کے تحریر فرمودہ مضامین سیرت اور ان کی جلوہ ریزیاں موجود ہیں۔ اس کے لیے میں ان کی بارگاہ محبت میں بھی ہدیۂ تشکر و امتنان پیش کرتا ہوں۔

افضل الفضلاء حضرت علامہ محمد حنیف خاں صاحب بریلوی و حضرت علامہ مفتی قاضی شہید عالم صاحب پورنوی مدرسین جامعہ نوریہ بریلی شریف بھی میرے لیے بے پناہ شکریہ کے مستحق ہیں کہ انھوں نے امام احمد رضا بریلوی کی کچھ نایاب و کم یاب اور کچھ مخطوطہ قلمی کتابیں مجھے فراہم کیں، جن سے میں نے اپنی اس تالیف کے لیے استفادہ کیا۔

عمدۃ المحققین حضرت علامہ عبد المبین صاحب نعمانی صدر المدرسین جامعہ قادریہ چریا کوٹ مئو کا بھی بے حد مشکور ہوں کہ انھوں نے مجھے اپنے مفید و زریں مشوروں سے نوازا اور میری حوصلہ افزائی فرمائی۔

اور میں فراموش نہیں کر سکتا محبّ گرامی شعلہ رخ حضرت مولانا غلام جابر صاحب شمس مصباحی پی ایچ ڈی کو جنھوں نے مجھے ہر موڑ پر مہمیز کی اور اس کام کو پورا کرنے کے لیے بار بار تقاضا کیا۔

محبّ مخلص حضرت مولانا شاہ جہاں صاحب مدرس الجامعۃ الرضویہ مظہر العلوم گرسہائے گنج بھی میرے لیے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انھوں نے اس کتاب کے پروف ریڈنگ میں میرا ساتھ دیا اور میری معاونت کی۔

اخیر میں ہم فخر سنیت ناشر مسلک اعلیٰ حضرت عالی جناب حضرت علامہ عبد الستار ہمدانی صاحب کی

بارگاہ عالی میں خراج محبت پیش کرتے ہیں، جن کی نظر التفات و مساعی جمیلہ سے یہ کتاب زیور طبع سے آراستہ ہوئی۔ اس کی تالیف کے دوران میں ہم متفکر ومتردد تھے کہ آخر یہ ضخیم کتاب کیسے طبع ہوگی اور اس کے لیے کیا سبیل وصورت پیدا ہوسکتی ہے، مگر ہم کارساز مطلق کی رحمت وعنایت سے مایوس و ناامید نہیں تھے۔ اس کے فضل وعطا پر یقین کامل تھا۔ اس نے اسباب ووسائل پیدا فرمائے اور جو کچھ ہے سب اسی واجب الوجود کی کرم فرمائی اور اس کے محبوب جلیل صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بیکس نوازی وعقدہ کشائی ہے کہ علامہ ہمدانی صاحب اس کی طرف مائل ومتوجہ ہوئے اور ان کی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی اور رضویت سے عقیدت ووارفتگی نے اس مشکل کو آسان وحل کردیا، کہ انھوں نے ایک خطیر رقم کے ذریعہ اسے حسن وتزئین کے ساتھ طباعت واشاعت کی منزل سے گزار کر اہل سنت وجماعت کی میز پر سجادیا۔ فجزاہ اللہ خیر الجزاء.

علمائے اہل سنت اور عوام وخواص کے لیے آج علامہ ہمدانی صاحب کی ذات محتاج تعارف نہیں۔ ان کا امتیازی وصف یہ ہے کہ انھوں نے ہمارے ائمہ واسلاف کی درجنوں تصانیف کو ہندوستان سے شائع کرنے کا شرف حاصل کیا۔ خصوصاً اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کی صدہا تصانیف کو جدید اسلوب اور حسین وجمیل انداز میں پیش کرکے سنیت ورضویت کی گرانقدر وبیش بہا خدمات انجام دیں۔ تاہنوز یہ سلسلۃ الذہب جاری ہے، اور یہ کہ تصانیف اعلیٰ حضرت کی تعریب اور دیگر زبانوں میں ترجمے کا عظیم کام باضابطہ ان ہی کی بدولت شروع ہوا۔ اس منزل کی طرف پہلا قدم ان ہی کا اٹھا، تصنیفی واشاعتی عزائم کی تکمیل کے لیے انھوں نے ایک مستقل ادارہ بنام'' مرکز اہل سنت برکات رضا'' قائم فرمایا، جو گوناگوں اور مختلف الجہات خوبیوں کا حامل وامین ہے۔ نہایت ہی قلیل عرصے میں اس ادارہ کے حوالے سے جو کارہائے نمایاں منصۂ شہود پر آئے وہ ہمارے لیے قابل فخر اور اس کے بانی ومہتمم کے خلوص وللّٰہیت کے آئینہ دار ہیں۔

نیز علامہ ہمدانی صاحب بذات خود مختلف زبانوں میں سو سے زائد کتابوں کے مصنف ہیں، ان میں بعض کتابیں ضخیم اور کئی کئی جلدوں پر مشتمل ہیں ان کی مصروفیات اور متنوع کاموں کو دیکھتے ہوئے اتنی ڈھیر ساری کتابوں کی تصنیف واشاعت یقیناً حیرت انگیز کارنامہ ہے جو لائق تقلید بھی ہے اور باعث صد رشک بھی۔ رب کائنات انھیں عمر خضر اور دینی کام کرتے رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

میں جملہ معاونین ومخلصین کی بارگاہ ناز میں خلوص وامتنان کی سوغات پیش کرتے ہوئے قلبی مسرت وذہنی سکون محسوس کرتا ہوں۔ ع

گر قبول افتد زہے عزو شرف

و ما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت و الیہ انیب

متوطن	**محمد عیسیٰ رضوی قادری**
مقام کٹم پوسہ	شیخ الحدیث الجامعۃ الرضویہ
پوسٹ ڈمرولہ	مظہر العلوم، گرسہائے گنج
وایا اسلامپور، ضلع اتر دیناجپور (بنگال)	ضلع قنوج (یوپی)

۲۳ر صفر ۱۴۲۵ھ/۱۴ر اپریل ۲۰۰۴ء۔ بروز چہارشنبہ

سیرت اور اس کے مصنفین

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ

سیرت اور اس کے مصنفین

عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ خلافت میں تدوین حدیث کا باضابطہ آغاز ہوا۔انھوں نے ابوبکر بن محمد بن حزم انصاری کو احادیث یکجا کرنے کا حکم دیا اور علماء و محدثین کے توسط سے ابوبکر بن محمد بن حزم نے احادیث نبویہ کا عظیم سرمایہ اور بڑا ذخیرہ جمع کیا یہ اہتمام و انصرام تدوین حدیث کے لیے کیا گیا، لیکن اب تک مغازی و سیر کے ساتھ اعتناء نہیں کیا گیا تھا۔حضرت عمر بن عبدالعزیز نے خاص اس فن کی طرف توجہ کی اور حکم دیا کہ غزوات نبوی کا خاص حلقۂ درس قائم کیا جائے۔عاصم بن عمر بن قتادہ انصاری متوفی ۱۲۱ھ اس فن میں خاص کمال رکھتے تھے، ان کو حکم دیا کہ جامع مسجد دمشق میں بیٹھ کر لوگوں کو مغازی اور مناقب کا درس دیں۔

امام زہری اور فن سیرت

اسی زمانہ میں امام زہری نے مغازی پر ایک مستقل کتاب لکھی اور جیسا کہ امام سہیلی نے روض الانف میں تصریح کی ہے، یہ اس فن کی پہلی تصنیف تھی۔امام زہری اس زمانہ کے اعلم العلماء تھے، فقہ اور حدیث میں ان کا کوئی ہمسر نہ تھا، امام بخاری کے شیخ الشیوخ ہیں، انھوں نے حدیث و روایات کے حاصل کرنے میں یہ محنتیں اٹھائیں کہ مدینہ منورہ میں ایک ایک انصاری کے گھر جاتے، جوان، بوڑھے، عورت، مرد، جو مل جاتا، یہاں تک کہ پردہ نشیں عورتوں سے جا کر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اقوال اور حالات پوچھتے اور قلم بند کرتے۔وہ نسباً قریشی تھے ۵۰ھ میں پیدا ہوئے۔بہت سے صحابہ کو دیکھا تھا ۸۰ھ میں عبدالملک بن مروان کے دربار میں گئے، اس نے بہت قدر و منزلت کی۔کتاب المغازی غالباً حضرت عمر بن عبدالعزیز کی ہدایت کے موافق لکھی۔یہ بات خاص طور پر قابل لحاظ ہے کہ امام موصوف سلاطین کے دربار سے تعلق رکھتے تھے اور مقربین خاص میں داخل تھے۔ہشام بن عبدالملک نے اپنے بچوں

کی تعلیم ان کے سپرد کی تھی۔ ۱۲۴ھ میں وفات پائی۔

امام زہری کی وجہ سے مغازی وسیرت کا عام مذاق پیدا ہو گیا۔ان کے حلقۂ درس سے اکثر ایسے لوگ نکلے جو خاص اس فن میں کمال رکھتے تھے،ان میں سے یعقوب بن ابراہیم، محمد بن صالح تمار، عبدالرحمٰن بن عبدالعزیز فن مغازی میں خاص شہرت رکھتے تھے۔ چنانچہ تہذیب التہذیب وغیرہ میں ان لوگوں کا امتیازی وصف ''صاحب المغازی'' لکھا جاتا ہے۔

زہری کے تلامذۂ سیرت

زہری کے تلامذہ میں دو شخصوں نے اس فن میں نہایت شہرت حاصل کی اور یہی دو شخص ہیں جن پر اس فن کا سلسلہ ختم ہوتا ہے۔موسیٰ بن عقبہ اور محمد بن اسحاق۔

موسیٰ بن عقبہ اور سیرت

موسیٰ بن عقبہ خاندان زبیر کے غلام تھے،عبداللہ بن عمر کو دیکھا تھا،فن حدیث میں امام مالک ان کے شاگرد ہیں۔امام مالک ان کے نہایت مداح تھے اور لوگوں کو ترغیب دیتے تھے کہ فن مغازی سیکھنا ہو تو موسیٰ سے سیکھو۔ان کے مغازی کے جو خصوصیات ہیں یہ ہیں :

(۱) مصنفین اب تک روایات میں صحت کا التزام نہیں کرتے تھے،انھوں نے زیادہ تر اس کا التزام کیا۔

(۲) عام مصنفین کا یہ مذاق تھا کہ کثرت سے واقعات نقل کیے جائیں،اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ ہر قسم کے رطب و یابس روایتیں آجاتی تھیں،موسیٰ نے احتیاط کی اور صرف وہی روایتیں لیں جو ان کے نزدیک صحیح ثابت ہوئیں۔یہی وجہ ہے کہ ان کی کتاب بہ نسبت اور کتب مغازی کے

مختصر ہے۔

(۴) چوں کہ روایت حدیث کے لیے کسی عمر کی قید نہ تھی اس لیے اکثر لوگ بچپن اور آغاز شباب ہی سے حلقۂ درس میں شامل ہوجاتے تھے اور حدیث سن کر لوگوں سے روایت کرتے تھے لیکن چوں کہ اس عمر تک واقعات کا صحیح طور سے سمجھنا اور محفوظ رکھنا ممکن نہ تھا اس لیے اکثر روایتوں میں تغیر اور اختلاط ہوجاتا تھا، موسیٰ نے بخلاف اور لوگوں کے کبر سن میں اس فن کو سیکھا تھا ۱۴۱ھ میں وفات پائی۔

موسیٰ کی کتاب آج موجود نہیں، لیکن ایک مدت تک شائع رہی اور سیرت کی تمام کتابوں میں اس کے حوالے آتے ہیں۔

محمد بن اسحاق اور سیرت

محمد بن اسحاق نے فن مغازی میں سب سے زیادہ شہرت حاصل کی۔ وہ امام فن مغازی کے نام سے مشہور ہیں۔ شہرت عام میں واقدی بھی ان سے کم نہیں۔ محمد بن اسحاق تابعی ہیں۔ صحابی رسول حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا تھا۔ علم حدیث میں کمال تھا۔ امام زہری کے دروازہ پر دربان مقرر تھا کہ کوئی شخص بغیر اطلاع کے نہ آئے، لیکن محمد بن اسحاق کو عام اجازت تھی کہ جب چاہیں چلے آئیں، ان کے ثقہ اور غیر ثقہ ہونے کی نسبت محدثین کا اختلاف ہے۔ امام مالک ان کے سخت مخالف ہیں۔ لیکن محدثین کا عام فیصلہ یہ ہے کہ مغازی اور سیر میں ان کی روایتیں قابل استناد ہیں۔ امام بخاری نے صحیح بخاری میں ان کی روایت نہیں لی، لیکن ''جزء القراۃ'' میں ان سے روایت کی ہے، تاریخ میں تو اکثر واقعات انھیں سے لیے ہیں۔

فن مغازی کو انھوں نے اس قدر ترقی دی اور اس قدر دلچسپ بنا دیا کہ خلفائے عباسیہ جو زیادہ تر

اس قسم کا مذاق رکھتے تھے، ان میں مغازی کا مذاق پیدا ہو گیا۔ چنانچہ ابن عدی نے اس احسان کا خاص طرح پر ذکر کیا ہے۔ ابن عدی نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس فن میں کوئی تصنیف ان کی تصنیف کے رتبہ کو نہیں پہنچی۔

ابن حبان نے کتاب الثقات میں لکھا ہے کہ محدثین کو محمد بن اسحاق کی کتاب پر اعتراض تھا تو یہ تھا کہ خیبر وغیرہ کے واقعات وہ ان یہودیوں سے دریافت کر کے داخل کتاب کرتے تھے جو مسلمان ہو گئے تھے، اور چوں کہ یہ واقعات انھوں نے یہودیوں سے سنے ہوں گے اس لیے ان پر پورا اعتماد نہیں ہو سکتا۔ علامہ ذہبی کی تصریح سے ثابت ہوتا ہے کہ محمد بن اسحاق یہود و نصاریٰ سے روایت کرتے تھے اور ان کو ثقہ سمجھتے تھے۔ ۱۵۱ھ میں وفات پائی۔

محمد بن اسحاق کی کتاب المغازی کا ترجمہ شیخ سعدی کے زمانہ میں ابوبکر سعد زنگی کے حکم سے فارسی میں ہوا۔

محمد بن اسحاق کی کتاب کثرت سے پھیلی، اور بڑے بڑے مشہور محدثوں نے اس کے نسخے مرتب کیے، اسی کتاب کو ابن ہشام نے زیادہ منقح اور اضافہ کر کے مرتب کیا، جو ''سیرت ابن ہشام'' کے نام سے مشہور ہے۔ چوں کہ اصل کتاب آج کم ملتی ہے، اس لیے آج اس کی جو یادگار موجود ہے وہ یہی ابن ہشام کی کتاب ہے۔

ابن ہشام اور سیرت

ابن ہشام کا نام عبدالملک ہے وہ ثقہ اور نامور محدث اور مورخ تھے، حمیر کے قبیلہ سے تھے اور غالباً اسی تعلق سے سلاطین حمیر کی تاریخ لکھی جو آج بھی موجود ہے۔ انھوں نے سیرت میں یہ اضافہ کیا کہ سیرت میں جو مشکل الفاظ آتے ہیں ان کی تفسیر بھی لکھی۔ ۲۱۳ یا ۲۱۸ھ میں وفات پائی۔

سیرت ابن اسحاق کی مقبولیت کی بناء پر لوگوں نے اس کو نظم کیا۔ چنانچہ ابونصر فتح بن موسیٰ خضراوی

متوفی ۶۶۳ھ وعبدالعزیز بن احمد المعروف بہ سعدوری متوفی فی حدود ۶۰۷ھ وابواسحاق انصاری تلمسانی و فتح الدین محمد بن ابراہیم معروف بہ ابن الشہید متوفی ۹۳ھ نے منظوم کیا۔ اخیر کتاب میں قریباً دس ہزار شعر ہیں اور اس کا نام ''فتح الغریب فی سیرت الحبیب'' ہے۔

ابن سعد اور سیرت

ابن سعد مشہور محدث ہیں۔ محدثین نے عموماً لکھا ہے کہ وہ قابل سند ہیں۔ خطیب بغدادی نے ان کی نسبت یہ الفاظ لکھے ہیں۔

''کان من اھل العلم و الفضل و الفھم و العدالة صنف کتابا کبیرا فی طبقات الصحابة و التابعین الی دقته فاجاد فیه و احسن .''

یہ اہل علم وفضل میں سے تھے۔ فہم وعدالت میں مشہور و یکتا تھے۔ صحابہ اور تابعین کے حالات پر ایک بڑی ضخیم کتاب لکھی۔ یہ کتاب ایسے عمدہ انداز میں لکھی گئی کہ جب سے اب تک ایسی کتاب نہیں لکھی گئی۔

اسی لیے کہا جاتا ہے کہ یہ امام واقدی کے خاص تلامذہ میں سے ہیں۔ انھوں نے حضور سرورکونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کے حالات میں ایسی جامع اور مفصل کتاب لکھی کہ آج تک اس کا جواب نہ ہوسکا۔

یہ موالی بنی ہاشم سے تھے۔ بصرہ میں پیدا ہوئے، لیکن بغداد میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ بلاذری جو مشہور مورخ ہیں، ان ہی کے شاگرد ہیں۔ سنہ ۲۳۰ھ میں ۶۲ برس کی عمر میں وفات پائی۔

ان کی کتاب کا نام طبقات ہے۔ ۱۲؍جلدوں میں ہے۔ دو جلدیں خاص حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حالات میں ہیں، اور یہ حصہ دراصل سیرت نبوی ہے باقی جلدیں صحابہ وتابعین کے حالات میں

ہیں اور چوں کہ صحابہ کے حالات میں ہر جگہ حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر آتا ہے اس لیے ان حصوں میں بھی سیرت کا بڑا سرمایہ موجود ہے۔

یہ کتاب تقریباً ناپید ہو چکی تھی یعنی دنیا کے کسی کتب خانہ میں اس کا پورا نسخہ موجود نہ تھا۔ شہنشاہ جرمن کو اس کی طباعت و اشاعت کا خیال ہوا، چنانچہ لاکھ روپے جیب خاص سے دیے اور پروفیسر ساخو کو اس کام پر مامور کیا کہ ہر جگہ سے اس کے اجزاء فراہم کر کے لائیں۔ پروفیسر موصوف نے قسطنطنیہ، مصر اور یورپ جا کر جا بجا سے تمام جلدیں بہم پہنچائی۔ یورپ کے بارہ پروفیسروں نے الگ الگ جلدوں کی تصحیح اپنے ذمہ لی، چنانچہ نہایت اہتمام اور صحت کے ساتھ یہ نسخہ لیڈن (ہالینڈ) میں چھپ کر شائع ہوا۔

امام بخاری اور سیرت

سیرت کے سلسلہ میں الگ تاریخی تصنیفات ہیں، ان میں جو محدثانہ طریقہ پر لکھی گئیں یعنی جن میں روایتیں بہ سند مذکور ہیں، ان میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حالات اور واقعات کا جو حصہ ہے، وہ بھی دراصل سیرت نبوی ہے۔ ان میں سب سے مقدم اور قابل استناد امام بخاری کی تاریخ صغیر و کبیر ہیں، لیکن دونوں نہایت مختصر ہیں، ان میں سیرت نبوی کا حصہ کتاب کا دسواں حصہ بھی نہیں یعنی صرف ۱۵ صفحے ہیں اور ان میں بھی کوئی ترتیب نہیں، کبیر البتہ بڑی ہے، لیکن سوانح اس میں بہت کم ہیں اور جستہ جستہ واقعات بلا ترتیب مذکور ہیں۔

امام طبری اور سیرت

تاریخی سلسلہ میں سب سے جامع اور مفصل کتاب امام طبری کی تاریخ کبیر ہے۔ امام طبری اس درجہ کے شخص ہیں کہ تمام محدثین ان کے فضل و کمال، وثوق اور وسعت علم کے معترف ہیں۔ ان کی تفسیر احسن التفاسیر خیال کی جاتی ہے۔ محدث ابن خزیمہ کا قول ہے کہ وہ دنیا میں کسی کو ان سے بڑھ کر عالم نہیں جانتا،

۳۱۰ھ میں وفات پائی۔

بعض محدثین نے ان کی نسبت لکھا ہے کہ یہ شیعوں کے لیے وضع کیا کرتے تھے، لیکن علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں لکھا ہے۔

مدارجهم بالظن الكاذب بل ابن جرير من كبار أئمة الاسلام المعتمدين .

یہ جھوٹی بدگمانی ہے، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ابن جریر اسلام کے معتمد اماموں میں سے ایک بڑے امام ہیں۔

علامہ ذہبی نے اس موقع پر لکھا ہے کہ ان میں فی الجملہ تشیع تھا، لیکن مضر نہیں تمام مستند اور مفصل تاریخی کتب مثلاً تاریخ کامل ابن اثیر، تاریخ ابن خلدون، تاریخ ابوالفداء وغیرہ ان ہی کی کتاب سے ماخوذ اور اسی کتاب کے مختصرات ہیں۔ یہ کتاب بھی ناپید تھی اور یورپ کی بدولت شائع ہوئی۔

چند مصنفین سیرت

دور تابعین سے گیارہویں صدی تک چند مقتدر محدثین و مصنفین سیرت کے اسماء گرامی ملاحظہ فرمائیں۔ گیارہویں صدی کے بعد والے مصنفین کے ناموں کو اس فہرست میں جگہ نہیں دی گئی کہ یہ لوگ در حقیقت اگلے مصنفین ہی کے خوشہ چیں و فیض یافتہ ہیں۔

(۱)	عروہ بن زبیر تابعی	۹۲ھ
(۲)	عامر بن شراحیل امام شعبی	۱۰۴ھ
(۳)	ابان بن امیر المومنین عثمان	۱۰۵ھ
(۴)	وہب بن منبہ یمنی	۱۱۴ھ
(۵)	عاصم بن عمر بن قتادہ	۱۲۱ھ

(۶)	شرحبیل بن سعد	۱۲۳ھ
(۷)	محمد بن شہاب زہری	۱۲۴ھ
(۸)	اسماعیل بن عبدالرحمٰن سدی	۱۲۷ھ
(۹)	عبداللہ بن ابوبکر بن حزم	۱۳۵ھ
(۱۰)	موسیٰ بن عقبہ	۱۴۱ھ
(۱۱)	معمر بن راشد	۱۵۰ھ
(۱۲)	محمد بن اسحاق	۱۵۰ھ
(۱۳)	زیاد بکائی	۱۸۳ھ
(۱۴)	محمد بن عمر واقدی	۲۰۷ھ
(۱۵)	محمد بن سعد	۲۳۰ھ
(۱۶)	ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری	۲۵۶ھ
(۱۷)	مسلم بن حجاج قشیری	۲۶۱ھ
(۱۸)	ابومحمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ	۲۶۷ھ
(۱۹)	ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی	۲۷۵ھ
(۲۰)	ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی	۲۷۹ھ
(۲۱)	ابوعبداللہ محمد بن یزید بن ماجہ قزوینی	۲۷۳ھ
(۲۲)	ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی	۳۰۳ھ
(۲۳)	محمد بن جریر طبری	۳۱۰ھ
(۲۴)	حافظ عبدالغنی بن سعید امام النسب	۳۳۲ھ

(۲۵)	ابونعیم احمد بن عبداللہ	۴۳۰ھ
(۲۶)	ابوعمر حافظ ابن عبدالبر	۴۶۳ھ
(۲۷)	ابوبکر احمد بن حسین بیہقی	۴۵۸ھ
(۲۸)	علامہ قاضی عیاض	۵۴۴ھ
(۲۹)	عبدالرحمٰن بن عبداللہ سہیلی	۵۸۱ھ
(۳۰)	علامہ عبدالرحمٰن بن الجوزی	۵۹۷ھ
(۳۱)	احمد بن محمد بن ابوبکر قسطلانی	۹۲۳ھ
(۳۲)	امام شرف الدین عبدالمومن دمیاطی	۷۰۵ھ
(۳۳)	امام ابن سیدالناس بصری	۷۳۴ھ
(۳۴)	حافظ علاء الدین مغلطائی	۷۶۲ھ
(۳۵)	علامہ ابن حجر عسقلانی	۸۵۲ھ
(۳۶)	علامہ بدرالدین محمود عینی	۸۵۵ھ
(۳۷)	ابوالحسن علی بن عبداللہ بن احمد سمہودی	۹۱۱ھ
(۳۸)	محمد بن یوسف صالحی	۹۴۲ھ
(۳۹)	علی بن برہان الدین	۱۰۴۴ھ
(۴۰)	شیخ عبدالحق محدث دہلوی	۱۰۵۲ھ
(۴۱)	امام احمد رضا بریلوی	۱۳۴۰ھ

بعد کے مصنفین میں امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کو ایک خاص اور امتیازی مقام حاصل ہے، اس لیے اس فہرست میں ان کا نام شامل کر دیا گیا۔

بعض مصنفین سیرت کا مختصر سوانحی خاکہ:

جو لوگ خاص فن سیرت کے ارکان اور معتمد ہیں ان کا اور ان کی تصنیفات کا مختصر خاکہ ہم اس مقام پر درج کرتے ہیں۔ملاحظہ فرمائیں۔

عروہ بن زبیر ۹۲ھ

حضرت زبیر کے بیٹے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نواسے تھے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی آغوش تربیت میں پلے تھے۔سیرت ومغازی میں کثرت سے ان کی روایتیں ہیں۔امام ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کے متعلق لکھا ہے۔

کان عالما بالسیرۃ .

یہ سیرت رسول کے جاننے والے تھے۔

صاحب کشف الظنون نے مغازی کے بیان میں لکھا ہے کہ۔

بعضوں کی رائے ہے کہ فن مغازی کی سب سے پہلی کتاب انھوں نے ہی تدوین کی۔

امام شعبی ۱۰۴ھ

مشہور محدث ہیں، اکثر فن میں کمال رکھتے تھے۔خلافت دمشق کی طرف سے سفیر بن کر قسطنطنیہ گئے تھے۔فن مغازی وسیر میں ان کو اس درجہ واقفیت تھی کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے تھے کہ گو میں ان غزوات میں بذات خود شریک تھا، مگر یہ مجھ سے زیادہ ان حالات کو جانتے ہیں۔

وہب بن منبہ ۱۱۴ھ

یمن کے عجمی خاندان سے تھے۔حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کچھ حدیثیں سنی تھیں۔

رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق کتب عہد قدیم کی بشارات اور پیشین گوئیاں بکثرت انھیں سے مروی ہیں۔

عاصم بن عمر بن قتادہ انصاری ۱۲۱ھ

مشہور تابعی ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اپنے باپ اور اپنی دادی رمیثہ سے روایت کرتے ہیں۔ مغازی اور سیر میں نہایت وسیع المعلومات تھے۔ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کے حکم سے مسجد دمشق میں بیٹھ کر اس فن کی تعلیم دیتے تھے۔

محمد بن مسلم بن شہاب زہری ۱۲۴ھ

امام زہری نے مغازی پر ایک مستقل کتاب لکھی اور جیسا کہ امام سہیلی نے روض الانف میں تصریح کی ہے، یہ اس فن کی پہلی تصنیف تھی۔ امام زہری اس زمانہ کے اعلم العلماء تھے۔ فقہ اور حدیث میں ان کا کوئی ہمسر نہ تھا۔ امام بخاری کے شیخ الشیوخ ہیں۔ انھوں نے حدیث وروایات کے حاصل کرنے میں بے پناہ محنتیں اٹھائیں، ان کی وجہ سے مغازی وسیرت کا عام مذاق پیدا ہوگیا، ان کے حلقۂ درس سے بڑے با کمال لوگ نکلے، زہری کے تلامذہ میں سے دو شخصوں نے اس فن میں نہایت شہرت حاصل کی اور یہی دو شخص ہیں جن پر اس فن کا سلسلہ ختم ہوتا ہے۔ موسیٰ بن عقبہ اور محمد بن اسحاق۔

یعقوب بن عتبہ بن مغیرہ بن الاخنس بن شریق الثقفی ۱۲۸ھ

نہایت ثقہ تھے عمال اور گورنر انتظام ملکی میں ان سے مدد لیتے تھے۔ فقہائے مدینہ میں ان کا شمار تھا۔ سیرت نبوی کے عالم تھے۔ ان کا دادا اخنس بن شریق وہی شخص ہے جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سب سے بڑا دشمن تھا۔

موسیٰ بن عقبہ الاسدی ۱۴۱ ھ

یہ خاندان زبیر کے غلام تھے، عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو دیکھا تھا، فن حدیث میں امام مالک ان کے شاگرد ہیں۔ امام مالک ان کے نہایت مداح تھے اور لوگوں کو ترغیب دیتے تھے کہ فن مغازی سیکھنا ہو تو موسیٰ سے سیکھو۔

ہشام بن عروہ بن زبیر ۱۴۶ھ

زیادہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں، زہری کے بھی شاگرد ہیں، علمائے مدینہ میں ان کا شمار ہے، بغداد میں جو روایتیں انھوں نے لیں، محدثین کا بیان ہے کہ ان میں تساہل سے کام لیا ہے، سیرت کے ذخیرۂ روایات میں ان کا بہت بڑا حصہ شامل ہے جن کو وہ اپنے باپ کے واسطہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں۔ فن سیرت میں ان کے متعدد نامور تلامذہ ہیں۔

محمد بن اسحاق بن یسار المطلبی ۱۵۰ھ

انھوں نے فن مغازی میں سب سے زیادہ شہرت حاصل کی۔ وہ امام مغازی کے نام سے مشہور ہیں۔ شہرت عام میں واقدی بھی ان سے کم نہیں۔ محمد بن اسحاق تابعی ہیں، صحابی رسول حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا تھا۔ علم حدیث میں کمال تھا۔ امام زہری کے دروازہ پر دربان مقرر تھا کہ کوئی شخص بغیر اطلاع کے نہ آئے لیکن محمد بن اسحاق کو عام اجازت تھی کہ جب چاہیں چلے آئیں۔ ان کے ثقہ اور غیر ثقہ ہونے کی نسبت محدثین میں اختلاف ہے، امام مالک ان کے سخت مخالف ہیں، لیکن عام محدثین کا عام فیصلہ یہ ہے کہ مغازی اور سیر میں ان کی روایتیں قابل استناد ہیں، امام بخاری نے صحیح بخاری میں ان کی روایت نہیں لی بلکہ جزء القراءۃ میں ان سے روایت کی ہے۔ تاریخ میں تو اکثر واقعات انھیں سے لیتے ہیں۔

معمر بن راشد الازدی ۱۵۲ھ

امام زہری کے تلامذہ میں امام مالک کے بعد ان کا دوسرا درجہ ہے۔ اساطین علم حدیث میں تھے۔ مغازی میں ایک کتاب ان کی تصنیف ہے جس کا نام ابن ندیم نے کتاب المغازی لکھا ہے۔

عبدالرحمٰن بن عبدالعزیز الاوسی ۱۶۲ھ

زہری کے شاگرد تھے۔ مسلم نے ان سے ایک روایت کی ہے۔ محدثین کے نزدیک ضعیف الروایت ہیں، فن سیرت کے عالم تھے۔ ابن سعد نے ان کے متعلق لکھا ہے۔

كان عالما بالسيرة .

وہ سیرت رسول کے جاننے والے تھے۔

محمد بن صالح بن دینار التمار ۱۶۸ھ

زہری کے شاگرد اور واقدی کے استاذ ہیں۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ وہ سیرت و مغازی کے عالم تھے۔ اکثر محدثین نے ان کی توثیق کی ہے۔ ابوالزناد جو بڑے پایہ کے محدث ہیں، وہ کہتے ہیں کہ اگر صحیح مغازی سیکھنا ہو تو محمد بن صالح سے سیکھو۔

ابومعشر نجیح المدنی ۱۷۰ھ

ہشام بن عروہ کے شاگرد تھے۔ ثوری اور واقدی نے ان سے روایت کی ہے۔ گو محدثین نے روایت حدیث میں تضعیف کی ہے، لیکن سیرت و مغازی میں ان کی جلالت شان کا اعتراف کیا ہے۔ امام احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ وہ اس فن میں صاحب نظر ہیں۔ ابن ندیم نے ان کی کتاب المغازی کا ذکر کیا ہے۔ کتب سیرت میں ان کا نام کثرت سے آتا ہے۔

عبداللہ بن جعفر بن عبدالرحمٰن المخزومی ۱۷۰ھ

مشہور صحابی مسور بن مخرمہ کے پر پوتے ہیں، فن حدیث میں خاص پایہ رکھتے تھے۔ سیرت نبوی کے اکابر علماء میں تھے۔ ابن سعد نے ان کی شان میں یہ الفاظ لکھے ہیں۔

من رجال اهل المدينة عالما بالمغازی

وہ مدینہ کے رہنے والے اور مغازی کے عالم تھے۔

عبدالملک بن محمد بن ابی بکر بن عمرو بن حزم انصاری

فن حدیث وسیر میں ہمیشہ ان کا خاندان نامور رہا، ان کے دادا وہ شخص ہیں جنھوں نے خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کے حکم سے سب سے پہلے فن حدیث کی تدوین کی، ان کے رشتہ کی دادی عمرۃ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تربیت یافتہ تھیں۔ یہ خود سیر و مغازی کے عالم تھے، اپنے باپ اور چچا سے تعلیم پائی تھی۔ خلیفہ ہارون رشید نے ان کو قاضی مقرر کیا تھا، لوگ ان سے مغازی سیکھتے تھے۔ اس فن میں ان کی ایک تصنیف کتاب المغازی بھی ہے۔

علی بن مجاہد الرازی الکندی ۱۸۰ھ

ابو معشر نجیح کے تلامذہ میں تھے۔ امام احمد بن حنبل نے ان سے روایت کی ہے۔ مغازی کے جامع اور مصنف ہیں، لیکن ارباب نقد کے نزدیک ان کی تصنیف اعتبار کے قابل نہیں۔

زیاد بن عبداللہ بن الطفیل البکائی ۱۸۳ھ

ابن اسحاق کے شاگرد اور ابن ہشام کے استاد تھے، ان دونوں بزرگواروں کے واسطۃ العقد یہی

ہیں، سیرت کے عشق میں گھربار بیچ کر استاد کے ساتھ نکل کھڑے ہوئے تھے اور مدت تک سفر وحضر میں ان کے شریک رہے۔ محدثین کی بارگاہ میں گوان کا اعزاز کم ہے لیکن کتاب السیرۃ کے سب سے معتبر راوی یہی سمجھے جاتے ہیں۔

سلمہ بن الفضل الابرش الانصاری سنہ ۱۹۱ھ

ابن اسحاق کے شاگردان کی سیرت کے راوی ہیں۔ رے کے قاضی تھے وہ اہل نقد کے نزدیک قابل احتجاج نہیں لیکن ابن معین جو اسماء رجال کے بڑے ماہر ہیں، مغازی میں ان کی توثیق کرتے ہیں اور ان کی سیرت کو بہترین سیرتہائے نبوی کہتے ہیں۔ طبری میں ان کے واسطہ سے اکثر روایتیں مروی ہیں۔

ابو محمد یحییٰ بن سعید بن ابان الاموی سنہ ۱۹۴ھ

ہشام بن عروہ اور ابن جریج سے تلمذ تھا۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ گو قلیل الروایہ ہیں لیکن ثقہ ہیں۔ صاحب کشف الظنون نے مصنفین مغازی میں ان کا نام بھی لیا ہے۔

ولید بن مسلم القرشی سنہ ۱۹۵ھ

شام کے مشہور محدث اور نہایت قوی الحافظہ تھے۔ شام میں ان کے زمانہ میں ان سے بڑا کوئی عالم نہ تھا۔ تاریخ و مغازی میں وکیع سے ان کا درجہ بڑا سمجھا جاتا تھا۔ ان کی تصنیفات کی تعداد ستر ہے جن میں ایک کتاب المغازی ہے، کتاب الفہرست میں اس کا ذکر موجود ہے۔

یونس بن بکیر سنہ ۱۹۹ھ

ہشام بن عروہ اور ابن اسحاق کے شاگرد ہیں۔ فن روایت وحدیث میں ان کا متوسط درجہ ہے۔ اکثر محدثین نے ان کی توثیق کی ہے۔ علامہ ذہبی نے تذکرہ میں ان کا نام بہ لقب صاحب المغازی لیا ہے۔

انھوں نے مغازی ابن اسحاق کا ذیل لکھا ہے۔

محمد بن عمر و الواقدی الاسلمی ۲۰۷ھ

سیرت نبوی کے متعلق ان کی دو کتابیں ہیں، کتاب السیرۃ اور کتاب التاریخ و المغازی و المبعث۔ بعض لوگوں نے ان کو کذاب و جھوٹا کہا ہے جو بجائے خود جھوٹ ہے، البتہ ان کے ثقہ و غیر ثقہ ہونے میں ائمہ کے درمیان اختلاف ہے۔ ایک ظریف محدث نے یہاں تک کہا ہے کہ اگر واقدی سچا ہے تو دنیا میں کوئی اس کا ثانی نہیں اور اگر جھوٹا ہے تب بھی دنیا میں اس کا جواب نہیں۔

یعقوب بن ابراہیم الزہری ۲۰۸ھ

حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالٰی عنہ کی اولاد میں تھے۔ زہری اور ان کے تلامذہ کے شاگرد ہیں۔ مغازی میں ان کا یہ رتبہ تھا کہ ابن معین جیسا ناقد رجال ان سے اس فن کی تحصیل کرتا تھا۔

عبد الرزاق بن ہمام بن نافع الحمیری ۲۱۱ھ

ثقات محدثین میں ان کا شمار ہے، مزاج میں کسی قدر تشیع تھا۔ ابن معین کہتے ہیں کہ اگر عبد الرزاق مرتد بھی ہو جائیں تب بھی ہم ان سے روایت حدیث ترک نہیں کر سکتے۔ آخر عمر میں بصارت جاتی رہی تھی اس لیے اس زمانہ کی حدیثیں نا قابل سند ہیں۔ فن مغازی میں ان کی ایک تالیف ہے۔

عبد الملک بن ہشام الحمیری ۲۱۸ یا ۲۱۳ھ

نہایت ثقہ اور نامور محدث اور مورخ تھے۔ حمیر کے قبیلہ سے تھے اور غالباً اسی تعلق سے سلاطین حمیر کی تاریخ لکھی جو آج بھی موجود ہے، انھوں نے سیرت میں یہ اضافہ کیا کہ سیرت میں جو مشکل الفاظ آئے ہیں ان کی تفسیر بھی لکھی۔

علی بن محمد المدائنی ۲۲۵ھ

ابو معشر نجیح اور سلمہ بن الفضل کے شاگرد تھے۔ تاریخ وانساب عرب میں نہایت وسیع المعلومات تھے۔ محدثین میں ان کا شمار نہیں، لیکن مورخین کے امام ہیں، اغانی کے دفتر بے پایاں کا مخزن یہی ہیں، تاریخ وانساب میں ان کی کثرت سے تصانیف ہیں، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حالات میں ان کی کتاب نہایت مبسوط ہے اور ابن الندیم کے بیان کے مطابق ہر قسم کے متعدد اور متنوع عنوان قائم کیے ہیں۔

عمر بن شبہ البصری ۲۶۲ھ

حدیث، تاریخ، ادب، لغت شاعری اور نحو کے امام ہیں۔ مکہ مبارکہ، مدینہ طیبہ اور بصریٰ کی تاریخیں لکھی ہیں۔ علم سیرت میں نہایت بلند پایہ تھے۔ حدیث میں ابن ماجہ اور تاریخ میں بلاذری اور ابونعیم ان کے شاگرد تھے۔

محمد بن عیسیٰ ترمذی ۲۷۹ھ

مشہور محدث ہیں۔ جن کی کتاب صحاح ستہ میں تیسرا درجہ رکھتی ہے۔ سیرت نبوی میں ان کا خاص رسالہ ہے جس کا موضوع گزشتہ تصانیف سے الگ ہے، اس رسالہ کا نام "کتاب الشمائل" ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذاتی حالات وعادات واخلاق کا ذکر ہے۔ اس بات کا التزام کیا ہے کہ تمام روایتیں معتبر اور صحیح ہوں۔ اس رسالہ پر متعدد علماء نے شروح وحواشی لکھے۔

ابراہیم بن اسحاق بن ابراہیم ۲۸۵ھ

محدثین کبار میں شمار ہے۔ "مسند صحابہ" ان کی تالیف ہے جس کے آخر میں کتاب المغازی شامل ہے۔

ابوبکر احمد بن خیثمہ ۲۹۹ھ

حدیث میں احمد بن حنبل اور ابن معین کے شاگرد اور تاریخ وسیر کے جلیل القدر عالم تھے، "تاریخ کبیر" ان کی تصنیف ہے جس میں سیرت نبوی کا حصہ بھی شامل ہے۔

محمد بن عائذ دمشقی

ان کی مغازی معتبر خیال کی جاتی ہے، حافظ ابن حجر وغیرہ اس کے حوالے دیتے ہیں۔

مشہور مصنفین سیرت کے ساتھ یہ قدماء کی تصنیفات تھیں، مابعد کی تصنیفات کو ہم ذیل میں درج کرتے ہیں، یہ تصنیفات، قدیم تصنیفات اور احادیث کی کتابوں سے ماخوذ ہیں۔ اس خاکہ میں ان کتابوں کا ذکر بھی ہے جو قدماء کی تصنیفات کے متعلق شرح کے طور پر لکھی گئی ہیں، ان کا ذکر اس وجہ سے کیا گیا ہے کہ یہ فی نفسہ مستقل تصنیفات تھیں اور ان میں جس قدر ذخیرۂ معلومات ہے خود اصل کتابوں میں نہیں۔

●......●......●

کتب سیرت

یوں تو سیرت نبوی کے موضوع پر آج تک صدہا کتابیں لکھی گئیں، مگر گیارہویں صدی سے پہلے جو کتابیں وجود میں آئیں وہ امہات کتب سیرت کا درجہ رکھتی ہیں، بعد کی تصنیفات انھیں کتابوں سے ماخوذ و مستنبط ہیں اور انھیں ماخذ کی حیثیت حاصل ہے۔ گیارہویں صدی سے پہلے کی چند کتب سیرت یہ ہیں۔

روض الانف

سیرت ابن اسحاق کی شرح ہے۔ مصنف کا نام عبدالرحمٰن سہیلی ہے، جنھوں نے ۵۸۱ھ میں وفات پائی، یہ اکابر محدثین میں سے ہیں اور تمام مصنفین مابعد سیرت نبوی کی تحقیقات اور معلومات کے متعلق ان کے خوشہ چیں ہیں۔ مصنف نے دیباچہ میں لکھا ہے کہ میں نے یہ کتاب ۱۲۰ رکتابوں کی مدد سے لکھی۔

سیرت دمیاطی

حافظ عبدالمومن دمیاطی متوفی ۷۰۵ھ کی تصنیف ہے، اکثر کتابوں میں اس کے حوالے آتے ہیں۔ اس کتاب کا نام "المختصر فی سیرت سید البشر" ہے، قریباً سو صفحوں میں ہے۔ پٹنہ کے کتب خانہ میں اس کا ایک نسخہ موجود ہے۔

سیرت خلاطی

علاء الدین علی بن محمد خلاطی حنفی کی تصنیف ہے۔ ۷۰۸ھ میں وفات پائی۔

سیرت گازرونی

شیخ ظہیر الدین علی بن محمد گازرونی متوفی ۶۹۴ھ کی تصنیف ہے۔

سیرت ابن ابی طے

مصنف کا نام یحییٰ بن حمیدہ متوفی ۶۳۰ھ ہے۔ یہ کتاب تین جلدوں میں ہے۔

سیرت مغلطائی

مشہور کتاب ہے اور مصر میں چھپ گئی ہے۔ علامہ عینی نے اس کے ایک حصہ کی شرح لکھی ہے جس کا نام ''کشف اللثام'' ہے۔

شرف المصطفیٰ

حافظ ابوسعید عبدالملک نیشاپوری کی تصنیف ہے۔ آٹھ جلدوں میں ہے۔ حافظ ابن حجر اصابہ میں اکثر اس کا حوالہ دیتے ہیں۔

شرف المصطفیٰ

حافظ ابن جوزی کی مبارک ومعرکۃ الآراء تصنیف ہے۔

اکتفافی مغازی المصطفیٰ والخلفاء الثلاثہ

حافظ ابوالربیع سلیمان بن موسیٰ الکلاعی متوفی ۶۳۴ھ کی تصنیف ہے اکثر کتابوں میں اس کے حوالے آتے ہیں۔

سیرت ابن عبدالبر

ابن عبدالبر مشہور محدث اور امام ہیں، اس کے حوالے بکثرت آتے ہیں۔

عیون الاثر

ابن سید الناس کی تصنیف ہے۔ ابن سید الناس اندلس کے مشہور عالم ہیں، ۷۳۴ھ میں وفات پائی۔ یہ کتاب نہایت متین اور جامع ہے، معتبر کتابوں کو ماخذ قرار دیا ہے اور جس سے جو کچھ نقل کیا ہے سند بھی نقل کی ہے۔

نور النبراس فی سیرت ابن سید الناس

عیون الاثر کی شرح ہے۔ مصنف کا نام ابراہیم بن محمد ہے۔ یہ کتاب نہایت محققانہ لکھی گئی ہے اور بے شمار معلومات کا گنجینہ ہے۔ دو ضخیم جلدوں میں ہے۔

سیرت منظوم

حافظ زین الدین عراقی نے جو حافظ ابن حجر کے استاد تھے، نظم میں لکھی ہے لیکن دیباچہ میں خود لکھ دیا ہے کہ اس میں رطب ویابس سب کچھ ہے۔

مواہب لدنیہ

مشہور کتاب ہے اور متاخرین کا یہی ماخذ ہے۔ اس کے مصنف قسطلانی ہیں جو بخاری کے مشہور شارح ہیں۔ حافظ ابن حجر کے ہم مرتبہ تھے۔ یہ کتاب نہایت مفصل ہے۔

زرقانی علی المواہب

یہ مواہب لدنیہ کی شرح ہے اور حقیقت یہ ہے کہ سہیلی کے بعد کوئی کتاب اس جامعیت اور تحقیق سے نہیں لکھی گئی۔ آٹھ ضخیم جلدوں میں ہے۔

سیرت حلبی

مشہور اور متداول کتاب ہے۔

مدارج النبوۃ

شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی کی گیارہویں صدی کی تصنیف ہے۔ شیخ محقق نے احادیث نبویہ کی روشنی میں بالترتیب سیرت نبوی لکھی ہے اور کچھ ایسی چیزوں کا اضافہ کیا ہے جو دوسری کتب سیرت میں نہیں ملتیں۔ یہ فارسی زبان میں دو جلدوں پر مشتمل ہے۔ آج کل اس کا اردو میں ترجمہ کر دیا گیا ہے۔

صحت ماخذ

سیرت نبوی کے واقعات جو قلم بند کیے گئے وہ تقریباً اعلان نبوت کے سو برس بعد قلم بند ہوئے اس لیے مصنفین کا ماخذ کوئی کتاب نہ تھی بلکہ اکثر زبانی روایتیں تھیں۔

اس قسم کا موقع جب دوسری قوموں کو پیش آتا ہے یعنی کسی زمانہ کے حالات مدت کے بعد قلم بند کیے جاتے ہیں تو یہ طریقہ اختیار کیا جاتا ہے کہ ہر قسم کی بازاری افواہیں قلم بند کر لی جاتی ہیں جن کے راویوں کا نام ونشان تک معلوم نہیں ہوتا، ان افواہوں میں سے وہ واقعات انتخاب کر لیے جاتے ہیں جو قرائن اور قیاسات کے مطابق ہوتے ہیں، تھوڑے عرصہ کے بعد یہی خرافات ایک دلچسپ تاریخی کتاب بن جاتے ہیں، یورپ کی تاریخی تصنیفات اسی اصول پر لکھی گئی ہیں۔

لیکن مسلمانوں نے اس فن سیرت کا جو معیار قائم کیا وہ اس سے بہت زیادہ بلند تھا جس کی مثال اقوام عالم کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ اس کا پہلا اصول یہ تھا کہ جو واقعہ بیان کیا جائے اس شخص کی زبان سے بیان کیا جائے جو خود شریک واقعہ تھا، اور اگر خود نہ تھا تو شریک واقعہ تک تمام راویوں کا نام ترتیب سے بتایا

جائے۔اس کے ساتھ یہ بھی تحقیق کی جائے کہ جو اشخاص سلسلۂ روایت میں آئے وہ کون لوگ تھے؟ کیسے تھے؟ کیا مشاغل تھے؟ چال چلن کیسا تھا؟ حافظہ کیسا تھا؟ سمجھ کیسی تھی؟ ثقہ تھے یا غیر ثقہ؟ سطحی الذہن تھے یا دقیقہ بیں؟ عالم تھے یا جاہل؟

ان جزوی باتوں کا پتہ لگانا سخت مشکل بلکہ ناممکن تھا۔سینکڑوں ہزاروں محدثین نے اپنی عمریں اسی کام میں صرف کر دیں، ایک ایک شہر گئے، راویوں سے ملے، ان کے متعلق ہر قسم کی معلومات بہم پہنچائیں۔ جو لوگ ان کے زمانہ میں موجود تھے ان کے دیکھنے والوں سے حالات دریافت کیے، ان تحقیقات کے ذریعہ سے اسماء الرجال کا وہ عظیم الشان فن تیار کیا گیا جس کی بدولت آج کم از کم لاکھ شخصوں کے حالات معلوم ہو سکتے ہیں اور اگر جرمنی کے مشہور عربی داں فاضل ڈاکٹر اسپرنگر کے حسن ظن کا اعتبار کیا جائے تو یہ تعداد پانچ لاکھ تک پہنچ جاتی ہے۔اس نے یہ لکھا ہے کہ

نہ کوئی قوم دنیا میں ایسی گزری نہ آج موجود ہے جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال سا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو جس کی بدولت آج پانچ لاکھ شخصوں کا حال معلوم ہو سکتا ہے۔

محدثین نے حالات کے بہم پہنچانے میں کسی شخص کے رتبہ اور حیثیت کی پرواہ نہ کی، بادشاہوں سے لے کر بڑے بڑے مقتداؤں تک کی اخلاقی سراغ رسانیاں کیں اور ایک ایک کی پردہ دری کی اور حالت کا پتہ لگایا۔

اس سلسلہ میں سینکڑوں تصنیفات تیار ہوئیں جن کی اجمالی کیفیت یہ ہے۔

سب سے پہلے اس فن یعنی راویوں کی جرح و تعدیل میں یحییٰ بن سعید القطان نے ایک کتاب لکھی۔وہ اس رتبہ کے شخص تھے کہ امام احمد بن حنبل نے ان کی نسبت لکھا ہے :

میری آنکھوں نے ان کا نظیر نہیں دیکھا۔

ان کے بعد اس فن کو زیادہ رواج ہوا اور کثرت سے کتابیں لکھی گئیں۔

اس فن کی سب سے زیادہ جامع اور مستند کتاب تہذیب الکمال ہے جو علامہ مزی (یوسف بن الزکی) کی تصنیف ہے، جنھوں نے ۷۴۲ھ میں وفات پائی۔ علاء الدین مغلطائی ۷۶۲ھ نے تیرہ جلدوں میں اس کا تکملہ لکھا۔ علامہ ذہبی ۷۴۸ھ نے اس کا اختصار کیا اور بہت سے محدثین اس کے خلاصے اور ذیل لکھے اور بالآخر حافظ ابن حجر نے ان تمام تصنیفات سے ایک نہایت ضخیم کتاب ''تہذیب التہذیب'' لکھی جو بارہ جلدوں میں ہے۔ مصنف نے کتاب کے خاتمہ میں لکھا ہے کہ اس کی تصنیف میں آٹھ برس صرف ہوئے ہیں۔

اس سلسلہ کی ایک اور سب سے زیادہ متداول اور مستند کتاب ''میزان الاعتدال'' ہے جو علامہ ذہبی کی تصنیف ہے۔ حافظ ابن حجر نے اس کتاب پر اضافہ کیا جس کا نام ''لسان المیزان'' ہے۔

تاریخ سیرت پر ایک اجمالی نظر

(۱) سیرت پر اگرچہ آج بھی سینکڑوں تصنیفیں موجود ہیں لیکن سب کا سلسلہ جا کر صرف تین چار کتابوں پر منتہی ہوتا ہے۔ سیرت ابن اسحاق، سیرت واقدی، سیرت ابن سعد، سیرت طبری، ان کے علاوہ جو کتابیں ہیں وہ ان سے متاخر ہیں اور ان میں جو واقعات مذکور ہیں، زیادہ تر انھیں کتابوں سے لیے گئے ہیں۔

(۲) سیرت کی کتابوں کی کم پائیگی کی بڑی وجہ یہ ہے کہ تحقیق اور تنقید کی ضرورت احادیث احکام کے ساتھ مخصوص کر دی گئی یعنی وہ روایتیں تنقید کی زیادہ محتاج ہیں جن سے شرعی احکام ثابت ہوتے ہیں، باقی جو روایتیں سیرت اور فضائل و مناقب وغیرہ سے متعلق ہیں ان میں تشدد اور احتیاط کی چنداں حاجت نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ مناقب اور فضائل اعمال میں کثرت سے ضعیف روایتیں شامل ہوگئیں اور بڑے بڑے علماء نے اپنی کتابوں میں ان روایتوں کا درج کرنا جائز رکھا۔

(۳) سیرت پر جو کتابیں لکھی گئیں وہ زیادہ تر اسی قسم کی کتابوں (مثلاً طبرانی، بیہقی، ابونعیم وغیرہ) سے ماخوذ ہیں اس لیے ان میں کثرت سے ضعیف و کمزور روایتیں درج ہوگئیں اور اسی بناء پر محدثین کو کہنا پڑا کہ سیر میں ہر قسم کی روایتیں ہوتی ہیں۔ محدثین نے احادیث و روایات کی صحت و عدم صحت سمجھنے کے لیے جو معیار و اصول مقرر کیے ہیں سیرت کی روایتوں میں لوگوں نے انھیں اکثر نظرانداز کردیئے۔ محدثین کا سب سے پہلا اصول یہ ہے کہ روایت کا سلسلہ اصل واقعہ تک کہیں منقطع نہ ہونے پائے۔ مغازی کا بڑا حصہ زہری سے منقول ہے، لیکن ان کی اکثر روایتیں جو سیرت ابن ہشام اور طبقات ابن سعد وغیرہ میں مذکور ہیں، منقطع ہیں۔

(۴) مصنفین سیرت میں سے بعض لوگوں نے اس نکتہ کو سمجھا اور جب احادیث کی زیادہ چھان بین کی تو ان کو تسلیم کرنا پڑا کہ سیرت کی کتابوں میں بہت سی روایتیں صحیح حدیثوں کے خلاف درج ہوگئی ہیں، لیکن چوں کہ ان کی تصانیف پھیل چکی تھیں اس لیے ان کی اصلاح نہ ہوسکی۔

(۵) سیرت میں اگلوں نے جو کتابیں لکھیں، ان سے مابعد کے لوگوں نے جو روایتیں نقل کیں انھیں کے نام سے کیں۔ ان کے مستند ہونے کی بناء پر لوگوں نے ان تمام روایتوں کو معتبر سمجھ لیا اور چوں کہ اصل کتابیں ہر شخص کو ہاتھ نہیں آسکتی تھیں اس لیے لوگ راویوں کا پتہ نہ لگا سکے اور رفتہ رفتہ یہ روایتیں تمام کتابوں میں داخل ہوگئیں۔

(۶) روایت کے متعلق جو اصول منضبط ہوئے صحابہ کے متعلق ان سے بعض بعض موقعوں پر کام نہیں لیا گیا، مثلاً اصول روایت کی رو سے رواۃ کے مختلف مدارج ہیں، کوئی راوی نہایت ضابط، نہایت

معنی فہم، نہایت دقیقہ بیں ہوتا ہے، کسی میں یہ اوصاف کم ہوتے ہیں، کسی میں اور بھی کم ہوتے ہیں۔ یہ فرق مراتب جس طرح فطرتاً عام راویوں میں پایا جاتا ہے، صحابۂ کرام میں بھی یہ بات موجود ہے حضرت عائشہ نے حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت ابو ہریرہ کی روایت پر حضرت عبد اللہ بن عباس نے حضرت ابو ہریرہ کی روایت پر جو تنقیدیں کیں یا خلاف قیاس کہا، وہ اسی بناء پر ہوا۔

اختلاف مراتب کی بنیاد پر بڑے بڑے معرکۃ الآراء مسائل کی بنیاد قائم ہے، مثلاً دو راویوں میں تعارض پیش آجائے تو اس بحث کے فیصلہ میں صحیح طریقہ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ایک روایت کے راویوں کا دوسری روایت کے راویوں سے عالی رتبہ ہونا ثابت کر دیا جائے۔ (گو دونوں راوی ثقہ ہیں) اور یہ اس روایت کی ترجیح کا قطعی ذریعہ ہوگا۔

(۷) ارباب سیر اکثر واقعات کے اسباب و علل سے بحث نہیں کرتے، نہ ان کی تلاش و تحقیق کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اگرچہ اس میں شبہ نہیں کہ اس باب میں یورپ کا طریقہ نہایت غیر معتدل ہے۔ یورپین مورخ ہر واقعہ کی علت تلاش کرتا ہے اور نہایت دور دراز قیاسات اور احتمالات سے سلسلۂ معلومات پیدا کرتا ہے، اس میں بہت کچھ اس کی خود غرضی اور خاص مطمح نظر کو دخل ہوتا ہے، وہ اپنے مقصد کو ایک محور بنالیتا ہے، تمام واقعات اسی کے گرد گردش کرتے ہیں، بخلاف اس کے اسلامی مورخ نہایت سچائی اور انصاف اور خالص غیر جانبداری سے واقعات ڈھونڈتا ہے۔ یورپین مورخ کو اس سے کچھ غرض نہیں ہوتی کہ واقعات کا اثر اس کے مذہب پر، معتقدات پر اور تاریخ پر کیا پڑے گا، اس کا قبلۂ مقصد صرف واقفیت ہوتی ہے، وہ اس پر اپنے معتقدات اور قومیت کو بھی قربان کر دیتا ہے۔

لیکن اس میں حد سے زیادہ تفریط و کمی ہوگئی، اس بات سے بچنے کے لیے واقعات، رائے سے

مخلوط نہ ہو جائیں وہ پاس پاس کے ظاہری اسباب پر بھی نظر نہیں ڈالتا اور ہر واقعہ کو خشک اور ادھورا چھوڑ دیتا ہے، مثلاً اکثر لڑائیوں کو اس طرح شروع کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فلاں قبیلہ پر فلاں وقت فوجیں بھیجیں، لیکن اس کے اسباب کا ذکر مطلق نہیں کرتے جس سے عام ناظرین پر یہ اثر پڑتا ہے کہ کفار پر حملہ کرنے اور ان کو تباہ و برباد کرنے کے لیے کسی سبب اور وجہ کی ضرورت نہیں، صرف یہ عام وجہ کافی ہے کہ وہ کافر ہیں۔ اسی سے مخالفین یہ استدلال کرتے ہیں کہ اسلام تلوار سے پھیلا ہے، حالاں کہ زیادہ چھان بین سے ثابت ہوتا ہے کہ جن قبائل پر فوجیں گئیں وہ پہلے سے آمادۂ جنگ اور مسلمانوں پر حملے کی تیاریاں کر چکے تھے۔

(۸) یہ لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ واقعہ کی نوعیت کے بدلنے سے شہادت اور روایت کی حیثیت کہاں تک بدل جاتی ہے، مثلاً ایک راوی جو ثقہ ہے ایک ایسا معمولی واقعہ بیان کرتا ہے جو عموماً پیش آتا ہے اور پیش آ سکتا ہے تو بے تکلف یہ روایت تسلیم کر لی گئی، لیکن فرض کرو وہی راوی ایسا واقعہ بیان کرتا ہے جو غیر معمولی ہے، تجربۂ عام کے خلاف ہے، گرد و پیش کے واقعات سے مناسبت نہیں رکھتا، تو واقعہ چوں کہ محتاج ثبوت ہے اس لیے اب راوی کا معمولی درجۂ وثوق کافی نہیں ہو سکتا، بلکہ اس کو معمولی درجہ سے زیادہ عادل، زیادہ محتاط، زیادہ نکتہ داں ہونا چاہیئے۔

(۹) سب سے اہم اور سب سے زیادہ قابل بحث یہ بات ہے کہ راوی جو واقعہ بیان کرتا ہے اس میں کس قدر حصہ اصل واقعہ ہے اور کس قدر راوی کا قیاس ہے۔ تفحص اور استقراء سے بعض جگہ یہ نظر آتا ہے کہ راوی جس چیز کو اصل واقعہ کی حیثیت سے بیان کرتا ہے وہ اس کا قیاس ہے، واقعہ نہیں۔ اس کی بہت سی مثالیں سیرت میں موجود ہیں۔ یہاں ہم صرف ایک واقعہ پر اکتفا کرتے ہیں۔

حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب ازواج مطہرات سے ناراض ہو کر تنہا نشیں ہو گئے

تھے تو یہ مشہور ہوا کہ حضور نے ازواج کو طلاق دے دی، حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ خبر سنی تو مسجد نبوی میں آئے، یہاں لوگ کہہ رہے تھے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ازواج کو طلاق دے دی، حضرت عمر نے خود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر دریافت کیا تو حضور نے فرمایا کہ نہیں، میں نے طلاق نہیں دی۔ یہ حدیث بخاری شریف میں کئی جگہ بہ اختلاف الفاظ مذکور ہے۔

غور کرو، مسجد نبوی میں صحابہ جمع ہیں اور سب بیان کر رہے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے طلاق دی، صحابہ عموماً ثقہ اور عادل ہیں اور ان کی کثیر تعداد اس واقعہ کو بیان کر رہی ہے باوجود اس کے جب تحقیق کی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ واقعہ نہیں بلکہ قیاس تھا۔

حافظ ابن حجر نے بڑی جرأت کر کے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ راوی اول منافقین میں سے ہوگا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نسبت بہت سے ایسے واقعات روایتوں میں مذکور ہیں جن میں سے ایک ''واقعہ افک'' ہے۔ ان کی نسبت بھی وہی قیاس ہونا چاہیئے جو حافظ ابن حجر نے یہاں ظاہر کیا یعنی یہ کہ منافقین نے ان کی طرف منسوب کر دیئے ہوں گے پھر تمام مسلمانوں میں پھیل گئے۔

(۱۰)- فن تاریخ و روایت پر جو خارجی اسباب اثر کرتے ہیں ان میں سب سے بڑا قوی اثر حکومت کا ہوتا ہے، لیکن مسلمانوں کو ہمیشہ اس پر فخر کا موقع حاصل رہے گا کہ ان کا قلم تلوار سے نہیں رکا، حدیثوں کی تدوین بنو امیہ کے زمانہ میں ہوئی، جنھوں نے پورے ۹۰؍ برس تک سندھ سے ایشیائے کوچک اور اندلس تک مساجد جامع میں آل فاطمہ کی توہین کی اور جمعہ میں سر منبر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر لعن کہلوایا۔ سینکڑوں ہزاروں حدیثیں امیر معاویہ وغیرہ کے فضائل میں بنوائیں۔ عباسیوں کے زمانہ میں ایک ایک خلیفہ کے نام بنام پیشین گوئیاں حدیثوں میں داخل ہوئیں،

لیکن نتیجہ کیا ہوا؟ عین اسی زمانہ میں محدثین نے علانیہ منادی کردی کہ یہ سب جھوٹی روایتیں ہیں ۔آج حدیث کا فن اس خس و خاشاک سے پاک ہے، اور بنوامیہ اور عباسیہ جو ظل اللہ اور جانشین پیغمبر تھے، اسی مقام پر نظر آتے ہیں جہاں ان کو ہونا چاہیئے تھا۔

ایک دفعہ ایک شاعر نے مامون الرشید کے دربار میں قصیدہ پڑھا، کہ امیر المومنین اگر تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال اقدس کے دن موجود ہوتا تو خلافت کا جھگڑا سرے سے پیدا ہی نہ ہوتا، دونوں فریق تیرے ہاتھ پر بیعت کرلیتے، وہیں سر دربار ایک شخص نے اٹھ کر کہا تو جھوٹ کہتا ہے، امیر المومنین کا باپ (حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو عباسیوں کے مورث اعلیٰ ہیں) وہاں موجود تھا اس کو کس نے پوچھا؟ مامون الرشید کو بھی اس گستاخانہ لیکن سچ جواب کی تحسین کرنی پڑی۔

تاہم یہ عالمگیر موثر بالکل بے اثر نہیں رہ سکتا تھا اس لیے مغازی میں اس کے نشانات پائے جاتے ہیں۔

(۱۱) تاریخ کا قدیم طریقہ یہ تھا کہ فتوحات اور رزمیہ کارناموں کو نہایت تفصیل سے لکھتے تھے، ملکی نظم و نسق اور تمدن و معاشرت کے واقعات یا تو بالکل قلم انداز کرجاتے تھے یا اس طرح پراگندہ اور بے اثر لکھتے تھے کہ ان پر نگاہ نہیں پڑتی تھی۔ اسلام میں جب تالیف و تصنیف کی ابتداء ہوئی تو یہی نمونے پیش نظر تھے، اس کا پہلا نتیجہ یہ تھا کہ سیرت کا نام مغازی رکھا گیا۔ جس طرح سلاطین کی تاریخیں جنگ نامہ و شاہ نامہ کے نام سے لکھی جاتی ہیں، چنانچہ سیرت کی ابتدائی تصنیف مثلاً سیرت موسیٰ بن عقبہ اور سیرت ابن اسحاق، مغازی ہی کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کتابوں کی ترتیب یہ ہے کہ سلاطین کی تاریخ کی طرح سنین کے عنوان بناتے ہیں اور اسی ترتیب سے حالات لکھتے ہیں، یہ حالات تمام تر جنگی معرکے ہوتے ہیں اور غزوات ہی کے عنوان سے

داستانیں شروع کی جاتی ہیں۔

یہ طریقہ اگرچہ سلطنت و حکومت کی تاریخ کے لیے بھی صحیح نہ تھا، لیکن نبوت کے سوانح نگاری کے لیے تو ناموزوں ہے۔ پیغمبر کو ناگزیر طور پر جنگی واقعات پیش آتے ہیں، اس خاص حالت میں وہ بظاہر ایک فاتح یا سپہ سالار کے رنگ میں نظر آتا ہے، لیکن یہ پیغمبر کی اصلی صورت نہیں ہے، پیغمبروں کی زندگی کا ایک ایک خدوخال، تقدس، نزاہت، حلم وکرم، ہمدردی عام اور ایثار ہوتا ہے، بلکہ عین اس وقت جب کہ اس پر سکندر اعظم کا دھوکہ ہوتا ہے، ژرف بیں نگاہ فوراً پہچان لیتی ہے کہ سکندر نہیں بلکہ فرشتۂ یزدانی ہے۔ (سیرت مصطفیٰ، سیرت الرسول وکتب عامہ)

جزیرۃ العرب

ورسلا قد قصصنٰهم عليك من قبل ورسلا لم نقصصهم عليك

اور رسولوں کو جن کا ذکر آگے ہم تم سے فرما چکے اور ان رسولوں کو جن کا ذکر تم سے نہ فرمایا۔

(سورۃ النساء،۱۶۴/کنزالایمان)

جزیرۂ عرب

عرب کی وجہ تسمیہ

عرب کی وجہ تسمیہ کے متعلق مختلف رائیں ہیں۔ اہل لغت کہتے ہیں کہ عرب اور اعراب کے معنی فصاحت اور زبان آوری کے ہیں۔ اور چوں کہ اہل عرب اپنی زبان آوری کے سامنے تمام دنیا کو ہیچ سمجھتے تھے اس لیے انھوں نے اپنے آپ کو ''عرب'' اور دنیا کی تمام قوموں کو ''عجم'' (ژولیدہ بیان) کہہ کر پکارا۔

بعض کی رائے ہے کہ عرب اصل میں ''عربۃ'' تھا، عربہ کے معنی سامی زبانوں میں دشت اور صحراء کے ہیں اور چوں کہ عرب کا بڑا حصہ دشت و صحرا ہے، اس لیے تمام ملک کو عرب کہنے لگے۔

جغرافیہ

عرب کے حدود اربعہ یہ ہیں۔

مغرب : بحیرۂ قلزم

مشرق : خلیج فارس اور بحر عمان

جنوب : بحر ہند

شمال : کی حدود بہت مختلف فیہ ہیں

بعض مملکت حلب اور فرات تک اس کی حدود کو وسعت دیتے ہیں۔

سینا کا جزیرہ نما جس کا نام ''التیہ'' ہے، اکثر مصنفین عرب و یورپ اس کو مصر میں شمار کرتے ہیں، لیکن جیالوجی کی رو سے وہ عرب سے متعلق ہے۔

عرب کی پیمائش باقاعدہ اب تک نہیں ہوئی، تاہم اس قدر یقینی ہے کہ وہ جرمنی اور فرانس سے چوگنا

زیادہ وسیع وعریض ہے۔

طول : تقریباً پندرہ سو میل

عرض : چھ سو میل

مجموعی رقبہ: بارہ لاکھ میل مربع ہے۔

ملک کا بڑا حصہ ریگستان ہے۔ پہاڑوں کا جال تمام ملک میں بچھا ہوا ہے، سب سے بڑا طویل السلسلہ پہاڑ ''جبل السراۃ'' ہے جو جنوب میں یمن سے شروع ہو کر شمال میں شام تک چلا گیا ہے۔ اس کی سب سے اونچی چوٹی آٹھ ہزار فٹ بلند ہے۔ بعض حصے زرخیز اور شاداب بھی ہیں۔ چاندی اور سونے کی کانیں کثرت سے ہیں۔

علامہ ہمدانی صاحب نے ''صفۃ جزیرۃ العرب'' میں ایک ایک کان کا نشان دیا ہے۔ قریش جو تجارت کیا کرتے تھے، مورخین نے لکھا ہے زیادہ تر ان کا مال تجارت چاندی ہوتی تھی۔

علماء جغرافیہ نے جزیرۂ عرب کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

(۱) تہامہ (۲) حجاز (۳) نجد (۴) عروض (۵) یمن

پھر ہر ایک کی ذیلی تقسیمیں بھی کی گئی ہیں۔

عرب کے اقوام وقبائل

مورخین عرب نے اقوام وقبائل عرب کو تین حصوں میں منقسم کیا ہے۔

عرب بائدہ : یعنی عرب کے قدیم ترین قبائل جو اسلام سے بہت پہلے فنا ہو چکے تھے۔

عرب عاربہ : بنو قحطان جو عرب بائدہ کے بعد عرب کے اصلی باشندے تھے اور جن کا اصل مسکن ملک یمن تھا۔

عرب مستعربہ : بنواسماعیل یعنی حضرت اسماعیل کی اولاد جو حجاز میں آباد تھی۔

ظہور اسلام کے وقت بنو قحطان اور بنو اسماعیل جن کو عدنانی قبائل بھی کہتے ہیں، ملک کے اصلی باشندے تھے اور ان کے علاوہ یہودیوں کی خال خال آبادی تھی۔ اس بناء پر درحقیقت ملک عرب اس وقت تین مختلف عناصر سے مرکب تھا، ہر عنصر کا قوام بے شمار قبائل وفروع سے تھا جو یمن سے شام تک ہر قطعۂ زمین میں پھیلے ہوئے تھے، ان کی پھر مختلف چھوٹی چھوٹی شاخیں تھیں، اس بناء پر ان کا ایک مختصر خاکہ درج ذیل ہے۔

بنو قحطان

اس خاندان کی تین بڑی شاخیں ہیں۔

(۱) قضاعہ

(۲) کہلان

(۳) ازد

حمیر بھی اسی کی شاخ ہے جو یمن کے فرماں روا تھے۔

قبائل قضاعہ

عام علمائے انساب قضاعہ کو بنو قحطان میں داخل کرتے ہیں اور ہم بھی یہاں ان کی پیروی کرتے ہیں ورنہ از روئے تحقیق وہ بنو اسماعیل ہیں۔ بہر حال ان کی حسب ذیل شاخیں ہیں۔

بنو کلب، بنو تنوخ، بنو جرم، بنو جہینہ، بنو نہد، بنو عذرہ، بنو اسلم، بلی، سلیح، ضجعم، تغلب، نمر، اسد، تیم اللات، کلب۔

قبائل کہلان

بجیلہ، خثعم، ہمدان، کندہ، مذحج، طے لخم، جذام، عاملہ

قبائل ازد

اوس، خزرج، خزاعہ، غسان، دوس۔

انصار قبیلہ ازد ہی کی شاخ سے تھے۔

مشہور عدنانی قبائل جن کا آخری مقسم معز ہے، حسب ذیل ہیں، قبائل مضر اولاً بنی خندف اور بنو قیس دو خاندانوں پر منقسم ہیں۔

(۱) خندف :

ہزیل، کنانہ، اسد، ضبہ، مزینہ، رباب، تمیم، ہون۔

ان میں سے ہر ایک کے متعدد فروع ہیں۔

اصول	فروع
کنانہ	قریش، دول
ہون	قارہ
رباب	عدی، تمیم، عکل، ثور
تمیم	مقاعس، قریع، بہدلہ، یربوع، ریاح، ثعلبہ، کلیب۔

(۲) قیس:

عدوان، غطفان، اعصر، سلیم، ہوازن

ان میں بعض کے فروع یہ ہیں۔

اصول	فروع
غطفان	عبس، ذبیان، فزارہ، مرہ
اعصر	غنی، باہلہ
ہوازن	سعد، نصر، جشم، ثقیف، سلول، بنو عامر

بنو عامر کی شاخیں:

بنو ہلال، بنو نمیر، بنو کعب۔

یہود

بنو قینقاع، بنو نضیر، بنو قریظہ۔

بنو قحطان و آل اسماعیل نے اسلام سے پہلے متعدد حکومتیں قائم کی تھیں جن کے جستہ جستہ واقعات کہیں ملتے ہیں۔

عرب کی قدیم حکومتیں

کتبوں اور دیگر مورخین کی تصریحات سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے یہ ہے کہ اسلام سے پہلے عرب میں پانچ متمدن سلطنتیں گزریں۔

(۱) معینی : معین یمن میں ایک مقام کا نام ہے جو کسی زمانہ میں سلطنت کا پایہ تخت تھا۔

(۲) سبائی : یعنی قوم سبا

(۳) حضرموتی: حضرموت یمن کا مشہور مقام ہے۔

(۴) قتبانی : قتبان، عدن میں ایک مقام ہے جو آج کل گمنام ہے۔

(۵) نابتی : حضرت اسماعیل کے ایک بیٹے کا نام نابت تھا یہ سلسلہ انہی کی طرف منسوب ہے۔

عرب اور تہذیب وتمدن

تہذیب وتمدن کے لحاظ سے عرب کے مختلف حصے بالکل مختلف حالت رکھتے تھے۔ مانسوی لیبان فرنساوی نے اصول عمران کی بناء پر یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اسلام سے پہلے عرب کا تمدن کسی زمانہ میں اوج کمال تک پہنچ چکا تھا، کیوں کہ اصول وارتقاء کی رو سے کوئی قوم محض وحشت کی حالت سے دفعۃً اعلیٰ درجہ کی تہذیب وتمدن تک نہیں پہنچ سکتی۔

یہ ایک قیاسی استدلال ہے۔ تاریخ سے صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ عرب کے بعض حصے مثلاً یمن کسی زمانہ میں انتہا درجہ کی ترقی تک پہنچ چکے تھے۔ یورپ کے محققین آثار قدیمہ جنھوں نے یمن کے آثار قدیمہ کی تحقیقات کی ہے اور پرانے کتبوں کو پڑھا ہے وہ یمن کی قدیم تہذیب وتمدن کا اعتراف کرتے ہیں۔

صنعاء اور قلیس کے ذکر میں یاقوت حموی نے معجم میں قدیم آثارات عجیبہ کا ذکر کیا ہے، اور گو اس میں بہت کچھ مبالغہ بھی ہے تاہم اصلیت کا حصہ بھی کچھ کم نہیں۔

اسی طرح عرب کے وہ مقامات جو ایران اور شام سے متصل تھے مثلاً ''حیرہ'' جو آل نعمان کا پایۂ تخت تھا اور ''حوران'' جو خاندان غسان کا صدر مقام تھا، تہذیب وتمدن سے خالی نہ تھے۔

مورخین عرب کا دعویٰ ہے کہ یمن نے ایک زمانہ میں اس حد تک ترقی کی تھی کہ وہاں کے سلاطین نے پورا ایران فتح کرلیا تھا، چنانچہ سمرقند کی وجہ تسمیہ یہ بتاتے ہیں کہ یمن کا ایک بادشاہ جس کا نام شمر تھا اس نے سمرقند کو کھدوا کر برباد کردیا تھا اس بناء پر ایرانی اس مقدس شہر کو شمر کند کہنے لگے پھر معرب ہوکر سمرقند ہوگیا۔

عظیم الشان قلعوں اور عمارتوں کے آثار جواب بھی کچھ باقی تھے، اس بات کی قطعی شہادت ہیں کہ اس ملک میں کبھی اعلیٰ درجہ کا تمدن موجود تھا۔ علامہ ہمدانی نے ''اکلیل'' میں تمام آثار قدیمہ کا ذکر کیا ہے۔

لیکن عرب کے اصلی اور اندرونی مقامات میں تہذیب و تمدن کی یہ حالت نہ تھی۔ عربی زبان نہایت وسیع ہے باوجود اس کے جن چیزوں کو تمدن اور اسباب معاشرت سے تعلق ہے، ان کے لیے خاص عربی زبان میں الفاظ نہیں ملتے، بلکہ ایران یا روم وغیرہ سے مستعار آئے ہیں۔

''سکہ'' کے لیے ایک لفظ بھی موجود نہیں۔ ''درہم'' اور ''دینار'' دونوں غیر زبان کے لفظ ہیں۔ درہم یونانی لفظ ''درخم'' ہے اور یہ وہی لفظ ہے جو انگریزی میں ''ڈرام'' ہو گیا۔ ''چراغ'' معمولی چیز ہے تاہم اس کے لیے عربی میں کوئی لفظ نہ تھا۔ چراغ کو لے کر ''سراج'' کر لیا، پھر ایک مصنوعی لفظ ''مصباح'' بنایا۔ کوزہ کے لیے کوئی لفظ نہیں، کوزہ کو ''کوز'' کر لیا ہے۔ لوٹے کو ''ابریق'' کہتے ہیں جو ''آب ریز'' کا معرب ہے۔ ''تشت'' فارسی لفظ تھا اسی کو عربی میں ''طست'' کر لیا ہے۔ پیالہ کو ''کاس'' کہتے ہیں جو فارسی میں ''کاسہ'' ہے۔ ''پائجامہ'' کو ''سروال'' کہتے ہیں جو ''شلوار'' کی بگڑی ہوئی صورت ہے۔

احادیث صحیحہ سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ تک عیش و نعمت کے سامان بہت کم تھے۔ مسئلہ حجاب کے شان نزول میں بخاری وغیرہ میں مذکور ہے کہ اس زمانہ تک گھروں میں جائے ضرور نہ تھی۔ مستورات و خواتین رفع حاجت کے لیے باہر جایا کرتی تھیں۔ ترمذی باب الفقر میں ہے کہ اس وقت تک چھلنیاں نہ تھیں۔ بھوسے کو پھونک کر اڑاتے تھے، جو رہ جاتا تھا وہی آٹا ہوتا تھا۔ بخاری شریف کی ایک حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ راتوں کو گھروں میں چراغ نہیں جلتے تھے۔

عرب کے مذاہب

عرب میں اسلام سے پہلے مختلف مذاہب تھے۔بعضوں کا خیال تھا کہ جو کچھ ہے زمانہ یا فطرت (قانون قدرت) ہے،خدا کوئی چیز نہیں۔ان ہی لوگوں کی نسبت قرآن مجید میں ہے۔

و قالوا ما هی الا حیاتنا الدنیا نموت و نحی و ما یهلکنا الا الدهر.

اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ جو کچھ ہے ہماری دنیا کی زندگی ہے ہم مرتے اور جیتے ہیں اور ہم کو مارتا ہے تو زمانہ مارتا ہے۔

بعض خدا کے قائل تھے،لیکن قیامت اور جزاوسزا کے منکر تھے،ان کے مقابلے میں قرآن مجید نے قیامت کے ثبوت پر اس طرح استدلال کیا ہے۔

قل یحییها الذی انشاها اول مرة .

کہہ دو کہ (ہڈیوں کو) وہی دوبارہ زندہ کرے گا،جس نے پہلی دفعہ پیدا کیا تھا۔

بعض خدا اور جزاوسزا کے بھی قائل تھے،لیکن نبوت کے منکر تھے،ان کا ذکر اس آیت میں ہے۔

و قالوا ما لهذا الرسول یاکل الطعام و یمشی فی الاسواق .

اور کہتے ہیں کہ یہ کیا رسول ہیں کہ کھاتا پیتا ہے اور بازار میں چلتا پھرتا ہے۔

قالوا ابعث الله بشرا رسولا

کہتے ہیں کہ کیا خدا نے آدمی کو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔

ان کا خیال تھا کہ اگر کوئی پیغمبر ہو سکتا ہے تو اس کو فرشتہ ہونا چاہیئے جو حاجات انسانی سے منزہ ہو،

لیکن عموماً لوگ بت پرست تھے، وہ بتوں کو خدا نہیں سمجھتے تھے بلکہ کہتے تھے کہ بت خدا تک پہنچنے کے وسیلے ہیں۔

ما نعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفی .

ہم ان بتوں کو صرف اس لیے پوجتے ہیں کہ ہم کو خدا سے قریب کردیں۔

قبیلہ حمیر جو یمن میں رہتا تھا، آفتاب پرست تھا، کنانہ چاند کو پوجتے تھے، قبیلہ بنی تمیم ادبران کی عبادت کرتا تھا۔ اسی طرح قیس ستارۂ شعری کی، قبیلہ اسد عطارد کی اور لخم و جذام مشتری کی پرستش کرتے تھے۔

مشہور بتوں اور ان کے پوجنے والوں کے نام حسب ذیل ہیں

نام بت	مقام	قبیلہ جو اس بت کو پوجتے تھے
لات	طائف	ثقیف
عزیٰ	مکہ معظمہ	قریش و کنانہ
منات	مدینہ منورہ	اوس، خزرج اور غسان
ود	دومۃ الجندل	کلب
سواع		ہذیل
یغوث		مذحج اور قبائل یمن
یعوق		ہمدان

سب سے بڑا بت ہبل تھا، جو کعبہ کی چھت پر منصوب تھا۔ قریش لڑائیوں میں اس کی جے پکارتے تھے۔ عرب میں بت پرستی کا بانی ایک شخص عمرو بن لحی تھا۔ اس کا اصلی نام، ربیعہ بن حارثہ تھا،

عرب کا مشہور قبیلہ خزاعہ اسی کی نسل سے ہے۔ عمرو سے پہلے جرہم کعبہ کے متولی تھے، عمرو نے لڑ کر جرہم کو مکہ سے نکال دیا اور خود حرم کا متولی ہو گیا، وہ ایک دفعہ شام کے کسی شہر میں گیا، وہاں کے لوگوں کو بت پوجتے دیکھا تو پوچھا کہ ان کو کیوں پوجتے ہو؟ انھوں نے کہا یہ حاجت روا ہیں، لڑائیوں میں فتح دلاتے ہیں، قحط پڑتا ہے تو پانی برساتے ہیں۔ عمرو نے چند بت ان سے لے لیے اور لا کر کعبہ کے آس پاس قائم کیے۔ کعبہ چوں کہ عرب کا مرکز تھا اس لیے تمام قبائل میں بت پرستی کا رواج ہو گیا۔ ان میں سب سے قدیم بت ''مناۃ'' تھا۔ یہ سمندر کے کنارے قدید کے قریب نصب تھا، اوس اور خزرج یعنی مدینہ کے لوگ اسی پر قربانی چڑھاتے تھے اور جب کعبہ کا حج کر کے آتے تھے تو احرام یہیں اتارتے تھے۔ ہزیل اور خزاعہ بھی اس کی پرستش کرتے تھے۔

یاقوت حموی نے معجم البلدان (ذکر مکہ) میں لکھا ہے کہ عرب میں بت پرستی کی عام اشاعت کی وجہ یہ ہوئی کہ قبائل عرب جو تمام اطراف سے حج کو آتے تھے، واپس جاتے ہوئے حرم کے پتھروں کو اٹھا لیتے تھے اور ان کو اصنام کعبہ کی صورت پر تراش کر ان کی عبادت کرتے تھے۔

عقیدۂ توحید اور عرب

عرب گو قریباً سب کے سب بت پرست تھے لیکن اس کے ساتھ یہ اعتقاد ان کے دل سے کبھی نہیں گیا کہ اصلی خدائے برتر اور چیز ہے اور وہی تمام عالم کا خالق ہے۔ اس خالق اکبر کو وہ اللہ کہتے تھے قرآن مجید میں ہے۔

و لئن سالتهم من خلق السموات و الارض و سخر الشمس و القمر ليقولن الله فانى يوفكون .

اور اگر تم ان سے پوچھو کس نے بنائے آسمان اور زمین اور کام میں لگائے سورج اور چاند تو ضرور

کہیں گے اللہ نے تو کہاں اوندھے جاتے ہیں۔

فاذا رکبوا فی الفلک دعوا اللہ مخلصین لہ الدین فاذا نجھم الی البر اذاھم یشرکون.

پھر جب کشتی میں سوار ہوتے ہیں اللہ کو پکارتے ہیں ایک اسی پر عقیدہ لاکر پھر جب وہ انھیں خشکی کی طرف بچالاتا ہے جبھی شرک کرنے لگتے ہیں۔

قرآن کریم نے تیرہ سو برس پہلے جس حقیقت کا اظہار کیا ہے، آج تحقیقات آثار قدیمہ بھی اس کی تصدیق کرتی ہیں۔

نصرانیت، یہودیت اور مجوسیت

اگر چہ زمانہ اور مدت کا تعین مشکل ہے، لیکن یہ تینوں مذہب ایک مدت دراز سے عرب میں رائج ہو چکے تھے۔ علامہ ابن قتیبہ نے معارف میں لکھا ہے کہ قبائل ربیعہ وغسان نصرانی تھے، قضاعہ میں بھی اس مذہب کا اثر پایا جاتا تھا۔ نصرانیت کو اس قدر ترقی ہو چکی تھی کہ خود مکہ معظمہ میں ایسے لوگ موجود تھے (مثلاً ورقہ بن نوفل) جو عبرانی زبان میں انجیل کو پڑھ سکتے تھے۔ متعدد ایسے لوگ تھے جنھوں نے شام میں جا کر تعلیم پائی تھی۔

حمیر، بنوکنانہ، بنوحرث بن کعب، کندہ یہ قبائل یہودی تھے۔ مدینہ منورہ میں یہود نے پورا غلبہ پالیا تھا اور تورات کی تعلیم کے لیے متعدد درسگاہیں قائم تھیں جن کو بیت المدارس کہتے تھے۔ حدیث کی کتابون میں اسی نام سے ان کا ذکر آتا ہے۔ قلعہ خیبر کی تمام آبادی یہودی تھی۔ امراء القیس کا ہم عصر مشہور شاعر سموئیل بن عادیا جس کی وفاداری آج تک عرب میں ضرب المثل ہے، یہودی تھا۔

اہل کتاب کی روایتیں مکہ میں اس قدر رواج پا چکی تھیں کہ حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر

جب قرآن نازل ہوتا تھا اور اس میں بنی اسرائیل کے واقعات مذکور ہوتے تھے تو کفار بدگمانی کرتے تھے کہ کوئی یہودی یا عیسائی آپ کو سکھاتا ہے۔ خود قرآن کریم میں ہے۔

و لقد نعلم انهم يقولون انما يعلمه بشر.

اور بے شک ہم جانتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں یہ تو کوئی آدمی سکھاتا ہے۔

قرآن کریم میں اس خیال کا ابطال کر دیا گیا ہے۔

قبیلۂ بنو تمیم مجوسی تھا۔ زرارہ تمیمی جو اس قبیلہ کا مشہور رئیس تھا اسی بناء پر اپنی بیٹی سے شادی کر لی تھی، گو اس پر اس کو ندامت ہوئی۔ اقرع بن حابس بھی مجوسی تھا۔

اہل عرب اور مذہب حنفی

دین ابراہیم کی ام الاصول توحید خالص تھی۔ زمانہ کے امتداد اور جہالت کے شیوع سے یہ اصول اگرچہ شرک آلود ہو گیا تھا، یہاں تک کہ خود خانۂ خدا میں بتوں کی پرستش ہوتی تھی، تاہم بالکل فنا نہیں ہو سکتا تھا۔ عرب میں کہیں کہیں اس کا دھندلا نشان نظر آتا تھا۔ جو لوگ صاحب بصیرت تھے ان کو یہ منظر نہایت نفرت انگیز معلوم ہوتا تھا کہ انسان عاقل، جماد لایعقل کے سامنے سر جھکائے۔ اس بناء پر بت پرستی کی برائی کا خیال بہتوں کے دل میں آیا، لیکن اس کا تاریخی زمانہ حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت سے کچھ ہی پہلے شروع ہوتا ہے۔

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ ایک دفعہ کسی بت کے سالانہ میلہ میں ورقہ بن نوفل، عبداللہ بن جحش، عثمان بن الحویرث اور زید بن عمرو بن نفیل شریک تھے۔ ان لوگوں کے دل میں دفعۃً یہ خیال آیا کہ یہ کیا بیہودہ پن ہے کہ ہم ایک پتھر کے سامنے سر جھکاتے ہیں جو نہ سنتا، نہ دیکھتا ہے، نہ کسی کا نقصان کر سکتا ہے، اور نہ کسی کو فائدہ پہنچا سکتا ہے۔ یہ چاروں قریش کے خاندان سے تھے۔ ورقہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے

برادر عم زاد تھے۔ زید حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چچا تھے۔ عبداللہ بن جحش حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھانجے تھے، عثمان عبدالعزیٰ کے پوتے تھے۔

زید دین ابراہیمی کی تلاش میں شام گئے، وہاں یہودی اور عیسائی پادریوں سے ملے، لیکن کسی سے تسلی نہیں ہوئی اس لیے اس اجمالی اعتقاد پر اکتفاء کیا کہ "میں ابراہیم کا مذہب قبول کرتا ہوں"

صحیح بخاری میں حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے زید کو اس حالت میں دیکھا کہ کعبہ سے پیٹھ لگائے لوگوں سے کہتے تھے، اے اہل قریش! تم میں سے کوئی شخص بجز میرے ابراہیم کے دین پر نہیں ہے۔

اہل عرب لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے۔ زید ہی پہلے شخص ہیں جنھوں نے اس رسم کی ممانعت کی، جب کوئی شخص ایسا ارادہ کرتا تو وہ جا کر اس لڑکی کو مانگ لیتے اور خود اس کی پرورش کرتے۔

صحیح بخاری میں مذکور ہے کہ حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اعلان نبوت سے پہلے زید کو دیکھا تھا اور ان سے صحبت رہی تھی۔ ورقہ اور عبداللہ بن جحش اور عثمان بت پرستی چھوڑ کر عیسائی ہو گئے تھے۔

اسی زمانہ کے قریب امیہ بن ابی صلت نے جو طائف کا رئیس اور مشہور شاعر تھا، بت پرستی کی مخالفت کی۔ حافظ ابن حجر نے اصابہ میں زبیر بن بکار کی سند سے لکھا ہے کہ امیہ نے زمانہ جاہلیت میں آسمانی کتابیں پڑھی تھیں اور بت پرستی چھوڑ کر دین ابراہیمی اختیار کر لیا تھا۔

ابن ہشام نے بت پرستی کی مخالفت کرنے والوں میں انہی چاروں کا نام لکھا ہے، لیکن اور تاریخی شہادتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ عرب میں اور متعدد اہل نظر پیدا ہو گئے تھے جنھوں نے بت پرستی سے توبہ کی تھی، ان میں سب سے زیادہ مشہور شخص عرب کا نامور خطیب قیس بن ساعدہ الایادی ہے۔ ایک شخص قیس

بن نشبہ تھا جس کی نسبت حافظ ابن حجر نے اصابہ میں لکھا ہے کہ وہ جاہلیت کے زمانہ میں خدا پرست ہو چکا تھا اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت پر مشرف بہ اسلام ہوا۔

یہ امر اکثر روایتوں سے ثابت ہے کہ عرب اور خصوصاً مکہ اور مدینہ میں متعدد اشخاص بت پرستی کے منکر ہو گئے تھے اور ملت ابراہیمی کی جستجو میں تھے، یہ اس لیے کہ مجدد ملت ابراہیمی کے ظہور کا وقت قریب آ گیا تھا۔

ان چند راہ طلب اور حقیقت جو اشخاص کے وجود کی بناء پر مصنفین یورپ کہتے ہیں کہ مذہب صحیح اور توحید خالص کا رواج عام عرب میں اسلام سے پہلے بھی موجود تھا، لیکن اگر یہ صحیح ہے تو یہ حیرت انگیز بات ہے کہ اسلام کے ظہور پر اس قدر ہنگامہ کیوں برپا ہوا؟

عرب مذاہب میں بے اعتدالیاں

جیسا کہ اوپر بیان ہوا عرب میں تمام مشہور مذاہب تھے، یہودیت بھی، نصرانیت بھی، مجوسیت بھی، حنیفیت بھی اور عقلی بلند پروازی کی معراج الحاد بھی، لیکن ان سب کا نتیجہ کیا تھا؟ عقائد کے لحاظ سے یا تو خداؤں کی وہ کثرت جس کو نصرانیت نے بہت گھٹایا تاہم تین کی تعداد سے کم نہ کر سکی، اس کے ساتھ یہ اعتقاد کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خود سولی پر چڑھ کر تمام بنی آدم کے گناہوں کا کفارہ بن گئے، یا توحید تھی لیکن خدا اس قسم کا تھا جو آدمیوں سے کشتی لڑتا تھا۔

بتوں پر آدمیوں کی قربانی چڑھائی جاتی تھی۔ باپ کی منکوحہ بیٹے کو وراثت میں ملتی تھی۔ حقیقی بہنوں سے ایک ساتھ شادی جائز تھی، ازدواج کی کوئی حد نہ تھی۔ قمار بازی، شراب خوری، زنا کاری کا رواج عام تھا۔ بے حیائی کی یہ حالت کہ سب سے بڑا نامور شاعر امرء القیس جو شہزادہ بھی تھا، قصیدہ میں اپنی پھوپھی زاد بہن کے ساتھ اپنی بدکاری کا قصہ مزے لے لے کر بیان کرتا ہے اور یہ قصیدہ کعبہ پر آویزاں کیا

جاتا ہے۔

لڑائیوں میں لوگوں کو زندہ جلا دینا، مستورات کا پیٹ چاک کر ڈالنا اور معصوم بچوں کو تہہ تیغ کرنا عموماً جائز سمجھا جاتا تھا۔

یہ حالت صرف عرب کے ساتھ مخصوص نہ تھی، بلکہ پوری دنیا میں یہی تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ کیا اس عام ظلمت، اس عالمگیر تیرگی، اس وسیع اور ہمہ گیر تاریکی میں ایک آفتاب عالم تاب کی حاجت نہ تھی؟

اہل عرب کی خصوصیات

جزیرۂ عرب کے جغرافیائی اور سیاسی حالات اور مختلف علاقوں میں مختلف قبائل کی آبادکاری کا اجمالی خاکہ آپ نے ملاحظہ فرمایا۔

اب ہم اس جزیرہ کے باشندوں کی اخلاقی خصوصیات کا جائزہ لیں گے، جس سے یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ باوجود اس بات کے کہ جزیرۂ عرب کا اکثر علاقہ لق و دق صحراؤں، نا قابل کاشت بنجر میدانوں اور نا قابل عبور ریگستانوں پر مشتمل تھا، اس کے بسنے والے علم سے بالکل بے بہرہ تھے۔ اس کے باوجود قدرت نے اس خطہ کو اور اس میں سکونت پذیر قوم کو کیوں اپنے محبوب مکرم خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت کے لیے اور اس دین حنیف کی پہلی تجربہ گاہ بنانے کے لیے منتخب فرمایا اور ان ان پڑھوں کو کیوں اس دولت سرمدی کا امین بنایا۔ اس جائزہ سے آپ یقیناً اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ اہل عرب میں ان خامیوں اور خرابیوں کے باجود ایسی خوبیاں موجود تھیں جن کے باعث ان کو یہ امانت عظمیٰ تفویض کی گئی اور آنے والے حالات نے اس بات کی تصدیق کر دی کہ قدرت کا انتخاب بالکل درست تھا۔ ان صحرانشینوں نے اپنے فرائض منصبی کو اس عمدگی سے انجام دیا کہ سارا عالم انگشت بدنداں ہو کر رہ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو فہم و فراست، قوت حافظہ، فصاحت و بلاغت، غیرت و شجاعت، سخاوت و دریا دلی، سخت کوشی، جفاکشی، فنون

جنگ میں مہارت اور دیگر کمالات سے اس فیاضی سے بہرہ ور فرمایا تھا کہ ان کی ہم عصر قوم کسی میدان میں بھی ان کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتی تھی۔

فراست وذہانت

اہل عرب کی فراست وذہانت عدیم النظیر تھی۔ مورخین نے بے شمار واقعات اپنی کتابوں میں تحریر کیے ہیں، جن سے ان کی فراست وذہانت کا پتہ چلتا ہے۔ میں صرف ایک واقعہ کے ذکر پر اکتفاء کرتا ہوں۔

ایک دولت مند شخص اپنے دو غلاموں کی معیت میں سفر پر روانہ ہوا، جب وہ نصف راستہ طے کر چکے تو ان غلاموں نے اس کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا، اس آدمی نے بھی تاڑ لیا کہ یہ مجھے قتل کرنے کا منصوبہ بنا چکے ہیں تو اس نے غلاموں سے کہا کہ اگر تم مجھے قتل کرنے کا عزم مصمم کر ہی چکے ہو تو میرے ساتھ ایک حلفیہ وعدہ کرو کہ جب تم واپس جاؤ تو میرے گھر جانا اور میری دونوں بچیوں کو یہ شعر سنانا۔ انھوں نے پوچھا، کونسا شعر؟ اس شخص نے جواب میں یہ شعر پڑھا۔

من مبلغ بنتی ان اباھما
للہ درکما و دُر ابیکما

ان دونوں غلاموں نے جب یہ سنا تو ایک نے دوسرے کو کہا کہ اس میں کوئی خطرہ والی بات نہیں، یہ بے ضرر سا شعر ہے، جس سے اس کی آخری حسرت بھی پوری ہو جائیگی اور ہمیں بھی کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ چنانچہ انھوں نے اس کے ساتھ وعدہ کیا کہ جب وہ واپس لوٹیں گے تو اس کے گھر جا کر اس کی بیٹیوں کو اس کی طرف سے یہ شعر سنا دیں گے۔ جب وہ سفر سے واپس لوٹے تو حسب وعدہ اس کے گھر گئے، اس کی بڑی لڑکی سے ملاقات کی اور کہا، تمھارے والد کو اس چیز نے آلیا جس سے کسی کو مفر نہیں یعنی موت، اس نے ہم

سے قسم لی تھی کہ جب ہم واپس آئیں تو تمہیں اس کا یہ شعر سنائیں، چنانچہ انھوں نے یہ شعر پڑھ کر اس بڑی لڑکی کو سنایا اس نے کہا کہ اس میں کوئی ایسی چیز نہیں جس سے باپ مجھے آگاہ کرنا چاہتا تھا، لیکن تم ذرا صبر کرو، میں اپنی چھوٹی بہن کو بلالاؤں۔ وہ اس کو بلا کر لے آئی، اسے واقعہ بھی بتایا اور اپنے باپ کا شعر بھی سنایا، سنتے ہی اس نے اپنی اوڑھنی اتار دی اور آہ وفغاں شروع کر دی۔

اس نے کہا، اے گروہ عرب! ان دونوں نے میرے باپ کو قتل کر دیا ہے۔ لوگوں نے پوچھا، تمھارے پاس اس کی کیا دلیل ہے؟ وہ کہنے لگی اس شعر کے دونوں مصرے نامکمل ہیں۔ دونوں مصرے دوسرے مصرع کے محتاج ہیں۔ اس شعر میں پہلے اور دوسرے مصرع میں کوئی مناسبت نہیں، درحقیقت یہ دو شعر ہیں۔ اس شعر میں دونوں شعروں کا ایک ایک مصرع مذکور ہے اور دوسرا مصرع مقدر ہے، انھوں نے پوچھا: پھر یہ شعر کیسے ہونا چاہیئے؟ اس نے کہا: پہلا شعر یوں ہونا چاہیئے۔

من مخبر بنتی ان اباهما
امسی قتیلا بالفلاۃ مجندلا

کون شخص ہے جو میری دونوں بچیوں کو یہ اطلاع دے کہ ان کا باپ قتل کر دیا گیا ہے اور اس کی لاش جنگل میں مٹی سے آلودہ پڑی ہوئی ہے؟

للہ در کما در ابیکما
لن یبرح العبدان حتی یقتلا

اے بچیو! تم دونوں کی خوبیاں اور تمھارے باپ کی خوبیاں اللہ کے لیے ہیں۔ ان غلاموں کو ہرگز نہ چھوڑا جائے یہاں تک کہ ان کو قتل کر دیا جائے۔

لوگوں نے ان غلاموں کی تفتیش کی۔ انھوں نے اپنے جرم کا اعتراف کیا۔ چنانچہ بطور قصاص ان کو

قتل کر دیا گیا۔

اس قوم کی فراست اور ذہانت کا اندازہ لگائیے جس کی ایک کم عمر بچی نے اس راز کا پردہ چاک کیا اور حقیقت حال کو آشکارا کر دیا۔ ان کی حد درجہ ذہانت و فطانت کے باعث ان کے نبی کو ان کی ہدایت ورہنمائی کے لیے جو معجزہ دیا گیا وہ قرآن کریم تھا، جو اپنے اعجاز بیان اور اسلوب بلاغت میں اپنی مثال نہیں رکھتا تھا۔ قرآن کریم کے کلمات طیبات میں فصاحت و بلاغت کے جو سمندر ٹھاٹھیں مار رہے ہیں ان کی صحیح قدر و منزلت کا وہی لوگ اندازہ لگا سکتے تھے۔ بسا اوقات ایک آیت سن کر ہی پھڑک اٹھتے تھے، ان کے دل کی دنیا بدل جایا کرتی تھی۔ احادیث مبارکہ میں بہت سے ایسے واقعات مذکور ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قرآن کریم کی ایک آیت تلاوت فرمائی اور اس کی برکت سے تاریک سینے بقعۂ نور بن گئے۔

اہل عرب کی قوت حافظہ

فہم وفراست کی نعمت کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے اہل عرب کو بے پناہ قوت حافظہ ارزانی فرمائی تھی۔ اگر چہ وہ لکھنے اور پڑھنے سے عاری تھے، لیکن اپنی یادداشت کے بل بوتے پر انھوں نے اپنی جنگوں اور دیگر اہم واقعات کی تفصیلات کو محفوظ رکھا۔ وہ صرف اپنے سلسلہ نسب سے ہی پوری طرح باخبر نہ تھے، بلکہ اپنے گھوڑوں کے نام اور ان کے نسب ناموں کو بھی پوری طرح جانتے تھے۔ جو گھوڑا میدان جنگ میں غیر معمولی شجاعت اور کارکردگی کا مظاہرہ کرتا اس کے نسب سے وہ پوری طرح واقف رہتے تھے۔ ان کے تہواروں میں جو ادبی محفلیں منعقد ہوتیں، جن میں دور و نزدیک سے آئے ہوئے فصحاء و بلغاء اپنے قصیدے سناتے یا اپنے خطاب سے لوگوں کے دلوں کو موہ لیتے، سننے والے ایک بار سننے سے وہ پورا قصیدہ اور پورا خطبہ از بر کر لیتے، پھر وہ اس سے آگے روایت کرتے رہتے۔ اگر کسی کی زبان سے فی البدیہہ کوئی جملہ نکل جاتا تو وہ ضرب المثل بن جاتا اور جزیرۂ عرب کے گوشہ گوشہ میں رواج پا جاتا ضرب المثل کے ساتھ وہ واقعہ بھی

اذہان میں نقش ہو جاتا، جس کے پس منظر میں کسی کی زبان سے یہ جملہ نکلتا۔

ہر شاعر کا ایک راویہ ہوا کرتا جس کا کام یہ تھا کہ شاعر کی زبان سے نکلنے والا ہر شعر وہ یاد کر لیتا ہر راویہ کو شعر کے مختلف اقسام، رجز، قصیدے وغیرہ اس قدر یاد ہوتے کہ ان کا شمار کرنا مشکل ہوتا، اصمعی جو متاخرین میں ادب کا امام شمار کیا جاتا ہے، وہ کہتا ہے کہ۔

بالغ ہونے سے پہلے مجھے اعراب بادیہ کے بارہ ہزار رجزیہ اشعار یاد تھے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ دنیا کی کوئی قوم قوت حافظہ میں اہل عرب کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتی، یہاں تک کہ آج اشعار جاہلیت کا جو وسیع ذخیرہ موجود ہے وہ اسلام کے زمانہ تک زبانی ہی روایت کا مرہون منت ہے۔

فرانس کے وزیر تعلیم ''دردی'' نے اعتراف کیا ہے کہ عرب زبان میں جو وسعت ہے اور ہر چیز کے مختلف حالات اور مختلف صفات کے اعتبار سے الگ الگ نام ہیں، ان کے ہاں مترادفات کی بھر مار ہے، اس لیے ان کے شعر وسخن کا دائرہ بہت وسیع ہے۔

ان کے ہاں شہد کے ۸۰/اسی نام ہیں، سانپ کے دوسو، شیر کے پانچ سو، اونٹ کے ایک ہزار، تلوار کے بھی ایک ہزار اور آلام ومصائب کی تعبیر کے لیے چار ہزار الفاظ ہیں۔

وزیر موصوف لکھتے ہیں کہ ان تمام اسماء کو یاد کر لینا قوی حافظہ کے بغیر ممکن نہیں۔ اہل عرب کو قدرت نے جو ذہانت اور قوت حافظہ عطا فرمائی تھی، اس کا انکار ممکن نہیں۔

ان کے مشاہیر سے حماد نامی ایک راویہ تھا۔ اس نے خلیفہ ولید سے کہا کہ وہ یہاں کھڑے کھڑے ایک سو قصیدہ زبانی سنا سکتا ہے اور ہر قصیدہ بیس سے سو شعر پر مشتمل ہوگا۔

کلام کی اس وسعت اور ایک مادہ سے مختلف صیغوں کے اشتقاق کے قواعد نے اس لغت کو مزید وسعتیں بخش دی تھیں جس کی وجہ سے اہل عرب میں مافی الضمیر کے اظہار اور بیان کی وہ قوت پیدا ہوگئی تھی

جس کے باعث دنیا کی کوئی قوم ان کے ساتھ برابری کا دعویٰ نہیں کرسکتی تھی۔

اہل عرب کی سخاوت وفیاضی

جزیرۂ عرب کا اکثر حصہ ریگزاروں، صحراؤں اور ریگستانوں پر مشتمل تھا۔ بارش بھی بہت کم مقدار میں برستی تھی۔ معیشت کے دیگر ذرائع کا بھی فقدان تھا، اس لیے اہل عرب کی معاشی حالت اس وقت بڑی نا گفتہ بہ تھی، لیکن اس غربت وناداری کے باوجود اللہ تعالیٰ نے سخاوت وفیاضی کی جو صفت ان کو مرحمت فرمائی تھی اس کی تفصیلات پڑھ کر انسان حیرت زدہ ہو جاتا ہے۔ ان کے اشعار کا بہترین حصہ وہ ہے جن میں انھوں نے اپنی فیاضیوں کا ذکر کیا ہے۔ ان کا یہ دستور تھا کہ رات کو اونچے ٹیلوں پر آگ روشن کر دیتے تا کہ اگر رات کے وقت کسی مسافر کا وہاں سے گزر ہو تو وہ اس آگ کو دیکھ کر ان صحرانشیں بدوؤں کے خیمے تک پہنچ سکے، اور جب کوئی بھٹکا ہوا مسافر رات کے وقت ان کے ہاں پہنچ جاتا تو اس کی خاطر مدارات کی وہ حد کر دیتے۔ ایک شاعر اپنے غلام کو کہتا ہے۔

اوقد فان الیل لیل قر

و ریح یا واقد ریح صر

●

علی یری نارک من یمر

ان جلبت ضیفا فانت حر

اے واقد! اونچے ٹیلے پر آگ کو جلا، کیوں کہ رات بہت ٹھنڈی ہے اور سرد ہوائیں چل رہی ہیں، شاید کوئی گزرنے والا تیری آگ کو دیکھ لے، اگر اس آگ نے کسی مہمان کو اپنی طرف کھینچ لیا تو تو آزاد ہوگا۔

وہ صرف اونچی جگہوں پر آگ ہی نہیں جلایا کرتے تھے، بلکہ اس خیال سے کہ شاید رات کا مسافر بینائی سے محروم ہو اور وہ آگ کو نہ دیکھ سکے اس لیے وہ خوشبودار بخور آگ پر چھڑک دیتے تھے جس کی خوشبو دور دور تک پھیل جایا کرتی تھی، اس سے ان کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ اندھا مسافر اگر آگ کو دیکھنے سے قاصر ہے تو خوشبو سونگھ کر ہی وہ ان کے پاس پہنچ جائے۔

اس کے علاوہ وہ کتے پالا کرتے تھے۔ اپنے ریوڑوں کی حفاظت کے علاوہ ان کتوں کے پالنے کا یہ مقصد بھی تھا کہ وہ رات کے سناٹے میں بھونکیں، ان کی آواز دور دور تک پہنچے گی اور رات کے صحرا نورد مسافر ان کے خیموں تک بآسانی پہنچ جائیں گے۔

ایک شاعر اپنے کتے کے بارے میں اپنے بیٹے کو وصیت کرتا ہے۔

اوصیک خیرا بہ فان لہ

خلائقا لا ازال احمدھا

یدل ضیفی علی فی غسق الیل

اذا النار نام موقدھا

اے بیٹے! میں تجھے اس کتے کے بارے میں وصیت کرتا ہوں کہ تم اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا، کیوں کہ اس میں ایسی خوبیاں ہیں جن کو میں بہت پسند کرتا ہوں۔ یہ رات کی تاریکی میں میرے مہمان کو اس وقت میرے پاس لے آتا ہے جب آگ کا جلانے والا سو جایا کرتا ہے۔

عرب ایسے ایسے عدیم المثال، عظیم المرتبت فیاض گزرے ہیں جن کی فیاضی اور سخاوت کے باعث تاریخ ان کو ہمیشہ یاد کرنے پر مجبور ہے۔ چند مشہور سخیوں کے نام یہ ہیں:

(۱) حاتم طائی (۲) کعب بن مامہ الایادی (۳) اوس بن حارثہ الطائی (۴) ہرم بن سنان (۵) عبداللہ بن جدعان التیمی وغیرہم

ان کے نام کرم وسخا میں ضرب الامثال کے طور پر لیے جاتے ہیں۔

اہل عرب کی شجاعت

اہل عرب جن خوبیوں سے متصف تھے ان میں سے ایک اعلیٰ ترین خوبی ان کی شجاعت اور بہادری تھی اپنی عزت وناموس کے لیے اپنے حقوق کے تحفظ اوران کی بازیابی کے لیے اپنے قبیلہ کی سطوت و شوکت کا ڈنکا بجانے کے لیے وہ اپنی متاع زیست کو قربان کرنے کے لیے بلا تامل تیار ہوجایا کرتے تھے۔ اپنا سر کٹادینا، اپنے جسم کے پرزے اڑادینا، عالم شباب میں موت کا تلخ پیالہ اپنے لبوں سے لگالینا ان کے لیے ادنیٰ سی بات تھی۔ وہ زندگی اوراس کے عیش وطرب کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے، اپنی عزت اوراپنے قبیلہ کی آبروکو بچانے کے لیے موت سے کھیل جانا ان کے لیے قطعاً کوئی خوفناک کھیل نہ تھا۔ وہ اپنے خیال کے مطابق اپنے اعلیٰ مقاصد کے لیے اپنی جان اورخون کا نذرانہ پیش کرنا اپنا فرض اولیں سمجھا کرتے تھے۔ ان کی زندگیاں اپنے دشمنوں سے لڑتے ہوئے گزرتی تھیں۔ وہ میدان جنگ کی موت کو بستر پر ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرنے پر ترجیح دیا کرتے، بستر کی موت ان کے لیے قابل مذمت تھی۔

ایک عرب کواس کے بھائی کے قتل ہوجانے کی اطلاع دی گئی تواس نے بڑے سکون سے کہا:

ان يقتل فقد قتل ابوه و اخوه و عمه انا والله لا نموت حتفا و لكن قطعاً باطراف الرماح و موتا تحت ظلال السيوف.

اگر میرا بھائی قتل ہوگیا ہے تو کیا ہوا، اس سے پہلے اس کا باپ، اس کا بھائی اوراس کا چچا بھی میدان جنگ میں قتل ہوئے تھے۔ بخدا ہم بستر پر نہیں مرا کرتے بلکہ نیزوں کی انیوں سے ہمارے پرزے اڑائے جاتے ہیں، اورہم تلواروں کے سائے میں موت کا پیغام قبول کرتے ہیں۔

ایک عرب شاعر سموؤل نے کیا خوب کہا ہے۔

و ما مات منا سید حتف انفہ

و لا طل منا حیث کان قتیل

ہمارا کوئی سردار طبعی موت نہیں مرا، اور نہ ہی ہمارے کسی مقتل کا خون ضائع ہوا ہے۔

اہل عرب کی شان وفائے عہد

وفا، سچائی اور انصاف کے قبیل سے ہے، اس کے برعکس غدر اور دھوکہ جھوٹ اور ظلم کے قبیل سے ہے، کیوں کہ وفا نام ہے زبان اور عمل سے سچ بولنے کا، اور غدر نام ہے زبان اور عمل سے جھوٹ بولنے کا۔ اس لیے وعدہ کی پابندی کا قرآن کریم نے بار بار حکم دیا ہے اور وعدہ پورا کرنے والوں کی ستائش فرمائی ہے۔

واوفوا بعهدی اوف بعهد کم و ایای فارهبون .

تم نے میرے ساتھ جو عہد کیا ہے اس کو تم پورا کرو، میں نے تمھارے ساتھ جو عہد کیا اسے میں پورا کروں گا۔

ارشاد الٰہی ہے:

اوفوا بعد الله اذا عاهدتم

کہ جب تم اللہ تعالیٰ سے وعدہ کرو تو اسے پورا کرو۔

کوئی قوم بلکہ کوئی انسانی معاشرہ باہمی اعتماد کے بغیر ترقی نہیں کرسکتا، جہاں عہد شکنی اور وعدہ خلافی کی وبا عام ہو وہ معاشرہ زوال و انحطاط کا شکار ہو جاتا ہے۔ اہل عرب کی گونا گوں خوبیاں ہیں ان میں سے ایک یہ خوبی بھی تھی کہ اگر وہ کسی سے وعدہ کرتے تو اسے پورا کرتے خواہ اس سلسلہ میں ان کو مالی نقصان برداشت کرنا پڑتا بلکہ جان کی بازی بھی ہارنی پڑتی، طبعی طور پر وہ جھوٹ سے نفرت کرتے اور جھوٹے کو حقیر و

ذلیل سمجھتے، اس طرح سچ بولنا ان کے نزدیک صفات محمودہ میں سے تھا، اور سچے آدمی کی تعظیم وتکریم کرنا ان کا قومی شعار تھا، عہد جاہلیت کی تاریخ میں ہمیں بے شمار ایسے واقعات ملتے ہیں جب کہ اہل عرب نے مال و جان کی قربانی دے کر بھی اپنے قول کی لاج رکھی اور اس کو اپنا فرض سمجھا۔ یہ چیز ان کے لیے باعث صدعز و شرف خیال کی جاتی تھی۔

امام مرزوقی لکھتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قبیلہ مضر کے لیے قحط سالی کی بددعا کی۔ سات سال گزر گئے بارش کا ایک قطرہ بھی نہ ٹپکا ہر طرف ویرانی ہی ویرانی پھیل گئی، گھاس خشک ہوگئی، درختوں کے پتے جھڑ گئے، اکثر چشموں اور تالابوں میں پانی کی ایک بوند بھی باقی نہ رہی۔ ان حالات سے مجبور ہوکر ان کے سردار حاجب نے اپنی قوم کو جمع کیا کہ میں کسریٰ کے پاس جاتا ہوں اور اس سے اس کے ملک میں رہائش اختیار کرنے کی اجازت طلب کرتا ہوں تاکہ اس قحط کی تباہ کاریوں سے ہم اپنے آپ کو بچا سکیں۔ قوم نے اس کی تجویز کی تحسین کی۔ چنانچہ وہ کسریٰ کے پاس گیا اور اپنی تکالیف بیان کرنے کے بعد اس سے اجازت طلب کی کہ جب تک بارشیں نہیں برستیں اور قحط سالی کا خاتمہ نہیں ہوتا وہ اس کی قوم کو اپنے ملک میں رہنے کی اجازت دے۔

کسریٰ نے کہا کہ تم اہل عرب فتنہ وفساد کے خوگر وعادی ہو۔ غارت گری اور قزاقی تمہارا مرغوب پیشہ ہے۔ اگر میں تمہیں اجازت دوں تو تم اپنی ان قبیح عادات کی وجہ سے میرے ملک وقوم کے امن وسکون کو تہ وبالا کر کے رکھ دو گے۔ حاجب نے کہا کہ میں اس کی ضمانت دیتا ہوں جب تک میری قوم تیرے ملک میں سکونت پذیر رہے گی اس قسم کی کوئی نازیبا حرکت نہیں کرے گی۔ کسریٰ نے کہا اس بات کا کوئی ضامن ہے کہ تم اس وعدہ کو پورا کرو گے، حاجب نے کہا میں بطور ضمانت اپنی کمان تمہارے پاس رہن رکھتا ہوں۔ جب وہ کمان لے کر آیا تو اس کو دیکھ کر اہل دربار ہنس پڑے، لیکن کسریٰ نے کہا ہمیں منظور ہے اور اس نے کمان رکھوالی۔

چنانچہ جتنا عرصہ حاجب اپنی قوم کے ساتھ وہاں رہا، قوم کے ہر فرد نے اپنے سردار کے اس قول کا پاس رکھا۔ حاجب کی موت کے بعد بنی مضر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے۔ اپنی غلطیوں کی معافی مانگی اور التماس کیا کہ حضور ہمارے لیے بارش کی دعا فرمائیں۔ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی دعا سے موسلا دھار بارشیں ہوئیں اور ان کا ویران علاقہ پھر سرسبز وشاداب ہوگیا۔ مضر کا قبیلہ ایران سے واپس آ کر اپنے علاقے میں آباد ہوگیا۔ حاجب کا بیٹا عطارد، کسریٰ کے پاس گیا تاکہ اپنے باپ کی کمان اس سے لے آئے، کسریٰ نے اسے دیکھ کر کہا تم وہ آدمی نہیں ہو جس نے میرے پاس کمان رکھی تھی۔ عطارد نے کہا بے شک! لیکن جس نے کمان رکھی تھی وہ مر گیا ہے، اور میں اس کا بیٹا ہوں اور اپنے باپ کی کمان لینے کے لیے حاضر ہوا ہوں، چنانچہ کسریٰ نے وہ کمان واپس کردی اور اسے خلعت فاخرہ پہنائی۔ جب وہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا تو اس نے وہ خلعت بارگاہ رسالت میں ہدیہ کے طور پر پیش کی، لیکن سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے قبول نہ فرمایا۔ اس نے وہ خلعت ایک یہودی کو چار ہزار درہم میں فروخت کردی۔

یہ بات قبیلہ مضر کے لیے فخر ومباہات کا باعث بن گئی۔ چنانچہ ابوتمام کہتا ہے۔

اذا افتخرت یوما تمیم بقوسها

فخار اعلیٰ ما وطدت من مناقب

اگر بنو تمیم اپنی کمان کے باعث فخر کرے، جس کی وجہ سے اس کے مناقب مستحکم ہوگئے ہیں۔

فانتم بذی قار امالت سیوفکم

عروش الذین استرهنوا قوس حاجب

اے میری قوم! تم وہ بہادر ہو جن کی تلواروں نے ذی قار کی جنگ میں ان بادشاہوں کے تختوں کو اوندھا کردیا، جنھوں نے حاجب کی کمان کو اپنے پاس گروی رکھا تھا۔

اہل عرب کی غیرت وحمیت

عرب کے یہ بادیہ نشیں دیگر صفات حمیدہ سے متصف ہونے کے ساتھ ساتھ غیرت کے جذبہ سے بھی سرشار تھے۔ یہ اپنی عصمت وعفت کی حفاظت کے لیے خون کے دریا بہادینا اور کشتوں کے پشتے لگادینا اپنا اہم ترین فریضہ سمجھتے تھے، کسی کی مجال نہ تھی کہ ان کی ناموس کی طرف بری نگاہ سے دیکھ سکے اور وہ اسے خاموشی سے برداشت کرلیں، اسی جذبہ سے سرشار ہونے کے باعث وہ اپنے نسب کی حفاظت کیا کرتے تھے اور اپنے شجرۂ نسب کو یاد رکھا کرتے تھے اور ہر وہ شخص جس میں شرافت وفضیلت کا ادنیٰ سا بھی حصہ پایا جاتا ہو وہ لازمی طور پر غیرتمند ہوتا ہے اور وہ قوم شجاعت، سخاوت اور پاس عہد میں اس بلند درجہ پر فائز تھی، وہ بھلا اپنی عصمت وناموس کی حفاظت میں کیوں کر سہل پسندی کا مظاہرہ کرسکتی تھی۔

ان کی بڑی بڑی جنگوں کے پس منظر میں اکثر اسی قسم کے واقعات ہوا کرتے تھے۔ کسی بڑے سے بڑے سردار نے اگر کسی شخص کی ماں کو کوئی ایسی خدمت بجالانے کا حکم دیا جو اس کے مرتبہ سے فروتر ہوتی تو وہ خاتون اس تذلیل پر آتش زیر پا ہوجاتی اور اپنے خاوند، بھائیوں، فرزندوں کو للکارتی۔ ایک عورت کی للکار پر سینکڑوں تلواریں بے نیام ہوجاتیں اور آن واحد میں خون کے دریا بہنے لگتے۔ ان کا جذبۂ غیرت بھی ان کی شجاعت اور ان کی مروت کا ایک مظہر تھا۔ وہ قوم بزدل ہوجایا کرتی ہے جس میں مروت وحمیت کا جذبہ موت کی نیند سوجایا کرتا ہے، وہاں غیرت بھی دم توڑ دیتی ہے۔ جو چاہے ان کی عصمتوں کے ساتھ کھیلا کرے۔ اس لیے ان کے شرفاء اور نجباء اپنے لیے اور اپنے بچوں کے لیے ایسی بیویوں کا انتخاب کیا کرتے تھے جن کا دامن عصمت فسق وفجور کے بدنما داغوں سے پاک وصاف ہوتا۔ وہ ظاہری حسن وجمال پر اس امر کو ترجیح دیتے کہ وہ خاتون جسے ان کی اولاد کی ماں بننا ہے یا ان کی ہونے والی بہو، رنگ وروپ میں اگر کسی سے کم ہو تو ہو، لیکن شرافت اور عفت میں اس کا معیار بہت ہی بلند ہونا چاہیے۔

اہل عرب کی لغو عادات

ان کی جاہلانہ رسوم میں سے ایک رسم یہ بھی تھی کہ جب بارش برسنا بند ہو جاتی اور قحط سالی کا دور دورہ ہوتا تو وہ سلع اور عشر دونوں درختوں کی ٹہنیاں کاٹ کر ایک گائے کی دم کے ساتھ باندھ دیتے اور ان شاخوں کو آگ لگا دیتے اور اس گائے کو دشوار گزار پہاڑیوں میں لٹھ مار کر بھگا دیتے اور یہ خیال کرتے کہ ان کے اس طریقہ سے بادل اُمڈ کر آئیں گے، بجلی چمکے گی اور موسلا دھار بارش برسے گی۔

ایک اعرابی اس لغو حرکت پر اظہار نفرت کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

شفعنا ببیقور الی هاطل الحیا

فلم یغن عنا ذاک بل زاد نا جدبا

ہم نے اس گائے سے شفاعت طلب کی جس کی دم سے وہ شاخیں باندھ کر آگ لگا دی گئی تھی تاکہ موسلا دھار بارش برسے، لیکن اس چیز نے ہمیں کوئی نفع نہ پہنچایا بلکہ خشک سالی میں مزید اضافہ ہو گیا۔

ان کے ہاں ایک اور رواج تھا کہ اگر ایک اونٹ کو خارش کی بیماری لاحق ہوتی تو اس کے ساتھ جو صحت منداونٹ ہوتا تو اس کو آگ سے داغ لگائے جاتے اور وہ یہ خیال کرتے کہ اس طرح خارش زدہ اونٹ درست ہو جائے گا۔ خارش زدہ اونٹ کو ذی العر کہا جاتا۔ ان کی اس توہم پرستی سے شعراء نے اپنے اشعار میں بڑی نکتہ آفرینیاں کی ہیں۔ ایک شاعر کہتا ہے۔

فالزمتنی ذنبا و غیری جره

حنانیک لا تکو الصحیح باجربا

تو نے مجھ پر ایک گناہ کا الزام لگایا ہے حالاں کہ اس کا ارتکاب میرے علاوہ ایک اور آدمی نے کیا ہے۔ مجھ پر رحم کرو، ایک خارش زدہ اونٹ کے بدلہ میں صحت منداونٹ کو داغ مت لگاؤ۔

ان کے ہاں اسی قسم کی ایک لغو رسم ''بلیہ'' کے نام سے مروج تھی۔ ان کا یہ دستور تھا کہ جب ان کا کوئی سردار مرجاتا تو اس کی اونٹنی یا اونٹ کو لے آتے، اس کی گردن کو دہرا کر دیتے اور اس کے سر کو پیچھے کی طرف موڑ دیتے اور ایک گڑھے میں اس کو چھوڑ دیتے، نہ اسے کچھ کھانے کے لیے دیتے اور نہ اسے پانی پلاتے، یہاں تک کہ وہ بھوکی پیاسی تڑپ تڑپ کر جان دے دیتی اور اس کے مردہ جسم کو نذر آتش کر دیا جاتا، بسا اوقات اس کی کھال اتار لی جاتی اور اس کو ثمامہ نامی گھاس سے بھر دیا جاتا۔ ان کا یہ گمان تھا کہ اگر کوئی آدمی مرجائے اور اس کے لیے یہ بلیہ کی رسم ادا نہ کی جائے تو قیامت کے روز جب وہ قبر سے اٹھے گا تو اس کو سواری نصیب نہیں ہوگی، بلکہ اسے پیدل چلنا پڑے گا اور جس کے لیے یہ رسم ادا کی جائے تو جوں ہی وہ قبر سے نکلے گا اس کے لیے ایک بہترین سواری پیش کی جائے گی۔

ان کے ہاں یہ رسم بھی تھی کہ جب ان کا کوئی سرکردہ آدمی یا قبیلہ کا سردار مرجاتا تو وہ اس کی قبر پر ایک اونٹ لے آتے اور اس کی چاروں کونچیں کاٹ دیتے، پھر اس کو تڑپتا ہوا چھوڑ دیتے، اس سے بہنے والے خون سے قبر کو رنگین کرتے۔ ان کے اس فعل کی کئی وجوہ ذکر کی گئی ہیں۔

(۱) یہ کہ میت کی تعظیم کے لیے وہ ایسا کرتے تھے جس طرح وہ اپنے بتوں کی تعظیم کے لیے جانور ذبح کیا کرتے۔

(۲) یہ کہ اونٹ مردوں کی گلی ہوئی ہڈیاں کھاتا ہے۔ گویا اس طرح وہ اس سے انتقام لیتے تھے۔

(۳) یہ کہ اونٹ ان کے قیمتی اموال سے ہے، اس کو ذبح کر کے وہ یہ تأثر دینا چاہتے تھے کہ ہمارے اس سردار کا مرنا ہمارے لیے اتنا المناک سانحہ ہے کہ ہمارے نزدیک ہماری قیمتی چیزیں بھی اپنی اہمیت کھو بیٹھی ہیں۔

اسلام نے ان تمام خرافات کو نیست و نابود کر دیا اور اپنے ماننے والوں کو ایسی رسوم ادا کرنے سے منع کر دیا۔

ان کے ہاں ایک اور عقیدہ بھی پھیلا ہوا تھا کہ جب کسی آدمی کو قتل کر دیا جاتا ہے تو اس کے سر سے روح ایک پرندہ کی شکل میں نکلتی ہے اور جب تک اس مقتول کا انتقام نہ لیا جائے اس وقت تک وہ اس کی قبر پر چکر کاٹتی رہتی ہے اور کہتی ہے کہ:

اسقونی فانی صدیة

مجھے پلاؤ میں سخت پیاسی ہوں۔

اس اعتقاد کے باعث عربوں کے یہاں اگر کسی آدمی کو قتل کر دیا جاتا تو اس کے قریبی رشتہ داروں اور بیٹوں بھائیوں کے لیے اس کے خون کو معاف کرنا مشکل ہو جاتا تھا، کیوں کہ وہ یہ خیال کرتے تھے کہ جب تک ہم مقتول کا بدلہ نہیں لیں گے اس وقت تک اس کی روح کو چین نہیں آئے گا۔ وہ اپنے مشتعل جذبات کو تو ٹھنڈا کر سکتے تھے لیکن اپنے مقتول باپ یا بھائی کی روح کی اس ابدی پریشانی اور اضطراب کو برداشت کرنا ان کے بس کا روگ نہ تھا، اس لیے وہ مجبور تھے کہ اپنے مقتول عزیز کا ہر قیمت پر انتقام لیں۔

اسلام نے دوسری خرافات کی طرح اس توہم پرستی کی بھی بیخ کنی کر دی، اور اہل عرب کو اس ناسور سے شفا بخشی جس سے ہر وقت خون رستا رہتا تھا اور قیامت برپا کرتا رہتا تھا۔

مقتول کی دیت :۔

عربوں کے ہاں مقتول کی دیت عام طور پر ایک سو اونٹ ہوا کرتی۔ قاتل پوری دیت کو ساتھ لے کر اور اپنی قوم کے معززین کی جماعت کی ہمراہی میں مقتول کے وارثوں کے پاس جاتا اور ان سے دیت قبول کرنے اور قتل معاف کرنے کی درخواست کرتا، اگر مقتول کے ورثاء طاقتور ہوتے تو دیت کو مسترد کر دیتے اور قصاص لینے پر اصرار کرتے اور اگر وہ اتنے طاقتور نہ ہوتے کہ قاتل کے قبیلہ کا مقابلہ

کر سکیں تو پھر اپنا پردہ رکھنے کے لیے وہ یہ کہتے کہ ہم خود تو اپنے مقتول کو ان سو اونٹوں کے بدلے میں فروخت نہیں کر سکتے، البتہ اگر اللہ تعالیٰ یہ فیصلہ فرمادے تو پھر ہم دیت لے لیں گے اور قصاص سے دست کش ہو جائیں گے۔ اس بارے میں اللہ تعالیٰ کی رائے معلوم کرنے کی صورت یہ تھی کہ کمان میں تیر رکھ کر آسمان کی طرف پھینکا جاتا اگر وہ خون سے آلودہ ہو کر واپس آتا تو وہ کہتے کہ اللہ تعالیٰ نے دیت لینے کی اجازت نہیں دی، بلکہ قصاص لینے کا حکم دیا ہے اس لیے ہم مجبور ہیں اور اگر واپس آنے والا تیر خون سے آلودہ نہ ہوتا تو کہتے کہ اللہ تعالیٰ نے دیت لینے کے بارے میں فیصلہ کر دیا۔ یہ فیصلہ محض عوام کو خاموش کرنے کے لیے کیا جاتا ورنہ کبھی بھی ایسا نہیں ہوا کہ تیر پھینکا گیا ہو اور وہ خون سے رنگین ہو کر واپس آیا ہو۔

عام لوگوں کی دیت کے بارے میں تو یہ مقدار مقرر تھی لیکن اگر مقتول کوئی بادشاہ یا رئیس قوم ہوتا تو اس کی دیت ایک سو اونٹ کی بجائے ایک ہزار اونٹ لی جاتی۔ بادشاہ اور رئیس قبیلہ کو اس معاشرہ میں جو خصوصی امتیازات حاصل تھے ان میں سے یہ امتیاز بھی تھا۔

اسلام نے شاہ و گدا کے درمیان اس باطل امتیاز کو بھی ختم کر دیا اور غریب و امیر سب کی دیت ایک سو اونٹ مقرر کر دی۔

معاقرہ

عربوں میں ایک رسم یہ بھی تھی کہ دو آدمی باہم مقابلہ کرتے ایک آدمی چند اونٹ ذبح کرتا، دوسرا آدمی اس سے زیادہ اونٹ ذبح کر دیتا، پھر پہلا آدمی اس سے بھی زیادہ ذبح کرتا، دوسرا آدمی اونٹوں کی تعداد میں مزید اضافہ کر کے انھیں کاٹ ڈالتا۔ جو آدمی اپنے مدمقابل سے زیادہ اونٹ ذبح کرنے سے عاجز آ جاتا اسے شکست خوردہ تصور کیا جاتا اور پہلے کو غالب اور فاتح شمار کیا جاتا۔ یہ ایک ایسی قبیح رسم تھی جس سے

بے ضرورت بے دریغ اونٹوں کو تلف کر دیا جاتا۔ اس میں اسراف بھی تھا اور جانوروں کا ضیاع بھی، لیکن وہ لوگ عہد جاہلیت میں اس امر میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے کے لیے اپنے سینکڑوں اونٹ ضائع کر دیتے اور اس کو وجہ فخر و مباہات سمجھتے۔

چراگاہوں پر اجارہ داری

آپ کو معلوم ہے کہ عرب کے بادیہ نشیں قبائل کا ذریعۂ معاش ریوڑ پالنا تھا وہ چشموں اور چراگاہوں کی تلاش میں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتے رہتے، جہاں ان کی بھیڑ بکریوں کے لیے پینے کا پانی اور چرنے کے لیے گھاس بآسانی دستیاب ہوتا، اس پر ان کی معاشی خوشحالی کا دار و مدار تھا لیکن اس سلسلہ میں بھی طاقتور رؤسا ایسی حرکتیں کرتے تھے جن سے عوام الناس کو بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ جہاں بھی کسی قبیلہ کا کوئی طاقتور سردار پہنچتا تو وہ اپنا ایک کتا اونچی جگہ پر کھڑا کرتا، اور اس کو بھونکاتا اور جہاں جہاں تک اس کے کتے کے بھونکنے کی آواز پہنچتی وہاں تک وہ چراگاہ اس ایک شخص کی مقبوضہ بن جاتی، اس کے ریوڑ کے علاوہ کسی اور کا ریوڑ ادھر کا رخ نہ کر سکتا، نہ اس محدود علاقہ کے چشموں سے کوئی پانی پی سکتا، یہ ایک صریح ظلم تھا۔ بسا اوقات عوام جب گوناگوں صعوبتوں سے دوچار ہوتے تو تنگ آمد بجنگ آمد کے قاعدوں کے مطابق اس ظالم سردار کو قتل کرنے سے بھی دریغ نہ کرتے۔

عرب میں شادی بیاہ کے طریقے

شریف قبائل میں تو شادی بیاہ کا یہی طریقہ تھا جس کو اسلام نے بھی جائز قرار دیا کہ لڑکے کے ورثاء لڑکی کے پاس جاتے اور ان سے رشتہ کی درخواست کرتے اور اگر وہ ان کی اس درخواست کو قبول کرتے تو لڑکے کے رشتہ دار ازحد ممنون و شکرگزار ہوتے۔ لڑکی کا مہر مقرر کیا جاتا، مجلس نکاح منعقد ہوتی اور لڑکی کے والدین نیک تمناؤں کے ساتھ اپنی لڑکی کو رخصت کرتے۔

لیکن اس نکاح کے علاوہ رشتۂ زوجیت کے انعقاد کے اور بھی متعدد طریقے رائج تھے، جن کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ کفر وشرک کی آلودگیوں نے ان کے جذبۂ غیرت وحمیت کا کس طرح گلا گھونٹ دیا تھا اور وہ لوگ کیوں کر ایسی رسموں کو کھلے دل سے برداشت کرتے تھے۔ نہ ان کا ضمیر ان کو اس بے غیرتی پر ملامت کرتا تھا اور نہ اس معاشرہ میں ان کے خلاف ردعمل کی کوئی لہر اٹھتی تھی۔ اس کی مختلف صورتیں تھیں۔

(۱) منکوحہ عورت جب ایام حیض سے فارغ ہوتی تو اس کا خاوند کسی شجاع یا سخی آدمی کی طرف اس کو بھیجتا اور اس کو اجازت دیتا کہ اس کے ساتھ ہم بستری کرے اور اس سے اس کا مقصد یہ ہوتا کہ ایک نامور آدمی کے نطفہ سے اس کی بیوی کے شکم سے جو بچہ پیدا ہوگا وہ بھی نامور ہوگا، اور اس کو ایک نامور بیٹے کا باپ بننے کا اعزاز حاصل ہو جائے گا۔ گو کہ یہ صورت درحقیقت نکاح کی نہیں، لیکن اہل عرب اس کو نکاح سے تعبیر کرتے تھے۔

(۲) دوسرا طریقہ یہ تھا کہ آٹھ نو آدمی ایک عورت کے پاس اکٹھے ہوتے اور اس کی رضا سے اس کے ساتھ مقاربت کرتے۔ اگر اس مقاربت سے حمل ٹھہر جاتا تو جب بچہ پیدا ہوتا تو چند روز بعد ان آٹھ نو آدمیوں کو وہ عورت بلا بھیجتی تھی۔ ان میں سے کسی کی مجال نہ ہوتی کہ وہ آنے سے انکار کرے۔ جب وہ اس کے پاس اکٹھے ہو جاتے تو وہ کہتی کہ جو کچھ تم نے کیا اسے تم جانتے ہی ہو۔ اس فعل سے میرے ہاں بچہ پیدا ہوا ہے۔ پھر ان میں سے جس کا نام چاہتی لے کر کہتی کہ یہ تیرا بچہ ہے۔ اس آدمی کی مجال نہ ہوتی کہ وہ انکار کرے۔ اس بچے کو اس آدمی کی نسل سے ملحق کر دیا جاتا۔ یہ اس وقت ہوتا، جب پیدا ہونے والا بیٹا ہوتا۔ اور اگر بیٹی پیدا ہوتی تو پھر وہ نہ ان کو بلاتی نہ کسی کی طرف اس کی نسبت کرتی، کیوں کہ اسے علم ہوتا کہ اہل عرب بچیوں کو ازحد ناپسند کرتے ہیں اور بعض اپنی جائز بچیوں کو زندہ درگور کرنے سے باز نہیں

آتے، ایسے معاشرہ میں ایک ناجائز بچی کا بوجھ اٹھانے کے لیے کون تیار ہوگا، اس لیے وہ خاموش رہتی۔

(۳) ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ بدکار عورتیں اپنے مکانوں کے اوپر جھنڈے لہراتیں، ہر شخص کے لیے روز و شب ان کے دروازے کھلے رہتے اور بدکاری کا کاروبار جاری رہتا، اگر کوئی بچہ پیدا ہوتا تو پھر قیافہ شناس کو بلایا جاتا اور جس کی طرف وہ اس کے نسب کی نسبت کر دیتا، اس کا وہ فرزند قرار پاتا۔

(۴) پوشیدہ نکاح : ایسی بدکاری جو لوگوں کی آنکھوں سے اوجھل ہو وہ بری نہیں سمجھی جاتی تھی، لیکن ایسی بدکاری جس کا عام چرچا ہو اور کھلم کھلا ہو اس کو عیب اور کمینگی سمجھا جاتا تھا۔

(۵) نکاح متعہ : اس کا بھی عام رواج تھا۔ اس میں گواہوں کے بغیر عورت اور مرد مقررہ وقت کے لیے معینہ مال کے عوض بیاہ کر لیتے تھے اور میاں بیوی کی حیثیت سے زندگی بسر کرتے تھے۔

(۶) نکاح بدل : ان کے ہاں ازدواج کا یہ حیا سوز طریقہ بھی تھا کہ دو مرد آپس میں یہ طے کر لیتے۔ ایک دوسرے کو کہتا کہ تو اپنی عورت کو میرے پاس بھیج دے میں اپنی بیوی کو تمھارے پاس بھیج دوں گا۔

(۷) نکاح شغار : ایک آدمی اپنی لڑکی کا بیاہ کسی مرد کے ساتھ کر دیتا، اس شرط پر کہ وہ مرد اپنی بیٹی یا بہن اس کے نکاح میں دے دے گا اور دونوں اپنی بیویوں کو مہر وغیرہ ادا نہیں کریں گے۔

یہ چند وہ طریقے تھے جو ان میں مروج تھے اور جس پر کسی کو کوئی بھی متہم نہیں کرتا تھا۔

بچیوں کو زندہ در گور کرنا

ایک انتہائی ظالمانہ اور سنگ دلانہ رسم عربوں میں رائج تھی اور جس کو باعث عزو شرف سمجھا جاتا تھا، وہ ''وأد البنات'' کی رسم تھی یعنی جب کسی کے ہاں بچی پیدا ہوتی تو ان کے ہاں صف ماتم بچھ جاتی، اور جب وہ چند سال کی ہو جاتی تو باپ اس کو بہترین کپڑے پہناتا، مزین و آراستہ کر کے جنگل میں لے جاتا، اپنے ہاتھوں سے ایک گہرا گڑھا کھودتا پھر اس میں دھکا دے کر اس بچی کو پھینک دیتا اور اس پر مٹی ڈال کر اس گڑھے کو بھر دیتا، وہ بے چاری چیختی چلاتی رہ جاتی، لیکن اس سنگدل و سفاک باپ پر ذرا اثر نہ ہوتا۔

بیٹیوں کو زندہ در گور کرنے کی یہ قبیح رسم تقریباً عرب کے تمام قبائل مین کم و بیش رائج تھی، لیکن بنو تمیم میں اس کا رواج بہت زیادہ تھا۔

اس رسم کی وجوہ مختلف لوگوں نے مختلف بیان کی ہیں۔

بنو تمیم، کندہ اور چند دوسرے قبائل تو اس وجہ سے بچیوں کو زندہ در گور کر دیتے کہ مبادا ان کی کسی نازیبا حرکت کی وجہ سے ان کا خاندان بدنام ہو۔

المیدانی نے اس کا سبب یہ بیان کیا ہے کہ بنو تمیم پر حیرہ کے بادشاہ نے ٹیکس لگایا ہوا تھا، لیکن انھوں نے اس کو ادا کرنے سے انکار کر دیا۔ حیرہ کے بادشاہ نعمان نے اپنے بھائی ریان کو بھیجا اور اس کے ساتھ ایک خاص فوجی دستہ بھی روانہ کیا، جسے ''دوسر'' کہا جاتا۔ ان میں سپاہیوں کی اکثریت بکر بن وائل قبیلہ سے تعلق رکھتی تھی۔ اس نے بنو تمیم پر حملہ کیا، ان کے مویشیوں کو پکڑ لیا اور ان کی اولاد کو جنگی قیدی بنا کر حیرہ لے آئے اور عورتوں کو بھی باندیاں بنا لیں۔

بنو تمیم نے نعمان بن منذر کی خدمت میں ایک وفد روانہ کیا تا کہ اپنے جنگی قیدیوں اور عورتوں کو

آزاد کرانے کے لیے اس سے مذاکرات کرے۔ نعمان نے فیصلہ کیا کہ عورتوں کے معاملہ میں ہم عورتوں کو اختیار دیتے ہیں، وہ چاہیں تو اپنے سابقہ خاوندوں کے پاس لوٹ آئیں اور چاہیں تو جن سپاہیوں میں ان کو تقسیم کیا گیا ہے ان کے پاس رہیں۔ ان میں سے ایک عورت قیس بن عاصم کی بیٹی تھی، اس سے جب پوچھا گیا تو اس نے اپنے پہلے خاوند کے پاس جانے سے انکار کر دیا کہ وہ اپنے موجودہ شوہر کے پاس رہے گی۔ اس وقت قیس بن عاصم نے نذر مانی کہ اگر اس کے ہاں اب کوئی بچی پیدا ہوئی تو وہ اس کو زمین میں زندہ دفن کر دے گا۔ اس کے یہاں بارہ تیرہ لڑکیاں پیدا ہوئیں اس نے اپنی نذر کے مطابق ان سب کو درگور کر دیا۔

اسی قسم کا واقعہ بنی ربیعہ میں بھی پیش آیا۔ اس کے سردار کی بیٹی نے اپنے باپ کے پاس آنے کی بجائے اپنے فاتح کے پاس رہنے کو پسند کیا۔ اس طرح اس قبیلہ میں بھی وأد البنات کا رواج جڑ پکڑ گیا۔ وہ اس بات کو پسند نہیں کرتے تھے کہ ان کی بیویاں یا ان کی بیٹیاں کوئی ایسی حرکت کریں جس سے ان کے خاندان کی عزت و ناموس داغ دار ہو جائے اور یہ کلنک کا ٹیکہ سارے عرب میں ان کو ذلیل و رسوا کرنے کا باعث بنے۔

یہی جذبۂ غیرت تھا، جس نے اس ظلم و درندگی کو صحرائے عرب کے قبائل میں پذیرائی بخشی اور لوگ اپنے جگر کے ٹکڑوں کو زندہ درگور کرتے اور اسے اپنے لیے فخر و مباہات کا باعث سمجھنے لگے۔

بچیوں کو زندہ درگور کرنے کی دوسری وجہ یہ تھی کہ اگر کسی بچی کی آنکھیں نیلی ہوتیں یا اس کا رنگ سیاہ ہوتا، یا اس پر برص کے سفید داغ ہوتے، یا وہ لنگڑی یا لولی ہوتی تو ایسی بچیوں کو بھی وہ کنواں کھود کر اس میں پھینک دیتے اور مٹی ڈال کر اس کو جیتے جی موت کی آغوش میں سلا دیا جاتا۔ پہلے پہل تو صرف ایسی ہی معیوب لڑکیوں کو زندہ درگور کیا جاتا تھا لیکن یہ عمل رفتہ رفتہ صحیح سالم بچیوں میں دہرایا جانے لگا اور باضابطہ اس کا رواج پڑ گیا۔

اسلام نے اس ظالمانہ رسم بد کی مخالفت کی، اور بچیوں کی پیدائش و پرورش پر ثواب و جنت کا مژدہ دیا، اور لوگ جوں جوں اسلام اور نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قریب آتے گئے، مراسم جاہلیت سے بیزاری بڑھتی گئی اور اسلام کے دامن رحمت میں لوگ عافیت محسوس کرنے لگے۔ جو لوگ اسلام سے پہلے مجسم خداؤں کے سامنے سر ٹیکا کرتے تھے وہ خدائے واحد کے پرستار بن گئے، جو فسق و فجور اور عصیاں شعاری میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا کرتے تھے وہ قوم کے ہادی و رہبر بن گئے اور عرب کا ریگزار بارش رحمت سے لالہ زار بن گیا۔ (سیرت الرسول)

کعبہ معظّمہ اور اس کے معمار

تم آئے چھٹی بازی، رونق ہوئی پھر تازی
کعبہ ہوا پھر کعبہ، کر ڈالا تھا بت خانہ

(از: حضور مفتی اعظم ہند)

وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا

اور جب اٹھاتا تھا ابراہیم اس گھر کی نیویں اور اسماعیل یہ کہتے ہوئے اے رب ہمارے ہم سے قبول فرما۔

(القرآن)

کعبہ معظمہ اور اس کے معمار

اللہ تعالیٰ جو بدیع السماوات والارض ہے، جو بیدہ الملک و ھو علی کل شی قدیر کی شان والا ہے، جس کی وحدانیت اور صمدیت کا علم عرش وفرش پر لہرا رہا ہے۔ کشمیر کی گل بداماں وادیاں، شام کے سرسبز وشاداب میدان وکوہسار، یورپ کے لالہ زار ومرغ زار جس کے اپنے بنائے ہوئے ہیں، اس نے اپنے گھر کی تعمیر کے لیے جس خطہ کو پسند فرمایا وہ حجاز کی ایک وادی غیر ذی زرع تھی۔ اجاڑ، سنسان، جہاں نہ پانی تھا نہ آبادی تھی جہاں ایک ایسا سلسلہ کوہ تھا جس کی سیاہی مائل پہاڑیاں روئیدگی کی قوت سے یکسر محروم تھیں، درختوں، جھاڑیوں کا کیا ذکر۔ وہاں معمولی گھاس کا تنکا بھی اگا ہوا نظر نہ آتا تھا۔ جن کی سخت پتھریلی چٹانوں سے پانی کا کوئی چشمہ نہیں ابلتا تھا۔ اس وادی کے اردگرد سینکڑوں میلوں تک لق ودق صحرا اور ریگستان پھیلے ہوئے تھے۔ انسانی آبادی کا دور دور تک کہیں نام ونشان تک نہ تھا۔

ایسے خطہ کو اپنے گھر کے لیے منتخب فرما کر اللہ تعالیٰ نے اپنی اس عظیم شان یختص برحمته من یشاء کا اظہار فرمایا۔ یعنی وہ جس کو چاہتا ہے اپنی خصوصی رحمتوں سے سرفراز فرما دیتا ہے۔ اور جب وہ کسی خطہ کو اپنی نگاہ کرم سے نوازتا ہے تو وہی خطہ رشک صد فردوس بن جایا کرتا ہے، سارے جہاں کی رونقیں اور زندگی کی ساری رعنائیاں سمٹ کر وہاں جمع ہو جاتی ہیں۔ اس علاقہ کو ایسی بے پایاں مقناطیسی کشش بخش دی جاتی ہے کہ شرق وغرب میں بسنے والے ارباب قلوب سلیمہ کھنچے چلے آتے ہیں اور دیکھنے والے اس ایمان پرور منظر کو دیکھتے ہیں اور حیرت سے دیکھتے رہ جاتے ہیں۔

معمار کعبہ

اس وادی غیر ذی زرع میں اپنے گھر کی تعمیر کا لازوال شرف جس ہستی کو ارزانی فرمایا، اس کے انتخاب کا انداز بھی نرالا ہے۔ حجاز کے ریگ زار میں پہلے سے آباد صحرانورد اور خانہ بدوش قبائل میں سے کسی

کو یہ اعزاز نہیں بخشا۔ اس علاقہ کے گرد و نواح میں کئی مملکتیں قائم تھیں جن کے تاجداروں کی سطوت سے زمین کانپتی تھی، ان کی دولت و ثروت کا اندازہ لگانا مشکل تھا۔ ان میں سے بھی کسی تاجدار کو یا وہاں کے کسی رئیس اعظم کو یہ شرف عطا نہیں کیا، بلکہ اس عہد کی ایک کفر والحاد اور فسق و فجور میں غرق مملکت بابل و نینوا میں بسنے والے ایک خاندان کے ایک فرد سے یہ خدمت لی۔ اس زمانہ میں اس ملک کا بادشاہ نمرود تھا، جو نہ صرف بے اندازہ خزانوں کا مالک تھا، نہ صرف یہ کہ وہ مادی لحاظ سے ایک ترقی یافتہ سلطنت کا مطلق العنان حکمراں تھا، بلکہ وہ خود بھی اپنے آپ کو خدا سمجھتا تھا۔ اور اس کی رعایا بھی برضا و رغبت اس کو اپنا معبود یقین کرتی تھی اور آب و گل سے بنے ہوئے اپنے جیسے انسان کو سجدہ کرنے میں کوئی قباحت محسوس نہیں کرتی تھی۔ کسی کی مجال نہ تھی کہ اس کی خدائی کا انکار کرے یا اس کی جہالت و حماقت کے سامنے دم مار سکے۔

ایسے بادشاہ کے عہد حکومت میں مادیت پرستی کے اس ہوش ربا ماحول میں سکونت پذیر خاندان کے ایک فرد کو اللہ تعالیٰ نے چنا، فطرت سلیمہ کی نعمت سے اسے نوازا، اس کے قلب و ذہن کو علم لدنیہ کی روشنی سے منور کیا، یقین کی دولت سے اس کو مالا مال کیا، جرأت و شجاعت کی صفت جلیلہ سے اس کو متصف فرمایا۔ وہ جواں مرد اور عالی ہمت ایک روز جب کہ اس کی قوم قومی میلہ کے سلسلے میں رنگ رلیاں منا رہی تھی، لا الہ الا اللہ کی گرز باطل شکن لے کر ان کے بڑے صنم کدہ میں داخل ہوا۔ بت پرستی کے بطلان اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے برحق ہونے پر ایک ایسی برہان قاطع قائم کر دی جس کے رعب و جلال نے جھوٹے خداؤں کے پجاریوں کے حواس باختہ کر دیے، ان کی زبانیں گنگ ہو گئیں اور ان کی دقیقہ سنج عقلیں بے بس ہو کر رہ گئیں۔ اس مرد خود آگاہ کا نام "ابراہیم" ہے جو "خلیل الرحمٰن" کے ذی شان لقب سے معروف ہوئے۔ اللہ تعالیٰ جو عزیز بھی ہے اور حکیم بھی، اس نے ایسے حالات پیدا کر دیے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کو اس کفر گڑھ سے ہجرت کرنا پڑی اور اپنے لطف و کرم سے انھیں حجاز کی اجاڑ اور سنسان وادی میں پہنچایا، پھر ان کو اور ان کے جواں سال فرزند دل بند حضرت اسماعیل کو اپنا گھر تعمیر کرنے کا ابدی اعزاز بخشا، تا کہ جب

تک یہ جہاں قائم رہے، رشد و ہدایت کے انوار یہاں سے پھوٹتے رہیں اور تاریک دلوں کو روشن کرتے رہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام

علامہ ابن جریر طبری نے حضرت سیدنا ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کا نسب نامہ یوں تحریر کیا ہے۔

ابراہیم بن تارخ بن ناحور بن ساروغ بن ارغوابن فالغ بن عابر بن شالخ بن قینان بن ارفخشد بن سام بن نوح علیہما الصلاۃ والسلام۔

آپ کے مقام ولادت کے بارے میں مورخین میں اختلاف ہے۔بعض علماء تاریخ نے بابل کو، بعض نے سوس کو، جوصوبہ اہواز کا ایک شہر ہے۔بعض نے کوثی اور بعض نے اُور کو، جوکوفہ اور بصرہ کے درمیانی علاقہ میں ایک شہر تھا، آپ کا مقام ولادت بتایا ہے۔جس زمانہ میں آپ کی ولادت باسعادت ہوئی اس وقت بابل کے وسیع وعریض سلطنت کا بادشاہ نمرود تھا۔

علامہ ابن خلدون رومی مورخ ہیوردشیوش کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ

نمرود کو نمرود جسیم بھی کہا جاتا ہے، کیوں کہ قد وقامت اور تن وتوش میں بہت بھاری بھرکم تھا۔

مشرکانہ عقائد سے متعفن ماحول میں ایک جابر اور ظالم حکمراں کے دور میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کو پیدا فرمایا اور انھیں ایسا ذہن رسا مرحمت فرمایا جس نے آپ کے گم کردہ راہ اہل وطن کے جھوٹے معبودوں کا طلسم توڑ دیا۔جب پہلی دفعہ چمکتا ستارہ نظر آیا تو آپ نے اپنے دل سے پوچھا، کیا یہ میرا خالق ہے؟ جب وہ ڈوب گیا تو آپ اپنے فہم خداداد سے اس حقیقت کو فوراً پا گئے کہ جو ڈوب جایا کرتا ہے وہ خداوند برحق نہیں ہوا کرتا۔پھر چودھویں کا چاند نظر آیا جس کی ضوفشانیوں سے سارا عالم منور ہورہا تھا تو آپ نے اپنے آپ سے استفسار کیا، کیا یہ میرا رب ہے؟ لیکن جب وہ بھی غروب ہوگیا تو اس

راز کو پانے میں انھیں ذرا دیر نہ لگی کہ جو غروب ہو جائے جسے خود قرار نصیب نہ ہو وہ کائنات کا خالق و مالک نہیں ہوسکتا۔ پھر آفتاب عالم تاب کی روشن کرنوں نے آپ کے دامن توجہ کو اپنی طرف کھینچا تو اس کے بارے میں اپنے دل سے سوال کیا کہ یہ تو پہلے دونوں سے بڑا بھی ہے اور روشن تر بھی، کیا یہ میرا رب ہے؟ لیکن جب چند گھنٹے اپنی ضیاء پاشیوں کی بہار دکھانے کے بعد وہ بھی افق کے اندھیروں میں گم ہو گیا تو آپ نے پورے یقین سے اس کی خدائی کا انکار کر دیا۔

قال یقوم انی بری مما تشر کون .

آپ نے فرمایا اے میری قوم! میں بیزار ہوں ان چیزوں سے جنھیں تم شریک ٹھہراتے ہو۔

میرا خدا تو وہ ہے، جو ان تمام انوار کے سرچشموں کو پیدا کرنے والا اور ان کو ردائے نور پہنانے والا ہے۔

دوسرے آمروں کی طرح اپنی رعایا کے رزق کے جملہ وسائل کو نمرود بھی اپنے قبضہ میں لیے ہوئے تھا۔ جو اس سے رزق کی بھیک مانگتا تو پہلے وہ اس سے اپنی خدائی کا اقرار کراتا تب اس کو مٹھی بھر غلہ دیتا۔

نمرود سے مکالمہ

علامہ ابن جریر طبری زید بن اسلم سے نقل کرتے ہیں۔

دنیا میں سب سے پہلا جابر نمرود تھا۔ لوگ اس کے پاس حاضر ہوتے، وہ ان کے کاسۂ گدائی میں کچھ ڈال دیتا، ایک روز ایسے لوگوں کی معیت میں حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام بھی تشریف لائے جو ابھی نوخیز جوان تھے۔ جب روزی کے طلبگار جھولیاں پھیلائے اس کے سامنے حاضر ہوئے تو اس نے پوچھا:

من ربکم تمہارا پروردگار کون ہے ؟

قالوا انت تو وہ کہتے کہ "تو"

حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی باری پر اس کے سامنے آئے تو اس نے آپ سے بھی یہی سوال پوچھا کہ :

من ربک تیرا رب کون ہے؟

آپ نے برملا جواب دیا :

ربی الذی یحیی و یمیت .

میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا اور مارتا ہے۔

قال انا احیی و امیت .

نمرود نے کہا: یہ میری صفت ہے۔جس کو میں چاہتا ہوں زندہ چھوڑ دیتا ہوں اور جس کو چاہوں موت کی نیند سلا دیتا ہوں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا :

فان اللہ یاتی بالشمس من المشرق فات بھا من المغرب .

کہ میرا خدا سورج کو مشرق سے طلوع کرتا ہے، تو اسے مغرب کی طرف سے طلوع کر۔

فبہت الذی کفر

تو کافر مبہوت ہو کر رہ گیا

اس مکالمہ کے بعد اس نے حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کو واپس کر دیا۔ آپ واپس گھر لوٹے تو مٹی کے ایک ڈھیر کے پاس سے آپ کا گزر ہوا، آپ نے اپنی چادر میں اس ڈھیر سے کچھ مٹی باندھ لی تاکہ چادر میں کچھ بندھا ہوا دیکھ کر گھر والوں کو اطمینان ہو جائے، آپ نے گٹھری رکھی اور سو گئے۔ آپ کی اہلیہ نے اسے کھولا، اس میں مٹی نہیں تھی بلکہ بہترین قسم کی گندم تھی۔ اسے پیسا، روٹی پکائی۔ آپ جاگے تو روٹی پیش کی۔ آپ اسے دیکھ کر اپنے رب کی قدرت اور اس کی عنایت پر اس کا شکر ادا کرنے لگے۔

بت نہیں بولتے

حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام اپنی قوم کو بہتیرا سمجھاتے کہ ان بے بس اور بے اختیار بتوں کو چھوڑ دو اور اس کی عبادت کرو جو معبود حقیقی ہے، لیکن آپ کی باتیں ان کی سمجھ سے بالاتر تھیں، وہ انھیں سمجھ نہ سکتے اور اپنی ضد پر اڑے رہتے۔ آپ نے ان کے بتوں کی بے بسی کو آشکارا کرنے کے لیے ایک ایسا طریقہ اختیار کیا جس نے ان سب کی آنکھوں سے پردہ اٹھا دیا۔

ایک دفعہ ان کا قومی جشن تھا۔ بڑے صنم کدہ کو بڑی شان و شوکت سے سجایا گیا تھا۔ چھوٹے بڑے بتوں کے سامنے لذیذ اور تازہ مٹھائیوں کے تھال بھر کر رکھ دیے گئے تھے۔ ساری قوم داد عیش دینے کے لیے شہر سے باہر کسی کھلے میدان میں جمع ہو گئی تھی بت کدہ اپنے پجاریوں اور پروہتوں سے خالی ہو گیا۔ توحید الٰہی کا سب سے بڑا علمبردار ہر قسم کے خوف و ہراس سے اپنے دل کو پاک کر کے اپنے خالق و مالک کی تائید و نصرت پر بھروسہ کیے ہوئے بتوں کی خدائی کا جنازہ نکالنے اور ان پر ضرب کاری لگانے کے لیے بت کدہ میں داخل ہوا۔ ایک وزنی اور تیز کلہاڑا ان کے ہاتھ میں تھا۔ ان جھوٹے خداؤں پر آپ حقارت بھری نظر ڈالتے ہیں کسی کا کان، کسی کی ناک، کسی کا بازو، اور کسی کی ٹانگ کاٹتے چلے جاتے ہیں، آخر میں ان کے سامنے رکھی ہوئی مٹھائیوں کے تھال اٹھا کر بڑے بت کے سامنے رکھ دیتے ہیں، اور کلہاڑا اس کے کندھے

پرسجا دیتے ہیں، اپنا کام مکمل کرنے کے بعد واپس تشریف لاتے ہیں، اور کفر کی طاغوتی قوتوں کے ردعمل کا سامنا کرنے کے لیے قوم کی واپسی کا انتظار کرنے لگتے ہیں۔

شام کو جب بت کدے کے خدمت گار اور پروہت واپس آتے ہیں، اور اندر داخل ہوتے ہیں تو اپنے بتوں کی یہ حالت دیکھ کر ان پر سکتہ کا عالم طاری ہو جاتا ہے۔ یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح چشم زدن میں سارے شہر میں پھیل جاتی ہے۔ ایک حشر بپا ہو جاتا ہے۔ اپنے خداؤں کی یہ درگت دیکھ کر ان کے حواس باختہ ہو جاتے ہیں، مجرم کی تلاش شروع ہو جاتی ہے۔ حضرت ابراہیم اور ان کے نظریات سے کون واقف نہ تھا فوراً اذہان ان کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں۔

من فعل هذا بالهتنا انه من الظلمين .

ہمارے بتوں کے ساتھ یہ کس نے کیا ہے؟ بے شک! وہ بہت بڑا ظالم ہے۔

قالوا سمعنا فتى يذكرهم يقال له ابراهيم .

کہنے لگے: ہم نے ایک جوان کے بارے میں سنا ہے کہ وہ ان کا ذکر کرتا رہتا ہے اور اس کا نام ابراہیم ہے۔

نمرود اور اس کے اعیان مملکت کو بھی اس حادثہ فاجعہ کی اطلاع مل جاتی ہے۔ شاہی فرمان جاری ہوتا ہے۔

فاتوا به على اعين الناس لعلهم يشهدون

کہنے لگے: پھر پکڑ لاؤ اسے سب لوگوں کے روبرو، شاید وہ اس کے متعلق کوئی شہادت دیں۔

آپ کو پکڑ کر لایا جاتا اور پوچھا جاتا ہے۔

أ أنت فعلت هذا بالهتنا يا ابراهيم

کیا ہمارے خداؤں کے ساتھ اے ابراہیم تو نے یہ حرکت کی ہے؟

آپ نے فرمایا: اے عقل کے اندھو! مجھ سے کیا پوچھتے ہو؟ کیا تم دیکھتے نہیں سارے مٹھائی کے تھال بڑے بت نے ان کے سامنے سے اٹھا کر ان پر خود قبضہ کر لیا ہے۔ کلہاڑا، جو آلۂ جرم ہے اس کے کندھے پر اب بھی موجود ہے۔ اسی نے ان کی یہ درگت بنائی ہوگی۔ مجھ سے کیا پوچھتے ہو، اس سے پوچھو، وہ اگر حقیقت سے پردہ اٹھا سکتا ہے تو اٹھا دے گا۔

بل فعله كبيرهم کے جواب کی کاٹ اس کلہاڑے کی ضرب سے بھی زیادہ ان کے لیے جان لیوا ثابت ہوئی۔ کچھ دیر دم بخود ایک دوسرے کا منہ دیکھتے رہے۔

ثم نكسوا على رؤسهم آخر کار یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئے۔

لقد علمت ما هو لاء ينطقون .

اے ابراہیم! آپ جانتے ہیں کہ یہ نہیں بول سکتے۔

آتش کدہ یا گل کدہ

ان کے یہاں اگر بت پرستی عقیدہ کا مسئلہ ہی ہوتا تو اس روز کے بعد شاید ان میں سے کوئی ایک بھی ان بتوں کو خدا ماننے کے لیے تیار نہ ہوتا، لیکن یہاں نمرود کے سیاسی مفاد پر زد پڑ رہی تھی، اس کا تخت شاہی ڈوبنے لگا تھا، اس نے فوراً اپنے آمرانہ اختیارات کو بروئے کار لاتے ہوئے آتش کدہ بھڑکانے کا حکم دیا حکم شاہی کی تعمیل کی گئی آپ کی مشکیں کس دی گئیں یا آپ کو منجنیق میں باندھ کر آتش کدے میں پھینکنے کے منصوبے کو آخری شکل دی جانے لگی۔ عالم بالا میں شور مچ گیا، فرشتوں نے عرض کی: الٰہی! اے قادر مطلق!

کیا تیرے اس بندے کو یوں بھڑکتے شعلوں کی نذر کر دیا جائے گا؟ کیا توحید کا یہ چراغ بھی گل ہو جائے گا؟ اللہ تعالیٰ کے اذن سے حضرت جبریل بارگاہ خلیل میں حاضر ہوئے اور اپنی خدمات پیش کیں، آپ نے بڑی بے نیازی سے جواب دیا۔

اما الیک فلا .

مجھے تیری امداد کی ضرورت نہیں۔

پھر عرض کیا: اپنے رب سے دعا ہی مانگو، فرمایا:

کفانی علمه بحالی من سوالی .

جب وہ میرے حالات کو جانتا ہے تو پھر سوال کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

جب آپ کو آتش کدہ میں ڈال دیا گیا تو اب وہاں آگ کے سرخ انگارے نہیں بلکہ گلاب کے پھولوں کے ڈھیر لگ رہے تھے۔ بھسم کرنے والے شعلے نسیم صبح بہار میں تبدیل ہو گئے۔

اتنے بڑے معجزے کو دیکھنے کے باوجود نمرود ایمان نہ لایا، بلکہ آپ کی اذیت رسانی میں اضافہ کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو ایک حقیر مچھر کے ذریعہ ہلاک کر دیا۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام

کعبہ مقدسہ کی تعمیر سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام فرمان الٰہی کی تعمیل کرتے ہوئے شیر خوار بچے اسماعیل اور ان کی والدہ حضرت ہاجرہ کو یہاں لے آئے، جہاں اب حرم ہے انھیں ایک مشک پانی اور چند سیر کھجوریں دے کر واپس جانے لگے تو ام اسماعیل نے پوچھا:

الی من تکلنا: کہ آپ ہمیں کس کے سپرد کر کے جا رہے ہیں؟

حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے جواب دیا :

الی اللہ : میں تمھیں اللہ تعالیٰ کے سپرد کر کے جارہا ہوں۔

یہ جواب سن کر آپ کی پریشانی جاتی رہی اور بڑے اطمینان سے فرمایا:

اذا لا یضیعنا : تب وہ ہمیں ضائع نہیں ہونے دے گا۔

چند روز کے بعد پانی کا مشکیزہ اور کھجوریں ختم ہوگئیں۔ پیاس کی شدت اور بھوک سے ننھے اسماعیل تڑپنے لگے۔ بے چینی کے عالم میں حضرت ہاجرہ کوہ صفا پر گئیں، دور دور تک نظر دوڑائی کہ شاید کسی آبادی کا سراغ لگ جائے، یا کوئی کارواں گزرتا ہوا نظر آئے۔ جب مایوس ہوئیں تو مروہ کی پہاڑی کی جانب چل پڑیں تا کہ اس پر چڑھ کر ادھر ادھر دیکھیں۔ اس طرح سات چکر لگائے۔ درمیان میں نشیب تھا وہاں پہنچتیں تو دوڑ کر اسے طے کرتیں، مبادا کوئی چیز آپ کے لخت جگر کو گزند نہ پہنچائے۔ آخری مرتبہ دیکھا کہ جہاں بچہ بلک رہا ہے اور ایڑیاں رگڑ رہا ہے، وہاں پانی ابلنے لگا ہے۔ دوڑ کر اس ابلتے ہوئے پانی کے ارد گرد مٹی کی ایک بنی بنا دی اور کہا" زم زم" ٹھہر جا، ٹھہر جا۔ اس اندیشہ سے کہ کہیں یہ بہہ نہ جائے اس سے اپنا مشکیزہ بھر لیا۔

حضور سرور دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرمایا کرتے :

رحم اللہ ام اسماعیل لو لا انها عجلت لكانت زم زم عينا معينا .

کہ اللہ تعالیٰ ام اسماعیل پر رحم فرمائے، اگر وہ جلدی نہ کرتیں اور اس کے گرد مٹی کی بنی نہ بناتیں تو زم زم ایک بہت بڑا چشمہ ہوتا۔

فرشتوں نے حضرت ہاجرہ کو کہا کہ آپ اندیشہ نہ کریں، یہاں کے رہنے والوں کو پیاس کی تکلیف نہ ہوگی، کیوں کہ یہ ایسا چشمہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ کے مہمان اپنی پیاس بجھائیں گے۔ نیز اس فرشتہ نے یہ

بھی کہا کہ اس بچہ کا باپ آئے گا اور دونوں باپ بیٹا اللہ تعالیٰ کا گھر تعمیر کریں گے، اور یہ وہ جگہ ہے جہاں گھر تعمیر ہوگا۔

کچھ عرصہ خوش بخت ماں اپنے سعادت مند بچے کے ساتھ وقت بسر کرتی رہیں، اسی اثناء میں قبیلہ جرہم کا ایک قافلہ جو ملک شام کی طرف جارہا تھا، اس کا ادھر سے گزر ہوا۔ قافلہ والوں نے یہاں خشک پہاڑوں میں پرندوں کو چہچہاتے سنا۔ کہنے لگے کہ ان پرندوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں پانی ہے۔ کیا تم میں سے کسی کو علم ہے کہ اس وادی میں پانی کا کوئی چشمہ ہے؟ سب نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ چنانچہ وہ پہاڑی پر چڑھے، دیکھا کہ وادی میں میٹھے پانی کا چشمہ ابل رہا ہے، ایک خاتون اپنے کم سن بچے کے ساتھ وہاں سکونت پذیر ہے انھوں نے اس خاتون سے درخواست کی کہ وہ انھیں یہاں قیام کرنے کی اجازت دیں۔ وہ ان کی تنہائی میں ان کے انیس ثابت ہوں گے، اور چشمے کی مالک وہی ہوں گی۔ چنانچہ آپ نے بنو جرہم کے اس قافلہ کی درخواست کو قبول کرتے ہوئے انھیں یہاں رہنے کی اجازت دے دی۔ اس عظیم البرکت شہر کے مکین حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل کے بعد پہلے یہی لوگ تھے۔

حضرت اسماعیل کی قربانی

جب حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عمر مبارک تیرہ سال کے قریب ہوگئی تو بذریعہ خواب حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کو اپنے نورنظر اور لخت جگر حضرت اسماعیل کو ذبح کرنے کا حکم ملا۔ سراپا تسلیم ورضا سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے کسی تاویل کا سہارا لے کر اس ازحد دشوار حکم کو بجالانے میں گریز کی راہ اختیار نہیں کی، بلکہ اس حکم الٰہی سے اپنے لخت جگر اسماعیل کو بھی آگاہ کردیا۔

فلما بلغ معه السعی قال یا بنی انی اری فی المنام انی اذبحک فانظر ما ذا تری.

پھر جب وہ اس کے ساتھ کام کے قابل ہوگیا، کہا: اے میرے بیٹے! میں نے خواب دیکھا، میں

تجھے ذبح کرتا ہوں۔ اب تو دیکھ تیری کیا رائے ہے؟

قال یا ابت افعل ما تؤمر ستجدنی ان شاء اللہ من الصبرین ۔

کہا: اے میرے باپ! کیجیے، جس بات کا آپ کو حکم ہوتا ہے۔ خدا نے چاہا تو قریب ہے کہ آپ مجھے صابر پائیں گے۔

سعادت مند و صابر بیٹے کا یہ جواب سن کر سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو کتنی مسرت ہوئی ہوگی اور ان کے عزم و ارادے کو کتنی تقویت ملی ہوگی اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ چنانچہ آپ پیکر حسن و جمال بیٹے کو لے کر جنگل میں پہنچے، ان کو پیشانی کے بل زمین پر لٹایا اور گلے پر بے دھڑک چھری چلادی، ندا آئی: بس! اے ابراہیم بس! اپنا ہاتھ روک لے، تو نے اپنے خواب کی عملی تصدیق کر دی۔

نا دیناہ ان یا ابراھیم قد صدقت الرویا انا کذلک نجزی المحسنین

اور ہم نے آواز دی: اے ابراہیم! تو نے سچ کر دکھایا خواب کو، ہم اسی طرح بدلہ دیتے ہیں محسنوں کو۔

حضرت اسماعیل علیہ الصلاۃ والسلام کی جبین سعادت میں نور محمدی جلوہ طراز تھا۔ اسی کے ظہور کے ساتھ سارے عالم انسانیت بلکہ سارے جہان ہست و بود کی سعادتیں وابستہ تھیں۔ کوئی چھری اس کے گلے کو کیوں کر کاٹ سکتی تھی۔ اس حکم سے یہ دیکھنا بلکہ سارے جہان کو یہ دکھانا مقصود تھا کہ نور محمدی کی امانت اس کے سپرد کی گئی ہے جو اس کا اہل ہے، اور جو اس بار امانت کو اٹھانے کی مقدرت رکھتا ہے۔

ذبیح کون تھا؟

حضرت اسماعیل یا حضرت اسحاق؟ علیہما الصلاۃ والسلام

اہل کتاب اس پر بضد ہیں کہ حضرت اسحاق ذبیح تھے، اور بعض مسلم علماء نے بھی ان کے اس قول کی تائید کی ہے، لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے۔ ذبیح اللہ ہونے کا شرف حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ارزانی ہوا۔ اس کی سب سے قوی دلیل تو قرآن کریم ہے۔ حضرت اسماعیل کی پیدائش کا مژدہ دیا تو بایں الفاظ:

و بشرنه بغلام حليم .

پس ہم نے مژدہ سنایا انھیں ایک حلیم فرزند کا۔

اور حضرت اسحاق علیہ السلام کی پیدائش کی خوشخبری دی تو بایں الفاظ:

انا نبشرک بغلام عليم .

ہم آپ کو مژدہ سنانے آئے ہیں ایک صاحب علم بچے کی پیدائش کا۔

معلوم ہوا کہ حضرت اسماعیل میں صفت حلم غالب تھی اور حضرت اسحاق میں صفت علم، اور اس سے حلم کا بڑا مظاہرہ کیا ہوسکتا ہے کہ ابھی تو آپ نوعمر ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام آپ کو اپنے خواب سناتے ہیں جن میں ان کے ذبح کرنے کی طرف اشارہ ہے تو کمسنی کے باوجود نہ پریشان ہوتے اور نہ غمزدہ، بلکہ سراپا تسلیم ورضا بن کر عرض کرتے ہیں :

يا ابت افعل ما تومر ستجدني ان شاء الله من الصبرين.

یعنی اے میرے پدر بزرگوار! جو آپ کو حکم ملا ہے آپ اس کی تعمیل فرمایئے۔ آپ انشاء اللہ مجھے صبر کرنے والوں میں پائیں گے۔

نیز قرآن کریم میں سورۃ الصافات میں پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اپنے فرزند کو ذبح

کرنے کا مفصل تذکرہ ہے، اس کے بعد فرمایا جاتا ہے :

و بشرنه باسحق نبیا من الصلحین.

اور ہم نے بشارت دی آپ کو اسحاق کی، کہ وہ نبی ہوگا زمرۂ صالحین میں سے۔

معلوم ہوا کہ یہ نئی بشارت ہے۔ اس سے پیشتر جس بچے کے ذبح کرنے کا ایمان افروز بیان ہوا ہے وہ حضرت اسحاق کے علاوہ کوئی دوسرا بیٹا ہے اور حضرت اسماعیل کے علاوہ وہ اور کون ہوسکتا ہے۔

نیز اگر اس آیت میں غور کیا جائے جس میں حضرت اسحاق کی ولادت کا مژدہ سنایا گیا ہے تو حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے :

فبشرنها باسحق و من وراء اسحق یعقوب .

تو ہم نے خوشخبری دی سارہ کو اسحاق اور اسحاق کے بعد یعقوب کی۔

یہاں صرف حضرت اسحاق کی ولادت کی بشارت ہی نہیں دی جارہی بلکہ ان کے لڑکے یعقوب کی ولادت سے بھی خورسند کیا جارہا ہے۔ ایسا بچہ جو ابھی پیدا نہیں ہوا اور پیدا ہونے کے بعد اسے باپ بھی بننا ہے، اس کو بچپن میں قربانی کے طور ذبح کرنے میں تو کوئی معقولیت نہیں۔ پہلے بتا دیا کہ جو بیٹا ہم تمھیں دیں گے وہ بچپن میں ہی تمھیں داغ مفارقت نہیں دے جائے گا بلکہ بڑھے گا، جوان ہوگا اور جوان ہو کر بیاہا جائے گا اور وہ صاحب اولاد بھی ہوگا اور اس کے بچے کا نام یعقوب ہوگا۔ یہاں تک تفصیلات سے آگاہ کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ اس بچے کو قربان کرنے کا حکم دیتا ہے تو اس حکم کا مدعا ان دو سے ایک ہوگا۔

ایک یہ کہ جو آپ کو پہلے بشارت دی گئی تھی کہ یہ بچہ بڑا ہو کر باپ بنے گا، یہ غلط ہے بلکہ اس کو تو جوان ہونے سے پہلے ہی قربانی کے طور پر ذبح کر دیا جائے گا۔

اور یا یہ کہ قربانی کا حکم محض دکھاوا ہے، حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

لیکن یہ دونوں باتیں اللہ تعالیٰ کی شان صمدیت سے کوئی مناسبت نہیں رکھتیں بلکہ اس علیم وحکیم نے اس بچے کو ذبح کرنے کا حکم دیا ہے جس کے تادیر زندہ رہنے اور بیٹے کے باپ بننے کی بشارت نہیں دی گئی وہ حضرت اسماعیل ہیں، حضرت اسحاق نہیں علیہما الصلاۃ والسلام۔

اہل کتاب جس ہٹ دھرمی کے خوگر ہیں ان سے کوئی بعید نہیں کہ وہ قرآن کریم کے ان روشن دلائل کے باوجود اپنی ضد پر اڑے رہیں، لیکن جب ان کی اپنی کتاب اس امر کی تصدیق کردے کہ ذبیح اسحاق نہیں بلکہ اسماعیل علیہما الصلاۃ والسلام ہیں تو پھر انھیں حق کو تسلیم کرنے میں تأمل نہیں ہونا چاہیئے۔

کتاب پیدائش میں جہاں حضرت خلیل علیہ الصلاۃ والسلام کو حکم ہے کہ اپنے بیٹے کی قربانی دو وہاں الفاظ یہ ہیں :

اپنے اکلوتے بیٹے کو قربان کر۔

اس سے مراد صرف حضرت اسماعیل ہی ہو سکتے ہیں کیوں کہ وہی آپ کے اکلوتے بیٹے تھے کیوں کہ جب آپ پیدا ہوئے تو اس وقت آپ کے علاوہ حضرت خلیل کا اور کوئی فرزند نہ تھا، لیکن تیرہ چودہ سال بعد حضرت سارہ کے بطن سے حضرت اسحاق پیدا ہوئے تو آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اکلوتے اور پہلوٹی کے فرزند نہ تھے بلکہ ان سے پہلے حضرت اسماعیل کاشانۂ خلیل میں رونق افروز ہو چکے تھے۔ اس لیے قرآن حکیم اور توراۃ مقدس کی آیات سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ ذبیح اللہ حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے۔

آسمانی کتب کی نصوص کے علاوہ قرائن بھی اس کی تائید کرتے ہیں۔ اس فرزند ذبیح کی سنت کو زندہ رکھنے کے لیے جو قربانیاں کی جاتی ہیں ان کا مقام شام نہیں بلکہ منیٰ کے قرب میں ہے جو مکہ مکرمہ اور بیت اللہ

شریف کے جوار میں ہے۔

اگر حضرت اسحاق ذبیح ہوتے تو ان کی یادگار منانے کے لیے شام کے اس مقام کو منتخب کیا جاتا جہاں حضرت ابراہیم نے حضرت اسحاق علیہما الصلاۃ والسلام کو ذبح کرنے کی نیت سے زمین پر لٹایا تھا۔ مکہ کے نواح میں تو اس کی یاد ہر سال تازہ کی جائے گی جو مکہ میں مکین تھا وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی تھے۔

اس کے علاوہ ایک حدیث مرفوع بھی ہمارے موقف کی تائید کرتی ہے۔

حاکم نے مستدرک میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی:

قال کنا عند رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم فاتاہ اعرابی و قال یا رسول اللہ خلفت البلاد یابسة و الماء یابسا و خلفت المال عابسا هلک المال و ضاع العیال فعد علی مما افاء اللہ علیک یا ابن الذبیحین قال معاویه رضی اللہ تعالیٰ عنه فتبسم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم و لم ینکر علیه یعنی بالذبیحین، عبد اللہ و اسماعیل .

ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ ایک اعرابی آیا۔ اس نے عرض کی: یا رسول اللہ! میں اپنے پیچھے ایک ایسا وطن چھوڑ آیا ہوں جو خشک سالی کا شکار ہے، پانی کے ذخیرے خشک ہو گئے ہیں۔ میں اپنے پیچھے ایسا مال چھوڑ آیا ہوں جو خستہ حال ہے، قحط کے باعث مال ہلاک ہو گیا اور اہل و عیال ضائع ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے جو آپ کو عطا فرمایا ہے اس سے مجھے بھی کچھ مرحمت فرمائیے۔ اے ذبیحین کے فرزند! حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ابن ذبیحین کا لفظ سن کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا اور اس کی تردید نہیں کی۔ اور ذبیحین سے مراد حضرت عبد اللہ اور حضرت اسماعیل بن ابراہیم علیہما السلام ہیں۔

حضرت اسماعیل کا نکاح اور باپ کی وصیت

وقت گزرتا رہا۔ حضرت اسماعیل اب جوان ہو گئے۔ بنی جرہم قبیلہ کے لوگ بھی خوشحالی کی زندگی بسر کرنے لگے۔ ان کی تعداد میں بھی آہستہ آہستہ اضافہ ہوتا گیا۔ چنانچہ انھوں نے اپنی ایک بچی کا رشتہ حضرت اسماعیل کو دے دیا۔ یوں آپ کی ازدواجی زندگی کا آغاز ہوا، لیکن یہ خاتون تندمزاج تھیں۔ کئی سال بیت گئے، تب کہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے بچے اور اپنی وفاشعار رفیقۂ حیات کی ملاقات کے لیے مکہ تشریف لائے اور اسماعیل گھر پر نہ تھے۔ اس اثناء میں حضرت ہاجرہ انتقال فرما چکی تھیں۔ حضرت اسماعیل کی اہلیہ نے اپنے نووارد مہمان کے ساتھ بے رخی اور سرد مہری کا سلوک کیا، آپ نے اپنی بہو سے کہا کہ جب تمھارا شوہر اسماعیل آئے تو اسے بتانا کہ اس شکل وصورت کا ایک شیخ آیا تھا، اس نے تمھیں وصیت کی ہے کہ اپنے گھر کی دہلیز بدل دو۔ آپ اتنا کہہ کر واپس شام لوٹ گئے۔ حضرت اسماعیل آئے تو ان کی بیوی نے انھیں اس بوڑھے شخص کا پیغام پہنچایا، آپ فوراً سمجھ گئے اور فرمایا: وہ شیخ میرے پدر بزرگوار حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے اور وہ دہلیز تم ہو۔ انھوں نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تم کو طلاق دے دوں چنانچہ آپ نے اس کو طلاق دے دی۔ اس کے کچھ عرصہ بعد آپ نے بنی جرہم کی دوسری خاتون سے نکاح کیا۔ یہ خاتون بڑی خوش خصال اور سلیقہ شعار تھیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام دوبارہ اپنے صحرانشیں کنبہ کی خبر لینے کے لیے آئے۔ اب بھی حضرت اسماعیل گھر پر نہ تھے، لیکن ان کی زوجہ نے نووارد مہمان کے ساتھ بڑا عمدہ سلوک کیا اور ان کی خاطر مدارات کی حد کر دی۔ آپ کے پاس گنجائش نہ تھی کہ وہ مزید رک کر اپنے بیٹے کی آمد کا انتظار فرماتے، روانگی سے قبل آپ نے اپنی بہو سے فرمایا کہ جب تمھارے شوہر آئیں تو انھیں بتانا کہ اس شکل وصورت کا ایک شیخ آیا تھا اور اس نے تمھیں وصیت کی ہے کہ اپنے گھر کی دہلیز کو برقرار رکھو۔ جب حضرت اسماعیل واپس لوٹے تو آپ کو اپنے پدر بزرگوار کی خوشبو آئی۔ آپ نے اپنی اہلیہ سے پوچھا: کیا کوئی مہمان آیا تھا؟ اس نے عرض کی:

ہاں! ایک بزرگ آئے تھے، ان کا چہرہ بڑا خوبصورت تھا۔ ان کے جسم سے خوشبو آرہی تھی اور انھوں نے آپ کو یہ پیغام دیا ہے۔ آپ نے اسے بتایا کہ وہ میرے باپ تھے، انھوں نے مجھے وصیت کی ہے کہ میں تمھیں اپنی رفیقۂ حیات کی حیثیت سے اپنے ساتھ رکھوں۔

تیسری مرتبہ حضرت اسماعیل کی ملاقات کے لیے آپ پھر مکہ تشریف لائے اور اس دفعہ بیت اللہ شریف تعمیر کرنے کا حکم ملا۔

خانۂ کعبہ کی تعمیر

ایک فرشتہ کے ذریعہ اس جگہ کی نشان دہی کر دی گئی، جہاں کعبہ شریف کی تعمیر مطلوب تھی۔ چنانچہ باپ اور بیٹے نے مل کر اللہ تعالیٰ کے مقدس گھر کی تعمیر کا آغاز کیا۔ عرب کی چلچلاتی دھوپ، جھلس کر رکھ دینے والی لو اور تانبے کی طرح تپتی ہوئی ریتیلی زمین پر کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کے یہ دو برگزیدہ بندے اس کا گھر تعمیر کر رہے ہیں۔ اسماعیل پہاڑ سے پتھر توڑ توڑ کر اپنے سر پر اٹھا اٹھا کر لا رہے ہیں اور کبھی گارا تیار کر رہے ہیں اور ابوالانبیاء خلیل اللہ علیہ وعلیٰ آلہ افضل الصلاۃ والسلام بنیادیں اٹھا رہے ہیں، دیواریں چن رہے ہیں۔ معلوم نہیں کتنا عرصہ لگا ہوگا اس مبارک کام کے مکمل کرنے میں، لیکن گرمی کی شدت کے باوجود، کام کے کٹھن ہونے کے باوجود باپ بیٹے نے دم اس وقت لیا جب اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اس گھر کی تعمیر پایۂ تکمیل تک پہنچ گئی۔

یہ تعمیر اس وقت ہوئی جب کہ دنیا میں ہر طرف تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ ایران، ہند، مصر اور یورپ میں عالمگیر اندھیرا تھا۔ قبول حق ایک طرف، اس وسیع خطۂ خاک میں گز بھر زمین نہیں ملتی تھی جہاں کوئی شخص خدائے واحد کا نام لے سکتا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب کلدان میں یہ صدا بلند کرنی چاہی تو آگ کے شعلوں سے کام پڑا۔ مصر آئے، ناموس کو خطرہ کا سامنا ہوا، فلسطین پہنچے، کسی نے بات تک نہ پوچھی، خدا کا جہاں نام لیتے

تھے۔شرک اور بت پرستی کے غلغلہ میں آواز دب کر رہ جاتی تھی۔معمورۂ عالم کے صفحے نقش ہائے باطل سے ڈھک چکے تھے۔اب ایک سادہ، بے رنگ، ہر قسم کے نقش و نگار سے معریٰ ورق درکار تھا جس پر طغرائے حق لکھا جائے۔یہ صرف حجاز کا صحرائے ویران تھا جو تمدن اور عمران کے داغ سے کبھی داغدار نہیں ہوا تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت ہاجرہ اور اسماعیل کو عرب میں لائے اور ان کو یہیں آباد کیا۔ حضرت سارہ نے کچھ عرصہ کے بعد انتقال کیا، حضرت ابراہیم علیہ السلام مکہ میں چلے آئے، حضرت اسماعیل جوان ہو چکے تھے، اعلان حق میں ایک ہم آواز ہاتھ آیا، دونوں نے مل کر ایک چھوٹے سے چوکھٹے گھر کی بنیاد ڈالی۔

و اذ یرفع ابراھیم القواعد من البیت و اسماعیل .

اور جب کہ ابراہیم اور اسماعیل خانۂ خدا کی دیواریں اٹھا رہے تھے۔

گھر بن چکا تو وحی الٰہی نے آواز دی۔

و طھر بیتی للطائفین و القائمین و الرکع السجود و اذن فی الناس بالحج یاتوک رجالا و علی کل ضامر یاتین من کل فج عمیق

اور میرا گھر ستھرا رکھ، طواف والوں اور اعتکاف والوں اور رکوع سجدے والوں کے لیے، اور لوگوں میں حج کی عام ندا کر دے۔وہ تیرے پاس حاضر ہوں گے، پیادہ اور ہر دبلی اونٹنی پر کہ ہر دور کی راہ سے آتی ہیں۔

اس وقت اعلان و اشتہار کے وسائل نہیں تھے۔ویران جگہ تھی اور آدمی کا کوسوں تک پتہ نہ تھا۔ ابراہیم کی آواز حدودِ حرام سے باہر نہیں جا سکتی تھی، لیکن وہی معمولی آواز کہاں کہاں پہنچی، مشرق سے مغرب تک، شمال سے جنوب تک اور زمین سے آسمان تک۔

علامہ ارزقی نے تاریخ مکہ میں لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو تعمیر کی اس کا عرض و طول حسب ذیل تھا۔

بلندی	:	زمین سے چھت تک ۹رگز
طول	:	حجراسود سے رکن شامی تک ۳۲رگز
عرض	:	رکن شامی سے غربی تک ۲۲رگز

عمارت بن چکی تو حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام سے کہا کہ ایک پتھر لاؤ تا کہ ایسے مقام پر لگادوں جہاں سے طواف شروع کیا جائے۔

تاریخ مکہ موسوم ''بہ اعلام باعلام بیت الحرام'' میں ہے :

فقال ابراھیم لاسمٰعیل علیھما الصلاۃ و السلام یا اسمٰعیل ایتنی الحجر اضعه حتی یکون علما للناس یبتدون منه الطواف .

پھر حضرت ابراہیم نے حضرت اسماعیل سے کہا کہ ایک پتھر لادو تا کہ میں ایسی جگہ نصب کردوں جہاں سے لوگ طواف شروع کریں۔

خدا کا یہ گھر ایسا سادہ تعمیر ہوا تھا کہ نہ چھت تھی ، نہ کواڑ اور نہ چوکھٹ بازو تھے۔ جب قصی بن کلاب کو کعبہ کی تولیت حاصل ہوئی تو انھوں نے قدیم عمارت گرا کر نئے سرے سے تعمیر کی اور کھجور کے تختوں کی چھت ڈالی۔

کعبہ کی کشش اور برکت سے لوگ آس پاس آباد ہونے لگے، چنانچہ سب سے پہلے قبیلہ جرہم آ کر آباد ہوا۔اس قبیلہ میں مضاض بن عمرو ایک ممتاز شخص تھے،حضرت اسماعیل نے ان کی لڑکی سے شادی

کی ۔ان سے بارہ اولاد ہوئی، جن کے نام یہ ہیں :

نابت، قیدار، اوبیل، میشا، مسمع، دما، ماس ادو، وطور، نفیس، طما، قیدمان۔

ان میں سے اکثر عرب قیدار کی اولاد ہیں۔

کعبہ کی تولیت

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی وفات کے بعد ان کے بڑے بیٹے نابت کعبہ کے متولی ہوئے۔ان کے مرنے کے بعد ان کے نانا مضاض نے یہ منصب حاصل کیا اور کعبہ کی تولیت خاندان اسماعیل سے نکل کر جرہم کے خاندان میں آگئی۔ پھر ایک اور قبیلہ خزاعہ نے کعبہ پر قبضہ کرلیا اور مدت تک اسی خاندان میں یہ منصب رہا۔حضرت اسماعیل علیہ السلام کا خاندان موجود تھا لیکن اس نے کچھ مزاحمت نہیں کی ۔قصی بن کلاب کا زمانہ آیا تو انھوں نے اپنا آبائی حق حاصل کیا۔

غلاف کعبہ

حرم کعبہ پر جس نے سب سے پہلے پردہ چڑھایا وہ یمن کا حمیری بادشاہ اسعد تبع تھا۔یمن میں خاص قسم کی چادریں بنی جاتی ہیں جن کو''بردیمانی'' کہتے ہیں، یہ پردہ انھیں چادروں سے تیار کیا گیا تھا۔قصی بن کلاب کے زمانہ سے تمام قبائل پر ایک محصول لگا دیا گیا جس سے پردہ تیار کیا جاتا تھا۔

علامہ ارزقی نے لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی یمنی پردہ چڑھایا تھا۔

زینت کعبہ

خدا کا گھر سیم وزر کی نقش آرائیوں کا محتاج نہ تھا، لیکن دولت اور ملک کی ترقی کے یہ لوازم ہیں، اس لیے حضرت عبداللہ بن زبیر جب خلیفہ ہوئے تو انھوں نے کعبہ کے ستونوں پر سونے کے پتر چڑھائے۔

عبدالملک بن مروان نے اپنے زمانہ میں ۳۶ر ہزار اشرفیاں اس کام کے لیے بھیجیں۔ امین الرشید نے ۱۸ر ہزار اشرفیاں نذر کیں کہ دروازہ کی چوکھٹ وغیرہ طلائی بنوادی جائے۔ اعلام (تاریخ مکہ) میں عہد بہ عہد کی طلا کاریوں کی تفصیل لکھی ہے، لیکن یہ واقعات عہد نبوت کے بعد کے ہیں، اور سچ یہ ہے کہ آفتاب پر سونا چڑھانا ضروری بھی نہیں۔

مکہ مکرمہ

حجاز کا یہ مشہور شہر مشرق میں جبل ابوقبیس اور مغرب میں جبل قعیقان دو بڑے بڑے پہاڑوں کے درمیان واقع ہے اور اس کے چاروں طرف چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں اور ریتیلے میدانوں کا سلسلہ دور دور تک چلا گیا ہے۔ اسی شہر میں حضور شہنشاہ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی۔

اس شہر اور اس کے اطراف میں مندرجہ ذیل مشہور مقامات واقع ہیں۔

کعبہ معظمہ، صفا، مروہ، منیٰ، مزدلفہ، عرفات، غار حرا، غار ثور، جبل تنعیم، جعرانہ وغیرہ۔

قیدار بن اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں عدنان نامی نہایت اولوالعزم شخص پیدا ہوئے، اور عدنان کی اولاد میں چند پشتوں کے بعد قصی بہت ہی جاہ و جلال والے شخص پیدا ہوئے جنھوں نے مکہ مکرمہ میں مشترکہ حکومت کی بنیاد پر ۴۴۰ء میں ایک سلطنت قائم کی، اور ایک قومی مجلس بنائی جو ''دارالندوۃ'' کے نام سے مشہور ہے اور اپنا ایک قومی جھنڈا بنایا جس کو ''لواء'' کہتے تھے۔

قصی نے ہی بنی خزاعہ اور بنی بکر کو مکہ سے جلاوطن کر دیا اور اپنی قوم قریش کے خاندان اور افراد جو سارے جزیرہ میں بکھر کر رہ گئے تھے، ان کو مکہ مکرمہ میں جمع کیا اور ان کی شیرازہ بندی کر دی۔

مکہ شہر کے رقبہ کو چار حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ہر حصہ میں قریش کے مخصوص قبیلوں کو آباد کیا۔ صدہا سال بعد بنو اسماعیل کو اپنے آبائی شہر میں آزادی اور عزت کی زندگی بسر کرنے اور کعبہ کی خدمت انجام دینے

کا موقع نصیب ہوا۔

کعب بن لوی کی اولاد سے قصی پہلا شخص ہے جس کو حکومت ملی اور ساری قوم نے برضا و رغبت جس کی اطاعت قبول کی۔ قصی کی شخصیت میں ہی حجابہ، رفادہ، سقایا، ندوہ اور اللواء کے جملہ اعزازات مجتمع ہو گئے۔ اس نے تمام لوگوں کو اپنے اپنے حصہ میں رہائشی مکانات بنانے کی اجازت دے دی۔ قصی کی دانش مندانہ اور جرأت مندانہ قیادت کے طفیل قریش کو عزت کی زندگی بسر کرنے کا موقع ملا تھا، اس کے لیے وہ قصی کے احسان مند تھے۔ اس کے ہر حکم کو دل و جان سے بجالاتے تھے۔ ہر جوڑے کی شادی قصی کے گھر طے پاتی۔ جب بھی کوئی مشکل قوم کو پیش آتی تو وہ سب اس کے گھر میں جمع ہوتے اور اس مشکل سے چھٹکارا پانے کے لیے باہمی مشورہ کرتے۔ جنگ کی نوبت آتی تو جنگی علم باندھنے کا فریضہ قصی انجام دیتے، قصی کا ہر حکم ان کے لیے واجب العمل تھا۔ قصی نے ایک عمارت تعمیر کی جس کا نام ''دارالندوہ'' رکھا گیا اس کا دروازہ حرم شریف میں کھلتا تھا۔ قصی اس میں بیٹھ کر قوم کے سارے مسائل باہمی مشورہ سے حل کرتے۔ جب کبھی کسی اہم مشورہ کے لیے وہ قوم کے سرداروں کو حاضر ہونے کا حکم دیتے تو سب پیر و جوان وہاں حاضر ہوتے اور اس حاضری کو اپنے لیے فرض سمجھتے۔

قصی کو حجابہ وغیرہ کے جو مناصب عطا ہوئے ان کی مختصر توضیح یہ ہے۔

(۱) حجابہ

یہ ایک جلیل القدر منصب تھا، اس سے مراد کعبہ شریف کی خدمت کے فرائض انجام دینا تھا۔ یہ منصب بھی قصی نے ایجاد کیا، جس قبیلہ کو یہ منصب تفویض کیا جاتا، بیت اللہ شریف کی کنجیاں بھی اس کے حوالے کردی جاتیں۔ کعبہ کے دروازے کو کھولنا اور بند کرنا اس کی ذمہ داری ہوتی، کعبہ میں جو امانتیں رکھی جاتیں، نذرانے کے طور پر لوگ جو قیمتی تحائف، زیورات وغیرہ پیش کرتے ان کی حفاظت بھی اس کی ذمہ

داری ہوتی۔

(۲) رفادہ

قصی نے مکہ مکرمہ کی زمام اقتدار سنبھالنے کے بعد اپنی قوم کو جمع کیا اور ان کے سامنے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ حاجی اللہ کے مہمان اور اس کے گھر کے زائر ہوتے ہیں، وہ ایسے مہمان ہیں جن کی ضیافت اور مہمانی ہمارا فریضہ ہے، تم سب اپنے مالوں سے حصہ دو تا کہ ایک ایسا اجتماعی فنڈ قائم کیا جائے جس سے ضیوف الرحمٰن کی عزت و تکریم اور ان کی مہمان نوازی کی جا سکے۔ ساری قوم نے اس تجویز کو سراہا اور دل کھول کر اس میں مالی اعانت کی۔ چنانچہ ایام حج میں سارے حاجیوں کے کھانے پینے کا انتظام اسی فنڈ سے کیا جاتا۔

اسلام کے برسر اقتدار آنے کے بعد بھی عہد رسالت، عہد خلفائے راشدین حتیٰ کہ بنی امیہ اور بنی عباس کی خلافتوں کے دور میں بھی حجاج کی ضیافت کا یہ سلسلہ جاری رہا۔ جب عباسی خلافت کا چراغ گل ہوا تو رفادہ کا یہ انتظام بھی درہم برہم ہو گیا۔

(۳) سقایہ

حجاج کرام کو پانی پلانے کا منصب، حج کے موسم میں قریش پانی کے ذخائر جمع کرتے اور ان میں کشمش ڈالتے جس سے پانی کا ذائقہ میٹھا ہو جاتا اور حج کے ایام میں تمام حاجیوں کو پینے کے لیے یہ پانی پیش کیا جاتا۔

(۴) ندوہ

اسے آپ آج کی اصطلاح میں پارلیمنٹ ہاؤس یا مجلس شوریٰ کہہ سکتے ہیں۔ دارالندوۃ ایک وسیع عمارت تھی، جس کا دروازہ حرم شریف میں کھلتا تھا۔ اس میں اہل مکہ کے نمائندے جمع ہوتے اور پیش آمدہ

سیاسی، معاشی، عمرانی مسائل کے بارے میں مشورے کرتے اور کسی نتیجہ پر پہنچنے کی کوشش کرتے۔ اس کی رکنیت کے لیے بنیادی شرط یہ تھی کہ کسی رکن کی عمر چالیس سال سے کم نہ ہو۔ ان کی سماجی تقریبات یہاں انجام پذیر ہوتیں، نکاح کی تقریب یہاں منائی جاتی، جو بچی بالغ ہوتی اس کو یہاں لایا جاتا، قوم کے بزرگ اسے اوڑھنی پہناتے اور اسے پردہ کا حکم دیتے، بچوں کے ختنے کی رسم بھی یہاں ادا کی جاتی۔

دارالندوہ کی یہ وسیع عمارت قصی نے تعمیر کرائی۔ قصی نے یہ دارالندوہ اپنے بڑے بیٹے عبدالدار کے حوالے کر دی۔ اس کی اولاد کے بعد حکیم بن حرام کی ملکیت میں آئی۔ انھوں نے امیر معاویہ کے زمانہ میں اسے ایک لاکھ درہم میں فروخت کر دیا۔

(۵) اللواء

اسے آپ موجودہ دور کی وزارت دفاع کا ہم معنی سمجھیے، یہ منصب بھی قصی نے ایجاد کیا، جب کوئی اجتماعی خطرہ درپیش ہوتا تو قومی علم کا علمبردار اس کو کھلے میدان میں گاڑ دیتا یہ گویا اس کی طرف سے اعلان ہوتا کہ اے اہل وطن! اپنے وطن اور قوم کی آزادی کو جو خطرہ درپیش ہے اس کا تدارک کرنے کے لیے سربکف میدان میں نکل جاؤ۔ جب علم لہرانے کا واقعہ رونما ہوتا قریش کے سارے سردار جمع ہو جاتے۔

عرب کے مادر پدر آزاد اور خودسر معاشرہ میں ان اداروں کو قائم کر کے قصی نے بڑی دانشمندی کا ثبوت دیا۔ اہل عرب کو نظم وضبط کا پابند اور خوگر بنانے کے لیے یہ پہلی کامیاب کوشش تھی، کعبہ کی جو عمارت سیدنا ابراہیم اور اسماعیل علیہما الصلاۃ والسلام نے تعمیر کی تھی وہ زمانہ دراز گزر جانے کے باعث بوسیدہ ہو رہی تھی، قصی نے اس کو گرا کر کعبہ کو از سر نو تعمیر کیا۔ یہ شرف بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد قصی کو نصیب ہوا۔

اہل مکہ کو جب صلاح ومشورہ کے لیے جمع ہونے کی ضرورت محسوس ہوتی تو وہ کسی دامن کوہ یا کسی

غار میں جمع ہوا کرتے تھے۔ دارالندوہ کے قیام سے جسے قصی ہی نے تعمیر کیا تھا، اہل مکہ کی منظم ریاست اور ان کی مربوط سیاسی سرگرمیوں کا آغاز ہوا۔

زم زم کا سراغ

بنو جرہم کو بنو خزاعہ نے جب مکہ سے جلاوطن کیا تو انھوں نے بیت اللہ شریف کے اندر سونے کے جو دو ہرن آویزاں تھے اور تلواریں، زرہیں اور دیگر قیمتی سامان وہ سب زم زم کے کنویں میں پھینکا پھر اس کو مٹی سے بھر دیا، تاکہ بنو خزاعہ وغیرہ ان سے فائدہ نہ اٹھا سکیں۔ چنانچہ سینکڑوں سال زم زم بند پڑا رہا حتیٰ کہ لوگوں کے ذہنوں سے اس کی یاد اور اسکی اہمیت محو ہوگئی۔ لوگ مکہ کے دوسرے کنوؤں سے اپنی ضروریات پوری کرنے لگے۔

امام ابوالقاسم سہیلی اپنی کتاب ''الروض الانف'' میں لکھتے ہیں کہ :

بنو جرہم کی بدکاریوں کے نتیجہ میں زم زم کا پانی خشک ہوگیا تھا اور اس نعمت سے اللہ تعالیٰ نے انھیں محروم کر دیا تھا۔

ایک روز عبدالمطلب حطیم میں سو رہے تھے۔ کسی نے خواب میں آکر کہا : ''احفر طیبه'' طیبہ کو کھودو، انھوں نے پوچھا: طیبہ کیا ہے؟ تو کہنے والا غائب ہوگیا۔ دوسری رات پھر جب وہ اپنے بستر پر آ کر لیٹے، آنکھ لگی تو اس شخص نے پھر کہا: ''احفر بره'' برہ کو کھودو، آپ نے پوچھا: برہ کیا ہے؟ تو پھر وہ غائب ہوگیا۔ تیسری رات پھر خواب میں آواز آئی: ''احفر مضنونه'' مضنونہ کو کھودو، آپ نے پوچھا: مضنونہ کیا ہے؟ وہ پھر غائب ہوگیا۔ جب چوتھی رات آئی اور وہ اپنی خواب گاہ میں آرام کرنے کے لیے لیٹے، تو آنکھ لگتے ہی آواز آئی: ''احفر زم زم'' زم زم کھودو، آپ نے پوچھا: زم زم کیا ہے؟ آج اس شخص نے تفصیلات بتاتے ہوئے کہا :

تــراث مــن ابیــک الاعــظم لا تنزف ابدا و لا تذم تسقی الحجیج الاعظم وھی بین الفرث و الدم عند نقرة الغراب الاعصم عند قریة النمل

زم زم تیرے پدر نامور کی میراث ہے۔ یہ چشمہ نہ اس کا پانی ختم ہوتا ہے اور نہ اس کی مرمت کی جاتی ہے اس سے حجاج کرام کو سیراب کیا جاتا ہے۔ یہ گوبر اور خون کے درمیان میں ہے، جہاں کالا کوا چونچیں مار رہا ہے، چیونٹیوں کی بستی کے بالکل قریب۔

جب تفصیلات کا علم ہو گیا تو دوسرے روز آپ اپنے بیٹے حارث کے ہمراہ کدال لے کر (اس وقت ان کا یہی ایک بیٹا تھا) آ گئے۔ اساف اور نائلہ کے درمیان جہاں مشرکین بتوں کے لیے قربانی کے جانور ذبح کیا کرتے تھے، وہاں پہنچے، دیکھا وہاں ایک سیاہ رنگ کا کوا چونچیں مار رہا ہے، کھدائی شروع کر دی، یہاں تک کہ وہ ایک ایسی تہہ تک پہنچ گئے جس سے کامیابی کے امکانات روشن ہو گئے۔ آپ نے فرط مسرت سے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا۔

قریش نے ابتداء میں تو اس کاوش کو سعی لا حاصل سمجھتے ہوئے کوئی پرواہ نہ کی، لیکن جب کامیابیوں کے آثار نمایاں ہونے لگے تو انھوں نے مطالبہ شروع کر دیا کہ چاہ زم زم ہم سب کے باپ کا کنواں ہے اس لیے ہمیں بھی اس کے کھودنے میں شریک کرو۔ آپ نے صاف انکار کر دیا اور فرمایا یہ انعام اللہ تعالیٰ نے صرف مجھ پر کیا ہے، اس میں کسی کی شرکت میں منظور نہیں کروں گا۔ انھوں نے کہا: ہم آپ کو اس کے کھودنے کی اجازت نہیں دیں گے۔ جب جھگڑا زیادہ بڑھا تو یہ طے پایا کہ دونوں فریق کسی کو اپنا ثالث مقرر کر لیں جو فیصلہ وہ دے اس پر سب عمل کریں۔ جنگ اور خوں ریزی سے بچنے کی یہی ایک صورت تھی۔

چنانچہ بنی سعد بن ہزیم کی کاہنہ کو حکم مقرر کیا گیا۔ فریقین اپنے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ اس کی طرف روانہ ہوئے۔ بنی سعد کا قبیلہ شام کی سرحد کے قریب رہائش پذیر تھا۔ راستہ میں چٹیل میدان اور

بے آب و گیاہ صحراؤں سے گزرنا پڑتا تھا۔ اثنائے سفر حضرت عبد المطلب کے پانی کا ذخیرہ ختم ہو گیا۔ انھوں نے دوسرے فریق سے پانی طلب کیا، انھوں نے صاف انکار کر دیا اور یہ لوگ شدت پیاس سے نڈھال ہوتے جا رہے تھے، موت سامنے نظر آنے لگی تھی۔ حضرت عبد المطلب نے ساتھیوں سے مشورہ کر کے یہ طے کیا کہ سب لوگ اپنی اپنی قبر کا گڑھا کھود یں، جب کوئی دم توڑ دے تو اسے اس کے گڑھے میں دفن کر دیا جائے آخر میں جو آدمی رہ جائے گا اگر اس کو کسی نے دفن نہ کیا تو کوئی حرج نہیں، بجائے اس کے کہ سب کی لاشیں بے گور و کفن پڑی رہیں اس سے بہتر یہ ہے کہ آخری آدمی تجہیز و تکفین سے محروم رہ جائے۔ چنانچہ ہر ایک نے اپنی اپنی قبر کا گڑھا تیار کر لیا اور موت کا انتظار کرنے لگے۔ حضرت عبد المطلب نے پھر کہا: یوں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنا اور موت کا انتظار کرنا کوئی جواں مردی نہیں۔ اٹھو، جب تک جسم میں جان ہے، قدم آگے بڑھاتے ہیں۔ ممکن ہے اللہ تعالیٰ ہمارے بچانے کا کوئی سامان مہیا فرما دے۔ چنانچہ سب نے اپنے اونٹوں پر کجاوے کسے اور ان پر سوار ہو گئے، جب حضرت عبد المطلب نے اپنا اونٹ اٹھایا تو اس کے پاؤں کے نیچے سے چشمہ ابل پڑا۔ پانی ٹھنڈا بھی تھا اور میٹھا بھی۔ سب نے خوب سیر ہو کر پیا اور اپنے مشکیزے بھی بھر لیے۔ آپ نے اپنے ساتھیوں کو فرمایا کہ دوسرے فریق کو بھی کہو، وہ بھی اس چشمہ سے جی بھر کر پانی پی لیں اور اپنے برتن بھر لیں۔ بعض دوستوں نے اس پر اپنی ناگواری کا اظہار کیا کہ جب ہم نے ان سے پانی مانگا تو انھوں نے انکار کر دیا، اب ہم انھیں اپنے پانی سے پینے کی اجازت کیوں دیں۔ عبد المطلب نے فرمایا: اگر ہم بھی ایسا ہی کریں تو پھر ہم میں اور ان میں کیا فرق باقی رہ جائے گا۔ آپ نے اپنے مدمقابل فریق کو دعوت دی کہ وہ آئیں اور اس چشمہ سے اپنی پیاس بجھائیں۔

جب فریق ثانی نے آپ کی یہ کرامت دیکھی تو کہا: عبد المطلب اب آگے جانے کی ضرورت نہیں، اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرما دیا، جب اس نے اس لق و دق صحرا میں تمھارے اونٹ کے پاؤں کی ٹھوکر سے چشمہ جاری کر دیا ہے تو زم زم بھی صرف تمھارا ہے۔ ہم اس میں حصہ داری کا دعویٰ واپس لیتے ہیں۔ چنانچہ دونوں

گروہ واپس آ گئے۔

حضرت عبد المطلب نے کھدائی مکمل کی۔ سونے کے دو ہرن، قیمتی تلواریں اور زر ہیں بھی بر آمد ہو گئیں۔ قوم نے ان چیزوں سے حصہ کا مطالبہ شروع کر دیا۔ جھگڑے نے پھر سنگین صورت اختیار کر لی، آپ نے کہا: آؤ، بذریعہ فال اس کا فیصلہ کریں۔ فال کی یہ صورت تجویز ہوئی کہ دو حصے کعبہ کے دو حصے عبد المطلب کے اور دو حصے باقی قوم کے۔ قرعہ اندازی کی گئی تو کعبہ کے حصہ کے دو تیر دو دو ہرنوں پر، حضرت عبد المطلب کے دو تیر تلواروں اور زرہوں پر پڑے اور قوم کے دو تیر خالی نکلے۔ آپ نے سونے کے ہرنوں کو گلا کر سونے کے پتر بنوائے اور کعبہ شریف کے دروازے پر منڈھ دیے۔ بعض روایات میں ہے کہ وہ دو مینڈھے رکھ دیے گئے جو بعد میں چوری ہو گئے۔

عبد المطلب اپنے عظیم الشان کارناموں، اپنے بے مثل جود و عطا، اپنی اولوالعزمی اور بلند ہمتی اور خصائل حمیدہ کے باعث ساری قوم کی آنکھوں کے تارے، سارے عرب کے لیے وجہ نازش تھے۔ ایک جلیل القدر باپ کے بیٹے تھے، تاریخ عالم کا رخ پھیر دینے کی صلاحیتوں سے مالا مال دس بیٹوں کے باپ تھے۔ ایک روز آپ حطیم میں تشریف فرما تھے آپ کے دس بیٹے شیروں کی طرح آپ کے گرد حلقہ بنائے بیٹھے تھے کہ ایک اعرابی وہاں سے گزرا، یہ منظر دیکھ کر بے ساختہ اس کی زبان سے نکلا :

اذا احب الله انشاء دولة خلق له امثال هولاء

اللہ تعالیٰ جب کوئی مملکت بنانا پسند کرتا ہے تو اس کے قیام کے لیے اس قسم کے جواں مرد پیدا فرما دیا کرتا ہے۔

اصحاب فیل کا واقعہ

حضرت عبد المطلب کی زندگی کا ایک عظیم واقعہ خانۂ کعبہ پر ابرہہ کی لشکر کشی ہے۔ شاہ حبشہ نے

یمن فتح کرنے کے بعد ارباط کو اپنا گورنر مقرر کیا اور ابرہہ کو اُس کا نائب متعین کیا۔ جلد ہی ان میں اقتدار کی کشمکش شروع ہوگئی۔ چنانچہ دونوں کے لشکر جنگ کے لیے صف آراء ہوگئے۔ ابرہہ نے تجویز پیش کی کہ بجائے اس کے کہ ہم اپنی فوجوں کو لڑائیں اور عوام کو موت کے گھاٹ اتاریں، بہتر یہ ہے کہ ہم آپس میں زور آزمائی کریں، ہم میں سے جو غالب آجائے ساری فوج اس کے پرچم کے نیچے جمع ہوجائے۔ ارباط نے ابرہہ کی تجویز کو پسند کیا۔ دونوں اسلحہ سے آراستہ ہوکر میدان میں آئے اور باہمی جنگ شروع ہوگئی جس میں ارباط مارا گیا اور اقتدار ابرہہ کو منتقل ہوگیا۔ اس نے شاہ حبشہ کو خوش کرنے کے لیے ایک عظیم الشان انتہائی خوبصورت گرجا تعمیر کیا اور اپنے بادشاہ کو خط لکھا کہ میں چاہتا ہوں کہ جو لوگ مکہ میں حج کعبہ کے لیے جاتے ہیں، ان کو یہاں حج کرنے کی دعوت دوں، اور اگر وہ اس دعوت کو قبول نہ کریں تو کعبہ کو پیوند خاک کردوں۔ جب کعبہ ہی موجود نہیں رہے گا تو لوگ خواہ مخواہ اس کنیسہ کا حج کرنے اور اس کے طواف کرنے کے لیے یہاں آنے لگیں گے۔

اہل عرب کو جب ابرہہ کے اس مذموم ارادے کا علم ہوا تو ان کے غیظ و غضب کی انتہا نہ رہی۔ چنانچہ بنی کنانہ کا ایک فرد اپنی ناراضگی کے اظہار کے لیے کنیسہ میں گیا اور فرصت پا کر وہاں قضائے حاجت کر کے اسے گندہ کردیا۔ جب اس واقعہ کی اطلاع ابرہہ کو ملی تو اس کے سینے میں آتش انتقام بھڑک اٹھی اور بڑے جوش و خروش سے اس نے مکہ پر حملہ کرنے کی تیاری شروع کردی۔ اہل یمن بھی کعبہ شریف کی دل سے عزت و تکریم کرتے تھے۔ انھوں نے جب یہ بات سنی تو اس کے ساتھ جنگ کرنے کا عزم کرلیا۔ یمن کے ایک سردار ذونفر نے اپنی قوم کو ابرہہ کے ساتھ جنگ کرنے کی دعوت دی تاکہ وہ بیت اللہ شریف کو اس کی ناپاک کوششوں سے بچا سکے۔

فریقین میں زبردست جنگ ہوئی لیکن ذونفر اور اس کے ساتھیوں کو شکست ہوئی اور اس کو جنگی قیدی بنا کر ابرہہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ ابرہہ نے اس کو قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ ذونفر نے کہا: اے بادشاہ! تو

مجھے قتل نہ کر بلکہ میری زندگی تیرے لیے قتل سے زیادہ فائدہ مند ثابت ہوگی۔ ابرہہ نے اس کی جاں بخشی کی لیکن اس کو مقید رکھا۔ وہاں سے ابرہہ روانہ ہوا۔ بنی خثعم کے علاقے سے گزرا تو نفیل بن حبیب خثعمی نے قبائل عرب کو ساتھ ملا کر اس کے ساتھ جنگ کی لیکن اس دفعہ بھی فتح ابرہہ کو نصیب ہوئی، نفیل جب قیدی بنا کر اس کے سامنے پیش کیا گیا تو نفیل نے کہا: اے بادشاہ! مجھے قتل نہ کر، سرزمین عرب میں تمھارے لیے راہنما کا کام کروں گا اور میں خثعم کے دو قبیلوں شہران اور ناھس کی طرف سے اظہار اطاعت کے لیے اپنے دونوں ہاتھ تیری خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ ابرہہ نے اس کو معاف کر دیا۔ جب ابرہہ نے مکہ مکرمہ کی طرف پیش قدمی شروع کی تو نفیل بطور راہنما اس کے ہمراہ تھا۔

جب ابرہہ کا گزر طائف سے ہوا تو مسعود ثقفی اپنے قبیلے ثقیف کے چند آدمیوں کو ہمراہ لے کر اس کی پیشوائی کے لیے نکلا اور اس سے کہا: اے بادشاہ! ہم تیرے غلام ہیں، ہم تیرے ہر حکم کی اطاعت کرنے والے ہیں، ہمارے دلوں میں تیری مخالفت کا کوئی شائبہ نہیں اور ہمارا یہ معبد وہ نہیں جس کو گرانے کے لیے تو نکلا ہے۔ وہ مکہ میں ہے۔ ہم تمھارے ساتھ ایسا آدمی بھیجیں گے جو تمھاری راہنمائی کرے گا۔ طائف میں جو معبد تھا اس میں انھوں نے لات کا بت رکھا ہوا تھا۔ اس کی پرستش کی جاتی تھی اور اس کے کوٹھے کا طواف کیا جاتا تھا۔ اہل طائف نے ابرہہ کے ساتھ ابورغال نامی ایک شخص کو بھیجا تاکہ وہ اسے مکہ جانے کا راستہ بتائے۔ ابرہہ ابورغال کی معیت میں طائف سے روانہ ہوا، جب مغمس پہنچا تو یہاں اُس نے آرام کے لیے قیام کیا۔ ابورغال کی زندگی کی مہلت پوری ہوگئی، وہیں وہ ہلاک ہوگیا اور اسے وہیں زمین میں دبا دیا گیا۔ اہل عرب جب بھی وہاں سے گزرتے ہیں تو ابورغال کی قبر پر سنگ باری کرتے ہیں۔

اس اثناء میں ابرہہ نے ایک حبشی فوجی افسر جس کا نام اسود بن مقصود تھا، جو اس کے گھڑسوار دستے کا افسر تھا، مکہ کی طرف بھیجا۔ تہامہ کی چراگاہوں میں قریش اور دیگر قبائل کے جو اونٹ چر رہے تھے ان کو ہانک کر وہ ابرہہ کے پاس لے آیا۔ ان اونٹوں میں دو سو اونٹ حضرت عبدالمطلب کے بھی تھے، آپ اس

وقت قریش کے سردار تھے۔ کنانہ ہذیل کے قبائل نے ارادہ کیا کہ ابرہہ کا مقابلہ کریں، لیکن اس کی بے پناہ قوت کے سامنے اپنے آپ کو بے بس محسوس کیا، اس لیے اس سے لڑائی کا ارادہ ترک کر دیا۔ ابرہہ نے اپنا خاص قاصد اہل مکہ کی طرف روانہ کیا، اس کا نام ''حباطہ الحمیری'' تھا، کہ تم جاؤ اور اس شہر کا جو رئیس ہے اس سے جا کر ملاقات کرو اور اسے یہ کہو کہ بادشاہ تمھیں کہتا ہے کہ میں تمھارے ساتھ جنگ کرنے کے لیے نہیں آیا، میں تو اس کعبہ کو گرانے کے لیے آیا ہوں۔ اگر تم میرے راستے میں حائل نہ ہو تو مجھے تمھاری خوں ریزی کی کوئی ضرورت نہیں، اور اگر وہ میرے ساتھ جنگ کرنے کا ارادہ نہ رکھتا ہو تو اس کو میرے پاس لے آنا۔

حباطہ جب مکہ میں داخل ہوا تو اس نے پوچھا کہ قریش کا سردار کون ہے؟ اسے بتایا گیا کہ عبدالمطلب بن ہاشم اپنی قوم کے سردار ہیں۔ یہ شخص ان کے پاس گیا اور ابرہہ کا پیغام پہنچایا حضرت عبد المطلب نے کہا: بخدا! ہم اس کے ساتھ جنگ کا ارادہ نہیں رکھتے، اور نہ ہمارے پاس یہ طاقت ہے کہ اس کے ساتھ لڑائی کر سکیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا حرمت والا گھر ہے اور اس گھر کو اس کے خلیل ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کیا ہے۔ اگر وہ خود اس کی حفاظت کا بندوبست کرے تو یہ اس کا گھر ہے اور اس کا حرم ہے اور اگر وہ خود ابرہہ کی مزاحمت نہ کرے، اور اس کو اپنا گھر گرانے دے تو اس کی مرضی، ہم میں طاقت نہیں کہ ابرہہ کا مقابلہ کر سکیں۔ جب حباطہ کو یقین ہو گیا کہ اہل مکہ ابرہہ کے ساتھ جنگ کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے تو اس نے حضرت عبدالمطلب کو ابرہہ کے پاس جانے کو کہا۔

عبدالمطلب اپنے چند بیٹوں کے ہمراہ حباطہ کے ساتھ ابرہہ کی طرف روانہ ہوئے، جب اس کے لشکر میں پہنچے تو آپ نے ذونفر کے بارے میں پوچھا، وہ آپ کا پرانا دوست تھا۔ آپ کو اس کے پاس لے جایا گیا، جہاں وہ محبوس تھا۔ آپ نے اسے کہا: اے ذونفر! جو مصیبت ہم پر نازل ہوئی کیا اس میں تم ہمارے کسی کام آ سکتے ہو؟ اس نے کہا: میں ایک بے بس قیدی ہوں، بادشاہ جب چاہے مجھے موت کے گھاٹ اتار دے۔ اس حالت میں میں تمھاری کیا خدمت بجا لا سکتا ہوں۔ البتہ ابرہہ کے ہاتھی کا سائیس جس کا نام

انیس ہے وہ میرا دوست ہے۔ میں اس کو بلا کر آپ کا تعارف کرا دیتا ہوں۔ وہ بادشاہ سے آپ کی ملاقات کرا دے گا، ممکن ہے اس مصیبت سے نجات کی کوئی صورت نکل آئے۔ چنانچہ اس نے انیس کو بلایا اور اس سے عبدالمطلب کا تعارف کرایا کہ یہ قریش کے سردار ہیں اور مکہ کے تجارتی کارواں کے سربراہ ہیں۔ ان کی سخاوت کی یہ کیفیت ہے کہ ان کا دسترخوان ہر وقت بچھا رہتا ہے۔ انسان تو انسان پہاڑوں کی چوٹیوں پر بسیرا کرنے والے درندے بھی ان کے دسترخوان سے اپنے پیٹ بھرتے ہیں۔ بادشاہ کے ملازمین ان کے دوسو اونٹ ہانک کر لے آئے ہیں، تم ان کی جو مدد کر سکتے ہو، ضرور کرو۔ اس نے وعدہ کیا۔ انیس ابرہہ کے پاس گیا اور عبدالمطلب کا تعارف کرایا اور ان کی ملاقات کی اجازت لے لی۔

حضرت عبدالمطلب صاحب حسن و جمال تھے، چہرے سے وجاہت اور شرافت کے آثار نمایاں تھے، ابرہہ نے جب آپ کو دیکھا، آپ کی بڑی تعظیم کی، بڑے آداب بجالایا اور یہ پسند نہ کیا کہ خود تخت کے اوپر بیٹھے اور انھیں نیچے بٹھائے اور یہ بھی مناسب نہ سمجھا کہ ان کو اپنے ساتھ تخت پر بٹھائے مبادا لشکر کے لوگ اس کا برا مانیں۔ چنانچہ ابرہہ اپنے تخت سے نیچے اترا اور قالین پر بیٹھ گیا، اور آپ کو بھی اپنے پہلو میں ساتھ قالین پر بٹھایا۔ پھر ترجمان سے کہا: ان سے پوچھو، یہ کس کام کے لیے آئے ہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ میں اس لیے آیا ہوں کہ بادشاہ کے سپاہیوں نے میرے دوسو اونٹ پکڑ لیے ہیں، وہ مجھے واپس دیئے جائیں۔ ابرہہ نے ترجمان کو کہا: کہ انھیں کہو، کہ جب میں نے آپ کو دیکھا تھا میں آپ سے بہت متأثر ہوا تھا، لیکن جب آپ نے بات کی ہے تو آپ کی قدر و منزلت میری آنکھوں سے گر گئی ہے۔ آپ دوسو اونٹ کے بارے میں تو مجھ سے گفتگو کرتے ہیں، لیکن اس گھر کے بارے میں کچھ نہیں کہتے جس کو میں گرانے کے لیے آیا ہوں، حالاں کہ وہ گھر آپ کا اور آپ کے آباء و اجداد کا دین ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ میں اونٹوں کا مالک ہوں اور اس گھر کا بھی ایک مالک ہے، وہ خود اس کی حفاظت فرمائے گا۔ ابرہہ نے بڑے غرور سے کہا: کوئی بھی میری زد سے کعبہ کو نہیں بچا سکتا۔ آپ نے فرمایا: تو جانے اور وہ جانے۔

حضرت عبد المطلب ابرہہ کی ملاقات کے بعد واپس آ گئے اور قریش کو سارے حالات سے آگاہ کیا اور انھیں حکم دیا کہ وہ مکہ سے نکل جائیں اور پہاڑوں کے غاروں اور چوٹیوں میں پناہ گزیں ہو جائیں، مبادا ابرہہ کا لشکر مکہ میں داخل ہو کر ان کو ہدف ستم بنائے۔ پھر اپنے ساتھ چند آدمیوں کو لے کر خانۂ کعبہ کے پاس آئے اور اس کے حلقہ کو پکڑ کر اللہ تعالیٰ کی جناب میں فریاد کرنے لگے اور ابرہہ اور اس کے لشکر پر فتح ونصرت کی درخواست کرنے لگے۔ اس وقت عبد المطلب نے بارگاہ الٰہی میں عرض کی:

لاھم ان العبد یمنع
رحلہ فامنع حلالک

●

لا یغلبن صلیبھم
و محالھم غدوا محالک

●

ان کنت تارکھم
و قبلتنا فامر ما بدالک

اے اللہ! بندہ بھی اپنے کجاوے کی حفاظت کرتا ہے، تو بھی اپنے گھر کی حفاظت فرما، ایسا نہ ہو کہ ان کی صلیب کل تیرے گھر پر غالب آ جائے اور نصب کر دی جائے، اور اگر تو ان کو اور ہمارے قبیلہ کو آزاد چھوڑنے والا ہے تو جس طرح تیری مرضی ہو، تو اس طرح کر۔

اس دعا کے بعد عبد المطلب بھی ایک پہاڑ کے غار میں چلے گئے۔

علامہ ملا علی قاری حضرت عبد المطلب کے فضائل میں لکھتے ہیں:

من فضائل عبد المطلب ان قریشا خرجت من الحرم لما قدم علیهم اصحب الفیل و قال هو (عبد المطلب) و الله لا اخرج من حرم الله ابغی العز فی غیره و لا ابغی سواء عند الله .

جب قریش حرم سے نکل گئے اور اصحاب فیل نے حملہ کیا تو حضرت عبد المطلب نے کہا: بخدا! اللہ کے حرم سے ہرگز نہیں نکلوں گا تا کہ اس کے علاوہ کسی اور کے پاس عزت تلاش کروں۔ میں تو اللہ تعالیٰ کے بدلے میں اور کسی چیز کا متمنی نہیں۔

دوسرے دن صبح ابرہہ نے مکہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ اپنے ہاتھی کو جس کا نام ''محمود'' تھا اور اپنے لشکر کو تیار کیا۔ ابرہہ نے کعبہ کو منہدم کرنے کا پختہ عزم کر لیا تھا اور اس کے بعد وہ یمن واپس جانا چاہتا تھا۔ جب انھوں نے ہاتھی کو مکہ کی طرف متوجہ کیا تو نفیل بن حبیب آیا اور ہاتھی کے پہلو کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ اس کا کان پکڑ لیا، پھر اسے کہا:

ابرک محمود او ارجع راشدا من حیث جئت فانک فی بلد الله الحرام

کہ اے محمود (ابرہہ کے ہاتھی کا نام) بیٹھ جاؤ جدھر سے آئے ہو ادھر لوٹ جاؤ کیوں کہ تو اللہ کے مقدس شہر میں ہے۔

یہ سنتے ہی ہاتھی بیٹھ گیا۔ نفیل بن حبیب وہاں سے نکلا اور دوڑتا ہوا پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گیا انھوں نے ہاتھی کو مارا تا کہ وہ کھڑا ہو لیکن اس نے کھڑے ہونے سے گویا انکار کر دیا پھر انھوں نے اس کے سر میں تبرزین سے چوٹیں لگائیں لیکن پھر بھی وہ نہ اٹھا پھر انھوں نے اس کے پیٹ کے نیچے ایسے عصا سے چرکے لگائے جس کا سنان ٹیڑھا کیا ہوا تھا وہ لہولہان ہو گیا لیکن پھر اٹھنے کا نام نہ لیا پھر انھوں نے اس کا رخ یمن کی طرف کیا تو وہ بھاگنے لگا۔ جب پھر مکہ کی طرف انھوں نے اس کا رخ کیا تو پھر بیٹھ گیا اسی اثناء میں ابابیل کی

ایک ٹکڑی سمندر کی طرف سے اڑتی ہوئی آئی ہر پرندے کی چونچ اور دونوں پنجوں میں ایک ایک کنکری تھی جس کی مقدار چنے اور مسور کے دانوں کے برابر تھی جس کے سر پر وہ گرتی اس کے فولادی خود کو چیرتی ہوئی اس کے جسم کے پار ہو جاتی۔ لشکر میں بھگدڑ مچ گئی وہ راستہ ڈھونڈنا چاہتے تھے جس پر چل کر وہ آئے تھے لیکن وہ انھیں مل نہیں رہا تھا۔ انھوں نے نفیل بن حبیب جوان کا راہنما بن کران کے ساتھ آیا تھا اس کو تلاش کیا تا کہ وہ انھیں یمن کا راستہ بتائے تو اس کا وہاں نام ونشان ہی نہ تھا وہ تو بھاگ کر پہاڑ کی چوٹی پر چلا گیا تھا اوران پر خدا کے عذاب کا ہولناک منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔

ابرہہ کے لشکر میں تیرہ ہاتھی تھے محمود کے علاوہ سارے ہاتھی ہلاک ہو گئے اور محمود نے کیوں کہ حرم شریف کی طرف پیش قدمی سے انکار کیا تھا اس لیے وہ بچ گیا وہ وہاں سے بھاگ نکلا لیکن جن کو وہ پتھر لگے ان میں سے کوئی سلامت نہ بچا۔ ابرہہ کی حالت بڑی قابل رحم تھی اس کو لے کر وہاں سے بھاگے لیکن راستہ میں اس کا انگ انگ گل کر گرنے لگا۔ اس کے جسم میں پیپ اور خون سرایت کر گیا جس سے غضب کی بوآتی تھی اور جب اس کو لے کر وہ صنعاء پہنچے تو وہ پرندے کے ایک چوزے کی طرح تھا لیکن مرنے سے پہلے اس کا سینہ پھٹ گیا اور دل باہر نکل گیا اس طرح وہ ایک اذیت ناک موت سے دوچار ہوا۔

یہ واقعہ محرم کو پیش آیا اور یہی وہ سال ہے جس میں فخر آدم و بنی آدم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے انسانیت کے خزاں گزیدہ گلستاں میں بہار آئی۔ (سیرت الرسول)

شب میلاد

اور

عجائب قدرت الٰہی کا ظہور

جس سہانی گھڑی چمکا طیبہ کا چاند
اس دل افروز ساعت پہ لاکھوں سلام

لقد من اللہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولا

بیشک اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پر کہ ان میں انھیں سے ایک رسول بھیجا۔

(القرآن)

شب میلاد اور عجائب قدرت الٰہی کا ظہور

علمائے سیرت نے اپنی کتب سیرت میں ان محیر العقول واقعات کا تذکرہ کیا ہے جو اس مبارک رات میں وقوع پذیر ہوئے۔ ان میں سے چند امور درج ذیل ہیں۔

(۱) اس رات کعبہ میں جو بت رکھے ہوئے تھے وہ سر کے بل سجدہ میں گر گئے کیوں کہ آج کی رات بت شکن کی پیدائش کی رات تھی۔

(۲) حضور کی ولادت کے وقت ایک ایسا نور ظاہر ہوا جس کی روشنی سے حضرت آمنہ کو شام کے محلات دکھائی دینے لگے۔

(۳) امام ابن اسحاق نے اپنی سیرت میں ہشام بن عروہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ ان کے والد نے حضرت عائشہ صدیقہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ایک یہودی تجارت کے لیے مکہ مکرمہ میں رہائش پذیر تھا جب شب میلاد آئی تو اس نے قریش کی ایک محفل میں آکر پوچھا اے گروہ قریش! کیا آج رات تمھارے ہاں کوئی بچہ پیدا ہوا ہے لوگوں نے کہا: بخدا ہمیں کوئی علم نہیں اس نے از راہ تعجب کہا اللہ اکبر! تم اپنے گھر والوں سے اس کے بارے میں ضرور دریافت کرنا اور میری اس بات کو بھی فراموش نہ کرنا کہ آج کی رات اس امت کا نبی پیدا ہوا۔ اس کی نشانی یہ ہے کہ اس کے دونوں کندھوں کے درمیان بالوں کا ایک گچھا اگا ہوگا لوگ مجلس برخاست کر کے اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے ہر ایک نے اپنے گھر جا کر اپنے اہل خانہ سے پوچھا کہ کیا قریش کے کسی گھر میں آج کوئی بچہ پیدا ہوا ہے انھیں بتایا گیا کہ آج عبد المطلب کے ہاں ایک بچہ پیدا ہوا ہے جس کا نام انھوں نے محمد رکھا ہے۔ وہ لوگ اس یہودی کے پاس گئے اسے بتایا کہ ان کے قبیلہ میں ایک بچہ پیدا ہوا ہے اس نے کہا میرے ساتھ چلو میں بھی اس بچہ کو دیکھنا چاہتا ہوں چنانچہ اسے لے کر

وہ لوگ حضرت آمنہ کے گھر آئے اور کہا کہ ہمیں اپنا بچہ دکھایئے آپ نے اپنے فرزند ارجمند کو ان کے سامنے پیش کیا، اس یہودی نے بچے کی پیٹھ سے کپڑا اٹھایا اور بالوں کا اگا ہوا ایک گچھا دیکھا اور دیکھتے ہی وہ غش کھا کر گر پڑا جب اسے ہوش آیا تو انھوں نے اس سے پوچھا تیرا خانہ خراب تجھے کیا ہو گیا تھا اس نے بصد حسرت کہا کہ آج بنی اسرائیل کے گھرانہ سے نبوت رخصت ہو گئی۔ اے گروہ قریش! تمھیں خوش ہونا چاہیئے کہ یہ مولود تمھیں بڑی بلندیوں کی طرف لے جائے گا مشرق و مغرب میں تمھارے نام کی گونج سنائی دے گی۔

(۴) اس رات کسریٰ کا ایوان لرز گیا اور اس کے چودہ کنگرے گر گئے۔

(۵) ایران کا مرکزی آتش کدہ جس میں ایک ہزار سال سے آگ بھڑک رہی تھی وہ آگ اچانک بجھ گئی۔

اس قسم کے متعدد واقعات ہیں جن کو عصر حاضر کے سیرت نگاروں نے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے لیکن عہد جدید کے بالغ نظر عالم امام محمد ابو زہرہ نے اپنی سیرت کی کتاب ''خاتم النبیین'' میں ان واقعات کا ذکر کیا ہے اور ان لوگوں کی پرزور تردید کی ہے جو ایسے واقعات کو تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں۔

آپ فرماتے ہیں کہ روایات کی صحت و عدم صحت کا دارومدار اس بات پر ہے کہ سند کے اعتبار سے ان روایات کا کیا مقام ہے، ان کی سند قابل اعتبار ہے یا نہیں اگر علماء حدیث ان کی سند کے بارے میں شک کا اظہار کریں تو ایسی روایات کو درخور اعتناء نہیں سمجھا جائے گا لیکن اگر ان کی سند معتبر ہو، جن راویوں نے ان واقعات کو روایت کیا ہے وہ قابل اعتماد ہوں تو پھر وہ روایات قابل قبول ہوں گی، ان کے بارے میں عدم صحت کا فتویٰ صادر کرنا ان قواعد و ضوابط سے بے خبری کی علامت ہوگی جو اہل تحقیق نے کسی روایت کے صحیح یا ضعیف ہونے کے لیے مقرر کیے ہیں۔

●......●......●

آمدِ رسول کی بشارات و پیشین گوئیاں

ابھی رات کی تاریکی سارے عالم پر چھائی ہوئی ہے کہ مشرقی افق پر صبح صادق کا اجالا نمودار ہوتا ہے اور اس کی سہانی روشنی یہ اعلان کرنے لگتی ہے کہ شب دیجور کا طلسم ٹوٹنے والا ہے جلد ہی آفتاب عالم تاب طلوع ہوگا اور سارا جہان اس کے انوار سے جگمگانے لگے گا۔

طویل خشک سالی کے باعث گلشن ہستی کی رونقیں جب دم توڑ دیتی ہیں لہلہاتے ہوئے کھیتوں اور سرسبز شاداب وادیوں میں خاک اڑنے لگتی ہے چیونٹیاں بھی پانی کی ایک بوند کے لیے ترسنے لگتی ہیں تو رب العالمین جو ارحم الرحمین ہے، باران رحمت سے ہر تشنہ لب کو سیراب کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو پہلے ٹھنڈی ہواؤں کے جھونکوں سے اپنی رحمت کی خوشخبری سناتا ہے۔

و هو الذی یرسل الریاح بشرا بین یدی رحمته .

وہی خدا ہے جو بھیجتا ہے ہواؤں کو اپنی باران رحمت سے پہلے خوشخبری سنانے کے لیے۔

بعینہٖ اسی طرح مطلع نبوت و ہدایت پر آفتاب محمدی کے طلوع ہونے سے پہلے، بہت پہلے بشارتوں، پیشین گوئیوں، شہادتوں اور اعلانات صادقہ کا سلسلہ شروع کر دیا گیا پے در پے ایسے واقعات ظہور پذیر ہونے لگے جو اس ابر رحمت کی آمد کی نوید سنا رہے تھے کہ جب وہ گھر آئے گا اور برسے گا تو اس اسے انسانی زندگی کا کوئی ایک مخصوص شعبہ ہی نہیں بلکہ اس کا ہر شعبہ اور ہر پہلو سیراب ہوگا، اس کا ہر قطرہ حیات بخش ہوگا، ہر دل گرفتہ غنچہ اس کے فیض سے کھل کر پھول بنے گا، ہر افسردہ کلی مسکرانے لگے گی، حرماں نصیبوں اور غمزدوں کے گھروں میں مسرت کے چراغ روشنی پھیلانے لگیں گے جس کی بابرکت چھینٹوں سے ہر چیز کی خفتہ صلاحیتیں جاگ اٹھیں گی۔ سب سے اہم یہ کہ حضرت انسان کے شکستہ پروں کو قوت پرواز عطا ہوگی وہ خود فراموش، خود شناس بن جائے گا اور اپنے مقام رفیع پر خیمہ زن ہونے کی لگن اس کو بے تاب کر دے گی

اور اس کے لیے کمر ہمت باندھ کر مصروف عمل ہو جائے گا۔

یہ نوید رحمت سنانے کے لیے ان بشارتوں سے شکستہ دلوں کو خورسند اور شاد کام کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے جلیل القدر انبیاء اور اولوالعزم رسولوں کو منتخب فرمایا۔ ان پر جو آسمانی کتب اور صحیفے نازل کیے گئے تھے ان میں جگہ جگہ ایسی خوشخبریاں درج تھیں اور ایسی صفات و علامات کا تفصیلی بیان تھا جو اس آنے والے رسول گرامی میں پائی جانے والی تھیں۔ اپنے اپنے زمانہ میں مقربین بارگاہ الٰہی اپنی خانقاہوں میں اور علمائے ربانیین درسگاہوں میں اس محبوب کریم کی دلنواز اداؤں کو بیان کر کے آشفتہ دلوں اور پریشان حالوں کی تسکین کا سامان فراہم کرتے تھے۔ اس کی آمد کی منادی کرنے والوں میں اہل کتاب کے احبار و رہبان بھی تھے اور عہد جاہلیت کے کاہن بھی، ملوک و سلاطین بھی تھے اور فلک علم و حکمت کے آفتاب و ماہتاب بھی۔

جن کے واسطے سے یہ بشارتیں اور خوشخبریاں ہم تک پہنچیں وہ پیشہ ور داستان سرا، چرب زبان قصہ گو، نوعیت کے لوگ نہیں تھے بلکہ سربرآوردہ مفسرین، نامور محدثین، عالمی شہرت کے مالک مورخین، ادب ولغت کے مسلمہ ائمہ، صوفیاء اور فقہاء کا ایک مقدس گروہ تھا۔ جنھوں نے امت احمدیہ تک ان حقائق کو بڑی دیانتداری سے پہنچایا، ان پاکباز حضرات نے اللہ تعالیٰ کے حبیب اور اس کی مخلوق کے ہادی برحق محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے موضوع پر پورے احساس ذمہ داری کے ساتھ بڑی گراں قیمت کتابیں تالیف کیں اور انھیں اپنی نجات اور بخشش کا ذریعہ سمجھا اور اپنی ان تالیفات میں انھوں نے ان بشارتوں، پیشین گوئیوں، اعلانات و واقعات اور حادثات جن کا تعلق بعثت نبوی سے تھا کا تذکرہ بڑی تفصیل سے کیا۔ البتہ جو روایات علمی معیار پر پوری نہ اترتی تھیں ان کی نشاندہی کی جس روایت کی سند میں کوئی غیر ثقہ راوی درآیا تھا اس سے قارئین کو آگاہ کیا اور اگر کوئی واقعہ فن روایت و درایت کے معیار پر پورا نہیں اترتا تھا تو کھل کر اس کو بیان کر دیا تاکہ کوئی پڑھنے والا ان غلط اور ضعیف روایات و حکایات کے باعث کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہو جائے یہ ان کی علمی اور دینی ذمہ داری تھی جسے انھوں نے بلا خوف لومۃ لائم ڈنکے کی چوٹ سے

پورا کیا اور کوئی بڑی سے بڑی شخصیت بھی ان کو اظہار حق سے روک نہ سکی۔

سلف صالحین کی ان مخلصانہ کاوشوں اور جد و جہد کا نتیجہ یہ نکلا کہ جو لوگ اپنے نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کرنے کے لیے ان حضرات کی تصنیفات کی طرف رجوع کرتے انھیں ایک تو اس پاکیزہ زندگی کے ماہ و سال شب و روز بلکہ ہر صبح اور ہر شام میں رو پذیر ہونے والے واقعات کا صحیح علم ہو جاتا تھا۔ دوسرا جب وہ اپنے مرشد برحق کے ان کمالات کو ان کتابوں میں پڑھتے جن سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان کے خالق نے آراستہ اور مزین فرمایا تھا تو اس ذات اقدس واطہر کی محبت کی شمع ان کے دلوں میں فروزاں ہو جاتی تھی۔ اور جب وہ محبوب رب العالمین کے عشق کی شراب طہور سے سرشار ہو کر جادۂ زیست پر گامزن ہوتے تو ان کے کیف و مستی کا انداز ہی نرالا ہوتا تھا۔ احکام شریعت کی پابندی کو وہ ناگوار بوجھ خیال نہیں کرتے تھے بلکہ بڑے ذوق و شوق کے ساتھ احکام الٰہی کو بجالاتے تھے۔ ان کے دن میدان جہاد میں شمشیر زنی کرتے گزرتے تو ان کی راتیں اور خلوتیں اپنے خالق حقیقی کی یاد میں آنسو بہاتے، آہیں بھرتے، اور ماہی بے آب کی طرح تڑپتے گزرتیں۔ اولاد کی محبت، کاروبار کی مصروفیت انھیں ذکر الٰہی سے غافل نہیں کر سکتی تھیں۔

جب انھیں دین حق کو سربلند کرنے کے لیے مال و جان کا نذرانہ پیش کرنے کا حکم دیا جاتا تو وہ اس کو اپنے لیے کمال سعادت خیال کرتے بے دریغ اور بے تامل ہر قسم کی قربانی پیش کرنے کے لیے تیار نظر آتے ہر کلمہ گو کی کم و بیش یہی کیفیت ہوتی۔

دشمنان اسلام اور مستشرقین کے نظریات و تحقیقات پر تنقیدی نظر

لیکن جب دشمنان اسلام جنگ کے میدانوں میں اپنی تمام تر مساعی کے باوجود اسلام کا پرچم سرنگوں نہ کر سکے تو انھوں نے مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے اور ان کی صفوں کو درہم برہم کرنے کے

لیے سازشوں کے دام بننے اور بچھانے شروع کر دیے۔ اس طرز عمل سے انھیں کافی کامیابیاں حاصل ہوئیں لیکن اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ان کے دلوں میں انتقام کی جو آگ بھڑک رہی تھی وہ ٹھنڈی نہ ہوئی وہ تو اسلام کا نام ونشان ہی صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کے آرزومند تھے۔ چنانچہ انھوں نے اسلامی مملکت کو چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹا ہوا پایا تو یورپ کے مذہبی پیشواؤں نے اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف جھوٹے پروپیگنڈے کی مہم اس زور شور سے چلائی کہ یورپ میں بسنے والا ہر فرد امیر، فقیر، بادشاہ اور رعایا فوج کا عام سپاہی اور اس کے جرنیل، بیت المقدس کو فتح کرنے کے جنون میں ایک طوفان بن کر شام و فلسطین کی سرحدوں پر امڈ آئے۔ انھیں یقین تھا کہ وہ اپنی اجتماعی، عسکری قوت کے بل بوتے پر اس مہم کو سر کر لیں گے۔ ان کے پادریوں نے بھی ان کو یقین دلایا تھا کہ یسوع مسیح اپنے جملہ خدائی اختیارات کے ساتھ ان کی مدد فرمائے گا لیکن ہر بار فرزندان توحید نے صلیب کے پرستاروں کی امیدیں خاک میں ملا دیں۔

مسلم دنیا کے حکمراں اگرچہ متحد نہ ہو سکے لیکن غازی نورالدین محمود اور غازی صلاح الدین ایوبی کی قیادت میں شمع جمال مصطفوی کے پروانوں اور دین اسلام کے شیدائیوں نے اپنی شجاعت کے ایسے جوہر دکھائے اور اس عدیم المثال جرأت و ثابت قدمی سے ان یلغاروں کا مقابلہ کیا کہ دشمنوں کے دانت کھٹے کر کے رکھ دیئے۔ اور یورپ کے نوابوں، بادشاہوں اور شہنشاہوں کو ورطۂ حیرت میں مبتلا کر دیا۔ اٹلی، جرمنی، فرانس اور دیگر چھوٹے بڑے یورپین ممالک کے حکمرانوں کے علاوہ برطانیہ عظمیٰ کا شہنشاہ رچرڈ جو شیر دل کے لقب سے ملقب تھا بذات خود اپنی فوجوں کی قیادت کر رہا تھا لیکن غازی صلاح الدین اور اس کے مجاہدوں کے نعرۂ تکبیر کی کڑک ان کے اوسان خطا کر دیتی اور وہ راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتے۔ تقریباً دو سو سال تک مسلسل جاری رہنے والی صلیبی جنگوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ ۱۱۸۷ء میں غازی صلاح الدین ایوبی نے اپنے جاں باز اور سرفروش مجاہدوں کی معیت میں ''القدس'' فرنگیوں سے چھین لیا۔ صلیب کے پرچم کو سرنگوں کر کے اسلام کا ہلالی پرچم لہرا دیا۔

اس سے پہلے بھی مسلمان مجاہدوں نے عیسائیوں کو کئی صدیوں تک شکستوں پر شکستیں دی تھیں انھوں نے شرق اوسط کے تمام ممالک شام، فلسطین، لبنان وغیرہ رومی عیسائیوں سے بزور شمشیر چھین لیے تھے۔ مسلمانوں نے ایشیا اور افریقہ کے براعظموں میں ہی عیسائی مملکتوں کا خاتمہ کرنے پر اکتفاء نہ کیا بلکہ طارق نے آگے بڑھ کر یورپ پر حملہ کیا اور اسپین کے وسیع وعریض ملک پر قبضہ کر کے جگہ جگہ ایسی مسجدوں کا جال بچھادیا جن کے فلک بوس میناروں سے دن میں پانچ مرتبہ اذان کی دلکش صدائیں گونجتی تھیں اور صلیب کے پیروکاروں کے ملک میں اللہ وحدہ لاشریک کی توحید اور محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رسالت کا اعلان کرتی تھیں۔ ان صدیوں پر پھیلی ہوئی پے در پے ہزیمتوں کا جو داغ ان کے دل پر اور جو چرکے ان کے دماغ کو لگے تھے انھوں نے ناسوروں کی شکل اختیار کر لی تھی جو ہر لحظہ رستے رہتے تھے اور ان شکستوں کی اذیت ناک یاد کو تازہ کرتے رہتے تھے۔ لیکن بیت المقدس کی شکست اور وہاں صلیبی پرچم سرنگوں ہونے اور اسلامی علم کے لہرائے جانے کے صدمے نے تو گویا ان کو نیم جان بنا کر رکھ دیا اس مشکل پر قابو پانے کے لیے انھوں نے اپنے دانشوروں، ماہرین علم نفسیات، اپنے مایۂ ناز مورخین، سیاستدانوں اور مذہبی رہنماؤں پر مشتمل کئی کمیشن تشکیل دی اور انھیں یہ کام تفویض کیا کہ وہ اس بات کا سراغ لگائیں کہ اس ناقابل تسخیر قوت کا سرچشمہ کہاں ہے جو ان نہتے مسلمان سپاہیوں میں بجلی بن کر دوڑتی ہے جس کے اعجاز سے ہر مجاہد حیدر کرار کی خیبر شکن طاقت کا علم دار بن جاتا ہے اور ان کے ہاتھوں میں لہرانے والی تلوار ذوالفقار بن کر ان کے دشمنوں کو کاٹ کر رکھ دیتی ہے۔

سالہا سال کے مطالعہ، سوچ وچار اور باہمی مشورے سے وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ اس قوت کا سرچشمہ عشق مصطفیٰ علیہ اطیب التحیۃ واجمل الثناء ہے جب تک عشق غیور کا یہ جذبہ زندہ رہے گا، جب تک اپنے محبوب نبی کے ساتھ مسلمانوں کی والہانہ محبت کا چراغ روشن رہے گا، جب تک اپنے ہادی اور مرشد کے لائے ہوئے دین کو سر بلند رکھنے اور اس کی ہر آن پر کٹ مرنے کا شوق سلامت رہے گا ان مسلمانوں کو

شکست نہیں دی جا سکتی۔ اس کا واحد طریقہ یہی ہے کہ عشق و محبت کے اس چشمۂ صافی کو گدلا کر دیا جائے، اس میں شکوک و شبہات کا زہر گھول دیا جائے، محبت و نیاز مندی کی ہر ادا پر شرک کا فتویٰ صادر کر دیا جائے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو کم از کم بدعت کی تہمت ضرور لگا دی جائے اور یہ کام بھی سرگرمی اور جوش و خروش سے کیا جائے اور لگاتار کیا جائے کہ مسلمانوں کی قوت دفاع کو اگر کلیۃً ختم نہ کیا جا سکے تو اس کو کمزور ضرور کر دیا جائے تاکہ اپنے محبوب کے نام پر اس کے نقوش پا پر جان کی بازی لگانے والوں کی اداؤں میں وہ شوخی اور بانکپن باقی نہ رہے جو خود صیاد کو اب تک صید زبوں بنا لینے کا معجزہ دکھاتا رہا ہے اس مذموم مقصد کی تکمیل کے لیے استشراق کی تحریک کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔

جذبہ اسلامی کو ماند کرنے کے لیے دشمنان اسلام کی یہ بڑی گہری چال تھی اور اس کو بڑی مہارت اور چابک دستی سے آگے بڑھایا گیا۔

اس تحریک کی زمام کار کہنہ مشق اور تجربہ کار اساتذہ اور پروفیسروں کے ہاتھ میں دے دی گئی جو شہرہ آفاق یونیورسٹیوں میں تدریس کی خدمات انجام دے رہے تھے۔ ان کی شخصیتوں کو قد آور بنانے کے لیے ان کے گرد تقدس اور جلالت علمی کا ایک مصنوعی ہالہ بنا دیا گیا، ان کے بارے میں یہ مشہور کیا گیا کہ وہ بے لاگ نقاد ہیں علمی تحقیقات کے میدان میں ان کی غیر جانبداری ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ ہر قیمت پر حق کے پرچم کو بلند رکھنا ان کا شعار ہے۔ اس طرح بڑے بڑے القابات کی غلط بخشیوں سے طالبان علم و دانش اور حق و صداقت کے متلاشیوں کی نگاہوں میں ان کی شخصیتوں کو بلند و بالا کر دیا گیا ان کی تالیفات اور مقالات کا مطالعہ کرنے والا، ان کے مطالعہ کرنے سے پہلے ہی ان کی علمی شہرت اور ان کی فنی دیانت داری پر ایمان لا چکا ہوتا ہے۔ اس کے بعد جب وہ شہد سے زیادہ شیریں زبان میں لکھی گئی ان کتب کا مطالعہ کرتا ہے تو ان کے نظریات کو بلا تامل حلق سے نیچے اتارتا اور لوح قلب پر نقش کرتا جاتا ہے اس وارفتگی کے عالم میں اسے یہ بھی خبر نہیں ہوتی کہ جس کو وہ شہد سمجھ رہا ہے اس میں بڑی عیاری سے اس کے لیے زہر ہلاہل ملا دیا گیا

ہے۔ اس کے جان لیوا اثرات اسے اس کے افکار و نظریات بلکہ اس کے تشخص کو بھی موت کی نیند سلا دیں گے۔

ان مستشرقین نے جس موضوع کو اپنی جارحانہ تنقید کا ہدف بنایا وہ کمالات مصطفوی کا موضوع ہے وہ کمالات حمیدہ، وہ صفات جمیلہ جن سے کسی انسان نے نہیں بلکہ خود خداوند رحمٰن نے حضور کو متصف اور مزین فرمایا ہے۔

ان لوگوں کا انداز بیان بڑا دلکش اور از حد خطرناک ہوتا ہے اس کی زد سے بچ کر نکل جانا توفیق الٰہی کے بغیر ممکن نہیں ہوتا۔ ان کا طریقہ واردات یہ ہے کہ وہ صفحات پر صفحات حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ثنا گستری میں رقم کرتے چلے جاتے ہیں، پڑھنے والا اگر سادہ لوح ہو تو وہ ان کی اس تعریف اور ثنا گستری سے اتنا متاثر ہوتا ہے کہ ان کی غیر جانبداری پر عش عش کرنے لگتا ہے لیکن انھیں صفحات کے درمیان وہ ایک آدھ جملہ ایسا لکھ جاتے ہیں کہ وہ تمام تعریفات سراب بن کر رہ جاتی ہیں۔ محبت اور فدائیت کا جو جذبہ اس ثنا گستری کے مطالعہ سے پیدا ہونا چاہیئے اس کا دور دور تک کہیں سراغ نہیں ملتا اور یہی ان کی شب و روز کاوش کا صلہ ہے۔

اس تحریک کو اپنے منطقی نتائج پر پہنچانے کے لیے بڑے بڑے ممالک کی دولت مند حکومتوں کے خزانوں کے منہ کھول دیے جاتے ہیں۔ اس ناپاک مہم کو سر کرنے کے لیے جن نابغۂ روزگار ہستیوں کو منتخب کیا جاتا ہے ان کو بھاری بھر کم تنخواہوں اور وظائف سے نوازا جاتا ہے، ان کی تصنیفات بڑی دیدہ زیب صورت میں شائع کی جاتی ہیں۔ ان کو قبول عام کی سند سے بہرور کرنے کے لیے ان کی غیر معمولی اشاعتوں کا اہتمام کیا جاتا ہے اپنی پسند کے لوگوں سے بھاری رقوم دے کر ان پر تبصرے لکھوائے جاتے ہیں اور انھیں بڑے اہتمام سے عالمی شہرت یافتہ روزناموں یا ماہناموں میں شائع کر دیا جاتا ہے اس طرح قلیل مدت میں ایک گمنام شخص شہرت کے آسمان پر روشن ستارے کی طرح چمکنے لگتا ہے۔ اس کے ساتھ اس کی حق گوئی، بے لاگ

تحقیق، غیر جانبدارانہ تنقید کا ڈھنڈورا بھی پیٹا جاتا ہے تاکہ اس کے قارئین اس کی نگارشات کو پڑھنے سے پہلے ہی اس کی حق گوئی کو دل و جان سے تسلیم کرلیں اور بڑے شرح صدر کے ساتھ جو نظریات وہ پیش کرتا ہے اس کو کسی ہچکچاہٹ کے بغیر قبول کرتے جائیں اور اگر کوئی شخص جسارت کرکے اس کی خرافات کا پردہ چاک کرتا ہے تو اسے رجعت پسند، کور ذوق اور اندھی تقلید کا خوگر کے الفاظ سے ہدف طعن و تشنیع بنایا جاتا ہے۔

بہرحال یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ جو کام رچرڈ شیر دل کی فولادی تلوار نہ کرسکی، صلیبی لشکر جو مور چے اپنے ان گنت جوانوں کی جوانیاں قربان کرکے فتح نہ کرسکے وہ کام یونیورسٹی کی کمین گاہوں میں بیٹھے ہوئے ان بوڑھے مستشرق پروفیسروں اور اساتذہ کے قلموں نے بڑی آسانی سے انجام دیئے۔

استشراق کے زہریلے اثرات ہم اپنی قومی اور دینی زندگی کے ہر شعبہ میں نمایاں طور پر محسوس کر رہے ہیں لیکن سیرت نویسی کے میدان میں جو خدمات مستشرقین کی تصنیفات سے متاثر ہمارے مسلم سیرت نگار انجام دے رہے ہیں وہ ہماری چشم ہوش کھول دینے کے لیے کافی ہے۔

ان کے تیشۂ تحقیق کی پہلی ضرب معجزات نبوی علی صاحبہا الصلاۃ والسلام پر پڑی ہے وہی اعتراضات جو کسی یورپین مستشرق نے انبیاء کرام کے معجزات پر کیے ہیں ان کو نقل کرکے صفحات پر صفحات کالے کیے جاتے ہیں اور ان کو ناممکن اور عقل و دانش کے خلاف ثابت کرنے کے لیے سارا زور قلم صرف کر دیا جاتا ہے۔ اگر ان آیات بینات میں سے کسی کو ناممکن اور خلاف عقل ثابت کرنا ان کے بس کا روگ نہ ہو تو پھر اس روایت کی سند پر برسنا شروع کر دیتے ہیں یہاں تک دیکھنے میں آیا ہے کہ اگر یہ روایت متعدد طریقوں اور مختلف سندوں سے مروی ہے اور اگر اس کی ایک سند میں کسی ایسے راوی کا نام آگیا ہے جو ضعیف یا غیر ثقہ ہے تو پھر اس روایت پر قلم تنسیخ پھیرنے میں ذرا دیر نہیں کرتے، یہ سوچنے کی توفیق بھی نصیب نہیں ہوتی کہ اگر اس روایت کی ایک سند میں کوئی راوی مجروح ہے تو اس کے علاوہ اس کے دوسرے طرق

بھی ہیں جن کے سارے راوی ثقہ ہیں توان سب کو نظر انداز کرنا کیوں کر قرین انصاف ہو سکتا ہے۔

اس طرح وہ روایات جن کا تعلق اگر چہ معجزات سے نہیں لیکن ان سے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان محبوبیت آشکارا ہوتی ہے جس پر دل بے ساختہ قربان ہونے کے لیے بے تاب ہو جاتا ہے تو ایسی روایات کو بھی بخشا نہیں جاتا بلکہ ان کے بارے میں بھی اپنے قارئین کے ذہنوں میں وسوسے پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے یا دانستہ ان کے ذکر سے گریز کیا جاتا ہے۔ اگر سینے میں دھڑکنے والا دل ایسی بھونڈی حرکت پر احتجاج کرتا ہے تو اسے یہ کہہ کر دلاسہ دیا جاتا ہے کہ اگر حضور کے مقام رفیع کو زیادہ عیاں کیا جائے گا اور اس کی دل آویز اداؤں کے ذکر کے سلسلہ کو طول دیا جائے گا تو حضور کی زندگی عام انسانوں کے لیے اسوۂ حسنہ نہیں بن سکے گی اور حضور کی بعثت کا مقصد پورا نہ ہوگا اگر ان کمالات نبوت پر پردہ پڑا رہے اور لوگوں کے سامنے حضور کی بشریت کے پہلو کو اجاگر کیا جائے تو اس سے بعثت نبوی کے مقصد کی بہتر طور پر تکمیل ہو سکے گی۔ ایک عام انسان، عام انسان کی تقلید بآسانی کر سکتا ہے اور اگر سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی فوق البشر حیثیت بیان کرنے پر زیادہ زور دیا جائے گا تو ایک عام بشر کے لیے فوق البشر کی اطاعت و پیروی کرنا ممکن نہ رہے گا۔

یہ نیک بخت اتنا نہیں سوچتے کہ اگر یہ کمالات، اگر یہ بلند شانیں، جو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو ارزانی کی ہیں مقصد بعثت میں حجاب ہوتیں تو اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کو عطا ہی نہ فرماتا تاکہ مقصد بعثت کی پوری طرح تکمیل ہو سکے۔ کیا اللہ تعالیٰ سے زیادہ انھیں بعثت نبوی کے مقاصد کی تکمیل کا پاس ہے۔

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست

حقیقت تو یہ ہے کہ اس علیم و حلیم و پروردگار نے اپنے محبوب کو محبوبیت کی ان گنت شانوں سے نوازا ہی اس لیے ہے کہ جمال سرمدی کے ان جلوؤں کو دیکھ کر، حسن ازل کی ان اداؤں کو دیکھ کر اس کے بندے اس کے محبوب کے ہر فرمان کے سامنے بلا تامل سر جھکاتے جائیں، اس کے قدم ناز پر اپنے دلوں کو نثار

کرتے جائیں تا کہ نبوت مصطفوی کا مقصد باحسن طریق انجام پذیر ہو جائے۔

سچ تو یہ ہے کہ جو استشراق کے مہیا کیے ہوئے سرمہ سے اپنی آنکھوں کو سرگیں کرتے ہیں انھیں جمال محمدی کما حقہ نظر ہی نہیں آتا۔ اس پیکر نورانی کو جن رعنائیوں اور دلربائیوں سے سجایا گیا ہے اور بادیہ ضلالت میں بھٹکنے والے کاروان انسانیت کو راہ ہدایت پر گامزن کرنے کا جو فریضہ سونپا گیا ہے وہ فریضہ اسی وقت ادا ہو سکتا ہے کہ جب داعی دین حق کی حقانیت پر ایمان لانے کے ساتھ ساتھ دل و نگاہ بھی اس داعی کے کمال و جمال پر نثار ہو جانے کے شوق سے معمور ہوں جدید درسگاہوں، ملکی اور غیر ملکی دانش کدوں کے فضلاء اور اعلیٰ ڈگری یافتہ حضرات اگر مستشرقین کی مہارت سے بنے ہوئے اور بڑی عیاری سے بچھائے ہوئے دام ہم رنگ زمین کا شکار ہوتے تو ان کے لیے عذر پیش کیا جا سکتا تھا۔ مقام تأسف تو یہ ہے کہ ہماری دینی درسگاہوں کے کئی فضلاء بھی مستشرقین کی اس گہری سازش کا شکار ہو گئے۔

سیرت طیبہ کے موضوع پر آج کل بازار میں جو لٹریچر آ رہے ہیں ان میں عام طور پر کمالات محمدی اور شمائل مصطفوی کے ذکر میں بخل سے کام لیا جانے لگا ہے اس لیے عصر جدید کے مصنفین کی کتب سیرت کا مطالعہ کرنے سے واقعات تو اپنے تاریخی تسلسل کے ساتھ ذہن نشیں ہو جاتے ہیں ان کا باہمی ربط و ضبط بھی کافی حد تک سمجھ میں آ جاتا ہے مخالفین کی طرف سے اٹھائے گئے کئی اعتراضات کے معقول جوابات پر بھی آگہی حاصل ہو جاتی ہے لیکن عام طور پر قاری مطالعہ سیرت کی روح سے بے بہرہ رہتا ہے۔ محبت نبوی کا جذبہ طوفان بن کر اس کے سینے میں امڈ کر نہیں آتا دل بے قرار ہو کر اللہ کے رسول کے نقوش پا کو غیر مشروط طور پر اپنا خضر راہ بنانے کے لیے آمادہ نہیں ہوتا۔

حکمرانوں کی نوید و خوشخبریاں

یمن پر حبشیوں نے قبضہ جما لیا تھا، اہل یمن پر ظلم و ستم کی انتہاء کر دی تھی، سیف بن ذی یزن نے

کسریٰ سے امداد طلب کی اور یمن پر چڑھائی کر دی، حبشیوں کو شکست دی اور اپنے اہل وطن کو ان کی غلامی کی ذلت اور اذیت رسانی سے نجات دلائی۔ اور اس نے اہل حبش کو یمن سے جلا وطن کر دیا۔

یہ واقعہ حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت با سعادت کے دو سال بعد وقوع پذیر ہوا۔ عرب کے قبائل کے سرداروں اور شعراء کے کئی وفد سیف کو اس کامیابی پر مبارک باد پیش کرنے کے لیے یمن حاضر ہوئے ان میں قریش مکہ کا بھی ایک وفد تھا جس میں عبد المطلب بن ہاشم، امیہ بن عبد شمس، عبد اللہ بن جدعان وغیرہ اکابر قریش شامل تھے۔ یہ وفد صنعاء پہنچا معلوم ہوا کہ سیف غمدان نامی محل میں سکونت پذیر ہے۔ انھوں نے حاضر ہونے کی اجازت طلب کی انھیں باریابی کی اجازت ملی جب یہ سیف کے دربار میں حاضر ہوئے تو اس کے دائیں بائیں مختلف ممالک کے بادشاہ، شہزادے اور رؤسا کا ایک جمگھٹا تھا عبد المطلب اس کے قریب پہنچے اور گفتگو کرنے کا اذن طلب کیا۔

سیف نے کہا: اگر تمھیں بادشاہوں کے دربار میں لب کشائی کا سلیقہ آتا ہے تو ہم تمھیں اجازت دیتے ہیں۔

حضرت عبد المطلب نے کہا: اے بادشاہ! اللہ تعالیٰ نے تجھے جلیل القدر مقام پر فائز کیا ہے تو حسب اور نسب کے اعتبار سے قابل رشک ہے، تو سارے عرب کا سردار ہے، تو اس کی وہ بہار ہے جس سے سارا عرب سرسبز و شاداب ہوتا ہے، تیرے بزرگ ہمارے لیے بہترین سلف تھے اور تو ان کا بہترین خلف ہے، جس کا جانشیں تیرے جیسا ہو وہ فنا نہیں ہوگا اور جس کے آباء و اجداد تیرے آباء و اجداد کی طرح ہوں وہ کبھی گمنام نہیں ہوتا۔ اے بادشاہ! ہم اللہ تعالیٰ کے حرم کے رہنے والے ہیں اور اس کے گھر کے خدام ہیں ہم تیری خدمت میں ہدیۂ تہنیت پیش کرنے کے لیے آئے ہیں۔

سیف نے کہا: اے گفتگو کرنے والے! تم اپنا تعارف کراؤ۔

آپ نے کہا: میں عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف ہوں۔

بادشاہ نے کہا: پھر تو تم ہمارے بھانجے ہو۔

آپ نے فرمایا: بے شک

بادشاہ نے کہا: مرحبا و اھلا و ناقة و رحلا مستناحا سھلا و ملکا ربحلا.

مرحبا اور خوش آمدید! تمھارے لیے یہاں اونٹنی بھی ہے اور کجاوہ بھی اور خیمہ زن ہونے کے لیے کشادہ میدان بھی اور ایسا بادشاہ جو عظیم الشان ہے اس کے جود و عطا کی حد نہیں۔

میں نے تمھاری گفتگو سنی اور تمھاری قریبی رشتہ داری کو پہچانا ہے اور تمھارے وسیلے کو قبول کیا ہے جب تک تم یہاں اقامت گزیں رہو گے تمھاری ہر طرح عزت و تکریم کی جائے گی اور جب تم سفر کرو گے تو تمھیں انعامات سے نوازا جائے گا اب تم مہمان خانے میں تشریف لے جاؤ وہاں تمھاری ہر طرح مہمان نوازی کی جائے گی۔

وہ ایک مہینہ تک وہاں ٹھہرے نہ انھیں وہ واپس آنے کی اجازت دیتا اور نہ انھیں اپنی ملاقات کا موقع دیتا۔ پھر اچانک اس نے ایک روز علیٰحدگی میں عبد المطلب کو بلایا اور انھیں اپنی مخصوص محفل میں شرف باریابی بخشا۔

اور کہا: اے عبد المطلب! میں اپنا ایک راز تمھارے سامنے افشا کرنا چاہتا ہوں اور میں امید کرتا ہوں کہ تم اسے پوشیدہ رکھو گے یہاں تک اللہ تعالیٰ اس کو ظاہر کرنے کی اجازت دے۔

ہمارے پاس ایک کتاب ہے جس کو ہم سب سے مخفی رکھتے ہیں ہم نے اسے اپنے لیے مخصوص کر رکھا ہے کسی غیر کو اس پر آگاہ نہیں ہونے دیتے، اس میں آپ کے لیے ایک خصوصی فضیلت مرقوم ہے۔

عبدالمطلب نے کہا: اے بادشاہ! خدا تمھیں خوش رکھے اور نیکی کی توفیق دے، وہ کیا ہے؟

بادشاہ نے کہا: کہ جب تہامہ میں ایک بچہ پیدا ہوگا جس کے کندھوں کے درمیان ایک نشان ہوگا وہ سارے عرب کا سردار اور اس کے ذریعہ سے تمھیں بھی سارے عرب کی قیادت نصیب ہوگی روز قیامت تک۔

عبدالمطلب نے کہا: اگر بادشاہ سلامت اجازت دیں تو میں درخواست کروں گا کہ وہ اس بشارت کی تفصیل بیان کریں تا کہ میری خوشی میں اضافہ ہو۔

سیف نے کہا: اس بچے کی پیدائش کا زمانہ آ گیا ہے۔ یا وہ پیدا ہو چکا ہے اس کا نام نامی محمد ہے اس کے دونوں کندھوں کے درمیان نشان ہے اس کے والد اور ماں فوت ہوں گے اور اس کا دادا اور چچا اس کی کفالت کرے گا اور وہ خداوند رحمٰن کی عبادت کرے گا اور شیطان کو ٹھکرا دے گا، آگ کو بجھا دے گا، بتوں کو توڑ دے گا، اس کی بات فیصلہ کن ہوگی، اس کا حکم سراپا انصاف ہوگا۔

عبدالمطلب نے کہا: اے بادشاہ! تیرا ہمسایہ ہمیشہ باعزت رہے اور تو ہمیشہ سعادت مند رہے تیری عمر لمبی ہو تیری حکومت ہمیشہ رہے کیا تو مزید وضاحت کی زحمت گوارا کرے گا۔

سیف بن یزن نے کہا: اس غلافوں والے گھر کی قسم، اے عبدالمطلب! تو اس کا دادا ہے اس میں ذرا جھوٹ نہیں۔

عبدالمطلب سجدے میں گر پڑے۔

بادشاہ نے کہا: سر اٹھایئے تیرا سینہ ٹھنڈا ہو گیا تو نے اس چیز کو محسوس کیا ہے جس کا میں نے تیرے سامنے ذکر کیا۔

عبدالمطلب نے کہا: بے شک اے بادشاہ! بیشک میرا ایک بیٹا ہے جس پر میں فریفتہ تھا میں نے

اس کی شادی ایک عفت مآب خاتون سے کی جس کا نام آمنہ بنت وہب ہے اس کے ہاں بیٹا پیدا ہوا جس کا میں نے محمد نام رکھا اس کے باپ اور والدہ فوت ہو چکے ہیں۔ میں اور اس کا چچا اس کی کفالت کرتے ہیں اس کے کندھوں کے درمیان ایک نشان ہے اس میں تمام وہ علامتیں موجود ہیں جن کا تو نے ذکر کیا۔

سیف نے کہا: پھر اپنے اس بچے کی حفاظت کیا کرو اور یہود سے محتاط رہا کرو کیوں کہ وہ اس کے دشمن ہیں اور اللہ تعالیٰ انھیں کبھی اس پر غالب نہیں ہونے دے گا اور جو باتیں میں نے تمھارے ساتھ کی ہیں ان سے اپنے ساتھیوں کو مت آگاہ کرنا کیوں کہ مجھے اندیشہ ہے کہ وہ حسد نہ کرنے لگیں اور اگر مجھے یہ علم نہ ہوتا کہ عنقریب اس کی بعثت سے قبل میں اس دار فانی سے رخصت ہو جاؤں گا تو میں اپنے گھڑ سوار دستوں اور پیدل سپاہیوں کے ساتھ یہاں سے ترک سکونت کر کے یثرب کو اپنا دار السلطنت بناتا، کیوں کہ میری کتاب میں یہ لکھا ہے کہ یثرب میں اس کا دین مستحکم ہوگا اور اسی شہر میں آپ کا مدفن ہوگا اور وہاں کے لوگ آپ کے انصار ہوں گے۔

اس کے بعد سیف بن ذی یزن نے قریش کے وفد کو اپنے دربار میں طلب کیا اور ہر ایک کو سو سو اونٹ، دس دس غلام، دس دس کنیزیں، دس رطل چاندی، دس رطل سونا، عنبر کا بھرا ہوا ایک ظرف دیا۔ لیکن عبد المطلب کو ہر چیز دس دس گناہ زیادہ دی اور رخصت کرتے وقت کہا کہ آئندہ سال آنا اور مجھے اس مولود مسعود کے حالات سے آگاہ کرنا۔ لیکن سال کے ختم ہونے سے پہلے ہی سیف بن ذی یزن وفات پا گیا۔

عبد المطلب جب روانہ ہوئے تو انھوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا:

اے گروہ قریش! بادشاہ نے تم سے دس گنا مجھے جو انعامات دیے ہیں تم اس پر رشک نہ کرنا کیوں کہ بہر حال یہ ساری چیزیں ختم ہونے والی ہیں لیکن اگر رشک کرنا ہے تو اس چیز پر کرو جو ہمیشہ باقی رہنے والی ہے انھوں نے پوچھا وہ کیا ہے آپ نے فرمایا کہ کچھ عرصہ بعد اس کا اعلان کیا جائے گا۔

اس روایت سے صاف واضح ہوتا ہے کہ سیف بن ذی یزن جو یمن کا فرماں روا تھا اس کو بعثت محمدی کا پوری طرح علم تھا۔

ہرقل نے بعثت نبوی کا ستارا دیکھا

ہرقل سلطنت رومہ کا شہنشاہ تھا خسرو پرویز نے حملہ کر کے اس کی مملکت کا بہت بڑا حصہ اس سے چھین لیا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی سورۂ روم کی ابتدائی آیتوں میں پیشین گوئی فرمائی کہ چند سال بعد حالات کا پانسہ پلٹ جائے گا اور آج کا شکست خوردہ روم کا بادشاہ کل خسرو ایران کو شکست فاش دے کر اپنی ساری مملکت اس سے واپس لے لے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ہرقل کی شجاعت، اولوالعزمی کا سکہ سارے عالم پر بیٹھ گیا اور اس کی رعایا اس پر جان چھڑکنے لگی۔ انہی دنوں کا ذکر ہے جب کہ وہ اپنی زندگی کی سب سے بڑی کامیابیاں حاصل کر چکا تھا اور اس کی سطوت کا ڈنکا ہر طرف بج رہا تھا۔

ابن ناطور بیان کرتا ہے کہ ایرانیوں پر فتح کامل حاصل کرنے کے بعد ایلیا آیا تاکہ وہ مقدس صلیب جو ایرانی چھین کر لے گئے تھے اور اس نے اپنے زور بازو سے اسے واپس لیا تھا اسے ایلیا میں لوٹا دے۔ ایک دن وہ صبح بیدار ہوا اس کے چہرے پر مایوسی کے آثار نمایاں تھے اس کے بعد اس کے ایک پادری نے کہا آج آپ کی طبیعت درست معلوم نہیں ہوتی۔ ہرقل نے کہا میں نے آج رات دیکھا ہے کہ وہ ستارا طلوع ہو گیا جو اس بات کی گواہی دے رہا تھا کہ اس قوم کا بادشاہ ظاہر ہو گیا ہے جس قوم کا شعار ختنہ کرانا ہے۔ اسی اثناء میں غسان کے بادشاہ کا قاصد پہنچا اور اس نے ہرقل کو مطلع کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک صحابی اس کے نام حضور کا ایک گرامی نامہ لے کر آیا ہے۔ ہرقل نے کہا اس قاصد کو لے جاؤ اور دیکھو یہ مختون ہے یا نہیں؟ انھوں نے بتایا کہ یہ تو ختنہ شدہ ہے۔ ہرقل نے کہا بے شک اس امت کا بادشاہ ظاہر ہو گیا ہے لیکن مزید تحقیق کے لیے اس نے ایک اور عالم کو روم کے شہر سے بلا بھیجا جو علم و فضل میں اس کا

ہم پلہ تھا ہرقل وہاں سے روانہ ہو کر حمص آ گیا اور اس عالم کے جواب کا انتظار کرنے لگا۔ اس کا خط آیا کہ واقعی یہ نبی ہیں۔

انہی دنوں میں اتفاقاً اہل مکہ کا ایک قافلہ وہاں آیا ہوا تھا ہرقل نے انھیں بلایا اور ان سے پوچھا تم میں کون آدمی رشتہ میں حضور سے زیادہ قریب ہے۔ ابوسفیان نے کہا میں سب سے زیادہ قریب ہوں۔ پھر ہرقل اور ابوسفیان کے درمیان حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے احوال و کوائف سے متعلق ایک مکالمہ ہوا جو بہت ہی مشہور ہے اور اس کتاب میں شاہان زمانہ کے نام مکتوب گرامی کے عنوان کے ضمن میں ان کی پوری گفتگو درج کی گئی ہے۔

ہرقل نے ابوسفیان کی پوری بات سننے کے بعد کہا: اگر تم یہ سچ کہتے ہو تو وہ اس جگہ کے بھی مالک بن جائیں گے جہاں میں نے اپنے دونوں قدم رکھے ہوئے ہیں۔ میں جانتا تھا کہ ایسا نبی تشریف لانے والا ہے لیکن میرا یہ گمان نہیں تھا کہ وہ تم میں سے ہوگا اگر میں یہ جانتا کہ میں اس کے لیے مخلص ہو سکتا ہوں تو میں اس کی ملاقات کے لیے سفر کی زحمتیں برداشت کرتا اور اگر میں اس کی خدمت میں حاضر ہونے کی سعادت حاصل کر سکتا تو محض ان کی محبت اور ان کی قدر و منزلت کی خاطر ان کے پاؤں دھو کر پیتا۔ لیکن تخت و تاج کے لالچ نے ہرقل کو حق قبول کرنے سے محروم کر دیا جس کی حقانیت اس پر روز روشن کی طرح واضح ہو چکی تھی۔

سلمان فارسی

آپ ایران کے مشہور شہر اصفہان کے رہنے والے تھے آپ کا والد اپنے شہر کا سردار تھا اور اسے اپنے بیٹے سلمان سے شدید محبت تھی یہاں تک کہ وہ انھیں ہر وقت اپنے گھر میں محبوس رکھتا تھا تا کہ وہ ایک لحہ کے لیے بھی اس کی آنکھوں سے اوجھل نہ ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ کا باپ اپنے دین مجوسیت کی آپ کو

تعلیم دیتا تھا یہاں تک کہ آپ کو اس فن میں کمال حاصل ہوگیا۔ ایک دن آپ کے باپ نے اپنی زمینوں کی خبر گیری کے لیے آپ کو اپنے ڈیرے پر بھیجا، راستہ میں عیسائیوں کا ایک گرجا تھا آپ اس کے پاس سے گزرے تو وہ اپنی عبادت میں مشغول تھے۔ یہ اندر چلے گئے ان عیسائیوں کی دعائیں اور طریقۂ عبادت انھیں بہت پسند آیا وہ شام تک وہیں بیٹھے ان کو دیکھتے رہے اور ان کی دعاؤں اور تسبیحوں کو سنتے رہے ادھر باپ ان کی وجہ سے بہت پریشان تھا اس نے ان کی تلاش میں ادھر ادھر آدمی دوڑائے جب آپ باپ کے پاس آئے تو انھوں نے عیسائیوں کی عبات کا تذکرہ کیا باپ نے اس اندیشہ سے کہ وہ اپنے آبائی دین کو چھوڑ نہ دے اس کے پاؤں میں لوہے کی بیڑیاں ڈال دیں۔ ایک قافلہ وہاں سے ملک شام کی طرف جارہا تھا یہ کسی طریقہ سے اس قافلہ میں شامل ہوگئے جب شام پہنچے تو وہاں ایک کنیسہ میں گئے کنیسہ کے پادری کو اپنے حالات سے آگاہ کیا وہاں اس کی خدمت میں رہنا شروع کردیا لیکن اس کے قول وعمل میں واضح تضاد دیکھا بڑے رنجیدہ خاطر ہوئے۔ انھوں نے دیکھا کہ وہ لوگوں کو صدقہ کرنے کا حکم دیتا ہے اور لوگ جب صدقہ کی رقم اس کو دیتے ہیں کہ وہ غریبوں میں تقسیم کردے تو وہ انھیں پاس رکھ لیتا ہے جب وہ مرگیا تو سلمان نے لوگوں کو بتایا کہ تمھارے پادری کے یہ کرتوت تھے اور سو مٹکے جو سونے چاندی کے بھرے ہوئے تھے وہ تہہ خانہ سے نکال کر ان کے حوالے کردیے۔ لوگوں نے اس پادری کو سولی پر چڑھایا اس پر سنگ باری کی پھر جا کر اسے دفن کیا اس کی جگہ ایک اور پادری مقرر ہوا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں اس کے بارے میں سلمان کہتے تھے کہ میں نے کوئی آدمی ایسا نہیں دیکھا جو خشوع وخضوع سے پانچ نمازیں اس کی طرح ادا کرتا ہو، دنیا کی چاہت کا تو اس کے یہاں کوئی تصور تک نہ تھا۔ کچھ مدت کے بعد وہ شخص فوت ہوگیا اور سلمان کو وصیت کی کہ وہ موصل میں فلاں شخص کے پاس جائیں اور اس کا اتباع کریں۔ حضرت سلمان موصل پہنچے یہ شخص بھی بڑا زاہد ومتقی تھا اور آپ اس سے بڑے متأثر ہوئے جب وہ مرنے لگا تو حضرت سلمان نے اس سے پوچھا کہ آپ تو اس

جہان فانی سے رخصت ہو رہے ہیں میں اب کس کی خدمت میں حاضری دوں ۔اس نے کہا نصیبین میں ایک شخص ہے جس کا وہی طریقہ ہے جو ہمارا طریقہ ہے تم اس کے پاس چلے جاؤ۔آپ موصل سے نصیبین پہنچے اور اس شخص کی خدمت میں رہنے لگے اس کی زندگی کی مہلت جب پوری ہوگئی تو آپ نے اس سے پوچھا کہ اب میں کس کا قصد کروں اس نے کہا بخدا! صرف ایک شخص ہے جو ہمارے راستہ پر صدق دل سے گامزن ہے وہ عموریہ میں رہتا ہے تم اس کے پاس چلے جاؤ وہ تمھاری صحیح طور پر رہنمائی کریں گے۔

سلمان نصیبین سے عموریہ پہنچے اور اس نیک خصلت شخص کی خدمت میں زندگی بسر کرنے لگے اس شخص کی زندگی نے بھی وفا نہ کی اس نے بھی جب اس دار فانی سے رخت سفر باندھا آپ نے اس سے پوچھا اب آپ بتایئے اب میں کدھر کا رخ کروں اس نے کہا: بخدا! میری نظر میں کوئی ایسا آدمی نہیں ہے جس کے پاس جانے کا میں تمھیں حکم دوں۔

لیکن اب اس نبی کی بعثت کا زمانہ قریب آ گیا ہے جو ابراہیم کے دین کو دوبارہ زندہ کریں گے اور ان کی ہجرت گاہ نخلستان میں ہے جو دو جلے ہوئے میدانوں کے درمیان ہے اگر تو وہاں پہنچ سکتا ہے تو وہاں پہنچ ۔اور اس نبی منتظر کی چند نشانیاں ہیں کہ

وہ صدقہ نہیں کھاتا۔

لیکن ہدیہ کھاتا ہے۔

اور اس کے دونوں کندھوں میں اپنی نبوت کا نشان ہے۔

جب تم دیکھو گے تو پہچان لو گے۔سلمان کہتے ہیں کہ جب ہم نے اس شخص کو دفن کر دیا تو بنی کلب کے تاجروں کا ایک قافلہ وہاں سے گزرا میں نے ان کے وطن کے بارے میں پوچھا انھوں نے بتایا کہ ہم فلاں جگہ کے رہنے والے ہیں میں نے انھیں کہا اگر تم مجھے اپنی سرزمین میں پہنچا دو تو میری یہ گائیں اور

بکریاں اس کے عوض میں تمھیں دے دوں گا وہ اس پر راضی ہو گئے وہ انھیں لے کر وادیٔ القریٰ پہنچے لیکن انھوں نے مجھ پر یہ ظلم کیا کہ مجھے اپنا غلام بنا کر وادیٔ قریٰ کے یہودی کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ بخدا وہاں میں نے نخلستان دیکھا اور میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ شاید یہ وہی علاقہ ہے جس کے بارے میں اس راہب نے مجھے بتایا تھا۔

کچھ عرصہ بعد اس یہودی نے مدینہ طیبہ کے ایک یہودی کے ہاتھ مجھے فروخت کر دیا وہ مجھے لے کر مدینہ طیبہ آیا جوں ہی میں نے اس شہر کو دیکھا میں نے اس کو پہچان لیا اور میں اپنے مالک کا غلام بن کر وہاں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا انتظار کرنے لگا مجھے معلوم ہوا کہ مکہ میں ایک نبی مبعوث ہوا ہے میں غلامی کی زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا اپنی مرضی سے وہاں جا نہیں سکتا تھا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا پیارا رسول مکہ سے ہجرت کر کے قبا میں تشریف فرما ہوا۔

ایک روز میں اپنے مالک کے نخلستان میں کھجور کے درختوں کی خدمت میں معروف تھا کہ میرے مالک کا چچا زاد بھائی آیا اور کہنے لگا اوس اور خزرج کا ستیاناس ہو۔ یہ لوگ اس مسافر کے اردگرد جمع ہیں جو مکہ سے ترک وطن کر کے قبا میں پہنچا ہے اور اس کے بارے میں وہ خیال کرتے ہیں کہ وہ نبی ہے۔ میں نے جب یہ بات سنی تو مجھ پر کپکپی طاری ہو گئی۔ میں کھجور کے ایک درخت پر چڑھا ہوا تھا مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں میں اپنے مالک کے اوپر نہ جا گروں اس لیے میں اتر آیا اور میں نے پوچھا کہ تم کیا بات کر رہے تھے میرے مالک نے اپنا ہاتھ اٹھایا اور ایک زوردار مکا رسید کیا اور غصہ سے کہا تجھے اس بات سے کیا واسطہ تم اپنا کام کرو میں نے کہا میرا اس خبر سے کوئی واسطہ نہیں لیکن میں نے ایک بات سنی میں نے چاہا کہ اس بارے میں تصدیق کر لوں۔

جب شام ہوئی میرے پاس کھانے کی کوئی چیز تھی میں قبا میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے کہا مجھے خبر ملی ہے کہ آپ نیک شخص ہیں اور آپ کے ساتھ آپ کے ساتھی

بھی ہیں اور آپ مسافر ہیں میرے پاس صدقہ کا کچھ طعام ہے میں سمجھتا ہوں آپ لوگ سب سے زیادہ اس کے مستحق ہیں لیجیے اسے تناول فرمائیے۔ سلمان کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک تو اس صدقہ کے طعام سے روک لیا اور اپنے ساتھیوں کو فرمایا کھاؤ اور خود نہ کھایا میں نے اپنے دل میں کہا آپ کے بارے میں جونشانیاں بتائی گئی تھیں ان میں سے ایک نشانی پوری ہوگئی کہ آپ صدقہ نہیں کھاتے۔

کچھ روز بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لے گئے چند روز بعد کوئی چیز لے کر خدمت اقدس میں حاضر ہوا میں نے عرض کیا میں نے دیکھا ہے کہ آپ صدقہ نہیں کھاتے یہ چیز بطور ہدیہ میں لے آیا ہوں یہ صدقہ نہیں ہے۔ سلمان کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اور آپ کے صحابہ نے اسے تناول فرمایا میں نے دل میں کہا دونشانیاں پوری ہوگئیں۔

دن گزرتے گئے، سلمان ایک غلام کی زندگی بسر کرتے رہے اور تجسس میں رہے کہ ان کے راہب نے اس نبی کے بارے میں جونشانیاں انھیں بتائی تھیں کیا حضور کی ذات والاصفات میں یہ نشانیاں مکمل طور پر پائی جاتی ہیں۔

ایک دن میں حضور کے پاس آیا آپ اپنے ایک نیازمند کے جنازہ کے سلسلہ میں بقیع شریف میں تشریف فرما تھے میں پیچھے مڑا تا کہ میں پشت مبارک پر ختم نبوت کا مشاہدہ کروں۔ جب حضور نے مجھے دیکھا کہ میں پیچھے سے گھوم کر آیا ہوں تو حضور نے اپنی پشت مبارک پر پڑی ہوئی چادر اٹھالی۔ حضور کے دونوں کندھوں کے درمیان ختم نبوت کو میں نے دیکھ لیا جس طرح میرے راہب نے مجھے بتایا تھا۔ تو میں جذبات سے بے قابو ہوکر گر پڑا میں وارفتگی میں حضور کو بوسے دے رہا تھا اور رو رہا تھا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ آگے آؤ میں اٹھ کر حضور کے سامنے بیٹھ گیا اور اپنی ساری داستان حضور کی خدمت میں پیش کی۔ یہ واقعہ حضرت سلمان نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خدمت میں بیان کرنے

کے بعد گزارش کی اے ابن عباس! جس طرح میں نے آپ کو ساری داستان سنائی ہے رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خواہش کے مطابق میں نے حضور کے صحابہ کو بھی بالتفصیل اپنی کہانی سنائی تھی۔

میں غلام تھا اور اپنے آقا کی خدمت گزاری میں دن رات مشغول رہتا تھا اس لیے بدر اور احد کے غزوات میں میں شرکت کی سعادت سے محروم رہا۔ایک روز نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ اے سلمان! اپنے مالک کے ساتھ مکاتبت کرو پس میں نے اپنے مالک کے ساتھ اس شرط پر مکاتبت کی کہ میں اسے کھجور کے تین سو پودے لگا کر اور ہرے کر کے دوں گا ان کے علاوہ چالیس اوقیہ چاندی پیش کروں گا جب میں نے اس کی اطلاع سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دی تو حضور نے اپنے صحابہ کو حکم دیا اعینوا اخاکم اپنے بھائی کی مدد کرو، انھوں نے میری مدد کی کسی نے کھجور کے تیس پودے کسی نے بیس کسی نے پندرہ اور کسی نے دس دیے یہاں تک کہ تین سو پودے ہو گئے۔حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اے سلمان جاؤ ان پودوں کے لیے گڑھے کھودو اور جب اس کام سے فارغ ہو جاؤ تو میرے پاس آؤ، میں خود ان پودوں کو اپنے ہاتھ سے لگا دوں گا میں نے جا کر تین سو گڑھے کھودے جس میں میرے دینی بھائیوں نے بھی میرا ہاتھ بٹایا، پھر میں نے حاضر ہو کر عرض کی۔رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مجھے ہمراہ لے کر اس جگہ کی طرف گئے ہم وہ پودے اٹھا کر حضور کی خدمت میں پیش کرتے تھے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے دست مبارک سے ان گڑھوں میں لگاتے جاتے تھے۔سلمان کہتے ہیں۔

و الذی نفس سلمان بیده ما ماتت منها و دیة واحدة.

مجھے اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں سلمان کی جان ہے کہ ان میں سے ایک پودا بھی نہیں مرا سب کے سب ہرے ہو گئے۔

لیکن ابھی چالیس اوقیہ کی ادائیگی میرے ذمہ تھی ایک روز مرغی کے انڈے کے برابر سونا کسی کان

سے بارگاہ رسالت میں پیش کیا گیا حضور نے دریافت کیا اس فارسی مکاتب کا کیا بنا میں حاضر ہوا حضور نے وہ سونے کا انڈا مجھے دیا اور فرمایا کہ جو بقیہ زر مکاتبت تیرے ذمہ ہے وہ اس سے ادا کر دو۔ میں نے عرض کی یارسول اللہ وہ کثیر زر مکاتبت ایک بیضۂ زر سے کیوں کر ادا ہوگا تو قاسم خزائن الٰہی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

خذها فان الله سيؤدي بها عنك .

اسے لے لو یہ قلیل نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ اسی سے سارا زر مکاتبت ادا کر دے گا۔

میں اس سونا کو لے کر اپنے مالک کے پاس گیا اور اس ذات کی قسم! جس کے دست قدرت میں سلمان کی جان ہے اسی سونا سے چالیس اوقیہ میں نے وزن کر کے انھیں ادا کر دیئے اور یوں میں نے اس یہودی کی غلامی سے نجات پائی، اب میں آزاد تھا ہر وقت حضور کی خدمت میں رہتا، پہلی جنگ غزوۂ خندق تھی جس میں ایک آزاد مومن کی حیثیت سے میں نے شرکت کی اور اس کے بعد کوئی جہاد ایسا نہیں ہوا جس میں میں نے شمولیت نہ کی ہو۔ (سیرت الرسول)

توریت وانجیل وغیرہ سے بشارتیں

انبیاء سے کروں عرض کیوں مالکو
کیا نبی ہے تمھارا ہمارا نبی

الذین یتبعون الرسول النبی الامی الذی یجدونہ مکتوبا عندھم فی التوراۃ و الانجیل۔

وہ جو غلامی کریں گے اس رسول بے پڑھے غیب کی خبریں دینے والے کی جسے لکھا ہوا پائیں گے اپنے پاس توریت اور انجیل میں۔ (الاعراف، ۱۵۷/ کنزالایمان)

توریت وانجیل وغیرہ سے بشارتیں

قرآن کریم کی اس خبر کے بعد کہ ان کتابوں میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے احوال شریف اور آپ کی صفتیں موجود ہیں۔ اس مدعا کے ثبوت میں کسی مزید دلیل کی حاجت نہیں رہتی لیکن ان دشمنان خدا کافروں کی الزام تراشیوں سے بچنے کے لیے ان کا لانا ضروری ہے، اور اس سے مسلمانوں میں اطمینان کی زیادتی اور نورانیت و یقین پیدا ہوگا۔ لیکن توریت میں حذف وتحریف، تغیر وتبدل، اور ان خیانتوں کے بعد بھی جو ان بدبختوں نے اس امانت کی ادائیگی میں کی ہے موجود ہے کہ حق تعالیٰ نے سینا سے تجلی فرمائی اور ساعیر سے ظاہر ہوا اور فاران سے آشکارا ہوا۔

سینا اس پہاڑی کو کہتے ہیں جس کو طور سینا اور طور سینین کہتے ہیں۔ حق تعالیٰ نے اس پر تجلی فرمائی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا اور اس پر ان کی نبوت ظاہر ہوئی۔ ساعیر سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل نازل ہوئی۔ فاران، عبرانی نام ہے اور مکہ مکرمہ میں بنی ہاشم کی ان پہاڑیوں کو کہتے ہیں جن میں سے ایک پہاڑ پر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اظہار نبوت سے قبل عبادت فرماتے تھے۔ اور اسی پہاڑی پر سب سے پہلے خدا کی وحی نازل ہوئی۔ یہ تین پہاڑ ہیں۔

ایک جبل ابوقبیس ہے جس کے نیچے مکہ مکرمہ کی آبادی ہے۔

اس کے مقابل جبل قعیقان بطن وادی تک ہے۔

اور اس کے مشرق جانب جبل قعیقان کے متصل شعب بنی ہاشم ہے اور اسی شعب میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جائے ولادت ہے۔

طور سینا پر حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام پر توریت نازل ہوئی۔

جبل ساعیر پر حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام پر انجیل نازل ہوئی۔

فاران کی چوٹی سے حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اعلان نبوت فرمایا۔

نیز توریت میں یہ بھی موجود ہے کہ حق تعالیٰ نے توریت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ''سفر فامس'' میں یہ خطاب فرمایا کہ

تمھارا رب بنی اسرائیل کے لیے تمھارے برادروں میں سے نبی پیدا کر کے مبعوث فرمائے گا اور اس کے منھ میں اپنا کلام رکھے گا پھر وہ ان کے لیے وہی فرمائے گا جن کا میں حکم دوں گا اور جو کوئی ان کے ارشاد کی اطاعت وتعمیل نہ کرے گا میں اسے سزا دوں گا۔ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت پر توریت کا یہ کلام واضح دلیل ہے۔

انجیل میں حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بشارت ہونے کے سلسلے میں ابن ظفر یل نے بیان کیا ہے کہ یوحنا جو حضرت عیسیٰ کا حواری تھا وہ اپنی انجیل میں حضرت مسیح کے حوالہ سے بتاتا ہے کہ انھوں نے فرمایا۔

میں اپنے باپ سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ تمھیں دوسرا ''فارقلیط'' عنایت فرمائے جو تمھارے ساتھ تا ابد ثابت وقائم رہے وہ روح حق ہے اور وہ تمھیں ہر چیز سکھائے گا اور فرمایا بیٹا جانے والا ہے (اس سے کنایۃً اپنی ذات مراد لی ہے) کیوں کہ اب اس کے بعد فارقلیط آنے والا ہے جو تمھارے بھیدوں کو زندہ کر کے ہر چیز کو بدل دے گا اور وہ میری گواہی دیں گے جیسا کہ میں ان کی گواہی دے رہا ہوں۔ میں تمھارے لیے امثال لایا ہوں اور وہ اس کی تاویل وتشریح لائے گا (اس تاویل سے مراد قرآن ہے جو کہ محتمل تاویلات اور معانی کثیرہ کا حامل ہے بخلاف دیگر آسمانی کتابوں کے) اور دوسرا فارقلیط ایسا ہوگا جسے سارے جہاں میں کوئی بھی توڑنے کی طاقت نہ رکھے گا۔ اگر تم میری دعوت مانتے ہو اور مجھ سے محبت رکھتے

ہوتو میری اس وصیت کو یاد رکھنا میں خدا سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ تمھیں فارقلیط عنایت فرمائے جو آخر زمانہ تک تمھارے ساتھ رہے۔

اس عبارت میں اس بات کی وضاحت وصراحت ہے کہ حق تعالیٰ ان کی طرف کسی ایسے کو بھیجے گا جو حق تعالیٰ کی رسالت وتبلیغ میں اور خلق کی سیاست اس کے مقام میں قائم فرمائے گا اور اسکی شریعت باقی اور جب تک زمانہ قائم ہے رہے گی، یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ اس کے بعد حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سوا کوئی نہیں آیا حضور ہی نوید عیسیٰ ہیں۔

فارقلیط کے معنی حامد یعنی حمد کرنے والے کے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ فارقلیط کا معنی مخلص ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کا یہ قول کہ باپ فارقلیط کو میرے نام سے بھیجے گا اس میں سید عالم محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رسالت وصداقت پر شہادت موجود ہے اور وہ آیات قرآنیہ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مدح وتعریف اور اس پاکی وتنزیہہ کے سلسلے میں قرآن میں مذکور ہیں جن کے لیے بنی اسرائیل افتراء کرتے تھے ان کی طرف اشارہ ہے۔

انجیل کے ایک اور ترجمہ میں ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے فرمایا کہ

فارقلیط نہیں آئے گا جب تک میں نہ جاؤں گا اور جب فارقلیط آئے گا تو جہاں کو غلطی وخطا پہ سرزنش وتوبیخ کرے گا اور وہ واپنے پاس سے کوئی بات نہیں فرمائے گا وہی فرمائے گا جو خدا سے سنے گا اور حق وصداقت کے ساتھ لوگوں کی سیاست فرمائے گا اور حوادث کی ان کو خبر دے گا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ وہ اپنی طرف سے کچھ نہ کہے گا بلکہ وہی بات کرے گا جو کچھ خدا سے سنے گا کیوں کہ حق تعالیٰ نے اسے بھیجا ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں حق تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں ارشاد فرمایا:

و ما ينطق عن الهوى ان هو الا وحي يوحي .

یعنی وہ اپنی خواہش سے کچھ نہیں فرماتے وہی فرماتے جو ان کی طرف وحی کی جاتی ہے۔

اور حضرت مسیح علیہ السلام نے فرمایا۔

فارقلیط میری بزرگی وعظمت بیان کرے گا اور میری نشانیوں کو معظم جانے گا۔ اور یہ حقیقت واقعہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جتنی عظمت و بزرگی حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہے کسی نے بھی ایسی بیان نہ کی۔ حضور نے ان کے وصف رسالت کو بیان فرمایا اور ان کو ان چیزوں سے پاک ومنزہ بتایا جن کو ان کی امت نے ان کی طرف منسوب کر رکھا ہے۔

یہ تمام صفات حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہیں۔ وہ کون ہے جس نے بنی اسرائیل کے علماء کو حق چھپانے، اپنی جگہ سے کلمات ربانی کی تحریف کرنے اور تھوڑے داموں پر دین کو فروخت کرنے پر توبیخ فرمائی؟ ۔۔۔ وہ کون ہے جس نے حوادث کی اور غیبی حالات کی خبریں دی ہیں بجز سید عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے۔

انجیل میں حق تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ سید عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تصدیق کرو اور ان پر ایمان لاؤ اور اپنی امت سے فرمادو کہ ہر وہ شخص جو آپ کا زمانہ پائے وہ آپ پر ایمان لائے۔ اے فرزند بتول! تم جان لو کہ اگر محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نہ ہوتے تو میں آدم، جنت ودوزخ کسی کو بھی پیدا نہ فرماتا۔ اور جب میں نے عرش کو عالم وجود میں لایا تو وہ کانپتا تھا اسے قرار نہ تھا پھر میں نے عرش پر لکھا۔

لا اله الا الله محمد رسول الله .

تو وہ ساکن ہوگیا۔

مواہب لدنیہ میں بیہقی سے بروایت سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما منقول ہے کہ جب جارود نصرانی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اسلام قبول کیا تو اس نے کہا کہ، اس خدا کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا بلاشبہ میں نے انجیل میں آپ کا وصف پڑھا ہے اور فرزند بتول نے آپ کی بشارت دی ہے۔

زبور کی بشارتیں

زبور کے چوالیسویں باب میں حق تعالیٰ نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے فرماتا ہے۔

فاضت النعمة من شفتیک .

آپ کے دونوں ہونٹوں سے دنیا وآخرت کی نعمتیں فائض ہیں۔

من اجل ھذا بارک اللہ لک الی الابد .

اس کے لیے حق تعالیٰ نے آپ کو ابد تک برکت دی۔

تقلد ایھاالجبار السیف .

یعنی اے بزرگ اپنی شمشیر کو گردن میں حمائل کرو، شکستہ بندوں کے کام سنوارو۔

فان شریعتک و سنتک مقرونة بھیبة یمینک.

یعنی بلاشبہ آپ کی شریعت وحکمت اور آپ کی سنت آپ کے داہنے ہاتھ کی بزرگی کے ساتھ پیوست ہیں۔

و سھمک مضونة .

اور آپ کے تیر تیز کیے ہوئے ہیں۔

و جميع الامم يخرون تحتك .

اور ساری امتیں آپ کے تحت سرنگوں اور خمیدہ ہیں۔

اس فرمان سے مراد سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں اور وہ نعمت جو آپ کے دونوں لب ہائے شیریں سے رواں ہے وہ کلام ہے جو آپ فرماتے ہیں اور وہ کتاب قرآن مجید ہے جو آپ پر نازل کی گئی ہے اور سنت سے وہ عمل مراد ہے جسے آپ نے کیا ہے۔ اور گردن میں اپنی تلوار کا حمائل کرنا، یہ قول دلالت کرتا ہے کہ وہ نبی آخر الزماں عربی ہیں کیوں کہ عرب کے ماسوا کسی امت میں تلوار گردن میں حمائل نہیں کی جاتی ۔گردن میں تلوار کا حمائل کرنا اہل عرب سے مخصوص ہے اور یہ کہ آپ کی شریعت اور آپ کی سنت آپ کے داہنے ہاتھ کی بزرگی کے ساتھ پیوست ہے۔ یہ نص صریح ہے کہ آپ صاحب شریعت وسنت ہیں۔تو وہ نبی اپنی تلوار کے ساتھ مبعوث ہوتا ہے اور لوگوں کو تلوار سے درست کر کے حق پر مستحکم کرتا ہے اور ان کو تلوار کے زور سے کفر سے نکالتا ہے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

نیز زبور میں ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں تضرع وزاری کے ساتھ مناجات کی کہ اے رب! سنت کے ظاہر کرنے والے کو بھیج تا کہ لوگ جان لیں کہ مسیح بشر ہیں۔

یہ خبریں حضرت مسیح اور حضور سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دنیا میں تشریف لانے سے پہلے ان کے حال کے اظہار میں ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اے خدا! محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھیج تا کہ لوگوں کو معلوم کرائیں اور وہ پڑھیں کہ حضرت مسیح بشر ہیں، الٰہ یعنی خدا نہیں گویا حضرت داؤد علیہ السلام کو معلوم ہو گیا کہ لوگ حضرت مسیح کے بارے میں دعوائے الوہیت کریں گے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذکر و بیان کے سلسلے میں مذکور ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس نبی آخر الزماں کو راستی و درستی اور کردار و گفتار میں برگزیدہ فرمایا اور انھیں اور ان کی امت کو بزرگی و کرامت عطا فرمائی ہے، اور اللہ تعالیٰ نے انھیں فیروز مندی عطا فرمائی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کی امت کو ایسی کرامت مرحمت فرمائی ہے کہ وہ خوابگاہوں میں خدا کی تسبیح کرتے ہیں اور بلند آوازوں سے تکبیر کہتے ہیں ان کے ہاتھوں میں تیز تلوار ہیں تاکہ وہ خدا کی طرف سے ان لوگوں سے بدلہ لیں جو خدا کی عبادت نہیں کرتے اور اس زمانہ کے بادشاہوں کو مقید کرتے اور ان کے عزت داروں کے گلے میں طوق ڈالتے ہیں۔

ایک مزمور میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صیہون (مکہ مکرمہ) سے تاج مرصع محمود کا ظاہر ہونا مقرر فرمایا ہے تاج سے مراد عطا کردہ ریاست و امامت اور محمود سے مراد محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔

ایک اور مزمور میں ہے کہ وہ مالک ہوگا اور جو دو سخا کرے گا دریا سے دریا تک اور نہروں سے زمین کے آخری کنارے تک اور ان کے روبرو اپنے زانوؤں پر اہل جزائر بیٹھیں گے ان کے سب دشمن مٹی کو اپنی زبان سے چاٹیں گے۔ سلاطین زمانہ اپنے مصاحبوں کے ساتھ سجدہ کرتے ہوئے اور سر کو زمین پر رکھتے ہوئے حاضر ہوں گے اور ان کی امت کی فرماں برداری پر وہ عجز و انکساری کریں گے۔ اور گردن جھکانے سے انھیں نجات دے گا وہ نبی غمزدہ اور ستم رسیدہ لوگوں کو اس شخص سے جو اس سے بہت زیادہ قوی ہوگا رہائی عطا فرمائے گا اور ہر کمزور و ناتواں کو جس کا کوئی مددگار نہ ہو وہ مدد فرمائے گا اور ضعفا و مساکین پر مہربانی کرے گا اور ان پر ہر وقت درود بھیجا جاتا رہے گا اور ان کے لیے ہر وقت دعائیں کی جاتی رہیں گی اور ابدالآباد تک ہمیشہ ہمیشہ ان کے ذکر کا چرچا رہے گا۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

صحائف انبیاء میں ذکر جمیل

جس طرح کتب ثلاثہ یعنی توریت انجیل اور زبور میں سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اوصاف

مذکور ہیں اسی طرح ہر نبی کے صحیفوں میں بھی آپ کے اوصاف مذکور ومسطور ہیں۔ یہاں تک کہ ابوالانبیاء حضرت آدم علیہ السلام کے صحیفے میں بھی نقل کیے گئے۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے ان کی طرف وحی فرمائی کہ۔

میں مکہ کا خداوند ہوں اس کے رہنے والے میرے ہمسایہ ہیں اور خانہ کعبہ کی زیارت کرنے والے اور وہاں تک پہنچنے والے میرے مہمان ہیں اور وہ میری عنایت وحمایت کی پناہ اور سایہ میں ہیں اور میری حفاظت ورعایت میں ہیں اور زمین وآسمان والوں سے اسے معمور کروں گا اور جوق در جوق جماعتیں بکھرے ہوئے اور گرد آلود بالوں سے لبیک پکارتے، تکبیر بلند آواز سے کرتے، آنکھوں سے آنسو بہاتے آئیں گے اور جو بھی اس خانہ کعبہ کی زیارت کو آئے گا اس کا مقصود بیت اللہ کی زیارت اور میری خوشنودی و رضا کے سوا کچھ نہ ہوگا کیوں کہ میں ہی صاحب خانہ ہوں گویا کہ ایسا ہوگا کہ اس نے میری ہی زیارت کی وہ میرا مہمان ہوگا۔ اور میرے کرم کے لائق و مستحق ہونے کا مطلب یہ ہے کہ میں اس کی تکریم کروں گا اور محروم نہ چھوڑوں گا اور اس خانۂ کعبہ کا انتظام تیرے فرزندوں میں سے اس نبی کے سپرد کروں گا جسے ابراہیم کہیں گے۔ اس کے ذریعہ خانۂ کعبہ کی بنیادوں کو اونچا کراؤں گا اور اس کے ہاتھ سے اسے تعمیر کراؤں گا اور اس کے لیے زم زم کا چشمہ نکالوں گا اور اس کے حل وحرم کو اس کی میراث میں دوں گا اور اس کے مشاعر کو اس کے ہاتھ سے آشکارا کروں گا (مشاعر سے مراد مشعر الحرام اور نشانات ہیں) پھر حضرت ابراہیم کے بعد ہر زمانہ میں لوگ اسے آباد رکھیں گے اور اس کی طرف قصد وارادہ رکھیں گے یہاں تک کہ نوبت بہ نوبت تیرے فرزندوں میں سے اس نبی تک پہنچے گی جسے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کہیں گے وہ سلسلۂ نبوت کو ختم کرنے والے ہوں گے۔ اور اس نبی کو میں اس کے گھر کے رہنے والوں، معظموں، متولیوں اور حاجیوں میں بزرگ تر بناؤں گا جو بھی میرا متلاشی اور میرا چاہنے والا ہوا سے لازم ہے کہ وہ اس جماعت کے ساتھ ہو جن کے بال بکھرے ہوئے گرد آلود ہیں جو خدا کے حضور اپنی منتوں اور نذروں کو پورا کرتے ہیں۔

صحیفۂ ابراہیم میں ذکرِ جمیل

حضرت ابراہیم خلیل اللہ صلوات اللہ وسلامہ کے صحیفہ میں ہے کہ

اے ابراہیم ! میں نے تمھاری دعا تمھارے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام کے حق میں قبول فرمائی ہے میں نے ان پر اوران کی اولاد پر برکتیں جاری فرمائیں اوران میں سے ایک ایسا فرزند عالَم وجود میں لاؤں گا جو معظم ومکرم ہوگا جن کا اسم گرامی محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ہوگا وہ میرے برگزیدہ اور مبعوث شدہ ہوں گے اوران کی امت بہترین امت ہوگی ۔

کتاب حبقوق میں ذکرِ جمیل:

حضرت حبقوق ایک نبی تھے جو حضرت دانیال نبی کے ہم زمانہ تھےان کی کتاب میں مذکور ہے۔

جاء الله من التيمن و التقديس من جبال فاران و امتلأت الارض من تحميد احمد و تقديسه و ملك الارض و رقاب الامم .

اللہ تعالیٰ نے برکت و پاکی کے ساتھ فاران کے پہاڑ پر جلوہ فرمایا اورزمین کو احمد کی مدحت وثنا اور اس کی تقدیس سے بھر دیا جو کہ زمین اورامتوں کی گردنوں کا مالک ہے

اور یہ بھی آیا ہے کہ

لقد انكشفت السماء من بهاء محمد و امتلأت الارض من حمده .

بلا شبہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خوبیوں سے آسمان مجلّٰی ہوا اور زمین اس کی مدحت سے لبریز ہوگئی۔

اور یہ بھی آیا ہے کہ

یضئ بنورہ الارض و یحملہ خیلہ فی البحر

ان کے نور سے زمین روشن ہوگی اور ان کے گھوڑے سمندر میں دوڑیں گے۔

اور حضرت حبقوق علیہ السلام کے کلام میں یہ بھی ہے۔

ستنزع فی قیک اغراقا و ترتوی السھام بامرک یا محمد ارتواء.

بہت جلد آپ کی کمان میں سخت تیر کھینچے جائیں گے اور خوب سیراب ہوں گے تیر آپ کے حکم سے۔

یہ عبارت حکم میں مبالغہ اور کام کے انجام کی انتہاء تک پہنچنے کی طرف کنایہ ہے اور اس طرف اشارہ ہے کہ آپ کے عہد مبارک میں دین وملت کے کام کمال و اتمام تک پہنچیں گے۔ جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا۔

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی الآیۃ .

یعنی میں نے تمھارے لیے تمھارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمتیں تمام فرمادیں۔

حضرت وہب بن منبہ سے منقول ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے کتب قدیمہ میں پڑھا ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ قسم ارشاد فرماتا ہے۔

مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم ہے کہ میں عرب کے پہاڑوں پر اپنے نور کو نازل فرماؤں گا جس سے مشرق ومغرب کا درمیان نور سے پرنور ہو جائے گا اور اولاد اسماعیل میں سے ایک نبی عربی وامی پیدا کروں گا جس پر آسمان کے ستاروں کی گنتی اور زمین پر جتنی روئیدگی ہے ان کے برابر لوگ ایمان لائیں گے اور میری ربوبیت اور اس کی رسالت پر سب ایمان لائیں گے اور اپنے باپ دادا کی ملتوں سے نفرت کرتے ہوئے

نکلیں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے عرض کی اے خدا پاک ہے تجھے اور تیرے اسماء پاک ہیں بلا شبہ تو نے اس نبی آخرالزماں کو بڑی ہی عزت وشرافت سے نوازا ہے۔فرمان باری آیا، میں دنیا وآخرت میں اس کے دشمنوں سے انتقام و بدلہ لوں گا اور تمام دعوتوں پر ان کی دعوت کو ظاہر و غالب کروں گا جو ان کی شریعت کی مخالفت کرے گا میں اسے ذلیل وخوار کروں گا۔وہ شریعت ایسی ہے جسے عدل سے آراستہ کیا ہے اور عدل وانصاف کے قیام کے لیے ہی اس شریعت کو لاؤں گا۔قسم ہے مجھے اپنی عزت کی میں تمام امتوں کو ان کے وسیلے سے آتش دوزخ سے نجات دوں گا اور دنیا کا آغاز میں نے آدم سے کیا اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اسے ختم کروں گا اب جو کوئی ان کا زمانہ پائے اور ان پر ایمان نہ لائے اور ان کی شریعت کی پیروی نہ کرے تو اس سے خدا بیزار ہے۔

صحیفۂ شعیا میں ذکر جمیل

حضرت شعیا علیہ السلام کے صحیفوں میں حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر مبارک اس طرح مذکور ہے۔

حق تعالیٰ فرماتا ہے، وہ بندہ میرا محبوب ہے کہ میں اس سے خوش ہوتا ہوں وہ میرا مختار ہے کہ وہ مجھ سے خوش ہوتا ہے، میں اس پر اپنی روح کا اضافہ کرتا ہوں۔اور فرمایا۔میں اپنی وحی اس پر نازل کرتا ہوں تو امتوں پر اس کا عدل ظاہر ہوتا ہے وہ ایسا بندہ ہے جو قہقہہ نہیں لگاتا اور نہ بازاروں میں اس کی آواز سنی جاتی ہے۔وہ بندہ اندھی آنکھوں کو بینائی بخشتا، بہرے کانوں کو کھولتا اور مردہ دلوں کو زندہ کرتا ہے۔میں اس کو وہ دوں گا جو میں نے کسی کو نہیں دیا۔وہ بندہ احمد ہے کہ وہ اپنے رب کی تازہ حمد بجالاتا ہے کوئی اسے کمزور نہ کر سکے گا اور نہ اسے مغلوب بنا سکے گا۔وہ اپنی خواہش کی پیروی نہیں کرتا اور وہ نیکوکار، صلحاء جو کلک کی مانند کمزور

وناتواں ہیں ان کو وہ ذلیل وخوار نہیں جانتا۔ وہ صدیقوں کو قوی بناتا ہے۔ وہ تواضع وانکساری کرنے والوں کا رکن ہے وہ خدا کا نور ہے جسے ہرگز کوئی نہ بجھا سکے گا اس کے ذریعہ میری حجت ثابت و برقرار ہوتی ہے اور اس کے ذریعہ عذر منقطع ہوتا ہے اور اس کی توریت یعنی تلاوت قرآن سے جن وانس طاعت گزار بنتے ہیں۔ (اس جگہ توریت سے مراد اس کتاب کی تلاوت ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی توریت کی قائم مقام ہے۔ یعنی قرآن پاک)

نیز حضرت شعیا علیہ السلام کے ذکر میں ہے کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔

اے محمد! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) میں وہ خدا ہوں جس نے تمھیں حق کے ساتھ عظیم و قوی بنایا اور تمھیں ایسا نور بنایا جس سے تم امتوں کی اندھی آنکھوں کو بصارت عطا کرو گے اور تم ایسی دلیل ہو جس سے تم نفس وہوا کے قیدیوں کو تاریکیوں سے نور کی طرف لے جاؤ گے۔

نیز حضرت شعیا علیہ السلام کی کتاب میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا :

اے شعیا! اٹھ اور دیکھ اور جو کچھ نظر آئے اس کی لوگوں کو خبر دے تو میں اٹھا اور دیکھا کہ دو سوار سامنے سے آرہے ہیں۔ ایک گدھے پر سوار ہے اور دوسرا اونٹ پر ایک سوار دوسرے سے کہتا ہے گرادو بابل کو اور ان بتوں کو جو انھوں نے تراش رکھے ہیں۔

ابن قتیبہ جو کہ علماء امت میں سے ہیں اور کتب سماوی کے زبردست عالم اور محقق ہیں فرماتے ہیں کہ۔

گدھے پر سوار ہونے والے حضرت مسیح بن مریم علیہما السلام مراد ہیں جس پر تمام نصاریٰ کا اتفاق ہے تو لامحالہ اونٹ پر سوار شخص، حضور سید عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔ اس لیے کہ بابل کا سقوط اور وہاں کے بتوں کی شکستگی آپ ہی کے دست مبارک سے ہوئی ہے نہ کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے

ہاتھ سے۔ کیوں کہ اقلیم بابل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے سے ہمیشہ ہی وہاں کے بادشاہ بتوں کی پرستش کرتے رہے ہیں۔ اور یہ کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اونٹ پر سواری اور حضرت مسیح علیہ السلام کی گدھے پر سواری بہت زیادہ مشہور ہے۔

اور حضرت شعیا علیہ السلام کی کتاب میں مذکور ہے کہ

آل قیدار کے محلات سے جنگلوں اور شہروں کو بھر دیں گے وہ تسبیح کریں گے اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر اذان دیں گے یہ وہ لوگ ہیں جو حق سبحانہ وتعالیٰ کی عظمت و بزرگی بیان کریں گے اور بحر و بر اور ہر خشکی و تری میں خدا کی پاکی اور اس کی تسبیح کو پھیلا دیں گے اور زمین کے آخری کنارہ سے غلغلۂ تکبیر بلند کرتے تیزی کے ساتھ آئیں گے اور اپنے پاؤں کو ماریں گے۔ جس طرح گل کاری کرنے والا مٹی کو پاؤں سے گوندھتا اور کوٹتا ہے۔

اس سے مراد یہ ہے کہ وہ محبت کے ساتھ آئیں گے اور ان کا تیزی کے ساتھ آنا، حج کے لیے بسرعت آنا، آواز بلند کرنا، تلبیہ یعنی لبیک کہتے ہوئے آنا اور طواف میں رمل یعنی اکڑ کر چلنا مراد ہے۔

ابن قتیبہ فرماتے ہیں کہ آل قیدار سے مراد اہل عرب ہیں اس لیے کہ حضرت اسماعیل کے بیٹے کا نام قیدار ہے۔

ابن قتیبہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت شعیاء کی کتاب میں مکہ مکرمہ، خانہ کعبہ، اور حجر اسود کا بھی ذکر ہے کہ وہ حجر اسود کا استیلام یعنی بوسہ دیں گے۔

حضرت شعیا علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا آگاہ رہو میں صیہون یعنی مکہ مکرمہ میں اپنا گھر (بیت اللہ) بنانے والا ہوں جس کے گوشہ میں حجر اسود ہے اور اسے عظمت و کرامت دی گئی ہے۔ اسے بوسہ دیا جائے گا۔

اورحق تعالیٰ نے مکہ سے ارشادفرمایااے عاقر (یعنی بانجھ) تو خوش ہواور تسبیح کے ساتھ گویائی کر کہ تیرے اہل (یعنی ماننے والے) میرے اہل سے زیادہ ہوں گے۔

اپنے اہل سے مراد، اہل بیت مقدس، بنی اسرائیل لیا ہوگا اور مکہ کے حج وعمرہ کرنے والے ان سے زیادہ ہوں گے۔ اور یہ کہ حق تعالیٰ نے مکہ کو عاقر یعنی بانجھ سے تشبیہ دی ہے بایں وجہ کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام سے پہلے اس میں کوئی آباد نہ تھا اور نہ وہاں کوئی کتاب ہی نازل ہوئی۔ بخلاف بیت المقدس کے کہ وہاں بکثرت انبیاء علیہم السلام ہوئے اور وہ مہبط وحی رہا۔

نیز کتاب شعیاء میں ہے کہ حق تعالیٰ نے مکہ سے فرمایا قسم ہے مجھے اپنی ذات کی جیسا کہ مجھے قسم تھی حضرت نوح کے زمانہ میں کہ میں نے اہل زمین کو طوفان سے غرق کیا۔ اسی طرح مجھے اب تیرے لیے اپنی ذات کی قسم ہے کہ میں تجھ سے کبھی ناراض نہ ہوں گا اور نہ کبھی تجھے چھوڑوں گا جب تک کہ تمام پہاڑ اپنی جگہ سے نہ جائیں اور اس کے قلعے پست نہ ہوجائیں۔ اس وقت تک میں اپنی نعمتیں تجھ سے زائل نہ کروں گا۔ اے مسکینہ تو آگاہ رہ کہ میں تیری بنیادوں کو پتھر اور گچ سے بنواؤں گا اور تجھے زرد جواہرات سے آراستہ کروں گا اور تیری چھت کو آبدار موتیوں سے اور تیرے دروازوں کو زبرجد سے سجاؤں گا۔ ظلم کو تجھ سے دور رکھا جائے گا اور کسی اوزار سے جس کا بنانے والا تجھے نقصان پہنچائے اس سے خوف نہ رکھ، اٹھ اور روشن ہو کہ تیرے نور کے پہنچانے کا وقت قریب آ گیا ہے، خدا کی عظمت وتوقیر تجھ پر ہے۔ خاتم الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نور کے ظہور کی بشارت ہے۔

اسی طرح حرم شریف کے بارے میں ذکر کیا گیا ہے کہ بھیڑیا اور بکری ایک جگہ چریں گے۔ اور اس کی راہوں کے بارے میں ہے کہ عظمت وبزرگی اتنی زیادہ ہے کہ تحریر وبیان سے باہر ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صفات واحوال کتب متقدمہ میں اس سے

کہیں زیادہ ہیں اس میں کوئی خفا واشتباہ نہیں ہے بجز اس کے کہ اعداء دین آپ کے نام نامی کو بدل دیں یا تحریف کر دیں اس کے باوجود دلائل وشواہد روشن وظاہر ہیں۔

یرِیدون لیطفئوا نور اللہ بافواھھم و اللہ متم نورہ و لو کرہ الکافرون.

یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھا دیں اور اللہ اپنے نور کو پورا ہی کرتا ہے خواہ کافر کتنا ہی برا مانیں۔

●......●......●

بشارات پر مشتمل مزید چند روایات

اجمالی طور پر معلوم ہوگیا کہ سید عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر شریف گزشتہ آسمانی کتابوں میں موجود و مذکور ہے۔ اور اہل کتاب کو اس کا علم قطعی اور یقینی حاصل تھا اور وہ حسد وفساد اور غلبۂ شقاوت و بدنصیبی سے راہ انکار وارتداد اور طریقۂ استبعاد اختیار کر کے تحریف اور تغیر وتبدل میں مبتلا ہو گئے۔ مناسب ہوگا کہ اس جگہ ان حکایتوں اور روایتوں کا ذکر کر دیا جائے جو ان کے بغض وعناد اور حسد وارتداد پر مشتمل ہیں۔

یوشع یہودی کا قول

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد مالک بن سنان سے جو شہداء احد میں سے ہیں روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا کہ میں ایک دن بنی عبدالاشہل کے پاس بات چیت کی غرض سے آیا ان دنوں ہم نے یہودیوں سے صلح کر رکھی تھی وہاں میں نے یوشع یہودی کو کہتے سنا کہ اب اس نبی کے ظہور کا زمانہ نزدیک آگیا ہے جس کا نام احمد ہے (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) وہ حرم مکہ سے ظاہر ہوں گے اور اس شہر یعنی مدینہ میں ہجرت کر کے آئیں گے۔ پھر میں اپنی قوم کی طرف لوٹا میں نے یوشع سے جو سنا تھا اس پر تعجب کرتا تھا میں نے اپنی قوم کے ایک شخص کو یہ بات سنائی اس نے کہا یہ بات تنہا یوشع ہی نہیں کہہ رہا ہے بلکہ یثرب کے تمام یہودی یہی بات کہہ رہے ہیں پھر میں وہاں سے چل دیا۔ اور بنی قریظہ (قبیلہ) کے یہاں آیا تو وہ سب بھی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہی تذکرہ کر رہے تھے۔

چنانچہ زبیر بن باطا (یہ یہودی کے رؤسا میں سے تھا) نے کہا بلاشبہ وہ سرخ ستارہ طلوع ہو چکا ہے جو کسی نبی کے ظہور کے بغیر کبھی طلوع نہیں ہوتا اور کہا کہ اب کوئی نبی آنے والا نہیں بجز احمد (مجتبیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے اور یہ شہر یعنی یثرب ان کی ہجرت کا مقام ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضور ہجرت کر کے مدینہ طیبہ رونق افروز ہوئے تو میں نے حضور سے یہ حکایت بیان کی حضور نے فرمایا اگر زبیر اور اس کے ساتھی رؤسا یہود اسلام لے آتے تو سارے یہودی مسلمان ہو جاتے کیوں کہ وہ سب اس کے تابع تھے۔

وسیلۂ حضور سے فتح کی دعا

حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب یہودی کفار عرب کے جنگوں میں فتح و کامیابی کی دعائیں مانگتے تھے تو اپنی دعاؤں میں کہتے تھے کہ اے خدا اس نبی امی کا ظہور فرما جن کا ذکر ہم توریت میں پاتے ہیں تا کہ ان کافروں کو سزا دیں اور ان کے ساتھ ہو کر انھیں قتل کریں ان کی یہ روش اس بناء پر تھی کہ ان کا گمان تھا وہ نبی آخر الزماں ان کی جنس یعنی بنی اسرائیل میں سے ظاہر ہوگا اور جب ان کی جنس کے سوا یعنی بنی اسماعیل میں مبعوث ہوئے تو حسد کرنے لگے اور کفر و انکار کے درپے ہو گئے۔

کتب سابقہ میں حضور کے اوصاف

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ وہ مقوقس بادشاہ کے پاس گئے اس نے ان سے کہا محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نبی و رسول ہیں اگر وہ قبط (مصر) یا روم میں ہوتے تو سب ان کی پیروی کرتے۔

مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے اسکندریہ میں اقامت اختیار کی اور کوئی کنیسہ و گرجا ایسا نہ چھوڑا جہاں میں نہ گیا ہوں میں نے قبط و روم کے تمام اسقفوں یعنی ان کے مذہبی پیشواؤں سے پوچھا کہ جو کچھ تم نے اپنی کتابوں میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صفتیں پائی ہیں بیان کرو۔ وہاں ان کا ایک بڑا اسقف یعنی مذہبی پیشوا تھا۔ لوگ اس کے پاس اپنے بیماروں کو لاتے اور وہ ان کے لیے دعا کرتا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ انبیاء میں سے کوئی نبی ایسا باقی ہے جو آنے والا ہو

اور وہ ابھی تک نہ آیا ہو؟ اس نے کہا ہاں! وہ آخری نبی ہیں ان کے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان کوئی نبی نہیں ہے اس کا نام احمد ہے، یہ دراز قد ہے نہ کوتاہ قد، اس کی دونوں آنکھوں میں سرخی ہے، نہ سفید رنگ ہے نہ سیاہ رنگ، اس کے بال گچھے دار ہیں، وہ سخت و کھردرا لباس پہنتا ہے اور کھانے میں جو مل جائے اسی پر قناعت کرتا ہے، اس کے کندھے پر تلوار ہے اور جو بھی اس کے مقابل آئے اس سے وہ خوف نہیں کرتا، قتال میں وہ پہل نہیں کرتا، اس کے اصحاب ہوں گے جو اپنے آپ کو اس پر فدا کریں گے، وہ اپنے آباء و فرزندان سے بڑھ کر ان سے محبت رکھیں گے، ان کا ظہور اس مقام میں ہوگا جہاں سلم کے درخت ہیں، وہ ایک حرم سے نکلیں گے دوسرے حرم کی طرف ہجرت کریں گے، وہ زمین شور سے نخلستان کی طرف ہجرت کرے گا اور پنڈلی کے درمیان پر تہبند پہنے گا اور اعضا کے کناروں کو دھوئے گا (یعنی وضو کرے گا) اور اس میں ایسی خاص صفتیں ہوں گی جو کسی نبی میں نہیں ہیں، ہر نبی اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوا ہے مگر وہ سارے جہاں کے لیے مبعوث ہوں گے اور ساری زمین اس کے لیے سجدہ گاہ بنا دی جائے گی اور زمین کو پاک کرنے والا جہاں بھی نماز کا وقت آئے وہیں مٹی سے (اگر پانی موجود نہ ہو یا قدرت نہ ہو تو) تیمم کر کے نماز ادا کرے گا۔

پھر جب مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس سفر سے واپس آئے تو اسلام لے آئے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کو جو کچھ سنا تھا اس کی خبر دی۔

زید بن عمرو کی تلاش

سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ان کے باپ زید بن عمرو، دین حق کی تلاش میں نکلے تو وہ موصل میں ایک راہب کے پاس پہنچے راہب نے زید سے پوچھا کہاں سے آ رہے ہو؟ زید نے کہا بیت ابراہیم یعنی خانہ کعبہ سے اس نے کہا کس جستجو میں ہو زید نے کہا دین کی تلاش میں ہوں، اس نے کہا

واپس جاؤ قریب ہے کہ وہ ظاہر ہو تمھاری زمین پر جس کی تم تلاش میں ہو، اس لیے زید بن عمرو بن نفیل کو زمانہ جاہلیت کا موحد کہتے ہیں، یہ مشرکوں کے ذبح کردہ جانوروں کا گوشت نہ کھاتے تھے اور توریت کو اپنی قوم پر نہ پڑھتے تھے۔

ایک یہودی کا قبول اسلام

سیدنا ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو ایک مرد کو جنت میں داخل کرنے کے لیے ایک جگہ بھیجا۔ اس مقولہ کا اصل قصہ یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک روز ایک یہودی کے کنیسہ میں تشریف لے گئے وہاں ایک یہودی کو دیکھا کہ وہ اپنی قوم کو توریت پڑھ کر سنا رہا ہے جب وہ نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صفت پر پہنچا تو خاموش ہو گیا اور پڑھنے سے رک گیا پھر وہ بیمار بچوں کی مانند بڑبڑایا اور اس نے توریت لے کر حضور کی صفت پڑھی اور کہنے لگا یہ آپ کی صفت ہے أشهد أن لا إله إلا الله و أنك لرسول الله . اسی کلمہ پر اس نے جان دی۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا اپنے بھائی کی تجہیز و تکفین کرو۔

تبع حمیری کا قبول اسلام

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ جب طائف کے بادشاہ تبع نے مدینہ پر چڑھائی کی تھی اور اس نے اعلان کیا تھا کہ میں شہر مدینہ کو ویران کر دوں گا اور اس کے رہنے والوں کو اپنے اس لڑکے کے انتقام میں قتل کر ڈالوں گا جسے انھوں نے فریب اور دھوکے سے قتل کیا ہے تو اس وقت سامول یہودی نے جو اس زمانہ میں یہودیوں کا سب سے بڑا عالم تھا اس سے کہا اے بادشاہ یہ وہ شہر ہے جس کی طرف بنی اسماعیل سے نبی آخر الزماں کی ہجرت ہوگی اور اس نبی کی جائے ولادت مکہ مکرمہ ہے اس کا اسم گرامی احمد ہے۔ یہ شہر اس کا دار ہجرت ہے اور اس کی قبر انور بھی اس جگہ ہوگی یہ سن کر تبع یوں ہی

واپس ہو گیا۔

محمد بن اسحاق کتاب مغازی میں نقل کرتے ہیں کہ تبع نے نبی آخر الزماں کے لیے ایک عالی شان محل تعمیر کرایا، تبع کے ہمراہ توریت کے چار سو علماء تھے جو اس کی صحبت چھوڑ کر مدینہ منورہ میں اس آرزو میں ٹھہر گئے کہ وہ نبی آخر الزماں کی صحبت کی سعادت حاصل کریں گے۔ اور تبع نے ان چار سو عالموں میں سے ہر ایک کے لیے ایک ایک مکان بنوایا اور ایک ایک باندی بخشی اور ان کو مال کثیر دیا، تبع نے ایک خط لکھا جس میں اپنے اسلام لانے کی شہادت دی، اس خط میں چند شعر یہ تھے۔

شهدت علی احمد انه
رسول من الله باری النسم

●

ولو مد عمری الی عمره
لکنت وزیرا له و ابن عم

میں گواہی دیتا ہوں کہ احمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں وہ پروردگار جس نے تمام روحوں کو پیدا کیا ہے اگر میری عمر نے حضور کی تشریف آوری تک وفا کی تو حضور کا وزیر ثابت ہوں گا اور چچا زاد بھائی کی طرح معاون و مددگار رہوں گا۔

پھر تبع نے اپنے اس خط کو سر بمہر کر کے ان چار سو علماء کے سب سے بڑے عالم کے سپرد کر دیا، اور وصیت کی کہ اگر وہ نبی آخر الزماں کو پائے تو یہ خط ان کی خدمت میں پیش کر دے ورنہ اپنی اولاد در اولاد کو اس وصیت کو پہنچاتے رہنا۔

وہ مکان جو خاتم الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے بنایا گیا تھا وہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم کے قدم رنجہ فرمانے تک موجود رہا، کہتے ہیں کہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہ مکان جس میں حضور نے ہجرت کے بعد نزول اجلال فرمایا تھا وہی مکان ہے۔

ایک یہودی کے خط میں حضور کا تذکرہ

بیان کرتے ہیں کہ زبیر بن بطا جو یہودیوں کا بڑا عالم تھا اس نے کہا کہ میرے باپ نے ایک خط جس میں احمد مجتبیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر تھا مہر لگا کر مجھے دیا کہ وہ نبی ہیں جو زمین قرظ میں ظاہر ہوں گے، ان کی صفات یہ ہیں پھر اس نے اپنے باپ کے مرنے کے بعد اس کا تذکرہ کیا، ابھی حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مبعوث نہ ہوئے تھے مگر جب اس نے سنا کہ مکہ مکرمہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ظاہر ہو چکے ہیں تو اس نے اس خط کو تلف کر دیا اور حضور کی شان وصفات کو چھپانے لگا۔

قبائل یہود کا حسد وعناد

قبائل بنی قریظہ، بنی نضیر، فدک اور خیبر کے یہودی اپنے پاس حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت کے پہلے سے تعریف و پہچان رکھتے تھے اور کہتے تھے کہ ان کی ہجرت مدینہ میں ہوگی۔ اور جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے تو وہ کہتے تھے کہ آج کی رات احمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) پیدا ہو گئے اور ان کی ولادت کا ستارہ طلوع ہو گیا لیکن جب وہ مبعوث ہوئے تو وہ کافر ومنکر ہو گئے، ان کا یہ کفر وانکار محض سرکشی اور حسد وعناد کی بناء پر تھا۔

عبداللہ بن سوریا یہودی سے حضور کی گفتگو

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بیت مدراس میں تشریف لائے اور فرمایا تم میں جو سب سے زیادہ عقلمند ہے اسے میرے پاس لاؤ تو وہ عبداللہ بن سوریا کو

لائے، حضور نے اس سے تنہائی میں گفتگو فرمائی اور فرمایا میں تجھے تیرے دین کی قسم دیتا ہوں اور اس نعمت کی جو بنی اسرائیل کو دی گئی جو من وسلوی کھلایا، اوران پر برابر ابر کا سایہ کیا گیا کہ میں خدا کا رسول ہوں؟ اس نے کہا اللھم نعم یعنی بارالہ ہاں، میں اور میری ساری قوم خوب جانتی ہے اور جو کچھ آپ کی تعریف و توصیف اور آپ کی خوبیاں ہیں میں جانتا ہوں وہ توریت میں واضح طور پر مرقوم ہیں لیکن یہ قوم آپ پر حسد کرتی ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا پھر تجھے کس چیز نے باز رکھا کہ ایمان نہیں لاتا اور مسلمان نہیں ہوتا اس نے کہا میں اپنی قوم کے خلاف چلنے کو اچھا نہیں جانتا میں خواہش رکھتا ہوں وہ سب آپ کی متابعت کریں اور اسلام لائیں تو میں بھی مسلمان ہو جاؤں۔

طلحہ بن عبید اللہ کی متابعت

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے انھوں نے بیان کیا کہ میں ملک شام میں بصرے کے بازار میں موجود تھا کہ اچانک ایک صومعہ (عبادت خانے) سے کسی راہب کی آواز سنی وہ کہہ رہا تھا ان تاجروں سے دریافت کرو کیا تم میں کوئی اہل حرم یعنی مکہ کا باشندہ ہے، طلحہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے کہا ہاں! میں وہاں کا باشندہ ہوں اس نے کہا مکہ میں احمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) مبعوث ہوئے ہوں گے، وہ آخری نبی ہیں، ان کا جائے خروج حرم ہے اوران کی جائے ہجرت خرمازار، سنگستان اور زمین شور ہے جس کا نام یثرب ہے۔

حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ راہب کی بات نے میرے دل میں جگہ کر لی، پھر میں وہاں سے چل کر مکہ مکرمہ آیا میں نے دریافت کیا کیا کوئی حادثہ (نئی بات) یا سانحہ ہوا ہے لوگوں نے کہا ہاں! محمد بن عبد اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے دعوائے نبوت کیا ہے اور ابن ابی قحافہ یعنی ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی متابعت قبول کر لی ہے۔ پھر میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا ان

سے راہب کی بات بیان کی اور کہا کیا تم نے اس شخص کی متابعت قبول کر لی ہے انھوں نے فرمایا ہاں، پھر حضرت صدیق اکبر طلحہ کو لے کر حضور کے پاس آئے اور انھوں نے حضور کی متابعت کی۔

انبیائے کرام علیہم السلام کی تصاویر

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے انھوں نے کہا جس زمانے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور ان کی نبوت مکہ میں مشہور ہوئی تو میں جانب شام نکل گیا اور جب بصریٰ پہنچا تو وہاں نصاریٰ کی ایک جماعت آئی اور مجھ سے پوچھنے لگی کیا تم حرم مکہ سے آئے ہو میں نے کہا ہاں، وہ کہنے لگے کیا تم اس شخص کی صورت پہچانتے ہو جس نے تم میں نبوت کا دعویٰ کیا ہے میں نے کہا ہاں میں پہچانتا ہوں۔ انھوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے ایک ایسے عبادت خانے میں لے گئے جس میں بے شمار تصویریں اور تمثیلیں آویزاں تھیں انھوں نے مجھ سے کہا انھیں بغور دیکھو ان میں اس کی شبیہ ہے جس نے تم میں نبوت کا دعویٰ کیا ہے تو میں نے ایک ایک کر کے بغور نظر ڈالی لیکن ان تصویروں میں مجھے آپ کی شبیہ نظر نہ آئی۔ پھر وہ مجھے اس سے بڑے عبادت خانے میں لے گئے وہاں پہلے سے کہیں زیادہ تصاویر و تماثیل آویزاں تھیں انھوں نے کہا دیکھو کیا تمھیں ان میں ان کی مبارک صورت نظر آتی ہے میں دیکھنے لگا۔ اچانک حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صورت وصفت نظر آئی کہ ابوبکر صدیق حضور کا زانوئے مبارک پکڑے ہوئے ہیں۔ انھوں نے پوچھا کیا تمھیں ان کی شبیہ نظر آئی میں نے کہا ہاں! پھر میں نے دل میں کہا مجھے ابھی ان کی نشاندہی نہیں کرنی چاہیئے تاکہ معلوم ہو جائے کہ وہ کیا کہتے ہیں۔ انھوں نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعریف وصفت بیان کی، میں نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ وہی ہیں۔ پھر انھوں نے مجھ سے پوچھا تم جانتے ہو وہ کون ہیں جو آپ کا زانوئے مبارک پکڑے ہوئے ہیں میں نے کہا ہاں میں گواہی دیتا ہوں وہ ان کے صحابی خاص اور ان کے بعد ان کے خلیفہ ہیں اور میں نے کہا لیکن میں ڈرتا ہوں کہ قریش انھیں قتل نہ کر دیں انھوں نے کہا خدا کی قسم! وہ ان کو ہرگز قتل نہیں

کر سکتے وہ نبی آخرالزماں ہیں اللہ تعالیٰ انھیں سب پر غالب فرمائے گا۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

دو یہودیوں کی عداوت

ام المومنین حضرت صفیہ بنت حی بن اخطب یہودی سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں کہ جب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قدم رنجہ فرمایا اور قبا میں قیام فرمایا تو میرے باپ حی بن اخطب اور میرے چچا ابویاسر ابن اخطب رات اندھیرے بوقت سحر حضور کے پاس گئے پھر وہ نہ لوٹے یہاں تک کہ شام ہوئی اور رات آگئی۔ جب وہ گھر آئے تو میں نے دیکھا وہ انتہائی بوجھل، کسل مند اور حد درجہ غم واندوہ میں تھے جس کا میں اندازہ نہیں کر سکتی تھی وہ گھر میں آکر پڑ گئے۔ میں چوں کہ ان کے نزدیک اولاد میں سب سے زیادہ پیاری اور محبوب تھی تو اپنی دیرینہ عادت کے موافق ان کے سامنے آگئی مگر وہ غم واندوہ کے بوجھ تلے اتنے شکستہ اور محزون تھے کہ انھیں اتنی فرصت وطاقت نہ ہوئی کہ وہ میری طرف التفات کر سکتے۔ اسی حالت کے دوران میرے چچا نے میرے باپ سے پوچھا کہ یہ وہی ہیں؟ کہا یہ شخص وہی نبی آخرالزماں ہیں جن کی توصیف ہم توریت میں پڑھتے ہیں۔ تو میرے باپ نے میرے چچا سے کہا ہاں یہ وہی ہیں، خدا کی قسم یہ وہی ہیں۔ چچا نے پھر پوچھا کیا تم یقین سے جانتے ہو کہ وہی ہیں میرے باپ نے کہا خدا کی قسم یقین سے جانتا ہوں کہ یہ وہی ہیں۔ اس نے کہا اپنے دل میں ان کی نسبت کیا پاتے ہو محبت یا عداوت؟ اس نے کہا عداوت، واللہ جب تک میں زندہ ہوں اس کی عداوت میں برابر کوشاں رہوں گا۔ چنانچہ یہ دونوں یہودی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عداوت میں شقی ازلی اور گرفتار وبال ونکال ابدی ہو گئے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

ان یہودیوں میں سے کچھ بد بخت وشقی حیلہ ونفاق کو دنیاوی ذلیل وحقیر مال کے جمع کرنے کا ذریعہ اور دنیاوی فانی زندگی کی حفاظت وصیانت کا وسیلہ بنا کر اسفل السافلین کے درجہ میں اتر گئے اور انھیں میں کچھ ایسے علماء واحبار بھی تھے جن کے اقبال کی پیشانی پر پہلے ہی سے ازلی رحمت وسعادت کے نقوش

روشن تھے، انھوں نے اسلام لانے میں سبقت کی اور دولت آخرت و سعادت کو جمع کر لیا۔ جیسے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ۔

مخیریق یہودی کی وصیت

مخیریق یہودی جو علمائے یہود میں نہایت عالم، تونگر اور بہت دانشمند تھا وہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صفات کو بھی خوب پہچانتا تھا اور اس پر قائم تھا۔ روز احد میں اس نے اپنی قوم کو مخاطب کر کے کہا اے معشر یہود! بخدا تم خوب جانتے ہو کہ سیدنا محمد رسول اللہ کی مدد ہم سب پر واجب ہے لہٰذا تم اس سعادت کے حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ یہود کہنے لگے آج روز سبت یعنی ہفتہ کا دن ہے اس نے کہا کوئی ہفتہ نہیں ہے۔ پھر انھوں نے اپنے ہتھیار اٹھائے اور نکل آئے اور ایمان لا کر وصیت کی کہ اگر آج میں مارا جاؤں تو میرا تمام مال و متاع حضور اکرم محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے ہے وہ جو چاہیں کریں اور جسے چاہیں عنایت فرمائیں۔ اس کے بعد وہ لڑتے ہوئے شہید ہو گئے حضور نے ان کا تمام مال قبضے میں لے لیا۔ حضور کا عام صدقہ فرمانا اسی مال میں سے تھا۔ (سیرت الرسول)


الله أكبر

آیات قرآنیہ

در

ثنائے مصطفیٰ ﷺ

اے رضا خود صاحب قرآں ہے مداح حضور

تجھ سے کب ممکن ہے پھر مدحت رسول اللہ کی

ورفعنا لك ذكرك

اور ہم نے تمھارے لیے تمھارا ذکر بلند کر دیا۔

آیاتِ قرآنیہ در ثنائے مصطفیٰ ﷺ

حضور کی رسالت عامہ

و ما ارسلنک الا کافة للناس بشیرا و نذیرا و لکن اکثر الناس لا یعلمون .

اور اے محبوب ہم نے تم کو نہ بھیجا مگر ایسی رسالت سے جو تمام آدمیوں کو گھیرنے والی ہے خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا لیکن بہت لوگ نہیں جانتے۔ (السبا۔۲۸)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رسالت عامہ ہے تمام انسان اس کے احاطہ میں ہیں گورے ہوں یا کالے، عربی ہوں یا عجمی، پہلے ہوں یا پچھلے سب کے لیے آپ رسول ہیں اور وہ سب آپ کے امتی۔

بخاری و مسلم کی حدیث ہے سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں مجھے پانچ چیزیں ایسی عطا فرمائی گئیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہ دی گئیں۔

(۱) ایک ماہ کی مسافت کے رعب سے میری مدد کی گئی۔

(۲) تمام زمین میرے لیے مسجد اور پاک کی گئی جہاں میرے امتی کو نماز کا وقت ہو نماز پڑھے۔

(۳) میرے لیے غنیمتیں حلال کی گئیں جو مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہ تھیں۔

(۴) مجھے مرتبہ شفاعت عطا کیا گیا۔

(۵) اور انبیاء خاص اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوتے تھے اور میں تمام انسانوں کی طرف مبعوث فرمایا گیا۔

حدیث میں سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضائل مخصوصہ کا بیان ہے جن میں سے ایک آپ کی رسالت عامہ ہے جو تمام جن وانس کو شامل ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام خلق کے رسول ہیں اور یہ مرتبہ خاص آپ کا ہے جو قرآن کریم کی آیات اور احادیث کثیرہ سے ثابت ہے۔

خوشخبری دینے سے مراد ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ کے فضل کی خوشخبری دینا ہے اور ڈر سنانے سے مراد کافروں کو اس کے عدل کا ڈر سنانا ہے۔

تبرک الذی نزل الفرقان لیکون للعالمین نذیرا.

بڑی برکت والا ہے وہ کہ جس نے اتارا قرآن اپنے بندہ پر (یعنی سید انبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر) جو سارے جہان کو ڈر سنانے والا ہو۔ (الفرقان،۱)

اس میں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عموم رسالت کا بیان ہے کہ آپ تمام خلق کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے جن ہوں یا بشر یا فرشتے یا دیگر مخلوقات سب آپ کے امتی ہیں۔ کیوں کہ عالم ماسویٰ اللہ کو کہتے ہیں اس میں یہ سب داخل ہیں۔ ملائکہ کو اس سے خارج کرنا جیسا کہ جلالین میں شیخ محلی سے اور کبیر میں امام رازی سے اور شعب الایمان میں بیہقی سے صادر ہوا بے دلیل ہے اور دعویٰ اجماع غیر ثابت، چنانچہ امام سبکی و بازری و ابن حزم و سیوطی نے اس کا تعاقب کیا اور خود امام رازی کو تسلیم ہے کہ عالم ماسویٰ اللہ کو کہتے ہیں پس وہ تمام خلق کو شامل ہے ملائکہ کو اس سے خارج کرنے پر کوئی دلیل نہیں علاوہ بریں مسلم شریف کی حدیث میں ہے۔

ارسلت الی الخلق کافة .

یعنی میں تمام خلق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا۔

علامہ علی قاری نے مرقات میں اس کی شرح میں فرمایا یعنی تمام موجودات کی طرف جن ہوں یا

انسان یا فرشتے یا حیوانات یا جمادات۔ (خزائن العرفان)

قل یا ایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا الذی لہ ملک السموات و الارض لا الہ الا ھو یحیی و یمیت فامنوا باللہ و رسولہ النبی الامی الذی یومن باللہ و کلمتہ و اتبعوہ لعلکم تھتدون .

تم فرماؤ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں کہ آسمان اور زمین کی بادشاہی اسی کو ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں جلائے اور مارے تو ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول بے پڑھے غیب بتانے والے پر کہ اللہ اور اس کی باتوں پر ایمان لاتے ہیں اور ان کی غلامی کرو کہ تم راہ پاؤ۔ (الاعراف، ۱۵۸)

یہ آیت سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عموم رسالت کی دلیل ہے کہ آپ تمام خلق کے رسول ہیں اور کل جہاں آپ کی امت، یعنی اللہ تعالیٰ کے دیگر تمام برگزیدہ رسول خاص خاص علاقوں اور مخصوص قوموں کے لیے ایک مقررہ وقت تک مرشد و رہبر بن کر آئے تھے لیکن اب جس مرشد اولین وآخرین، جس رہبر اعظم کا ذکر خیر ہو رہا ہے اس کی شان رہبری نہ کسی قوم سے مخصوص ہے اور نہ کسی زمانہ سے محدود، جس طرح اس کے بھیجنے والے کی حکومت و سروری عالمگیر ہے اسی طرح اس کے رسول کی رسالت بھی جہانگیر ہے۔ ہر خاص و عام، ہر فقیر و امیر، ہر عجمی و عربی، ہر رومی و حبشی کے لیے وہ مرشد بن کر آیا اس لیے اس بات کا اعلان اس کی زبان حقیقت ترجمان سے کر دیا کہ اے اولاد آدم! میں تم سب کے لیے اپنے زمین وآسمان کے خالق و مالک کی طرف سے رشد و ہدایت کا پیغام لے کر آیا ہوں اب تمھارے لیے ہدایت و فلاح کا راستہ یہی ہے کہ اس کتاب کی پیروی کرو جو میں لے کر تمھارے پاس آیا ہوں اور میرے نقوش پا کو اپنے لیے خضر راہ بناؤ، میری سنت سے انحراف نہ کرو۔ (سیرت الرسول)

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا

و ما ارسلنک الا رحمة للعالمین .

اور ہم نے تمھیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لیے۔ (الانبیاء، ۱۰۷)

یعنی کوئی ہو جن یا انس، مومن یا کافر۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ حضور کا رحمت ہونا عام ہے ایمان والے کے لیے اور اس کے لیے بھی جو ایمان نہ لایا۔ مومن کے لیے تو آپ دنیا و آخرت دونوں میں رحمت ہیں اور جو ایمان نہ لایا اس کے لیے آپ دنیا میں رحمت ہیں کہ آپ کی بدولت تاخیر عذاب ہوئی اور خسف و مسخ اور استیصال کے عذاب اٹھا دیے گئے۔

تفسیر روح البیان میں اس آیت کی تفسیر میں اکابر کا یہ قول نقل کیا ہے کہ آیت کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر رحمت مطلقہ تامہ کاملہ شاملہ جامعہ محیطہ بر جمیع مقیدات رحمت غیبیہ و شہادت علمیہ وعینیہ و وجودیہ و شہودیہ و سابقہ و لاحقہ وغیر ذلک تمام جہانوں کے لیے عالم ارواح ہوں یا عالم اجسام ذوی العقول ہوں یا غیر ذوی العقول، اور جو تمام عالموں کے لیے رحمت ہو لازم ہے کہ وہ تمام جہان سے افضل ہو۔ (خزائن العرفان)

ارشاد باری تعالیٰ، **بالمومنین روف رحیم** میں شان تعطف واحسان کا بیان ہے یعنی ہر درد مند کے درد کا احساس بھی ہے اور ہر دردمند کا درماں بھی۔ کسی غم زدہ اور دکھ درد کے مارے کو دیکھ کر غایت رحمت سے آنکھیں اشک بار ہو جاتی ہیں اور نوک مژگان پاک پر در یتیم سے ارجمند تر اور تابندہ تر آنسوؤں کے موتی سراپا التجا بن کر بارگاہ رب العالمین میں گرتے ہیں تو مشکلیں آسان ہو جاتی ہیں اور غم واندوہ کی کالی گھٹائیں کافور ہو جاتی ہیں۔

آپ خود غور فرمائیے کہ جن افراد نے یا جن قوموں نے حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے

دامن رحمت کو تھاما، حضور کے لائے ہوئے دین کو صدق دل سے قبول کیا اور حضور کے پیش کردہ نظام حیات کو اپنی عملی زندگی میں اپنایا وہ لوگ کہاں سے کہاں پہنچ گئے ۔ گمراہ تھے لیکن اس نور مبین سے اکتساب نور کرنے کے بعد ظلمت کدۂ عالم میں ہدایت کے چراغ روشن ہوگئے ۔ جاہل تھے لیکن اس چشمہ علم وعرفاں سے سیراب ہونے کے بعد دنیا کے جس جس گوشہ میں گئے علم وحکمت کے چمن کھلاتے گئے ۔ گنوار اور اجڈ تھے لیکن تہذیب وتمدن کے بانی بن گئے ۔ جہانگیری اور جہانبانی کا ایک اچھوتا تصور دنیا کے سامنے پیش کیا جس میں کسی ایسے بادشاہ کی گنجائش نہیں جو مطلق العنان ہو، جو قانون کی گرفت سے بالاتر ہو، جو سب کا محاسبہ کر سکے لیکن اس سے باز پرس کرنے کی کسی کو اجازت نہ ہو۔ بلکہ جو قوم وملک کا سربراہ ہوگا اسے خلیفہ کہا جائے گا جس کا معنی نائب ہے اور نائب وہ ہوتا ہے جسے کسی نے مقرر کیا ہو اور جس پر لازم ہو کہ وہ جو کچھ کرے گا اپنے مقرر کرنے والوں کی منشا اور ہدایت کے مطابق کرے گا ۔ ان رحمتوں سے وہ افراد اور قومیں سرشار ہوئیں جنھوں نے حضور کی رسالت کو تسلیم کیا اور حضور کے لائے ہوئے دین پر ایمان لانے کا شرف حاصل کیا ۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ۔

یہ تو عالم ناسوت میں حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی گوناگوں رحمتوں کا ظہور ہے لیکن صرف یہاں ہی نہیں بلکہ عالم ملکوت میں بھی حضور کی رحمت کا پرچم لہرا رہا ہے اور حضور کا دست شفقت گل افشانی کر رہا ہے ۔ وہاں رحمت محمدی کے ظہور میں جو بانکپن ہے اور بحر کرم میں جو مٹھاس اور روانی ہے اس کا حال تو فقط وہ نفوس قدسیہ ہی جانتے ہیں جنھیں اس عالم کی سیاحت ارزانی ہوئی ہو ۔

غرض کہ یہ وہ آفتاب ہے جس کی تابانیوں سے صرف عالم رنگ و بو ہی روشن نہیں بلکہ وہ جہان لطیف بھی درخشاں ہے جو رنگ و بو، کم وکیف اور بالا و پست کے تعینات سے ماوراء ہے ۔ سچ تو یہ ہے کہ وہاں اس آفتاب کی نور افشانی کا رنگ ہی نرالا ہے جو نہ زبان پر لایا جا سکے اور نہ قلم سے لکھا جا سکے ۔ اس رحمت عامہ کی برکتوں سے عقل بھی بہرور ہے اور دل کی دنیا بھی شادکام ہے ۔ (سیرت الرسول)

حضور انور اللہ کی دلیل ہیں

یا ایها الناس قد جاء کم برهان من ربکم و انزلنا الیکم نورا مبینا.

اے لوگو بے شک تمھارے پاس اللہ کی طرف سے واضح دلیل آئی اور ہم نے تمھاری طرف روشن نور اتارا۔ (النساء،۴،۱۷۴)

دلیل واضح سے سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی مراد ہے جن کے صدق پر ان کے معجزے شاہد ہیں اور منکرین کی عقلوں کو حیران کردیتے ہیں۔ اور روشن نور سے مراد قرآن پاک ہے۔

(خزائن العرفان)

هو الذی ارسل رسوله بالهدی و دین الحق لیظهره علی الدین کله و کفی بالله شهیدا.

وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا کہ اسے سب دینوں پر غالب کردے اور اللہ کافی گواہ ہے۔ (الفتح،۲۸)

خواہ وہ مشرکین کے دین ہوں یا اہل کتاب کے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت عطا فرمائی اور اسلام کو تمام ادیان پر غالب فرمایا، اور اللہ تعالیٰ اپنے حبیب محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رسالت پر گواہ ہے۔

(خزائن العرفان)

دین کے غلبہ کی جو بشارت اس آیت میں دی گئی ہے اس سے مراد دونوں غلبے ہیں دلیل و برہان کے میدان میں بھی اسلام کو غلبہ نصیب ہوگا اور میدان جنگ میں بھی، اس کے مخلص پیروکاروں کو ہر میدان میں فتح و کامرانی نصیب ہوگی۔ (سیرت الرسول)

دعائے ابراہیم

ربنا و ابعث فیھم رسولا منھم یتلوا علیھم آیتک و یعلمھم الکتاب و الحکمة و یزکیھم انک انت العزیز الحکیم .

اے رب ہمارے اور بھیج ان میں ایک رسول انھیں میں سے کہ ان پر تیری آیتیں تلاوت فرمائے اور انھیں تیری کتاب اور پختہ علم سکھائے اور انھیں خوب ستھرا فرمادے بیشک تو ہی ہے غالب حکمت والا۔

(البقرۃ،۱۲۹)

یعنی حضرت ابراہیم وحضرت اسماعیل علیہما الصلاۃ والسلام کی ذریت میں یہ دعا سید انبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے تھی یعنی کعبہ معظمہ کی تعمیر کی عظیم خدمت بجالانے اور توبہ واستغفار کرنے کے بعد حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما السلام نے یہ دعا کی کہ یارب اپنے محبوب نبی آخر الزمان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہماری نسل میں ظاہر فرما اور یہ شرف ہمیں عنایت کر یہ دعا قبول ہوئی اور دونوں صاحبوں کی نسل میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سوا کوئی نبی نہیں ہوا اولاد حضرت ابراہیم علیہ السلام میں باقی انبیاء حضرت اسحاق علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔

فائدہ

سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا میلاد شریف خود بیان فرمایا۔ امام بغوی نے ایک حدیث روایت کی کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک خاتم النبیین لکھا ہوا تھا۔ بحال کہ حضرت آدم علیہ السلام کے پتلا کا خمیر ہورہا تھا، میں تمھیں اپنے ابتدائے حال کی خبر دوں۔ میں دعائے ابراہیم ہوں، بشارت عیسیٰ ہوں، اپنی والدہ کی اس خواب کی تعبیر ہوں جو انھوں نے میری ولادت کے وقت دیکھی اور ان کے لیے ایک نور ساطع ظاہر ہوا جس سے ملک شام کے ایوان وقصور ان کے لیے روشن

ہو گئے۔اس حدیث میں دعائے ابراہیم سے یہی دعا مراد ہے جو اس آیت میں مذکور ہے۔اللہ تعالیٰ نے یہ دعا قبول فرمائی اور آخر زمانہ میں حضور سید انبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔

(خزائن العرفان)

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام مقبولیت کے ان لمحات میں یہ التجا کرتے ہیں کہ اے میرے پروردگار! ان میں ایک ایسا جلیل القدر رسول مبعوث فرما جو ان عظیم الشان فرائض کی تکمیل کرے۔

(۱) وہ اپنی طرف سے گڑھ کر کچھ نہ کہے بلکہ وہ صرف تیری آیتیں ہی تلاوت کر کے انھیں سنائے۔

(۲) صرف آیتیں ہی نہ سنائے بلکہ ان آیات ربانی کے معانی اور لطائف سے بھی اپنے سامعین کو مالا مال کرے۔

(۳) تیسرا فریضہ جس کو وہ نبی رحمت انجام دے وہ یہ ہو کہ گندے دلوں کو اپنی نگاہ پاک سے پاک و صاف کر دے، ان میں کسی قسم کی کوئی آلائش باقی نہ رہے، ان کا آئینہ دل یوں صاف ہو جائے کہ انوار الٰہیہ اس میں منعکس ہونے لگیں اور تمام حجابات ہمیشہ کے لیے اٹھا دیئے جائیں۔

ان خوبیوں اور کمالات سے متصف نبی کی بعثت کے لیے خلیل علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنے رب سے التجا کی اور مولائے کریم نے اس دعا کی قبولیت کی بشارت بھی اسی کتاب مقدس میں نازل فرمائی۔ارشاد خداوندی ہے۔

لقد من الله على المومنين اذ بعث فيهم رسولا من انفسهم يتلوا عليهم آيته و يزكيهم و يعلمهم الكتاب و الحكمة و ان كانوا من قبل لفى ضلل مبين .

یقیناً بڑا احسان فرمایا اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر جب بھیجا اس نے ان میں ایک رسول انھیں میں سے پڑھتا ہے ان پر اللہ کی آیتیں اور پاک کرتا ہے اور سکھاتا ہے انھیں قرآن اور سنت اگرچہ وہ اس سے

پہلے یقیناً کھلی گمراہی میں تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور پروردگار عالم کی طرف سے قبولیت دعا کی بشارت میں جو کلمات استعمال ہوئے ہیں وہ بالکل ایک جیسے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی قبولیت کا مژدہ دیا جارہا ہے۔ کہ میرے خلیل نے قبولیت کی ان گھڑیوں میں جس رسول کے لیے التجا کی تھی انھیں صفات سے متصف کرکے ہم نے اپنے حبیب کو مبعوث فرمایا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشادات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک روز اپنے صحابہ سے پوچھا اے میرے صحابہ! تم مجھے جانتے ہو میں کون ہوں؟ انھوں نے عرض کی اللہ و رسولہ اعلم کہ اس راز کو اللہ جانتا ہے یا اس کا رسول معظم تو حضور نے فرمایا۔

انا دعوۃ ابی ابراھیم

میں اپنے ابراہیم کی دعا کا ثمر ہوں۔

ان دونوں آیتوں میں حضور کی تین صفات کمال بیان فرمائی گئی ہیں۔

(۱) وہ اپنی طرف سے خود گڑھ کر کوئی کلام نہیں سناتا بلکہ اس کا فریضہ صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی آیات اس کے بندوں کو پڑھ کر سنائے۔

آپ خود اندازہ لگایئے کہ جس ہستی کی زبان سے صرف فرمان الٰہی کا صدور ہوتا ہے اس کی عظمت شان میں ہمسری کا دعویٰ کون کرسکتا ہے۔

(۲) دوسرے خوبی یہ بتائی کہ وہ نبی رحمت صرف آیات ربانی کو پڑھ کر سناتا ہی نہیں بلکہ انھیں سمجھاتا بھی ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کے بندے اپنے رب کے کلام میں جو معانی و لطائف مضمر ہیں ان پر بھی ہر طرح آگاہ ہوسکیں۔

(۳) تیسرا کمال جو بے نظیر بھی ہے اور بے مثال بھی وہ یہ ہے کہ وہ اپنی نگاہ ناز سے دلوں کی کدورتوں کو بھی صاف کر دیتا ہے اور شرک، کفر اور فسق و فجور ہر قسم کی آلائشیں چشم زدن میں نیست و نابود ہو جاتی ہیں اور آئینۂ دل اس قدر شفاف ہو جاتا ہے کہ اس میں انوار الٰہیہ منعکس ہونے لگتے ہیں۔

حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے نبی کے لیے جو صفات بیان کی ہیں بعینہٖ وہ صفات اس بشارت میں بیان کی گئی ہیں جو اس دعا کی قبولیت کے بارے میں نوع انسانی کو دی گئی لیکن ان کلمات کی ترتیب میں ایک خفیف سا فرق ہے۔

دعائے خلیل میں پہلے تلاوت آیات، پھر تعلیم کتاب و حکمت اور آخر میں تزکیۂ قلوب کا ذکر ہے لیکن اس مژدہ قبولیت میں اس نبی مکرم کے لیے جو صفات بیان کی گئی ہیں ان میں ترتیب بدل دی گئی ہے پہلے تلاوت آیات، دوسرے نمبر پر تزکیۂ قلوب اور تیسرے نمبر پر تعلیم کتاب و حکمت۔

اس تبدیلی میں یہ حکمت معلوم ہوتی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی التجا سے معلوم ہوتا ہے کہ تزکیۂ قلب تعلیم کتاب و حکمت کا نتیجہ ہے اور اس خوشخبری میں بتا دیا کہ تعلیم کتاب و حکمت بعد میں اور تزکیہ اس سے پہلے جو نتیجہ ہے چشم ناز کی ذرہ پروری کا۔ (سیرت الرسول)

محبت خداوندی اور اتباع رسول

قل ان كنتم تحبون الله فاتبعوني يحببكم الله و يغفرلكم ذنوبكم و الله غفور رحيم .

اے محبوب تم فرما دو کہ لوگو اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرماں بردار ہو جاؤ اللہ تمھیں دوست رکھے گا اور تمھارے گناہ بخش دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (آل عمران، ۳۱)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ کی محبت کا دعویٰ جب ہی سچا ہوسکتا ہے جب آدمی سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا متبع ہو اور حضور کی اطاعت اختیار کرے۔

شان نزول: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قریش کے پاس ٹھہرے جنھوں نے خانہ کعبہ میں بت نصب کیے تھے اور انھیں سجا سجا کر ان کو سجدہ کر رہے تھے حضور نے فرمایا اے گروہ قریش خدا کی قسم تم اپنے آباء حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کے دین کے خلاف ہو گئے قریش نے کہا ہم بتوں کو اللہ کی محبت میں پوجتے ہیں تا کہ یہ ہمیں اللہ سے قریب کریں اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور بتایا گیا کہ محبت الٰہی کا دعویٰ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اتباع وفرماں برداری کے بغیر قابل قبول نہیں جو اس دعوے کا ثبوت دینا چاہے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی غلامی کرے اور حضور نے بت پرستی کو منع فرمایا تو بت پرستی کرنے والا حضور کا نافرمان اور محبت الٰہی کے دعوے میں جھوٹا ہے۔ (خزائن العرفان)

جب یہود کو اسلام کی دعوت دی گئی تو انھوں نے یہ کہہ کر اس دعوت کو قبول کرنے سے انکار کردیا کہ ہم تو پہلے محبت الٰہی میں سرشار ہیں اور اس کے لاڈلے فرزند ہیں ہمیں کیا ضرورت پڑی ہے کہ کسی نئے نبی کی امت میں داخل ہونے کی زحمت گوارا کریں۔ اس آیت میں انھیں تنبیہ فرمائی جارہی ہے کہ محبت الٰہی کا دعویٰ بغیر دلیل کے قابل التفات نہیں اور اس دعویٰ کی دلیل یہ ہے کہ تم اللہ کے اس برگزیدہ رسول کی اطاعت وفرماں برداری کرو، اگر تم نے دل وجان سے اس رسول کریم کی اطاعت کی تو تمھارا دعویٰ محبت بھی درست تسلیم کرلیا جائے گا اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی ایک سب سے بڑی نعمت سے سرفراز کیے جاؤ گے یعنی تمھیں محبوب الٰہی ہونے کا شرف بخشا جائے گا اور تمھارے اعمال نامہ کی سیاہی کو رحمت ومغفرت کے پانی سے صاف کردیا جائے گا۔ مصطفٰی علیہ التحیۃ والثنا کی عظمت شان اور جلالت قدر کا کیا کہنا جس کی غلامی قوم یہود جیسی راندۂ درگاہ اور ذلیل قوم کو بھی اللہ تعالیٰ کا محبوب بنا سکتی ہے اور اس کے گھناؤنے گناہوں کی بخشش

کا سبب بن سکتی ہے۔ اگر امت مسلمہ اتباع حبیب خدا کو اپنا شعار بنالے اور سنت سرور کائنات کے سانچے میں اپنی سیرت کو ڈھال لے تو کیا یہ محبوبیت کے خلعت فاخرہ سے نوازی نہیں جائے گی؟ اس آیت میں یہ بتایا گیا کہ اگر تم میرے محبوب کی غلامی کا طوق اپنے گلے میں ڈال لو گے تو اللہ تعالیٰ اپنے دست کرم سے تمھارے سروں پر محبوبیت کا تاج سجادے گا۔ (سیرت الرسول)

الذین یتبعون الرسول النبی الامی الذی یجدونہ مکتوبا عندہ فی التوراۃ و الانجیل یامرھم بالمعروف و ینھھم عن المنکر و یحل لھم الطیبت ویحرم علیھم الخبائث و یضع عنھم اصرھم و الاغلل التی کانت علیھم فالذین آمنوا بہ و عزروہ و نصروہ و اتبعوا النور الذی انزل معہ اولئک ھم المفلحون .

وہ جو غلامی کریں گے اس رسول بے پڑھے غیب کی خبریں دینے والے کی جسے لکھا ہوا پائیں گے اپنے پاس توریت اور انجیل میں وہ انھیں بھلائی کا حکم دے گا اور برائی سے منع فرمائے گا اور ستھری چیزیں ان کے لیے حلال فرمائے گا اور گندی چیزیں ان پر حرام کرے گا اور ان پر سے وہ بوجھ اور گلے کے پھندے جو ان پر تھے اتارے گا تو وہ جو اس پر ایمان لائیں اور اس کی تعظیم کریں اور اسے مدد دیں اور نور کی پیروی کریں جو اس کے ساتھ اترا وہی بامراد ہوئے۔ (الاعراف، ۱۵۷)

یہاں رسول سے باجماع مفسرین سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مراد ہیں۔ آپ کا ذکر وصف رسالت سے فرمایا گیا کیوں کہ آپ اللہ اور اس کے مخلوق کے درمیان واسطہ ہیں فرائض رسالت ادا فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کے اوامر ونہی وشرائع واحکام اس کے بندوں کو پہنچاتے ہیں۔

''توریت وانجیل میں لکھا ہوا پائیں گے'' سے مراد یہ ہے کہ توریت وانجیل میں آپ کی نعت و صفت ونبوت لکھی پائیں گے۔ حدیث میں ہے کہ حضرت عطاء بن یسار نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ

تعالیٰ عنہما سے سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وہ اوصاف دریافت کیے جو توریت میں مذکور ہیں انھوں نے فرمایا کہ حضور کے جو اوصاف قرآن کریم میں آئے ہیں انھیں میں کے بعض اوصاف توریت میں مذکور ہیں اس کے بعد انھوں نے پڑھنا شروع کیا۔

اے نبی ہم نے تمھیں بھیجا شاہد و مبشر اور نذیر اور امیوں کا نگہبان بنا کر تم میرے بندے اور میرے رسول ہو میں نے تمھارا نام متوکل رکھا، نہ بد خلق ہو نہ سخت مزاج، نہ بازاروں میں آواز بلند کرنے والے، نہ برائی سے برائی کو دفع کرو لیکن خطا کاروں کو معاف کرتے ہو اور ان پر احسان فرماتے ہو اللہ تعالیٰ تمھیں نہ اٹھائے گا جب تک کہ تمھاری برکت سے غیر مستقیم ملت کو اس طرح راست نہ فرمادے کہ لوگ صدق و یقین کے ساتھ **لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ** پکارنے لگیں اور تمھاری بدولت اندھی آنکھیں بینا اور بہرے کان شنوا اور پردوں میں لپٹے ہوئے دل کشادہ ہو جائیں۔

اور حضرت کعب بن احبار سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صفات میں توریت شریف کا یہ مضمون بھی منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی صفت میں فرمایا کہ میں انھیں ہر خوبی کا قابل کروں گا اور ہر خلق کریم عطا فرماؤں گا اور اطمینان قلب و وقار کو ان کا لباس بناؤں گا اور طاعات و احسان کو ان کا شعار کروں گا اور تقویٰ کو ان کا ضمیر اور حکمت کو ان کا راز اور صدق و وفا کو ان کی طبیعت اور عفو و کرم کو ان کی عادت اور عدل کو ان کی سیرت اور اظہار حق کو ان کی شریعت اور ہدایت کو ان کا امام اور اسلام کو ان کی ملت بناؤں گا احمد ان کا نام ہے خلق کو ان کے صدقہ میں گمراہی کے بعد ہدایت اور جہالت کے بعد علم و معرفت اور گمنامی کے بعد رفعت و منزلت عطا کروں گا اور انھیں کی برکت سے قلت کے بعد کثرت اور فقر کے بعد دولت اور تفرقے کے بعد محبت عنایت کروں گا اور انھیں کی بدولت مختلف قبائل غیر مجتمع خواہشوں اور اختلاف رکھنے والے دلوں میں الفت پیدا کروں گا اور ان کی امت کو تمام امتوں سے بہتر کروں گا۔

ایک اور حدیث میں توریت شریف سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے یہ اوصاف منقول ہیں۔

میرے بندے احمد مختار کی جائے ولادت مکہ مکرمہ اور جائے ہجرت مدینہ طیبہ ہے ان کی امت ہر حال میں اللہ کی کثیر حمد کرنے والی ہے۔

کتب الٰہیہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نعت وصفت سے بھری ہوئی تھیں اہل کتاب ہر قرن میں اپنی کتابوں میں تراش خراش کرتے رہے اور ان کی بڑی کوشش اس پر مسلط رہی کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر اپنی کتابوں میں نام کو نہ چھوڑیں توریت وانجیل وغیرہ ان کے ہاتھ میں تھیں اس لیے انھیں اس میں کچھ دشواری نہ تھی لیکن ہزاروں تبدیلیاں کرنے کے بعد بھی موجودہ زمانہ کی بائبل میں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بشارت کا کچھ نہ کچھ نشان باقی رہ ہی گیا۔

چنانچہ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لاہور ۱۹۳۱ء کی چھپی ہوئی بائبل میں یوحنا کی انجیل کے باب ۱۴ر کی سولہویں آیت میں ہے۔

اور میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمھیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک تمھارے ساتھ رہے۔

لفظ ''مددگار'' پر حاشیہ ہے، اس میں اس کے معنی وکیل یا شفیع لکھے۔

تو اب حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے بعد ایسا آنے والا جو شفیع ہو اور ابد تک رہے یعنی اس کا دین کبھی منسوخ نہ ہو۔ بجز سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کون ہے؟

پھر انتیسویں تیسویں آیت میں ہے۔

اور اب میں نے تم سے اس کے ہونے سے پہلے کہہ دیا ہے تاکہ جب ہو جائے تو تم یقین کرو اس

کے میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا کیوں کہ دنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں۔

کیسی صاف بشارت ہے اور حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنی امت کو حضور کی ولادت کا کیسا منتظر بنایا اور شوق دلایا ہے اور دنیا کا سردار خاص سید عالم کا ترجمہ ہے اور یہ فرمانا کہ مجھ میں اس کا کچھ نہیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمت کا اظہار اور اس کے حضور اپنا کمال ادب وانکسار ہے۔

پھر اسی کتاب کے باب سولہ کی ساتویں آیت ہے۔

لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمھارے لیے فائدہ مند ہے کیوں کہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمھارے پاس نہ آئے گا لیکن اگر جاؤں گا تو اسے تمھارے پاس بھیج دوں گا۔

اس میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بشارت کے ساتھ اس کا بھی صاف اظہار ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں آپ کا ظہور جب ہی ہوگا جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی تشریف لے جائیں۔

اس کی تیرہویں آیت ہے۔

لیکن جب وہ یعنی سچائی کا روح آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا اس لیے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور تمھیں آئندہ کی خبریں دے گا۔

اس آیت میں بتایا گیا کہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آمد پر دین الٰہی کی تکمیل ہو جائے گی اور آپ سچائی کی راہ یعنی دین حق کو مکمل کر دیں گے اس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ ان کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا اور یہ کلمے کہ اپنی طرف سے نہ کہے گا جو سنے گا وہی کہے گا خاص **و ما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی** کا ترجمہ ہے۔ اور یہ جملہ کہ آئندہ کی خبریں دے گا اس میں صاف بیان ہے کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غیبی علوم تعلیم فرمائیں گے جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا **یعلمکم ما لم تکونوا تعلمون**

اور و ما هو علی الغیب بضنین .

اس لیے امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے لفظ ''نبی'' کا ترجمہ ''غیب کی خبریں دینے والے'' کیا ہے اور یہ نہایت ہی صحیح ترجمہ ہے کیوں کہ ''نبا'' خبر کو کہتے ہیں جو مفید علم ہو اور شائبہ کذب سے خالی ہو۔ یہ لفظ اس معنی میں بکثرت مستعمل ہوا ہے۔

ایک جگہ ارشاد ہوا : قل هو نبؤ عظیم .

ایک جگہ ارشاد فرمایا : تلک من انباء الغیب نوحیها الیک

ایک جگہ فرمایا : فلما انباء هم باسمائهم .

اور بکثرت آیات میں یہ لفظ اس معنی میں وارد ہوا ہے۔ پھر یہ لفظ یا تو فاعل کے معنی میں ہوگا یا مفعول کے معنی میں۔

پہلی صورت میں اس کے معنی، غیب کی خبریں دینے والے۔

اور دوسری صورت میں اس کے معنی ہوں گے، غیب کی خبریں دیئے ہوئے۔

اور دونوں معنی کو قرآن عظیم سے تائید پہنچتی ہے۔ پہلے معنی کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے نبی عبادی دوسری آیت میں فرمایا قل اونبئکم اور اسی قبیل سے ہے حضرت مسیح علیہ الصلاۃ والسلام کا ارشاد جو قرآن کریم میں وارد ہوا۔ انبئکم بما تاکلون و ما تدخرون ۔ اور دوسری صورت کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے۔ نبانی العلیم الخبیر اور حقیقت میں انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام غیب کی خبریں دینے والے ہی ہوتے ہیں۔

تفسیر خازن میں ہے کہ آپ کے وصف میں نبی فرمایا کیوں کہ نبی ہونا اعلیٰ اور اشرف مراتب میں

سے ہے اور یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ آپ اللہ کے نزدیک بہت بلند درجے رکھنے والے اور اس کی طرف سے خبر دینے والے ہیں۔

امام احمد رضا بریلوی نے لفظ ''امی'' کا ترجمہ ''بے پڑھے'' فرمایا یہ ترجمہ بالکل حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ارشاد کے مطابق ہے اور یقیناً امی ہونا بھی آپ کے معجزات میں سے ایک معجزہ ہے کہ دنیا میں کسی سے پڑھا نہیں اور کتاب وہ لائے جس میں اولین و آخرین اور غیبوں کے علوم ہیں۔

خاکی و بر اوج عرش منزل
امی و کتاب خانہ دروں

•

امی ، و دقیقہ دان عالم
بے سایہ و سائبان عالم

صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ۔ (خزائن العرفان)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ''الامی'' کہنے کی متعدد توجیہات علمائے کرام نے بیان کی ہیں :

(۱) منسوب الی الام یعنی هو علی ما ولدته امه لم یکتب و لم یقراء .

ام یعنی ماں کی طرف منسوب کرتے ہوئے امی کہا یعنی جیسے نوزائیدہ بچہ لکھنا پڑھنا نہیں جانتا اسی طرح حضور نے بھی کسی استاد سے لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا اور اس کے باوجود علوم ظاہری و باطنی سے سینۂ مبارک کا لبریز ہونا حضور کا روشن معجزہ ہے۔

امئے بود کہ ما از اثر حکمت او

واقف از سر نہاں خانۂ تقدیر شدیم

یعنی ہمارا ہادی برحق امی تھا لیکن اس کی حکمت کی برکت سے ہم تقدیر کے اسرار نہاں پر مطلع ہو گئے۔

(۲) ام القریٰ (مکہ) کی طرف نسبت کی وجہ سے امی کہا گیا۔

(۳) بعض کی رائے ہے کہ امی امت کی طرف منسوب ہے یعنی حضور علیہ الصلاۃ والسلام صاحب امت ہیں اور امت کی ''تاء'' نسبت کے وقت حذف کر دی گئی جیسے مکہ سے مکی، مدینہ سے مدنی میں ''تاء'' محذوف ہے۔

لفظ ''اصر'' دو معنوں میں مستعمل ہوتا ہے۔ اصر بمعنی ثقل، بوجھ اور اصر بمعنی عہد۔ یہاں دونوں معنی ملحوظ ہیں یعنی اعمال شدیدہ کو بجالانے کا جو عہد بنی اسرائیل سے لیا گیا تھا حضور کی تشریف آوری سے انھیں ان اعمال شاقہ کی ادائیگی سے آزاد کر دیا گیا۔ ان کی شریعت کے چند احکام یہ تھے کہ اگر کوئی کپڑا نجاست لگنے سے پلید ہو جاتا تو اس کو کاٹ دینا پڑتا تھا۔ ایام حیض میں عورت کے ساتھ اٹھنا، بیٹھنا ایک ساتھ کھانا پینا تک ممنوع تھا، مال غنیمت کا استعمال جائز نہ تھا بلکہ اس کو ایک جگہ جمع کر کے نذر آتش کرنا لازمی تھا۔

اغلال جمع ہے اس کا واحد غل ہے اس کا معنی ہے زنجیر۔ اس سے مراد بھی شریعت موسوی کے وہ شدید اور سخت احکام ہیں جن پر عمل کرنا بنی اسرائیل کے لیے ناگزیر تھا۔ مثلاً یوم سبت کو ہر دنیاوی کام کی ممانعت تھی، اگر کوئی کسی کو قتل کر دیتا تو دیت کی گنجائش نہ تھی بلکہ قاتل کو بطور قصاص قتل کرنا ضروری تھا۔ اسی طرح کئی دیگر احکام تھے جن پر عمل کرنا مشقت سے خالی نہ تھا لیکن رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آمد

سے ان تمام احکام شاقہ میں تخفیف اور نرمی کر دی گئی۔ اگر کپڑا پلید ہو جائے تو اس کو پاک کرنے کے لیے دھونا ہی کافی ہے، حائضہ عورت سے ہم بستری ممنوع قرار دی گئی اور دوسری پابندیاں ختم کر دی گئیں۔ قاتل کی دیت قبول کرنے کی بھی اجازت دی گئی، مال غنیمت کا استعمال حلال کر دیا گیا اور ان احکام میں بڑی آسانیاں اور نرمیاں کر دی گئیں۔ ہزار ہا صلوٰۃ وسلام ہوں اس طلعت زیبا پر جس کی آمد سے گلشن عالم میں بہار آ گئی، جس کے ظاہر ہونے سے کائنات میں اجالا ہو گیا، توہمات کے قفس ٹوٹ گئے، غلامی کی زنجیریں کٹ گئیں اور انسان کو شرف انسانیت سے آشنا کر دیا گیا۔

اس آیت کے آخر میں بڑے اختصار اور جامعیت کے ساتھ اس حقیقت کو واضح کر دیا گیا کہ فلاح وسعادت دارین سے صرف وہی خوش نصیب سرفراز ہوں گے جو میرے مصطفیٰ کریم پر سچے دل سے ایمان لائیں گے اور اس کی تعظیم وتکریم میں کوئی کوتاہی نہ کریں گے اس کے دین کی نصرت اور اس کی شریعت کی تائید کے لیے ہر قربانی دینے پر مستعد ہوں گے اور اس کے نور تاباں (قرآن کریم) کے ارشادات پر عمل کرنے کے لیے دل وجان سے آمادہ ہوں گے۔ (سیرت الرسول)

خدا چاہتا ہے رضائے محمد

و الضحی و الیل اذا سجی ما ودعک ربک و ما قلی و للاخرۃ خیر لک من الاولیٰ و لسوف یعطیک ربک فترضی الم یجدک یتیما فاوی ووجدک ضالا فھدی ووجدک عائلا فاغنی فاما الیتیم فلا تقھر و اما السائل فلا تنھر و اما بنعمۃ ربک فحدث.

چاشت کی قسم اور رات کی جب پردہ ڈالے کہ تمھیں تمھارے رب نے نہ چھوڑا اور نہ مکروہ جانا اور بیشک پچھلی تمھارے لیے پہلی سے بہتر ہے اور بیشک قریب ہے کہ تمھارا رب تمھیں اتنا دے گا کہ تم راضی

ہو جاؤ گے کیا اس نے تمہیں یتیم نہ پایا پھر جگہ دی اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی اور تمہیں حاجت مند پایا پھر غنی کر دیا تو یتیم پر دباؤ نہ ڈالو اور منگتا کو نہ جھڑکو اور اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچا کرو۔ (الضحیٰ)

شانِ نزول: ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ چند روز وحی نہ آئی تو کفار نے بطریق طعن کہا کہ محمد (مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو ان کے رب نے چھوڑ دیا اور مکروہ جانا اس پر سورۃ والضحیٰ نازل ہوئی۔

و الضحیٰ ، جس وقت کہ آفتاب بلند ہو کیوں کہ یہ وقت وہی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے کلام سے مشرف کیا اور اسی وقت جادوگر سجدے میں گرے، بعض مفسرین نے فرمایا کہ ضحیٰ سے دن مراد ہے۔

و الیل اذا سجی ، قسم رات کی جب پردہ ڈالے اور اس کی تاریکی عام ہو جائے، امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ چاشت سے مراد وہ چاشت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام سے کلام فرمایا، بعض مفسرین نے فرمایا کہ چاشت اشارہ ہے نور جمال مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف اور شب کنایہ ہے آپ کے گیسوئے عنبریں سے۔

و للآخرۃ الآیۃ، یعنی آخرت دنیا سے بہتر ہے کیوں کہ وہاں آپ کے لیے مقام محمود وحوض مورود و خیر موعود اور تمام انبیاء و رسل پر تقدم اور آپ کی امت کا تمام امتوں پر گواہ ہونا اور آپ کی شفاعت سے مومنین کے مرتبے اور درجے بلند ہونا اور بے انتہا عزتیں اور کرامتیں ہیں جو بیان میں نہیں آتیں۔ اور مفسرین نے اس کے یہ معنی بھی بیان فرمائے ہیں کہ آنے والے احوال آپ کے لیے گزشتہ سے بہتر و برتر ہیں گویا کہ حق تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ روز بروز آپ کے درجے بلند فرمائے گا اور عزت پر عزت اور منصب پر

منصب زیادہ فرمائے گا اور ساعت بساعت آپ کے مراتب ترقیوں میں رہیں گے۔

و لسوف یعطیک ،اللہ تعالیٰ کا اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہ وعدہ کریمہ ان نعمتوں کو بھی شامل ہے جو آپ کو دنیا میں عطا فرمائیں کمال نفس اور علوم اولین و آخرین اور ظہور امر اور اعلائے دین اور وہ فتوحات جو عہد مبارک میں ہوئیں اور عہد صحابہ میں ہوئیں اور تا قیامت مسلمانوں کو ہوتی رہیں گی اور دعوت کا عام ہونا اور اسلام کا مشارق و مغارب میں پھیل جانا اور آپ کی امت کا بہترین امم ہونا اور آپ کے وہ کرامات و کمالات جن کا اللہ ہی عالم ہے اور آخرت کی عزت و تکریم کو بھی شامل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو شفاعت عامہ و خاصہ اور مقام محمود وغیرہ جلیل نعمتیں عطا فرمائیں۔

مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دونوں دست مبارک اٹھا کر امت کے حق میں رو کر دعا فرمائی اور عرض کی اللھم امتی امتی اللہ تعالیٰ نے جبریل کو حکم دیا کہ محمد (مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی خدمت میں جا کر دریافت کرو رونے کا سبب کیا ہے باوجودیکہ اللہ تعالیٰ دانا ہے۔ جبریل نے حسب حکم حاضر ہو کر دریافت کیا سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انھیں تمام حال بتایا اور غم امت کا اظہار فرمایا جبریل امین نے بارگاہ الٰہی میں عرض کی کہ تیرے حبیب یہ فرماتے ہیں باوجودیکہ وہ خوب جاننے والا ہے اللہ تعالیٰ نے جبریل کو حکم دیا کہ جاؤ اور میرے حبیب (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) سے کہو کہ ہم آپ کو آپ کی امت کے بارے میں عنقریب راضی کریں گے اور آپ کو گراں خاطر نہ ہونے دیں گے۔

حدیث شریف میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک میرا ایک امتی بھی دوزخ میں رہے گا میں راضی نہ ہوں گا۔

آیت کریمہ صاف دلالت کرتی ہے کہ اللہ وہی کرے گا جس میں رسول راضی ہوں۔ اور احادیث

شفاعت سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رضا اسی میں ہے کہ سب گنہگاران امت بخش دیے جائیں۔ تو آیت و احادیث سے قطعی طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حضور کی شفاعت مقبول اور حسب مرضی مبارک گنہگاران امت بخشے جائیں گے۔ سبحان اللہ! کیا یہ رتبہ علیا ہے کہ جس پروردگار عالم کو راضی کرنے کے لیے تمام مقربین تکلیفیں برداشت کرتے اور محنتیں اٹھاتے ہیں وہ اس حبیب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو راضی کرنے کے لیے عطا عام کرتا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان نعمتوں کا ذکر فرمایا جو آپ کے ابتدائے حال سے آپ پر ہیں۔

الم یجدک یتیما ، سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ابھی والدہ ماجدہ کے بطن میں تھے حمل دو ماہ کا تھا کہ آپ کے والد صاحب نے مدینہ شریف میں وفات پائی اور نہ کچھ مال چھوڑا نہ کوئی جگہ چھوڑی آپ کی خدمت کے متکفل آپ کے دادا عبدالمطلب ہوئے جب آپ کی عمر شریف چار یا چھ سال کی ہوئی تو والدہ صاحبہ نے بھی وفات پائی۔ جب عمر شریف آٹھ سال کی ہوئی تو آپ کے دادا عبدالمطلب نے بھی وفات پائی انھوں نے اپنی وفات سے پہلے اپنے فرزند ابو طالب کو جو آپ کے حقیقی چچا تھے آپ کی خدمت ونگرانی کی وصیت کی۔ ابو طالب آپ کی خدمت میں سرگرم رہے یہاں تک کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے نبوت سے سرفراز فرمایا۔

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے ایک معنی یہ بیان کیا ہے کہ یتیم بمعنی یکتا و بے نظیر کے ہے جیسے کہ کہا جاتا ہے درہ یتیمہ، اس تقدیر پر آیت کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عزت و شرف میں یکتا و بے نظیر پایا اور آپ کو مقام قرب میں جگہ دی اور اپنی حفاظت میں آپ کے دشمنوں کے اندر آپ کی پرورش فرمائی اور آپ کو نبوت و اصطفا و رسالت کے ساتھ مشرف کیا۔

ووجدک ضالا فھدیٰ ، اور غیب کے اسرار آپ پر کھول دیے اور علوم ما کان و ما یکون عطا کیے اپنی ذات و صفات کی معرفت میں سب سے بلند مرتبہ عنایت کیا۔ مفسرین نے ایک معنی اس آیت کے

یہ بھی بیان کیے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسا وارفتہ پایا کہ آپ اپنے نفس اور اپنے مراتب کی خبر بھی نہیں رکھتے تھے تو آپ کو آپ کے ذات وصفات اور مراتب ودرجات کی معرفت عطا فرمائی۔

فائدہ

انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام سب معصوم ہوتے ہیں نبوت سے قبل بھی اور نبوت کے بعد بھی اور اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی صفات کے ہمیشہ سے عارف ہوتے ہیں۔

ووجدک عائلا ، دولت قناعت عطا فرما کر اللہ تعالیٰ نے آپ کو غنی کر دیا۔

بخاری ومسلم کی حدیث میں ہے کہ تونگری کثرت مال سے حاصل نہیں ہوتی حقیقی تونگری نفس کا بے نیاز ہونا ہے۔

و اما الیتیم ، جیسا کہ اہل جاہلیت کا طریقہ تھا کہ یتیموں کو دباتے اور ان پر زیادتی کرتے تھے۔

حدیث شریف میں ہے سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمانوں کے گھروں میں وہ بہت اچھا گھر ہے جس میں یتیم کے ساتھ اچھا سلوک کیا جاتا ہو اور وہ بہت برا گھر ہے جس میں یتیم کے ساتھ برا برتاؤ کیا جاتا ہے۔

و اما السائل ، یعنی سائل کو نہ جھڑکو بلکہ کچھ دے دو یا حسن اخلاق اور نرمی کے ساتھ عذر کر دو، یہ بھی کہا گیا ہے کہ سائل سے طالب علم مراد ہے اس کا اکرام کرنا چاہئیے اور جو اس کی حاجت ہو اس کا پورا کرنا اور اس کے ساتھ ترش روئی وبدخلقی نہ کرنا چاہیئے۔

نعمتوں سے مراد وہ نعمتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطا فرمائیں اور وہ بھی جن کا حضور سے وعدہ فرمایا۔ نعمتوں کے ذکر کا اس لیے حکم فرمایا کہ نعمت کا بیان کرنا

شکر گزاری ہے۔ (خزائن العرفان)

انشراح صدر و رفعت ذکر

الم نشرح لک صدرک و وضعنا عنک وزرک الذی انقض ظهرک ورفعنا لک ذکرک فان مع العسر یسرا ان مع العسر یسرا فاذا فرغت فانصب و الی ربک فارغب.

کیا ہم نے تمھارا سینہ کشادہ نہ کیا اور تم پر سے تمھارا وہ بوجھ اتار لیا جس نے تمھاری پیٹھ توڑ دی تھی اور ہم نے تمھارے لیے تمھارا ذکر بلند کر دیا تو بے شک دشواری کے ساتھ آسانی ہے بیشک دشواری کے ساتھ آسانی ہے تو جب تم نماز سے فارغ ہو تو دعا میں محنت کرو اور اپنے رب ہی کی طرف رغبت کرو۔

(الانشراح)

یعنی ہم نے آپ کے سینہ کو کشادہ اور وسیع کیا ہدایت و معرفت اور موعظت و نبوت اور علم و حکمت کے لیے یہاں تک کہ عالم غیب و شہادت اس کی وسعت میں سما گئے اور علائق جسمانیہ، انوار روحانیہ کے لیے مانع نہ ہو سکے اور علوم لدنیہ و حکم الٰہیہ و معارف ربانیہ و حقائق رحمانیہ سینہ پاک میں جلوہ نما ہوئے۔ اور ظاہری شرح صدر بھی بار بار ہوا۔ ابتدائے عمر شریف میں، اور ابتدائے نزول وحی کے وقت اور شب معراج، جیسا کہ احادیث میں آیا ہے۔ اس کی شکل یہ تھی کہ جبریل امین نے سینہ پاک کو چاک کر کے قلب مبارک نکالا اور زریں طشت میں آب زم زم سے غسل دیا اور نور و حکمت سے بھر کر اس کو اس کی جگہ رکھ دیا۔

اس بوجھ سے مراد یا وہ غم ہے جو آپ کو کفار کے ایمان نہ لانے سے رہتا تھا یا امت کے گناہوں کا غم ہے جس میں قلب مبارک مشغول رہتا تھا مراد یہ ہے کہ ہم نے آپ کو مقبول الشفاعۃ کر کے وہ بار غم دور کر دیا۔ (خزائن)

اس بوجھ کے بارے میں علماءِ تفسیر نے متعدد اقوال لکھے ہیں ان میں سے دو قول یہ ہیں۔

(۱) اپنی قوم کو کھلی گمراہی میں دیکھ کر خاطر عاطر کو بہت تکالیف ہوتی تھی، ان کا بے جان بتوں کو پوجنا، فسق و فجور میں غرق رہنا، قمار بازی اور شراب نوشی میں اپنی صحت و دولت کو برباد کرنا، غریبوں پر ظلم ڈھانا، ان کے حقوق غصب کرنا، باہمی جنگ و جدال اور قتل و غارت، ان کی اخلاقی پستی، ان کی معاشی بدحالی اور ان کی سیاسی ابتری، ان تمام چیزوں کو دیکھ کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بہت دکھ ہوتا اور اس صورت حال کو یکسر بدل ڈالنے کے لیے دل ہر وقت مضطرب رہتا۔

اللہ تعالیٰ نے منصب نبوت پر فائز کیا اور قرآن کریم جیسا صحیفۂ رُشد و ہدایت عطا فرمایا، دین اسلام جیسا جامع اور مکمل نظام حیات مرحمت فرمایا جس سے یہ بوجھ اتر گیا، منزل کا تعین بھی ہو گیا اور اس منزل کی طرف لے جانے والا راستہ بھی نور نبوت سے روشن ہو گیا۔

(۲) یا اس بوجھ سے بار نبوت و رسالت مراد ہے ایسے لوگ جو صدہا سال سے معبودان باطل کی پوجا پاٹ میں مشغول تھے جن کی کئی پشتیں اخلاقی آوارگی کی نذر ہو چکی تھیں۔ ظلم و ستم لوٹ مار، جن کے نزدیک فخر و مباہات کا باعث تھی، ان کو ان پستیوں سے نکال کر توحید، اخلاقِ حسنہ اور نظم و ضبط کی بلندیوں پر لے جانا، بڑا جان جوکھم کا کام تھا۔ اس راستہ میں مشکلات کے فلک بوس پہاڑ سینہ تانے کھڑے تھے اور ناکامیوں کی عمیق غاریں منہ کھولے ہوئے نگل جانے کے لیے بے تاب تھیں، اس فرض کی ادائیگی کا احساس دل کو ہر وقت بے چین رکھتا۔ ان کا تعصب و عناد اور باطل سے چمٹے رہنے پر ان کا احمقانہ اصرار اس بے چینی میں مزید اضافہ کر دیا کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے شرح صدر کی دولت سے مالا مال فرما کر اس بوجھ کو ہلکا کر دیا۔ طبیعت میں قلق و اضطراب کی جگہ صبر و عزیمت نے لے لی، اپنی قوم کی بے اعتنائی اور دل آزاریوں پر دل گرفتہ ہونے کی بجائے

ہمت و حوصلہ پیدا ہو گیا۔

حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کی تشریح اپنے مخصوص انداز میں فرمائی اور خوب فرمائی ہے۔

آپ کی ہمت عالی اور پیدائشی استعداد جن کمالات و مقامات پر پہنچنے کا تقاضا کرتی تھیں، قلب مبارک کو جسمانی ترکیب یا نفسانی تشویشات کی وجہ سے ان پر فائز ہونا دشوار معلوم ہوتا تھا اللہ تعالیٰ نے جب سینہ کھول دیا اور حوصلہ کشادہ کر دیا تو وہ دشواریاں جاتی رہیں اور سب بوجھ ہلکا ہو گیا۔ (سیرت الرسول)

ورفعنا لک ذکرک

حدیث شریف میں ہے سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت جبریل سے اس آیت کو دریافت فرمایا تو انھوں نے کہا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آپ کے ذکر کی بلندی یہ ہے کہ جب میرا ذکر کیا جائے میرے ساتھ آپ کا بھی ذکر کیا جائے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ مراد اس سے یہ ہے کہ اذان میں، تکبیر میں، تشہد میں منبروں پر، خطبوں میں، تو اگر کوئی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے ہر بات میں اس کی تصدیق کرے اور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رسالت کی گواہی نہ دے تو یہ سب بے کار وہ کافر ہی رہے گا۔

قتادہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کا ذکر دنیا و آخرت میں بلند کیا ہر خطیب، ہر تشہد پڑھنے والا اشھد ان لا الہ الا اللہ کے ساتھ اشھد ان محمد رسول اللہ پکارتا ہے۔

بعض مفسرین نے فرمایا کہ آپ کے ذکر کی بلندی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء سے آپ پر ایمان لانے کا عہد لیا۔ (خزائن العرفان)

نورِ مصطفیٰ

قد جاء کم من اللہ نور و کتاب مبین .

بے شک تمھارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور آیا اور روشن کتاب۔ (المائدۃ،۱۵)

اس آیت میں سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نور فرمایا گیا کیوں کہ آپ سے تاریکی کفر دور ہوئی اور راہِ حق واضح ہوئی۔ اور روشن کتاب سے مراد قرآن عظیم ہے۔ (خزائن العرفان)

و داعیا الی اللہ باذنہ و سراجا منیرا.

اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلاتا اور چمکا دینے والا آفتاب۔ (الاحزاب،۴۶)

سراج کا ترجمہ آفتاب قرآن کریم کے بالکل مطابق ہے کہ اس میں آفتاب کو سراج فرمایا گیا جیسا کہ سورۂ نوح میں و جعل الشمس سراجا اور آخر پارہ کی پہلی سورۃ میں ہے و جعلنا سراجا وھاجا اور درحقیقت ہزاروں آفتابوں سے زیادہ روشنی آپ کے نورِ نبوت نے پہنچائی اور کفر و شرک کے ظلمات شدیدہ کو اپنے نورِ حقیقت افروز سے دور کردیا اور خلق کے لیے معرفت و توحیدِ الٰہی تک پہنچنے کی راہیں روشن اور واضح کردیں اور ضلالت کی وادیٔ تاریک میں راہ گم کرنے والوں کو اپنے انوارِ ہدایت سے راہ یاب فرمایا اور اپنے نورِ نبوت سے ضمائر و بصائر اور قلوب و ارواح کو منور کیا۔ حقیقت میں آپ کا وجودِ مبارک ایسا آفتابِ عالم تاب ہے جس نے ہزارہا آفتاب بنادیئے اس لیے اس کی صفت میں منیر ارشاد فرمایا گیا۔

(خزائن العرفان)

و داعیا الی اللہ باذنہ ، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے والے ہیں اور یہ کام کیوں کہ بہت ہی کٹھن اور دشوار ہے، کوئی آدمی اپنے عقیدہ کو چھوڑنے کے

لیے بآسانی تیار نہیں ہوتا خصوصاً مکہ کے مشرک جو کورانہ تقلید اور آباء پرستی میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے، جنھوں نے غور وفکر کے سارے چراغ گل کر دیئے تھے ان کو کفر وشرک کی تاریکیوں سے نکال کر نور حق کی طرف لے آنا از حد دشوار تھا یہی حالت یہود اور دوسرے اہل کتاب کی بھی تھی اس لیے ساتھ ہی بـاذنـه کا کلمہ بڑھا دیا یعنی اے محبوب ہم نے اس دشوار کام کو آپ کے لیے آسان بنا دیا ہے۔ اور اس کی صورت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان گونا گوں خوبیوں اور دل فریبیوں سے ممتاز فرمایا تھا کہ دل خود بخود اس طلعت زیبا کی طرف کھنچے چلے آتے تھے۔ وہ لوگ جن میں حق پذیری کا ادنیٰ سا بھی ملکہ موجود تھا وہ اس شمع جمال پر پروانہ وار نثار ہوتے تھے اور دنیا نے دیکھا کہ عرب کے اجڈ اور سخت مزاج لوگ کس طرح اپنے بچوں، اپنے آباد گھروں، قیمتی مال ومتاع اور وطن عزیز کو چھوڑ کر در مصطفیٰ علیہ اطیب التحیۃ والثنا کی طرف کشاں کشاں جارہے ہیں۔ ابھی چند روز پہلے خالد بن ولید نے میدان احد میں مسلمانوں کی فتح کو شکست میں تبدیل کر دیا تھا لیکن وہی فاتح خالد، مکہ کو الوداع کہہ رہا ہے اور اپنے گلے میں غلامی کا قلادہ ڈال کر سرکار مدینہ کی حاضری کے لیے کوہ ودمن، دشت وصحراء کو عبور کرتا ہوا چلا جارہا ہے۔ یہی '' داعیا الی اللہ باذنه '' کی شان کا ایک ظہور ہے۔

سـراجـا منيـرا ، اے محبوب میں نے تجھے سراجا منیرا بنا کر بھیجا ہے۔ ان دو لفظوں سے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پر جن انعامات و لطافات کی بارش فرمائی ہے اس کی بے کرانیوں کا کون اندازہ لگا سکتا ہے آفتاب اور آفتاب بھی عالم تاب، روشن اور اتنا روشن کہ دوسروں کو بھی نور وضیاء کا منبع ومصدر بنا دینے والا۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم زبان فیض ترجمان سے تو داعی تھے اور قلب مبارک اور قالب منور کی وجہ سے سراج منیر تھے، اہل ایمان اس آفتاب کے رنگوں میں رنگے جاتے ہیں اور اس کے انوار سے درخشاں وتاباں ہوتے ہیں۔ (سیرت الرسول)

اللہ نور السموات و الارض مثل نورہ کمشکوٰۃ فیہا مصباح المصباح فی زجاجۃ الزجاجۃ کانہا کوکب دری یوقد من شجرۃ مبارکۃ زیتونۃ لا شرقیۃ و لا غربیۃ یکاد زیتہا یضئ و لو لم تمسسہ نار نور علی نور یہدی اللہ لنورہ من یشاء و یضرب اللہ الامثال للناس و اللہ بکل شئ علیم ۔

اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا اس کے نور کی مثال ایسی جیسے ایک طاق کہ اس میں چراغ ہے وہ چراغ ایک فانوس میں ہے وہ فانوس گویا ایک ستارہ ہے موتی سا چمکتا روشن ہوتا برکت والے پیڑ زیتون سے جو نہ پورب کا نہ پچھم کا قریب ہے کہ اس کا تیل بھڑک اٹھے اگرچہ اسے آگ نہ چھوئے نور پر نور ہے اللہ اپنے نور کی راہ بتاتا ہے جسے چاہتا ہے اور اللہ مثالیں بیان فرماتا ہے لوگوں کے لیے اور اللہ سب کچھ جانتا ہے۔ (النور، ۳۵)

نور، اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ آسمان و زمین کا ہادی ہے تو اہل سموات و ارض اس کے نور سے حق کی راہ پاتے ہیں اور اس کی ہدایت سے گمراہی کی حیرت سے نجات حاصل کرتے ہیں۔ بعض مفسرین نے فرمایا معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ آسمان و زمین کا منور فرمانے والا ہے اس نے آسمانوں کو ملائکہ سے اور زمین کو انبیاء سے منور کیا۔

اللہ کے نور سے یا تو قلب مومن کی وہ نورانیت مراد ہے جس سے وہ ہدایت پاتا اور راہ یاب ہوتا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اللہ کے اس نور کی مثال جو اس نے مومن کو عطا فرمایا۔ بعض مفسرین نے اس نور سے قرآن مراد لیا۔ اور ایک تفسیر یہ ہے کہ اس نور سے مراد سید کائنات افضل موجودات حضرت رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔

درخت زیتون نہایت کثیر البرکۃ ہے کیوں کہ اس کا روغن جس کو زیت کہتے ہیں نہایت صاف و

پاکیزہ روشنی دیتا ہے، سر میں بھی لگایا جاتا ہے، سالن اور نان خورش کی جگہ روٹی سے بھی کھایا جاتا ہے دنیا کے اور کسی تیل میں یہ وصف نہیں اور درخت زیتون کے پتے نہیں گرتے۔

زیتون نہ پورب کا نہ پچھم کا، سے مراد یہ ہے کہ وہ وسط کا ہے کہ نہ اسے گرمی سے ضرر پہنچے نہ سردی سے اور وہ نہایت اجود واعلیٰ ہے اور اس کے پھل غایت اعتدال میں۔

نور علی نور ،اس تمثیل کے معنی میں اہل کتاب کے کئی قول ہیں۔

ایک یہ کہ نور سے مراد ہدایت ہے اور معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت غایت ظہور میں ہے کہ عالم محسوسات میں اس کی تشبیہ ایسے روشندان سے ہوسکتی ہے جس میں صاف وشفاف فانوس ہو اس فانوس میں ایسا چراغ ہو جو نہایت ہی بہتر اور مصفی زیتون سے روشن ہو کہ اس کی روشنی نہایت اعلیٰ اور صاف ہو۔

اور ایک قول یہ ہے کہ یہ تمثیل نور سید انبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کعب احبار سے فرمایا کہ اس آیت کے معنی بیان کرو انھوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مثال بیان فرمائی۔ روشن دان (طاق) تو حضور کا سینہ شریف ہے اور فانوس قلب مبارک اور چراغ نبوت کہ شجر نبوت سے روشن ہے اور اس نور محمدی کی روشنی واضاءت اس مرتبۂ کمال ظہور پر ہے کہ اگر آپ اپنے نبی ہونے کا بیان بھی نہ فرمائیں جب بھی خلق پر ظاہر ہو جائے۔ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ روشن دان تو سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سینۂ مبارک ہے اور فانوس قلب اطہر اور چراغ وہ نور جو اللہ تعالیٰ نے اس میں رکھا کہ شرقی ہے نہ غربی نہ یہودی ونصرانی ایک شجرۂ مبارکہ سے روشن ہے وہ شجر حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام ہیں۔ نور قلب ابراہیم پر نور محمدی نور پر نور ہے۔

اور محمد بن کعب قرظی نے کہا کہ روشن دان و فانوس تو حضرت اسماعیل علیہ الصلاۃ والسلام ہیں اور

چراغ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور شجرۂ مبارکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام، کہ اکثر انبیاء آپ کی نسل سے ہیں اور شرقی وغربی نہ ہونے کے یہ معنی ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نہ یہودی نہ نصرانی، کیوں کہ یہود مغرب کی طرف نماز پڑھتے ہیں اور نصاریٰ مشرق کی طرف، قریب ہے کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے محاسن وکمالات نزول وحی سے قبل ہی خلق پر ظاہر ہوجائیں نور پر نور یہ کہ نبی ہیں، نسل نبی سے، نور محمدی ہے نور ابراہیمی پر۔ (خزائن العرفان)

زجاجۃ، شیشہ سے بنا ہوا فانوس جس میں چراغ رکھا جاتا ہے، شفاف شیشہ سے بنے ہوئے فانوس میں اگر بڑا چراغ رکھا ہوا ہو اور اس چراغ کو مشکوٰۃ (چراغ دان) میں رکھ دیا جائے جس کی روشنی ہر سمت سے بند ہو کر ایک ہی سمت میں پھیل رہی ہو تو آپ اندازہ کرسکتے ہیں کہ روشنی کتنی تیز ہوگی۔ اگر چراغ روشن کر دیا جائے اور اسے فانوس میں نہ رکھا جائے ایک تو ہر وقت ہوا کے کسی جھونکے سے اس کے بجھ جانے کا خطرہ ہوتا ہے نیز اس کی لو بھی مدھم ہوتی ہے اور اگر چراغ کو شیشہ کے فانوس میں رکھ دیا جائے تو بجھنے کا خطرہ بھی نہ رہے گا اور جب بلور کے شفاف فانوس سے اس کی روشنی چھن چھن کر آئے گی تو اس میں کئی گنا اضافہ ہوجائے گا۔ اور اگر وہ فانوس کھلے میدان میں رکھا ہوا ہو اور اس کی روشنی چاروں طرف پھیل رہی ہو تو بھی اس کی چمک ہر طرف پھیل جانے کی وجہ سے کم ہوجائے گی اور اگر اس فانوس کو اٹھا کر کسی ایسے چراغ دان میں رکھ دیا جائے جو صرف ایک طرف کھلتا ہو تو ساری روشنی ایک سمت میں پھیلنے کی وجہ سے کئی گنا تیز ہوجائے گی۔ وہ چراغ بالکل اس طرح دکھائی دے گا جیسے تاریک رات میں آسمان پر کوئی دمکتا ہوا ستارہ ہو جو روشن بھی ہو اور حسین بھی۔

اس زمانہ میں چراغ جلانے کے لیے مختلف قسم کے تیل استعمال کیے جاتے تھے ان تیلوں میں سے زیتون کے تیل کی روشنی بڑی تیز، صاف اور دھوئیں سے پاک ہوتی، جس چراغ میں زیتون کا تیل ڈالا جاتا اس کی چمک دمک کا مقابلہ کوئی اور چراغ نہ کرسکتا۔ پھر ہر زیتون کا درخت اور اس سے نکالا ہوا تیل ایک قسم کا

نہیں ہوتا بلکہ بعض زیتوں کے درخت اپنے علاقہ وآب وہوا کی وجہ سے دوسرے زیتون کے درختوں سے زیادہ عمدہ ہوتے ہیں اوران سے نکلا ہوا تیل کہیں صاف اورروشن ہوتا ہے۔خصوصاً زیتون کا وہ درخت جو کسی پہاڑ کی چوٹی یا کھلے میدان میں اگا ہو،طلوع آفتاب کے وقت بھی اس کی عنابی کرنیں اسے زندگی بخش اثرات سے سرشار کردیں اور جب سورج غروب ہورہا ہوتب بھی ہوا ہرطرف سے اسے لگتی ہواس قسم کا درخت اپنے قد وقامت میں بھی نمایاں ہوتا ہےاوراس کا تیل بھی بڑا نفیس ہوتا ہے یوں محسوس ہوتا ہے کہ اگراسے آگ نہ بھی لگائی جائے تو ازخودروشنی کے شعلے بھڑک اٹھیں گے۔

اب اس مثال کی عظمت کا اندازہ لگایئے کہ ایسے چراغ کی روشنی کی کیا کیفیت ہوگی،اس کی چمک دمک دوسرے چراغوں کو مات کررہی ہوگی اوراپنی صفائی اورلطافت کے باعث دل ونگاہ کومسحور کررہی ہوگی، ان امورکوذہن نشیں کرنے کے بعداب علمائے کرام نے اس تمثیل کے جومختلف مطالب بیان فرمائے ہیں انھیں ملاحظہ فرمایئے۔

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کعب احبار سے کہا مجھے اس آیت کا مطلب بتاؤ؟

حضرت کعب احبار نے کہا کہ یہ مثال ہے جواللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق بیان کی ہے،مشکوٰۃ سے مراد سینہ مبارک ہے،زجاجہ سے مرادقلب انور ہے،مصباح سے مرادنبوت ہے۔یعنی حضور کا نور،حضور کی شان لوگوں کے سامنے خودبخودعیاں ہورہی ہے اگرچہ حضوراپنی نبوت کا اعلان نہ بھی کرتے۔

(۲) ابوالعالیہ نے ابی بن کعب سے نقل کیا ہے کہ یہ مومن کی مثال ہے۔مشکوٰۃ اس کا نفس ہے،زجاجہ اس کا سینہ،مصباح نورایمان اورنورقرآن ہے جواللہ تعالیٰ مومن کے دل میں پیدافرماتا ہےاور شجرۂ مبارکہ سے مراداخلاص ہے۔

(۳) حسن بصری اور ابن زید کہتے ہیں کہ یہ قرآن کی مثال ہے۔ مصباح سے مراد قرآن کریم ہے، جس طرح چراغ سے روشنی حاصل کی جاتی ہے اسی طرح قرآن سے ہدایت حاصل کی جاتی ہے۔ زجاجہ سے مراد قلب مومن ہے، مشکوٰۃ سے مراد اس کا منھ اور اس کی زبان ہے۔ شجرۂ مبارکہ سے مراد اس کی وحی ہے۔

(۴) یا نورہ کی ضمیر کا مرجع اللہ ہوگا اس صورت میں مصباح سے مراد ذات خداوندی ہوگی۔ مشکوٰۃ سے مراد ساری کائنات ہوگی اور فانوس (زجاجہ) اس کا وہ نوری پردہ ہوگا جس کے باعث وہ عیاں اور آشکارا ہونے کے باوجود اپنی مخلوقات کی نگاہوں سے مخفی اور پنہاں ہے۔ یہ خفاء اس لیے نہیں کہ اس کے ظہور میں کچھ کمی ہے بلکہ تجلیات کی فراوانی اور انوار کی کثرت اس بات سے مانع ہے کہ کوئی آنکھ کھول کر دیکھنے کی جرأت کر سکے۔

نور اس کو کہتے ہیں جو خود ظاہر ہو اور وہ دوسروں کو ظاہر کرنے والا ہو۔ کسی چیز کے ظاہر ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہ موجود ہو، جو چیز موجود نہیں ہوگی اس کا ظاہر ہونا ممکن نہیں ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات واجب الوجود ہے وہ ازل سے موجود ہے اور ابد تک موجود رہے گی نیز وہ اپنے موجود ہونے میں کسی سبب کسی علت اور کسی فاعل کا محتاج بھی نہیں اس لیے وہی ہے جو صفت نور وظہور سے متصف ہونے کا مستحق ہے وہ خود بھی موجود ہے اور اس کے امر کن سے ہر چیز کو خلعت وجود ارزانی ہوتی ہے اس لیے وہ ہر چیز کے لیے نور ہے یعنی مظہر ہے۔

اس لیے اکثر علمائے تفسیر نے اس آیت میں نور کا معنی موجد اور مبدع کیا ہے یعنی عدم سے وجود میں لانے والا، اس کے لیے آیت میں نور سے مراد مدبر بھی لیا گیا ہے کیوں کہ قوم کا وہ رئیس جو ان کے تمام کاموں کے متعلق سوچ وچار کرتا ہے اور انھیں صحیح راستہ پر چلاتا ہے اسے ''نور القوم'' کہا جاتا ہے یعنی سب اسی کی رائے کی روشنی میں اپنے جملہ امور طے کرتے ہیں۔

حضرت ابن عباس اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے نور کا معنیٰ ''ہادی'' بھی منقول ہے۔

هادی اهل السموات و الارض فهم بنوره یعنی بهدایته الی الحق یهتدون و بهداه من حیرة الضلالة ینجون .

یعنی آسمان اور زمین والوں کا وہی ہادی ہے پس وہ اس کے نور ہدایت سے حق کی طرف ہدایت پاتے ہیں اور گمراہی کی حیرانی سے نجات پاتے ہیں۔ (سیرت الرسول)

بشریت مصطفیٰ

قل انما انا بشر مثلکم یوحی الی انما الهکم اله واحد فمن کان یرجوا لقاء ربه فلیعمل عملا صالحا و لا یشرک بعبادة ربه احدا.

تم فرماؤ ظاہر صورت بشری میں تو میں تم جیسا ہوں مجھے وحی آتی ہے کہ تمھارا معبود ایک ہی معبود ہے تو جسے اپنے رب سے ملنے کی امید ہو اسے چاہیئے کہ نیک کام کرے اور اپنے رب کی بندگی میں کسی کو شریک نہ کرے۔ (الکہف۔۱۱۰)

یعنی مجھ پر بشری اعراض و امراض طاری ہوتے ہیں اور صورت خاصہ میں کوئی بھی آپ کا مثل نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حسن وصورت میں بھی سب سے اعلیٰ و بالا کیا اور حقیقت و روح و باطن کے اعتبار سے تو تمام انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام اوصاف بشر سے اعلیٰ ہیں۔ جیسا کہ شفاء قاضی عیاض میں ہے۔

اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے شرح مشکوٰۃ میں فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام کے اجسام وظواہر تو حد بشریت پر چھوڑے گئے اور ان کے ارواح و بواطن بشریت سے بالا اور ملاء اعلیٰ سے متعلق ہیں۔

شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے سورۃ والضحیٰ کی تفسیر میں فرمایا کہ آپ کی بشریت کا وجود اصلاً نہ رہے اور غلبۂ انوارِ حق آپ پر علی الدوام حاصل ہو۔ بہر حال آپ کی ذات و کمالات میں آپ کا کوئی بھی مثل نہیں۔

اس آیت کریمہ میں آپ کو اپنی ظاہری صورت بشریہ کے بیان کا اظہار تواضع کے لیے حکم فرمایا گیا، یہی فرمایا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے۔

فائدہ

کسی کو جائز نہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے مثل بشر کہے، کیوں کہ

(۱) جو کلمات اصحاب عزت و عظمت بطریق تواضع فرماتے ہیں ان کا کہنا دوسروں کے لیے روا نہیں ہوتا۔

(۲) یہ کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے فضائل جلیلہ و مراتب رفیعہ عطا فرمائے ہوں اس کے ان فضائل و مراتب کا ذکر چھوڑ کر ایسے وصف عام سے ذکر کرنا جو ہر کہ ومہ میں پایا جائے ان کمالات کے نہ ماننے کا مشعر ہے۔

(۳) یہ کہ قرآن کریم میں جابجا کفار کا طریقہ بتایا گیا ہے کہ وہ انبیاء کو اپنے مثل بشر کہتے تھے اور اسی سے گمراہی میں مبتلا ہوئے۔

پھر اس کے بعد آیت یوحی الی، میں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مخصوص بالعلم اور مکرم عند اللہ ہونے کا بیان ہے۔ (خزائن العرفان)

قل انما انا بشر مثلکم یوحی الی انما الھکم الہ واحد فاستقیموا لہ و استغفروہ و ویل للمشرکین .

تم فرماؤ آدمی ہونے میں تو میں تم جیسا ہوں مجھے وحی ہوتی ہے کہ تمھارا معبود ایک ہی معبود ہے تو اس کے حضور سیدھے رہو اور اس سے معافی مانگو اور خرابی ہے شرک والوں کو۔ (حم السجدہ، ۶)

اے اکرم الخلق سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم براہ تواضع ان لوگوں کے ارشادات و ہدایات کے لیے فرماؤ، کہ آدمی ہونے میں تو میں تم جیسا ہوں ظاہر میں، کہ میں دیکھا بھی جاتا ہوں، میری بات بھی سنی جاتی ہے اور میرے تمھارے درمیان میں بظاہر کوئی جنسی مغایرت بھی نہیں ہے تو تمھارا یہ کہنا کیسے صحیح ہوسکتا ہے کہ میری بات نہ تمھارے دل تک پہنچے نہ تمھارے سننے میں آئے اور میرے تمھارے درمیان کوئی روک ہو بجائے میرے کوئی غیر جنس جن یا فرشتہ آتا تو تم کہہ سکتے تھے کہ نہ وہ ہمارے دیکھنے میں آئیں نہ ان کی بات سننے میں آئے نہ ہم ان کے کلام کو سمجھ سکیں ہمارے ان کے درمیان تو جنسی مخالفت ہی بڑی روک ہے لیکن یہاں تو ایسا نہیں کیوں کہ میں بشری صورت میں جلوہ نما ہوا تو تمھیں مجھ سے مانوس ہونا چاہئے اور میرے کلام کے سمجھنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کی بہت کوشش کرنا چاہئے کیوں کہ میرا مرتبہ بہت بلند ہے اور میرا کلام بہت عالی ہے اس لیے کہ میں وہی کہتا ہوں جو مجھے وحی ہوتی ہے۔

فائدہ

سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بلحاظ ظاہر، **انا بشر مثلکم** فرمانا حکمت ہدایت وارشاد کے لیے بطریق تواضع ہے اور جو کلمات تواضع کے لیے کہے جائیں وہ تواضع کرنے والے کے علو منصب کی دلیل ہوتے ہیں چھوٹوں کا ان کلمات کو اسکی شان میں کہنا یا اس سے برابری ڈھونڈنا ترک ادب اور گستاخی ہوتا ہے تو کسی امتی کو روا نہیں کہ وہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام سے مماثل ہونے کا دعویٰ کرے۔ یہ بھی ملحوظ رہنا چاہئیے کہ آپ کی بشریت بھی سب سے اعلیٰ ہے ہماری بشریت کو اس سے کچھ بھی نسبت نہیں۔

(خزائن العرفان)

حضور انور حاضر و ناظر ہیں

یا ایھا النبی انا ارسلنک شاھدا و مبشرا و نذیرا۔

اے غیب کی خبریں بتانے والے (نبی) بیشک ہم نے تمھیں بھیجا حاضر و ناظر اور خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا۔ (الاحزاب، ۴۵)

شاہد کا ترجمہ حاضر و ناظر بہت بہترین ترجمہ ہے۔ مفردات راغب میں ہے۔

الشھود و الشھادۃ الحضور مع المشاھدۃ اما بالبصر او بالبصیرۃ ۔

یعنی شہود اور شہادت کے معنی ہیں حاضر ہونا مع ناظر ہونے کے بصر کے ساتھ ہو یا بصیرت کے ساتھ۔ اور گواہ کو بھی اسی لیے شاہد کہتے ہیں کہ وہ مشاہدہ کے ساتھ جو علم رکھتا ہے اس کو بیان کرتا ہے۔ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام عالم کی طرف مبعوث ہیں آپ کی رسالت عامہ ہے جیسا کہ سورۂ فرقان کی پہلی آیت میں بیان ہوا تو حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قیامت تک ہونے والی ساری خلق کے شاہد ہیں اور ان کے اعمال و افعال و احوال تصدیق، تکذیب، ہدایت، ضلالت سب کا مشاہدہ فرماتے ہیں۔ (خزائن العرفان)

اللہ تعالیٰ اپنے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بڑے محبت بھرے انداز میں خطاب فرماتا ہے اور اس کے بعد ان جلیل القدر القاب کا ذکر کرتا ہے جن سے اس نے اپنے محبوب کو سرفراز فرمایا۔ ان کے ذکر سے اگر ایک طرف اپنے پیارے رسول کی عزت افزائی مقصود ہے تو دوسری طرف مسلمانوں کو بھی حوصلہ دیا جا رہا ہے کہ تم ان طوفانوں سے نہ گھبراؤ، ان تند و تیز لہروں سے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ یہ منھ کھولے ہوئے گرداب تمھارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے، اس ملت کا سفینہ ہم نے کسی ایسے ملاح کے سپرد نہیں کیا جو کم ہمت، دوں حوصلہ، نااہل اور ناتجربہ کار ہو بلکہ اس کشتی کا ناخدا وہ نبی برحق ہے جس کو ہم نے ان حسنات جلیلہ

سے متصف کیا ہے۔تم صبر و استقامت سے اس کا دامن اطاعت مضبوطی سے پکڑے رہو یقیناً تمھیں ساحل مراد تک رسائی نصیب ہوگی۔ساتھ ہی دشمنان اسلام کی ان ناپاک آرزوؤں کو بھی خاک میں ملا دیا جو اپنی سازشوں اور حیلہ سازیوں سے حق کی اس شمع فروزاں کو بجھانا چاہتے تھے۔ارشاد فرمایا:

اے میرے نبی مکرم ہم نے تجھے شاہد بنایا ہے۔

یہاں ایک چیز غور طلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ تو فرمایا کہ ہم نے تجھے شاہد بنایا لیکن جس چیز پر شاہد بنایا اس کا ذکر نہیں کیا گیا۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر کوئی ایک چیز ذکر کر دی جاتی تو شہادت نبوت وہاں محصور ہو کر رہ جاتی، یہاں اس شہادت کو کسی ایک امر پر محصور کرنا مقصود نہیں بلکہ اس کی وسعت کا اظہار مطلوب ہے۔یعنی حضور گواہ ہیں اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی تمام صفات کمالیہ پر۔کیوں کہ جب ایسی باکمال ہستی اور ہمہ صفت موصوف ہستی یہ گواہی دے رہی ہو کہ **لا الہ الا اللہ** تو کسی کو اس دعوت حق میں شک نہیں رہتا۔دولت، حکومت، شخصی وجاہت، علم اور فضل و کمال یہ ایسے حجاب ہیں جن میں لوگ کھو جاتے ہیں اور اپنے خالق کریم کی ہستی سے غافل ہو جاتے ہیں۔حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اس شہادت سے وہ سارے حجابات تار تار ہو گئے اور اس جلیل المرتبت نبی کی شہادت توحید کے بعد کوئی سلیم الطبع آدمی اس کو تسلیم کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرے گا۔نیز حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، اس کے عقائد، اس کے نظام عبادات و اخلاق اور اس کے سارے قوانین کی حقانیت کے بھی گواہ ہیں۔اسی کے اتباع میں فلاح دارین کا راز مضمر ہے، اسی آئین کے نفاذ سے اس گلشن ہستی میں بہار جاوداں آسکتی ہے۔اور جب قیامت کے روز سابقہ امتیں اپنے انبیاء کی دعوت کا انکار کر دیں گی کہ نہ ان کے پاس کوئی نبی آیا نہ کسی نے ان کو دعوت توحید دی اور نہ انھیں کسی نے گناہوں سے روکا، تو اس وقت بھرے مجمع میں اللہ تعالیٰ کا یہ رسول انبیاء علیہم السلام کی صداقت کی گواہی دے گا کہ رب العالمین! تیرے نبیوں نے تیرے احکام پہنچائے اور تیری طرف بلانے میں انھوں نے کسی کوتاہی کا ثبوت نہیں دیا، یہ لوگ جو آج

تیرے انبیاء کی دعوت کا سرے سے انکار کر رہے ہیں یہ وہی لوگ ہیں جنھوں نے اپنے نبیوں پر پتھر برسائے، ان کو طرح طرح کی اذیتیں دیں، انھیں جھٹلایا اور بعض نے تو تیرے نبیوں کو تختۂ دار پر کھینچ دیا۔ اس کے علاوہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی امت کے اعمال کی گواہی دیں گے کہ فلاں نے کیا کیا اور فلاں سے کیا غلطی سرزد ہوئی۔

اخرج ابن المبارک عن سعید بن المسیب قال لیس من یوم الا و یعرض علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم امتہ غدوۃ و عشیۃ فیعرفھم بسیماھم و لذلک یشھد علیھم .

عبداللہ بن مبارک نے حضرت سعید بن میتب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ ہر روز صبح و شام حضور کی امت حضور پر پیش کی جاتی ہے اور حضور ہر فرد کو اس کے چہرے سے پہچانتے ہیں اس لیے حضور ان پر گواہی دیں گے۔

حضور کا دوسرا لقب ''مبشرا'' ہے یعنی خوشخبری دینے والے، آپ نے اپنی امت کو یہ خوش خبری دی کہ جو اس دین پر ایمان لائے گا، اس کے ارشادات پر عمل کرے گا وہ دونوں جہانوں میں کامیاب و کامراں ہوگا۔

تیسرا لقب ''نذیرا'' ہے نذیر کا معنی ہے کسی شخص کو نافرمانی کے نتائج سے بروقت آگاہ کرنے والا۔ یہ بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان ہے۔ (سیرت الرسول)

انا ارسلنک شاھدا و مبشرا و نذیرا. (الفتح، ۸)

بے شک ہم نے تمھیں بھیجا حاضر و ناظر اور خوشی اور ڈر سناتا۔

حاضر و ناظر سے مراد یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی امت کے احوال و افعال ملاحظہ

فرماتے ہیں تاکہ روز قیامت ان کی گواہی دیں۔ ڈر سنانے سے مراد یہ ہے کہ حضور مومنین مقربین کو جنت کی خوشی اور نافرمانوں کو عذاب دوزخ کا ڈر سناتے ہیں۔ (خزائن العرفان)

انا ارسلنا الیکم رسولا شاھدا علیکم کما ارسلنا الی فرعون رسولا.

بے شک ہم نے تمھاری طرف ایک رسول بھیجے کہ تم پر حاضر ناظر ہیں جیسے ہم نے فرعون کی طرف رسول بھیجے۔ (المزمل، ۱۵)

و کذلک جعلناکم امۃ وسطا لتکونوا شھداء علی الناس و یکون الرسول علیکم شھیدا.

اور بات یوں ہی ہے کہ ہم نے تمھیں کیا سب امتوں میں افضل کہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور یہ رسول تمھارے نگہبان و گواہ۔ (البقرۃ، ۱۴۳)

امت کو تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطلاع کے ذریعہ سے احوال امم و تبلیغ انبیاء کا علم قطعی و یقینی حاصل ہے اور رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بکرم الٰہی نور نبوت سے ہر شخص کے حال اور اس کی حقیقت ایمان اور اعمال نیک و بد اور اخلاق و نفاق سب پر مطلع ہیں۔

فائدے

اسی لیے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شہادت دنیا میں بحکم شرع امت کے حق میں مقبول ہے یہی وجہ ہے کہ حضور نے اپنے زمانہ کے حاضرین کے متعلق جو کچھ فرمایا مثلاً صحابہ و ازواج و اہل بیت کے فضائل و مناقب یا غائبوں اور بعد والوں کے لیے مثلاً حضرت اویس و امام مہدی وغیرہ کے اس پر اعتقاد واجب ہے۔

ہر نبی کو ان کی امت کے اعمال پر مطلع کیا جاتا ہے تاکہ روز قیامت شہادت دے سکیں چوں کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شہادت عام ہوگی اس لیے حضور تمام امتوں کے احوال پر مطلع ہیں۔

یہاں ''شہید'' بمعنی مطلع بھی ہوسکتا ہے کیوں کہ شہادت کا لفظ علم واطلاع کے معنی میں بھی آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے و اللہ علی کل شئ شہید۔ (خزائن العرفان)

حضور کی حفاظت وصیانت کا خدائی وعدہ

یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک و ان لم تفعل فما بلغت رسٰلتہ و اللہ یعصمک من الناس ان اللہ لا یھدی القوم الکافرین۔

اے رسول پہنچادو جو کچھ اترا تمھیں تمھارے رب کی طرف سے اور ایسا نہ ہو تو تم نے اس کا کوئی پیام نہ پہنچایا اور اللہ تمھاری نگہبانی کرے گا لوگوں سے بے شک اللہ کافروں کو راہ نہیں دیتا۔ (المائدۃ ٦٧)

یعنی کفار سے حفاظت کا وعدہ کیا گیا جو آپ کے قتل کا ارادہ رکھتے ہیں، سفروں میں شب کو حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا پہرہ دیا جاتا تھا جب یہ آیت نازل ہوئی پہرہ ہٹا دیا گیا اور حضور نے پہرہ داروں سے فرمایا کہ تم لوگ چلے جاؤ اللہ تعالیٰ نے میری حفاظت فرمائی۔ (خزائن العرفان)

تشریح: جس قوم کی اصلاح اور ہدایت کے لیے سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا گیا تھا ان کی کوئی بات بھی تو درست نہ تھی، سیاسی طور پر وہ بدنظمی اور انتشار کا شکار تھے، معاشی طور پر ان کی بدحالی کی مثال نہ تھی، اخلاقی لحاظ سے ان کے یہاں الٹی گنگا بہتی تھی، شراب نوشی، جوابازی اور بدکاری، سرداری اور دولت مندی کی علامات تھیں۔ ظلم وقتل کو شجاعت، معصوم بچیوں کو زندہ درگور کرنے کو تقاضائے حمیت وغیرت، اور اسراف وفضول خرچی کو سخاوت کہا نہیں جاتا بلکہ یقین کیا جاتا تھا۔ دینی

لحاظ سے تو اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ وہ گھر جو اللہ وحدہ ولاشریک کی عبادت کے لیے تعمیر کیا گیا تھا وہاں تین سو ساٹھ بتوں کی پوجا ہو رہی تھی۔ یہ ان کا دین تھا، ان کا عقیدہ تھا، انھیں اس پر کامل یقین بھی تھا اور اس سے والہانہ محبت بھی تھی۔ اب جو ہستی ایک ہمہ گیر انقلاب کی داعی بن کر آئی تھی، جسے زندگی کے ہر شعبہ میں جملہ خرابیوں کی اصلاح کے لیے مقرر فرمایا گیا تھا۔ اس کا فرض تھا کہ اس سیاسی انتشار کے جو محرکات تھے ان پر ضرب کاری لگائے، وہ عناصر جن کی دھاندلیاں وہاں کی معاشی زندگی کو درہم برہم کر رہی تھیں ان کے منہ میں بھی لگام دے۔ وہ خبیث و مکروہ عادتیں اور وحشیانہ افعال جن پر بداخلاقیوں کے موٹے اور سیاہ غلاف چڑھے ہوئے تھے ان کو بھی بے نقاب کرے اور اخلاق فاضلہ کا صحیح مفہوم بھی ان کے ذہن نشیں کرائے اور ان کی عقیدت کے صنم کدوں میں جتنے بت تھے پتھر کے، تانبے کے، پیتل کے، اپنی خواہشات کے، اپنے نفس کے، ذاتی اور قبائلی عصبیتوں کے ان سارے بتوں کو الا اللہ کی ضرب سے ریزہ ریزہ کر دے۔

اس کار عظیم کے لیے قدرت کی نظر انتخاب پڑی تو اس پر جس کا کوئی بھائی نہیں، جس کے سر پر باپ اور دادا کا سایہ نہیں، دولت و ثروت نہیں، خدام و نوکر نہیں اس کے پاس صرف اللہ کا نام ہے یہی اس کی ساری قوتوں کا سرچشمہ ہے، یہی اس کی ساری توانائیوں کا منبع ہے اس نازک اور مشکل ترین خدمت کے لیے اسے متعین فرما کر اس کا رب اسے فرماتا ہے کہ آپ رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں اور رسول کا کام یہ ہے کہ اپنے بھیجنے والے کا پیغام بے خوف و خطر کسی رد و بدل کے بغیر پہنچا دے۔ اس لیے اپنے منصب رسالت کا پاس رکھتے ہوئے اپنے رب کریم کا جو حکم آپ کو ملے اس کو اس کی مخلوق تک پہنچا دیں اگر کسی حکم کے پہنچانے میں پس و پیش کیا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ نے اپنا فرض منصبی پورا کرنے میں غفلت برتی ہے اور اس کا حق ادا نہیں کیا۔ باقی رہی دشمنوں کی قوت، کفار کے حملے، منافقین کی سازشیں اور یہود کی ریشہ دوانیاں، تو سن لو اللہ تعالیٰ خود آپ کا نگہبان ہے کوئی آپ کو گزند نہیں پہنچا سکتا۔ اب آپ خود غور کیجیے کہ اس صریح اور پر

جلال حکم کے بعد کوئی یہ باور کرسکتا ہے کہ حضور نے کسی کی پاسداری کے لیے یا کسی کے خوف سے اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کو چھپایا ہو؟ نوع انسانی کے عوام وخواص میں سے جو بات جس طبقہ کے لائق اور جس کی استعداد کے مطابق تھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بلاکم وکاست اور بے خوف وخطر پہنچا کر خدا کی حجت بندوں پر تمام کردی۔ (سیرت الرسول)

حضور کی تعظیم وتوقیر

انا ارسلناک شاهدا و مبشرا و نذيرا لتؤمنوا بالله و رسوله و تعزروه و توقروه و تسبحوه بكرة و اصيلا.

بے شک ہم نے تمھیں بھیجا حاضر وناظر اور خوشی اور ڈر سناتا تا کہ اے لوگو تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور رسول کی تعظیم وتوقیر کرو اور صبح وشام اللہ کی پاکی بولو۔ (الفتح، ۹)

یہاں حکم دیا جارہا ہے کہ میرے پیارے رسول پر سچے دل سے ایمان لاؤ، اس کی نصرت واعانت میں سردھڑ کی بازی لگادو، اس کے دین کی سربلندی کے لیے اپنے جملہ مادی اور ادبی وسائل کو پیش کردو اور اس کے ساتھ ساتھ میرے محبوب کے ادب واحترام کو ہمیشہ ملحوظ رکھو، ایسا نہ ہو کہ تم دین کی خدمت تو کرو لیکن بارگاہ نبوت کے آداب کو ملحوظ نہ رکھو۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اعانت اور اسی طرح حضور کی تعظیم وتکریم یکساں اہمیت کی حامل ہیں۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ "تعزروه" اور "توقروه" ضمیر مفعول کا مرجع حضور کی ذات والا صفات ہے یہاں وقف تام ہے۔ اور "تسبحوه" سے نیا کلام شروع ہوتا ہے اور یہاں مفعول کا مرجع اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی تسبیح کیا کرو، بعض علماء نے تمام افعال میں مفعول کی ضمیروں کا مرجع اللہ تعالیٰ کی ذات کو قرار دیا ہے تا کہ تفریق ضمائر لازم نہ آئے۔ (سیرت الرسول)

یا ایھا الذین آمنوا لا تقدموا بین یدی اللہ و رسولہ و اتقوا اللہ ان اللہ سمیع علیم .

اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو اور اللہ سے ڈرو بیشک اللہ سنتا جانتا ہے۔

(الحجرات،۱)

یعنی تمھیں لازم ہے کہ اصلاً تم سے تقدم واقع نہ ہو نہ قول میں نہ فعل میں کہ تقدم کرنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ادب واحترام کے خلاف ہے بارگاہ رسالت میں نیاز مندی وآداب لازم ہیں۔

شان نزول: چند شخصوں نے عید اضحیٰ کے دن سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پہلے قربانی کرلی تو ان کو حکم دیا گیا کہ دوبارہ قربانی کریں۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ بعض لوگ رمضان سے ایک روز پہلے ہی روزہ رکھنا شروع کردیتے تھے ان کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی اور حکم دیا گیا کہ روزہ رکھنے میں اپنے نبی سے تقدم نہ کرو۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ (خزائن العرفان)

یا ایھا الذین آمنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی و لا تجھروا لہ بالقول کجھر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم و انتم لا تشعرون .

اے ایمان والو! اپنی آوازیں اونچی نہ کرو اس غیب بتانے والے (نبی) کی آواز سے اور ان کے حضور بات چلا کر نہ کہو جیسے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے چلاتے ہو کہ کہیں تمھارے عمل اکارت نہ ہوجائیں اور تمھیں خبر نہ ہو۔ (الحجرات،۲)

یعنی جب حضور میں کچھ عرض کرو تو آہستہ پست آواز سے عرض کرو یہی دربار رسالت کا ادب

واحترام ہے۔

اس آیت میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اجلال واکرام وادب واحترام تعلیم فرمایا گیا ہے اور حکم دیا ہے کہ ندا کرنے میں ادب کا پورا لحاظ رکھیں جیسے آپس میں ایک دوسرے کو نام لے کر پکارتے ہیں اس طرح نہ پکاریں بلکہ جو کلمات ادب وتعظیم وتوصیف وتکریم والقاب عظمت کے ساتھ عرض کرو جو عرض کرنا ہو ترک ادب سے نیکیوں کے برباد ہونے کا اندیشہ ہے۔

شان نزول: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ یہ آیت ثابت بن قیس بن شماس کے حق میں نازل ہوئی انھیں ثقل سماعت کا عارضہ تھا اور آواز ان کی اونچی تھی بات کرنے میں آواز بلند ہو جایا کرتی تھی جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ثابت اپنے گھر میں بیٹھ رہے اور کہنے لگے کہ میں اہل نار سے ہوں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت سعد سے ان کا حال دریافت فرمایا انھوں نے عرض کی کہ وہ میرے پڑوسی ہیں اور میرے علم میں انھیں کوئی بیماری تو نہیں ہوئی پھر آ کر حضرت ثابت سے اس کا ذکر کیا ثابت نے کہا یہ آیت نازل ہوئی اور تم جانتے ہو کہ میں تم سب سے زیادہ بلند آواز ہوں تو میں جہنمی ہو گیا۔ حضرت سعد نے یہ حال خدمت اقدس میں عرض کی تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ اہل جنت سے ہیں۔

ان الذین یغضون اصواتهم عند رسول الله اولئک الذین امتحن الله قلوبهم للتقوی لهم مغفرة و اجر عظیم .

بے شک وہ جو اپنی آوازیں پست کرتے ہیں رسول اللہ کے پاس وہ ہیں جن کا دل اللہ نے پرہیزگاری کے لیے پرکھ لیا ہے ان کے لیے بخشش اور بڑا ثواب ہے۔ (الحجرات،۳)

شان نزول: یا ایها الذین آمنوا لا ترفعوا اصواتکم کے نازل ہونے کے بعد حضرت ابوبکر صدیق وعمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور بعض اور صحابہ نے بہت احتیاط لازم کر لی اور خدمت اقدس

میں بہت ہی پست آواز سے عرض معروض کرتے ان حضرات کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی۔

ان الذین ینادونک من وراء الحجرات اکثرھم لا یعقلون و لو انھم صبروا حتی تخرج الیھم لکان خیرا لھم و اللہ غفور رحیم ۔

بے شک وہ جو تمہیں حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں اکثر بے عقل ہیں اور اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ تم آپ ان کے پاس تشریف لاتے تو یہ ان کے لیے بہتر تھا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (الحجرات،۴۔۵)

شانِ نزول: یہ آیت وفد بنی تمیم کے حق میں نازل ہوئی کہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں دوپہر کے وقت پہنچے جب کہ حضور آرام فرما رہے تھے ان لوگوں نے حجروں کے باہر سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پکارنا شروع کیا حضور تشریف لائے ان لوگوں کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی اور اجلال شان رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بیان فرمایا گیا کہ بارگاہ اقدس میں اس طرح پکارنا جہل و بے عقلی ہے اور ان لوگوں کو ادب کی تلقین کی گئی۔

لا تجعلوا دعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضا.

رسول کے پکارنے کو آپس میں ایسا نہ ٹھہرالو جیسا تم میں ایک دوسرے کو پکارتا ہے۔

(الفرقان،٦٣)

کیوں کہ جس کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پکاریں اس پر اجابت وتعمیل واجب ہو جاتی ہے اور ادب سے حاضر ہونا لازم ہو جاتا ہے اور قریب حاضر ہونے کے لیے اجازت طلب کرے اور اجازت سے ہی واپس ہو۔

اور ایک معنی بعض مفسرین نے یہ بھی بیان فرمائے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ندا

کرے تو ادب و تکریم اور توقیر و تعظیم کے ساتھ آپ کے معظم القاب سے نرم آواز کے ساتھ متواضعانہ و منکسرانہ لہجہ میں یا نبی اللہ ، یا رسول اللہ ، یا حبیب اللہ کہہ کر۔ (خزائن العرفان)

علم غیب مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

و ما کان اللہ لیطلعکم علی الغیب و لکن اللہ یجتبی من رسلہ من یشاء .

اور اللہ کی شان یہ نہیں کہ اے عام لوگ تمھیں غیب کا علم دے دے ہاں اللہ چن لیتا ہے اپنے رسولوں سے جسے چاہے۔ (آل عمران،۱۷۹)

یعنی اللہ تعالیٰ برگزیدہ رسولوں کو غیب کا علم دیتا ہے اور سید انبیاء حبیب خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رسولوں میں سب سے افضل اور اعلیٰ ہیں۔ اس آیت سے اور اس کے سوا بکثرت آیات واحادیث سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلاۃ والسلام کو غیوب کے علوم عطا فرمائے اور غیوب کے علم آپ کا معجزہ ہیں۔

و علمک ما لم تکن تعلم و کان فضل اللہ علیک عظیما .

اور تمھیں سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے۔ (النساء،۱۱۳)

یعنی اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تمام امور دین و احکام شرع و علوم غیب سکھا دیئے۔ اس آیت سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تمام کائنات کے علوم عطا فرمائے اور کتاب و حکمت کے اسرار و حقائق پر مطلع کیا یہ مسئلہ قرآن کریم کی بہت آیات اور احادیث کثیرہ سے ثابت ہے۔

عالم الغیب فلا یظہر علی غیبہ احدا الا من ارتضی من رسول .

غیب کا جاننے والا تو اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا سوا اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔

(الجن، ۲۶-۲۷)

یعنی رسولوں کو غیوب پر مسلط کرتا ہے اور اطلاع کامل اور کشف تام عطا فرماتا ہے اور یہ علم غیب ان کے لیے معجزہ ہوتا ہے۔ اولیاء کو بھی اگرچہ غیوب پر اطلاع دی جاتی ہے مگر انبیاء کا علم باعتبار کشف و انجلاء اولیاء کے علم سے بہت بلند و بالا وارفع واعلیٰ ہے اور اولیاء کے علوم انبیاء کی وساطت اور انھیں کے فیض سے ہوتے ہیں۔ سید الرسل، خاتم الانبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مرتضیٰ رسولوں میں سب سے اعلیٰ ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام اشیاء کے علوم عطا فرمائے جیسا کہ صحاح کی معتبر احادیث سے ثابت ہے اور یہ آیت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور تمام مرتضیٰ رسولوں کے لیے غیب کا علم ثابت کرتی ہے۔ (خزائن العرفان)

اس آیت نے بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ کی دوسری تمام صفات کی طرح اس کی یہ صفت بھی قدیم ہے، ذاتی ہے اور غیر متناہی ہے یعنی ایسا نہیں کہ وہ پہلے کسی چیز کو نہیں جانتا تھا اور اب جاننے لگا ہے بلکہ وہ ہمیشہ ہمیشہ سے ہر چیز کو اس کے پیدا ہونے سے پہلے بھی، اس کی حین حیات میں بھی اور اس کے مرنے کے بعد بھی اپنے علم تفصیلی سے جانتا ہے۔ نیز اس کا یہ علم اس کا ذاتی ہے کسی نے اس کو سکھایا نہیں ہے نیز اس کے علم کی نہ کوئی حد ہے نہ نہایت، اگر کوئی شخص کم یا کیف یعنی مقدار اور کیفیت کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کا کسی کے لیے اثبات کرے تو وہ ہمارے نزدیک شرک کا مرتکب ہوگا۔

اس لیے حضور پرنور امام الاولین والآخرین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم مبارک خداوند کریم کے علم کی طرح قدیم نہیں بلکہ حادث ہے یعنی پہلے نہیں تھا بعد میں اللہ تعالیٰ کی تعلیم دینے سے حاصل ہوا۔ خداوند کریم کے علم کی طرح ذاتی نہیں بلکہ عطائی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے سکھانے سے حاصل ہوا۔ نیز حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم خداوند کریم کے علم کی طرح غیر متناہی اور غیر محدود نہیں بلکہ متناہی اور محدود ہے اور

اللہ تعالیٰ کے علم محیط کے ساتھ حضور فخر موجودات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم کی نسبت اتنی بھی نہیں جتنی پانی کے ایک قطرہ کو دنیا بھر کے سمندروں سے ہے۔

ہاں اتنا فرق ضرور ہے کہ حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ حادث، عطائی اور محدود علم اتنا محدود نہیں جتنا بعض حضرات نے سمجھ رکھا ہے۔ اس کی وسعتوں کو یا تو دینے والا جانتا ہے یا لینے والا یا سکھانے والے کو پتہ ہے یا سیکھنے والے کو۔ ہم تم تو کس گنتی میں ہیں جبریل امین بھی وہاں دم مارنے کی مجال نہیں رکھتے۔ **فاوحی الی عبدہ ما اوحی** اس نے وحی فرمائی اپنے بندے کی طرف جو وحی فرمائی۔ علم و معرفت کی وہ وسعتیں اور بے کرانیاں جن پر بیان کا ہر جامہ تنگ ہے ان کی حد برآری ہم کرنے لگیں گے تو ٹھوکریں نہیں کھائیں گے تو اور کیا ہوگا۔

علامہ سید محمود آلوسی بغدادی تحریر فرماتے ہیں:

حق بات یہ ہے کہ جس آیت یا حدیث میں جس علم غیب کی نفی کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اسے کوئی نہیں جانتا اس سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص اسے خود بخود نہیں جان سکتا اور خاص بندوں کو جو علم حاصل ہے وہ یہ علم نہیں جس کی آیت میں نفی کی گئی ہے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی فیض رسانی سے انھیں حاصل ہوا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی فیض رسانی کے متعدد وجوہ میں سے کسی ایک وجہ سے انھیں مرحمت فرمایا ہے۔

وبالجملة علم الغيب بلا واسطة كلا او بعضا مخصوص بالله جل و علا لا يعلمه احد من الخلق اصلاً.

یعنی بحث کا حاصل یہ ہے کہ علم الغیب بلا واسطہ کلاً اور بعضاً اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ خاص ہے یعنی نہ سارا علم غیب بغیر اس کے بتائے کوئی جان سکتا ہے اور نہ بعض کوئی جان سکتا ہے۔

(سیرت الرسول)

الرحمن علم القرآن ، خلق الانسان علمه البيان .

رحمٰن نے اپنے محبوب کو قرآن سکھایا، انسانیت کی جان محمد کو پیدا کیا ما کان و ما یکون کا بیان انھیں سکھایا۔ (الرحمٰن، ۱،۲،۳،۴)

شانِ نزول: جب آیت اسجدوا للرحمن نازل ہوئی تو کفارِ مکہ نے کہا رحمٰن کیا ہے ہم نہیں جانتے اس پر اللہ تعالیٰ نے الرحمن نازل فرمائی کہ رحمٰن جس کا تم انکار کرتے ہو وہی ہے جس نے قرآن نازل فرمائی۔

اور ایک قول یہ ہے کہ اہل مکہ نے جب کہا کہ محمد (مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو کوئی بشر سکھاتا ہے تو یہ آیت نازل ہوئی اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا کہ رحمٰن نے قرآن اپنے حبیب محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سکھایا۔

انسان سے اس آیت میں سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مراد ہیں اور بیان سے ما کان و ما یکون کا بیان، کیوں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اولین وآخرین کی خبر دیتے تھے۔ (خزائن العرفان)

و ما هو على الغيب بضنين .

اور یہ نبی غیب بتانے میں بخیل نہیں۔ (التکویر ۲۴)

معراج مقدس

سبحان الذى اسرى بعبده ليلا من المسجد الحرام الى المسجد الاقصى الذى باركنا حوله لنريه من آيتنا انه هو السميع البصير .

پاکی ہے اسے جو اپنے بندے کو راتوں رات لے گیا مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک جس کے گردا

گرد ہم نے برکت رکھی کہ ہم اسے اپنی عظیم نشانیاں دکھائیں بیشک وہ سنتا دیکھتا ہے۔ (بنی اسرائیل، ۱)

بندے سے مراد محبوب خدا محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں اور رات سے مراد شب معراج، مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ کا فاصلہ چالیس منزل یعنی سوا مہینہ سے زیادہ کی راہ ہے۔

شان نزول: جب سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شب معراج درجات عالیہ و مراتب رفیعہ پر فائز ہوئے تو رب عزوجل نے خطاب فرمایا اے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) یہ فضیلت و شرف میں نے تمھیں کیوں عطا فرمایا حضور نے عرض کی اس لیے کہ تو نے مجھے عبدیت کے ساتھ اپنی طرف منسوب فرمایا اس پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔

مسجد اقصیٰ کے اردگرد سے مراد دینی و دنیوی برکتیں ہیں کہ وہ سرزمین پاک وحی کی جائے نزول اور انبیاء کی عبادت گاہ اور ان کا جائے قیام و قبلہ عبادت ہے اور کثرت انہار و اشجار سے وہ زمین سرسبز و شاداب اور میووں اور پھلوں کی کثرت سے بہترین عیش و راحت کا مقام ہے۔

معراج شریف، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک جلیل معجزہ اور اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے اور اس سے حضور کا وہ کمال قرب ظاہر ہوتا ہے جو مخلوق الٰہی میں آپ کے سوا کسی کو میسر نہیں، نبوت کے بارھویں سال سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم معراج سے نوازے گئے۔ مہینہ میں اختلاف ہے مگر اشہر یہ ہے کہ ستائیسویں رجب کو معراج ہوئی۔ مکہ مکرمہ سے حضور کا بیت المقدس تک شب کے چھوٹے حصہ میں تشریف لے جانا نص قرآنی سے ثابت ہے اس کا منکر کافر ہے۔ اور آسمانوں کی سیر اور منازل قرب میں پہنچنا احادیث صحیحہ معتمدہ مشہورہ سے ثابت ہے جو حد تواتر کے قریب پہنچ گئی ہیں اس کا منکر گمراہ ہے۔

معراج شریف، بحالت بیداری جسم و روح دونوں کے ساتھ واقع ہوئی یہی جمہور اہل اسلام کا عقیدہ ہے اور اصحاب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کثیر جماعتیں اور حضور کے اجلہ اصحاب اسی کے معتقد

ہیں نصوص آیات و احادیث سے بھی یہی مستفاد ہوتا ہے۔ تیرہ دماغان فلسفہ کے اوہام فاسدہ محض باطل ہیں قدرت الٰہی کے معتقد کے سامنے وہ تمام شبہات محض بے حقیقت ہیں۔

حضرت جبریل علیہ السلام کا براق لے کر حاضر ہونا، سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو غایت اکرام و احترام کے ساتھ سوار کر کے لے جانا بیت المقدس میں سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا انبیاء کی امامت فرمانا، پھر وہاں سے سیر سموات کی طرف متوجہ ہونا، جبریل امین علیہ السلام کا ہر ہر آسمان کے دروازہ کھلوانا، ہر ہر آسمان پر وہاں کے صاحب مقام انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کا شرف زیارت سے مشرف ہونا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تکریم کرنا، احترام بجالانا، تشریف آوری کی مبارکبادیاں دینا، حضور کا ایک آسمان سے دوسرے آسمان کی طرف سیر فرمانا، وہاں کے عجائب دیکھنا اور تمام مقربین کی نہایت منازل سدرۃ المنتہیٰ کو پہنچنا جہاں سے آگے بڑھنے کی کسی ملک مقرب کو بھی مجال نہیں۔ جبریل امین کا وہاں معذرت کر کے رہ جانا، پھر مقام قرب خاص میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ترقیاں فرمانا اور اس قرب اعلیٰ میں پہنچنا کہ جس کے تصور تک خلق کے اوہام و افکار بھی پرواز سے عاجز ہیں وہاں مورد رحمت و کرم ہونا اور انعامات الٰہیہ اور خصائص نعم سے سرفراز فرمایا جانا اور ملکوت سماوات وارض اور ان سے افضل و برتر علوم پانا اور امت کے لیے نمازیں فرض ہونا، حضور کا شفاعت فرمانا، جنت و دوزخ کی سیریں اور پھر اپنی جگہ واپس تشریف لانا اور اس واقعہ کی خبر دینا، کفار کا اس پر شورشیں مچانا اور بیت المقدس کی عمارت کا حال اور ملک شام جانے والے قافلوں کی کیفیتیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کرنا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سب کچھ بتانا اور قافلوں کے جو احوال حضور نے بتائے قافلوں کے آنے پر ان کی تصدیق ہونا، یہ تمام صحاح کی معتبر احادیث سے ثابت ہے اور بکثرت احادیث ان تمام امور کے بیان اور ان کی تفاصیل سے مملو ہیں۔ (خزائن العرفان)

و النجم اذا ھوی . ما ضل صاحبکم و ما غوی . ما ینطق عن الھوی . ان ھو الا

وحی یوحی . علمه شدید القوی . ذو مرة فاستوی . و هو بالافق الاعلی . ثم دنا فتدلی . فكان قاب قوسين او ادنیٰ . فاوحی الی عبده ما اوحی . ما كذب الفؤاد ما رای . افتمرونه علی ما یری . و لقد راه نزلة اخری . عنده سدرة المنتهی . عند ها جنة الماوی . اذ یغشی السدرة ما یغشی . ما زاغ البصر و ما طغی . و لقد رای من آیات ربه الكبریٰ .

اس پیارے چمکتے تارے محمد کی قسم جب یہ معراج سے اترے تمھارے صاحب نہ بہکے نہ بے راہ چلے اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے وہ تو نہیں مگر وحی جو انھیں کی جاتی ہے انھیں سکھایا سخت قوتوں والے طاقتور نے پھر اس جلوہ نے قصد فرمایا اور وہ آسمان بریں کے سب سے بلند کنارہ پر تھا پھر وہ جلوہ نزدیک ہوا پھر خوب اتر آیا تو اس جلوے اور اس محبوب میں دو ہاتھ کا فاصلہ رہا بلکہ اس سے بھی کم اب وحی فرمائی اپنے بندے کو جو وحی فرمائی دل نے جھوٹ نہ کہا جو دیکھا تو کیا تم ان سے ان کے دیکھے ہوئے پر جھگڑتے ہو اور انھوں نے تو وہ جلوہ دوبار دیکھا سدرۃ المنتہیٰ کے پاس اس کے پاس جنت الماویٰ ہے جب سدرہ پر چھا رہا تھا جو چھا رہا تھا آنکھ نہ کسی طرف پھری نہ حد سے بڑھی بے شک اپنے رب کی بہت بڑی نشانیاں دیکھیں۔ (النجم، ۱ تا ۱۸)

''نجم'' کی تفسیر میں مفسرین کے بہت قول ہیں۔ بعض نے ثریا مراد لیا ہے اگر چہ ثریا کئی تارے ہیں لیکن نجم کا اطلاق ان پر عرب کی عادت ہے۔ بعض نے نجم سے جنس نجوم مراد لی ہے۔ بعض نے وہ نباتات جو ساق نہیں رکھتے زمین پر پھیلتے ہیں۔ بعض نے نجم سے قرآن مراد لیا ہے لیکن سب سے لذیذ تفسیر وہ ہے جو حضرت مترجم (امام احمد رضا بریلوی) قدس سرہ نے اختیار فرمائی کہ نجم سے مراد ہے ذات گرامی ہادی برحق سید انبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی۔

صاحبکم ، سے مراد سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں معنی یہ ہیں کہ حضور انور علیہ الصلاۃ

والسلام نے کبھی طریق حق و ہدایت سے عدول نہ کیا ہمیشہ اپنے رب کی توحید وعبادت میں رہے، آپ کے دامن عصمت پر کبھی کسی امر مکروہ کی گرد نہ آئی۔ اور بے راہ نہ چلنے سے یہ مراد ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمیشہ رشد و ہدایت کی اعلیٰ منزل پر متمکن رہے اعتقاد فاسد کا شائبہ بھی کبھی آپ کے حاشیہ بساط تک نہ پہنچ سکا۔

و ما ینطق عن الھوی یہ جملہ اولیٰ کی دلیل ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بہکنا اور بے راہ چلنا ممکن و متصور ہی نہیں کیوں کہ آپ اپنی خواہش سے کوئی بات فرماتے ہی نہیں جو فرماتے ہیں وحی الٰہی ہوتی ہے اور اس میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خلق عظیم اور آپ کی اعلیٰ منزلت کا بیان ہے نفس کا سب سے اعلیٰ مرتبہ یہ ہے کہ وہ اپنی خواہش ترک کردے۔ اور اس میں یہ بھی ارشاد ہے کہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات وافعال میں فنا کے اس اعلیٰ مقام پر پہنچے کہ اپنا کچھ باقی نہ رہا تجلی ربانی کا یہ استیلائے تام ہوا کہ جو کچھ فرماتے وہ وحی الٰہی ہوتی ہے۔

شدید القوی بعض مفسرین اس طرف گئے ہیں کہ سخت قوتوں والے طاقتور سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہیں اور سکھانے سے مراد تعلیم الٰہی سکھانا یعنی وحی الٰہی کا پہنچانا ہے۔

حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ **شدید القوی ذو مرۃ** سے مراد اللہ تعالیٰ ہے اس نے اپنی ذات کو اس وصف کے ساتھ ذکر فرمایا معنی یہ ہیں کہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے بے واسطہ تعلیم فرمائی۔

عام مفسرین نے **فاستوی** کا فاعل بھی حضرت جبریل علیہ السلام کو قرار دیا ہے اور یہ معنی لیے ہیں کہ حضرت جبریل امین اپنی اصلی صورت پر قائم ہوئے اور اس کا سبب یہ ہے کہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انھیں ان کی اصلی صورت میں ملاحظہ فرمانے کی خواہش ظاہر فرمائی تھی تو حضرت جبریل جانب

مشرق میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے نمودار ہوئے اور ان کے وجود سے مشرق سے مغرب تک بھر گیا۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سوا کسی انسان نے حضرت جبریل علیہ السلام کو ان کی اصلی صورت میں نہیں دیکھا۔ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت جبریل امین کو دیکھنا تو صحیح ہے اور حدیث سے ثابت ہے لیکن یہ حدیث میں نہیں ہے کہ اس آیت میں حضرت جبریل علیہ السلام کو دیکھنا مراد ہے بلکہ ظاہر تفسیر میں یہ ہے کہ مراد فاستوی سے سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مکان عالی اور منزلت رفیعہ میں استوی فرمانا ہے۔

تفسیر روح البیان میں ہے کہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے افق اعلیٰ یعنی آسمانوں کے اوپر استوی فرمایا اور جبریل علیہ السلام سدرۃ المنتہیٰ پر رک گئے آگے نہ بڑھ سکے انھوں نے کہا کہ اگر میں ذرا بھی آگے بڑھوں تو تجلیات جلال مجھے جلا ڈالیں اور حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آگے بڑھ گئے اور مستوائے عرش سے بھی گزر گئے اور حضرت مترجم (امام احمد رضا بریلوی) قدس سرہ کا ترجمہ اس طرف مشیر ہے کہ استوی کی اسناد حضرت رب العزت عز وعلا کی طرف ہے اور یہی قول حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے۔

وھو بالافق الاعلیٰ یہاں بھی عام مفسرین اسی طرف گئے ہیں کہ یہ حال جبریل امین علیہ السلام کا ہے لیکن امام رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ظاہر یہ ہے کہ یہ حال سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہے کہ آپ افق اعلیٰ یعنی فوق سماوات تھے۔ جس طرح کہنے والا کہتا ہے کہ میں نے چھت پر چاند دیکھا، پہاڑ پر چاند دیکھا اس کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ چاند چھت پر یا پہاڑ پر تھا بلکہ یہی معنی ہوتے ہیں کہ دیکھنے والا چھت یا پہاڑ پر تھا۔ اسی طرح یہاں یہ معنی ہیں کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام فوق سماوات پر پہنچے تو تجلی ربانی آپ کی طرف متوجہ ہوئی۔

ثم دنی فتدلی اس کے معنی میں بھی مفسرین کے کئی قول ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام کا سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے قریب ہونا مراد ہے کہ وہ اپنی صورت اصلی دکھانے کے بعد حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قرب میں حاضر ہوئے۔

دوسرے معنی یہ ہیں کہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت حق کے قرب سے مشرف ہوئے۔

تیسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے قرب کی نعمت سے نوازا اور یہی صحیح تر ہے۔

فتدلی کے معنی میں بھی چند قول ہیں ایک تو یہ کہ نزدیک ہونے سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عروج و وصول مراد ہے اور اتر آنے سے نزول و رجوع، تو حاصل معنی یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے قرب میں باریاب ہوئے پھر وصال کی نعمتوں سے فیض یاب ہو کر خلق کی طرف متوجہ ہوئے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ حضرت رب العزت اپنے لطف و کرم کے ساتھ اپنے حبیب سے قریب ہوا اور اس قرب میں زیادتی فرمائی۔

تیسرا قول یہ ہے کہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مقرب درگاہ ربوبیت ہو کر سجدۂ طاعت ادا کیا۔

قاب قوسین، سے اشارہ ہے تاکید قرب کی طرف کہ قرب اپنے کمال کو پہنچا اور باادب احباء میں جو نزدیکی متصور ہو سکتی ہے وہ اپنی غایت کو پہنچی۔

فاوحی الی عبدہ، اکثر علماء مفسرین کے نزدیک اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندۂ خاص حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وحی فرمائی۔

حضرت جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کو وحی فرمائی جو وحی فرمائی یہ وحی بے واسطہ تھی کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب کے درمیان کوئی واسطہ نہ تھا۔ اور یہ خدا اور رسول کے درمیان کے اسرار ہیں جن پر ان کے سوا کسی کو اطلاع نہیں۔ بقلی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اس راز کو تمام خلق سے مخفی رکھا اور نہ بیان فرمایا کہ اپنے حبیب کو کیا وحی فرمائی اور محب و محبوب کے درمیان ایسے راز ہوتے ہیں جن کو ان کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

علماء نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ اس شب میں جو آپ کو وحی فرمائی وہ کئی قسم کے علوم تھے۔

ایک تو علم شرائع و احکام جن کی سب کو تبلیغ کی جاتی ہے۔

دوسرے معارف الٰہیہ جو خواص کو بتائے جاتے ہیں۔

تیسرے حقائق و نتائج علوم ذوقیہ جو صرف اخص الخواص کو تلقین کیے جاتے ہیں۔

اور ایک قسم وہ اسرار جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ خاص ہیں کوئی ان کا تحمل نہیں کرسکتا۔

ما کذب الفواد ما رای یعنی سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قلب مبارک نے اس کی تصدیق کی جو چشم مبارک نے دیکھا۔ معنی یہ ہیں کہ آنکھ سے دیکھا دل سے پہچانا اور اس رویت و معرفت میں شک و تردد نے راہ نہ پائی۔ اب یہ بات کہ کیا دیکھا، بعض مفسرین کا قول یہ ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام کو دیکھا، لیکن مذہب صحیح یہ ہے کہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے رب تبارک و تعالیٰ کو دیکھا اور یہ دیکھنا کس طرح تھا چشم سر سے یا چشم دل سے، اس میں مفسرین کے دونوں قول پائے جاتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے کہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے رب العزت کو اپنے قلب مبارک سے دوبار دیکھا۔

ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ آپ نے رب عزوجل کو حقیقۃً چشم مبارک سے دیکھا۔ یہ قول

حضرت انس بن مالک اور حسن وعکرمہ کا ہے۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کو خلت اور حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو کلام اور سید عالم محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے دیدار سے امتیاز بخشا۔

کعب نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام سے دو بار کلام فرمایا اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو دو مرتبہ دیکھا۔

لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دیدار کا انکار کیا اور آیت کو حضرت جبریل علیہ السلام کے دیدار پر محمول کیا اور فرمایا کہ جو کوئی کہے کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے اپنے رب کو دیکھا اس نے جھوٹ کہا۔ اور سند میں **لا تدرکه الابصار** تلاوت فرمائی۔

یہاں چند باتیں قابل لحاظ ہیں۔

ایک یہ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قول نفی میں ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا اثبات میں اور مثبت ہی مقدم ہوتا ہے کیوں کہ نافی کسی چیز کی نفی اس لیے کرتا ہے کہ اس نے سنا نہیں اور مثبت اثبات اس لیے کرتا ہے کہ اس نے سنا اور جانا تو علم مثبت کے پاس ہے۔

علاوہ بریں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یہ کلام حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نقل نہیں کیا بلکہ آیت سے اپنے استنباط پر اعتماد فرمایا، یہ حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رائے ہے اور آیت میں ادراک یعنی احاطہ کی نفی ہے نہ رویت کی۔

فائدہ

صحیح یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دیدار الٰہی سے مشرف فرمائے گئے، مسلم شریف کی

حدیث مرفوع سے بھی یہی ثابت ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما جو حبر الامۃ ہیں وہ بھی اسی پر ہیں۔ مسلم کی حدیث ہے۔

رایت ربی بعینی و بقلبی ۔

میں نے اپنے رب کو اپنی آنکھ وا پنے دل سے دیکھا۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ قسم کھاتے تھے کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شب معراج اپنے رب کو دیکھا۔

حضرت امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ میں حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قائل ہوں حضور نے اپنے رب کو دیکھا، اس کو دیکھا، اس کو دیکھا، امام صاحب یہ فرماتے ہی رہے یہاں تک کہ سانس ختم ہوگئی۔

سدرۃ المنتہیٰ ایک درخت ہے جس کی اصل (جڑ) چھٹے آسمان میں ہے اور اس کی شاخیں ساتویں آسمان میں پھیلی ہیں اور بلندی میں وہ ساتویں آسمان سے بھی گزر گیا ملائکہ اور ارواح شہداء واتقیاء اس سے آگے نہیں بڑھ سکتے۔

ما زاغ البصر و ما طغی اس میں سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کمال قوت کا اظہار ہے کہ اس مقام میں جہاں عقلیں حیرت زدہ ہیں آپ ثابت رہے اور جس نور کا دیدار مقصود تھا اس سے بہرہ اندوز ہوئے دہنے بائیں کسی طرف ملتفت نہ ہوئے نہ مقصود کی دید سے آنکھ پھیری نہ حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی طرح بے ہوش ہوئے بلکہ اس مقام عظیم میں ثابت رہے۔

آیات ربہ الکبریٰ یعنی حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شب معراج عجائب ملک و ملکوت کا ملاحظہ فرمایا اور آپ کا علم تمام معلومات غیبیہ ملکوتیہ پر محیط ہوگیا جیسا کہ حدیث اختصام ملائکہ میں

واردہوا ہے اور دوسری اور احادیث میں آیا ہے۔ (خزائن العرفان)

شفاعت مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

ان تعذبهم فانهم عبادک و ان تغفرلهم فانک انت العزیز الحکیم .

اگر تو انھیں عذاب کرے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انھیں بخش دے تو بے شک تو ہی ہے غالب حکمت والا۔ (المائدہ،۱۱۸)

حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کافی دیر تک ان آیات کی تلاوت فرماتے رہے اور حضور نے اپنے مبارک ہاتھ اٹھائے اور عرض کی

امتی امتی ثم بکی

اے میرے رب میری امت کو بخش دے، میری امت کو بخش دے پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم زاروقطار رونے لگے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

یا جبریل اذهب الی محمد و قل له انا سنرضیک فی امتک و لا نسوء ک .

اے جبریل میرے محبوب کے پاس جا اور جا کر میرا یہ پیغام دے کہ اے حبیب ہم تجھے تیری امت کے بارے میں راضی کریں گے اور آپ کو تکلیف نہیں پہنچائیں گے۔

روز حشر جب ہر دل پر خوف و ہراس طاری ہوگا، جلال خداوندی کے سامنے کسی کو دم مارنے کی مجال نہ ہوگی بڑے بڑے شجاع اور زورآور اور سرکش مارے خوف کے پانی پانی ہو رہے ہوں گے، ساری مخلوق خدا آدم علیہ الصلاۃ والسلام سے لے کر حضرت کلیم اللہ تک شفاعت کا دروازہ کھٹکھٹائے گی لیکن کہیں

شنوائی نہ ہوگی، آخر کار حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے پاس پہنچے گی اور ان سے شفاعت کی ملتجی ہوگی آپ جواب دیں گے کہ میں خود تو آج لب کشائی کی جسارت نہیں کر سکتا ہاں تمھیں ایک کریم کا آستانہ بتاتا ہوں جس پر حاضر ہونے والا کبھی نامراد واپس نہیں لوٹا۔ جاؤ اللہ کے محبوب محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس اور وہاں جا کر عرض حال کرو چنانچہ سب بارگاہ محبوب کبریا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حاضر ہوں گے اور اپنی داستان غم پیش کریں گے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سن کر فرمائیں گے انا لہا انا لہا ہاں تمھاری دستگیری کے لیے تیار ہوں، میں تمھاری دستگیری کے لیے تیار ہوں۔ حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عرش عظیم کے قریب پہنچ کر سربسجود ہو جائیں گے۔ اپنی پاک اور اطہر زبان سے سبوح وقدوس رب کی حمد وثنا کریں گے ادھر سے آواز آئے گی۔

یا محمد ارفع راسک قل تسمع و اسئل تعط و اشفع تشفع .

اے سراپا خوبی وزیبائی! اپنے سر مبارک کو اٹھا، کہو تمھاری بات سنی جائے گی، تم مانگتے جاؤ ہم دیتے جائیں گے، تم شفاعت کرتے جاؤ ہم شفاعت قبول فرماتے جائیں گے۔

اس طرح شفاعت حبیب کبریا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اللہ کی رحمت بے پایاں کا دروازہ کھلے گا۔

علامہ قرطبی اور دیگر مفسرین نے قاضی ابوالفضل عیاض سے نقل کیا ہے کہ حضور پرنور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پانچ شفاعتیں فرمائیں گے۔

(۱) شفاعت عامہ، جس سے مومن وکافر، اپنے اور بیگانے سب مستفیض ہوں گے۔

(۲) بعض خوش نصیبوں کے لیے بغیر حساب کے جنت میں داخل کرنے کی شفاعت فرمائیں گے۔

(۳) وہ موحد جو اپنے گناہوں کے باعث عذاب دوزخ کے مستحق قرار پائیں گے حضور کی شفاعت

سے بخش دیے جائیں گے۔

(۴) وہ گنہگار جنھیں دوزخ میں پھینک دیا جائے گا حضور شفاعت فرما کر ان کو وہاں سے نکالیں گے اور جنت میں پہنچائیں گے۔

(۵) اہل جنت کے مدارج کی ترقی کے لیے سفارش فرمائیں گے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

انا سید ولد آدم یوم القیمة و لا فخر و بیدی لواء الحمد و لا فخر وما من نبی یومئذ آدم و من سواه الا تحت لوائی .

قیامت کے دن ساری اولادِ آدم کا سردار میں ہوں گا، حمد کا پرچم میرے ہاتھ میں ہوگا، سارے نبی میرے پرچم کے نیچے ہوں گے یہ ساری باتیں اظہارِ حقیقت کے طور پر کہہ رہا ہوں فخر و مباہات مقصود نہیں۔

(سیرت الرسول)

من ذا الذی یشفع عنده الا باذنه .

وہ کون ہے جو اس کے یہاں سفارش کرے بے اس کے حکم کے۔ (البقرة، ۲۵۵)

اس میں مشرکین کا رد ہے جن کا گمان تھا کہ بت شفاعت کریں گے انھیں بتا دیا گیا کہ کفار کے لیے شفاعت نہیں اللہ کے حضور ماذونین کے سوا کوئی شفاعت نہیں کر سکتا۔ اور اذن والے انبیاء و ملائکہ و مومنین ہیں۔ (خزائن العرفان)

یومئذ لا تنفع الشفاعة الا من اذن له الرحمن و رضی له قولا .

اس دن کسی کی شفاعت کام نہ دے گی مگر اس کی جسے رحمٰن نے (شفاعت کرنے کا) اذن دے دیا ہے اور اس کی بات پسند فرمائی۔ (طٰہٰ، ۱۰۹)

و لا تنفع الشفاعة الا لمن اذن له .

اور اس کے پاس شفاعت کام نہیں دیتی مگر جس کے لیے وہ اذن فرمائے۔ (السبا، ۲۳)

یوم یقوم الروح و الملائکة صفا لا یتکلمون الا من اذن له الرحمن و قال صوابا.

جس دن جبریل کھڑا ہوگا اور سب فرشتے پر باندھے کوئی نہ بول سکے گا مگر جسے رحمٰن نے اذن دیا (کلام یا شفاعت کا) اور اس نے ٹھیک بات کہی۔ (النباء، ۳۸)

و لو انهم اذ ظلموا انفسهم جاؤک فاستغفروا الله و استغفر لهم الرسول لوجدوا الله توابا رحیما.

اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمھارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔

(النساء، ٦٤)

اس سے معلوم ہوا کہ بارگاہِ الٰہی میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وسیلہ اور آپ کی شفاعت کاربرآری کا ذریعہ ہے۔

سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات شریف کے بعد ایک اعرابی روضۂ اقدس پر حاضر ہوا اور روضۂ شریفہ کی خاک پاک اپنے سر پر ڈالی اور عرض کرنے لگا یا رسول اللہ جو آپ نے فرمایا ہم نے سنا اور

جو آپ پر نازل ہوا اس میں یہ آیت بھی ہے **و لو انھم اذ ظلموا الآیۃ** میں نے بیشک اپنی جان پر ظلم کیا اور میں آپ کے حضور میں اللہ سے اپنے گناہ کی بخشش چاہنے حاضر ہوا تو میرے رب سے میرے گناہ کی بخشش کرایئے اس پر قبر شریف سے ندا آئی کہ تیری بخشش کی گئی۔ اس سے چند مسائل وفوائد معلوم ہوئے۔

(۱) اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض حاجت کے لیے اس کے مقبولوں کو وسیلہ بنانا ذریعۂ کامیابی ہے۔

(۲) قبر پر حاجت کے لیے جانا بھی ''جاؤک'' میں داخل اور خیر القرون کا معمول ہے۔

(۳) بعد وفات مقبولانِ حق کو ''یا'' کے ساتھ ندا کرنا جائز ہے۔

(۴) مقبولانِ حق مدد فرماتے ہیں اور ان کی دعا سے حاجت روائی ہوتی ہے۔

(خزائن العرفان)

بیعت نبی بیعت خدا

ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ ید اللہ فوق ایدیھم.

وہ جو تمھاری بیعت کرتے ہیں وہ تو اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں اور ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔ (الفتح،۱۰)

مراد اس بیعت سے بیعت رضوان ہے جو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حدیبیہ میں لی تھی۔ اور یہ کہ رسول سے بیعت کرنا اللہ ہی سے بیعت کرنا ہے جیسے کہ رسول کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔

(خزائن العرفان)

حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حدیبیہ کے مقام پر خیمہ زن ہیں کفار مکہ بضد ہیں کہ کسی

قیمت پر وہ مسلمانوں کو عمرہ کرنے کے لیے مکہ میں داخل ہونے نہیں دیں گے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سفیر بن کر مکہ گئے ہیں اسی اثناء میں یہ افواہ پھیلتی ہے کہ کفار نے حضرت عثمان کو شہید کر دیا ہے اگر چہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام اور حضور کے ساتھی جنگ کے لیے تیار ہو کر نہیں آئے تھے۔ احرام کی دو چادریں اور قربانی کے جانور ہی ان کا زادِ سفر تھا، لیکن یکا یک ایسی صورت حال پیدا ہوگئی کہ تعداد کی قلت اور اسلحہ کے فقدان کی پرواہ کیے بغیر محض قوت ایمانی پر بھروسہ کرتے ہوئے باطل سے ٹکرانا ناگزیر ہوگیا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک درخت کے نیچے تشریف فرما ہوتے ہیں اور بیعت کرنے کی دعوت دیتے ہیں، حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ یہ بیعت اس بات پر تھی کہ جب تک ہمارے جسموں میں جان ہے، جب تک بدن میں خون کا ایک قطرہ موجود ہے ہم میدان جنگ میں ڈٹے رہیں گے اور اہل مکہ کو اس خیانت اور سفیر کشی کی عبرتناک سزا دیں گے۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ غلامان حبیب کبریا علیہ الصلاۃ والتسلیمات پروانہ وار دوڑ دوڑ کر حاضر ہو رہے ہیں اور اپنے آقا و مولیٰ کے دست مبارک پر اپنا ہاتھ رکھ کر جان بازی اور سرفروشی کی بیعت کر رہے ہیں۔ الغرض چودہ سو ہمراہیوں میں سے کوئی ایک بھی اس سعادت سے محروم نہ رہا۔ البتہ جد بن قیس جو حقیقت میں منافق تھا اس نے بیعت نہ کی، بخدا مجھے اب بھی وہ منظر نظر آ رہا ہے کہ وہ اپنی اونٹنی کے پیٹ کے ساتھ چمٹا ہوا ہے اور اپنے آپ کو لوگوں کی نظروں سے چھپانے کی کوشش کر رہا ہے۔

حضور سرورِ عالمیاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے ان چودہ سو جاں نثاروں اور سرفروش مجاہدین کے بارے میں اپنی زبان حق ترجمان سے فرمایا۔

انتم خیر اھل الارض الیوم .

اے اسلام کے قابل فخر مجاہدو! آج روئے زمین پر تم سب سے بہترین لوگ ہو۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضور علیہ الصلاۃ والسلام کا یہ ارشاد بھی منقول ہے۔

لا یدخل النار احد ممن بایع تحت الشجرة .

جنھوں نے اس درخت کے نیچے میرے ساتھ بیعت کی ہے ان میں سے کوئی بھی دوزخ میں داخل نہ ہوگا۔

یہ بیعت بظاہر اگر چہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے دست حق پرست پر ہو رہی ہے لیکن درحقیقت یہ بیعت اللہ کے ساتھ تھی، اگر چہ بظاہر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہاتھ تھا لیکن درحقیقت یہ دست خدا تھا۔ جس طرح حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کہا گیا اسی طرح حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بیعت اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہاتھ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ فرمایا گیا ہے۔

(سیرت الرسول)

اس کی نظیر اللہ عزوجل کا یہ ارشاد مقدس ہے۔

و ما رمیت اذ رمیت و لکن اللہ رمی

اور اے محبوب وہ خاک جو تم نے پھینکی تم نے نہ پھینکی تھی بلکہ اللہ نے پھینکی۔ (الانفال، ۱۷)

امت پر حضور کی شفقت ورحمت

لقد جآء کم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم بالمومنین رؤف رحیم.

بے شک تمھارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول جن پر تمھارا مشقت میں پڑنا گراں ہے تمھاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے مسلمانوں پر کمال مہربان مہربان۔ (التوبہ، ۱۲۸)

محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عربی قرشی جن کے حسب نسب کو تم خوب پہچانتے ہو کہ تم میں سب سے عالی نسب ہیں اور تم ان کے صدق امانت، زہد و تقویٰ، طہارت و تقدس اور اخلاق حمیدہ کو بھی خوب جانتے ہو۔ اور ایک قراءۃ میں انفسکم بفتح فاء آیا ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ تم میں سب سے نفیس تر اور اشرف وافضل۔

اس آیت کریمہ میں سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری یعنی آپ کی میلاد مبارک کا بیان ہے۔ ترمذی کی حدیث سے بھی ثابت ہے کہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی پیدائش کا بیان قیام کر کے فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ محفل میلاد مبارک کی اصل قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔

اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے دو ناموں ''رؤف، رحیم'' سے مشرف فرمایا۔ یہ کمال تکریم ہے اس سرور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی۔

(خزائن العرفان)

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے محامد و محاسن کو بڑے جامع اور دلکش انداز میں بیان فرمایا ہے۔ اس آیت کی ابتداء اس سے کی لقد جاء کم اے بنی نوع انسان تمھارے پاس تشریف لایا جلیل القدر عظیم الشان رسول، رسول پر تنوین تفخیم یعنی عظمت شان کو بیان کرنے کے لیے ہے۔ من انفسکم، فرما کر اس امر کی طرف اشارہ فرمایا کہ وہ نو وارد اور اجنبی نہیں جس کے اخلاق وکردار کے بارے میں تمھیں کوئی واقفیت نہ ہو بلکہ یہ وہ مکرم ومحتشم ہستی ہے جس کی ولادت بھی تمھارے یہاں ہوئی، جس کا بچپنا تمھارے سامنے گزرا، اس کی کتاب زندگی کا ہر ورق ایک کھلی کتاب کی طرح تمھارے سامنے ہے، اس کا شباب اپنی ساری معصومیتوں کے ساتھ ہمیشہ تمھاری توجہ کا مرکز رہا۔ الغرض اس نے تم میں چالیس سال کا عرصہ گزارا ہے اور اس کی زندگی کا کوئی پہلو تم سے مخفی اور پوشیدہ نہیں

ہے۔اس لیے جب اس کی سابقہ زندگی کو تم بے داغ پاتے ہو، اب تک اس کو الصادق اور الامین کے لقب سے ملقب کرتے رہے ہو تو اب اس کی دعوت کے بارے میں تمھارا یہ انکار قطعاً معقول نہیں۔ جو ہستی عام انسانوں سے کذب بیانی کو روا نہیں رکھتی وہ کیسے گوارا کر سکتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹ کو منسوب کرے۔

اس کے بعد اپنے نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعریف و ستائش میں چند جامع کلمات ذکر فرمائے جن میں معانی کے سمندر ٹھاٹھیں مار رہے ہیں۔ان کی مزید وضاحت کے لیے میں سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دو صحیح حدیث پیش کرتا ہوں ان کے پڑھنے سے نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ان صفات جلیلہ کی وسعتوں کا آپ کو اندازہ ہو سکے گا۔

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک روز ارشاد فرمایا:

ان ربی اعطانی سبعین الفا من امتی یدخلون الجنة بغیر حساب فقال عمر رضی الله تعالیٰ عنه هلا استزدته .

میرے رب نے میری امت میں سے مجھے ستر ہزار مسلمان ایسے دیئے ہیں جو جنت میں بغیر حساب کے داخل ہو جائیں گے۔حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی یارسول اللہ کیا اچھا ہوتا اگر حضور اس تعداد سے زیادہ کے متعلق سوال کرتے۔

فقال استزدته فاعطانی هکذا و فرج بین یدیه و بسط باعیه وحشی.

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے زیادہ کے لیے استدعا کی اور میرے رب نے اس قدر عطا فرمایا اس قدر کی وضاحت کرتے ہوئے حضور نے اپنے ہاتھوں کو کھولا دونوں بازوؤں کو پھیلا دیا اور

کلاوہ بھرا۔

ہشام کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے جو اس نے اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیا اور اس کی تعداد معلوم نہیں ہوسکتی۔

عمر بن حزم انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ تین دن تک رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ معمول رہا کہ صرف نماز پنج گانہ کے لیے مسجد میں تشریف لاتے اور نماز سے فراغت کے بعد پھر خلوت نشیں ہو جاتے۔ چوتھے دن حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حسب معمول تشریف لائے ہم نے عرض کی یا رسول اللہ! حضور تین دن تک ہم سے الگ تھلگ رہے یہاں تک کہ ہمیں اندیشہ لاحق ہو گیا کہ کوئی حادثہ وقوع پذیر ہو گیا ہے۔ آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

لم یحدث الاخیرا ان ربی وعدنی ان یدخل من امتی الجنۃ سبعین الفا بلا حساب و انی سألت ربی فی ھذہ الثلاث الایام المزید فوجدت ربی ماجدا کریما فاعطانی مع کل واحد سبعین الفا.

یعنی اے میرے صحابہ! فکر واندیشہ کی کوئی بات نہیں بڑا دل خوش کن واقعہ رونما ہوا ہے۔ میرے رب نے میرے ساتھ یہ وعدہ فرمایا کہ میری امت سے ستر ہزار کو بلا حساب جنت میں داخل فرمائے گا۔ میں اپنے رب سے تین دن تک اس تعداد میں اضافہ کی التجا کرتا رہا پس میں نے اپنے پروردگار کو بڑا عظیم کریم پایا۔ اللہ تعالیٰ نے ان ستر ہزار کے علاوہ ان میں سے ہر ہر شخص کے ساتھ ستر ستر ہزار عطا فرمائے جنہیں حساب لیے بغیر جنت میں داخل کیا جائے گا۔ (سیرت الرسول)

اطاعت رسول اطاعت خدا

قل اطیعوا اللہ و الرسول فان تولوا فان اللہ لا یحب الکافرین .

تم فرمادو کہ حکم مانو اللہ اور رسول کا پھر اگر وہ منہ پھیریں تو اللہ کو خوش نہیں آتے کافر۔

(آل عمران،۳۲)

یہی اللہ کی محبت کی نشانی ہے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت بغیر اطاعت رسول نہیں ہوسکتی۔

بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔

من یطع الرسول فقد اطاع اللہ و من تولی فما ارسلنک علیھم حفیظا.

جس نے رسول کا حکم مانا بے شک اس نے اللہ کا حکم مانا اور جس نے منہ پھیرا تو ہم نے تمھیں ان کے بچانے کو نہ بھیجا۔

(النساء،۸۰)

شان نزول: رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی اس نے اللہ سے محبت کی ،اس پر آج کل کے گستاخ بددینوں کی طرح اس زمانہ کے بعض منافقوں نے کہا کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ چاہتے ہیں کہ ہم انھیں رب مان لیں جیسا نصاریٰ نے عیسیٰ بن مریم کو رب مان لیا اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں یہ آیت نازل فرما کر اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کلام کی تصدیق فرمادی کہ بے شک رسول کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔

(خزائن العرفان)

ان دونوں آیتوں میں تمام بنی نوع انسان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت کا حکم دیا ہے اور اس کے ساتھ اپنے محبوب کی اطاعت وفرماں برداری کا بھی حکم دیا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی اطاعت سے روگردانی کرتے ہیں ان کے بارے میں بتادیا کہ اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا کفر کرنے والوں کو۔

ان دونوں آیتوں سے بھی شان عظمت مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا پتہ چلتا ہے کہ مولائے کریم

نے صرف اپنی اطاعت کا حکم نہیں دیا بلکہ اس کے ساتھ ہی اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی فرماں برداری کا حکم بھی دیا ہے۔ ایک بندۂ مومن کے لیے اس کے بغیر اور کوئی چارۂ کار نہیں کہ وہ اپنے خالق و مالک کے ہر حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرے اور اس کے محبوب نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشادات کی بجا آوری میں بھی کاہلی و سستی کا مظاہرہ نہ کرے۔

اس سے یہ حقیقت بھی آشکارا ہوگئی کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعتیں دو علیٰحدہ علیٰحدہ اطاعتیں نہیں بلکہ فرمایا جو میرے رسول کی اطاعت کرے گا وہی میرا مطیع و فرماں بردار ہوگا اور جو میرے رسول کی اطاعت سے پہلو تہی کرتا ہے وہ جان لے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے بھی محروم ہے۔

کیا شان ہے اس محبوب رب العالمین کی کہ اس کی اطاعت کو اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت کہا اور اس کے فرماں بردار کو اللہ تعالیٰ نے اپنا مطیع قرار دیا ہے۔ جو کسی تاویل و بہانے سے اللہ کے محبوب کی اطاعت سے روتابی کرتا ہے وہ سمجھ لے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا بھی نافرمان اور سرکش ہے۔ (سیرت الرسول)

شانِ اقدس میں تنقیص و گستاخی کا حکم

یا ایھا الذین آمنوا لا تقولوا راعنا و قولوا انظرنا و اسمعوا و للکافرین عذاب الیم .

اے ایمان والو! راعنا نہ کہو اور یوں عرض کرو کہ حضور ہم پر نظر رکھیں اور پہلے ہی سے بغور سنو اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے۔ (البقرۃ،۱۰۴)

شانِ نزول: جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صحابہ کو کچھ تعلیم و تلقین فرماتے تو وہ کبھی کبھی درمیان میں عرض کیا کرتے راعنا یا رسول اللہ اس کے یہ معنی تھے کہ یا رسول اللہ ہمارے حال کی رعایت فرمایئے یعنی کلام اقدس کو اچھی طرح سمجھ لینے کا موقع دیجیے۔ یہود کی لغت میں یہ کلمہ سوءِ ادب کے

معنی رکھتا تھا انھوں نے اس نیت سے کہنا شروع کیا۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہود کی اصطلاح سے واقف تھے آپ نے ایک روز یہ کلمہ ان کی زبان سے سن کر فرمایا اے دشمنان خدا تم پر اللہ کی لعنت اگر میں نے اب کسی کی زبان سے یہ کلمہ سنا اس کی گردن ماردوں گا۔ یہود نے کہا ہم پر تو آپ برہم ہوتے ہیں مسلمان بھی تو یہی کہتے ہیں اس پر آپ رنجیدہ ہو کر خدمت اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے ہی تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی، جس میں راعنا کہنے کی ممانعت فرمادی گئی اور اس معنی کا دوسرا لفظ انظرنا کہنے کا حکم ہوا۔

اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء کی تعظیم وتوقیر اور ان کی جناب میں کلمات ادب عرض کرنا فرض ہے اور جس کلمہ میں ترک ادب کا شائبہ بھی ہو وہ زبان پر لانا ممنوع ہے۔

واسمعوا ، پہلے ہی سے بغور سنو اور ہمہ تن گوش ہو جاؤ تا کہ یہ عرض کرنے کی ضرورت ہی نہ رہے کہ حضور توجہ فرمائیں کیوں کہ دربار نبوت کا یہی ادب ہے۔ دربار انبیاء میں آدمی کو ادب کے اعلیٰ مراتب کا لحاظ لازم ہے۔

و للکافرین میں اشارہ ہے کہ انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کی جناب میں بے ادبی کفر ہے۔

(خزائن العرفان)

و لئن سألتم ليقولن انما كنا نخوض و نلعب قل ا بالله و آيته و رسوله كنتم تستهزؤن . لا تعتذروا قد كفرتم بعد ايمانكم ان نعف عن طائفة منكم نعذب طائفة بانهم كانوا مجرمين .

اور اے محبوب اگر تم ان سے پوچھو تو کہیں گے کہ ہم تو یوں ہی ہنسی کھیل میں تھے تم فرماؤ کیا اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسولوں سے ہنستے ہو بہانے نہ بناؤ تم کافر ہو چکے مسلمان ہو کر اگر ہم تم میں سے کسی

کو معاف کریں تو اوروں کو عذاب دیں گے اس لیے کہ وہ مجرم تھے۔ (التوبۃ، ۶۵، ۶۶)

شانِ نزول: غزوۂ تبوک میں جاتے ہوئے منافقین کے تین نفروں میں سے دو رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نسبت تمسخراً کہتے تھے کہ ان کا خیال ہے کہ یہ روم پر غالب آجائیں گے کتنا بعید خیال ہے اور ایک نفر بولتا تو نہ تھا مگر ان باتوں کو سن کر ہنستا تھا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو طلب فرما کر ارشاد فرمایا کہ تم ایسا ایسا کہہ رہے تھے انھوں نے کہا ہم راستہ کاٹنے کے لیے ہنسی کھیل کے طور پر دل لگی کی باتیں کر رہے تھے اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور ان کا یہ عذر و حیلہ قبول نہ کیا گیا اور ان کے لیے یہ فرمایا گیا۔

لا تعتذروا قد كفرتم بعد ايمانكم سے ثابت ہوا کہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کفر ہے جس طرح بھی ہو اس میں عذر قبول نہیں۔

ان نعف عن طائفة منكم محمد بن اسحاق کا قول ہے کہ اس سے وہی شخص مراد ہے جو ہنستا تھا مگر اس نے اپنی زبان سے کوئی کلمہ گستاخی نہ کہا تھا جب یہ آیت نازل ہوئی تو وہ تائب ہوا اور اخلاص کے ساتھ ایمان لایا اور اس نے دعا کی کہ یارب مجھے اپنی راہ میں مقتول کر کے ایسی موت دے کہ کوئی یہ کہنے والا نہ ہو کہ میں نے غسل دیا، میں نے کفن دیا، میں نے دفن کیا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ وہ جنگ یمامہ میں شہید ہوئے اور ان کا پتہ ہی نہ چلا۔ ان کا نام یحییٰ بن حمیر اشجعی تھا اور چوں کہ انھوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بدگوئی سے زبان روکی تھی اس لیے انھیں توبہ و ایمان کی توفیق ملی۔ (خزائن العرفان)

انبیاء کرام پر حضور کی افضلیت

تلك الرسل فضلنا بعضهم على بعض منهم من كلم الله و رفع بعضهم درجت.

یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں ایک کو دوسرے پر افضل کیا ان میں کسی سے اللہ نے کلام فرمایا اور کوئی وہ ہے جسے سب پر درجوں بلند کیا۔ (البقرۃ،۲۵۳)

اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے مراتب جداگانہ ہیں بعض حضرات سے بعض حضرات افضل ہیں اگرچہ نبوت میں کوئی تفرقہ نہیں وصف نبوت میں سب شریک یکدگر ہیں مگر خصائص و کمالات میں درجے متفاوت ہیں یہی آیت کا مضمون ہے اور اسی پر امت کا اجماع ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو طور پر بے واسطہ کلام سے مشرف فرمایا اور سید انبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو معراج میں۔

جسے سب پر درجوں بلند کیا وہ حضور پر نور سید انبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں کہ آپ کو بدرجات کثیرہ تمام انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام پر افضل کیا اس پر تمام امت کا اجماع ہے اور بکثرت احادیث سے ثابت ہے کہ آیت میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اس رفعت مرتبت کا بیان فرمایا گیا اور نام مبارک کی تصریح نہ کی گئی اس سے بھی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علو شان کا اظہار مقصود ہے کہ ذات والا کی شان ہے کہ جب تمام انبیاء پر فضیلت کا بیان کیا جائے تو سوائے ذات اقدس کے یہ وصف کسی پر صادق ہی نہ آئے اور کوئی اشتباہ راہ نہ پاسکے۔

حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے وہ خصائص و کمالات جن میں آپ تمام انبیاء پر فائق و افضل ہیں اور آپ کا کوئی شریک نہیں بے شمار ہیں کہ قرآن کریم میں یہ ارشاد ہوا، درجوں بلند کیا، ان درجوں کی کوئی گنتی قرآن کریم میں ذکر نہیں فرمائی تو اب کون حد لگا سکتا ہے۔ ان بے شمار خصائص میں سے بعض کا اجمالی و مختصر بیان یہ ہے کہ آپ کی رسالت عامہ ہے، تمام کائنات آپ کی امت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

و ما ارسلنک الا کافۃ للناس بشیرا و نذیرا۔

اور اے محبوب ہم نے تم کو نہ بھیجا مگر ایسی رسالت سے جو تمام آدمیوں کو گھیرنے والی ہے خوشخبری دیتا ڈر سناتا۔ (السبا، ۲۸)

دوسری آیت میں فرمایا:

لیکون للعالمین نذیرا.

جو سارے جہان کو ڈر سنانے والا ہو۔ (الفرقان، ۱)

مسلم شریف کی حدیث میں ارشاد ہوا۔

ارسلت الی الخلق کافة

میں پوری مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ (مولف)

اور آپ پر نبوت ختم کی گئی قرآن پاک میں آپ کو خاتم النبیین فرمایا۔ حدیث شریف میں ارشاد ہوا:

ختم بی النبیون

مجھ پر نبوت ختم کی گئی۔ (مولف)

آیات بیناتِ و معجزات باہرات میں آپ کو تمام انبیاء پر افضل فرمایا گیا، آپ کی امت کو تمام امتوں پر افضل کیا گیا، شفاعت کبریٰ آپ کو مرحمت ہوئی، قرب خاص معراج آپ کو ملا، علمی و عملی کمالات میں آپ کو سب سے اعلیٰ کیا اور اس کے علاوہ بے انتہا خصائص آپ کو عطا ہوئے۔ (خزائن العرفان)

اللہ تعالیٰ کے سب رسول نفس رسالت میں اور جملہ انبیاء نفس نبوت میں برابر ہیں لیکن فضائل و کمالات، مراتب و مقامات، معجزات و کرامات میں ایک دوسرے پر فضیلت رکھتے ہیں۔ کسی کو ایک کمال

سے متصف فرمایا کسی کو دوسرے شرف سے مشرف فرمایا لیکن ایک ذات پاک مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے جو مظہر اتم ہے تمام کمالات جلالیہ و جمالیہ کی۔ جو مراتب و کمالات دیگر انبیاء و رسل کو ایک ایک کر کے عنایت کیے گئے تھے وہ سب اپنی اعلیٰ ترین اور اکمل ترین صورت میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطا کیے گئے اور ان کے علاوہ آپ کو بے شمار مراتب اور ان گنت معجزات بخشے گئے جن میں کوئی نبی، کوئی رسول آپ کی ہمسری تو کیا محض شرکت کا دعویٰ بھی نہیں کر سکتا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ساری نوع انسانی بلکہ ساری کائنات زمینی و آسمانی کے لیے نبی بنایا گیا محدود وقت کے لیے نہیں بلکہ ابد تک کے لیے قرآن جیسی کتاب ارزانی فرمائی۔ کسی کو کلیم اور کسی کو روح فرمایا لیکن کائنات کے اس آخری سہارے کو صفوت، خلت، کلام وغیرہ کے علاوہ محبوبیت کی خلعت فاخرہ بخشی۔

مفسرین کرام نے تصریح کی ہے کہ **رفع بعضهم درجت.** سے حضور نبی کریم محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مراد ہیں۔ لیکن یہ بات ذہن نشیں رہے کہ کسی نبی کو دوسرے نبی پر یوں فضیلت نہ دو کہ اس سے دوسرے نبی کی معاذ اللہ تحقیر ہو۔ (سیرت الرسول)

انبیاء کرام سے عہد و میثاق

و اذ اخذ الله ميثاق النبيين لما آتيتكم من كتب و حكمة ثم جاء كم رسول مصدق لما معكم لتومنن به و لتنصرنه قال ء اقررتم و اخذتم على ذلكم اصرى قالوا اقررنا قال فاشهدوا و انا معكم من الشاهدين . فمن تولى بعد ذلك فاولئك هم الفاسقون.

اور یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے ان کا عہد لیا جو میں تم کو کتاب اور حکمت دوں پھر تشریف لائے تمھارے پاس وہ رسول کہ تمھاری کتابوں کی تصدیق فرمائے تو تم ضرور ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور

ضرور اس کی مدد کرنا، فرمایا کیوں تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا بھاری ذمہ لیا؟ سب نے عرض کی ہم نے اقرار کیا، فرمایا تو ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ اور میں آپ تمھارے ساتھ گواہوں میں ہوں۔ تو جو کوئی اس کے بعد پھرے تو وہی لوگ فاسق ہیں۔ (آل عمران، ۸۱، ۸۲)

حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور ان کے بعد جس کسی کو نبوت عطا فرمائی ان سے سید انبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نسبت عہد لیا اور ان انبیاء نے اپنی قوموں سے عہد لیا کہ اگر ان کی حیات میں سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مبعوث ہوں تو آپ پر ایمان لائیں اور آپ کی نصرت کریں۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضور تمام انبیاء میں سب سے افضل ہیں۔ علیہم الصلاۃ والسلام۔ (خزائن العرفان)

یہی مضمون سیرت الرسول میں اس طرح ہے۔

حضرت سیدنا علی اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک نبی سے یہ پختہ وعدہ لیا کہ اگر اس کی موجودگی میں سرور عالم و عالمیاں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف فرما ہوں تو اس نبی پر لازم ہے کہ وہ حضور کی رسالت پر ایمان لا کر آپ کی امت میں شمولیت کا شرف حاصل کرے اور ہر طرح حضور کے دین کی تائید و نصرت کرے اور تمام انبیاء نے یہی عہد اپنی اپنی امتوں سے لیا۔

شب معراج تمام انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کا بیت المقدس میں جمع ہو کر فخر کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امامت میں حضور کی شریعت کے مطابق نماز ادا کرنا اسی بلند مرتبت عہد کی عملی توثیق تھی اور امام الانبیاء والمرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمت شان اور جلالت قدر کا صحیح اندازہ قیامت کے روز ہوگا جب ساری مخلوق خوف خدا سے لرزہ براندام ہوگی اور مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا لواء الحمد ہاتھ میں لیے مقام

محمود پر فائز ہوں گے۔ (سیرت الرسول)

خلق عظیم

و انک لعلی خلق عظیم

اور بے شک تمھاری خو، بو بڑی شان کی ہے۔ (القلم،۴)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات تمام کمالات کی جامع ہے۔ وہ کمالات جو پہلے نبیوں اور رسولوں میں متفرق طور پر پائے جاتے ہیں وہ مجموعی طور پر اپنی تمام جلوہ سامانیوں اور اپنی جملہ رعنائیوں کے ساتھ اس ذات اقدس واطہر میں موجود ہیں۔ شکر نوح، خلت ابراہیم، اخلاص موسیٰ، صدق اسماعیل، صبر یعقوب، تواضع سلیمان علیہم الصلاۃ والسلام سب یہاں جمع ہیں۔

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے جب کسی نے خلق مصطفوی کے بارے میں پوچھا تو آپ نے مختصر اور جامع جواب دیا۔

کان خلقه القرآن

حضور کا خلق قرآن تھا۔

یعنی جن محاسن واوصاف اور مکارم اخلاق کو اپنانے کا قرآن نے حکم دیا ہے حضور ان سے کمال درجہ متصف تھے اور جن لغو باتوں اور فضول کاموں سے بچنے کی ترغیب دی ہے حضور ان سے پوری طرح منزہ ومبرا تھے۔ ایک دوسرے شخص نے جب یہی سوال کیا تو ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا

سورۃ المومنین کی پہلی دس آیتیں پڑھ لو ان میں ہی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خلق کی صحیح تصویر ہے۔

محمد بن حکیم ترمذی قدس سرہ فرماتے ہیں :

حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے خلق سے کسی کا خلق اعلیٰ نہیں کیوں کہ حضور اپنی مرضی اور مشیت سے دست کش ہو گئے اور اپنے آپ کو کلیۃً حق تعالیٰ کے سپرد کر دیا۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: میں نے لگا تار دس سال حضور کی خدمت کی، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے کبھی اف نہیں کہا جو کام میں نے کیا اس کے متعلق کبھی یہ نہیں فرمایا کہ تو نے کیوں کیا اور جو کام نہیں کیا اس کے متعلق کبھی نہیں پوچھا کہ کیوں نہیں کیا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حسن و جمال میں بھی تمام لوگوں سے برتر تھے میں نے کسی اطلس یا ریشم کو حضور کی ہتھیلیوں سے زیادہ نرم نہیں پایا۔ کوئی مشک، کوئی عطر حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے پسینے سے زیادہ خوشبودار میں نے نہیں سونگھا۔

شاہ خوباں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صرف خود ہی ہر کمال، ہر جمال کے پیکر رعنا اور تصویر جمیل نہ تھے بلکہ اپنے نیاز مندوں کو بھی ان نعمتوں سے مالا مال کر دیا، ان کی ایسی تربیت فرمائی کہ آنے والی نسل انسانی کے لیے وہ ایک دلکش نمونہ بن گئے۔ (سیرت الرسول)

حیات اقدس کی قسم

لعمرک انھم لفی سکرتھم یعمھون.

اے محبوب تمھاری جان کی قسم ہے بیشک وہ اپنے نشہ میں بھٹک رہے ہیں۔ (الحجر، ۷۲)

مخلوق الٰہی میں سے کوئی جان بارگاہ الٰہی میں آپ کی جان پاک کی طرح عزت و حرمت نہیں رکھتی اور اللہ تعالیٰ نے سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عمر کے سوا کسی کی عمر و حیات کی قسم نہیں فرمائی یہ مرتبہ صرف حضور ہی کا ہے۔ (خزائن العرفان)

علماء تفسیر کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کی حیات پاک کی قسم کھائی ہے اور یہ حضور کی عظمت شان اور شرف رفیع کی قوی دلیل ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا

ما خلق الله نفسا اكرم عليه من محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و ما اقسم بحياة احد الا بحياته .

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے زیادہ کسی چیز کو معزز و مکرم پیدا نہیں کیا اور حضور کے سوا کسی کی زندگی کی قسم نہیں کھائی۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں :

هذا نهاية التعظيم و غاية البر و التشريف.

اللہ کا حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زندگی کی قسم کھانا تعظیم و تکریم کی انتہا ہے۔

(سیرت الرسول)

ساجدین میں حضور کا دورہ فرمانا

و تقلبک فی السجدين .

اور (دیکھتا ہے) نمازیوں میں تمھارے دورے کو۔ (الشعراء، ۲۱۹)

یعنی جب تم اپنے تہجد پڑھنے والے اصحاب کے احوال ملاحظہ فرمانے کے لیے شب کو دورہ کرتے ہو۔

بعض مفسرین نے کہا معنی یہ ہیں کہ جب تم امام ہو کر نماز پڑھاتے ہو اور قیام و رکوع و سجود و قعود میں گزرتے ہو۔

بعض مفسرین نے کہا معنی یہ ہیں کہ وہ آپ کی گردش چشم کو دیکھتا ہے نمازوں میں کیوں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پس و پیش یکساں ملاحظہ فرماتے تھے۔

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے، بخدا مجھ پر تمھارا خشوع و رکوع مخفی نہیں میں تمھیں اپنے پس پشت دیکھتا ہوں۔

بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس آیت میں "ساجدین" سے مومنین مراد ہیں اور معنی یہ ہیں کہ زمانہ حضرت آدم و حوا علیہما الصلاۃ والسلام سے لے کر حضرت عبد اللہ و آمنہ خاتون تک مومنین کی اصلاب و ارحام میں آپ کے دورے کو ملاحظہ فرماتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ آپ کے تمام اصول آباء و اجداد حضرت آدم علیہ السلام تک سب کے سب مومن ہیں۔ (خزائن العرفان)

مذکورہ توضیح کے ساتھ اس آیت کے متعدد مفہوم بیان کیے گئے ہیں۔

(۱) جب آپ نماز ادا کرتے ہیں اور اس میں قیام سے رکوع کی طرف، رکوع سے سجود کی طرف، پھر سجدہ سے قیام کی طرف جو تقلبات آپ سے صادر ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ ان تمام کو دیکھ رہا ہوتا ہے۔

(۲) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جماعت کرائی بعض صحابہ رکوع و سجود میں حضور سے پہلے چلے گئے نماز سے فراغت کے بعد حضور نے انھیں ایسا کرنے سے منع فرمایا اور انھیں بتایا کہ تم یہ نہ سمجھو کہ

جب میں قبلہ رو کھڑا ہوتا ہوں تو میں تمھاری حرکات وسکنات سے بے خبر ہوتا ہوں۔

فواللّٰہ ما یخفی علی خشوعکم و رکوعکم انی لا اراکم من وراء ظھری.

یعنی مجھ پر نہ تمھارا قلبی خشوع وخضوع مخفی ہوتا ہے اور نہ تمھارا رکوع میں تمھیں اپنی پشت کے پیچھے سے دیکھتا ہوں۔

اس آیت میں اس امر کی طرف اشارہ فرمایا کہ جب آپ اپنے صحابہ کی ظاہری و باطنی کیفیات ملاحظہ کر رہے ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ آپ کے اس فعل کو بھی دیکھ رہا ہوتا ہے۔

(۳) بعض مفسرین نے اس آیت کا یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ جب نماز تہجد کی فرضیت ختم ہوگئی تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سحری کے وقت اٹھے اور صحابہ کرام کے گھروں کا چکر لگایا یہ دیکھنے کے لیے کہ فرضیت کے ختم ہونے کے بعد کیا وہ آج آرام سے سو رہے ہیں یا اپنے معبود حقیقی کی عبادت میں مصروف ہیں۔ حضور جس صحابہ کے گھر کے پاس سے گزرتے تلاوت قرآن کریم اور ذکر الٰہی کی آوازیں اس طرح آ رہی ہوتیں جیسے شہد کے چھتہ سے شہید کی مکھیاں بھنبھنا رہی ہوں۔

(۴) ابونعیم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اس کا یہ مفہوم بھی نقل کیا ہے کہ ''تقلب'' سے مراد، تنقل فی الاصلاب ہے، یعنی جب آپ کا نور یکے بعد دیگرے آپ کے اجداد کی پشتوں سے منتقل ہوتے چلا آ رہا تھا تو اس وقت بھی آپ کا رب دیکھ رہا تھا۔ کیوں کہ آپ کے آباء واجداد کو قرآن کریم نے ''السّٰجدین'' (سجدہ کرنے والے) کہا ہے۔ اس لیے اکثر علماء نے اس آیت سے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے مومن ہونے پر استدلال کیا ہے۔ اور اہل سنت و جماعت کے کثیر تعداد جلیل القدر علماء کا یہی مسلک ہے۔

اس حقیقت پاک سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آباء وامہات سے کوئی مشرک یا فاسق نہیں ہوا کیوں کہ مشرکین کے بارے میں صراحۃً مذکور ہے۔ انما المشرکون نجس بیشک مشرک نجس ہیں۔ اور حضور کے آباء نجس نہیں ہو سکتے جن کی تمام حرکات وسکنات کو نگاہ قدرت ہمہ وقت بغور ملاحظہ فرمارہی ہو اس ہستی کی شان عظمت کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔ (سیرت الرسول)

حضور کے تشریعی اختیارات

و ما اتاکم الرسول فخذوہ و ما نھاکم عنه فانتھوا و اتقوا اللہ ان اللہ شدید العقاب.

اور جو کچھ تمھیں رسول عطا فرمائیں وہ لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو اور اللہ سے ڈرو بیشک اللہ کا عذاب سخت ہے۔ (الحشر،۷)

یعنی رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمھیں جو حکم دیں اس کا اتباع کرو کیوں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت ہر امر میں واجب ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مخالفت نہ کرو اور ان کی تعمیل ارشاد میں سستی نہ کرو۔ (خزائن العرفان)

یہ آیت کریمہ بھی حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی نعت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام مسلمانوں کے مالک اور تمام مسلمان ان کے بندۂ بے زر، اس سے معلوم ہوا کہ ایماندار وہ ہے جو حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے ہر حکم کو بے تأمل قبول کرے، خواہ اس کی عقل میں آوے یا نہ آوے اور خواہ دنیاوی نفع اس میں معلوم ہو یا نہ ہو۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو کام خود کیے یا جن کاموں کا حکم دیا، یا جو کسی کو کچھ کرتے ہوئے دیکھا اور منع نہ فرمایا یہ سب مـــا اتـــاکـم میں داخل ہے۔ پہلے کو سنت فعلی، دوسرے کو سنت قولی

تیسرے کو سنت سکوتی کہتے ہیں۔

یہ بھی خیال رہے کہ یہ حضور ہی کی شان ہے کہ آپ کا ہر حکم، ہر فعل قابل اتباع ہے اور کسی کی یہ شان نہیں کیوں کہ حضور مختار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہر حکم، ہر فعل رب کی طرف سے ہے۔ ہمارے فعل نفسیاتی اور شیطانی بھی ہوتے ہیں۔ بارگاہ مصطفوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک نہ شیطان کی رسائی نہ نفس امارہ کا دخل۔ اس لیے زبان پاک مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حق ہی جاری ہوتا ہے۔

(شان حبیب الرحمٰن)

مالک کوثر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

انا اعطیناک الکوثر فصل لربک و انحر ان شانئک ھو الابتر

اے محبوب بیشک ہم نے تمھیں بے شمار خوبیاں عطا فرمائیں تو تم اپنے رب کے لیے نماز پڑھو اور قربانی کرو بیشک جو تمھارا دشمن ہے وہی ہر خیر سے محروم ہے۔ (الکوثر)

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فضائل کثیرہ عنایت کر کے تمام خلق پر افضل کیا۔ حسن ظاہر بھی دیا حسن باطن بھی، نسب عالی بھی، نبوت بھی، کتاب بھی، حکمت بھی، علم بھی، شفاعت بھی، حوض کوثر بھی، مقام محمود بھی، کثرت امت بھی، اعدائے دین پر غلبہ بھی، کثرت فتوح بھی اور بے شمار نعمتیں اور فضیلتیں جن کی نہایت نہیں۔

اے محبوب جس نے تمھیں عزت و شرافت دی اس کے لیے نماز پڑھئے اور اس کے نام پر قربانی کیجیے، بخلاف بت پرستوں کے جو بتوں کے نام پر ذبح کرتے ہیں۔

اس آیت کی تفسیر میں ایک قول یہ بھی ہے کہ نماز سے نماز عید مراد ہے۔

ان شانئک ھو الابتر جوتمہارادشمن ہے وہی ہر خیر سے محروم ہے نہ کہ آپ کیوں کہ آپ کا سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔آپ کی اولاد میں بھی کثرت ہوگی اور آپ کے متبعین سے دنیا بھر جائے گی ،آپ کا ذکر منبروں پر بلند ہوگا،قیامت تک پیدا ہونے والے عالم اور واعظ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ آپ کا ذکر کرتے رہیں گے۔بے نام ونشان اور ہر بھلائی سے محروم تو آپ کے دشمن ہیں۔

شان نزول: جب سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرزند حضرت قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وصال ہوا تو کفار نے آپ کو ابتر یعنی منقطع النسل کہا اور یہ کہا کہ اب ان کی نسل نہیں رہی،ان کے بعد اب ان کا ذکر بھی نہ رہے گا یہ سب چرچا ختم ہو جائے گا اس پر سورۂ کریمہ نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے ان کفار کی تکذیب کی اور ان کا بالغ رد فرمایا۔ (خزائن العرفان)

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی متعدد سورتوں میں مختلف عنوانوں سے ان انعامات واحسانات کا ذکر فرمایا جو اس نے اپنے حبیب لبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر یا اس کے طفیل اس کی امت پر فرمائے ہیں۔اس سورت میں ان تمام عنایات کو''الکوثر'' کے ایک کلمہ میں سمو کر رکھ دیا تا کہ چشم حق بین حسن محمدی کے ایک ایک جلوے کو دیکھتی رہے اور سرشار ہوتی رہے،اس پیکر جمیل ورعنا کی رعنائیوں اور دلربائیوں میں کھوئی رہے،دل اس حسن سرمدی کی دل نوازیوں پر قربان ہوتا رہے،اس کی ایک ایک ادا جاں پرور ہے،اس کا ایک ایک انداز روح افزا،زبان قدرت جہاں اپنے حبیب کی شان بیان کرتی ہے وہاں اسلوب ہی بڑا نرالا اختیار کیا جاتا ہے ارشاد فرمایا انا (ہم نے) جمع کی ضمیر استعمال ہوئی،جمع کا صیغہ کبھی کثرت اور تعدد پر دلالت کرتا ہے اور کبھی عظمت شان کے اظہار کے لیے آتا ہے ۔یہاں یہی مقصد ہے۔یعنی ہم نے جو زمین وآسمان کا خالق و مالک ہیں،ہم جو عروس گیتی کو سنوارنے اور نکھارنے والے ہیں،ہم جن کے جود وکرم کا وسیع دستر خوان ہر وقت بچھا ہوا ہے اور ہر ایک کے لیے صدائے عام ہے۔اے حبیب ہم نے آپ کو کوثر عطا فرمایا ہے۔جو چیز ہم عطا فرمانا چاہیں اسے

کوئی روک نہیں سکتا، جو چیز ہم عطا فرمائیں اسے کوئی چھین نہیں سکتا، ہم نے اپنے دست قدرت سے الکوثر آپ کے حوالے کر دیا، آپ کو اس کا مالک بنا دیا، کیا شان جود و سخا ہے دینے والے کی اور کیا مقام رفعت و علا ہے لینے والے کا۔

علمائے تفسیر نے ''الکوثر'' کی تفسیر میں متعدد اقوال ذکر کیے ہیں:

(۱) کوثر سے مراد جنت کی وہ نہر ہے جس سے جنت کی ساری نہریں نکلتی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطا فرما دی ہیں۔

عن ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الكوثر نهر في الجنة حافتاه من ذهب و مجراه على الدر و الياقوت تربته اطيب من المسك و ماء ه احلى من العسل و ابيض من الثلج .

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوثر جنت کی ایک نہر ہے جس کے دونوں کنارے سونے کے ہیں موتیوں اور یاقوت کا فرش بچھا ہوا ہے اس کی مٹی کستوری سے زیادہ خوشبودار ہے اس کا پانی شہد سے زیادہ میٹھا اور برف سے زیادہ شفاف ہے۔

(۲) اس حوض کا نام ہے جو میدان حشر میں ہوگا جس سے حضور علیہ الصلاۃ والسلام اپنی امت کے پیاسوں کو سیراب فرمائیں گے۔ جس کے کناروں پر پیالے، آبخورے اتنی کثرت سے رکھے ہوں گے جتنے آسمان پر ستارے ہیں تاکہ در حبیب پر آکر کسی پیاسے کو انتظار کی زحمت نہ اٹھانی پڑے۔

اس حوض کے بارے میں احادیث متواترہ مذکور ہیں اور علماء نے یہ بھی لکھا ہے۔

و ان على اركانها الاربعة خلفاء الاربعة .

اس کے چاروں کونوں پر خلفاء اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم تشریف فرما ہوں گے۔ جو شخص ان میں سے کسی کے ساتھ بغض کرے گا اسے حوض کوثر سے ایک گھونٹ بھی نہیں ملے گا۔

(۳) النبوۃ، انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام تو حضور سے پہلے بھی تشریف لائے لیکن نبوت محمدیہ کے فیوض و برکات کی کثرت کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔ آپ کی نبوت کا دامن ساری نوع انسانیت کو سمیٹے ہوئے ہے بلکہ آپ ساری کائنات کے نبی ہیں آپ کا بحر رسالت زمان و مکان کی حدود سے آشنا نہیں۔

(۴) کوثر سے مراد قرآن کریم ہے، انبیاء سابقین علیہم الصلاۃ والسلام بھی صحائف اور کتابیں لے کر آئے لیکن جو جامعیت اور ابدیت اس کی تعلیمات میں ہے اس کی نظیر کہاں۔ علوم و معارف کے جو خزینے اس صحیفۂ رشد و ہدایت میں مستور ہیں وہ کسی اور کو نصیب نہیں۔ انسانی زندگی کے ان گنت شعبوں پر جس طرح اس کتاب مبین کا نور ضیاء پاشیاں کر رہا ہے وہ کسی بصیرت والے سے مخفی نہیں۔

(۵) اس سے مراد دین اسلام ہے۔

(۶) اس سے مراد صحابہ کرام کی کثرت ہے جتنے صحابہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے تھے کسی دوسرے نبی یا رسول کو اتنے صحابہ میسر نہیں آئے۔

(۷) اس سے مراد رفع ذکر ہے ساری کائنات کی بلندیوں اور پستیوں میں جس طرح آپ نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذکر مبارک کا ڈنکا بج رہا ہے اس کی مثال نہیں ملتی۔

(۸) امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک کوثر سے مراد حضور کے دل کا نور ہے جس نے آپ کی اللہ تعالیٰ تک رہنمائی کی اور ماسوا سے آپ کا رشتہ منقطع کر دیا۔

(۹) ''مقام محمود'' روز محشر جہاں شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شفاعت عامہ فرمائیں گے۔

(۱۰) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے الکوثر کی تفسیر بیان کی ہے ''الخیر الکثیر'' یعنی خیر کثیر۔

حضرت سعید بن جبیر نے عرض کی کہ لوگ تو کہتے ہیں کوثر جنت کی ایک نہر کا نام ہے تو آپ نے فرمایا وہ بھی اس خیر کثیر میں سے ایک ہے۔

علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ الکوثر کے بارے میں متعدد اقوال نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

ظاہر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ساری ظاہری و باطنی نعمتیں کوثر میں داخل ہیں۔ ظاہری نعمتوں سے مراد دنیا و آخرت کی بھلائیاں ہیں اور باطنی نعمتوں سے مراد وہ علوم لدنیہ ہیں جو بغیر کسب کے محض فیضان الٰہی سے حاصل ہوتے ہیں۔ علامہ قرطبی نے بھی اسی سے ملتی جلتی تشریح کی ہے۔

علامہ آلوسی فرماتے ہیں:

کوثر سے مراد خیر کثیر ہے اور دنیوی و اخروی نعمتیں جن میں فضیلتیں اور فضائل سب شامل ہیں اس میں اس امر کی طرف بھی اشارہ ہے کہ احادیث میں کوثر کا معنیٰ نہر بتایا گیا ہے یہ بطور تمثیل ہے۔

یہ سورت اپنے اختصار و ایجاز کے باوصف فصاحت و بلاغت کا وہ مرقع جمیل ہے کہ فصحائے عرب، بلغائے حجاز کو اسے پڑھ کر کہنا پڑا **ما ھذا کلام البشر** یہ کسی انسان کا کلام نہیں ہے۔

(ضیاء الرسول)

درود کا حکم اور اس کا مقصد

ان اللہ و ملائکتہ یصلون علی النبی یا ایھا الذین آمنوا صلوا علیہ و سلموا تسلیما.

بے شک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس غیب بتانے والے (نبی) پر اے ایمان والوان پر درود اور خوب سلام بھیجو۔ (الاحزاب، ۵٦)

درود شریف اللہ کی طرف سے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تکریم ہے۔ علماء نے اللھم صل علی محمد کے یہ معنی بیان کیے ہیں کہ یارب محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عظمت عطا فرما دنیا میں ان کا دین بلند اور ان کی دعوت غالب فرما کر اور ان کی شریعت کو بقا عنایت کر کے اور آخرت میں ان کی شفاعت قبول فرما کر اور ان کا ثواب زیادہ کر کے اور اولین و آخرین پر ان کی فضیلت کا اظہار فرما کر اور انبیاء و مرسلین و ملائکہ اور تمام خلق پر ان کی شان بلند کر کے۔

درود شریف کی بہت برکتیں اور فضیلتیں ہیں۔ حدیث شریف میں ہے سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب درود بھیجنے والا مجھ پر درود بھیجتا ہے تو فرشتے اس کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہیں۔

مسلم شریف کی حدیث میں ہے جو مجھ پر ایک بار درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس بار بھیجتا ہے۔

ترمذی کی حدیث شریف میں ہے، بخیل وہ ہے جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ درود نہ بھیجے۔

فائدے

سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجنا واجب ہے، ہر ایک مجلس میں آپ کا ذکر کرنے والے پر بھی اور سننے والے پر بھی ایک مرتبہ اور اس سے زیادہ مستحب ہے یہی قول معتمد ہے اور اس پر جمہور ہیں۔ اور نماز کے قعدۂ اخیرہ میں بعد تشہد درود شریف پڑھنا سنت ہے اور آپ کے تابع کر کے آپ کے آل واصحاب اور دوسرے مومنین پر درود بھیجا جا سکتا ہے یعنی درود شریف میں آپ کے نام اقدس کے بعد ان کو

شامل کیا جاسکتا ہے اور مستقل طور پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سوا ان میں سے کسی پر درود بھیجنا مکروہ ہے۔

درود شریف میں آل واصحاب کا ذکر متوارث ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آل کے ذکر کے بغیر درود مقبول نہیں۔ (خزائن العرفان)

پورا قرآن حضور کی نعت ہے

حقیقت یہ ہے کہ اگر قرآن کریم کو بنظر ایمان دیکھا جائے تو اس میں اول سے آخر تک نعت سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم معلوم ہوتی ہے۔ حمد الٰہی ہو یا بیان عقائد، گزشتہ انبیاء کرام اور ان کی امتوں کے واقعات ہوں یا احکام، غرض قرآن کریم کا ہر موضوع اپنے لانے والے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے محامد اور اوصاف کو اپنے اندر لیے ہوئے ہے۔ مثال کے طور پر سورۂ اخلاص قل ھو اللہ احد کو لیجیے کہ اس میں خدائے قدوس کے صفات کا ذکر ہے۔ اور سورۂ لہب کو دیکھئے یعنی تبت یدا ابی لھب و تب کہ اس میں بظاہر ابولہب کافر اور اس کی بیوی کا تذکرہ ہے از اول تا آخر، مگر جب غور کرو تو یہ دونوں سورتیں محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نعت پاک سے بھری ہوئی ہیں۔

قل ھو اللہ احد میں ارشاد ہے کہ اے محبوب تم کہہ دو کہ اللہ ایک اور وہی بھروسہ کے لائق ہے نہ وہ کسی کی اولاد نہ اس کی کوئی اولاد، وغیرہ وغیرہ۔ مگر ایک کلمہ قل نے (یعنی محبوب تم کہہ دو) اس ساری سورۃ میں نعت کو شامل کر دیا۔ کیوں کہ مرضی الٰہی یہ ہے کہ اے محبوب علیہ الصلاۃ والسلام کلام تو ہمارا ہو اور زبان تمھاری۔

قل کہہ کے اپنی بات بھی منہ سے تیرے سنی
اتنی ہے گفتگو تیری اللہ کو پسند

ہماری صفات تو تم دنیا کو بتاؤ اور فرماؤ اللہ احد اور تمھاری صفت ہم ارشاد فرماتے ہیں محمد رسول اللہ و الذین معہ اشداء علی الکفار ، یعنی لا الہ الا اللہ تم کہلواؤ اور محمد رسول اللہ ہم کہلواتے ہیں یعنی ہم چاہتے ہیں کہ تمھارے منھ سے اپنے اوصاف سنیں تم ہمیں سناؤ اللہ احد. بلاتشبیہ یوں سمجھو کہ لوگ اپنے محبوب فرزند سے باتیں سنتے ہیں چوں کہ اس کی زبان کے لفظ میٹھے اور پیارے معلوم ہوتے ہیں تو بار بار کہلوا کر سنتے ہیں ۔ رب نے اپنے محبوب سے قرآن پڑھوا کر سنا ورنہ میثاق کے دن سب سے پہلے توحید کا اقرار حضور ہی نے کیا تھا ۔ یا قل سے یہ مقصود ہے کہ اے محبوب لوگوں سے کہہ دو اللہ احد لہٰذا اگر کوئی انسان آپ کی غلامی کے بغیر ہماری صفات کو جانے مانے ہرگز عارف یا موحد نہیں جب تک کہ آپ کی بتائی ہوئی توحید آپ کے دامن پاک سے لپٹ کر نہ مانے ۔ اسی لیے کلمہ طیبہ کا نام تو ہے کلمہ توحید ۔ مگر اس میں اللہ کے ذکر کے ساتھ محمد رسول اللہ بھی ہے کہ جزو اول میں توحید اور جزو دوم میں توحید سکھانے والے کا اسم پاک آ جائے کہ توحید صحیح بغیر رسالت کی دستگیری کے حاصل نہیں ہوتی ۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

تبت یدا ابی لهب میں بھی نعت شامل ہے ۔ قل هو الله احد میں تو قل فرمانے سے نعت کی شان نظر آئی اور یہاں قل نہ فرمانے سے ۔ کیوں کہ ایک بار ابولہب بن عبدالمطلب نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں کہا تھا کہ تبا لک (آپ تباہ ہو جائیں) پروردگار عالم نے اس کلمۂ ملعونہ کا بدلہ اور انتقام لیتے ہوئے خود فرمایا کہ تبت یدا ابی لهب و تب (ابولہب ہلاک ہو جائے اور وہ ہلاک ہو بھی گیا) یعنی اے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کا جواب آپ نہ دیں ہم خود جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں ۔ اب اس سے جہاں ابولہب کی گمراہی و ہلاکت وغیرہ کا ذکر ہوا ساتھ ہی ساتھ آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عزت و عظمت بارگاہ الٰہیہ میں معلوم ہو گئی کہ ان کی شان میں ادنیٰ سی بکواس کرنے والا خدائے پاک کا دشمن قرار پاتا ہے ۔

من عاد لی ولیا فقد اذنته بالحرب.

جس نے میرے دوست سے دشمنی کی میں اس کو اعلان جنگ دیتا ہوں۔ (مشکوٰۃ)

صحابہ کرام واہل بیت عظام کے مناقب، مکہ مکرمہ ومدینہ منورہ کے فضائل جو قرآن کریم میں ارشاد ہوئے وہ حقیقت میں نعت مصطفیٰ ہی ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ بادشاہ کے غلاموں کی تعریف، اس کے تخت وتاج کی مدحت درحقیقت بادشاہ کی ثنا خوانی ہے۔ کفار کی برائیاں، بت پرستوں کی مذمت بھی اسی شہنشاہ کی نعت ہے جس کی مخالفت سے یہ لوگ مردود وملعون ہوئے۔

اسی طرح آیات احکام کو دیکھیے کہ سب میں حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی نعت ظاہر ہے مثلاً قرآن میں جگہ جگہ نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا یا حج فرض فرمایا مگر کسی جگہ نہیں بتایا گیا کہ نماز کس طرح پڑھو، کس کس وقت پڑھو، کتنی کتنی رکعتیں پڑھو، اسی طرح یہ وضاحت بھی نہ فرمائی کہ زکوٰۃ کون دے، کتنے مال پر دے، کس قدر دے، حج کرو مگر حج کے تمام قاعدے نہیں بیان کیے۔ جس کی منشا یہ ہے کہ احکام ہم نے بتائے اب اگر ان احکام کی تفصیل اور طریقہ دیکھنا ہے تو ہمارے محبوب علیہ الصلاۃ والسلام کے مبارک فعل اور قول کو دیکھ لو۔ ان کی زندگیٔ پاک ہمارے سارے احکام کی مکمل تفسیر ہے اور حق تو یہ ہے کہ نماز، روزہ، حج وغیرہ محبوب علیہ الصلاۃ والسلام کی محبوب اداؤں کا نام ہے، ان کی ادائیں پیاری ہیں۔ جو بھی اخلاص سے ان کی سی ادائیں کرے گا مقبول ہوگا۔ اگر کوئی شخص رکوع سجدہ میں قرآن پڑھ لے اور قیام میں التحیات پڑھے یعنی جو ذکر الٰہی نماز میں ہوتا ہے اس کی ترتیب بدل دے نماز نہ ہوگی۔ آخر یہ کیوں؟ صرف اس لیے کہ اس نے اگرچہ سارے ارکان ادا کر دیئے اور سارے ذکر بھی کر لیے مگر اس طرح نہیں کیے جس طرح سے محبوب علیہ الصلاۃ والسلام کرتے تھے پیاری تو ان کی ادائیں ہیں نہ کہ محض تمہارے افعال، دیکھو نماز وتلاوت بزبان عربی لازم ہے کہ یہی محبوب کی زبان ہے ہمیں طوطا مینا پیاری ہیں کیوں کہ وہ ہماری سی بولی بولتے ہیں۔ اگرچہ بغیر سمجھے ہی سہی۔ تو اے مسلمانو! تم بھی اس محبوب کی بولی بولو اگرچہ بغیر سمجھے

ہوئے سبھی ثواب پاؤ گے۔اگر نماز محض درخواست ہوتی تو ہر زبان میں ادا ہو جاتی کہ رب تبارک وتعالیٰ تو ہر زبان جانتا ہے۔حج میں کیا ہے؟ کہیں ٹھہرنا، کہیں دوڑنا، کہیں کنکر پھینکنا، کہیں طواف میں گھومنا، آخر یہ کام ان تاریخوں میں عبادت کیوں بن گئے اس لیے کہ یہ اللہ والوں کے کام ہیں۔حدیث پاک میں ارشاد ہوا۔

من تشبه بقوم فهو منهم .

جو کسی قوم سے مشابہت کرے وہ اسی قوم سے ہے۔

ہماری نمازوں اور ساری عبادتوں کا یہی حال ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مشابہت اور تشبیہ نصیب ہو جائے شاید اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے ہمیں بخش دے۔ہمارے یہ سجدے سجود ان ہی مقبول سجدوں کی نقل ہیں غرض کہ احکام کی ساری آیات نعت رسول ہیں۔علیہ الصلاۃ والسلام۔

اسی طرح وہی کام گناہ ہے جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ناراض کرے۔رب تعالیٰ فرماتا ہے و الذين يؤذون رسول الله لهم عذاب اليم (جو لوگ حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایذا و تکلیف دیتے ہیں ان کے لیے دردناک عذاب ہے) لھم، کے مقدم ہونے سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف انھیں کو عذاب ہوگا جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایذا دیں۔معلوم ہوا کہ ہر کافر کے کفر اور مومنوں کے گناہ سے حضور کو ایذا ہوتی ہے۔اگر کسی عبادت سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ناراض ہیں تو وہ عبادت گناہ ہے اور اگر کسی خطا سے حضور راضی ہوں تو وہ خطا عین عبادت ہے۔حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا غار ثور میں سانپ سے اپنے کو کٹوا لینا خودکشی نہیں عین عبادت ہے۔ابو امیہ ضمری کا بہ مجبوری کلمہ کفر منھ سے نکال دینا کفر نہیں۔خیبر میں حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کا نماز عصر قضا کر دینا گناہ نہیں بلکہ عبادت تھا کہ ان چیزوں سے حضور مختار کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم راضی تھے۔مگر فاطمہ زہراء

رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی موجودگی میں حضرت علی کے لیے دوسرا نکاح گناہ تھا کہ اس سے حضور کو ایذا پہنچتی۔

عرفات میں نماز مغرب قضا کرنا عبادت ہے کہ اس سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم راضی ہیں۔

(شان حبیب الرحمٰن)

سرور کونین ﷺ کے فضائل و کمالات

احادیث کی روشنی میں

لیکن رضا نے ختم سخن اس پہ کر دیا
خالق کا بندہ، خلق کا آقا کہوں تجھے

اعطیت خمسا لم یعطهن احد من قبلی

مجھے پانچ چیزیں وہ دی گئیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں ملیں۔

(الحدیث)

سرورکونین ﷺ کے فضائل وکمالات

خاندانی شرافت

عن واثلة بن اسقع رضی الله تعالیٰ عنه قال قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم ان الله اصطفی من ولد ابراهیم اسمٰعیل ، و اصطفی من ولد اسمٰعیل بنی کنانة و اصطفی من بنی کنانة قریشا و اصطفی من قریش بنی هاشم و اصطفانی من بنی هاشم .

حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے اولادابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام سے حضرت اسماعیل کو چن لیا پھر حضرت اسماعیل علیہ الصلاۃ والسلام کی اولاد سے بنی کنانہ کومنتخب فرمایا اور بنی کنانہ کی اولاد سے قبیلۂ قریش کو فضیلت بخشی اورقبیلہ قریش سے خاندان بنوہاشم کوممتاز کیااورخاندان بنوہاشم سے مجھے چن لیا۔

(مسلم وترمذی)

عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قالت قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم اتانی جبریل فقال قلبت مشارق الارض و مغاربها فلم ار رجلا افضل من محمد صلی الله تعالیٰ علیه وسلم و لم ار بنی اب افضل من بنی هاشم .

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ سرورعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا ایک روز جبریل علیہ السلام میرے پاس حاضر ہوئے اورعرض کی کہ میں نے زمین کے مشارق ومغارب کو چھان مارا ہے لیکن میں نے کوئی ایسا مردنہیں دیکھا کہ جومحمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے افضل ہواور نہ کوئی خاندان

دیکھا ہے جو خاندان بنو ہاشم سے ارفع واعلیٰ ہو۔ (طبرانی، ابونعیم، بیہقی)

اولادِ آدم میں سب سے مکرم

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انا اکرم ولد آدم علی ربی و لا فخر .

آدم علیہ الصلاۃ والسلام کی تمام ذریت سے میں اپنے رب کے نزدیک معزز ومکرم ہوں میں یہ بات فخر ومباہات کے لیے نہیں کہہ رہا بلکہ اظہار حقیقت کر رہا ہوں۔ (ترمذی)

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انا اکرم الاولین و الآخرین و لا فخر .

میں تمام پہلے گزرے ہوئے انسانوں سے اور بعد میں آنے والے انسانوں سے بارگاہ الٰہی میں زیادہ معزز ومکرم ہوں میرا یہ قول ازراہ فخر ومباہات نہیں بلکہ یہ اظہار حقیقت ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ شب معراج نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں سواری کے لیے براق پیش کیا گیا تو اس نے شوخی دکھانا شروع کی جبریل امین نے اسے جھڑک کر کہا کیا اللہ کے محبوب محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے شوخی دکھا رہے ہو۔ آج تک تیری پشت پر کوئی ایسا آدمی سوار نہیں ہوا جو بارگاہ ایزدی میں ان سے زیادہ معزز ومحترم ہو۔ جبریل کی اس سرزنش پر براق کو پسینہ آ گیا۔

خزائن ارض کی کنجیاں حضور کے قبضے میں

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

قال نصرت بالرعب و اوتيت جوامع الكلم و بينما انا نائم اذ جئ بمفاتيح خزائن الارض ووضعت في يدي و ختم بي النبيون .

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رعب سے میری مدد کی گئی ہے، مجھے جوامع الکلم عطا فرمائے گئے ہیں اور اس وقت جب کہ میں سویا ہوا تھا زمین کے خزانوں کی کنجیاں لائی گئیں اور میرے ہاتھوں میں رکھ دی گئیں اور میری ذات پر اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کی بعثت کا سلسلہ ختم کر دیا۔ (مسلم)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اے میرے امتیو! میں تمھارا پیش رو ہوں اور میں تم پر گواہی دینے والا ہوں اور بلا شبہ زمین کے خزانوں کی کنجیاں مجھے عطا فرما دی گئی ہیں۔ (شفاء شریف)

حضور پر مخصوص انعامات الٰہیہ

ابن وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ اے میرے محبوب مجھ سے مانگو میں نے عرض کی اے میرے پروردگار! میں تجھ سے کیا مانگوں تو نے حضرت ابراہیم کو اپنا خلیل بنایا، موسیٰ سے بلا واسطہ کلام کیا، نوح کو چن لیا، سلیمان علیہم الصلاۃ والسلام کو وہ ملک عظیم عطا کیا جو آپ کے بعد کسی کو نہیں دیا جائے گا۔ اپنے حبیب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ جواب سن کر اللہ جل مجدہ نے فرمایا اے میرے حبیب! جو میں نے آپ کو عطا فرمایا ہے وہ ان تمام انعامات سے اعلیٰ وافضل ہے۔ میں نے آپ کو کوثر عطا فرمایا، میں نے آپ کے نام کو اپنے نام کے ساتھ ملایا ہے جو ہر اذان وشہادت کے وقت فضا میں گونجتا رہتا ہے اور میں نے زمین کو آپ کے لیے بنایا ہے اور آپ کی امت کے لیے زمین کو طہارت کا سبب قرار دیا ہے اور آپ پر جو الزامات

ہجرت سے پہلے اور ہجرت کے بعد لگائے گئے میں نے ان سب سے آپ کے دامن کو پاک کر دیا ہے۔ آپ لوگوں میں اس حالت میں چلتے ہیں کہ آپ مغفور ہیں اور یہ مہربانی آپ سے پہلے میں نے کسی کے ساتھ نہیں کی اور میں نے آپ کے امتیوں کے دلوں کو قرآن کریم کا حامل بنا دیا ہے اور میں نے مقام شفاعت آپ کے لیے مخصوص کر رکھا ہے حالاں کہ میں نے آپ کے بغیر کسی نبی کو یہ شان عطا نہیں فرمائی۔

(شفاء شریف)

اس حدیث پاک میں اس امر کی وضاحت کی گئی ہے کہ اگر چہ حضور کی آمد سے پہلے اولوالعزم رسولوں کو مقام رفیعہ پر فائز کیا گیا لیکن جو شانیں اور عظمتیں آپ کے رب نے آپ کو عطا فرمائی ہیں وہ تمام سابقہ انعامات سے اعلیٰ وارفع ہیں۔

دعائے ابراہیم ونوید عیسیٰ

عن العرباض بن سارية رضى الله تعالىٰ عنه سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول ابى عبد الله و خاتم النبيين و ان آدم لمنجدل فى طينته انا دعوة ابى ابراهيم و بشارة عيسىٰ بن مريم عليهم الصلاة و السلام .

حضرت عرباض بن سار یہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا میں اللہ کا بندہ ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں، میں اس وقت خاتم النبیین تھا جب کہ آدم علیہ الصلاۃ والسلام آب وگل کی منزلیں طے کر رہے تھے۔ میں وہ دعا ہوں جو میرے باپ ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے اللہ سے کی تھی میں وہ مژدہ ہوں جو حضرت عیسیٰ بن مریم نے نوع انسانی کو سنایا تھا۔

ساقِ عرش پر حضور کا اسم مبارک

قال آدم لما خلقتني رفعت راسي الى عرشک فاذا فيه مكتوب لا اله الا الله محمد رسول الله فعلمت انه ليس احد اعظم قدرا عندک ممن جعلت اسمه مع اسمک .

حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام نے عرض کی اے میرے پروردگار جب تو نے مجھے پیدا فرمایا اور میں نے سر اٹھا کر تیرے عرش کی طرف دیکھا تو وہاں یہ لکھا ہوا پایا لا اله الا الله محمد رسول الله پس میں نے جان لیا کہ یہ ہستی جس کے نام کو تو نے اپنے نام کے ساتھ یکجا لکھا ہے اس کی قدر و منزلت تیری بارگاہ میں بہت بڑی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو یہ وحی کی :

و عزتي و جلالي انه لاخر النبيين من ذريتک و لو لاہ ما خلقتک .

مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم تیری اولاد میں یہی ہستی خاتم النبیین ہے اور اگر یہ نہ ہوتے تو اے آدم میں تجھے بھی پیدا نہ کرتا۔

سراپائے اقدس

ہر خوبی اور ہر کمال جس کا تعلق جسم سے ہو یا روح سے، ظاہر سے ہو یا باطن سے، دنیا سے ہو یا آخرت سے، فکر سے ہو یا عمل سے، فرد واحد سے ہو یا ساری قوم سے، زمانۂ ماضی سے ہو یا حال و مستقبل سے، کسی کی جد و جہد کا نتیجہ ہو یا محض عطاء الٰہی ہو۔ یہ گوناگوں خوبیاں اور بوقلموں کمالات اپنی جملہ رعنائیوں اور دلفریبیوں کے ساتھ ذات پاک سید الانبیاء محمد مصطفیٰ علیہ وعلیٰ آلہ اطیب التحیۃ والثناء میں

بعطائے الٰہی اپنی اکمل ترین صورت میں پائے جاتے ہیں۔ جلال و جمال محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تذکرہ ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا بحرِ بیکراں ہے جس کا احاطہ انس و ملک میں سے کسی کے بس کا روگ نہیں۔

متعدد صحابۂ کرام نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حلیۂ مقدس بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:

من انه صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان ازھر اللون	حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا رنگ مبارک سرخ و سپید تھا۔
ادعج	چشم مازاغ بڑی بڑی تھیں ان کا سفید حصہ بہت سفید اور سیاہ حصہ بہت سیاہ تھا۔
انجل	چشم ہائے مبارک بڑی تھیں۔
اشکل	آنکھ کے سفید حصہ میں سرخ ڈورے تھے۔
اھدب الاشفار	مژگان مبارک لمبی تھیں۔
ابلج ازج	ابروؤں کا درمیانی حصہ بالوں سے صاف تھا ابرو کمان کی طرح خمیدہ اور لمبے تھے۔
اقنی	ناک مبارک اونچی اور پتلی تھی۔
افلج	دندان مبارک پیوستہ نہ تھے درمیان میں تھوڑا سا فاصلہ تھا۔
مدور الوجہ	رخ انور گول تھا۔

واسع الجبين	پیشانی مبارک فراخ تھی۔
كث اللحية	ریش پرنور گھنی تھی۔
تملأ صدره	جو سینہ مبارک پر پھیلی ہوئی تھی۔
سواء البطن و الصدر	شکم مبارک اور سینہ مبارک ہموار تھے۔
واسع الصدر	صدر پرنور کشادہ تھا۔
عظيم المنكبين	کندھے بڑے بڑے تھے۔
ضخم العظام	جسم کی ہڈیاں بھاری بھرکم تھیں۔
عبل العضدين و الذراعين و الاسافل	کہنیوں سے کندھوں تک اور دونوں کلائیاں اور پنڈلیاں بہت مضبوط اور طاقتور تھیں۔
رحب الكفين و القدمين	ہاتھوں کی دونوں ہتھیلیاں اور دونوں مبارک پاؤں کشادہ تھے۔
سائل الاطراف	انگشت مبارک ہموار تھیں۔
انور المتجرد	جسم مبارک نورانی تھا۔
دقيق المسربة	سینہ کے بالوں کی وہ لکیر جو سینہ کی ہڈی سے ناف تک چلی جاتی ہے وہ پتلی تھی۔
ربعة القد	قامت زیبا درمیانہ تھی۔

لیس بالطویل البائن — حضور زیادہ دراز قامت نہ تھے اور نہ از حد پست قامت۔

و لا بالقصیر المتردد — بایں ہمہ اگر کوئی دراز قامت انسان سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ چلتا تھا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس سے اونچے دکھائی دیتے تھے۔

و مع ذلک لم یکن یما شیہ احد ینسب الی الطول الاطال .

رجل الشعر — گیسوئے مبارک زیادہ گھنگھریالے نہ تھے۔

اذا افتر ضاحکا — جب حضور ہنستے تو دندان مبارک یوں چمکتے تھے۔

افترعن مثل سنا البرق — جس طرح بجلی کی چمک یا ژالہ باری کے وقت

و عن مثل حب الغمام — گرنے والے دانے۔

اذا تکلمرنی کالنور یخرج من ثنایاہ — جب حضور گفتگو فرماتے تو یوں معلوم ہوتا تھا کہ دندان مبارک سے نور نکل رہا ہے۔

احسن الناس عنقا — حضور کی گردن مبارک تمام لوگوں کی گردنوں سے زیادہ خوبصورت تھی۔

لیس بمِطھم و لا مکلثم — حضور کا جسم اطہر نہ زیادہ فربہ تھا اور نہ لاغر۔

متماسک البدن — بدن مبارک مضبوط اور بھرا ہوا تھا۔

ضرب اللحم — جسم پر گوشت زیادہ نہ تھا۔

(شفا شریف)

جسم اطہر کی نظافت و پاکیزگی

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم مبارک کو اتنا لطیف اور نفیس بنایا تھا کہ گرد و غبار کی وہاں گنجائش ہی نہ تھی، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خود بڑے نظافت پسند تھے اور اپنے غلاموں کو بھی اپنے جسم ولباس کو صاف رکھنے کی ہدایت فرمایا کرتے تھے۔ آپ کا ارشاد گرامی ہے :

بنى الدين على النظافة

دین اسلام کی بنیاد نظافت پر ہے۔

خادم خاص بارگاہ نبوت حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

ما شممت عنبرا قط و لا مسكا و لا شيئا اطيب من ريح رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم .

میں نے کبھی کوئی عنبر کوئی مشک یا کوئی اور چیز ایسی نہیں سونگھی جس کی مہک شاہ خوباں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مہک سے زیادہ خوشبودار ہو۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے محبوب کی اس روح پرور ادا کو یوں بیان فرماتے ہیں:

کہ ایک روز سرور انبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک میرے رخسار پر پھیرا تو حضور کے دست مبارک کی خنکی اور مہک میں نے محسوس کی تو یوں معلوم ہوا کہ جیسے عطار کی صندوقچی سے یہ دست مبارک ابھی ابھی نکالا تھا۔

فہم وذکاء

ہادیٔ انس و جاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جس قوم کی ہدایت و رہنمائی کے لیے مبعوث فرمایا گیا

وہ حلم و بردباری کے نام سے بھی واقف نہ تھی چھوٹی چھوٹی باتوں پر تلواریں بے نیام ہو جاتیں، خون کے دریا بہنے لگتے اور کشتوں کے پشتے لگ جاتے اور قتل و غارت کا یہ سلسلہ ختم ہونے کا نام نہ لیتا ایسی تیز مزاج قوم کو حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حلم و بردباری کا علمبردار بنا دیا۔ نیز وہ قوم جو اخلاقی لحاظ سے پستی کی انتہا میں گر چکی تھی، فسق و فجور کی دلدل میں تا بدوش غرق تھی، پیشہ ور عورتیں اپنے گھروں پر جھنڈے نصب کر کے لوگوں کو دعوت گناہ دے رہی ہوتی تھیں، بڑے بڑے شرفاء وہاں جا کر اپنا منہ کالا کرتے لیکن نہ ان کو کسی سے شرم محسوس ہوتی اور نہ انھیں کوئی برا بھلا کہتا۔ وہ قوم شراب جس کی گھٹی میں تھی، وہ قوم جو گاڑھے پسینے کی کمائی ہوئی دولت کو شراب خوری اور قمار بازی میں پانی کی طرح بہا دینے کی عادی تھی اور اس کو وہ باعث عزت و افتخار سمجھتی تھی، ایسی قوم کو انتہائی دانش مندی سے رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قعر مذلت سے نکالا اور عفت و پاک دامنی کا خوگر بنایا، وہ جو کسی کی اطاعت کے لیے تیار نہیں تھی، جس کی انانیت کسی قانون اور دستور کی پابند نہ تھی، جن کے ہاں لوٹ مار اور ڈاکہ زنی کوئی عیب شمار نہ ہوتا تھا اس قوم کو سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے حکیمانہ کلمات اور دل نشیں مواعظ سے جس طرح قانون و آئین کی پابندی کا خوگر بنا دیا وہ آپ ہی کا حصہ ہے۔ وہ قوم جو متعدد قبائل میں بٹی ہوئی تھی، ایک دوسرے کی جان و مال کو نقصان پہنچانا ہر طاقتور اپنا حق سمجھتا تھا۔ ان بکھرے ہوئے قبائل کو خدا کے مقدس رسول نے سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح یک جان کیا اور عدل و انصاف کے ضابطوں کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کا عادی بنا دیا۔ یہ ہمہ پہلو انقلاب جو عرب کے اجڈ بدوؤں میں برپا ہوا۔ یہ سب امور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دانش و خردمندی کی ناقابل تردید دلیلیں ہیں۔ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی قوم کے ظاہر کو ہی نہیں بدلا بلکہ اس کے باطن کو بھی صدق و صفا، عفت و تقویٰ، تواضع و انکسار اور جذبۂ اطاعت امیر سے مزین کر دیا۔ جب سے اولاد آدم علیہ السلام اس کرۂ ارضی پر آباد ہوئی ہے اس وقت سے لے کر آج تک کوئی فاتح عالم، کوئی سلطان ہفت اقلیم، کوئی

سیاسی مدبر، ایسا جامع انقلاب برپا نہ کر سکا جس طرح اللہ کے حبیب محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قلیل ترین وقت میں برپا کیا۔

حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی عقل کی برتری ثابت کرنے کے لیے اس سے بڑھ کر اور کسی دلیل کی ضرورت نہیں کہ سرورِ انبیاء علیہ الصلاۃ والسلام نے بڑے حکیمانہ انداز سے ہر قسم کے لوگوں کو اسلام کے سانچے میں اس طرح ڈھالا کہ ان کے مزاج اور ان کی فطرت و عادت بدل کر رکھ دی۔

اسی لیے وہب بن منبہ سے مروی ہے کہ آپ نے کہا کہ میں نے اکہتر کتابوں کا دقتِ نظر سے مطالعہ کیا ہے اور ان کتب کے جملہ مصنفین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ :

ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارجح الناس عقلاً و افضلھم رایاً.

یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عقل و دانش کے لحاظ سے تمام لوگوں سے برتر تھے ہر معاملہ میں حضور کی رائے تمام لوگوں کی آراء سے افضل تھی۔

انھیں وہب سے یہ روایت بھی منقول ہے :

ابتدائے آفرینش سے لے کر قیامِ قیامت تک اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو جو فہم و فراست عطا فرمائی ہے، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عقل و رائے کے سامنے اس کی حیثیت اتنی بھی نہ تھی جتنی ریت کے ایک ذرہ کی دنیا کے تمام ریگستانوں سے ہوتی ہے۔

سبل الہدیٰ کے مصنف کا یہ قول بھی آپ کی توجہ کا مستحق ہے۔

اگر عقل و خرد کے سو اجزاء تصور کیے جائیں تو ان میں سے ننانوے حصے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ارزانی فرمائے اور ایک حصہ ساری مخلوق کو عطا فرمایا۔

فصاحت و بلاغت

اہل عرب فصاحت و بلاغت میں تمام اقوام عالم سے برتر اور افضل تھے انھیں اپنے اس وصف پر اتنا ناز تھا کہ وہ اپنے سوا تمام اقوام عالم کو عجمی (گونگا) کہتے تھے ان فصحاء و بلغاء میں بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان فصاحت عدیم المثال تھی۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان فصاحت کا کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا تھا حضور کے کلام میں انتہا درجہ کی سلاست و روانی تھی، یوں معلوم ہوتا کہ کلمات نور کے سانچے میں ڈھل کر زبان اقدس سے ادا ہو رہے ہیں۔ جو بات زبان مبارک سے نکلتی وہ ہر عیب سے پاک ہوتی۔ اس میں تکلف کا شائبہ تک نہ ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جوامع الکلم سے نوازا تھا یعنی الفاظ قلیل ہوتے لیکن لطائف و معانی کا ایک سمندر ان میں موجزن ہوتا تھا حضور کی زبان مبارک سے ایسے حکیمانہ جملے صادر ہوتے جو حکمت و دانائی میں اپنی مثال نہیں رکھتے تھے۔

عرب کے مختلف خطوں میں جو عربی بولی جاتی تھی اس میں بڑا تفاوت ہوتا تھا سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وطن مبارک اگر چہ حجاز تھا لیکن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حجاز کی لغت میں بھی جب گفتگو فرماتے تو فصاحت و بلاغت کے چمن آباد ہو جاتے۔ اور عرب کے دیگر علاقوں کی علاقائی زبان میں اس سلاست و قادر الکلامی سے گفتگو فرماتے کہ سننے والے حیران ہو جاتے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب بھی کسی کو مخاطب فرماتے تو اس کی علاقائی زبان میں خطاب فرماتے، اسی زبان کے محاورے استعمال فرماتے، ان ہی کی شان فصاحت کا مقابلہ کرتے یہاں تک کہ صحابہ کرام جب کسی دوسرے علاقہ کی زبان میں حضور کو گفتگو کرتے سنتے تو کئی الفاظ کی تشریح و وضاحت کے لیے اپنے آقا کی طرف رجوع کرتے۔

جب عرب کی ان علاقائی زبانوں میں جو متداول نہ تھیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی فصاحت و بلاغت کا سمندر یوں ٹھاٹھیں مار رہا ہوتا کہ پڑھنے اور سننے والے سمجھے بغیر ان کی فصاحت و جزالت سے لطف اندوز ہوتے تو روزمرہ کی زبان میں جو شیرینی اور دلکشی ہوگی اس کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔

کئی ادباء نے سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جوامع الکلم اور حکیمانہ اقوال کے مجموعے تالیف کیے ہیں جو عربی زبان کا طرۂ امتیاز ہیں اور اہل عرب کے لیے فخر ومباہات کا باعث ہیں۔ جوامع الکلم اور اقوال حکمت کے چند نمونے ملاحظہ فرمائیں۔

ارشاد نبوی ہے :

(۱) **المسلمون تتکافأ دماء هم**

تمام مسلمانوں کا خون مساوی ہے۔
یعنی قصاص و دیت میں کسی شخص کو اس کی ثروت اور اس کے خاندان کے پیش نظر ترجیح نہیں دی جائے گی بلکہ سب کا قصاص یکساں ہوگا۔

(۲) **یسعی بذمتهم ادناهم .**

اگر کوئی کم درجے والا مسلمان کسی قوم کو امان دے گا یا عہد کرے گا تو سب مسلمانوں پر اس کی پابندی لازمی ہوگی۔

(۳) **و هم ید علی من سواهم .**

تمام مسلمان دشمن کے مقابلے میں یکجان ہوں گے۔

(۴) **الناس کاسنان المشط.**

تمام انسان اس طرح برابر ہیں جس طرح کنگھی کے دندانے۔

(۵) **المرء مع من احب**

ہر انسان کو اس کی معیت حاصل ہوگی جس کے ساتھ وہ محبت کرتا ہے۔

(٦) لا خير في صحبة من لا يرى لك ما ترى له .

اس شخص کی ہم نشینی میں کوئی فائدہ نہیں کہ تو اس کے بارے میں خیر کی تمنا کرے اور وہ تمھیں زک پہنچانے کے منصوبے بناتا رہے۔

(٧) الناس معادن.

لوگوں کے مزاج مختلف قسم کے ہوتے ہیں۔ جس طرح زمین میں مختلف قسم کی معدنیات ہوتی ہیں۔

(٨) و ما هلك امرء عرف قدره .

جو اپنی قدر کو پہچانتا ہے وہ ہلاک نہیں ہوتا۔

(٩) المستشار موتمن و هو بالخيار ما لم يتكلم .

جس سے مشورہ لیا جائے وہ امین ہے جب تک وہ اپنی رائے کا اظہار نہ کرے بلکہ خاموش رہے اسے اختیار ہے کہ وہ مشورہ دے یا نہ دے۔

(١٠) رحم الله عبدا قال خيرا فغنم اوسكت فسلم .

اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جو اچھی بات زبان سے نکالتا ہے اور اس سے فائدہ پہنچتا ہے۔ یا سکوت اختیار کرتا ہے اور تمام لوگوں کی ایذا رسانی سے محفوظ رہتا ہے۔

حضور کی شرم وحیا

شرم وحیا اور پردہ پوشی میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام انسانوں سے ارفع واعلیٰ تھے کسی شخص کو اگر کوئی ناپسندیدہ حرکت کرتے دیکھتے تو اس کی طرف سے ازراہ تغافل آنکھیں پھیر لیتے۔

ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ روایت منقول ہے :

كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم اشد حياء من العذراء في خدرها.

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک پردہ نشین کنواری سے بھی زیادہ حیادار اور شرمیلے تھے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کوئی فحش بات اپنی زبان پر نہ لاتے تھے اور نہ بازاروں میں شور مچاتے تھے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے تھے بلکہ عفو و درگزر سے کام لیتے تھے۔

حضور کی شان تواضع

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جن ارفع و اعلیٰ مقامات پر فائز کیا وہ کسی پر مخفی نہیں۔ بارگاہ رب العزت میں اتنا بلند مرتبہ پالینے کے باوجود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے قول و فعل میں ہمیشہ عجز و انکسار کا اظہار فرمایا کرتے تھے۔

ایک روز سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف فرما تھے خدمت اقدس میں حضرت جبریل امین حاضر تھے کہ اچانک آسمان ایک کنارے سے پھٹا، اچانک ایک فرشتہ کو دیکھا کہ وہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہے وہ حضرت اسرافیل علیہ السلام تھے جو نہ اس سے پہلے کبھی کسی نبی پر نازل ہوئے اور نہ آج کے بعد کبھی وہ آسمان سے اتریں گے انھوں نے عرض کی :

یارسول اللہ آپ پر سلام ہو اور آپ کا پروردگار بھی آپ کو سلام فرماتا ہے میں آپ کے رب کی طرف سے آپ کی خدمت میں بحیثیت قاصد حاضر ہوا ہوں۔ میرے اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں آپ کو اختیار دوں چاہے تو آپ ایسے نبی بنیں جو عبد ہے اور چاہے تو آپ ایسے نبی بنیں جو بادشاہ ہے۔ جبریل علیہ السلام پہلے ہی حاضر خدمت تھے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مشورہ طلب کرتے ہوئے ان کی طرف

نگاہ فرمائی انھوں نے تواضع اختیار کرنے کے بارے میں عرض کی ،حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت اسرافیل کو فرمایا بل نبیا عبدا میں ایسا نبی بننا چاہتا ہوں جو اپنے خالق و مالک کا بندہ ہو اور اے عائشہ اگر میں ایسا نبی بننا پسند کرتا جو بادشاہ ہو تو یہ پہاڑ سونا بن کر میرے ہمراہ ہوتے ۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں کوئی ایسی خو نہ تھی جو متکبروں اور مغروروں کا شیوہ ہوا کرتی ہے ۔ جو شخص بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعوت کرتا وہ سرخ رنگ کا ہو یا سیاہ ،حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کی دعوت قبول فرماتے ، زمین پر گری ہوئی کھجور پاتے تو اسے اٹھا لیتے ۔حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایسے گدھے پر سواری کرنے کو عار محسوس نہ کرتے جس کی پیٹھ پر کوئی کپڑا نہ ڈالا گیا ہو ۔

حجۃ الوداع کے موقع پر جب کہ جزیرۂ عرب کے دور دراز گوشوں سے شمع جمال محمدی کے پروانے اپنے آقا کی زیارت اور حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قیادت میں حج ادا کرنے جمع ہو گئے تھے اس وقت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جس اونٹ پر سوار تھے اس کا جو کجاوہ تھا وہ پرانا اور بوسیدہ تھا اور جو چادر اس پر ڈالی ہوئی تھی اس کی قیمت صرف چار درہم تھی ، اس عجز و انکسار کے ساتھ ساتھ حضور علیہ الصلاۃ و السلام سراپا عجز و نیاز بن کر اپنے مولائے کریم کی بارگاہ میں عرض کر رہے تھے :

اللهم حجة مبرورة لا رياء و لا سمعة .

اے اللہ اس حج کو حج مبرور بنا جس میں کوئی ریاکاری اور شہرت کی خواہش نہ ہو ۔

سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن جب فاتحانہ جاہ و جلال سے مکہ میں داخل ہوئے تو سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی گردن جھکائی ہوئی تھی ،حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ریش مبارک پالان کے سامنے والی لکڑیوں کو چھو رہی تھی اور چشم ہائے مبارک سے از راہ تواضع اشک رواں تھے ۔

امام احمد بن حنبل سے مروی ہے کہ سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب گھر تشریف لاتے تو بے کار

وخالی نہ رہتے اگر کوئی کپڑا پھٹا ہوتا تو اسے سیتے ، اپنے جوتے کی مرمت فرماتے ، کنوئیں سے ڈول نکالتے اور اس کی مرمت کرتے ، اپنی بکری خود دوہتے ، اپنے ذاتی کام خود انجام دیتے ، کبھی کبھی کاشانۂ اقدس کی صفائی بھی فرماتے ، اپنے اونٹ کے گھٹنے باندھتے ، اپنی اونٹنی کو چارہ ڈالتے ، خادم کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتے ، حضرت عائشہ کے ساتھ آٹا گوندھتے ، بازار سے اپنا سودا سلف خود اٹھا لاتے ۔

یہ سارے کام اس لیے کرتے تا کہ اپنے صحابہ کو تواضع وانکسار کا طریقہ سکھائیں اور تکبر وغرور سے باز رہنے کی تلقین کریں ۔

وفائے عہد

عبداللہ بن ابی الحمساء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کوئی چیز فروخت کی لیکن جو چیز میں نے فروخت کی وہ ساری کی ساری اس وقت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش نہ کر سکا اس کا کچھ حصہ باقی رہ گیا میں نے وعدہ کیا کہ حضور یہاں ٹھہریں میں ابھی بقیہ لے کر حاضر ہوتا ہوں ، میں چلا گیا ، میں یہ بات بھول گیا اور دیگر کاموں میں مصروف ہو گیا ، تین دن کے بعد مجھے اچانک یاد آیا کہ میں تو آپ کے ساتھ وعدہ کر آیا ہوں کہ میں بقیہ چیز آپ کو لا کر دیتا ہوں آپ میرا انتظار کریں ۔ جب میں وہ چیز لے کر وہاں پہنچا تو رحمت دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اسی جگہ پر تشریف فرما تھے جہاں میں حضور کو چھوڑ کر گیا تھا ۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کسی ناراضگی اور غضب کا اظہار نہیں کیا بلکہ اپنے من موہنے انداز میں اتنا فرمایا :

یا فتی لقد شققت علی وانا ھھنا منذ ثلث انتظرک ۔

اے نوجوان ! تو نے مجھے بڑی تکلیف پہنچائی ہے میں تین دن سے یہاں تمھارے انتظار میں بیٹھا ہوں ۔

صلہ رحمی

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ بارگاہ نبوت میں جب کوئی شخص ہدیہ پیش کرتا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے کہ یہ فلاں خاتون کو پہنچا دو کیوں کہ وہ میری رفیقۂ حیات خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سہیلی تھی، وہ حضرت خدیجہ سے محبت کرتی تھی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے آپ فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب کوئی بکری ذبح کرتے تو اس کا گوشت ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سہیلیوں کی طرف بھیجا کرتے، ایک دفعہ آپ کی بہن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ملاقات کے لیے آئی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خوشی سے ان سے گفتگو کی اور ان کی بات سنی۔

ایک دن ایک خاتون حاضر خدمت ہوئی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کی آمد پر بڑی مسرت کا اظہار کیا اور اس کے حالات احسن طریقے سے دریافت کیے، وہ چلی گئی تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا یہ وہ خاتون ہے کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے زمانہ میں اکثر حاضر ہوتی تھی۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں :

ان حسن العهد من الايمان

پرانے تعلقات کو ملحوظ رکھنا اور جو تم سے محبت کرے اس کا خیال رکھنا اور جو تیرے محبت کرنے والے سے محبت کرے اس کا خیال رکھنا ایمان کا حصہ ہے۔

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ نجاشی کی طرف سے ایک وفد آیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بہ نفس نفیس ان کی مہمان داری اور خاطر مدارات کا انتظام کرنے لگے۔ صحابہ کرام نے عرض کی یا رسول اللہ ہم حاضر ہیں، ہم ان کی خاطر مدارات میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھیں گے حضور خود کیوں

تکلیف فرماتے ہیں اس پر آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

انھم کانوا لاصحابنا مکرمین و انی احب ان اکافئھم

میرے صحابہ جب وہاں گئے تو ان لوگوں نے ان کی بڑی عزت کی میں چاہتا ہوں کہ میں ان کو اس خاطر مدارات کا خود صلہ دوں۔

حضور کی صداقت و امانت اور عفت و پاک دامنی

امانت، عفت، سچائی اور عدل، محبوب رب العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وہ صفات تھیں کہ وہ دشمن جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خون کے پیاسے تھے، اسلام کے نام و نشان مٹانے کے لیے اپنی جان کی بازی لگانے کے لیے مستعد رہتے تھے ایسے دشمن بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ان صفات کا انکار نہیں کر سکتے تھے بلکہ وہ تسلیم کرتے تھے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے زیادہ سچا و امین اور کوئی نہیں ہے۔

نبوت کے اعلان سے پہلے ہی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم امین اور صادق کے القاب سے اپنے معاشرہ میں معروف و مشہور تھے، جب کعبہ شریف کی پہلی عمارت پے در پے سیلابوں سے شکستہ ہوگئی تو اہل مکہ نے کعبہ کو از سر نو تعمیر کرنے کا پروگرام بنایا، جب اس کی بنیادیں وہاں تک پہنچ گئیں جہاں حجر اسود کو رکھنا تھا تو اس شرف کو حاصل کرنے کے لیے ہر قبیلہ یہ چاہتا تھا کہ یہ شرف اسے حاصل ہو، اس کشمکش نے یہ سنگین صورت اختیار کر لی کہ قریب تھا کہ خوں ریز جنگ شروع ہو جائے اور کشتوں کے پشتے لگ جائیں، کسی صاحب نے کہا کہ اس بات پر ایک دوسرے کا خون بہانے کی بجائے تم اپنے میں کوئی ثالث چن لو جو اس کے بارے میں تمھارے اس جھگڑے کا فیصلہ کرے۔ سب نے اس تجویز سے اتفاق کیا اور طے یہ پایا کہ کل صبح جو سب سے پہلے حرم شریف میں داخل ہو وہ ہمارا ثالث ہوگا جو فیصلہ وہ کرے گا ہم تمام قبائل دل و جان

سے اس کو قبول کرلیں گے۔ چنانچہ دوسرے دن لوگ اس انتظار میں تھے کہ دیکھئے کون شخص سب سے پہلے حرم شریف میں داخل ہوتا ہے۔ جب صبح ہوئی تو کیا دیکھتے ہیں کہ اللہ کا محبوب محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وہ پہلے شخص ہیں جو حرم شریف میں داخل ہوئے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھ کر سب کے دل مطمئن ہو گئے اور خوشی سے وہ یہ کہنے لگے:

هذا محمد الامين قد رضينا به (الشفاء)

یہ محمد مصطفیٰ ہیں جو امین ہیں ہم اپنی رضامندی سے ان کو اپنا ثالث تسلیم کرتے ہیں۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

رحمت دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اگر چاہتے تو حجر اسود کو خود اٹھا کر اس کے مقام پر رکھ دیتے اور سارا شرف خود حاصل کرتے لیکن جس ہستی کو اللہ تعالیٰ نے سراپا رحمت بنا کر مبعوث فرمایا تھا وہ ایسا کام کرنے کے لیے تیار نہیں تھی جس سے سارا شرف آپ کو حاصل ہو اور باقی سارے قبیلے اس سے محروم رہ جائیں۔ رحمت للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس طرح اس کام کو انجام دیا کہ اپنے بیگانے سب لوگ مطمئن بھی ہو گئے اور خوش بھی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی چادر مبارک بچھائی، حجر اسود کو اٹھایا اور اس کو چادر مبارک میں رکھ دیا پھر تمام قبائل کے رئیسوں کو بلایا سب کو کہا اس چادر کو پکڑ لیں اور حجر اسود کو اٹھا کر دیوار کے پاس لے جائیں چنانچہ سب نے اس چادر کو اٹھایا، جب حجر اسود کو لے کر اس جگہ پہنچے جہاں اسے رکھنا تھا تو وہاں خود سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے اس پتھر کو اٹھا کر اس جگہ پر رکھ دیا۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اس تدبیر سے اہل مکہ قتل و غارت سے بھی بچ گئے اور ہر ایک کو حجر اسود کو کعبہ شریف میں رکھنے کا شرف بھی حاصل ہو گیا۔

سرکار دوعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اپنے بارے میں خود فرمایا کرتے :

و اللہ انی لامین فی السماء امین فی الارض .

یعنی آسمان کے مکین بھی مجھے امین جانتے ہیں اور زمین کے بسنے والے بھی مجھے امین تسلیم کرتے ہیں۔ (شفا شریف)

ابوجہل جیسا دشمن حق بھی حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی صداقت کو تسلیم کرتا تھا۔ سیدنا علی مرتضی کرم اللہ تعالٰی وجہہ سے مروی ہے کہ ایک روز ابوجہل حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا۔

انا لا نکذب و لکن نکذب ما جئت به .

ہم آپ کو نہیں جھٹلاتے ہم تو اس دین کو جھٹلاتے ہیں جو آپ لے کر آئے ہیں۔

اللہ تعالٰی نے اس کی تصدیق کرتے ہوئے یہ آیت نازل فرمائی (شفا شریف)

فانھم لا یکذبونک و لکن الظلمین بایت اللہ یجحدون .

وہ آپ کی تکذیب نہیں کرتے لیکن یہ ظالم لوگ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔

(انعام ۳۳)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا حضور کی عفت و پاک دامنی کی گواہی دیتے ہوئے فرماتی ہیں۔

ما لمست یدہ ید امراۃ قط لا یملک رقھا.

میرے آقا کے ہاتھ نے کبھی کسی ایسی عورت کے ہاتھ کو نہیں چھوا جو حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی زوجیت میں نہ تھی۔ (شفا شریف)

روزانہ کے معمولات

کسریٰ شہنشاہ ایران نے اپنے دنوں کی اس طرح تقسیم کیا ہوا تھا، وہ کہتا تھا جس روز ٹھنڈی ہوا چل رہی ہو وہ دن سونے کے لیے ہے، جس دن بادل گھر کر آئے ہوں وہ دن شکار کے لیے مخصوص ہے، جس روز بارش برس رہی ہو وہ مے نوشی اور لہو لعب کے لیے ہے اور جس دن سورج نکلا ہو وہ دن لوگوں کے حوائج کو پورا کرنے کے لیے ہے۔

لیکن ایک دانشور ابن خالویہ کہتے ہیں کہ کسریٰ کے مقابلے میں ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جس طرح اوقات کی تقسیم فرمائی ہوئی تھی اس کا مطالعہ کریں تو آپ کو خود بخود ایک شہنشاہ اور اللہ کے نبی میں جو فرق ہے معلوم ہو جائے گا۔

وہ کہتے ہیں کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے ہر دن کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہوا تھا ایک حصہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور یاد کے لیے، دوسرا حصہ اپنے اہل خانہ کے لیے اور تیسرا حصہ اپنی ذات کے لیے، پھر تیسرے حصے کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لوگوں کے حوائج سننے اور ان کو پورا کرنے کے لیے وقف کیا تھا۔

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عوام کے حالات کو جاننے کے لیے خواص سے رابطہ کرتے اور انھیں فرماتے :

ابلغوا حاجة من لا يستطيع ابلاغى فانه من ابلغ حاجة من لا يستطيع ابلاغها امنه الله تعالىٰ يوم الفزع الاكبر .

وہ لوگ جو اپنی تکالیف مجھے نہیں پہنچا سکتے ان کی حاجات تم مجھے پہنچایا کرو کیوں کہ جو شخص ایسے آدمی کی تکلیف کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک پہنچاتا ہے جو خود رسائی حاصل نہیں کر سکتا۔ تو اللہ تعالیٰ اسے

روز محشر کے خوف سے امن عطا فرمائے گا۔ (شمائل ترمذی، شفا شریف)

خشیت الٰہی

اللہ جل مجدہ کی الوہیت و کبریائی کا جتنا کسی کو عرفان نصیب ہوتا ہے اسی قدر اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف ہوتا ہے، ساری کائنات میں سے اپنے رب کا جتنا عرفان محبوب رب العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاصل تھا اتنا نہ کسی پیغمبر کو اور نہ کسی فرشتہ کو حاصل تھا اسی لیے سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قلب کریم میں اللہ تعالیٰ کا جتنا خوف تھا کوئی فرشتہ، کوئی مقبول بارگاہ الٰہی، کوئی نبی، کوئی الوالعزم رسول اس مقام پر رسائی حاصل نہ کر سکا۔

امام ترمذی اپنی سنن میں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا میں وہ کچھ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھ سکتے، میں وہ کچھ سنتا ہوں جو تم نہیں سن سکتے، آسمان چیں چیں کر رہا ہے اور اس کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ ایسا کرے کیوں کہ آسمان پر چار انگشت کی مقدار بھی ایسی جگہ نہیں جہاں کوئی فرشتہ اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتے ہوئے اپنی پیشانی رکھے ہوئے نہ ہو۔

و اللہ لو تعلمون ما اعلم لضحکتم قلیلا و لبکیتم کثیرا.

بخدا اگر تم وہ جانتے جو میں جانتا ہوں تو تم بہت کم ہنستے اور بہت زیادہ روتے۔

اور تم بلند و بالا راستوں پر نکل جاتے اور گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ کی جناب میں فریادیں کرتے۔

(ترمذی، شفا شریف)

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس روایت کے بعد کہا میں پسند کرتا ہوں کہ کاش میں ایک

درخت ہوتا جسے کاٹ دیا جاتا۔

رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رات کو نفل پڑھنے کے لیے کھڑے ہوتے تو اتنی دیر قیام فرماتے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قدم مبارک سوج جاتے، عرض کی گئی یا رسول اللہ! حضور اتنی تکلیف کیوں برداشت کرتے ہیں حالاں کہ اللہ تعالیٰ نے حضور کو مغفرت کی نوید سنادی، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرمایا کرتے :

أفلا اکون عبدا شکورا.

جب اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہ بے پایاں انعامات اوراحسان فرمائے ہیں) تو کیا میں اس کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک روز نماز شروع کی اور ایک آیت تلاوت فرمائی ساری رات یہی ایک آیت تلاوت فرماتے رہے وہ آیت مبارکہ یہ تھی :

ان تعذبهم فانهم عبادک و ان تغفرلهم فانک انت العزیز الحکیم .

اگر تو عذاب دے انھیں تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو بخش دے تو بلاشبہ تو ہی سب پر غالب اور دانا ہے۔ (سورۂ مائدہ، ۱۱۸)

حضور کی شان استغفار وتوبہ

سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس مقام رفیع کے باوجود جس پر رب کریم نے حضور کو فائز فرمایا تھا دن میں بار بار استغفار اور توبہ کیا کرتے تھے، امام بخاری کی روایت میں ستر بار اور طبرانی کی روایت میں

سو بار کے الفاظ آئے ہیں دونوں اعداد سے مراد استغفار وتوبہ کی کثرت ہے۔

امام احمد اور امام بخاری نے ادب مفرد اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت اغر سے یہ حدیث نقل کی ہے اغر نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

یا ایھا الناس توبوا الی اللہ و انی اتوب الیہ کل یوم مائة مرة

اے لوگو اللہ کی بارگاہ میں توبہ کیا کرو میں اللہ سے ہر روز سو مرتبہ توبہ کرتا ہوں۔ (سبل الہدیٰ)

ابن ابی شیبہ، امام احمد اور حاکم نے حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک روز مجھ سے ارشاد فرمایا:

این انت من الاستغفار یا حذیفة

اے حذیفہ تم طلب مغفرت میں کیوں سستی کا مظاہرہ کرتے ہو۔

انی لاستغفر اللہ فی کل یوم مائة مرة و اتوب الیہ .

میں باوجود ان کمالات کے ہر روز اللہ تعالیٰ کی جناب میں سو بار مغفرت طلب کرتا ہوں اور توبہ کرتا ہوں۔ (سبل الہدیٰ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے آپ نے فرمایا کہ میں نے اللہ کے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس طرح استغفار کرتے دیکھا۔

استغفر اللہ الذی لا الہ الا ھو الحی القیوم و اتوب الیہ قبل ان یقوم من المجلس مائة .

میں اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہوں وہ اللہ جس کے بغیر اور کوئی معبود نہیں وہ حی و قیوم ہے اور خود

ہمیشہ سے ہمیشہ تک زندہ ہے، کائنات کی ہر چیز کو زندہ رکھنے والا ہے میں اس کی جناب میں توبہ کرتا ہوں آپ مجلس برخاست کرنے سے پہلے سو مرتبہ توبہ فرماتے ۔

استغفار کی حکمتیں

یہاں ایک شبہ پیدا ہوتا ہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صغیرہ وکبیرہ تمام گناہوں سے معصوم تھے اور استغفار کی تو اس وقت ضرورت پڑتی ہے جب کوئی گناہ سرزد ہو جائے جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم معصوم تھے تو پھر استغفار کا کیا مطلب ہے۔اس اشکال کے متعدد جواب دیئے گئے ہیں :

(۱) حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جو مباح کام کیا کرتے تھے مثلاً کھانا پینا، سونا آرام کرنا، لوگوں سے میل جول رکھنا، ان کے فائدے کے لیے غور وفکر کرنا، کبھی ان کے دشمنوں سے جنگ کرنا اور کبھی ان سے خوش خلقی کا مظاہرہ کرنا، متنفر دلوں میں الفت پیدا کرنے کے لیے کوئی کام کرنا، یہ چیزیں اگرچہ مباح اور بعض بڑی پسندیدہ ہیں لیکن ہر حال میں وہ ذکر الٰہی میں مشغول ہونے اور اس کی بارگاہ میں عجز و نیاز کرنے اس کے انوار و تجلیات کا مشاہدہ کرنے اور اس کے مراقبہ میں مشغول ہونے میں کچھ نہ کچھ حارج ہوتی تھیں سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقامِ رفیع کے باعث حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان چیزوں کو بھی ذنوب میں شمار کرتے تھے اس لیے ان سے استغفار فرماتے۔

(۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس لیے کثرت سے استغفار فرمایا کرتے کہ امت حضور کی اس سنت پر عمل پیرا رہے اور کوئی بھی استغفار اور توبہ سے غفلت نہ برتے۔

(۳) یا یہ استغفار اپنی امت کے گناہوں کے لیے فرماتے۔

(۴) اس سلسلے میں ایک لطیف بات یہ کہی گئی ہے جو حضرت شیخ شہاب الدین کی طرف منسوب ہے کہ

بمقتضائے فرمان الٰہی و للآخرۃ خیر لک من الاولیٰ یعنی تیری ہر آنے والی ساعت، ہر آنے والی گھڑی گزشتہ ساعتوں اور لمحوں سے افضل اور اعلیٰ ہے، اس لیے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عقاب ہمت ہمہ وقت خداداد رفعتوں اور بلندیوں کی طرف مصروف پرواز رہتا تھا۔ اس چھوڑی ہوئی منزل میں جو لمحہ گزرا تھا وہ بھی نگاہ مصطفوی میں ایک ذنب تھا اس سے بار بار استغفار کیا جا رہا ہے۔

(۵) ایک اور بڑی پیاری بات کہی گئی ہے کہ استغفار جو بظاہر تو طلب مغفرت ہے لیکن اس کا مدعا اللہ تعالیٰ کی مزید محبت کی طلب ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہر لمحہ استغفار وتوبہ میں مصروف رہنا درحقیقت ہر لحہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں اضافے اور ترقی کی التجا ہے۔

امام رافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ اپنے بلند مقام کے باوجود یہ کہا کرتے کاش میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حال پر آگاہ ہوتا اور کاش میں اس چیز کا مشاہدہ کرتا جس سے سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے استغفار کیا ہے۔

حضور کی شان عدل

حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اگر کسی کو تکلیف پہنچتی تو حضور اس کو اجازت دیتے کہ اتنی تکلیف حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پہنچا کر بدلہ لے لے، اسی طرح ہم نے صدیق اکبر وفاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو کرتے ہوئے دیکھا۔

حبیب بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک اعرابی کو حکم دیا کہ اس خراش کا بدلہ لے لے جو اسے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نادانستہ پہنچی ہے، سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اعرابی کو بلایا اور حکم دیا کہ وہ آپ سے بدلہ لے لے، اعرابی نے عرض کی میں

نے حضور کو معاف کیا میرے ماں باپ حضور پر قربان ہوں میں ہرگز بدلہ نہیں لوں گا خواہ میری جان پر بھی بن جائے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کو دعائے خیر سے مشرف فرمایا۔

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ انھیں ایک شخص نے بتایا۔

غزوۂ حنین کے موقع پر ایک دفعہ بڑی بھیڑ تھی میرے پاؤں میں بڑے سخت قسم کا جوتا تھا میں نے اس جوتے کے ساتھ حضور کے قدم مبارک کو لتاڑ دیا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دست مبارک میں چھڑی تھی اس کے ساتھ مجھے کچوکا دیا اور فرمایا تو نے مجھے تکلیف پہنچائی۔ رات بھر میں اپنے آپ کو ملامت کرتا رہا اور اپنے آپ کو کہتا رہا کہ تو نے اللہ کے پیارے رسول کو تکلیف پہنچائی ہے۔ جب صبح ہوئی تو ایک شخص میرے بارے میں پوچھ رہا تھا کہ وہ شخص کہاں ہے میں نے کہا حاضر ہوں۔ اس شخص نے کہا حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تجھے یاد فرما رہے ہیں میں اس کے ساتھ لرزاں ترساں چل پڑا شاید میری کل کی نارستانی کی مجھے سزا دی جائے گی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کل تو نے اپنی بھاری بھرکم جوتی سے میرے پاؤں کو لتاڑا تھا اور مجھے تکلیف پہنچائی تھی، پھر میں نے تمھیں کچوکا دیا تھا یہ ۸۰/اسی اونٹنیاں اس کچوکے کا بدلہ ہیں جو کچوکا میں نے تجھے دیا تھا۔

اس طرح کی متعدد روایات کتب احادیث وسیرت میں موجود ہیں۔

حضور کا وقار و ہیبت

سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات طیبہ ہر قسم کے تکلف اور تصنع سے منزہ اور پاک تھی، حضور کا لباس زینت و آرائش سے بالکل پاک تھا، نشست و برخاست اور آمد و رفت میں کسی قسم کا رکھ رکھاؤ نہیں ہوتا تھا، مکمل سادگی کی پاکیزہ ترین تصویر ہوتی۔ اس کے باوجود جو دیکھتا ہیبت نبوت سے اس پر لرزہ طاری ہو جاتا۔ کتب سیرت میں بیسیوں ایسی مثالیں ہیں کہ جب کوئی شخص نور جمال محمدی کو پہلی بار دیکھتا تو

تھر تھر کانپنے لگتا۔

ابن سعد اور ابن جریر حضرت قیلہ بنت مخرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ جب میں نے اللہ کے رسول نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خضوع وخشوع کے ساتھ بیٹھے ہوئے دیکھا تو میں برق تجلی کو برداشت نہ کرسکی اور خوف کے باعث کانپنے لگی۔ایک صحابی جو سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے انھوں نے عرض کی:

یا رسول اللہ ارعدت المسکینۃ .

یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس مسکینہ پر تو لرزہ طاری ہو گیا ہے۔

سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے میری طرف دیکھے بغیر فرمایا اور میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پشت انور کے پیچھے بیٹھی تھی۔

یا مسکینۃ علیک بالسکینۃ .

اے اللہ کی مسکین بندی اطمینان وتسکین کو لازم پکڑ لو۔

سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے تسلی دیتے ہوئے جب یہ فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے سارے خوف ورعب کو میرے دل سے نکال دیا۔

امام ابن ماجہ وامام ابوداؤد حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک روز سرور عالمیاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مجلس میں ہم حاضر تھے۔نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک آدمی سے گفتگو فرمائی تو وہ بڑا مرعوب ہو کر کانپنے لگا۔حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا:

ھون علیک فانی لست بملک انما انا ابن امراء ۃ من قریش کانت تاکل القدید.

خوف زدہ مت ہو میں بادشاہ نہیں ہوں میں تو قریش کی ایک خاتون کا بیٹا ہوں جو دھوپ میں خشک کیا ہوا گوشت کھاتی تھی۔

کتنے پیارے انداز میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کو تسلی دی کہ انسان ڈرتا تو اس وقت ہے، جب کسی جابر بادشاہ کے سامنے وہ پیش ہوتا ہے، میں تو بادشاہ نہیں ہوں بلکہ قریش کی ایک غریب خاتون کا بیٹا ہوں۔

حضور کا ظاہری حسن وجمال

نور مجسم فخر آدم و بنی آدم جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دیگر انبیاء و رسل کی طرح کسی ایک قبیلہ کی طرف اور وہ بھی محدود وقت کے لیے نبی بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے بلکہ تمام بنی نوع انسان کے لیے تا قیام قیامت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات اقدس وہ آفتاب عالم تاب تھی جس کی روشنی ظاہر و باطن کو اپنے انوار سے منور کرنے والی تھی۔ اس لیے ضروری تھا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ظاہری جسمانی محاسن بھی تمام انبیاء سابقین سے اعلیٰ و برتر ہوں کیوں کہ یہ مظاہر جسم باطن کی عظمت کے گواہ ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جب تمام بنی نوع انسان کے لیے ہادی و مرشد بنا کر بھیجا تو یقیناً حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ظاہر و باطن کو اتنی عظمتیں اور وسعتیں دی ہوں گی کہ کوئی اس کی ہمسری کا گمان بھی نہ کر سکے۔ اسی حقیقت کو عاشق صادق حضرت شرف الدین بوصیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے قصیدہ میں یوں بیان کیا ہے:

ھو الذی تم معناہ و صورتہ
ثم اصطفاہ حبیبا باری النسم

وہی ذات ہے جو معنوی وصوری لحاظ سے درجہ کمال کو پہنچی ہوئی ہے پھر تمام ارواح کو پیدا کرنے والے نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنا محبوب بنانے کے لیے چن لیا۔

منزہ عن شریک فی محاسنہ

فجوھر الحسن فیہ غیر منقسم

نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے محاسن وکمالات میں شریک سے پاک ہیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حسن و جمال کا جوہر منقسم نہیں ہے یعنی حسن کی تمام ادائیں حضور کی ذات میں مجتمع ہیں جہاں کہیں بھی حسن وکمال پایا جاتا ہے وہ ذات پاک مصطفوی کا فیضان ہے۔

صاحب مواہب لدنیہ علامہ قرطبی سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا:

لم یظھر لنا تمام حسنہ لانہ لو ظھر لنا تمام حسنہ لما اطاقت اعیننا رویتہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لعجز ناعن ذلک

سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تمام حسن ہمارے لیے ظاہر نہیں کیا گیا کیوں کہ اگر حضور اپنے تمام حسن کے ساتھ جلوہ فرما ہوتے تو ہماری آنکھیں اس کی دید کی طاقت نہیں رکھتیں کیوں کہ ہم اس بات سے عاجز ہیں کہ آفتاب محمدی کی جلوہ سامانیوں کا صحیح ادراک اور احاطہ کرسکیں۔

علامہ قرطبی رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خداداد جمال وکمال کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حسن و جمال کا آفتاب پوری طرح ہمارے سامنے نمایاں نہ ہوا، اگر وہ پوری طرح نمایاں ہوتا تو کوئی ہستی اس کے دیکھنے کی تاب نہ لاسکتی، آنکھیں چندھیا جاتیں، دل ہیبت زدہ ہوجاتے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد پورا نہ ہوتا۔

اس لیے مولا کریم نے اپنی حکمت بالغہ سے اپنے محبوب کے حسن و جمال صرف اتنا ظاہر ہونے دیا جس کی لوگ تاب لاسکیں اور چشمۂ فیض کے قریب پہنچ کر اپنی پیاس بجھا سکیں۔ اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ وہ اللہ کے محبوب کے حسن و جمال کی ساری اداؤں کا احاطہ کر لے تو یہ ممکن نہیں۔ (سیرت الرسول)

نسب پاک سید لولاک ﷺ

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمع بزم ہدایت پہ لاکھوں سلام

كل سبب و نسب منقطع يوم القيامة الا سببي و نسبي

ہر علاقہ اور رشتہ روز قیامت قطع ہو جائے گا مگر میرا علاقہ اور رشتہ

(الحدیث)

نسب پاک سید لولاک ﷺ

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نسب شریف والد ماجد کی طرف سے یہ ہے:

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، بن عبداللہ، بن عبدالمطلب، بن ہاشم، بن عبد مناف، بن قصی، بن کلاب، بن مرہ، بن کعب، بن لوی، بن غالب، بن فہر، بن مالک، بن نضر، بن کنانہ، بن خزیمہ، بن مدرکہ، بن الیاس، بن مضر، بن نزار، بن معد، بن عدنان۔

اور والدہ ماجدہ کی طرف سے حضور کا شجرۂ نسب یہ ہے:

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، بن آمنہ، بنت وہب، بن عبد مناف، بن زہرہ، بن کلاب بن مرہ،۔

حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے والدین کا نسب کلاب بن مرہ، پر مل جاتا ہے اور آگے چل کر دونوں سلسلے ایک ہو جاتے ہیں۔ عدنان تک آپ کا نسب نامہ صحیح سندوں کے ساتھ باتفاق مورخین ثابت ہے اس کے بعد ناموں میں بہت کچھ اختلاف ہے اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب بھی اپنا نسب نامہ بیان فرماتے تو عدنان ہی تک ذکر فرماتے تھے۔

مگر اس پر تمام مورخین کا اتفاق ہے کہ عدنان، حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں اور حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلاۃ والسلام کے فرزند ارجمند ہیں۔

خاندانی شرافت

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خاندان ونسب نجابت وشرافت میں تمام دنیا کے خاندانوں سے اشرف واعلیٰ ہے اور یہ وہ حقیقت ہے کہ آپ کے بدترین دشمن کفار مکہ بھی کبھی اس کا

انکار نہ کر سکے ۔ چنانچہ حضرت ابو سفیان نے جب وہ کفر کی حالت میں تھے، بادشاہ روم ہرقل کے بھرے دربار میں اس حقیقت کا اقرار کیا کہ **ھو فینا ذو نسب** یعنی نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عالی خاندان ہیں۔

حالاں کہ اس وقت وہ آپ کے بدترین دشمن تھے اور چاہتے تھے کہ اگر ذرا بھی کوئی گنجائش ملے تو آپ کی ذات پاک پر کوئی عیب لگا کر بادشاہ روم کی نظروں سے آپ کا وقار گرادیں۔

مسلم شریف کی روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ الصلاۃ والسلام کی اولاد میں سے، کنانہ، کو برگزیدہ بنایا اور کنانہ میں سے قریش کو چنا اور قریش میں سے بنی ہاشم کو منتخب فرمایا اور بنی ہاشم میں سے مجھ کو چن لیا۔

بہر حال یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ

لہ النسب العالی فلیس کمثلہ

حسیب نسیب منعم متکرم

یعنی حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خاندان اس قدر بلند مرتبہ ہے کہ کوئی بھی حسب ونسب والا اور نعمت و بزرگی والا آپ کے مثل نہیں ہے۔

نسب کی صحت

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب اپنا نسب شریف بیان فرمایا کرتے تھے تو معد بن عدنان سے تجاوز نہیں کرتے ، اس جگہ ٹھہر جاتے اور فرماتے کذب النسابون نسب گویوں نے جھوٹ ملا رکھا ہے۔ایسا ہی مسند الفردوس میں روایت کیا گیا ہے۔

لیکن سہیلی فرماتے ہیں کہ اصح یہ ہے کہ یہ قول حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے جب وہ اس آیۂ کریمہ کو پڑھتے کہ

الـم یاتکم نبؤ الذین من قبلکم قوم نوح و عاد ثمود الذین من بعدھم لا یعلمھم الا اللہ .

کیا تمھیں ان لوگوں کی خبر نہ ملی جو تم سے پہلے تھے قوم نوح، عاد وثمود اور وہ جو ان کے بعد ہوئے جن کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت فرماتے کذب النسابون مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ علم الانساب کا دعویٰ کرتے ہیں مگر حق تعالیٰ بندوں سے اس کے علم کی نفی فرماتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے وہ فرماتے تھے کہ ہم عدنان تک اپنا نسب لے جاتے ہیں اس سے اوپر ہم نہیں جانتے اور عروہ بن زبیر فرماتے ہیں کہ ہم کسی ایسے کو نہیں جانتے پہچانتے جو معد بن عدنان کے بعد سلسلۂ نسب لے جائے، کیوں کہ عدنان سے حضرت اسماعیل تا حضرت آدم علیہم الصلاۃ والسلام تک بہت اختلاف ہے۔ چنانچہ کسی نے عدنان سے حضرت اسماعیل تک تیس ایسی پشتوں کا ذکر کیا ہے جن کا کچھ اتہ پتہ نہیں اور کسی نے اس سے کم اور کسی نے اس سے زیادہ پشتوں کا ذکر کیا ہے۔

امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس شخص کے بارے میں دریافت کیا گیا جو اپنے نسب کو حضرت آدم علیہ الصلاہ والسلام تک بیان کرتا تھا تو آپ نے اسے ناپسند فرمایا اور کہا کیا اسے اس کی خبر دی گئی ہے؟

اسی طرح امام مالک سے انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے رفع نسب روایت کی گئی ہے لہٰذا ہمیں لازم ہے کہ عدنان سے اوپر اس بنا پر توقف کریں کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس کی وحی نہیں کی

گئی ہے۔

روضۃ الاحباب کے حاشیہ میں عدنان سے اوپر حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام تک ابن جوزی کی کتاب انساب سے تقریباً تیں، پشتیں ذکر کی گئی ہیں۔ (مولف) (مدارج النبوۃ جلد دوم، سیرت مصطفیٰ)

● ...... ● ...... ●

انتخاب باری تعالیٰ

امام احمد رضا بریلوی نے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نسب شریف کی فضیلت و برتری میں جو احادیث پیش فرمائی ہیں وہ یہ ہیں۔

حدیث

فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ان اللہ اختار من آدم العرب و اختار من العرب مضر و من مضر قریش و اختار من قریش بنی هاشم و اختارنی من بنی هاشم.

بیشک اللہ تعالیٰ نے بنی آدم میں سے عرب کو چنا اور عرب سے مضر اور مضر سے قریش اور قریش سے بنی ہاشم اور بنی ہاشم سے مجھ کو۔ اسے امام بیہقی و ابن عدی و حکیم ترمذی اور طبرانی و ابن عساکر نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی۔

حدیث

فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ان اللہ تعالیٰ خلق خلقه فجعلهم فریقین فجعلنی فی خیر الفریقین ثم جعلهم قبائل فجعلنی فی خیر قبیلة ثم جعلهم بیوتا فجعلنی فی خیرهم بیتا فانا خیرکم قبیلة و خیرکم بیتا.

اللہ عزوجل نے خلق بنا کر دو فریق کی مجھے بہتر فریق میں رکھا پھر ان کے قبیلے قبیلے جدا کیے، مجھے سب سے بہتر قبیلے میں رکھا پھر قبیلوں میں خاندان بنائے مجھے سب سے بہتر گھر میں رکھا۔ اسے امام احمد و ترمذی نے مطلب بن وداعہ اور حاکم نے ربیعہ بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کی۔

حدیث

فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ان اللہ اختار العرب فاختار منھم کنانۃ و اختار قریشا من کنانۃ و اختار بنی ھاشم من قریش و اختارنی من بنی ھاشم ، و فی لفظ ثم اختار بنی عبد المطلب من بنی ھاشم ثم اختارنی من بنی عبد المطلب .

بے شک اللہ عزوجل نے عرب کو پسند فرمایا پھر عرب سے کنانہ اور کنانہ سے قریش اور قریش سے بنی ہاشم اور بنی ہاشم سے اولاد عبد المطلب اور عبد المطلب سے مجھ کو پسند کیا۔ اسے ابن سعد نے عبد اللہ بن عمیر سے مرسلاً روایت کی۔

حدیث

فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ان اللہ عزوجل اصطفی کنانۃ من ولد اسمعیل و اصطفی قریشا من کنانۃ و اصطفی من قریش بنی ھاشم و اصطفانی من بنی ھاشم .

بیشک اللہ عزوجل نے اولاد اسماعیل علیہ الصلاۃ والسلام سے کنانہ کو چنا اور کنانہ سے قریش کو چنا اور قریش سے بنی ہاشم کو چنا، بنی ہاشم سے مجھ کو چن لیا۔ اسے امام مسلم و ترمذی نے حضرت واثلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

●......●......●

حضور افضل ترین قبیلہ میں پیدا ہوئے

حدیث

فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: بعثت من خير قرون بني آدم قرنا فقرنا حتى كنت في القرن الذى كنت فيه .

میں ہر قرن وطبقہ میں بنی آدم کے بہترین طبقات میں بھیجا گیا یہاں تک کہ اس طبقے میں آیا جس میں پیدا ہوا۔صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ۔ اسے امام بخاری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

حدیث

فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم : خرجت من افضل حيين من العرب هاشم و زهرة .

میں عرب کے دوسب سے افضل قبیلوں بنی ہاشم و بنی زہرہ سے پیدا ہوا۔ ابن عسا کر نے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث روایت کی۔

حدیث

فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: جب معد بن عدنان کی اولاد میں چالیس مرد ہو گئے ایک بار انھوں نے موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے لشکر پر حملہ کر کے مال لے لیا، موسیٰ علیہ السلام نے ان کے ضرر کی دعا فرمائی، رب عزوجل نے وحی بھیجی اے موسیٰ انھیں بددعا نہ کرو کہ ان ہی میں سے وہ نبی امی، بشیر نذیر ہوگا جو

میرا پیارا ہے، اوران ہی میں سے امت مرحومہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہوگی، جو مجھ سے تھوڑے رزق پر راضی اور میں ان سے تھوڑے عمل پر راضی ہوں گا، فقط ایمان پر انھیں جنت دوں گا کہ ان میں ان کے نبی محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہوں گے (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) جو باوصف کمال رعب دار ہونے کے متواضع ہوں گے۔

أخرجته من خير جيل من امة قريش ثم اخرجته من بني هاشم صفوة قريش.

میں نے ان کو سب سے بہتر گروہ قریش سے پیدا کیا، پھر قریش میں ان کے برگزیدہ بنی ہاشم سے، وہ بہتر سے بہتر ہیں اوران کے امتی کی طرف پھرنے والے۔ اسے طبرانی نے کبیر میں ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

نفس میں سب سے بہتر جان حضور

حدیث

فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اتانی جبریل فقال یا محمد ان اللہ بعثنی فطفت شرق الارض و غربھا و سھلھا و جبلھا فلم اجد حیا خیرا من العرب ثم امرنی فطفت فی العرب فلم اجد حیا خیرا من مضر ثم امرنی فطفت فی مضر فلم اجد حیا خیرا من کنانۃ ثم امرنی فطفت فی کنانۃ فلم اجد حیا خیرا من کنانۃ ثم امرنی فطفت ما فی کنانۃ فلم اجد حیا خیرا من قریش ثم امرنی فطفت فی قریش فلم اجد حیا خیرا من بنی ہاشم ثم امرنی فی انفسھم فلم اجد فیھا نفسا خیرا من نفسک۔

جبریل نے حاضر ہوکر مجھ سے عرض کی کہ اللہ عزوجل نے مجھے بھیجا میں زمین کے پورب پچھم نرم و کوہ ہر حصے میں پھرا، کوئی قبیلہ عرب سے بہتر نہ پایا، پھر اس نے مجھے حکم دیا کہ میں نے تمام عرب کا دورہ کیا تو کوئی قبیلہ مضر سے بہتر نہ پایا پھر حکم فرمایا میں نے مضر میں تفتیش کی کوئی قبیلہ کنانہ سے بہتر نہ پایا پھر حکم دیا تو میں نے کنانہ میں گشت لگائی کوئی قبیلہ قریش سے بہتر نہ پایا، پھر حکم دیا میں قریش میں پھرا کوئی قبیلہ بنی ہاشم سے بہتر نہ پایا، پھر حکم دیا کہ سب میں بہتر نفس تلاش کرو تو کوئی جان حضور کی جان سے بہتر نہ پائی۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ اسے امام حکیم ترمذی نے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

حدیث

فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: قال لی جبریل قلبت مشارق الارض و مغاربھا فلم اجد افضل من محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و قلبت مشارق و الارض و مغاربھا

فلم اجد حیا افضل من بنی هاشم .

مجھ سے جبریل نے کہا میں نے زمین کے پورب و پچھم تلپٹ کیے کوئی شخص محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے افضل نہ پایا، نہ کوئی قبیلہ بنی ہاشم سے بہتر۔ حاکم نے اسے کتاب الکنی اور ابن عساکر نے ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سند صحیح کے ساتھ روایت کی۔ (اراءۃ الادب لفاضل النسب)

●......●......●

حضور کا نسب وسبب غیر منقطع ہے

حدیث

فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: کل سبب و نسب منقطع یوم القیمة الاسببی و نسبی .

ہر علاقہ اور رشتہ روز قیامت قطع ہو جائے گا مگر میرا علاقہ اور رشتہ۔

اسے بزار نے اور طبرانی نے کبیر میں اور حاکم نے مستدرک میں اور دار قطنی و بیہقی نے سنن میں اور ضیاء مقدسی نے مختارہ میں امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

حدیث

فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: کل نسب و صهر ینقطع یوم القیمة الا نسبی و صهری .

ٹوپی اور پاپچے کے سب رشتے قیامت میں منقطع ہو جائیں گے مگر میرے رشتے۔

اسے ابن عساکر نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لوگوں کو جمع کیا اور منبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا ما بال اقوام یزعمون ان قرابتی لا تنفع کل سبب و نسب ینقطع الا نسبی و سببی فانها موصولة فی الدنیا و الآخرة . (رواہ البزار)

کیا حال ہے ان لوگوں کا کہ زعم کرتے ہیں کہ میری قرابت نفع نہ دے گی، ہر علاقہ اور رشتہ قیامت

میں منقطع ہو جائیگا مگر میرا رشتہ اور علاقہ کہ دنیا وآخرت میں جڑا ہوا ہے۔اسے بزار نے روایت کی۔

دوسری حدیث صحیح میں یوں ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے برسر منبر فرمایا:

ما بال رجال یقولون ان رحم رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لا تنفع قومه يوم القيمة و الله ان رحمى موصولة فى الدنيا و الآخرة .

کیا خیال ہے ان شخصوں کا کہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قرابت روز قیامت ان کی قوم کو نفع نہ دے گی، خدا کی قسم میری قرابت دنیا وآخرت میں پیوستہ ہے۔حاکم نے اسے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔ (اراءۃ الادب لفاضل النسب)

●......●......●

حضور سے قرابت کا نفع

حدیث

فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: رایت کانی دخلت الجنة الجعفر درجة فوق درجة زید فقلت ما کنت اظن ان زیدا دون جعفر فقال جبریل زید لیس بدون جعفر و لکنا فضلنا جعفر لقرابة منک.

میں جنت میں گیا تو ملاحظہ فرمایا کہ جعفر بن ابی طالب کا درجہ زید بن ثابت کے درجہ سے اوپر ہے، میں نے کہا مجھے گمان نہ تھا کہ زید جعفر سے کم ہے، جبریل نے عرض کی زید جعفر سے کم تو نہیں مگر ہم نے جعفر کا درجہ اس لیے زیادہ کیا ہے کہ آپ کو حضور سے قرابت ہے۔ اسے حاکم نے ابن عباس سے اور ابن سعد نے طبقات میں محمد بن عمر بن علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مرسلاً روایت کی۔

(اراءۃ الادب لفاضل النسب)

اکیس پشت تک نسب شریف

بیہقی و ابن عساکر کی حدیث میں بطریق مالک عن الزھری عن انس رضی اللہ تعالیٰ ہے ۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں :

انا محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ھاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرة بن کعب بن لوی بن غالب بن فھر بن مالک بن النضر بن کنانة بن خزیمة بن مدرکة بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان .

ما افترق الناس فرقتين الا جعلني الله في خيرهما فاخرجت من بين ابوين فلم يصبني شي من عهد الجاهلية و خرجت من نكاح و لم اخرج من سفاح من لدن آدم حتى انتهيت الى ابي و امي فانا خيركم نفسا و خيركم ابا . و في لفظ فانا خيركم نسبا و خيركم ابا.

میں ہوں محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم، یوں ہی اکیس پشت تک نسب نامہ مبارک بیان کرکے فرمایا کبھی لوگ دو گروہ نہ ہوئے مگر مجھے اللہ تعالیٰ نے بہتر گروہ میں کیا تو میں اپنے ماں باپ سے ایسا پیدا ہوا کہ زمانۂ جاہلیت کی کوئی بات مجھ تک نہ پہنچی اور میں خالص نکاح صحیح سے پیدا ہوا آدم سے لے کر اپنے والدین تک، تو میرا نفس کریم تم سب سے افضل اور میرے ماں باپ تم سب کے آباء سے بہتر۔

(شمول الاسلام لاصول الرسول الکرام)

حضور افضل خاندان میں تشریف لائے

ترمذی حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں :

اللہ تعالیٰ نے مخلوق پیدا کی تو مجھے بہترین مخلوقات میں رکھا پھر ان کے دو گروہ کیے تو مجھے بہتر گروہ میں رکھا پھر ان کے قبیلے بنائے تو مجھے بہتر قبیلے میں رکھا پھر ان کے خاندان بنائے تو مجھے بہتر خاندان میں رکھا، پس میں تمام مخلوق الٰہی سے خود بھی بہتر اور میرا خاندان بھی سب خاندانوں سے افضل۔

طبرانی معجم اور بیہقی دلائل اور امام علامہ قاضی عیاض شفا شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے خلق کی دو قسمیں کیں تو مجھے بہتر قسم میں رکھا اور یہ وہ بات ہے جو خدا نے فرمائی دہنے

ہاتھ والے اور بائیں ہاتھ والے تو میں دہنے ہاتھ والوں سے ہوں اور میں سب دہنے ہاتھ والوں سے بہتر ہوں۔ پھر ان دو قسموں کے تین حصے کیے تو مجھے بہتر حصے میں رکھا اور یہ خدا کا وہ ارشاد ہے کہ داہنے ہاتھ والے اور بائیں ہاتھ والے اور سابقین، تو میں سابقین میں ہوں اور میں سب سابقین سے بہتر ہوں، پھر ان حصوں کے قبیلے بنائے تو مجھے بہتر قبیلے میں رکھا اور یہ خدا کا وہ فرمان ہے کہ ہم نے کیا تمھیں شاخیں اور قبیلے (الی قوله تعالیٰ ان اکرمکم عند الله اتقاکم) بیشک تم سب میں زیادہ عزت والا خدا کے یہاں وہ ہے جو تم سب میں زیادہ پرہیزگار ہے۔) تو میں سب آدمیوں سے زیادہ پرہیزگار ہوں اور سب سے زیادہ اللہ کے یہاں عزت والا اور کچھ فخر مراد نہیں۔ پھر ان قبیلوں کے خاندان کیے تو مجھے بہتر خاندان میں رکھا اور یہ اللہ تعالیٰ کا وہ کلام ہے کہ خدا یہی چاہتا ہے کہ تم سے ناپاکی دور کرے اے نبی کے گھر والو اور تمھیں پاک کردے ستھرا کرکے۔ (تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین)

سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰى

قریش کے فضائل ومناقب

قریش خالصۃ اللہ تعالٰی۔

قریش برگزیدۂ خدا ہیں۔(الحدیث)

قریش کے فضائل ومناقب

قریش

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خاندان نبوت میں سبھی حضرات اپنی گوناگوں خصوصیات کی وجہ سے بڑے نامی گرامی ہیں، مگر چند ہستیاں ایسی ہیں جو آسمان فضل وکمال پر چاند تارے بن کر چمکے، ان باکمالوں میں سے فہر بن مالک بھی ہیں، ان کا لقب "قریش" ہے اور ان کی اولاد قریشی یا قریش کہلاتی ہیں۔

فہر بن مالک قریش اس لیے کہلاتے ہیں کہ قریش ایک سمندری جانور کا نام ہے جو بہت ہی طاقتور ہوتا ہے اور سمندری جانور کو کھا ڈالتا ہے، یہ تمام جانوروں پر ہمیشہ غالب ہی رہتا ہے کبھی مغلوب نہیں ہوتا، چوں کہ فہر بن مالک اپنی شجاعت اور خداداد طاقت کی بناء پر تمام قبائل پر غالب تھے اس لیے تمام اہل عرب ان کو قریش کے لقب سے پکارنے لگے۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ماں باپ دونوں کا سلسلۂ نسب، فہر بن مالک سے ملتا ہے۔ اس لیے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ماں باپ دونوں کی طرف سے قریشی ہیں۔

ہاشم

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پردادا، ہاشم بڑی شان وشوکت کے مالک تھے ان کا اصلی نام عمر تھا وہ انتہائی بہادر بے حد سخی اور اعلیٰ درجے کے مہمان نواز تھے۔ ایک سال عرب میں بہت سخت قحط پڑ گیا اور لوگ دانے دانے کو محتاج ہو گئے تو یہ ملک شام سے خشک روٹیاں خرید کر حج کے دنوں میں مکہ پہنچے اور روٹیوں کا چورہ کر کے اونٹ کے گوشت کے شوربے میں ثرید بنا کر تمام حاجیوں کو خوب پیٹ بھر کر کھلایا اسی دن سے لوگ ان کو ہاشم (روٹیوں کا چورہ کرنے والا) کہنے لگے۔

چوں کہ یہ عبد مناف کے سب لڑکوں میں بڑے اور باصلاحیت تھے اس لیے عبد مناف کے بعد کعبہ کے متولی اور سجادہ نشیں ہوئے، وہ بہت حسین وخوبصورت اور وجیہہ تھے۔ جب سن شعور کو پہنچے تو ان کی شادی مدینہ میں قبیلہ خزرج کے ایک سردار عمرو کی صاحبزادی سے ہوئی جن کا نام سلمٰی تھا۔ اور ان کے صاحبزادے عبدالمطلب مدینہ ہی میں پیدا ہوئے چوں کہ ہاشم پچیس سال کی عمر پا کر ملک شام کے راستہ میں بمقام غزہ انتقال کر گئے۔ اس لیے عبدالمطلب مدینہ ہی میں اپنے نانا کے گھر پلے بڑھے اور جب سات یا آٹھ سال کے ہو گئے تو مکہ آ کر اپنے خاندان والوں کے ساتھ رہنے لگے۔

عبدالمطلب

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب کا اصلی نام شیبہ ہے یہ بڑے ہی نیک نفس اور عابد وزاہد تھے۔ غار حرا میں کھانا پانی ساتھ لے کر جاتے اور کئی کئی دنوں تک لگاتار خدا کی عبادت میں مصروف رہتے رمضان شریف کے مہینے میں اکثر غار حرا میں اعتکاف کیا کرتے تھے اور خدا کے دھیان میں گوشہ نشیں رہا کرتے تھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نور نبوت ان کی پیشانی میں چمکتا تھا اور ان کے بدن سے مشک کی خوشبو آتی تھی۔

اہل عرب خصوصاً قریش کو ان سے بڑی عقیدت تھی، مکہ والوں پر جب کوئی مصیبت آتی یا قحط پڑ جاتا تو لوگ عبدالمطلب کو ساتھ لے کر پہاڑ پر چڑھ جاتے اور بارگاہ خداوندی میں ان کو وسیلہ بنا کر دعا مانگتے تھے تو دعا مقبول ہو جاتی تھی، یہ لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے سے لوگوں کو بڑی سختی کے ساتھ روکتے تھے اور چور کا ہاتھ کاٹ ڈالتے تھے۔ اپنے دسترخوان سے پرندوں کو بھی کھلایا کرتے تھے اس لیے ان کا لقب ''مطعم الطیر'' (پرندوں کو کھلانے والا) ہے۔ شراب اور زنا کو حرام جانتے تھے اور عقیدہ کے لحاظ سے ''موحد'' تھے۔ زم زم شریف کا کنواں جو بالکل پٹ گیا تھا آپ ہی نے اس کو نئے سرے سے کھدوا کر درست کیا۔ اور لوگوں

کو آب زم زم سے سیراب کیا، آپ بھی کعبہ کے متولی اور سجادہ نشیں ہوئے، اصحاب فیل کا واقعہ آپ ہی کے وقت میں پیش آیا ایک سوبیس برس کی عمر میں آپ کی وفات ہوئی۔

جب حضرت ہاشم کی وفات ہوئی تو اہل مکہ کی سرداری حضرت عبدالمطلب کے لیے مقرر ہوئی اور خانہ کعبہ کی دربانی اور حاجیوں کو زم زم پلانے کا منصب ان کے سپرد ہوا اور تمام اہل مکہ ان کے مطیع وفرماں بردار ہو گئے اور ان کی خوب تعظیم واحترام کرنے لگے۔ حضرت عبدالمطلب کے جسم مبارک سے مشک وعنبر کی خوشبوؤں کی لپٹیں آیا کرتی تھیں، آپ کی پیشانی مبارک میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نور روشن و تاباں تھا اور جب اہل مکہ کو کوئی حادثہ درپیش ہوتا تو ان کو جبل شبیر (مکہ مکرمہ کا ایک پہاڑ) پر لے جاتے اور بارگاہ رب العزت میں ان کو وسیلہ بناتے اور قحط کے دنوں میں استسقاء کی دعائیں کرتے تھے اور اس نور محمدی کی برکت سے جو ان کی پیشانی میں تاباں تھا ان کی مشکلیں حل ہو جاتی تھیں۔

کعب احبار سے مروی ہے کہ جب نور محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت عبدالمطلب کی پیشانی میں تاباں ہوا اور ان کو یہ فضیلت حاصل ہوئی تو وہ ایک دن خانہ کعبہ کے ایک گوشے مقام حجر میں سو رہے تھے جب وہ بیدار ہوئے تو ان کی آنکھوں میں سرمہ لگا ہوا تھا، سر کے بالوں میں تیل پڑا ہوا تھا اور بیش بہا جوڑا جسم پر تھا، لوگ ان کے جلال و جمال پر متحیر رہ گئے کہ یہ انھیں کہاں سے حاصل ہوا اور ان کو کس نے اس مرتبۂ بلند پر پہنچایا۔ اس کے بعد ان کے والد انھیں قریش کے کاہنوں کے پاس لے گئے اور سارا حال بیان کیا۔ کاہنوں نے کہا آسمانی خدا نے حکم دیا ہے کہ اس بچہ کا نکاح کر دیں غرضیکہ ان کے والد نے ایک عورت ''قیلہ'' نامی سے نکاح کر دیا اور ان سے ایک فرزند ''حارث'' نامی پیدا ہوئے جو سب سے بڑے فرزند تھے۔ اس کے بعد قیلہ کا انتقال ہو گیا قیلہ کے بعد انھوں نے ہند بنت عمرو نامی عورت سے نکاح کیا۔

اصحاب فیل کا واقعہ

جب ابرہہ حاکم یمن نے اصحمہ نجاشی کی جانب سے مکہ مکرمہ پر چڑھائی کی اور وہ بیت الحرام کے انہدام کے لیے بہت بڑا سفید ہاتھی لایا تو لوگوں نے حضرت عبدالمطلب کو اس کی خبر دی انہون نے فرمایا اے قریش مت ڈرو اس گھر کا خدا حفاظت فرمانے والا ہے وہی اس کی حفاظت کرے گا۔ اس کے بعد ابرہہ قریش کے اونٹ بکریاں ہانک کر لے گیا ان میں حضرت عبدالمطلب کے بھی چارسو اونٹ تھے۔ حضرت عبد المطلب قریش کے ساتھ اونٹ پر سوار ہو کر نکلے اور جبل شبیر پر آئے اس وقت حضرت عبدالمطلب کی پیشانی پر نور محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہلال کی مانند چمکنے لگا اور اس نور مبارک کی تیز شعاعیں خانہ کعبہ پر پڑنے لگیں جس سے وہ خوب روشن ہو گیا۔

جب حضرت عبدالمطلب نے اس نور مبارک کو دیکھا تو فرمانے لگے اے گروہ قریش جاؤ بلاشبہ اس معاملہ میں تمہیں کامیابی ہوگی خدا کی قسم یہ نور مبارک اسی وقت چمکتا ہے جب کہ ہمیں کامیابی وظفر مندی حاصل ہوتی ہے۔ اس کے بعد قریش لوٹ گئے اور منتشر ہو گئے۔ ابرہہ نے ایک شخص کو بھیجا تا کہ وہ لشکر کو شکست دے جب وہ مکہ میں داخل ہوا اور حضرت عبدالمطلب کے چہرۂ پرنور پر نظر ڈالی تو وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا اور ذبح کے وقت گانے کے ذکرانے کی مانند منہ سے آواز نکالنے لگا جب وہ ہوش میں آیا تو حضرت عبد المطلب کو سجدہ کر کے کہنے لگا میں گواہی دیتا ہوں کہ تم قریش کے سچے سردار ہو۔

ایک روایت میں ہے کہ جب حضرت عبدالمطلب ابرہہ کے پاس تشریف لے گئے اور اس نے اس سفید ہاتھی کو بلایا جو خانہ کعبہ کو منہدم کرنے کے لیے لایا گیا تھا جب ہاتھی نے حضرت عبدالمطلب کے چہرۂ پرنور پر نظر ڈالی تو وہ سجدے میں گر گیا حالاں کہ یہ ہاتھی دوسرے ہاتھیوں کے برعکس ابرہہ کو بھی سجدہ نہ کرتا تھا۔ گویا کہ یہ ہاتھی حق تعالیٰ کی مشیت کے مطابق حضرت عبدالمطلب کے آگے سر جھکا کر زبان حال

سے کہہ رہا تھا۔ کہ سلام ہو اس پر جو اے عبدالمطلب تمھاری پشت میں ہے۔اس ہاتھی کے سر پر ہر چند آنکس مارتے تھے مگر وہ ہاتھی زمین سے سر نہ اٹھاتا تھا۔

اس کے بعد ابرہہ یمن کی جانب لوٹ گیا، اس وقت حق تعالیٰ نے ابابیل پرندوں کو تین تین کنکریاں لے کر دریا سے بھیجا، ایک کنکری ان کے منھ میں تھی اور دو دو کنکریاں ان کے پنجوں میں اور کوئی کنکری مسور کے دانہ سے بڑی نہ تھی۔ یہ کنکری جس کے بدن پر پڑتی وہ زمین پر ڈھیر ہو کر گر پڑتا۔ چنانچہ جب ابرہہ کے جسم پر یہ کنکری پڑی تو اس کی انگلیاں ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گر پڑیں اور اس کے جسم سے خون، پیپ اور پانی بہنے لگا حتیٰ کہ اس کے دل میں بھی چھید ہو گیا۔

یہ قصہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ان معجزات میں سے ہے جو اظہار نبوت سے پہلے رونما ہوئے اس قسم کے معجزات کو ''ارہاصات'' کہتے ہیں جس کے معنی تاسیس و بنیاد رکھنے کے ہیں۔ انھیں معجزات میں سے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بعثت سے پہلے ابر کا سایہ کرنا ہے۔

حضرت عبداللہ

یہ ہمارے حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والد ماجد ہیں یہ عبدالمطلب کے تمام بیٹوں میں سب سے زیادہ باپ کے لاڈلے اور پیارے تھے چوں کہ ان کی پیشانی میں نور محمدی اپنی پوری شان و شوکت کے ساتھ جلوہ گر تھا اس لیے حسن وخوبی کے پیکر اور جمال صورت و کمال سیرت کے آئینہ دار اور عفت و پارسائی میں یکتائے روزگار تھے۔

جب حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حسن و جمال کی شہرت عام ہوگئی اور ذبیح وفدیہ کا واقعہ مزید شہرت کا باعث ہوا تو قریش کی عورتیں ان کے جمال و وصال کی طالب بن کر سر راہ نکل کر کھڑی ہو گئیں اور اپنی جانب بلانے لگیں مگر حق تعالیٰ نے انھیں محفوظ رکھا۔

اہل کتاب بعض علامتوں اور نشانیوں سے پہچان گئے تھے کہ نبی آخرالزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وجود گرامی حضرت عبدالمطلب کے صلب میں ودیعت ہے وہ ان کے دشمن بن کر ہلاک کے درپے ہو گئے اور اطراف وجوانب سے ان کو ہلاک کرنے کے ارادے سے مکہ آنے لگے یہاں انھوں نے عجیب وغریب آثار وقرائن کا مشاہدہ کیا اور وہ خائب وخاسر بے نیل ومرام لوٹ گئے۔

ایک دن حضرت عبداللہ شکار کے لیے تشریف لے گئے تھے اہل کتاب کی ایک بہت بڑی جماعت شام کی جانب سے تلوار سونت کر حضرت عبداللہ کے قتل کے ارادے سے نمودار ہوئی۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ کے والد حضرت وہب بن مناف بھی جنگل میں موجود تھے انھوں نے دیکھا کہ چند سوار جن کی شکل وصورت اس دنیا کے لوگوں سے مشابہ نہ تھی غیب سے ظاہر ہوئے اور وہ اس حملہ آور گروہ کو حضرت عبداللہ کے آگے سے دور کرنے لگے۔

وہب بن مناف نے گھر آکر اپنے گھر والوں سے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ اپنی بیٹی سیدہ آمنہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کا نکاح حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب سے کردوں۔ اور پھر یہ بات اپنے دوستوں کے ذریعہ حضرت عبدالمطلب کی خدمت میں پہنچائی۔ حضرت عبدالمطلب بھی یہی چاہتے تھے کہ عبداللہ کی شادی ہو جائے اس سلسلہ میں وہ کسی ایسی عورت کی جستجو میں تھے جو شرف حسب ونسب اور عفت میں ممتاز ہو، آمنہ بنت وہب میں یہ صفات موجود تھیں عبدالمطلب نے اس رشتہ کو پسند کیا اور حضرت عبداللہ کا ان کے ساتھ نکاح کر دیا۔

منقول ہے کہ حضرت عبداللہ بنی اسد کی ایک عورت کے سامنے سے گزرے یہ خانۂ کعبہ کے پاس کھڑی تھی اور اس کا نام رقیصہ یا قتیلہ بنت نوفل تھا جب اس عورت کی نظر حضرت عبداللہ پر پڑی تو وہ آپ کے حسن و جمال پر فریفتہ ہوگئی اور کہنے لگی وہ سو اونٹ جو تم پر فدا کیے گئے میرے ذمہ ہیں میں پیش کردوں گی۔ حضرت عبداللہ کو اس پر عفت وحیا دامن گیر ہوئی آپ انکار کر کے آگے نکل گئے۔

دوسرے دن ایک خثعمی عورت نے جو علم کہانت میں ماہر اور خوب مالدار تھی اس نے بھی اپنے مال کے ذریعہ حضرت عبداللہ کو ورغلانا چاہا، اسی طرح بہت سی عورتوں نے پیش کش کی مگر حضرت عبداللہ کسی کے فریب میں نہ آئے، جب گھر تشریف لائے تو حضرت آمنہ سے زفاف ہوا اور نور محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کی پشت مبارک سے منتقل ہو کر رحم آمنہ میں جلوہ فگن ہوا اور وہ حاملہ ہو گئیں۔ یہ منیٰ کے ایام تھے۔

پھر جب دوسری مرتبہ اس عورت کے سامنے سے حضرت عبداللہ گزرے تو اس عورت نے حضرت عبداللہ کی پیشانی مین وہ نور مبارک نہ پایا تو وہ ان سے کہنے لگی کیا اول مرتبہ میرے پاس سے جانے کے بعد تم نے کسی عورت سے صحبت کی ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں میں نے اپنی منکوحہ بی بی آمنہ بنت وہب سے زفاف کیا ہے۔ اس خثعمی عورت نے کہا اب مجھے تم سے کوئی سروکار نہیں میں تو اس نور مبارک کی خواستگار تھی جو تمھاری پیشانی میں جلوہ افروز تھا اب وہ دوسرے کے نصیب میں چلا گیا۔

ایک روایت میں ہے کہ وہ عورت جس نے اپنے تئیں حضرت عبداللہ کو پیش کیا تھا وہ ورقہ بن نوفل کی بہن تھی۔ ورقہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے چچازاد بھائی تھے۔

ایک دوسری روایت میں ایک اور عورت کا ذکر بھی آیا ہے جس کا نام عدویہ تھا۔ ممکن ہے کہ ان تمام عورتوں نے پیش کش کی ہو۔

اور جب حمل شریف کو دو مہینے پورے ہو گئے تو عبدالمطلب نے حضرت عبداللہ کو کھجوریں لینے کے لیے مدینہ بھیجا یا تجارت کے لیے ملک شام روانہ کیا، وہاں سے واپس لوٹتے ہوئے مدینہ میں اپنے والد کے ننہال، بنوعدی بن نجار، میں ایک ماہ بیمار رہ کر پچیس برس کی عمر میں وفات پا گئے اور وہیں دار نابغہ میں مدفون ہوئے۔

قافلہ والوں نے جب مکہ واپس لوٹ کر عبدالمطلب کو حضرت عبداللہ کی بیماری کا حال سنایا تو انھوں

نے خبر گیری کے لیے سب سے بڑے لڑکے حارث کو مدینہ بھیجا۔ ان کے مدینہ پہنچنے سے قبل ہی حضرت عبد اللہ راہی ملک بقاء ہو چکے تھے۔ حارث نے مکہ واپس آکر جب وفات کی خبر سنائی تو سارا گھر ماتم کدہ بن گیا اور بنو ہاشم کے ہر گھر میں ماتم برپا ہو گیا۔ خود حضرت آمنہ نے اپنے مرحوم شوہر کا ایسا پر درد مرثیہ کہا ہے کہ جس کو سن کر آج بھی دل درد سے بھر جاتا ہے۔

روایت ہے کہ حضرت عبد اللہ کی وفات پر فرشتوں نے غمگین ہو کر بڑی حسرت کے ساتھ یہ کہا کہ الٰہی تیرا نبی یتیم ہو گیا۔ حضرت حق نے فرمایا کیا ہوا؟ میں اس کا حامی وحافظ ہوں۔

حضرت عبد اللہ کا ترکہ ایک لونڈی ام ایمن جس کا نام "برکہ" تھا، کچھ اونٹ اور کچھ بکریاں تھیں، یہ سب ترکہ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ملا۔ ام ایمن بچپن میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دیکھ بھال کرتی تھیں کھلاتیں، کپڑا پہناتیں، پرورش کی پوری ضروریات مہیا کرتیں، اس لیے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام عمر ام ایمن کی دل جوئی فرماتے رہے۔ اپنے محبوب ومتبنیٰ غلام حضرت زید بن حارثہ سے ان کا نکاح کر دیا اور ان کے شکم سے حضرت اسامہ پیدا ہوئے۔ (مولف)

(مدارج النبوۃ جلد دوم، سیرت مصطفیٰ)

قریش کی خلافت وامامت

قریش کے فضائل ومناقب اور قریش کی امامت وخلافت احادیث کی روشنی میں واضح وآشکار کرتے ہوئے امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں:

امامت کبریٰ میں شرع مطہر نے اس درجہ کا لحاظ فرمایا ہے کہ اسے صرف قریش کے ساتھ مخصوص فرما دیا غیر قریش اگرچہ عالم اجل ہو امام وخلیفہ نہیں ہو سکتا۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: **الائمة من قریش**

تمام خلفاء قریشی ہوں گے۔

اسے امام احمد وابن ابی شیبہ ونسائی وابن جریر وحاکم وبیہقی اور ضیاء مقدسی نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور طبرانی نے کبیر میں ابوذر اور ابوبکر بن ابی شیبہ ونعیم بن حماد وابن السنی نے کتاب الاخوۃ میں اور امام بیہقی نے امیر المومنین علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے روایت کی۔

اورفرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم **ان ھذا الامر فی قریش لا یعادیھم احد الا کبہ اللہ علی وجھہ فی النار .**

بیشک خلافت قریش ، میں ہے جو ان سے بیر رکھے گا اللہ تعالیٰ اسے منھ کے بل جہنم میں اوندھا دے گا۔

اسے امام احمد وامام بخاری ومسلم نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور ابوبکر بن ابی شیبہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری سے اور ابن جریر نے کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

اورفرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم **الا ان الامراء من قریش .**

سن لو امراء اور حکام اسلام قریش ہیں۔ اسے ابویعلی نے امیر المومنین علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے روایت کی۔

امام احمد وحاکم اور طبرانی کے نزدیک **الامراء من قریش** کا لفظ ہے۔

امراء قریش ہیں۔ یہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔

اورفرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم **قریش ولاۃ ھذا الامر .**

اسلامی حکومت کے والی قریش ہیں۔ اسے امام احمد نے حضرت ابوبکر صدیق اور سعد بن ابی

وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی۔

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قدموا قریشا و لا تقدموھا.

قریش کو تقدیم دو اور قریش پر تقدیم نہ کرو۔

اسے امام شافعی وامام احمد نے عبداللہ بن خطب سے اور طبرانی نے کبیر میں عبداللہ بن سائب اور بزار نے امیر المومنین علی سے اور ابن عدی نے ابو ہریرہ سے اور ابن جریر نے حارث بن عبداللہ سے روایت کی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم

بلکہ ایک روایت میں ہے کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا ایھا الناس لا تتقدموا قریشا فتھلکوا.

اے لوگو قریش پر سبقت نہ کرو کہ ہلاک ہو جاؤ گے۔ اسے بیہقی نے جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

دوسری روایت میں ہے فتضلوا یعنی قریش پر سبقت نہ کرو کہ گمراہ ہو جاؤ گے۔

اسے ابن ابی طالب نے امام باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرسلاً روایت کی۔

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الناس تبع لقریش فی ھذا الشان .

سب لوگ اس کام میں قریش کے تابع ہیں۔

بخاری ومسلم نے اسے ابو ہریرہ سے اور امام احمد ومسلم نے حضرت جابر سے اور طبرانی نے اوسط میں اور ضیاء مقدسی نے سہل بن سعد اور عبداللہ بن احمد واحمد بن ابی شیبہ نے معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کی۔

قریش کی خصوصیات

حدیث : فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قریش صلاح الناس و لا یصلح الناس الا بھم .

قریش آدمیوں کے سنوار ہیں۔ لوگ نہ سنوریں گے مگر قریش سے۔ اسے ابن عدی نے ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی۔

حدیث : فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قریش خالصة اللہ تعالیٰ .

قریش برگزیدۂ خدا ہیں۔ اسے ابن عساکر نے عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من یرد ھو ان قریش اھانه اللہ .

جو قریش کی ذلت چاہے اللہ اسے ذلیل کرے۔ اسے احمد، ابن ابی شیبہ، ترمذی، عدنی، طبرانی، ابو یعلی، حاکم اور ابونعیم نے کتاب المعرفۃ میں حضرت سعد بن ابی وقاص سے روایت کی اور تمام، ابونعیم اور ضیاء نے ابن عباس سے اور طبرانی نے کبیر میں حضرت انس سے اور ابن عساکر نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کی۔

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قوۃ الرجل من قریش قوۃ رجلین .

ایک مرد قریش کو قوت دو مردوں کے برابر ہے۔ اسے احمد، ابن ابی شیبہ، طیالسی، ابویعلی، ابن ابی عاصم، ماوردی، طبرانی، حاکم، بیہقی، ضیاء اور ابونعیم نے حلیہ میں جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔ اور طبرانی نے ابن ابی خیثمہ اور ابن النجار حدیث طویل میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی جس کے شروع میں یہ ہے یا ایھا الناس قدموا قریشا و لا تقدموھا.

اے لوگو قریش کو آگے بڑھاؤ ان سے آگے نہ بڑھو۔ (مولف)

حدیث: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم **لا تائتموا قریشا و ائتموها و لا تعلموا قریشا و تعلموا منها فان امانة الامین من قریش تعدل امانة الامینین .**

قریش کو اپنا پیرو نہ بناؤ اور ان کی پیروی کرو قریش پر دعویٰ استاذی نہ رکھو اور ان کی شاگردی کرو کہ قریش میں ایک امین کی امانت دو امینوں کے برابر ہے۔ اسے ابن عساکر نے امیر المومنین علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے روایت کی۔

حدیث: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم **اعطیت قریش ما لم یعط الناس .**

قریش کو وہ عطا ہوا جو کسی کو نہ ہوا۔

اسے حسن بن سفیان نے اپنی مسند میں اور ابونعیم نے معرفۃ الصحابہ میں حلیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور نعیم بن حماد نے ابوالزاہریہ سے مرسلاً روایت کی۔

حدیث: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم **فضل اللہ قریشا بسبع خصال لم یعطاها احد قبلهم و لا یعطاها احد بعدهم.**

اللہ نے قریش کو ایسی سات باتوں سے فضیلت دی جو نہ ان سے پہلے کسی کو ملیں نہ ان کے بعد کسی کو عطا ہوں گی۔

- **انی منهم** ، ایک تو یہ ہے کہ میں قریش ہوں (یہ تمام فضائل سے ارفع واعلیٰ ہے)
- **و فیهم الخلافة و الحجابة** اور انھیں میں خلافت اور کعبہ معظمہ کی دربانی اور حاجیوں کا سقایہ۔

- و نصرھم علی الفیل اورانھیں اصحاب فیل پرنصرت بخشی۔
- و عبد اللہ عشر سنین لا یعبدہ غیرھم اورانھوں نے دس سال اللہ کی عبادت تنہا کی کہ ان کے سوا روئے زمین پر کسی اور خاندان کے لوگ اس وقت عبادت نہ کرتے تھے (یہی تھے یا ان کے عبید وموالی)
- و انزل اللہ فیھم سورۃ من القریش لم یذکر فیھا احد غیرھم لا یلف قریش.

اور اللہ تعالیٰ نے ان میں ایک سورت قرآن عظیم کی اتاری کہ اس میں صرف انھیں کا ذکر فرمایا اور وہ سورۃ لایلٰف قریش ہے۔

بخاری نے تاریخ میں طبرانی کبیر میں حاکم نے مستدرک میں اور بیہقی نے خلافیات میں حضرت ام ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اسے روایت کیا۔

حدیث : فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا معشر الناس احبوا قریشا فان من احب قریشا فقد احبنی و من ابغض قریشا فقد ابغضنی و ان اللہ تعالیٰ حبب الی قومی فلا اتعجل لھم نقمۃ و لا استکثرلھم نعمۃ.

اے گروہ مردم قریش سے محبت رکھو کہ قریش کا دوست میرا دوست ہے اور قریش کا دشمن میرا دشمن ہے، اور بیشک اللہ تعالیٰ نے میری قوم کی محبت میرے دل میں ڈالی کہ ان پر کسی انتقام کی جلدی نہیں کرتا نہ ان کے لیے کسی نعمت کو بہت سمجھوں۔

قریش برکت کے درخت ہیں

فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: الا ان اللہ تعالیٰ علم ما فی قلبی من حبی بقومی

فسرنی فیهم قال الله تعالیٰ و انهٗ لذکر لک و لقومک فجعل الذکر و الشرف لقومی فی کتابه .

سن لو بیشک اللہ تعالیٰ نے جانا جیسی میرے دل میں میری قوم کی محبت ہے تو اس نے مجھے ان کے بارے میں شاد کیا کہ ارشاد فرمایا بیشک یہ قرآن ناموری ہے تیری اور تیری قوم کی، تو اس نے اپنی کتاب کریم میں میری قوم کے لیے ذکر وشرف رکھا۔

فالحمد لله الذی جعل الصدیق من قومی و الشهید من قومی و الائمة من قومی .

اللہ کے لیے حمد ہے جس نے میری قوم میں سے صدیق کیا اور میری قوم سے شہید اور میری قوم سے امام۔

ان الله تعالیٰ قلب العباد ظهرا و بطنا فکان خیر العرب قریشا ذی الشجرة المبارکة التی قال الله تعالیٰ عزوجل فی کتابه و مثل کلمة کشجرة طیبة یعنی بها قریش اصلها ثابت بقول اصلها کرم و فرعها فی السماء اشرف الذی شرفهم الله بالاسلام الذی هداهم و جعلهم اهله .

بیشک اللہ تعالیٰ نے تمام بندوں کے ظاہر و باطن پر نظر فرمائی تو سب عرب سے بہتر قریش نکلے اور وہی برکت والے درخت ہیں جس کا ذکر قرآن شریف میں ہے کہ پاکیزہ بات کی کہاوت ایسی ہے جیسے ستھرا درخت یعنی قریش، کہ اس کی جڑ پائدار ہے، یعنی ان کی اصل کرم ہے اور اس کی شاخیں آسمان میں ہیں یعنی وہ جو اللہ نے ان کو اسلام کا شرف بخشا اور انھیں اس کا اہل کیا۔ اسے طبرانی نے کبیر میں اور ابن مردویہ نے تفسیر میں عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔

قریش صاحب عزت ہیں

حدیث: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم : كنانة عز العرب.

بنی کنانہ سارے عرب کی عزت ہیں۔ اسے دیلمی وابن عساکر نے ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔

حدیث: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم : قريش سادة العرب.

قریش سارے عرب کے سردار ہیں۔

اسے رامہرمزی نے کتاب الامثال میں وضین بن مسلم سے مرسلاً روایت کیا۔

حدیث: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: عبد مناف عزة قريش و قريش تبع لولد قصي و الناس تبع لقريش .

بنی عبد مناف سارے قریش کی عزت ہیں اور قریش اولاد قصی کے تابع ہیں اور تمام آدمی قریش کے تابع ہیں۔ رامہرمزی نے اسے کتاب الامثال میں ابن الضحاک سے روایت کیا۔

حدیث: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: یا ابا الدر داء اذا فاخرت ففاخر بقریش.

اے ابودرداء جب تو فخر کرے تو قریش سے فخر کر۔

اسے تمام نے فوائد میں اور ابن عساکر نے ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔

حدیث: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: خير الناس العرب و خير العرب قريش و خير القريش بنو هاشم .

سب آدمیوں سے بہتر عرب ہیں اور سب عرب سے بہتر قریش اور سب قریش سے بہتر بنی ہاشم۔

اسے دیلمی نے امیر المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔

حدیث: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الخلافة فی قریش .

خلافت قریش میں ہے۔

اسے احمد وطبرانی نے کبیر میں عتبہ بن عبد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سند صحیح کے ساتھ روایت کیا۔

حدیث: حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے غزوۂ اوطاس میں فرمایا: لو کان ثاینا علی احد من العرب کان الیوم .

اگر کوئی عرب غلام بن سکتا تو آج بنایا جاتا۔

بنی ہاشم کی تعظیم وتکریم

حدیث: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: **لا یقوم الرجل من مجلسه الا لبنی هاشم**

آدمی اپنی جگہ چھوڑ کر کسی کے لیے نہ اٹھے سوائے بنی ہاشم کے۔

اسے خطیب نے ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔

دوسری روایت میں ہے **یقوم الرجل من مجلسه لاخیه الا بنی هاشم لایقومن لاحد.**

ہر شخص اپنے بھائی کے لیے اپنی مجلس سے اٹھے مگر بنی ہاشم کسی کے لیے نہ اٹھے۔

اسے خطیب اور طبرانی نے کبیر میں روایت کیا۔

قریش کی شجاعت وشرافت

قریش کی جرأت، شجاعت، سماحت، فتوت، قوت اور شہامت اسلام و جاہلیت دونوں میں شہرۂ

آفاق رہی ہے۔اوران میں بالخصوص بنی ہاشم کی،یوں ہی جاہلیت میں بنی باہلہ خست ودناءت سے معروف تھے۔ حتی قال قائلهم

لا ينفع الاصل من بني هاشم
اذا كانت النفس من باهلة

●

اذا قيل للكلب يا باهلي
عوى الكلب من شؤم هذ النسب

یعنی بنی ہاشم کی اصل سے ہونا نفع بخش نہ ہوگا، جب کہ نفس بنی باہلہ سے ہو، جب کتے سے کہا جائے کہ اے باہلی،تو کتا اس نسب کی برائی اور نحوست سے بھونکنے لگتا ہے۔ (مولف)

اسی تفاوت ہمت کے باعث ہے کہ دنیا و دین دونوں کی سلطنتیں یعنی سلطنت ملک وسلطنت علم ہمیشہ شریف ہی اقوام میں رہیں، دوسری قوموں کا اس میں حصہ معدوم یا کالمعدوم ہے۔قریش کہ زمانۂ جاہلیت میں بت پرست تھے تو ان کا بت پرست ہونا شریف قوم گنے جانے کے منافی نہیں اور اب اسلام کے بعد وہ بلاشبہ تمام جہان کی اقوام سے افضل قوم ہے۔اوراخلاق فاضلہ میں شریف قوموں کا حصہ غالب ہے اوراحادیث کثیرہ اس پر ناطق،متعدد احادیث سے گزرا کہ :

ایک قریش کی قوت دومردوں کے برابر ہوتی ہے اورایک قریش کی امانت دوآدمیوں کے مثل ہے۔

حدیث:فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم :اذا اختلف الناس فالعدل فی مضر.

جب لوگ مختلف ہوں تو عدل قوم مضر میں ہے(جن میں سے قریش ہیں)

اسے طبرانی نے کبیر میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا۔

حدیث: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قسم الحیاء عشرۃ فتسعۃ فی العرب و جزء فی سائر الناس.

حیا کے دس حصے کیے گئے ان میں سے نو حصے عرب میں ہیں اور ایک باقی تمام لوگوں میں۔ اسے خطیب نے نجلاء میں محمد بن مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔

حدیث: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ان فلانا اھدی لی ناقۃ فعوضتہ منھا ست بکرات فظل ساخطا لقد ھممت ان لا اقبل ھدیۃ الا من قریش او انصاری او ثقفی او دوسی.

بے شک فلاں شخص نے ایک ناقہ نذر دیا تھا میں نے اس کے بدلے چھ جوان ناقے عطا فرمائے اور وہ ناراض ہی رہا، بیشک میرا ارادہ ہوا کہ یہ ہدیہ قبول نہ کروں مگر قریشی یا انصاری یا ثقفی یا دوسی کا (کہ وہ اپنے کرم اخلاق وشرافت کے باعث کمینوں کی طرح ہدیہ پر زیادہ معاوضے کے نگراں نہیں رہتے) اسے امام احمد وترمذی ونسائی نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سند صحیح کے ساتھ روایت کیا۔

قریش کی امانت ودیانت

حدیث: حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: لا یملی مصاحفنا الا غلمان قریش و غلمان ثقیف.

ہمارے مصحف نہ لکھیں مگر قریش وثقیف کے لڑکے (یہ باب امانت سے ہوا) اسے ابونعیم نے جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔

حدیث: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ان قریشا اھل صدق و امانۃ فمن بلغ لھم العواثر کبہ اللہ علی وجھہ.

بیشک قریش راستی و امانت والے ہیں تو جوان کی لغزشیں چاہے اللہ اسے منہ کے بل اوندھا کردے۔

اسے امام شافعی وابوبکر بن ابی شیبہ وامام احمد وامام بخاری نے ادب المفرد میں اور ابن جریر وشاشی و طبرانی وضیاء نے رفاعہ بن رافع زرقی سے اور ابن النجار نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا۔

بنی ہاشم وقریش کی چار خصلتیں

حدیث: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: **ان فیھم لخصالا اربعة انھم اصلح الناس عند فتنة و اسرعھم اقامة بعد مصیبة و اوشکھم کرة بعد فرة و خیرھم لمسکین و یتیم و امنعھم من ظلم المملوک.**

یعنی قریش یا بنی ہاشم میں چار خصلتیں ہیں، فتنہ کے وقت وہ سب سے زائد صلاح پر ہوتے اور مصیبت کے بعد سب سے پہلے ٹھیک، اور لڑائی میں پسپا بھی ہوں تو سب سے جلدتر دشمن پر پلٹ پڑتے ہیں اور مسکین ویتیم ومملوک کے حق میں سب سے بہتر ہیں۔

قریش کی عورتیں نیک ہیں

حدیث: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: **خیر الناس رکبن الابل صالح نساء قریش احناہ علی ولد فی صغرہ و ارعاہ علی زوج فی ذات یدہ .**

عرب کی سب عورتوں میں بہتر قریش کی نیک بیویاں ہیں، اپنے چھوٹے چھوٹے بچے پر سب سے زیادہ مہربان اور اپنے شوہر کے مال کی سب سے بڑھ کر نگہبان۔

اسے امام احمد و بخاری و مسلم نے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور ابو بکر بن ابی شیبہ نے مکحول سے مرسلاً اور ابن سعد نے طبقات میں ابن ابی نوفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔

عرب، غیر عرب کے کفو نہیں

حدیث: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم العرب للعرب اکفاء و الموالی للموالی اکفا الا حائک او حجام

عرب عرب کے کفو ہیں، اور موالی موالی کے مگر جولاہہ یا حجام۔

اسے امام بیہقی نے ام المومنین صدیقہ اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کیا۔

قریش قیامت میں آگے ہوں گے

ظاہر ہے کہ اخلاق فاضلہ باعث اعمال صالحہ ہیں اور اعمال صالحہ باعث نفع آخرت۔

حدیث: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: قریش علی مقدمة الناس یوم القیامة و لولا ان یبطر قریش لاخبرتها ما لمحسنها من الثواب عند اللہ .

قریش روز قیامت سب لوگوں سے آگے ہوں گے اور اگر قریش کے اترا جانے کا خیال نہ ہوتا تو میں انھیں بتادیتا کہ ان کے نیک کے لیے اللہ کے یہاں کیا ثواب ہے۔ اسے ابن عدی نے جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔

روز قیامت حضور سے قریب تر قریش ہوں گے

حدیث: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان لواء الحمد یوم القیامة بیدی و ان اقرب

الخلق من لوائی یومئذ العرب .

بیشک روز قیامت لواء الحمد میرے ہاتھ میں ہوگا اور بیشک اس دن تمام مخلوق میں میرے نشان سے زیادہ قریب عرب ہوں گے۔ اسے امام حکیم ترمذی اور طبرانی نے کبیر میں اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔

حدیث: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: **اول من اشفع له یوم القیامة من امتی اهل بیتی ثم الاقرب فالاقرب الی قریش ثم الانصار ثم من آمن بی و اتبعنی من الیمن ثم من سائر العرب ثم الاعاجم و من اشفع له اولا افضل.**

روز قیامت میں سب سے پہلے اہل بیت کی شفاعت فرماؤں گا، پھر درجہ بدرجہ جو زیادہ نزدیک ہیں قریش تک، پھر انصار پھر وہ اہل یمن جو کہ مجھ پر ایمان لائے اور میری پیروی کی پھر باقی عرب پھر اہل عجم اور میں جس کی شفاعت پہلے کروں وہ افضل ہے۔ اسے طبرانی نے کبیر میں اور دارقطنی نے کتاب الافراد میں اور مخلص نے کتاب الفوائد میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا۔

روز قیامت ترجیح قریش کو ہوگی

حدیث: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم **لو انی اخذت بحلقة باب الجنة ما بدأت الا بکم یا بنی هاشم.**

میں دروازۂ بہشت کی زنجیر ہاتھ میں لوں تو اے بنی ہاشم پہلے تمہیں سے شروع کروں۔ اسے خطیب نے انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔

حدیث: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: **اترونی انی اذا تعلقت ، بحلق ابواب الجنة او ثر علی بنی عبد المطلب احدا.**

کیا یہ خیال کرتے ہو کہ میں درہائے جنت کی زنجیر ہاتھ میں لوں گا اس وقت اولاد عبدالمطلب پر

کسی اور کو ترجیح دوں گا۔ اسے ابن النجار نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا۔

(اراءۃ الادب لفاضل النسب)

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے شرط قرشیت کے مسئلہ کو مزید واضح و مبرہن کرنے کے لیے علم کلام سے یوں استدلال فرمایا ہے:

خلافت کے لیے قرشیت شرط ہے

عقائد نسفی میں ہے و یکون من قریش و لا یجوز من غیرھم

یعنی خلیفہ قریش سے ہوں غیر قریشی جائز نہیں۔

شرح علامہ تفتازانی میں ہے لم یخالف فیہ الا الخوارج و بعض المعتزلۃ

قرشیت کی شرط میں کسی نے خلاف نہ کیا مگر خارجیوں اور بعض معتزلیوں نے۔

اسی میں ہے یشترط ان یکون الامام قریشا لقولہ علیہ الصلاۃ و السلام الائمۃ من قریش و ھذا و ان کان خبرا واحدا لما رواہ ابو بکر محتجابہ علی الانصار و لم ینکرہ احد فصار مجمعا علیہ.

یعنی شرط یہ ہے کہ خلیفہ قریشی ہو، بدلیل قول نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الائمۃ من قریش. اور یہ حدیث اگر چہ خبر واحد ہے لیکن جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انصار پر حجت میں اسے پیش کیا اور صحابہ کرام میں کسی نے اس پر انکار نہ کیا تو اس پر اجماع ہوگیا۔

کتاب قواعد العقائد امام حجۃ الاسلام غزالی میں ہے شرط الامامۃ نسبۃ قریش لقولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الائمۃ من قریش.

خلافت کی شرط نسب قریشی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا خلفاء قریش سے ہیں۔

اس کی شرح اتحاف میں ہے ان کثیرا من المعتزلة نفی هذا الاشتراط و دلیل اهل السنة قوله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم الائمة من قریش . قال العراقی اخرجه النسائی من حدیث انس و الحاکم من حدیث علی و صححه . اه قلت و کذا اخرجه البخاری فی التاریخ و ابو یعلی و ابو داؤد الطیالسی و البزار من حدیث انس و احمد من حدیث ابی هریرة و ابی بکر الصدیق و الطبرانی من حدیث علی و عنده عن انس بلفظ ان الملک فی قریش . و اخرج یعقوب بن سفیان و ابو یعلی و الطبرانی من طریق مسکین بن عبد العزیز حدثنا سیار بن سلامة ابو المنهال قال دخلت مع ابی علی ابی برزة الاسلمی فسمعته یقول سمعت رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یقول الامراء من قریش الخ.

یعنی بہت معتزلیوں نے شرط قرشیت کا انکار کیا اور اہل سنت کی دلیل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ خلفاء قریش سے ہوں۔ امام زین الدین عراقی نے فرمایا یہ حدیث نسائی نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حاکم نے امیر المومنین مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے روایت کی اور کہا یہ حدیث صحیح ہے۔ میں کہتا ہوں یوں ہی اسے امام بخاری نے کتاب التاریخ اور ابو یعلی وابوداؤد طیالسی و بزار نے انس اور امام احمد نے ابو ہریرہ وحضرت صدیق اکبر اور طبرانی نے مولیٰ علی سے روایت کی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ نیز طبرانی کے یہاں بروایت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان لفظوں سے ہے کہ سلطنت قریش میں ہے۔ اور یعقوب بن سفیان وابو یعلی وطبرانی نے مسکین بن عبد العزیز سے روایت کی کہ ہم سے سیار بن سلامہ ابو المنہال نے حدیث بیان کی کہ میں اپنے والد کے ساتھ ابو برزہ اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گیا انھیں یہ حدیث روایت کرتے سنا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ خلفاء قریش سے ہیں۔

مسایرۂ امام محقق علی الاطلاق کمال الدین ابن الہمام میں ہے۔ شرط الامام نسب قریش خلافا لکثیر من المعتزلة .

خلیفہ کی شرط نسب قرشی ہے۔ بہت معتزلیوں کے خلاف۔

مسامرہ علامہ ابن ابی شریف شافعی تلمیذ امام ابن الہمام میں ہے لنا قوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الائمة من قريش قدمنا تخريجه و قوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الناس تبع لقريش . اخرجه الشيخان و في البخارى من حديث معوية رضى الله تعالىٰ عنه ان هذا الامر في قريش.

ہم اہل سنت کی دلیل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ خلفاء قریش سے ہیں۔ ہم نے اس حدیث کی تخریج اوپر بیان کی۔ نیز حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد کہ سب آدمی قریش کے تابع ہیں، اسے بخاری و مسلم نے روایت کیا۔ نیز بخاری میں امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک خلافت قریش میں ہے۔ اور تخریج حدیث چھ ورق اوپر بیان کی رواه النسائي من حديث انس و رواه بمعناه الطبراني في الدعا و البزار و البيهقي و افرده شيخنا الامام الحافظ ابو الفضل بن حجر بجزء جمع فيه طرقه عن نحو من اربعين صحابيا.

یہ حدیث نسائی نے انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی اور یہی مضمون طبرانی نے کتاب الدعا اور بزار و بیہقی نے روایت کیا اور ہمارے امام حافظ ابو الفضل ابن حجر عسقلانی نے خاص اس حدیث میں ایک رسالہ لکھا جس میں اس کی روایات قریب چالیس صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے جمع کیں۔

علامہ امام قاسم بن قطلو بغا حنفی تلمیذ امام ابن الہمام تعلیقات مسایرہ میں فرماتے ہیں اما عندنا

فالشروط انواع بعضها لازم لا تنعقد بدونه و هي الاسلام و الذكورة و الحرية و العقل و البلوغ و اصل الشجاعة و ان يكون قرشيا.

ہمارے نزدیک خلافت کی شرطیں کئی قسم ہیں۔ بعض شروط تو لازم ہیں کہ ان کے بغیر خلافت صحیح ہی نہیں ہوسکتی وہ یہ ہیں اسلام اور مرد ہونا اور آزادی و عقل و بلوغ و اصل شجاعت اور قرشی ہونا۔

پھر فرمایا اما نسب قريش فلقوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الائمة من قريش رواه البزار و هذا و ان كان خبر واحد فقد اتفقت الصحابة على قبوله قاله الامام ابو العباس الصابوني وغيره .

قرشی ہونا اس لیے شرط ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا خلفاء قریش سے ہوں، اسے بزار نے روایت کیا اور یہ اگر چہ خبر احاد ہو مگر صحابہ کرام نے اس کے قبول پر اجماع فرمایا یہ امام ابو العباس صابونی وغیرہ نے افادہ فرمایا۔

طوالع الانوار علامہ بیضاوی میں ہے التاسع كونه قرشيا خلافا للخوارج و جمع من المعتزلة لنا قوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الائمة من قريش و اللام في الجمع للاستغراق حيث لا عهد للعموم .

یعنی خلافت کی نویں شرط قریشی ہونا ہے اس میں خارجیوں اور ایک گروہ معتزلہ کو خلاف ہے کہ وہ خلیفہ کا قریشی ہونا ضروری نہیں جانتے ہماری دلیل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ خلفاء قریش سے ہوں۔ جہاں عہد نہ ہو جمع پر لام استغراق کے لیے ہوتا ہے یعنی تمام خلفاء قریش ہی سے ہوں۔

مواقف میں ہے يكون قرشيا و منعه الخوارج و بعض المعتزلة لنا قوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الائمة من قريش ثم ان الصحابة عملوا بمضمون هذا الحديث و

اجمعوا علیه فصار قاطعا.

یعنی خلیفہ قریشی ہو، خارجی اور بعض معتزلی اس شرط کے منکر ہیں ہماری دلیل نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ خلیفہ قریشی ہوں۔ پھر صحابہ کرام اس حدیث کے مضمون پر عامل ہوئے اوران کا اس پر اجماع ہوا تو وہ دلیل قطعی ہوگئی۔

شرح علامہ سید شریف میں ہے صار دلیلا قاطعا یفید الیقین باشتراط القرشیة.

یعنی دلیل قطعی ہوگئی جس سے قرشیت کا شرط ہونا یقینی ہوگیا۔

اسی میں ہے اشترطه الاشاعرة.

یعنی اہل سنت کے نزدیک خلیفہ کا قرشی ہونا شرط ہے۔

مقاصد میں ہے یشترط فی الامام کونه قرشیا لقوله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم الائمة من قریش.

امام میں شرط ہے کہ قرشی ہو، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا خلفاء قریش سے ہوں۔

شرح مقاصد میں ہے اتفقت الامة علی اشتراط کونه قرشیا خلافا للخوارج لنا السنة و الاجماع اما السنة فقوله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم الائمة من قریش و اما الاجماع فهو انه لما قال الانصار یوم سقیفة منا امیر و منکم امیر منعهم ابو بکر رضی الله تعالیٰ عنه بعدم کونهم من قریش و لم ینکره علیه احد من الصحابة فکان اجماعا.

یعنی تمام امت کا اجماع ہے کہ خلیفہ کا قریشی ہونا شرط ہے۔اس میں مخالف خارجی ہیں اوراکثر معتزلی ۔ ہماری دلیل حدیث واجماع امت ہے۔حدیث میں تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد

ہے کہ خلفاء قریش سے ہیں اور اجماع یوں کہ جب انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے روز سقیفۂ بنی ساعدہ مہاجرین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے کہا ایک امیر ہم میں سے اور ایک تم میں سے انھیں صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دعویٰ خلافت سے یوں باز رکھا کہ تم قریشی نہیں (اور خلیفہ کا قریشی ہونا لازم ہے) اس پر کسی صحابہ نے انکار نہ کیا تو اجماع ہو گیا۔

شرح فقہ اکبر میں ہے یشترط ان یکون الامام قرشیا لقوله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم الائمة من قریش و هو حدیث مشهور و لیس المراد به الامامة فی الصلاة اتفاقا فتعینت الامامة الکبریٰ خلافا للخوارج و بعض المعتزلة.

یعنی شرط یہ ہے کہ خلیفہ قریشی ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ائمہ قریش سے ہیں اور یہ حدیث مشہور ہے اور اس میں امامت نماز باجماع مراد نہیں تو ضرور خلافت مراد ہے اس میں مخالف خارجی ہیں یا بعض معتزلی۔

طریقۂ محمدیہ میں ہے المسلمون لابدلهم من امام قرشی و لا یشترط ان یکون هاشمیا.

یعنی مسلمانوں کے لیے ضرور ہے کہ کوئی قریشی خلیفہ ہو اور ہاشمی ہونا شرط نہیں۔

حدیقہ ندیہ میں ہے یکون من قریش و لا یجوز من غیرهم

خلیفہ قریشی ہو غیر قریشی کی خلافت درست نہیں۔

تمہید امام ابوالشکور سالمی جسے سلطان الاولیاء محبوب الٰہی نظام الحق والدین نے درس میں پڑھا اس میں ہے اجمعنا علی ان الامام من قریش و لا یکون من غیره

ہم اہل سنت کا اجماع ہے کہ خلیفہ قریش سے ہو ان کے غیر سے نہیں۔

خلافت ہمیشہ قریش میں رہے گی

صحیح بخاری وصحیح مسلم میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: لا یزال ھذا الامر فی قریش ما بقی من الناس اثنان ۔

خلافت ہمیشہ قریش کے لیے ہے جب تک دنیا میں دو آدمی بھی رہیں۔

شرح صحیح مسلم للامام النووی وشرح صحیح بخاری للامام القسطلانی ومرقاۃ علی قاری میں ہے۔

بین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان ھذا الحکم مستمر الی آخر الدنیا ما بقی من الناس اثنان ۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ظاہر فرمادیا کہ یہ حکم ختم دنیا تک جب تک دو آدمی بھی رہیں۔

ارشاد الساری شرح صحیح بخاری میں ابن المنیر سے اور عمدۃ القاری امام بدر محمود عینی حنفی میں ہے۔

قریش ھم اصحاب الخلافۃ و ھی مستمرۃ لھم الی آخر الدنیا ما بقی من الناس اثنان.

قریش ہی خلافت والے ہیں وہ ختم دنیا تک ان ہی کے لیے ہے جب تک دو آدمی بھی باقی رہیں۔

امام قرطبی کی مفہم شرح صحیح مسلم میں پھر عمدۃ القاری فتح الباری شروح صحیح بخاری میں ہے۔

ھذا الحدیث خبر عن المشروعیۃ ای لا تنعقد الامامۃ الکبریٰ الا لقرشی مھما وجدمنھم احد.

اس حدیث میں حکم شرعی کا بیان ہے یہ فرمایا ہے کہ جب تک دنیا میں ایک قرشی بھی باقی رہے اوروں کی خلافت صحیح نہیں۔

امام نووی شرح صحیح مسلم پھر امام قسطلانی شرح صحیح بخاری اور علامہ طیبی وعلامہ سید شریف وعلی قاری شروح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں:

ھذہ الاحادیث و اشباھھا دلیل ظاھر ان الخلافة مختصة بقریش لا یجوز عقدھا لاحد من غیرھم و علی ھذا انعقد الاجماع فی زمن الصحابة و کذلک بعدھم و من خالف فیہ من اھل البدع او عرض بخلاف من غیرھم فھو محجوج باجماع الصحابة و التابعین فمن بعدھم بالاحادیث الصحیحة

یہ حدیثیں اوران کے مثل اوراحادیث روشن دلیلیں ہیں کہ خلافت قریش کے ساتھ خاص ہے ان کے سوا کسی کو خلیفہ بنانا جائز نہیں، اسی پر زمانہ صحابہ میں یوں ہی ان کے بعد اجماع منعقد ہوا تو جن بد مذہبوں نے اس میں اختلاف کیا یا جس نے اور کسی کی خلافت کا اشارہ کیا اس کا قول صحابہ وتابعین وعلمائے مابعد کے اجماع اور صحیح حدیثوں سے مردود ہے۔

علامہ ابن المنیر پھر حافظ عسقلانی شرح صحیح بخاری میں لکھتے ہیں۔

الصحابة اتفقوا علی افادة المفھوم للحصر خلافا لمن انکر ذلک و الی ھذا ذھب جمھور اھل العلم ان شرط الامام ان یکون قرشیا و قالت الخوارج و طائفة من المعتزلة یجوز ان یکون الامام غیر قرشی و بالغ ضرار بن عمرو فقال تولیة غیر القرشی اولیٰ و قال ابو بکر الطیب لم یعرج المسلمون علی ھذا القول بعد ثبوت حدیث الائمة من قریش و عمل المسلمون بہ قرنا بعد قرن و انعقد الاجماع علی اعتبار ذلک قبل ان یقع الاختلاف.

یعنی صحابہ نے اتفاق سے فرمایا کہ حدیث الائمة من قریش خلافت کا قریشی میں حصر فرماتی

ہے۔ برخلاف اس کے جو اس کا منکر ہو اور یہی مذہب جمہور اہل علم کا ہے کہ خلیفہ کے لیے قرشی ہونا شرط ہے اور خارجیوں اور ایک گروہ معتزلہ نے کہا کہ غیر قریشی بھی خلیفہ ہو سکتا ہے اور ضرار بن عمرو تو یہاں تک بڑھ گیا اور کہا کہ غیر قریشی کا خلیفہ کرنا بہتر ہے۔ امام ابوبکر ابن الطیب نے فرمایا مسلمانوں نے اس قول کی طرف التفات نہ کیا بعد اس کے کہ حدیث **الائمة من قریش** ثابت ہو چکی اور ہر قرن میں مسلمان اس پر عامل رہے اور اس اختلاف کے اٹھنے سے پہلے اس کے ماننے پر اجماع منعقد ہو لیا۔

امام احمد ناصر الدین اسکندرانی نے پھر امام شہاب الدین کنانی وجہ دلالت حدیث **لا یزال ھذ الامر فی قریش** میں فرماتے ہیں:

المبتداء بالحقیقة ھھنا ھو الامر الواقع صفة لھذا و ھذا لا یوصف الا بالجنس فمقتضاہ حصر جنس الامر فی قریش کانه قال لاامر الا فی قریش، و الحدیث و ان کان بلفظ الخبر فھو بمعنی الامر و بقیة طرق الحدیث توید ذلک.

یعنی حاصل حدیث یہ ہے کہ **ھذا الامر فی قریش دائما** یہ امر خلافت ہمیشہ قریش کے لیے ہے۔ ھذا مبتدا ہے اور امر اس کی صفت اور ھذا کی صفت میں ہمیشہ جنس ہی آتی ہے تو مطلب یہ کہ جنس خلافت ہمیشہ قریش ہی کے لیے ہے۔ (ان کے غیر کے لیے اس کا کوئی فرد نہیں) گویا الفاظ یوں ارشاد ہوئے کہ خلافت نہیں مگر قریش میں اور حدیث اگرچہ صورۃ خبر ہے معنی امر ہے۔ حدیث کی باقی روایتیں اس معنی کی موید ہیں۔

امام ابن حجر اور ان سے پہلے امام ابن بطال شرح بخاری للمہلب سے ناقل:

یجوز ان یکون ملک یغلب علی الناس بغیر ان یکون خلیفة و انما انکر معویة رضی اللہ تعالیٰ عنه خشیة ان یظن احد ان الخلافة تجوز فی غیر قریش فلما خطب

بذلک دل علی ان ذلک عندھم کذلک اذ لم ینقل عن احد منھم انکار علیه .

یعنی جب حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا کہ عنقریب ایک بادشاہ قبیلۂ قحطان سے ہوگا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس پر سخت انکار کیا اور خطبہ پڑھا اس میں فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ خلافت قریش میں ہے۔ یہ انکار اس بناء پر نہ تھا کہ کوئی غیر قریشی بادشاہ بھی نہیں ہوسکتا یہ تو جائز ہے کہ کوئی بادشاہ لوگوں پر تغلب کرے اور خلیفہ نہ ہو۔ بلکہ انکار کی وجہ یہ تھی کہ کوئی یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ غیر قریشی خلیفہ ہوسکتا ہے۔لہٰذا حضرت امیر معاویہ نے خطبہ پڑھا کہ کوئی غیر قرشی خلیفہ نہیں ہوسکتا تو اس پر کسی صحابی یا تابعی نے انکار نہیں کیا۔تو معلوم ہوا کہ ان سب کا یہی مذہب ہے۔

مہلب پھر ابن بطال پھر عینی وعسقلانی وقسطلانی سب شروح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں

القحطانی اذا قام و لیس من بیت النبوة و لا من قریش الذین جعل الله فیھم الخلافة فھو من اکبر تغیر الزمان و تبدیل الاحکام .

جب قحطانی قائم ہوگا اور وہ نہ خاندان نبوت سے نہ قریش سے جن میں اللہ عزوجل نے خلافت رکھی ہے تو یہ ایک بڑا تغیر زمانہ اور احکام شریعت کی تبدیل ہوگا۔

امام اجل قاضی عیاض پھر امام ابوزکریا نووی شرح صحیح مسلم میں فرماتے ہیں :

اشتراط کونه قرشیا ھو مذھب العلماء کافة و قد احتج به ابو بکر و عمر علی الانصار یوم السقیفة فلم ینکرہ احد و قد عدھا العلماء فی مسائل الاجماع و لم ینقل عن احد من السلف فیھا قول و لا فعل یخالف ما ذکرنا و کذلک من بعدھم فی جمیع الاعصار و لا اعتداد بقول النظام و من وافقه من الخوارج و اھل البدع انه یجوز کونه من غیر قریش لما ھو علیه من مخالفة اجماع المسلمین .

خلیفہ میں قرشی ہونے کی شرط جمیع علماء کا مذہب ہے اور بیشک اسی سے صدیق اکبر و فاروق اعظم نے روز سقیفہ انصار پر حجت قائم فرمائی اور صحابہ میں کسی نے اس کا انکار نہ کیا۔ اور بیشک علماء نے اسے مسائل اجماع میں گنا اور سلف صالح میں کوئی قول یا فعل اس کے خلاف منقول نہ ہوا۔ یوں ہی تمام زمانوں میں علمائے مابعد سے اور وہ جو نظام معتزلی اور خارجیوں اور بد مذہبوں نے کہا کہ غیر قریشی بھی خلیفہ ہوسکتا ہے کچھ گنتی شمار میں نہیں کہ اجماع مسلمین کے خلاف ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں :

گفت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمیشہ می باشد امر خلافت در قریش یعنی می باید کہ در ایشاں باشد و جائز نیست شرعاً عقد خلافت مر غیر ایشاں را و بریں منعقد شد اجماع در زمن صحابہ و بایں حجت کردند مہاجراں بر انصار۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خلافت ہمیشہ قریش میں رہے گی یعنی ان ہی میں رہنا چاہیئے۔ ان کے علاوہ دوسرے کے لیے شرعاً خلافت جائز نہیں ہے اسی پر صحابہ کے زمانہ میں اجماع منعقد ہوا اور اسی سے مہاجرین نے انصار پر حجت و دلیل قائم کی۔ (مولف)

امام جلال الدین کی تاریخ الخلفاء میں ہے:

لم اورد احدا من الخلفاء العبيديين لان امامتهم غير صحيحة لانهم غير قريش.

میں نے اس کتاب میں خلفاء عبیدیہ سے کسی کا ذکر نہ کیا اس لیے کہ ان کی خلافت باطل ہے کہ وہ قرشی نہیں۔ (دوام العیش فی الائمۃ من قریش)

❁ ❁ ❁

استقرار نطفۂ زکیہ

و

مدت حمل

الا ان النور المخزون المکنون الذی یکون منہ النبی الھادی فی ھذہ اللیلۃ یستقر فی بطن امہ۔

خبردار! بے شک وہ مخفی نور جس سے نبی ہادی جلوہ گر ہوں گے وہ نور اس رات میں نبی مکرم کی والدہ ماجدہ کے بطن اطہر میں قرار پائے گا۔ (المواہب اللدنیۃ ج۱، ص۱۱۸)

استقرار نطفۂ زکیہ

یہ ایک دائمی اور ابدی حقیقت ہے کہ اول مخلوقات اور ساری کائنات کا ذریعہ اور تخلیق عالم و آدم علیہ السلام کا واسطہ نور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ أول ما خلق الله نوری (اللہ تعالیٰ نے ساری مخلوق سے پہلے میرے نور کو پیدا فرمایا) اور تمام مکونات علوی و سفلی آپ ہی کے نور سے ہیں۔ آپ ہی کے جوہر پاک سے ارواح، شبیہات، عرش، کرسی، لوح، قلم، جنت و دوزخ، ملک و فلک، انسان و جنات، آسمان و زمین، بحار و جبال اور تمام مخلوقات عالم ظہور میں آئی۔ اور باعتبار کیفیت تمام کثرتوں کا صدور اسی وحدت سے ہے اور اسی جوہر پاک سے ساری مخلوقات کا ظہور و بروز ہے۔

استقرار نطفۂ زکیہ قول اصح کے بموجب ایام حج کے درمیانی تشریق کے دنوں مین شب جمعہ میں ہوا تھا۔ اسی بناء پر امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک شب جمعہ، لیلۃ القدر سے افضل ہے اس لیے کہ اس رات سارے جہان اور تمام مسلمانوں پر ہر قسم کی خیر و برکت اور سعادت و کرامت جس قدر نازل ہوئی اتنی قیامت تک کسی رات میں نہ ہو گی بلکہ تا ابد کبھی نازل نہ ہوں گی۔ اور اگر اس لحاظ سے میلاد شریف کی رات کو شب قدر سے افضل جانیں تو یقیناً یہ رات اس کی مستحق ہے جیسا کہ علماء اعلام نے اس کی تصریح کی ہے۔

حدیثوں میں آیا ہے کہ شب میلاد مبارک کو عالم ملکوت میں ندا کی گئی کہ سارے جہان کو انوار قدس سے منور کرو اور زمین و آسمان کے تمام فرشتے خوشی و مسرت میں جھوم اٹھے، اور داروغہ جنت کو حکم ہوا کہ فردوس اعلیٰ کو کھول دے اور سارے جہان کو خوشبوؤں سے معطر کر دے۔ اور زمین و آسمان کے ہر طبقہ اور ہر مقام میں مژدہ سنا دے کہ نور محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آج کی رات رحم آمنہ میں قرار پکڑا ہے۔ اور ایسا کیوں نہ ہوتا کہ تمام خیرات و برکات، کرامات و سعادات، اور انوار و اسرار کا مصدر اور مبداء خلق عالم، اصل

اصول بنی آدم کی اس عالم میں تشریف آوری اور اس کے ظہور کا وقت قریب آ پہنچا ہے۔ یقیناً تمام جہان والوں کو منور و مشرف اور مسرور ہونا چاہیئے۔

مروی ہے کہ اس رات کی صبح کو روئے زمین کے تمام بت اوندھے پائے گئے، شیاطین کا آسمان پر چڑھنا ممنوع قرار دیا گیا اور دنیا کے تمام بادشاہوں کے تخت الٹ دیے گئے۔ اور اس رات ہر گھر روشن و منور ہوا اور کوئی جگہ ایسی نہ تھی جو انوار قدس سے جگمگا نہ رہی ہو اور کوئی جانور ایسا نہ تھا جس کو قوت گویائی نہ دی گئی ہو اور اس نے بشارت نہ دی ہو۔ مشرق کے پرندوں نے مغرب کے پرندوں کو خوشخبریاں دیں۔

قریش کا حال یہ تھا کہ وہ شدید قحط اور عظیم تنگی میں مبتلا تھے چنانچہ تمام درخت خشک ہو گئے تھے اور تمام جانور نحیف و لاغر ہو گئے تھے، پھر حق تعالیٰ نے بارش بھیجی، جہاں بھر کو سرسبز و شاداب کیا، درختوں میں تر و تازگی آئی، خوشی و مسرت کی ایسی لہر دوڑی کہ قریش نے اس سال کا نام "سنۃ الفتح والابتہاج" رکھا۔

محدث ابو نعیم نے اپنی کتاب دلائل النبوۃ میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ جس رات حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نور نبوت حضرت عبد اللہ کی پشت اقدس سے حضرت آمنہ کے بطن مقدس میں منتقل ہوا روئے زمین کے تمام چوپایوں، خصوصاً قریش کے جانوروں کو اللہ تعالیٰ نے گویائی عطا فرمائی اور انھوں نے بزبان فصیح اعلان کیا کہ آج اللہ کا وہ مقدس رسول شکم مادر میں جلوہ گر ہو گیا جس کے سر پر تمام دنیا کی امامت کا تاج ہے اور جو سارے عالم کو روشن کرنے والا چراغ ہے۔ مشرق کے جانوروں نے مغرب کے جانوروں کو بشارت دی، اسی طرح سمندروں اور دریاؤں کے جانوروں نے ایک دوسرے کو یہ خوشخبری سنائی کہ حضرت ابو القاسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کا وقت قریب آ گیا ہے۔ (مولف) (سیرت مصطفیٰ۔ مدارج النبوۃ جلد دوم)

استقرار نطفہ کی تاریخ و دن

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ سے سوال ہوا کہ استقرار نطفۂ زکیہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کس ماہ و کس تاریخ میں ہوا تو اس کے جواب میں آپ نے فرمایا:

بعض غرۂ رجب کہتے ہیں، اسے خطیب نے سیدنا سہل التستری قدس سرہ سے روایت کیا۔

اور بعض دہم محرم، ابونعیم و ابن عساکر عمرو بن شعیب کے دادا سے روایت کرتے ہیں :

قال حمل برسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في عاشوراء المحرم وولد يوم الاثنين ثنتي عشرة من رمضان.

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دس محرم کو شکم مادر میں تشریف فرما ہوئے اور بارہویں رمضان روز دوشنبہ کو ولادت ہوئی۔ (مولف)

اقول : اس میں مسیب بن شریک ضعیف ہیں اور صحیح یہ ہے کہ ماہ حج کے بارہویں تاریخ۔ مدارج النبوۃ میں اسی کو صحیح قرار دیا ہے۔

اقول: اس کی موید ہے حدیث ابن سعد و ابن عساکر،

قال ابن سعد ان عبد الله دعته خثعمية فقالت هل لك في قال نعم حتى ارمي الجمرة . الحديث.

ایک زن خثعمیہ نے حضرت عبداللہ کو اپنی طرف بلایا رمی جمار کا عذر فرمایا بعد رمی حضرت آمنہ سے مقاربت کی اور حمل اقدس مستقر ہوا پھر خثعمیہ نے دیکھ کر کہا کیا ہم بستری کی فرمایا ہاں کہا وہ نور کہ میں نے آپ کی پیشانی سے آسمان تک بلند دیکھا تھا نہ رہا آمنہ کو مژدہ دیجیے کہ ان کے حمل میں افضل

اہل زمین ہے۔

ظاہر ہے کہ رمی جمار نہیں ہوتی مگر حج میں۔

استقرار نطفۂ زکیہ کا دن کیا تھا؟ اس کے جواب میں امام احمد رضا فرماتے ہیں :

کہا گیا روز دوشنبہ، اسے زبیر بن بکار نے بیان کیا اور مجمع البحار کے تکملہ میں اسی پر جزم کیا ہے۔ اور اصح یہ ہے کہ شب جمعہ تھی اسی لیے امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شب جمعہ کو شب قدر سے افضل کہتے ہیں کہ یہ خیر و برکت وکرامت وسعادت جو اس میں ہے اس کے ہم سر نہ کبھی اتری نہ قیامت تک اترے وہاں تنزل الملائکۃ و الروح فیھا ہے یہاں مولائے ملائکہ وآقائے روح کا نزول اجلال عظیم الفتوح ہے، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

مدارج النبوۃ میں ہے :

استقرار نطفۂ زکیہ درایام حج برقول اصح دراوسط ایام تشریق شب جمعہ بود وازیں جہت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لیلۃ الجمعۃ را افضل تر از لیلۃ القدر دانستہ، الخ۔

اصح قول پر نطفۂ زکیہ کا استقرار ایام حج اور ایام تشریق کے وسط میں شب جمعہ کو ہوا اسی لیے امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شب جمعہ کو شب قدر سے افضل جانتے ہیں۔ (مولف)

(نطق الہلال بارخ ولا د الحبیب والوصال)

انبیاء کرام کے نطفے

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں :

منی مطلق ناپاک ہی ہے سوا ان پاک نطفوں کے جن سے تخلیق حضرات انبیاء کرام علیہم الصلاۃ و

السلام ہوئی اور خود انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے نطفے، کہ ان کا پیشاب بھی پاک ہے یوں ہی تمام فضلات۔ (فتاویٰ رضویہ ۲/۱۶۱)

مدت حمل

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شکم مادر میں نو مہینے کامل رہے مادر محترمہ نے عام عورتوں کی طرح کسی قسم کی گرانی بار، درد اور طبیعت کی بدمزگی محسوس نہ کی۔ سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ مجھے معلوم ہی نہ تھا کہ میں حمل سے ہوں صرف اتنا تھا کہ حیض بند ہو گیا تھا۔ لیکن بعض روایتوں میں آیا ہے کہ فرمایا کچھ بوجھ سا معلوم ہوتا ہے۔ ابونعیم نے دونوں روایتوں کی جمع تطبیق اس طرح کی ہے کہ ابتداء علوق میں ثقل معلوم ہوتا تھا مگر مدت گزر جانے کے بعد حمل میں خفت محسوس ہونے لگی اور یہ دونوں باتیں خلاف عادت و دستور ہیں۔ جیسا کہ مواہب میں ہے۔

نیز ابونعیم حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حاملہ ہونے کے دلائل میں سے ایک بات یہ تھی کہ قریش کے ہر چوپایہ نے اس رات گویائی کی اور کہا کہ قسم ہے خانۂ کعبہ کے رب کی آج رات اللہ کا رسول حمل میں تشریف لایا ہے جو ساری دنیا کا امام اور تمام جہان والوں کا آفتاب ہے۔ اور ایک روایت میں آیا ہے کہ روئے زمین کے تمام چوپائے اس رات گویا ہوئے اور سب نے اسی طرح کی بشارت دی۔

سیدہ آمنہ فرماتی ہیں کہ میں خواب و بیداری کی درمیانی حالت میں تھی کہ کسی نے ندا دی اے آمنہ تم حمل سے ہو گویا کہ میں نہیں جانتی تھی کہ میں حمل سے ہوں۔ اس کے بعد بتایا کہ تم اس امت کے افضل سے حاملہ ہو۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ساری مخلوق کے افضل سے حاملہ ہو۔ اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ میں حمل سے ہوں۔ اور فرماتی ہیں کہ حمل کے ہر مہینہ میں آسمان و زمین کے درمیان میں یہ آواز سنا کرتی کہ

تمھیں مبارک ہو وہ وقت قریب آ پہنچا ہے کہ ابو القاسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دنیا میں جلوہ افروز ہونے والے ہیں۔ جو صاحب خیر و برکت ہیں۔ یہ روایت بہت ہی ضعیف ہے۔(مولف) (مدارج النبوۃ دوم)

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ سے سوال ہوا کہ مدت حمل کس قدر تھی؟

آپ نے فرمایا:

دہ و نہ و ہفت و شش ماہ سب کچھ کہا گیا اور صحیح نو مہینے ہیں۔

فی شرح الزرقانی للمواهب اختلف فی مدة الحمل به صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فقیل تسعة اشهر کاملة.

زرقانی کی شرح مواہب میں ہے کہ مدت حمل کے بارے میں اختلاف ہے کہا گیا ہے کہ مدت حمل شریف پورے نو مہینے ہے۔ (مولف)

مغلطائی نے اسے ذکر کیا ہے۔ غرر میں اسی کو صحیح قرار دیا ہے۔

(نطق الہلال بارخ ولا دالحبیب والوصال)

ولادت طیبہ

صبح طیبہ میں ہوئی بٹتا ہے باڑا نور کا
صدقہ لینے نور کا آیا ہے تارا نور کا

●

جس سہانی گھڑی چمکا طیبہ کا چاند
اس دل افروز ساعت پہ لاکھوں سلام

لقد من اللہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولا من انفسھم یتلوا علیھم اٰیتہ و یزکیھم و یعلمھم الکتاب و الحکمۃ و ان کانوا من قبل لفی ضلل مبین۔

بیشک اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پر کہ ان میں انھیں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انھیں پاک کرتا ہے اور انھیں کتاب وحکمت سکھاتا ہے اور وہ ضرور اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

(آل عمران۔۱۶۴)

ولادت طیبہ

جمہور اہل سیر اور ارباب تواریخ کا اس پر اتفاق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت مبارک عام الفیل کے چالیس یا پچپن دن کے بعد ہوئی ہے۔ یہ قول سب سے زیادہ صحیح ہے اور یہ بھی مشہور ہے کہ ماہ ربیع الاول میں ولادت ہوئی ہے۔ اور بعض علماء اسی کو اختیار کرتے ہیں اور بعض بارہ بھی کہتے ہیں اور بعض دو ربیع الاول اور بعض آٹھ ربیع الاول کی رات گزرنے کے بعد کہتے ہیں۔ بہت سے علماء اسی کو اختیار کرتے ہیں اور بعض دس بھی کہتے ہیں لیکن پہلا قول یعنی بارہ ربیع الاول کا زیادہ مشہور و اکثر ہے۔ اسی پر اہل مکہ کا عمل ہے ولادت شریف کے مقام کی زیارت اسی رات کرتے ہیں اور میلاد شریف پڑھتے ہیں۔

یہ ولادت مبارکہ بارہویں ربیع الاول کی رات روز دوشنبہ واقع ہوئی اور وحی کی ابتداء، ہجرت، مدینہ منورہ پہنچنا، فتح مکہ اور وفات شریف بھی روز دوشنبہ ہوئی اور وقت ولادت مبارک صبح صادق میں طلوع آفتاب سے پہلے اور غفر کے طلوع کے وقت ہوئی "غفر" منازل فجر کے تین چھوٹے ستاروں کو کہتے ہیں۔ مواہب لدنیہ میں ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کی ولادت کا وقت یہی ہے اور اکثر اخبار میں ولادت شریف کا وقت طلوع فجر ہے۔ اور بعض روایت میں رات بھی آیا ہے اس سے یہی طلوع فجر مراد ہے چوں کہ اس کو رات کے متصل شمار کر سکتے ہیں۔

مواہب لدنیہ میں شیخ بدر الدین زرکشی سے منقول ہے انھوں نے کہا کہ صحیح یہ ہے کہ ولادت شریف خوب روشن وقت میں ہوئی جو دن کی ابتداء ہے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ اس وقت ستارے ٹوٹنے اور شہاب ثاقب جھڑے اسے رات پر محمول نہ کرنا چاہیئے۔ اس لیے کہ نبوت و ولادت کا زمانہ خوارق عادات اور معجزات کے ظہور کا زمانہ ہے لہٰذا ممکن ہے ستاروں وغیرہ کا ٹوٹنا دن میں ہوا ہو۔ اور بعض منجمین اور اس فن کے ماہرین ولادت شریف کی ساعت کو سب سے زیادہ سعید ساعت شمار کرتے ہیں اور روضۃ الاحباب میں

اسے بیان کیا گیا ہے۔

مگر حق یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کسی زمانہ کے ساتھ شرافت و بزرگی حاصل نہیں کی ہے بلکہ زمانہ نے آپ سے شرافت و بزرگی پائی ہے۔ جس طرح کہ دیگر مقامات مقدسہ ہیں کہ مکان کو مکین سے شرافت و بزرگی حاصل ہوتی ہے اور یہی حکمت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت مبارکہ کسی ایسے مہینہ میں نہیں ہوئی جو بزرگی و برکت کے ساتھ مشہور ہو جیسے ماہ محرم، ماہ رجب، ماہ رمضان وغیرہ جیسا کہ بعض شاذ روایتوں میں آیا ہے اور یہی حکمت دن کی ہے کیوں کہ تمام دنوں مین جمعہ کا دن افضل ہے اور اسی دن آدم علیہ السلام پیدا ہوئے اور اس دن میں ایک ساعت ایسی ہے کہ اس ساعت میں جو دعا مانگی جائے مستجاب ہوگی۔ لیکن یہ ساعت اس ساعت کو کہاں پہنچ سکتی ہے کہ جس ساعت میں سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تولد فرمایا۔

صاحب مواہب فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے روز دوشنبہ کو جو کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت مبارکہ کا دن ہے عبادت کے لیے خاص نہیں فرمایا جیسا کہ روز جمعہ کو مخصوص فرمایا جو آدم علیہ السلام کی تخلیق کا دن ہے۔ اس کی وجہ اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کرامت اور آپ کی امت پر آپ کے وجود باوجود کی عنایت کے سبب سے تخفیف ہے۔

ایک یہودی کی پکار

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ مکہ مکرمہ میں ایک یہودی تھا جو تجارت کرتا تھا جب وہ رات آئی جس میں سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ولادت فرمائی تو اس یہودی نے کہا اے گروہ قریش کیا آج کی رات تم میں کوئی فرزند پیدا ہوا ہے؟ قریشیوں نے کہا ہمیں معلوم نہیں، اس یہودی نے کہا اس آخری امت کا نبی پیدا ہو گیا ہے اور اس کے دونوں شانوں کے درمیان ایک علامت

ہے۔جس میں گھوڑے کی رگ کی مانند بال مجتمع ہیں پھر اس یہودی کوسیدہ آمنہ کے پاس لائے اس نے کہا اپنے فرزند کی زیارت کراؤ پھر اس نے پشت مبارک سے قمیص اٹھا کر علامت دیکھی تو وہ بے ہوش کر زمین پر گر پڑا اور کہنے لگا خدا کی قسم بنی اسرائیل سے نبوت جاتی رہی۔(اسے حاکم نے روایت کیا ہے)

ابونعیم حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت شریف کے وقت سات یا آٹھ سال کا بچہ تھا میں نے یہ قصہ سنا اور دیکھا ہے کہ ایک یہودی صبح کے وقت اپنی قوم کو پکار رہا تھا اور فریاد کر رہا تھا یہودیوں نے اس سے کہا تجھے کیا ہوا کیوں فریاد کر رہا ہے اور ہمیں بلا رہا ہے اس نے کہا آج کی رات احمد کے ستارے نے طلوع کر لیا ہے۔

شام کے محلات روشن ہو گئے

عثمان بن ابی العاص اپنی والدہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ کہتی ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت شریف کے وقت موجود تھی میں نے دیکھا ایک نور ظاہر ہوا جس نے گھر اور تمام در و دیوار کو نورانی کر دیا۔میں نے دیکھا کہ آسمان کے ستارے زمین کے نزدیک آ گئے ہیں میں نے خیال کیا کہ شاید وہ مجھ پر گر پڑیں گے،تمام گھر پر انوار ہو گیا۔

احادیث صحیحہ و مشہورہ میں آیا ہے کہ سیدہ آمنہ فرماتی ہیں کہ میں نے شب ولادت میں دیکھا کہ ایک نور ظاہر ہوا جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے اور میں نے ان کو دیکھا۔

حلیمہ سعدیہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مرضعہ سے مروی ہے کہ سیدہ آمنہ فرماتی ہیں کہ مجھ سے ایک ستارہ عالم ظہور میں آیا جس سے ساری زمین روشن ہوگئی اور میں نے شام کے محلات دیکھے اور یہ فرزند پاک وصاف پیدا ہوا،کسی قسم کی آلائش و پلیدی نہ تھی ۔یہ روایت اس امر میں صریح ہے کہ ولادت شریف

عادت کے مطابق ہوئی جس طرح کہ تمام عورتوں کو ہوتی ہے، نیز ایک اور حدیث میں ہے کہ فاخذ فی المخاض تو مجھے دردزہ نے پکڑلیا۔اس سے بھی یہی بات ظاہر ہوتی ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اپنی والدہ جن کا نام ''شفا'' تھا روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے بتایا جس وقت حضرت آمنہ سے فرزند پیدا ہوا تو وہ میرے ہاتھ میں آیا جو ختنہ شدہ تھا، پھر چھینک آئی اس پر کسی کہنے والے کی آواز سنی یرحمک اللہ .

شفا بیان کرتی ہیں کہ شرق و مغرب کے درمیان ہر چیز روشن ہوگئی اور میں نے اس وقت شام کے قصور و محلات دیکھے، ایک روایت میں روم کے محلات، اور ایک روایت میں شام کے محلات آئے ہیں، شام ہی زیادہ صحیح ہے کیوں کہ شام حضور کا ملک ہے اور کتب سابقہ میں آیا ہے اور شام کی فضیلت میں بکثرت حدیثیں مروی ہیں۔

مقامات متبرکہ کی سیر

اور شفا بیان کرتی ہیں کہ میں ڈری اور مجھ پر لرزہ طاری ہوگیا، اس کے بعد ایک نور داہنی جانب سے ظاہر ہوا کسی کہنے والے نے کہا اسے کہاں لے گیا؟ دوسرے نے جواب دیا مغرب کی جانب تمام مقامات متبرکہ میں لے گیا پھر بائیں جانب سے بھی ایک نور ظاہر ہوا اس پر بھی کسی کہنے والے نے کہا اسے کہاں لے گیا دوسرے نے جواب دیا اسے میں مشرق کی جانب تمام مقامات متبرکہ میں لے گیا اور حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے سامنے پیش کیا انھوں نے اسے اپنے سینے سے لگایا اور طہارت و برکت کی دعا مانگی۔

شفا بیان کرتی ہیں یہ بات میرے دل میں ہمیشہ جاگزیں رہی یہاں تک کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو میں اسلام لائی اور اولین و سابقین میں سے ہوئی۔

محمد نام رکھنے کی بشارت

نیز وہ سیدہ آمنہ کی بابت بیان کرتی ہیں کہ وہ فرماتی تھیں کہ میں نے خواب میں کسی کو کہتے سنا جب کہ چھ ماہ کی حاملہ تھی اس نے مجھ سے کہا اے آمنہ تم سارے جہان کی افضل سے حاملہ ہو جب تم سے وہ پیدا ہوتو اس کا نام محمد رکھنا اور اپنے حال کو پنہاں رکھنا۔

اس روایت سے ظاہر و معلوم ہوتا ہے کہ محمد نام رکھنا آمنہ کی جانب سے ہوگا حالاں کہ دوسری حدیث میں آیا ہے کہ یہ نام حضرت عبدالمطلب نے رکھا ہے تو ان دونوں روایتوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

آمنہ کا خوف زائل ہو گیا

سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ مجھ پر جب وہ حالت طاری ہوئی جو عام طور پر عورتوں کو وضع حمل کے وقت درد وغیرہ ہوتا ہے تو میں گھر میں تنہا تھی اور حضرت عبدالمطلب طواف میں تھے اس وقت میں نے ایک عظیم آواز سنی جس سے میں خوفزدہ ہوگئی۔ اس کے بعد میں نے دیکھا ایک مرغ سفید کا بازو میرے سینے کو مل رہا ہے تو میرا خوف اور وہ درد جاتا رہا۔ پھر میں نے دیکھا کہ میرے پاس ایک سفید شربت کا پیالہ لایا گیا میں نے اسے پیا اور سکون وقرار حاصل ہوا، پھر میں نے نور کا ایک بلند مینار دیکھا اس کے بعد اپنے پاس بلند قامت والی عورتیں دیکھیں جن کا قد عبد مناف کی لڑکیوں کی مانند کھجور کی درختوں کی طرح ہے میں نے تعجب کیا یہ کہاں سے آگئیں اس پر ان میں سے ایک نے کہا، میں آسیہ فرعون کی بیوی ہوں۔ دوسری نے کہا میں مریم بنت عمران ہوں اور یہ عورتیں حور ہیں، اور میرا حال بہت سخت ہو گیا اور ہر گھڑی عظیم سے عظیم تر آوازیں سنتی جس سے خوف معلوم ہوتا تھا۔ اسی حالت کے دوران میں نے دیکھا کہ ایک فرش زمین و آسمان کے درمیان کھینچا گیا اور میں نے دیکھا کہ زمین و آسمان کے درمیان بہت سے لوگ کھڑے ہیں جن

کے ہاتھوں میں چاندی کے آفتابے ہیں۔

پھر میں نے دیکھا کہ پرندوں کی ایک ڈار میرے سامنے آئی یہاں تک کہ میرا کمرہ ان سے بھر گیا۔ ان کی چونچیں زمرد کی اور ان کے بازو یاقوت کے تھے اور حق تعالیٰ نے میری آنکھوں سے پردہ اٹھا دیا اور میں نے مشارق و مغارب کو دیکھا اور میں نے دیکھا کہ تین علم ہیں ایک مشرق میں اور ایک مغرب میں اور ایک خانہ کعبہ کے اوپر نصب ہے پھر مجھے درد زہ ہوا اور محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) متولد ہوئے۔

اس وقت میں نے دیکھا کہ آپ سجدے میں ہیں اور دونوں انگشتہائے مسبحہ آسمان کی جانب اٹھائے ہوئے ہیں اور تضرع کی مانند گریاں کناں ہیں۔ اس کے بعد میں نے ایک ابر سفید دیکھا جس نے انھیں میری نظروں سے چھپا دیا اور میں نے کسی کی آواز سنی جو کہہ رہا تھا انھیں زمین کے مشارق و مغارب کی سیر کراؤ اور ان کے شہروں میں گشت کراؤ تاکہ وہاں کے رہنے والے آپ کے اسم مبارک اور نعت و صورت کو پہچان لیں اور جان لیں کہ آپ کی صفت ماحی ہے جو کہ شرک کے آثار کو محو و فنا کریں گے۔

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

ایک اور حدیث میں ہے کہ سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو لٹایا گیا تو میں نے ایک بہت بڑے نورانی ابر کو دیکھا جس میں گھوڑوں کے ہنہنانے اور بازوؤں کے پھڑ پھڑانے اور لوگوں کے باتیں کرنے کی آوازیں سنیں یہاں تک کہ اس ابر نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ڈھانپ لیا اور میری نظروں سے غائب ہو گئے اس وقت میں نے ایک منادی کو ندا کرتے ہوئے سنا وہ کہہ رہا تھا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو زمین کے جملہ گوشوں میں پھراؤ اور جن و انس کی روحوں پر گشت کراؤ۔ فرشتوں، پرندوں اور چرندوں کو زیارت کراؤ۔ اور ان کو حضرت آدم کے اخلاق، حضرت شیث کی معرفت، حضرت نوح کی شجاعت، حضرت ابراہیم کی خلت، حضرت اسماعیل کی زبان، حضرت اسحاق کی

رضا، حضرت صالح کی فصاحت، حضرت لوط کی حکمت، حضرت یعقوب کی بشارت، حضرت موسیٰ کی شدت، حضرت ایوب کا صبر، حضرت یونس کی طاعت، حضرت یوشع کا جہاد، حضرت داؤد کا لحن اور آواز، حضرت دانیال کی محبت، حضرت الیاس کا وقار، حضرت یحییٰ کی عصمت اور حضرت عیسیٰ کے زہد کا پیکر بناؤ اور تمام نبیوں کے دریائے اخلاق میں غوطہ دو۔ علیہم الصلاۃ والسلام۔

سیدہ آمنہ فرماتی ہیں کہ اس کے بعد وہ ابر مجھ سے کھل گیا تو میں نے دیکھا کہ سبز ریشمی کپڑے میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خوب لپٹے ہوئے ہیں اور چشمہ کی مانند اس حریر سے پانی ٹپک رہا ہے اور کوئی کہنے والا کہتا ہے کہ ماشاء اللہ ماشاء اللہ۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دنیا پر کس شان سے بھیجا گیا، دنیا کی کوئی مخلوق ایسی نہیں ہے جو آپ کی تابع فرمان نہ ہو۔ سب ہی کو آپ کے قبضۂ قدرت میں دیا گیا ہے۔ پھر جب میں نے آپ کی طرف نظر کی تو میں نے دیکھا کہ گویا آپ چودھویں رات کے چاند کی مانند چمک رہے ہیں اور آپ کے جسم اطہر سے مشک وعنبر کی لپٹیں آرہی ہیں، اور تین شخص کھڑے ہیں ایک کے ہاتھ میں چاندی کا آفتابہ ہے، دوسرے کے ہاتھ میں سبز زمرد کا طشت ہے اور تیسرے کے ہاتھ میں سفید حریر ہے، اس کے بعد انھوں نے ایک انگشتری نکالی جس سے دیکھنے والوں کی نظریں جھپک گئیں، پھر اسے سات مرتبہ دھویا اور اس انگشتری سے آپ کے شانوں کے درمیان مہر کیا اور حریر میں لپیٹ کر اٹھالیا اور کچھ دیر اپنے آغوش میں لے کر میرے سپرد کر دیا۔

جس کے سجدے کو محراب کعبہ جھکی

حضرت عبدالمطلب سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں شب ولادت کعبہ کے پاس تھا جب آدھی رات ہوئی تو میں نے دیکھا کہ کعبہ مقام ابراہیم کی طرف جھکا اور سجدہ کیا اور اس سے تکبیر کی آواز آئی کہ اللہ اکبر اللہ اکبر رب محمد المصطفی الآن قد طھر نی ربی من انجاس الاصنام

و ارجاس المشرکین ۔

اللہ بلند و بالا ہے، اللہ بلند و بالا ہے۔ وہ رب ہے محمد مصطفیٰ کا اب مجھے میرا رب بتوں کی پلیدی اور مشرکوں کی نجاست سے پاک فرمائے گا۔

اور غیب سے آواز آئی رب کعبہ کی قسم! کعبہ کو برگزیدگی ملی، خبردار ہو جاؤ کعبہ کو ان کا قبلہ، ان کا مسکن ٹھہرایا، اور وہ بت جو کعبہ کے گرد اگرد نصب تھے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے اور سب سے بڑا بت جسے ہبل کہتے تھے منہ کے بل گر پڑا۔ ندا آئی کہ سیدہ آمنہ سے محمد مصطفیٰ پیدا ہو گئے اور ابر رحمت ان پر اتر آیا ہے۔

حضور ختنہ شدہ پیدا ہوئے

جمہور اہل سیر کا مذہب ہے کہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ختنہ شدہ اور ناف بریدہ پیدا ہوئے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ان تمام عزت و کرامت میں سے جو رب العزت کے حضور مجھے حاصل ہے یہ ہے کہ میں ختنہ کردہ پیدا ہوا اور میری شرمگاہ کو کسی نے نہیں دیکھا۔ یہ ارشاد ختنہ شدہ پیدا ہونے کی حکمت کی جانب ایک اشارہ ہے۔

بعض علماء یہ بھی کہتے ہیں تا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کمال خلقت اور تکمیل اعضاء میں کسی مخلوق کا کوئی دخل نہ ہو۔ نیز یہ بھی حکمت ہے کہ کوئی عیب آپ کی طرف منسوب نہ ہو، بعض متاخرین نے اس کا انکار کیا ہے اور اس حدیث پر جرح کی ہے اور حاکم نے مستدرک میں تواتر کا دعویٰ کیا ہے۔ اور ذہبی کہتے ہیں کہ جب اس کی صحت میں ہی کلام ہے تو متواتر کیسے ہوگی۔ اور بعض نے تواتر کو معنوی اور لغوی شہرت پر محمول کیا ہے۔

ابن قیم کہتے ہیں کہ یہ بات حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے نہیں ہے بلکہ بکثرت لوگ اس ہیئت پر پیدا ہوئے ہیں۔

بعض اہل سیر نقل کرتے ہیں کہ جبریل علیہ الصلاۃ والسلام نے آپ کی ختنہ اس وقت کی جب کہ انھوں نے شق صدر مبارک کر کے تطہیر قلب انور کی۔

اور ایک قول یہ ہے کہ حضرت عبدالمطلب نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت کے ساتویں دن ختنہ کر کے مہمان نوازی کی۔

حیرت انگیز نشانیاں

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت مبارک کے وقت جس قدر کرامتیں اور نشانیاں ظاہر ہوئیں وہ حیطۂ بیان اور گنتی وشمار سے باہر ہیں اور جتنا کچھ بیان کیا گیا ہے ان کا یہ کچھ حصہ ہے۔

سب سے زیادہ مشہور وروشن اور حیرت وتعجب میں ڈالنے والی بات کسریٰ کے محل کا لرزنا، کانپنا اور اس کے چودہ کنگرے کا گر پڑنا ہے۔

انھیں نشانیوں میں سے دریائے ساوہ کا خشک ہونا اور اس کا پانی زمین میں چلا جانا اور اس نالے کا جاری ہونا جسے وادی ساوہ کہتے ہیں جو ہزار برس سے خشک تھا فارسیوں کے آتش کدہ کی آگ کا بجھ جانا ہے جو ہزار برس سے روشن تھی انھیں نشانیوں میں سے بتوں کا اوندھے منھ گرنا اور ان کا ذلیل وخوار ہونا ہے۔

حضرت آمنہ کی وفات

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عمر شریف جب چھ برس کی ہوگئی تو آپ کی والدہ ماجدہ آپ کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ آپ کے دادا کے ننہیال بنو عدی بن نجار میں رشتہ داروں کی ملاقات یا اپنے شوہر کی قبر کی زیارت کے لیے تشریف لے گئیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والد ماجد کی باندی ام ایمن بھی اس سفر میں آپ کے ساتھ تھیں وہاں سے واپسی پر ''ابواء'' نامی گاؤں میں حضرت بی بی آمنہ کی وفات ہوگئی

اور وہ وہیں مدفون ہوئیں والد ماجد کا سایہ تو ولادت سے پہلے ہی اٹھ چکا تھا اب والدہ ماجدہ کی آغوش شفقت کا خاتمہ بھی ہو گیا لیکن حضرت بی بی آمنہ کا یہ در یتیم جس آغوش رحمت میں پرورش پا کر پروان چڑھنے والا ہے وہ ان سب ظاہری اسباب تربیت سے بے نیاز ہے۔

حضرت بی بی آمنہ کی وفات کے بعد حضرت ام ایمن آپ کو مکہ مکرمہ لائیں اور آپ کے دادا عبد المطلب کے سپرد کیا اور دادا نے آپ کی اپنے آغوش تربیت میں انتہائی شفقت و محبت کے ساتھ پرورش کی اور حضرت ام ایمن آپ کی خدمت کرتی رہیں۔ جب آپ کی عمر شریف آٹھ برس کی ہو گئی تو آپ کے دادا عبدالمطلب کا بھی انتقال ہو گیا۔

اللہ اللہ وہ بچپنے کی پھبن

حضرت حلیمہ کا بیان ہے کہ آپ کا گہوارہ یعنی جھولا فرشتوں کے ہلانے سے ہلتا تھا اور آپ بچپن میں چاند کی طرف انگلی اٹھا کر اشارہ فرماتے تھے تو چاند آپ کی انگلی کے اشاروں پر حرکت کرتا تھا۔ جب آپ کی زبان کھلی تو سب سے اول جو کلام آپ کی زبان مبارک سے نکلا وہ یہ تھا۔

الله اکبر الله اکبر الحمد لله رب العالمین و سبحان الله بکرة و اصیلا.

بچوں کی عادت کے مطابق کبھی بھی آپ نے کپڑوں میں بول و براز نہیں فرمایا بلکہ ہمیشہ ایک معین وقت پر رفع حاجت فرماتے اگر کبھی آپ کی شرمگاہ کھل جاتی تو آپ رو رو کر فریاد کرتے اور جب تک شرمگاہ نہ چھپ جاتی آپ کو چین و قرار نہیں آتا تھا اور اگر شرمگاہ چھپانے میں مجھ سے کچھ تاخیر ہو جاتی تو غیب سے کوئی آپ کی شرمگاہ چھپا دیتا۔ جب آپ اپنے پاؤں پر چلنے کے قابل ہوئے تو باہر نکل کر بچوں کو کھیلتے ہوئے دیکھتے مگر خود کھیل کود میں شریک نہیں ہوتے تھے لڑکے آپ کو کھیلنے کے لیے بلاتے تو آپ فرماتے کہ میں کھیلنے کے لیے نہیں پیدا کیا گیا ہوں۔ (مولف) (مدارج النبوۃ، جلد دوم، سیرت مصطفیٰ)

ولادت اقدس کی تاریخ و تفصیل

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ سے سوال ہوا کہ

ولادت شریف کا دن کیا تھا؟ آپ نے فرمایا:

بالاتفاق دوشنبہ، علامہ ابن حجر نے افضل القریٰ میں اس کی صراحت کی ہے۔ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پیر کے دن کو فرماتے ہیں ذلک یوم ولدت فیه .

میں اسی دن پیدا ہوا ہوں۔ اسے مسلم نے ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔

کیا مہینہ تھا؟ آپ نے فرمایا:

رجب، صفر، ربیع الآخر، محرم، رمضان سب کچھ کہا گیا اور صحیح و مشہور قول جمہور ربیع الاول ہے۔

مدارج میں ہے مشہور آنست کہ در ربیع الاول بود۔

مشہور یہ ہے کہ ربیع الاول میں ولادت اقدس ہوئی۔ (مولف)

شرح الہمزیہ میں ہے الاصح فی شهر ربیع الاول

مواہب میں ہے و هو قول جمهور العلماء پھر کہا فی ربیع الاول علی الصحیح

شرح زرقانی میں ہے قال ابن کثیر هو المشهور عند الجمهور اسی میں ہے و علیه العمل .

حاصل یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت طیبہ ماہ ربیع الاول شریف میں ہوئی یہی جمہور علماء کا قول اور اسی پر عمل ہے۔ (مولف)

علماء باآں کہ اقوال مذکورہ سے آگاہ تھے محرم ورمضان ورجب کی نفی فرمائی۔

مواہب میں ہے لم یکن فی المحرم و لا فی رجب و لا رمضان .

شرح ام القریٰ میں ہے لم یکن فی الاشهر الحرم او رمضان

یعنی ولادت اقدس نہ محرم ورجب میں ہوئی نہ رمضان میں۔ (مولف)

یہاں تک کہ علامہ ابن الجوزی اور ابن جرار نے اسی پر اجماع نقل کیا۔

نسیم الریاض میں تلقیح سے ہے۔ اتفقوا علی انه ولد یوم الاثنین فی شهر ربیع الاول

اس بات پر علماء کا اتفاق ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم روز دوشنبہ ماہ ربیع الاول میں پیدا ہوئے۔ (مولف)

اسی طرح ان کی صفوۃ میں ہے جیسا کہ زرقانی اور ابن الجرار نے صراحت کی ہے۔

پس اس کا انکار اگر ترجیحات علماء واختیار جمہور کی ناواقفی سے ہو تو جہل ورنہ مرکب کہ اس سے بدتر، فقیر (اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی) کہتا ہے مگر اس تقدیر پر استقرار حمل بماہ ذی الحجہ میں صریح اشکال کہ دربارہ حمل چھ مہینے سے کمی عادۃً محال، اور خود او ہرگز را کہ مدت حمل شریف نہ ماہ ہونا اصح الاقوال تو یہ تینوں تصحیحیں کیوں کر مطابق ہوں۔

لکنی اقول و بالله التوفیق ۔ مہینے زمانہ جاہلیت میں معین نہ تھے اہل عرب ہمیشہ شہر حرم کی تقدیم تاخیر کر لیتے اس کے سبب ذی الحجہ ہر ماہ میں دورہ کر جاتا۔ قال الله تعالیٰ انما النسیٓء زیادة فی الکفر یضل به الذین کفروا یحلونه عاما و یحرمونه عاما لیواطئوا عدة ما حرم الله فیحلوا ما حرم الله ·

ان کا مہینے پیچھے ہٹانا نہیں مگر اور کفر میں بڑھنا اس سے کافر بہکائے جاتے ہیں ایک برس اسے حلال ٹھہراتے ہیں اور دوسرے برس اسے حرام مانتے ہیں کہ اس گنتی کے برابر ہو جائیں جو اللہ نے حرام فرمائی۔ (کنزالایمان)

یہاں تک کہ صدیق اکبر و مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہما نے جو ہجرت سے نویں سال حج کیا وہ مہینہ واقع میں ذی قعدہ تھا۔ (اس پر اعتراض ہے کہ بروز عرفہ صدیق و مرتضٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اعلان احکام الٰہیہ فرمایا جسے رب عزوجل نے و اذان من اللہ و رسولہ الی الناس یوم الحج الاکبر ان اللہ بری من المشرکین و رسولہ فرمایا اگر وہ ذی الحجہ نہ ہوتا تو ایسا نہ فرماتا) سال دہم میں ذی الحجہ اپنے ٹھکانے سے آیا سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حج فرمایا اور ارشاد کیا ان الزمان قد استدار کھیأتہ یوم خلق السموات و الارض الحدیث۔

یعنی زمانہ دورہ کر کے اسی حالت پر آ گیا جس پر روز تخلیق زمین و آسمان تھا بخاری و مسلم نے اسے روایت کیا۔

اسی دن سے نسی نسیا منسیا ہوا اور یہی دورۂ دوازدہ ماہ قیامت تک رہا تو کچھ بعید نہیں کہ اس ذی الحجہ سے ربیع الاول تک نو مہینے ہوں شاید شیخ محقق اسی نکتہ کی طرف مشیر ہیں کہ زمانہ استقرار مبارک کو ایام حج سے تعبیر کیا نہ ذی الحجہ سے اگرچہ اس وقت کے عرف میں اسے ذی الحجہ بھی کہنا ممکن تھا۔

اقول: اب مسئلہ ثالثہ و خامسہ کی تصحیحوں پر مسئلہ اولیٰ کا جواب ۱۲ر جمادی الآخرہ ہوگا مگر جاہلیت کا دورہ نسی اگر منتظم مانا جائے یعنی علی التوالی ایک ایک مہینہ ہٹاتے ہوں تو سال استقرار حمل اقدس ذی الحجہ شعبان میں پڑتا ہے نہ کہ جمادی الآخرہ میں کہ ذی الحجہ حجۃ الوداع شریف جب عمر اقدس حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تریسٹھواں سال تھا ذی الحجہ میں آیا تو ۱۲-۱۲ کے اسقاط سے جب عمر اقدس سے تیسرا سال

تھا ذی الحجہ میں ہوا اور دوسرا سال ذیقعدہ اور پہلا سال شوال ولادت شریفہ رمضان اور سہال استقرار حمل مبارک شعبان میں لیکن ان نامنتظموں کی کوئی بات منتظم نہ تھی جب جیسی چاہتے کر لیتے ،لٹیرے لوگ جب لوٹ مار چاہتے ،اور مہینہ ان کے حسابوں میں اشہر حرم سے ہوتا اپنے سردار کے پاس آتے اور کہتے اس سال یہ مہینہ حلال کر دے وہ حلال کر دیتا اور دوسرے سال گنتی پوری کرنے کو حرام ٹھہرا دیتا۔ جیسا کہ اسے ابن جریر وابن منذر اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا۔

تو اس سال جمادی الآخرہ میں ذی الحجہ ہونا کچھ بعید نہیں۔

فائدہ

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ:

سائل نے یہاں تاریخ سے سوال نہ کیا ،اس میں اقوال بہت مختلف ہیں دو، آٹھ، دس، بارہ، سترہ، اٹھارہ، بائیس، سات قول ہیں مگر اشہر و اکثر و ماخوذ و معتبر بارہویں ہے مکہ معظمہ میں ہمیشہ اسی تاریخ کو مکان مولد اقدس کی زیارت کرتے ہیں۔ جیسا کہ مواہب اور مدارج النبوۃ میں ہے۔ اور خاص اس مکان جنت نشان میں اسی تاریخ مجلس میلاد مقدس ہوتی ہے۔

علامہ قسطلانی و فاضل زرقانی فرماتے ہیں **المشهور انه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ولد يوم الاثنين ثاني عشر ربيع الاول و هو قول محمد بن اسحق امام المغازی وغيره .**

مشہور یہ ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بارہ ربیع الاول بروز دوشنبہ کو دنیا میں تشریف لائے امام مغازی محمد بن اسحاق وغیرہ کا یہی قول ہے۔ (مولف)

شرح مواہب میں امام ابن کثیر سے ہے۔ **هو المشهور عند الجمهور .**

اسی میں ہے۔ هو الذی علیه العمل .

شرح الہمزیۃ میں ہے :

هو المشهور و علیه العمل .

یعنی یہی جمہور کے نزدیک مشہور اور اسی پر عمل ہے۔ (مولف)

اور شک نہیں کہ تلقی امت بالقبول کے لیے شان عظیم ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں الفطر یوم یفطر الناس و الاضحی یوم اضحی الناس

عیدالفطر اس دن ہے جس دن لوگ عید کریں اور عیداضحیٰ اس روز ہے جس روز لوگ عید سمجھیں۔ اسے ترمذی نے ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سند صحیح کے ساتھ روایت کیا۔

ابوداؤد اور بیہقی نے بسند صحیح ابوہریرہ سے اور شافعی مسند میں مرسلاً راوی، فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، فطر کم یوم تفطرون و اضحاکم یوم تضحون .

ترمذی میں بسند حسن شروع میں یہ زائد ہے، الصوم یوم تصومون ، الحدیث .

سنن بیہقی میں عطا کی روایت میں یہ زیادہ ہے۔ و عرفة یوم تعرفون .

یعنی مسلمانوں کا روزہ، عیدالفطر، عیداضحیٰ، روز عرفہ سب اس دن ہے جس دن جمہور مسلمین خیال کریں فی الواقع اگر چہ ایسا نہ ہو اس کی نظیر یہ ہے کہ اگر کوئی قبلہ بھول جائے تو جہت تحری اس کا قبلہ ہے۔

(مولف)

لاجرم، عید میلاد والا بھی کہ عید اکبر ہے قول و عمل جمہور مسلمین ہی کے مطابق بہتر ہے۔

شمسی تاریخ کیا تھی؟ آپ نے اس کے جواب میں فرمایا۔

ولادت اقدس ہجرت مقدسہ سے ۵۳ ربرس پہلے ہے۔ مرفوع ۶۰ رسال ۵ رند اک مرفوع سال مر کا ۵ کہ ۱۸۷۸۱ یوم ہوئے یعنی اس سال کا محرم وسطے سال ہجرت کے محرم وسطے سے اتنے دن پہلے تھا سات پر تقسیم کیے سے کچھ نہ بچا اور ابتدائے سال ہجری۔ بحساب اوسط پنجشنبہ ہے تو ان ایام مذکورہ کا پچھلا دن چہار شنبہ تھا اور جب کہ یہ پورے ہفتے ہیں تو ان کا پہلا دن پنجشنبہ تھا اور جب اس سال کا مدخل پنج شنبہ ہوا تو اس ربیع الاول کا مدخل یک شنبہ تو دوشنبہ کو نویں تھی یعنی کیم وسطے وہ ہلالی سے ایک دن پہلے ہوئی اب مابین التار تخین ہماری تحقیق میں اح ح لط ہے ۵ لح از؟ لح۔ محرم وصفر نط۔ ط ربیع الاول۔ زنا مو۔ ۵۰۰۵ سال ؟ ح مط ررضر ۷۰ سال رورا؟ مارچ ال ک تاریخ مطلوب بستم اپریل ۵۷۱ء معرفت یوم ہماری جداول سے ۵۷۱۔ ۳۳۶۔ ۲۲۵۔ ۲۸ باقی ۱۱ پس جدول رمیں مقابل ۱۱ دیکھا مدخل ۵۷۱ء پنجشنبہ ہوا اور مدخل اپریل چہار شنبہ پس بستم اپریل دوشنبہ وھوالمطلو ب۔ (نطق الہلال بارخ ولاد الحبیب والوصال)

۱۲ ربیع الاول میں اظہار مسرت کا حکم

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت بارہ ربیع الاول شریف یوم دوشنبہ کو ہے اور اسی میں وفات شریف ہے تو ائمہ نے خوشی و مسرت کا اظہار کیا۔ غم پروری کا حکم شریعت نہیں دیتی۔ (الملفوظ حصہ دوم)

ولادت کی خوشی سے ابولہب کو فائدہ ہوا

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت کی خبر جب ابولہب کی لونڈی ثویبہ نے اس کو سنائی اس وقت ابولہب نے خوش ہو کر ثویبہ کو آزاد کر دیا، پھر کئی دن تک ثویبہ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دودھ پلایا پھر ابولہب کو اس کے مرنے کے بعد حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ تیرا کیا حال ہے؟ بولا آگ میں ہوں لیکن ہر دوشنبہ کی رات کو تخفیف ہوتی ہے اور ان دو انگلیوں سے پانی چوستا ہوں جن کے اشارے سے میں نے ثویبہ کو آزاد کیا تھا۔ یہ روایت صحیح بخاری شریف میں ہے ائمہ

نے اسے مقبول رکھا اور اس میں قرآن عظیم کی اصلاً مخالفت نہیں۔ اس کا سبب حضور پرنور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے علاقہ اور حضور کی ولادت کریمہ پر خوشی ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۱۲، ص ۲۶۱)

ذکر میلاد مبارک

ایک سوال کے جواب میں امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں:

مسلمانوں کو جمع کر کے ذکر ولادت اقدس وفضائل علیہ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سنانا، ولادت اقدس کی خوشی کرنی، اس میں حاضرین کو کھانا یا شرینی تقسیم کرنی بلا شبہ جائز ومستحب ہے اور جائز زینت فی نفسہ جائز اور بہ نیت فرحت ولادت شریفہ وتعظیم ذکر انور قطعاً مستحب۔

اللہ عزوجل فرماتا ہے: و اما بنعمة ربک فحدث

اور اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچا کرو۔

اور فرماتا ہے: و ذکرھم بایام اللہ

اور انھیں اللہ کے دن یاد دلا۔

اور فرماتا ہے: قل بفضل اللہ و برحمته فبذلک فلیفرحوا۔

تم فرماؤ اللہ ہی کے فضل اور اسی کی رحمت اور اسی پر چاہئیے کہ خوشی کریں۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۱۲، ص ۲۶۴)

ایک مقام پر یہی مضمون اس طرح ہے۔

مولود شریف کرنا اور محفل میلاد میں خاص وقت ذکر ولادت شریف حضور پرنور احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کھڑے ہونا اور لوگوں کو کھڑے ہونے کے لیے حکم دینا اور نعتیہ اشعار خوش الحانی سے پڑھنا، یہ سب باتیں جائز و مستحسن و باعث برکات ہیں اور ان کی اصل قرآن عظیم کے ان احکام کا ماننا ہے۔

کہ اما بنعمة ربک فحدث

اپنے رب کی نعمت لوگوں کے سامنے خوب بیان کرو۔

و ذکرهم بايام الله .

انھیں اللہ کے دن یاد دلاؤ۔

قل بفضل الله و برحمته فبذلک فليفرحوا.

تم حکم دو کہ اللہ کے فضل اور اللہ کی رحمت کی خوشی منائیں۔

لتومنوا بالله و رسوله و تعزروه و توقروه .

تا کہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور رسول کی تعظیم وتوقیر کرو۔ (فتاوٰی رضویہ، ج۱۱،ص۴۸)

حضور اللہ کی نعمت ہیں

ان آیتوں میں حکم فرماتا ہے کہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت پر شادیاں مناؤ، لوگوں کو اللہ کے دن یاد دلاؤ، اللہ کی نعمت کا خوب چرچا کرو۔ اللہ کا کون سا فضل ورحمت کون سی نعمت اس حبیب کریم علیہ وعلیٰ آلہ افضل الصلاۃ والتسلیم کی ولادت سے زائد ہے کہ تمام نعمتیں، تمام رحمتیں، تمام برکتیں اسی کے صدقے میں عطا ہوئیں۔ اللہ کا کون کون سا دن اس نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ظہور پرنور کے دن سے بڑا ہے تو بلا شبہ قرآن کریم ہمیں حکم دیتا ہے کہ ولادت اقدس پر خوشی کرو، مسلمانوں کے سامنے اسی کا چرچا خوب زور شور

سے کرو، اسی کا نام مجلس میلاد ہے۔

تعظیم حضور کا حکم مطلق ہے

آخری آیت میں اپنے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم کا حکم مطلق فرماتا ہے اور قاعدۂ شرعیہ **المطلق یجری علی اطلاقہ** جو بات اللہ عزوجل نے مطلق ارشاد فرمائی وہ مطلق حکم عطا کرے گی۔ جو جو کچھ اس مطلق کے تحت میں داخل ہے سب کو وہ حکم شامل ہے۔ بلا تخصیص شرع جو اپنی طرف سے کتاب اللہ کے مطلق کو مقید کرے گا وہ کتاب اللہ کو منسوخ کرتا ہے۔ جب ہمیں تعظیم حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حکم مطلق فرمایا تو جمیع طرق تعظیم کی اجازت ہوئی۔ جب تک کسی خاص طریقے کو شریعت منع نہ فرمائے۔ یوں ہی رحمت پر فرحت، ایام الٰہی کا تذکرہ، نعمت ربانی کا چرچا، یہ بھی مطلق ہیں جس جس طریقہ سے کیے جائیں سب امتثال امر الٰہی ہیں جب تک شرع مطہر کسی خاص طریقہ پر انکار نہ فرمائے۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۱۱ ص ۶۸)

مجلس میلاد میں حضور تشریف فرما ہوتے ہیں

ایک سوال کے جواب میں امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں:

امام خاتم الحفاظ جلال الملۃ والدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تنویر میں فرماتے ہیں:

قد اخبرنی الثقات من اهل الصلاح انهم شاهدوه صلی الله تعالیٰ علیه وسلم مرارا عند قراءۃ المولود الشریف و عند ختم القرآن و بعض الاحادیث .

مجھے ثقہ صالحین نے خبر دی کہ انھوں نے بارہا حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مجلس میلاد شریف وجلسہ ختم قرآن عظیم وبعض احادیث میں مشاہدہ کیا۔

نیز امام ممدوح تنویر پھر امام محدث جلیل زرقانی شرح المواہب شریفہ میں فرماتے ہیں:

انہ و سائر الانبیاء اذن لھم فی الخروج من قبورھم للتصرف فی الملکوت العلوی و السفلی .

بے شک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور تمام انبیاء کرام علیہم الصلاہ والسلام کو اجازت ہے کہ آسمان وزمین کی سلطنت الٰہی میں تصرف فرمانے کے لیے اپنے مزارات طیبہ سے باہر تشریف لے جائیں۔

علامہ زرقانی فرماتے ہیں **و نحوہ یاتی للمصنف فی غیر موضع من ھذا الکتاب**

یعنی اسی کے مثل امام احمد قسطلانی نے مواہب شریفہ میں جا بجا تصریح فرمائی ہے۔

امام ابن حجر مکی فتاویٰ کبریٰ باب الجنائز میں فرماتے ہیں **روح نبینا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ربما تظھر فی سبعین الف صورۃ .**

ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح اقدس بارہا ستر ہزار صورتوں میں جلوہ گر ہوتی ہے۔

حضور عین نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان اقدس تو بلند و بالا ہے۔

(فتاویٰ رضویہ، ج۱۱،ص۸۲)

ربیع الاول مسرت کا مہینہ ہے

علامہ سیدی محدث محمد طاہر فتنی قدس سرہ الشریف آخر کتاب مستطاب مجمع بحار الانوار میں فرماتے ہیں۔

شھر السرور و البھجۃ مظھر منبع الانوار و الرحمۃ شھر ربیع الاول فانہ شھر امرنا باظھار السرور فیہ کل عام فلا نکدرہ باسم الوفاۃ فانہ یشبہ تجدید الماتم و قد نصوا علی کراھتہ کل عام فی سیدنا الحسین مع انہ لیس لہ اصل فی امھات البلاد

الاسلامیۃ و قد تحاشوا عن اسمہ فی اعراس الاولیاء فکیف بہ فی سید الاصفیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم.

یعنی ماہ مبارک ربیع الاول خوشی وشادمانی وسرچشمہ انوار ورحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا زمان ظہور ہے ہمیں حکم ہے کہ ہرسال اس میں خوشی ظاہر کریں تو ہم اسے وفات کے نام سے مکدر نہ کریں کہ یہ تجدید ماتم کے متشابہ ہے۔ اور بے شک علماء نے تصریح کی کہ ہرسال جو سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ماتم کیا جاتا ہے اور خاص اسلامی شہروں میں اس کی اصل نہیں اور اولیائے کرام کے عرسوں میں نام ماتم سے احتراز کرتے ہیں تو حضور پرنور سید الاصفیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معاملہ میں اسے کیوں کر پسند کر سکتے ہیں۔

امام قسطلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مواہب لدنیہ شریف میں تصریح فرمائی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدح شریف الحان خوش کے ساتھ سننا محبت حضور کو ترقی دیتا ہے اور ولادت اقدس پر اظہار فرحت وسرور خود قرآن سے مامور، **قال اللہ تعالیٰ قل بفضل اللہ و برحمتہ فبذلک فلیفرحوا.**

تم فرماؤ کہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت چاہیئے کہ اسی پر فرحت وسرور کریں۔

انسان العیون میں ہے بعض صالحین خواب میں زیارت جمال اقدس سے مشرف ہوئے عرض کی یا رسول اللہ یہ جو لوگ ولادت حضور کی خوشی کرتے ہیں فرمایا **من فرح بنا فرحنا بہ**.

جو ہماری خوشی کرتا ہے ہم اس سے خوش ہوتے ہیں۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

ذکر نبی ذکر خدا ہے

ایک مقام پر امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں:

ذکر حضور سید المحبوبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نور ایمان و سرور جان ہے، ان کا ذکر بعینہٖ ذکر رحمٰن ہے۔ قال اللہ تعالیٰ و رفعنا لک ذکرک۔

حدیث میں ہے اس آیہ کریمہ کے نزول کے بعد سیدنا جبریل امین علیہ الصلاۃ والسلام حاضر بارگاہ اقدس حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہوئے اور عرض کی حضور کا رب فرماتا ہے اتدری کیف رفعت لک ذکرک۔

کیا تم جانتے ہو میں نے کیسے بلند کیا تمھارے لیے تمھارا ذکر۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عرض کی اللہ اعلم ارشاد ہوا۔ جعلتک ذکرا من ذکری فمن ذکرک فقد ذکرنی۔

اے محبوب میں نے تمھیں اپنی یاد میں سے ایک یاد کیا کہ جس نے تمھارا ذکر کیا بے شک اس نے میرا ذکر کیا۔

اور ماہ ربیع الاول شریف اس کے لیے زیادہ مناسب ہے۔ جیسے دور قرآن و ختم قرآن کے لیے ماہ رمضان کہ اسی مہینے میں اترا۔ شھر رمضان الذی انزل فیه القرآن۔

یہاں اس عالم میں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا رونق افروز ہونا ماہ ربیع الاول میں ہوا و لہٰذا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم روز جاں افروز دوشنبہ کو روزۂ شکر کے لیے خاص فرماتے اور اس کی وجہ یوں ارشاد فرماتے کہ فیه ولدت و فیه انزل علی۔

اسی دن میں پیدا ہوا اور اسی دن مجھ پر کتاب اتری۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۹، ص ۶۳، ۴۰۹)

ماہ ربیع الاول میں ولادت کی حکمت

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کسی چیز سے شرف نہ پایا بلکہ جو چیز حضور کی طرف منسوب

ہو گئی اسے شرف مل گیا۔

اللہ عزوجل غیر افضل اشیاء کو بھی اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق فرماتا ہے تاکہ ان اشیاء کو فضل حاصل ہو، لہٰذا ولادت اقدس ماہ ربیع الاول شریف میں ہوئی نہ ماہ مبارک رمضان میں اور روز جاں افروز دوشنبہ ہوئی نہ روز مبارک جمعہ اور مکان مولد اقدس میں ہوئی نہ کعبہ معظمہ میں۔

(فتاویٰ رضویہ ا ص ۵۵۲ ۔النور والنورق)

مقامات انبیاء کی سیر

ابونعیم نے دلائل النبوۃ میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔

حضرت آمنہ والدہ ماجدہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتی ہیں جب حضور پیدا ہوئے ایک ابر آیا جس میں سے گھوڑوں اور پرندوں کے پروں کی آواز آتی تھی وہ میرے پاس سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو لے گیا اور میں نے ایک منادی کو پکارتے سنا۔

طوفوا بمحمد علی موالد النبیین .

محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تمام انبیاء کے مقامات ولادت میں لے جاؤ۔ (فتاویٰ افریقہ ۶۸)

ابولہب کے عذاب میں تخفیف

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اقسام شفاعت سے وہ تخفیف عذاب ہے جو ابولہب کو بروز دوشنبہ ملتی ہے۔

لسرورہ بولادۃ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و اعتاقہ ثویبۃ حین بشرتہ و

انما هی كرامة له صلی الله تعالیٰ علیه وسلم.

اس لیے کہ اس نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے میلاد مبارک کی خوشی کی اور اس کا مژدہ سن کر ثویبہ کو آزاد کیا تھا۔ یہ حضور ہی کا فضل ہے جس کے باعث اس نے تخفیف پائی۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

(شرح المطالب فی مبحث ابی طالب)

وقت ولادت نور کی تابانی

احادیث کثیرہ مشہورہ میں وارد جب حضور پیدا ہوئے ان کی روشنی سے بصرہ، روم اور شام کے محل روشن ہو گئے۔ چند روایتوں میں ہے۔

اضاء له ما بين المشرق و المغرب

شرق وغرب تک منور ہو گیا۔

اور بعض میں ہے۔

امتلأت الدنيا كلها نورا.

تمام دنیا نور سے بھر گئی۔

حضرت آمنہ حضور کی والدہ فرماتی ہیں:

رأيت نورا ساطعا من رأسه قد بلغ السماء.

میں نے ان کے سر سے ایک نور بلند ہوتا دیکھا کہ آسمان تک پہنچا۔

علامہ فاسی مطالع المسرات میں علامہ ابن سبع سے نقل کرتے ہیں۔

كان النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يضي البيت المظلم من نوره .

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نور سے خانۂ تاریک روشن ہو جاتا۔

(نفی الفی عمن استنار بنورہ کل شئ)

وقت ولادت رضوان کی بشارت

امام ابوزکریا یحییٰ بن عائذ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی۔

حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قصۂ ولادت اقدس میں فرماتی ہیں مجھے تین شخص نظر آئے گویا آفتاب ان کے چہروں سے طلوع کرتا ہے ان میں ایک نے حضور کو اٹھا کر ایک ساعت تک اپنے پروں میں چھپایا اور گوش اقدس میں کچھ کہا کہ میری سمجھ میں نہ آیا اتنی بات میں نے بھی سنی کہ عرض کرتا ہے۔

ابشر يا محمد فما بقي لنبي علم الاوقد اعطيته فانت اكثرهم علما و اشجعهم قلبا معک مفاتيح النصر قد البست الخوف و الرعب لا يسمع احد بذكرک الا وجل فواده و خاف قلبه و ان لم يرک يا خليفة الله .

اے محمد مژدہ ہو کہ کسی نبی کا کوئی علم باقی نہ رہا جو حضور کو نہ ملا ہو تو حضور ان سب سے علم میں زائد اور شجاعت میں فائق ہیں جو نصرت کی کنجیاں حضور کے ساتھ ہیں حضور کو رعب و دبدبہ کا جامہ پہنایا ہے جو حضور کا نام پاک سنے گا اس کا جی ڈر جائے گا اور دل سہم جائے گا اگرچہ حضور کو دیکھا نہ ہو اے اللہ کے نائب۔

ابن عباس فرماتے ہیں:

كان ذلک رضوان خازن الجنان .

یہ رضوان داروغۂ جنت تھے۔ علیہ الصلاۃ والسلام۔ (تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین)

محمد واحمد نام رکھنے کی بشارت

ابونعیم حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے حدیث طویل میلاد جمیل میں راوی حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں جب حمل اقدس میں چھ مہینے گزرے ایک شخص نے سوتے میں مجھے ٹھوکر ماری اور کہا۔

یا آمنة انک قد حملت بخیر العالمین طرا فاذا ولدته فسمیه محمدا .

اے آمنہ تمھارے حمل میں وہ ہے جو تمام جہان سے بہتر ہے جب پیدا ہوں ان کا نام محمد رکھنا۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

ابونعیم حضرت بریدہ وابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے راوی حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایام حمل مقدس میں خواب دیکھا کوئی کہنے والا کہتا ہے۔

انک قد حملت بخیر البریة و سید العلمین فاذا ولدته فسمیه احمد و محمدا.

تمھارے حمل میں بہتر عالم وسردار عالمیاں ہیں پیدا ہوں تو ان کا نام احمد ومحمد رکھنا۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

ابن سعد حسن بن جراح زید بن اسلم سے راوی، حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جناب حلیمہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہا سے فرمایا مجھ سے خواب میں کہا گیا۔

انک ستلدین غلاما فسمیه احمد و هو سید العالمین .

عنقریب تمھارے لڑکا ہوگا ان کا نام احمد رکھنا وہ تمام عالم کے سردار ہیں۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

(تجلی الیقین)

ایک راہب کا استفسار

بیہقی وطبرانی وابونعیم اور خرائطی کتاب الھواتف میں خلیفہ بن عبدہ سے راوی میں نے محمد بن عدی بن ربیعہ سے پوچھا جاہلیت میں کہ ابھی اسلام نہ آیا تھا تمھارے باپ نے تمھارا نام محمد کیوں کر رکھا اور سفیان ابن مجاشع بن دارم اور عمر بن ربیعہ اور اسامہ بن مالک جب ملک شام پہنچے ایک تالاب پر اترے جس کے کنارے پیڑ تھے ایک راہب نے اپنے دیر سے ہمیں جھانکا اور کہا تم کون ہو ہم نے کہا اولا د مضر سے کچھ لوگ ہیں تو اس نے کہا۔

اما انه سوف يبعث منكم و شيكا نبي فسارعوا اليه و خذوا بحظكم منه ترشدوا فانه خاتم النبيين .

سنتے ہو عنقریب بہت جلد تم میں سے ایک نبی مبعوث ہونے والا ہے تم اس کی طرف دوڑنا اور اس کی خدمت واطاعت سے بہریاب ہونا کہ وہ سب میں پچھلا نبی ہے ہم نے کہا اس کا نام پاک کیا ہوگا کہا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ جب ہم اپنے گھروں کو واپس آئے سب کے ایک لڑکا ہوا اس کا نام محمد رکھا۔ و الله اعلم حيث يجعل رسالته .

بشارت میلاد الرسول

ابونعیم بطریق شہر بن حوشب اور ابن عساکر بطریق میتب بن رافع وغیرہ حضرت کعب احبار سے راوی، انھوں نے فرمایا میرے باپ اعلم علمائے توراۃ تھے اللہ عزوجل نے جو کچھ موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام پر اتارا اس کا علم ان کے برابر کسی کو نہ تھا وہ اپنے علم سے کوئی شئ مجھ سے نہ چھپاتے جب مرنے لگے مجھے بلا کر کہا اے میرے بیٹے تجھے معلوم ہے کہ میں نے اپنے علم سے کوئی چیز تجھ سے نہ چھپائی مگر ہاں دو ورق روک

رکھے ہیں ان میں ایک نبی کا بیان ہے جس کی بعثت کا زمانہ قریب آپہنچا میں نے اس اندیشے سے تجھے ان دوورقوں کی خبر دی کہ شاید کوئی جھوٹا مدعی نکل کھڑا ہو تو اس کی پیروی کرلے۔ یہ طاق تیرے سامنے ہے میں نے اس میں وہ اوراق رکھ کر اوپر سے مٹی لگادی ہے ابھی ان سے تعرض نہ کرنا انھیں دیکھنا جب وہ نبی جلوہ فرما ہوا گر اللہ تعالیٰ تیرا بھلا چاہے گا تو تو آپ ہی اس کا پیرو ہو جائے گا یہ کہہ کر وہ مر گئے۔ ہم ان کے دفن سے فارغ ہوئے مجھے ان دونوں ورقوں کے دیکھنے کا شوق ہر چیز سے زیادہ تھا میں نے طاق کھولا ورق نکالے تو کیا دیکھتا ہوں کہ ان میں لکھا ہے۔

محمد رسول الله خاتم النبيين لا نبي بعده مولده بمكة و مهاجره بطيبة .

محمد اللہ کے رسول ہیں سب انبیاء کے خاتم ان کے بعد کوئی نبی نہیں ان کی پیدائش مکے میں اور ہجرت مدینے کو۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

ولادت اقدس سے قبل شہادت ایمان

زید بن عمرو بن نفیل کہ احد العشرۃ المبشرۃ سیدنا سعید بن زید کے والد ماجد ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہم وعنہ موحدان ومومنان عہد جاہلیت سے تھے۔ طلوع آفتاب عالم تاب اسلام سے پہلے انتقال کیا مگر اسی زمانہ میں توحید الٰہی ورسالت حضرت ختمی پناہی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شہادت دیتے۔

ابن سعد وابونعیم حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، میں زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملا مکہ معظمہ سے کوہ حرا کو جاتے تھے انھوں نے قریش کی مخالفت اوران کے معبودان باطل سے جدائی کی تھی، اس پر آج ان سے اور قریش سے کچھ لڑائی رنجش ہو چکی تھی مجھے دیکھ کر بولے اے عامر میں اپنی قوم کا مخالف اور ملت ابراہیم کا پیرو ہوا اسی کو معبود مانتا ہوں جسے ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام پوجتے تھے۔ میں ایک نبی کا منتظر ہوں جو بنی اسماعیل اور اولاد عبدالمطلب سے ہوں گے ان کا نام پاک احمد ہے۔ میرے خیال میں

میں ان کا زمانہ نہ پاؤں گا میں ابھی ان پر ایمان لاتا ہوں اور ان کی تصدیق کرتا، ان کی نبوت کی گواہی دیتا ہوں تمھیں اگر اتنی عمر ملے کہ انھیں پاؤ تو میرا سلام انھیں پہنچانا۔ اے عامر میں تم سے ان کی نعت وصفت بیان کیے دیتا ہوں کہ تم انھیں خوب پہچان لو درمیانہ قد ہیں، سر کے بال کثرت وقلت میں معتدل ان کی آنکھوں میں ہمیشہ سرخ ڈورے رہیں گے، ان کے شانوں کے بیچ میں مہر نبوت ہے ان کا نام احمد اور یہ شہر ان کا مولد ہے یہیں ان کی رسالت ظاہر ہوگی، ان کی قوم انھیں مکے میں نہ رہنے دے گی کہ ان کا دین اسے ناگوار ہوگا وہ ہجرت فرما کر مدینے جائیں گے وہاں سے ان کا دین ظاہر و غالب ہوگا۔ دیکھو تم کسی دھوکے فریب میں آکر ان کی اطاعت سے محروم نہ رہنا۔

فانی بلغت البلاد کلها لطلب دین ابراهیم و کل من اسأل من الیهود و النصاریٰ و المجوس یقول هذا الدین و راء ک و ینعتونه مثل ما نعته لک و یقولون لم یبق نبی غیره .

کہ میں دین ابراہیم کی تلاش میں شہروں شہروں پھرا یہود ونصاریٰ مجوس جس سے پوچھا سب نے یہی جواب دیا کہ یہ دین تمھارے پیچھے آتا ہے اور اس نبی کی وہی صفت بیان کی جو میں تم سے کہہ چکا اور سب کہتے تھے کہ ان کے سوا کوئی نبی باقی نہ رہا۔

عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ جب حضور خاتم الانبیاء علیہ وعلیہم الصلاۃ والثناء کی نبوت ظاہر ہوئی میں نے زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ باتیں حضور سے عرض کیں حضور نے ان کے حق میں دعائے رحمت فرمائی اور ارشاد کیا۔

قد رأیته فی الجنة یسحب ذیله .

میں نے اسے جنت میں دامن کشاں دیکھا۔

مقوقس شاہ مصر کی تصدیق ولادت

امام واقدی وابونعیم حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث طویل ملاقات مقوقس بادشاہ مصر میں راوی، جب ہم نے اس نصرانی بادشاہ سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدح وتصدیق کی اس نے پاس سے وہ کلام سن کر اٹھے جس نے ہمیں محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے ذلیل وخاضع کر دیا ہم نے کہا سلاطین عجم ان کی تصدیق کرتے اور ان سے ڈرتے ہیں حالاں کہ ان سے کچھ رشتہ علاقہ نہیں اور ہم تو ان کے رشتہ داران کے ہمسائے ہیں وہ ہمارے گھر ہمیں دین کی طرف بلانے آئے اور ہم ابھی ان کے پیرو نہ ہوئے پھر میں، اسکندریہ میں ٹھہرا کوئی گرجا کوئی پادری قبطی خواہ رومی نہ چھوڑا جہاں جا کر محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صفت جو وہ اپنی کتاب میں پاتے ہیں نہ پوچھی ہو۔ ان میں ایک پادری سب سے بڑا مجتہد تھا اس سے پوچھا۔

هل بقى احد من الانبياء .

آیا پیغمبروں میں سے کوئی رہا۔ وہ بولا۔

نعم و هو آخر الانبياء ليس بينه و بين عيسىٰ نبى قد امر عيسىٰ باتباعه و هو النبى الامى العربى اسمه احمد .

ہاں ایک نبی باقی ہیں وہ سب انبیاء سے پچھلے ہیں ان کے اور عیسیٰ کے بیچ میں کوئی نبی نہیں عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو ان کی پیروی کا حکم ہوا ہے وہ نبی امی عربی ہیں ان کا نام احمد ہے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

پھر اس نے حلیہ شریف و دیگر فضائل لطیفہ ذکر کیے مغیرہ نے فرمایا اور بیان کر اس نے اور بتائے ازاں جملہ کہا۔

یخص بما لم یخص به الانبیاء قبله کان النبی یبعث الی قومه و بعث الی الناس کافة .

انھیں وہ خصائص عطا ہوں گے جو کسی نبی کو نہ ملے ہر نبی اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا وہ تمام لوگوں کی طرف مبعوث ہوئے۔ مغیرہ فرماتے ہیں میں نے یہ سب باتیں خوب یاد رکھیں اور وہاں سے واپس آکر اسلام لایا۔

میلادالنبی پر خاص تارے کا طلوع

ابونعیم حضرت حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، میں سات برس کا تھا ایک دن پچھلی رات کو وہ سخت آواز آئی کہ ایسی جلد پہنچتی آواز میں نے کبھی نہ سنی تھی کیا دیکھتا ہوں کہ مدینے کے ایک بلند ٹیلے پر ایک یہودی ہاتھ میں آگ کا شعلہ لیے چیخ رہا ہے لوگ اس کی آواز پر جمع ہوئے وہ بولا۔

ھذا کوکب احمد قد طلع ھذا کوکب لا یطلع الا بالنبوة و لم یبق من الانبیاء الا احمد .

یہ احمد کے ستارے نے طلوع کیا یہ ستارہ کسی نبی کی ہی پیدائش پر طلوع ہوتا ہے اور اب انبیاء میں سوائے احمد کے کوئی باقی نہیں۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

یہودی علماء کے ہاں ذکر ولادت

امام واقدی و ابونعیم حضرت حویصہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی۔

قال کنا و یھود فینا کانوا یذکرون نبیا یبعث بمکة اسمه احمد و لم یبق من الانبیاء غیره و هو فی کتبنا .

یعنی میرے بچپن میں یہود ہم میں سے ایک نبی کا ذکر کیا کرتے جو مکے میں مبعوث ہوں گے ان کا نام پاک احمد ہے اب ان کے سوا کوئی نبی باقی نہیں وہ ہماری کتابوں میں لکھے ہوئے ہیں۔

احبار کی زبان پر حضور کا تذکرہ

ابونعیم سعد بن ثابت سے راوی۔

قال کان احبار یھود بنی قریظة و النضیر یذکرون صفة النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فلما طلع الکوکب الاحمر اخبروا انه نبی و انه لا نبی بعده اسمه احمد و مھاجره الی یثرب فلما قدم النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم المدینة و نزلھا انکروا وحسدوا و بغوا۔

یہود بنی قریظہ و بنی نضیر کے علماء حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صفت بیان کرتے جب سرخ ستارہ چمکا تو انھوں نے خبر دی کہ وہ نبی ہیں اور ان کے بعد کوئی نبی نہیں ان کا نام پاک احمد ہے ان کی ہجرت گاہ مدینہ۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لا کر رونق افروز ہوئے یہود براہ حسد و بغاوت منکر ہو گئے۔ **فلما جاء ما عرفوا کفروا به فلعنة اللہ علی الکافرین۔**

اہل یثرب کو میلاد النبی کی بشارت

زیاد بن لبید سے راوی، میں مدینہ طیبہ میں ایک ٹیلے پر تھا ناگاہ ایک آواز سنی کہ کوئی کہنے والا کہتا ہے:

یا اھل یثرب قد ذھب و اللہ نبوۃ بنی اسرائیل ھذا نجم قد طلع بمولد احمد و

هو نبی آخر الانبیاء و مهاجره الی یثرب.

اے اہل مدینہ خدا کی قسم بنی اسرائیل کی نبوت گئی، ولادت احمد کا تارا چمکا وہ سب سے پچھلے نبی ہیں مدینے کی طرف ہجرت فرمائیں گے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

یوشع کی زبان پر ذکر ولادت

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی میں نے مالک بن سنان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کہتے سنا کہ میں ایک روز بنی عبدالاشہل میں بات چیت کرنے گیا یوشع یہودی بولا اب وقت آ لگا ہے ایک نبی کے ظہور کا جس کا نام احمد ہے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ وہ حرم سے تشریف لائیں گے ان کا حلیہ و وصف یہ ہوگا میں اس کی باتوں سے تعجب کرتا اپنی قوم میں آیا وہاں بھی ایک شخص کو ایسا ہی بیان کرتے پایا میں بنی قریظہ میں گیا وہاں بھی ایک مجمع میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر پاک ہو رہا تھا۔ ان میں سے زبیر بن باطا نے کہا:

قد طلع الكوكب الاحمر الذی لم يطلع الا لخروج نبی و ظهوره و لم اجد الا احمد و هذه مهاجره.

بیشک سرخ ستارہ طلوع ہو کر آیا یہ تارا کسی نبی ہی کی ولادت و ظہور پر چمکتا ہے اور اب میں کوئی نبی نہیں پاتا سوا احمد کے اور یہ شہر ان کی ہجرت گاہ ہے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

شب ولادت ایک یہودی کا تجسس

ابن سعد و حاکم و بیہقی و ابونعیم حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے راوی، مکہ معظمہ میں ایک یہودی بغرض تجارت رہتا تھا جس رات حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پیدا ہوئے، وہ قریش کی مجلس میں گیا اور پوچھا آج تم میں کوئی لڑکا پیدا ہوا انھوں نے کہا ہمیں نہیں معلوم کہا:

ماحفظوا ما اقول لکم ولد هذه اللیلة نبی هذه الامة الاخیرة بین کتفیه علامة .

جو میں تم سے کہہ رہا ہوں اسے حفظ کر رکھو، آج کی رات اس پچھلی امت کا نبی پیدا ہوا اس کے شانوں کے درمیان علامت ہے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ (جزاء اللہ عدوہ باباء ہ ختم النبوۃ)

میلاد مبارک کے موضوع پر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی ایک تقریر

حضور اسم اللہ ہیں

حضرت عزت جل جلالہ اپنی کتاب کریم وذکر حکیم میں اپنے بندوں پر اپنی رحمت تامہ گستردہ فرماتا اوران کو اپنے دربار تک وصول کا طریقہ بتاتا ہے۔ سورۂ (فاتحہ) مبارکہ رب العزت تبارک وتعالیٰ نے اپنی کتاب میں اپنے بندوں کو تعلیم فرمائی اور خود ان کی طرف سے ارشاد ہوئی۔ ابتدا اس کی اور تمام سور قرآن عظیم کی ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' سے فرمائی گئی۔ اول حقیقی اللہ عزوجل ہے۔

هو الاول و الآخر و الظاهر و الباطن و هو بکل شیء علیم .

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابتداء اسم جلالت اللہ سے ہونی چاہیئے تھی کہ ''اللہ الرحمٰن الرحیم'' مگر ابتداء یوں فرمائی گئی ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' وہ جو اول حقیقی اللہ کا علم ذات ہے کہ ذات واجب الوجود مستجمع جمیع صفات کمالیہ پر دال ہے اس سے پہلے اس کا لفظ لائے اور اس پر بے کا حرف داخل فرمایا، گویا اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ اپنی الوہیت، وحدانیت وہویت میں بے غایت ظہور سے بے غایت بطون میں ہے۔

بندوں کو اس تک وصول محال کسی کی عقل، کسی کا وہم کسی کا خیال اس تک نہیں پہنچتا جس کا نام اللہ ہے وہ پاک ومنزہ ہے اس سے کہ اس تک فکر ووہم کا وصول ہو سکے، ایسی مخفی و باطن شی اس تک وصول کے لیے علامت درکار اور اسم کہتے ہیں علامت کو جو دلالت کرے ذات پر تو اسم اللہ ذریعہ ہوا وصول کا اور اسم جب کہ نام ٹھہرا اس شی کا جو دلالت کرنے والی ہے ذات پر، ذات پاک ہے اس سے کہ اسے کسی شی کی

حاجت ہو۔

ضرور ہے کہ ذات پر دلالت کرنے کے لیے تین چیزیں ہونی چاہئیں۔

ایک ذات ہو۔

دوسرا اس کا غیر ہو۔

تیسرا بیچ میں کوئی واسطہ ہو، جو دلالت کرے اس غیر کو اس ذات کی طرف۔

وہ ذات ذات الٰہی ہے۔

اور وہ غیر یہ تمام عالم مخلوقات

اور اسم اللہ کہ اللہ پر دلالت کرنے والا ہے وہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔

تو گویا ابتداء ہی نام اقدس سے فرمائی گئی، اپنے نام پاک سے پہلے نام حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا لایا جاتا ہے کہ ذریعہ وصول ہوئے اسم اللہ تمام مخلوقات کے لیے جو ازل سے ابد تک وجود میں لائی گئی ذات اقدس کی طرف دال ہے اس واسطے کہ تمام جہان کو اللہ کی طرف ہدایت حضور ہی نے فرمائی۔

حضور ہادی ہیں

حضور ہی ہادی ہیں مخلوق الٰہی کے یہاں تک کہ انبیائے کرام و مرسلین عظام کے بھی ہادی ہیں تو حضور کے سوا جتنے ہادی ہیں دلالت مطلقہ سے موصوف نہیں ہو سکتے کہ انھوں نے تمام مخلوق کو دلالت کی ہو ان کو کسی نے دلالت نہ کی ہو ایسا نہیں اگر وہ امتوں کے دال ہیں تو حضور کے مدلول ہیں، دلالت مطلقہ خاص حضور ہی کے لیے ہے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

تمام مخلوقات الٰہی میں کچھ تو وہ ہیں جو اللہ سے کچھ علاقہ نہیں رکھتے کچھ وہ ہیں جو علاقہ رکھتے ہیں وسائط کے ساتھ مگر دوسرا ان سے علاقہ نہیں رکھتا مہدی ہیں ہادی نہیں یعنی ہادی بالذات نہیں اگر چہ بالواسطہ ہادی ہوں اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علی الاطلاق ہادی و مہدی ہیں۔

اقسام کلمہ سے حضور کی توصیف

کلمہ کی تین قسمیں ہیں۔

اسم، فعل، حرف

حرف تو نہ مسند ہوتا ہے نہ مسندالیہ

فعل مسند ہوتا ہے مگر مسندالیہ نہیں ہوتا

اسم مسند بھی ہوتا ہے اور مسندالیہ بھی۔

تو وہ جو بے علاقہ ہیں ذات الٰہی سے وہ حرف ہیں کہ

و من الناس من يعبد الله على حرف فإن أصابه خير اطمأن و ان صابته فتنة انقلب على وجهه خسر الدنيا و الآخرة ذٰلك هو الخسر ان المبين .

(سورۃ الحج، آیت:۱۱)

کچھ لوگ وہ ہیں جو اللہ کو پوجتے ہیں کنارے پر تو اگر بھلائی پہنچ گئی تو مطمئن رہے اور اگر کوئی آزمائش ہوئی تو کنارے پر کھڑے ہی ہیں فوراً ایک قدم میں بدل گئے پلٹ گئے ان کو دنیا وآخرت دونوں میں خسارہ ہوا اور یہی کھلا خسارہ ہے۔

تو یہ نہ مسند ہیں نہ مسندالیہ کہ حرف ہیں اور وہ جو خود ذات الٰہی سے علاقہ رکھتے ہیں مگر بالذات ان سے دوسرا علاقہ نہیں رکھتا وہ تمام مومنین وہادین کہ مسند ہیں مگر بالذات مسندالیہ نہیں وہ فعل ہیں، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات کریم بے شک مسند ومسندالیہ بالذات و بے وساطت ہے تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اسم ہیں کہ ان کو اپنے رب سے نسبت ہے اور سب کو ان سے نسبت ہے اور یہی شان ہے اسم کی، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

اسم کے خواص میں سے یہ بھی ہے کہ اس پر حرف تعریف داخل ہوتا ہے اور تعریف کی حد ہے حمد اور

حمد کی تکثیر ہے تحمید اور اسی سے مشتق ہے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ وصحبہ و بارک وسلم۔ یعنی بار بار اور بکثرت بے شمار تعریف کیے گئے تو مخلوقات میں تعریف کے اصل مستحق نہیں مگر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

حضور اصل کمال ہیں

کہ وہی اصل جملہ کمالات ہیں جس کو جو کمال ملا ہے وہ حضور ہی کے کمال کا صدقہ اور ظل و پرتو ہے ،امام سیدی محمد بوصیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے قصیدۂ ہمزیہ میں عرض کرتے ہیں:

کیف ترقی رقیک الانبیاء
یا سماء ما طاولتها سماء

●

لم یساووک فی علاک و قدحا
ل سنامنک دونهم و سناء

●

انما مثلوا صفاتک للنا
س کما مثل النجوم الماء

انبیاء حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ترقی کیسے پا سکیں اے وہ آسمان جس سے کوئی آسمان بلندی میں مقابلہ نہیں کر سکتا وہ حضور کے مراتب بلند کے قریب بھی نہ پہنچے حضور کی رفعت و روشنی حضور تک پہنچنے سے انھیں حائل ہوگئی وہ تو حضور کی صفات کریمہ کا پرتو لوگوں کو دکھا رہے ہیں جیسے ستاروں کی شبیہ پانی دکھاتا ہے۔

حضور کی صفات کو نجوم سے تشبیہ دی کہ وہ لا تعد و لا تحصی ہیں،انبیاء کرام غایت انجلا میں

مثل پانی کے ہیں اپنی صفا کے سبب ان نجوم کا عکس لے کر ظاہر کرتے ہیں۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ و بارک وسلم۔

حمد ہوا کرتی ہے مقابل کسی صفت کمال کے اور تمام صفات کمال مخلوقات میں خاص ہیں حضور کے لیے باقی کو جو ملا حضور کا عطیہ وصدقہ ہے۔

حضور قاسم نعمت ہیں

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

انما انا قاسم و الله المعطی

عطا فرمانے والا اللہ ہے اور تقسیم کرنے والا میں۔

کوئی تخصیص نہیں فرمائی کہ کس چیز کا عطا فرمانے والا اللہ ہے اور کس چیز کے حضور قاسم ہیں ایسی جگہ اطلاق دلیل تعمیم ہے کونسی چیز ہے جس کا دینے والا اللہ نہیں تو جو چیز جس کو اللہ نے دی تقسیم فرمانے والے اس کے حضور ہی ہیں جو اطلاق وتعمیم وہاں ہے یہاں بھی ہے جو جس کو ملا اور جو کچھ بٹا اور بٹے گا ابتدائے خلق سے ابد الا باد تک، ظاہر و باطن میں، روح وجسم میں، ارض وسماء میں، عرش وفرش میں اور دنیا وآخرت میں جو کچھ ہے اس سب کے بانٹنے والے حضور ہی ہیں اللہ عطا فرماتا ہے اور ان کے ہاتھ سے ملتا ہے اور ملے گا ابد الا باد تک، لہٰذا مخلوقات میں تعریف کے اصل مستحق حضور اقدس ہی ہیں۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

حروف جر سے حضور کی توصیف

اسم کا خاصہ ہے جر اور جر کے معنی ہیں کشش یعنی جذب فرمانا یہ خاصہ ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا۔ کھینچنا دو طرح ہوتا ہے۔

ایک کھینچنا بلا مزاحمت کہ جس کو کھینچا جائے وہ کھنچ جائے۔

دوسرا کھینچنا مزاحمت کے ساتھ کہ کھینچنے والا کھینچ رہا ہے اور یہ کھنچنا نہیں چاہتا۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انتم تتقحمون فی النار کالفراش و انا آخذ بحجز کم ھلم الی .

تم پروانوں کی مانند آگ پر گرے پڑتے ہو اور میں تمھارا بند کمر پکڑے کھینچ رہا ہوں کہ میری طرف آؤ۔

یہ شان ہے جر یعنی کشش کی۔ اسم نحو کا خاصہ جر من حیث الوقوع ہے اور اسم اللہ کا من حیث الصدور، وہاں جر ان اقوال و کیفیات سے ناشی ہوتا ہے جن پر حروف جارہ دلالت کرتے ہیں وہ یہاں بروجہ اسم ہیں مثلاً بے کے معنی ہیں الصاق یعنی ملانا یہ خاص کام ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کہ خلق کو خالق سے ملاتے ہیں۔ یا من کہ ابتدائے غایت کے لیے ہے یہ بھی خاص ہے حضور ہی کے لیے۔

یا جابر ان اللہ خلق قبل الاشیاء نور نبیک من نورہ .

اے جابر تمام جہان سے پہلے اللہ تعالیٰ نے تمھارے نبی کے نور کو اپنے نور سے پیدا کیا۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر فضل و ہر کمال حتیٰ کہ وجود میں بھی ابتداء انھیں سے ہے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

اول وآخر ظاہر و باطن

الی ، آتا ہے انتہائے غایت کے لیے انتہائے کمال انھیں پر بلکہ ہر فرد کمال انھیں پر منتہی ہوتا ہے اول الانبیاء بھی وہی ہیں اور خاتم الانبیاء بھی وہی۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

تلمسانی عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی کہ ایک بار جبریل امین حاضر بارگاہ اقدس ہوئے اور عرض کی **السلام علیک یا اول ، السلام علیک یا آخر ، السلام علیک یا ظاھر ، السلام علیک یا باطن .**

رب العزت نے قرآن عظیم میں اپنی صفت کریمہ بیان فرمائی ہے۔

هو الاول و الآخر و الظاهر و الباطن و هو بكل شيء عليم

اس آیت کے لحاظ سے حضور نے جبریل سے فرمایا کہ یہ صفات میرے رب عزوجل کی ہیں عرض کی یہ صفات اللہ عزوجل کی ہیں اس نے حضور کو بھی ان سے متصف فرمایا، حضور کو اول کیا تمام مخلوق سے پہلے حضور کے نور کو پیدا کیا اور اللہ نے حضور کو آخر کیا کہ تمام انبیاء کے بعد مبعوث فرمایا۔ اور حضور کو ظاہر کیا اپنے معجزات بینہ سے کہ عالم میں کسی کو شک وشبہ کی مجال نہیں۔ اور حضور کو باطن کیا ایسے غایت ظہور سے کہ آفتاب اس کے کروڑویں حصہ کو نہیں پہنچتا، آفتاب اور جملہ انوار انھیں کے تو پرتو ہیں آفتاب میں شک ہوسکتا ہے اور ان میں شک ممکن نہیں۔

فرض کیجیے اگر ہم نصف النہار پر ایک روشن شرارہ آفتاب کے برابر دیکھیں جسے اپنے گمان سے یقیناً آفتاب سمجھیں اور اس کی دھوپ بھی دوپہر کی طرح پھیلی ہو اور حضور فرمائیں یہ آفتاب نہیں کوئی کرۂ نار کا شرارہ ہے، یقیناً ہر مسلمان صدق دل سے فوراً ایمان لائے گا کہ حضور کا ارشاد قطعاً حق وصحیح ہے اور آفتاب سمجھنا میرے نگاہ وگمان کی غلطی صریح ہے آخر اس کی وجہ کیا؟ یہی کہ آفتاب ہنوز معرض خفا میں ہے اور حضور پر اصلاً خفا نہیں آفتاب سے کروڑوں درجہ زیادہ روشن ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کا یہ غایت ظہور ہی غایت بطون کا سبب ہے اور حضور کے بطون کی یہ شان ہے۔

حضور کی حقیقت صرف خدا جانتا ہے

کہ خدا کے سوا حضور کی حقیقت سے کوئی واقف ہی نہیں۔ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو اعرف الناس یعنی سب سے زیادہ حضور کو پہچاننے والے اس امت مرحومہ میں ہیں اس واسطے ان کا مرتبہ افضل و اعلیٰ ہے۔ معرفت الٰہی وہ معرفت محمد ہے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جس کو ان کی معرفت زائد ہے اس کو معرفت الٰہی بھی زائد ہے۔ صدیق اکبر جیسے اعرف الناس کہ تمام جہان سے زیادہ حضور کی معرفت رکھتے ہیں ان سے ارشاد فرمایا:

ایا ابا بکر لم یعرفنی حقیقة غیر ربی

اے ابوبکر جیسا میں ہوں سوا میرے رب کے اور کسی نے نہ پہچانا۔

باطن ایسے کہ خدا کے سوا کسی نے ان کو پہچانا ہی نہیں اور ظاہر بھی ایسے کہ ہر پتہ ہر ذرہ شجر و حجر وحوش وطیور حضور کو جانتے ہیں یہ کمال ظہور ہے۔ صدیق اپنے مرتبہ کے لائق حضور کو جانتے ہیں، جبریل امین اپنے مرتبہ کے لائق پہچانتے ہیں، انبیاء و مرسلین اپنے اپنے مراتب کے لائق، باقی رہا حقیقۃً ان کو پہچاننا تو ان کا جاننے والا ان کا رب ہے، تبارک و تعالیٰ ان کا بنانے والا ان کا نوازنے والا ان کی حقیقت کے پہچاننے میں دوسرے کے واسطے حصہ ہی نہیں رکھا، بلاتشبیہ محب نہیں چاہتا کہ جو ادا محبوب کی اس کے ساتھ ہے وہ دوسرے کے ساتھ ہو، اللہ تمام جہان سے زیادہ غیرت والا ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سعد بن عبادۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت فرماتے ہیں۔

انه لغیور و انا اغیر منه و الله اغیر منی .

وہ غیرت والا ہے اور میں اس سے زیادہ غیرت والا ہوں اور اللہ مجھ سے زیادہ غیرت والا ہے۔

وہ کیوں کر روا رکھے گا کہ دوسرا میرے حبیب کی اس خاص ادا پر مطلع ہو جو میرے ساتھ ہے اسی واسطے فرمایا جاتا ہے جیسا میں ہوں میرے رب کے سوا کسی نے نہ پہچانا ہم تو **قوم نیام تسلوا عنه بالحلم** ہیں ہی سوتے میں خواب ہی میں زیارت پر راضی ہیں۔ انصاف یہ ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی حقیقت اقدس کے لحاظ سے اسی کے مصداق ہیں۔

دنیا خواب ہے اور اس کی بیداری نیند، امیر المومنین مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم فرماتے ہیں۔

الناس نیام اذا ماتوا انتبهوا

لوگ سوتے ہیں جب مریں گے جاگیں گے۔

خواب اور دنیا کی بیداری میں اتنا فرق ہے کہ خواب کے بعد آنکھ کھلی اور کچھ نہ تھا اور یہاں آنکھ

بند ہوئی اور کچھ نہ تھا۔ نتیجہ دونوں جگہ ایک ہے و ما الحیوۃ الدنیا الامتاع الغرور

خواب و بیداری میں حضور کی زیارت

خواب میں جمال اقدس کی زیارت ضرور حق ہوتی ہے۔ خود فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

من رأنی فقد رأی الحق فان الشیطان لا یتمثل بی .

جس نے مجھے دیکھا اس نے حق دیکھا کہ شیطان میری صورت نہیں بن سکتا۔

پھر لوگ مختلف اشکال واحوال میں دیکھتے ہیں وہ اختلاف ان کے اپنے ایمان ہی کا ہے ہر شخص اپنے ایمان کے لائق ان کو دیکھتا ہے، یوں ہی بیداری میں جتنے دیکھنے والے تھے سب اس آئینہ حق نما میں اپنے ایمان کی صورت دیکھتے ورنہ ان کی صورت حقیقیہ پر غیرت الٰہیہ کے ستر ہزار پردے ڈالے گئے ہیں کہ ان میں سے اگر ایک پردہ اٹھادیا جائے تو آفتاب جل کر خاک ہوجائے جیسے آفتاب کے آگے ستارے غائب ہوجاتے ہیں اور جو ستارہ اس سے قران میں ہو احتراق میں کہلاتا ہے۔ تو صحابہ کرام نے بھی خواب ہی میں زیارت کی نہ رب العزت کو کوئی بیداری میں دنیا میں دیکھ سکتا ہے نہ جمال انور حضور اقدس کو، جل وعلا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شب معراج کہ رب العزت جل وعلا کو بیداری میں چشم سر سے دیکھا وہ دیکھنا دنیا سے ورا تھا کہ دنیا ساتویں زمین سے ساتویں آسمان تک ہے اور یہ رویت لامکاں میں ہوئی، بالجملہ اس وقت بھی ہر شخص نے اپنے ایمان کی صورت دیکھی۔

حضور آئینۂ خداساز ہیں

کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آئینۂ خداساز ہیں، ابوجہل لعین حاضر ہوکر عرض کرتا ہے،

زشت نقش کز بنی ہاشم شگفت۔

حضور فرماتے ہیں صدقت تو سچ کہتا ہے۔ابوبکر صدیق اکبر عرض کرتے ہیں حضور سے زیادہ کوئی خوبصورت نہ پیدا ہوا حضور بے مثل ہیں، حضور آفتاب ہیں نہ شرقی اور نہ غربی، ارشاد فرمایا صدقت تم سچ کہتے ہو، صحابہ نے عرض کی حضور نے دو متضاد قولوں کی تصدیق فرمائی تو آپ نے ارشاد فرمایا:

گفت من آئینہ ام مصقول دوست

میں تو اپنے چاہنے والے رب تبارک وتعالیٰ کا چمکتا آئینہ ہوں۔ابوجہل جو کہ ظلمت کفر میں آلودہ ہے اس کو اپنے کفر کی تاریکی نظر آئی اور ابوبکر سب سے بہتر ہیں انھوں نے اپنا نور ایمان دیکھا۔صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم

حضور آفتاب حقیقت ہیں

لہٰذا ذات کریم جامع کمال ظہور وکمال بطون ہے۔ظہور کسی شی کا جب ایک ترقی محدود تک ہوتا ہے وہ شی نظر آتی ہے اور جب حد سے زیادہ ہو جاتا ہے تو وہ نظر نہیں آتی۔آفتاب جب افق سے نکلتا ہے سرخی مائل کچھ بخارات وغبارات میں ہوتا ہے۔ہر شخص کی نگاہ اس پر جمتی ہے جب ٹھیک نصف النہار پر پہنچتا ہے تو غایت ظہور سے باطن ہو جاتا ہے اب نگاہیں اس پر نہیں ٹھہر سکتیں خیرہ ہو کر واپس آتی ہیں کیوں کہ غایت ظہور پر پہنچا جس کی وجہ سے غایت بطون میں ہو گیا آفتاب کہ نام ہے ان کی گلی کے ایک ذرہ کا وہ آفتاب حقیقت کہ رب العزۃ نے اپنی ذات کے لیے اس کو آئینہ کاملہ بنایا ہے اور اس میں مع ذات وصفات کے تجلی فرمائی ہے۔حقیقت اس ذات کی کون پہچان سکتا ہے وہ غایت ظہور سے غایت بطون میں ہے۔صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

اسم اقدس سے تعریف

اسی سبب سے نام اقدس میں دونوں رعایتیں رکھی ہیں محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بکثرت اور بار بار

غیر متناہی تعریف کیے گئے اطلاق نے تمام تعریفوں کو جمع فرمالیا ہے تو شان ہے غایت ظہور کی اور نام اقدس پر الف لام تعریف کا داخل نہیں ہوتا یعنی ایسے ظاہر ہیں کہ مستغنی عن التعریف ہیں تعریف کی ضرورت نہیں یا ایسے بطون میں ہیں کہ تعریف ہو نہیں سکتی تعریف عہد یا استغراق یا جنس کے لیے ہے وہ اپنے رب کی وحدت حقیقیہ کے مظہر کامل اپنے جملہ فضائل وکمالات میں شریک سے منزہ ہیں۔

امام محمد بوصیری قصیدہ بردہ شریف میں فرماتے ہیں:

منزہ عن شریک فی محاسنہ

فجوھرا الحسن فیہ غیر منقسم

حضور اقدس اپنی خوبیوں میں شریک سے پاک ہیں ان کے حسن کا جوہر فرد قابل انقسام نہیں۔ کہ یہاں جنسیت واستغراق نا متصور اور عہد فرع معرفت ہے اور ان کو ذاتاً وحقیقۃً کوئی پہچان ہی نہیں سکتا تو نام اقدس پر کہ علم ذات ہے لام تعریف کیوں کر داخل ہو۔

حضور رب کی تجلی ہیں

جس طرح من، الی جر کرتے ہیں اسی طرح کاف تشبیہ بھی جر کے لیے آتا ہے۔ ذات الٰہی کمال تنزیہہ کے مرتبے میں ہے اور متشابہات میں تشبیہات بھی وارد، صحیح مذہب محققین کا یہ ہے کہ تنزیہہ ہے اس کی ذات وصفات کے لیے اور تشبیہ ہے تجلیات کے لیے دونوں کو اس آیت کریمہ میں جمع فرمادیا۔

لیس کمثلہ شئ و ھو السمیع البصیر .

"لیس کمثلہ شئ" کوئی شئ اس کے مثل نہیں یہ تنزیہہ ہوئی اور "و ھو السمیع البصیر" وہی ہے سننے دیکھنے والا یہ تشبیہ، جب تک اللہ نے عالم نہ بنایا تھا تشبیہ نہ تھی جب عالم بنایا تو نہ عالم خیال نہ عالم مثال میں بلکہ عالم تمثیل میں تجلی تدلی کے لیے ایک تشبیہ پیدا ہوئی جو عبارت ہے ذات اقدس

سے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اللہ تعالیٰ متعالی ہے شبیہ سے ہاں پہلی تجلی جو فرمائی ہے اسی کا نام ہے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اس تجلی کی اور تجلیات کی گئی ہیں ان کا نام ہے انبیاء کرام ومرسلین عظام علیہم الصلاۃ والسلام جس طرح امام بوصیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے کلام سے اوپر بیان ہوا۔

حضور دونوں جہان کی رحمت ہیں

آگے (بسم اللہ کے) فرمایا جاتا ہے۔ الرحمٰن الرحیم، مدح کا قاعدہ ہے کہ اختصاص پر دلالت کرتی ہے۔ الرحمٰن، الرحیم سے پہلے لایا گیا۔ الرحمٰن کہ رحمت کاملہ بالغہ رب تبارک وتعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ پھر فرمایا گیا الرحیم یعنی مطلق رحمت ہی اس کے ساتھ خاص ہے۔ رب العزت کی بے انتہا صفات ہیں یہ کیا ہے جن سے تمام صفات الٰہیہ کو رحمت کے پردے میں دکھایا۔ القہار، المنتقم نہیں فرمایا جاتا، الرحمٰن الرحیم خالص رحمت دکھائی جاتی ہے، یہ وہی آئینہ ذات الٰہی ہے جس میں صفات قہریہ بھی آ کر خالص رحمت سے متلبس ہو جاتی ہیں **و ما ارسلنک الا رحمة للعالمین ، صلی الله تعالیٰ علیه وسلم .**

اولین کے لیے رحمت، آخرین کے لیے رحمت، ملائکہ کے لیے رحمت، تمام مومنین کے لیے رحمت یہاں تک کہ دنیا میں وہ کافرین مشرکین منافقین ومرتدین کے لیے بھی رحمت ہیں یہ لوگ بھی آج ان کی رحمت سے دنیا میں عذاب سے محفوظ ہیں۔

ما كان الله ليعذبهم و انت فيهم .

اللہ اس لیے نہیں کہ انھیں عذات کرے جب تک اے رحمت عالم تم ان میں ہو۔

اسی لیے ادریس علیہ الصلاۃ والسلام کی طرح **و رفعنه مكانا عليا** اختیار نہ فرمایا گیا حالاں کہ ان کے غلام واہل محبت کی نعش تک آسمان پر اٹھالی گئی ہے۔

سیدی عمر بن الفارض رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنگل میں ایک جنازہ دیکھا اکابر اولیاء جمع ہیں مگر نماز نہیں ہوتی انھوں نے تاخیر کا سبب پوچھا کہا امام کا انتظار ہے ایک صاحب کو نہایت جلدی کرتے ہوئے پہاڑ سے اترتے دیکھا جب قریب آئے تو معلوم ہوا کہ یہ وہ صاحب ہیں جن سے شہر میں لڑکے ہنستے اور چپتیں لگاتے ہیں وہ امام ہوئے اور سب نے ان کی اقتدا کی نماز ہی میں بکثرت سبز پرندوں کا نعش کے گرد مجمع ہوگیا جب نماز ختم ہوئی تو نعش کو اپنی منقاروں میں لے کر آسمان پر اڑے ہوئے چلے گئے انھوں نے پوچھا تو جواب ملا یہ اہل محبت ہیں ان کی میت بھی زمین پر نہیں رہنے پاتی۔

مگر حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہیں تشریف رکھنا پسند فرمایا کہ خلق کے لیے عذاب عالم سے اماں ہو۔ جنت تو حضور کی رحمت کا پرتو ہے ہی دوزخ بھی حضور کی رحمت سے بنی ہے کہ یہاں صفات قہریہ بھی رحمت ہی کی تجلی میں ہیں۔ جنت کا رحمت ہونا ظاہر حضور کے نام لیوؤں کی جاگیر ہے۔ دوزخ کا بنانا بھی رحمت ہے دو وجہ سے، دنیا میں بادشاہ کی اطاعت تین ذرائع سے ہوتی ہے۔

اول، بادشاہ کی اطاعت خاص اس لیے کہ وہ بادشاہ ہے۔

دوسرے، کچھ انعام کا لالچ دیا جاتا ہے کہ ہمارے احکام مانو گے تو یہ انعام ملیں گے یہ رحمت ہے۔

تیسرے، قاسی سرکش جو انعام کی پرواہ نہیں کرتے اور اطاعت نہیں کرتے ان کو سزائیں سنا کر ڈرایا جاتا ہے کہ اگر اطاعت نہ کروگے تو زنداں میں بھیجے جاؤ گے۔

وہ انعام تو عین رحمت ہے ظاہر ہے اور یہ کوڑا عذاب کا یہ بھی رحمت ہے اس لیے کہ رحمت ہی سے ناشی ہے کہ جیل خانہ سے ڈر کر سزا کے مستحق نہ ہوں اطاعت کریں اور انعام کے مستحق ہوں، تو دوزخ بھی رحمت ہے کہ دنیا کو ڈر کے باعث گناہوں سے بچانے والی ہے۔

دوسری وجہ یہ کہ کفار نے اللہ کے محبوبوں کو ایذا دی اور ان کی توہین کی تو رب العزت نے اپنے دشمنوں سے انتقام لینے کے لیے دوزخ کو پیدا فرمایا قدر ضد کی ضد سے معلوم ہوا کرتی ہے گرمی کی قدر سردی

سے، سردی کی گرمی سے اور چراغ کی اندھیرے سے معلوم ہوتی ہے کہ **الاشیاء تعرف باضدادھا** (چیزیں اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہیں) تو اہل جنت کو یہ دکھانا ہے کہ دیکھو اگر تم بھی محبوبان خدا کا دامن نہ تھامتے تو ان کی طرح تمھاری جگہ بھی یہی ہوتی اس وقت محبوبان خدا کے دامن تھامنے کی قدر کھلے گی۔ **و لله الحمد و صلی الله تعالیٰ علیه و علی آله و صحبه و بارک و سلم .**

حضور تمام جہان کے لیے رحمت ہیں، رحمت الٰہی کے معنی ہیں بندوں کو ایصال خیر فرمانے کا ارادہ تو رحمت کے لیے دو چیزیں درکار ہیں۔ ایک مخلوق جس کو خیر پہنچائی جائے اور دوسری خیر اور دونوں متفرع ہیں وجود نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اگر حضور نہ ہوتے تو نہ کوئی خیر ہوتی اور نہ کوئی خیر کا پانے والا تو رحمت الٰہی کا ظہور نہ ہوا مگر صورت وجود نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں۔ تمام نعمتیں، تمام کمالات، تمام فضائل متفرع ہیں وجود پر اور تمام عالم وجود متفرع ہے حضور کے وجود پر تو سب پر حضور ہی کے طفیل رحمت ہوئی ملک ہو خواہ نبی یا رسول جس کو جو نعمت ملی حضور ہی کے دست عطا سے ملی۔

حضور نعمت اللہ ہیں

حضور نعمت اللہ ہیں، قرآن عظیم نے ان کا نام نعمت اللہ رکھا **ان الذین بدلوا نعمة الله کفرا** کی تفسیر میں حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں۔

نعمة الله محمد صلی الله تعالیٰ علیه وسلم .

نعمت اللہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔

ولہٰذا ان کی تشریف آوری کا تذکرہ امتثال امر الٰہی ہے۔

و اما بنعمة ربک فحدث .

اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچا کرو۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری سب نعمتوں سے اعلیٰ نعمت ہے یہی تشریف آوری ہے جس کے طفیل دنیا، قبر، حشر، برزخ وآخرت غرض ہر وقت ہر جگہ اور ہر آن نعمت ظاہر و باطن سے ہمارا ایک ایک رونگٹا متمتع اور بہرہ مند ہے اور ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ ۔ اپنے رب کے حکم سے اپنے رب کی نعمتوں کا چرچا مجلس میلاد میں ہوتا ہے۔

مجلس میلاد پاک

مجلس میلاد آخر وہی شئی ہے جس کا حکم رب العزت دے رہا ہے۔ و اما بنعمة ربک فحدث

مجلس مبارک کی حقیقت مجمع المسلمین کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری وفضائل جلیلہ و کمالات جمیلہ کا ذکر سنانا ہے بند یا رقعہ بانٹنا یا طعام وشیرینی کی تقسیم اس کا جزو حقیقت نہیں نہ ان میں کچھ جرم، اول دعوت الی الخیر ہے اور دعوت الی الخیر بے شک خیر ہے۔

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

من احسن قولا ممن دعا الی اللہ .

اس سے زیادہ کس کی بات اچھی جو اللہ کی طرف بلائے۔

صحیح مسلم شریف میں ہے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من دعا الی ھدی کان لہ الاجر مثل اجور من تبعہ و لا ینقص ذلک من اجورھم شیئا .

جو لوگوں کو کسی ہدایت کی طرف بلائے جتنے اس کا بلانا قبول کریں ان سب کے برابر ثواب اسے ملے اور ان کے ثوابوں میں کچھ کمی نہ ہو۔

اور اطعام طعام یا تقسیم شیرینی بر وصلہ واحسان وصدقہ ہے اور یہ سب شرعاً محمود۔ ان مجالس کے لیے ایک تم ہی نہیں ملائکہ بھی تداعی کرتے ہیں جہاں مجلس ذکر شریف ہوتے دیکھی ایک دوسرے کو بلاتے ہیں کہ آؤ یہاں تمھارا مطلوب ہے پھر وہاں سے آسمان تک چھا جاتے ہیں، تم دنیا کی مٹھائی بانٹتے ہو ادھر سے رحمت کی شیرینی تقسیم ہوتی ہے وہ بھی ایسی عام کہ نامستحق کو بھی حصہ دیتے ہیں۔ ھم القوم لا یشقی بھم جلوسھم ان لوگوں کے پاس بیٹھنے والا بھی بد بخت نہیں رہتا۔

یہ مجلس آج سے نہیں آدم علیہ الصلاۃ والسلام نے خود کی اور کرتے رہے اور ان کی اولاد میں برابر ہوتی رہی کوئی دن ایسا نہ تھا کہ آدم علیہ الصلاۃ والسلام ذکر حضور نہ کرتے ہوں۔ اول روز سے آدم علیہ الصلاۃ والسلام کو تعلیم ہی یہ فرمایا گیا کہ میرے ذکر کے ساتھ میرے حبیب ومحبوب کا ذکر کیا کرو۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

ساق عرش پر حضور کا اسم گرامی

جس کے لیے عملی کارروائی یہ کی گئی کہ جب روح الٰہی آدم علیہ الصلاۃ والسلام کے پتلے میں داخل ہوتی ہے اور آنکھ کھلتی ہے تو نگاہ ساق عرش پر ٹھہرتی ہے تو وہاں لکھا دیکھتے ہیں لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) عرض کی الٰہی یہ کون ہے؟ جس کا نام پاک تو نے اپنے نام اقدس کے ساتھ لکھا ہے، ارشاد ہوا اے آدم وہ تیری اولاد میں سب سے پچھلا پیغمبر ہے وہ نہ ہوتا تو میں تجھے نہ بناتا۔

لو لا محمد ما خلقتک و لا ارضا و لا سماء .

اسی کے طفیل میں تجھے پیدا کیا اگر وہ نہ ہوتا نہ تجھے پیدا کرتا اور نہ زمین وآسمان بناتا۔

تو کنیت اپنی ابو محمد کر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ آنکھ کھلتے ہی نام پاک بتایا گیا پھر ہر وقت ملائکہ کی زبان سے ذکر اقدس سنایا گیا وہ مبارک سبق عمر بھر یاد رکھا ہمیشہ ذکر اور چرچا کرتے رہے۔

حضرت شیث کو آدم کی وصیت

جب زمانہ وصال شریف کا قریب آیا تو شیث علیہ الصلاۃ والسلام سے ارشاد فرمایا اے فرزند میرے بعد تو خلیفہ ہوگا عمادتقویٰ وعروۂ وثقیٰ کو نہ چھوڑنا۔

العروۃ الوثقی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم.

عروۂ وثقیٰ محمد ہیں۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

جب اللہ کو یاد کرے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر ضرور کرنا۔

فانی رأیت الملائکۃ تذکرہ فی کل ساعاتھا.

کہ میں نے فرشتوں کو دیکھا ہر گھڑی ان کی یاد میں مشغول ہیں۔

اسی طور پر چرچا ان کا ہوتا رہا۔

میلاد مبارک کی پہلی انجمن

پہلی انجمن روز میثاق جمائی گئی اس میں حضور کا ذکر تشریف آوری ہوا۔

و اذ اخذ اللہ میثاق النبیین لما آتیتکم من کتاب و حکمۃ ثم جاء کم رسول مصدق لما معکم لتؤمنن بہ و لتنصرنہ قال أقررتم و اخذتم علی ذلکم اصری قالوا اقررنا قال فاشھدوا و انا معکم من الشاھدین فمن تولی بعد ذلک فاولئک ھم الفاسقون.

(سورۂ آل عمران، آیت: ۸۱، ۸۲)

جب عہد لیا اللہ نے نبیوں سے کہ بے شک میں تمھیں کتاب وحکمت عطا فرماؤں پھر تشریف

لائیں تمھارے پاس وہ رسول تصدیق فرمائیں ان باتوں کی جو تمھارے ساتھ ہیں تو تم ضرور ان پر ایمان لانا اور ضرور ضرور ان کی مدد کرنا قبل اس کے کہ انبیاء کچھ عرض کرنے پائیں فرمایا کیا تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا بھاری ذمہ لیا عرض کی ہم نے اقرار کیا فرمایا تو آپس میں ایک دوسرے کے گواہ ہو جاؤ اور میں بھی تمھارے ساتھ گواہوں سے ہوں پھر جو کوئی اس اقرار کے بعد پھر جائے وہی لوگ بے حکم ہیں۔

مجلس میثاق میں رب العزت نے تشریف آوری حضور کا بیان فرمایا اور تمام انبیاء علیہم الصلاۃ و السلام نے سنا اور انقیاد و اطاعت حضور کا قول دیا ان کی نبوت ہی مشروط تھی حضور کے مطیع و امتی بننے پر تو سب سے پہلے حضور کا ذکر تشریف آوری کرنے والا اللہ ہے کہ فرمایا ثم جاء کم رسول پھر تمھارے پاس وہ رسول تشریف لائیں، اور ذکر پاک میں سب میں پہلی مجلس انبیاء ہے علیہم الصلاۃ والسلام، جس میں پڑھنے والا اللہ اور سننے والے انبیاء اللہ۔

انبیاء نے مجلس میلاد منعقد کی

غرض اسی طرح ہر زمانے میں حضور کا ذکر ولادت و تشریف آوری ہوتا رہا ہر قرن میں انبیاء و مرسلین آدم علیہ الصلاۃ والسلام سے لے کر ابراہیم و موسیٰ و داؤد و سلیمان و زکریا علیہم الصلاۃ والسلام تک نبی و رسول اپنے اپنے زمانے میں مجلس حضور ترتیب دیتے رہے یہاں تک کہ وہ سب میں پچھلا ذکر شریف سنانے والا کنواری ستھری پاک بتول کا بیٹا جسے اللہ نے بے باپ کے پیدا کیا نشانی سارے جہان کے لیے یعنی سیدنا عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام تشریف لایا فرماتا ہوا۔

مبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد۔

میں بشارت دیتا ہوں اس رسول کی جو عنقریب میرے بعد تشریف لانے والے ہیں جن کا نام پاک احمد ہے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم وسلم، یہ ہے مجلس میلاد۔

عرش وفرش پر محفل میلاد

جب زمانہ ولادت شریف کا قریب آیا تمام ملک وملکوت میں محفل میلاد تھی عرش پر محفل میلاد، فرش پر محفل میلاد، ملائکہ میں مجلس میلاد ہو رہی تھی، خوشیاں مناتے حاضر آئے ہیں سر جھکائے کھڑے ہیں جبریل و میکائیل حاضر ہیں علیہم الصلاۃ والسلام، اس دولہا کا انتظار ہو رہا ہے جس کے صدقے میں یہ ساری برات بنائی گئی ہے۔ سبع سماوات میں عرش وفرش پر دھوم ہے ذرا انصاف کرو تھوڑی سی مجازی قدرت والا اپنی مراد کے حاصل ہونے پر جس کا مدت سے انتظار ہو اب وقت آیا ہے کیا کچھ خوشی کا سامان نہ کرے گا وہ عظیم مقتدر جو چھ ہزار برس پیشتر بلکہ لاکھوں برس سے ولادت محبوب کے پیش خیمے تیار فرما رہا ہے اب وقت آیا ہے کہ وہ مراد المرادین ظہور فرمانے والے ہیں یہ قادر علیٰ کل شیٔ کیا کچھ خوشی کے سامان مہیا نہ فرمائے گا۔ شیاطین کو اس وقت جلن ہوئی تھی اور اب بھی جو شیطان ہیں جلتے ہیں اور ہمیشہ جلتے رہیں گے غلام تو خوش ہو رہے ہیں ان کے ہاتھ تو ایسا دامن آیا کہ یہ گر رہے تھے اس نے بچالیا ایسا سنبھالنے والا ملا کہ اس کی نظیر نہیں۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

ایک آدمی ایک کو بچا سکتا ہے، دو کو بچا سکتا ہے کوئی قوی ہوگا زیادہ سے زیادہ بیس کو بچالے گا یہاں کروڑوں اربوں پھسلنے والے اور بچانے والے وہی ایک۔

انا اخذکم بحجزکم عن النار هلم الی .

میں تمھارا بند کمر پکڑے کھینچ رہا ہوں ارے میری طرف آؤ۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

یہ فرمان صرف صحابہ سے خاص نہیں قسم اس کی جس نے انھیں رحمۃ للعالمین بنایا آج وہ ایک ایک مسلمانوں کا بند کمر پکڑے اپنی طرف کھینچ رہے ہیں کہ دوزخ سے بچائیں۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

الحمد للہ! کیا حامی پایا اربوں سے بھی اربوں زائد مراتب گرنے والوں کو ان کا ایک اشارہ کفایت کر رہا ہے تو ایسے کے پیدا ہونے کا ابلیس اور اس کی ذریت کو جتنا غم ہو تھوڑا ہے پہاڑوں میں ابلیس اور تمام

مَرَدَہ سرکش قید کردیے گئے تھے اسی کے پیرو اب بھی غم کرتے ہیں خوشی کے نام سے مرتے ہیں۔

فرشتوں میں میلاد کی خوشی

ملائکہ سبع سماوات دھوم مچا رہے تھے عرش عظیم ذوق وشوق میں ہلتا تھا ایک علم مشرق اور دوسرا مغرب اور تیسرا بام کعبہ پر نصب کیا گیا اور بتایا گیا کہ ان کا دارالسلطنت کعبہ ہے اور ان کی سلطنت مشرق سے مغرب تک تمام جہان ان ہی کی سلطنت ان ہی کی قلمرو میں داخل ہے۔ اس مراد کے ظاہر ہونے کی گھڑی آ پہنچی کہ اول روز سے اس کی محفل میلاد اس کے خیر مقدم کی مبارک باد ہو رہی ہے۔ قادر علی کل شی نے اس کی خوشی میں کیسے کچھ انتظام فرمائے ہوں گے۔

جبریل امین ایک پیالہ شربت جنت کا سیدتنا آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لیے لے کر حاضر ہوئے اس کے نوش فرمانے سے وہ دہشت زائل ہوگئی جو ایک آواز سننے سے پیدا ہوئی تھی پھر ایک مرغ سپید کی شکل بن کر اپنا پر سیدتنا آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بطن مبارک سے مل کر عرض کرنے لگے۔

اظهر يا سيد المرسلين اظهر يا خاتم النبيين اظهر يا اكرم الاولين و الآخرين .

جلوہ فرمایئے اے تمام رسولوں کے سردار جلوہ فرمایئے اے تمام انبیاء کے خاتم جلوہ فرمایئے اے سب اگلوں پچھلوں سے زیادہ کریم، یا اور الفاظ ان کے ہم معنی ومطلب یہ کہ دونوں جہان کے دولھا برات سج چکی اب جلوہ افروزی سرکار کا وقت ہے۔

فظهر رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كالبدر المنير .

پس حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جلوہ فرما ہوئے جیسے چودھویں رات کا چاند۔

(المیلاد النبویۃ فی الالفاظ الرضویہ)

اشعار

ولادت طیبہ سے متعلق امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے یہ حسین وجمیل اشعار نظم فرمائے ہیں :

بندھ گئی تیری ہوا ساوہ میں خاک اڑنے لگی
بڑھ چلی تیری ضیاء آتش پہ پانی پھر گیا
تیری آمد تھی کہ بیت اللہ مجرے کو جھکا
تیری ہیبت تھی کہ ہر بت تھر تھرا کر گر گیا

●

شرم سے جھکتی ہے محراب کہ ساجد ہیں حضور
سجدہ کرواتی ہے کعبہ سے جبیں سائی دوست

●

دوشنبہ مصطفیٰ کا جمعۂ آدم سے بہتر ہے
سکھانا کیا لحاظ حیثیت خوئے تأمل کو

●

قرنوں بدلی رسولوں کی ہوتی رہی
چاند بدلی کا نکلا ہمارا نبی ﷺ

●

کیا خبر کتنے تارے کھلے چھپ گئے
پر نہ ڈوبے نہ ڈوبا ہمارا نبی ﷺ

●

سب چمک والے اجلوں میں چمکا کیے
اندھے شیشوں میں چمکا ہمارا نبی ﷺ

●

حشر تک ڈالیں گے ہم پیدائش مولیٰ کی دھوم
مثل فارس نجد کے قلعے گراتے جائیں گے
خاک ہوجائیں عدو جل کر مگر ہم تو رضاؔ
دم میں جب تک دم ہے ذکر ان کا سناتے جائیں گے

●

مثل فارس زلزلے ہوں نجد میں
ذکر آیات ولادت کیجیے
کیجیے چرچا انھیں کا صبح و شام
جان کافر پر قیامت کیجیے

●

دلم قربانت اے دود چراغ محفل مولد
زتاب جعد مشکینت چہ خوں افتاد در دلہا

●

غریق بحر عشق احمدیم از فرحت مولد
کجا دانند حال ما سبکساران ساحلہا

●

صبح طیبہ میں ہوئی بٹتا ہے باڑا نور کا
صدقہ لینے نور کا آیا ہے تارا نور کا

باغ طیبہ میں سہانا پھول پھولا نور کا
مست بو ہیں بلبلیں پڑھتی ہیں کلمہ نور کا

بارہویں کے چاند کا مجرا ہے سجدہ نور کا
بارہ برجوں سے جھکا ایک اک ستارہ نور کا

●

وقت پیدائش نہ بھولے
کیف ینسیٰ کیوں قضا ہو

●

جس سہانی گھڑی چمکا طیبہ کا چاند
اس دل افروز ساعت پہ لاکھوں سلام

پہلے سجدہ پہ روز ازل سے درود
یادگاری امت پہ لاکھوں سلام

زرع شاداب و ہر ضرع پر شیر سے
برکات رضاعت پہ لاکھوں سلام

بھائیوں کے لیے ترک پستاں کریں
دودھ پیتوں کی نصفت پہ لاکھوں سلام

مہد والا کی قسمت پہ صدہا درود
برج ماہ رسالت پہ لاکھوں سلام

اٹھتے بوٹوں کی نشو و نما پر درود
کھلتے غنچوں کی نکہت پہ لاکھوں سلام

فضل پیدائشی پر ہمیشہ درود
کھیلنے سے کراہت پہ لاکھوں سلام

اعتلائے جبلت پہ عالی درود
اعتدال طویت پہ لاکھوں سلام

بے بناوٹ ادا پر ہزاروں درود
بے تکلف ملاحت پہ لاکھوں سلام

بھینی بھینی مہک پر مہکتے درود
پیاری پیاری نفاست پہ لاکھوں سلام

میٹھی میٹھی عبارت پہ شیریں درود
سادی سادی طبیعت پہ لاکھوں سلام

●

جب کہ پیدا شہ انس و جاں ہوگیا
دور کعبہ سے لوث بتاں ہوگیا

●

دل مکان شہ عرشیاں ہوگیا
لا مکاں لا مکاں لا مکاں ہوگیا

ہر ستارہ شب مولد مصطفیٰ
شمعداں شمعداں شمعداں ہوگیا

جتنے اللہ نے بھیجے ہیں نبی دنیا میں
تیری آمد کی خبر سب ہیں سنانے والے

(حدائق بخشش)

شقِ صدرِ مبارک

شمعِ دل مشکوٰۃ تن سینہ زجاجہ نور کا
تیری صورت کے لیے آیا ہے سورہ نور کا

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۝ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ۝ الَّذِیْۤ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۝

کیا ہم نے تمھارا سینہ کشادہ نہ کیا اور تم پر سے تمھارا وہ بوجھ اتار لیا جس نے تمھاری پیٹھ توڑ دی تھی۔

(الانشراح)

شقِ صدر مبارک

ایک دن آپ چراگاہ میں تھے کہ ایک دم حضرت حلیمہ کے ایک فرزند ضمرہ دوڑتے اور ہانپتے کانپتے ہوئے اپنے گھر پر آئے اور اپنی ماں حضرت بی بی حلیمہ سے کہا کہ اماں جان بڑا غضب ہوگیا، محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو تین آدمیوں نے جو بہت ہی سفید لباس پہنے ہوئے تھے چت لٹا کر ان کا شکم پھاڑ ڈالا ہے اور میں اسی حال میں ان کو چھوڑ کر بھاگا ہوا آیا ہوں۔ یہ سن کر حضرت حلیمہ اور ان کے شوہر دونوں بدحواس ہو کر گھبرائے ہوئے دوڑ کر جنگل میں پہنچے تو دیکھا کہ آپ بیٹھے ہوئے ہیں مگر خوف و ہراس سے چہرہ زرد اور اداس ہے۔ حضرت حلیمہ نے انتہائی مشفقانہ لہجے میں پیار سے چمکار کر پوچھا کہ بیٹا کیا بات ہے؟ آپ نے فرمایا کہ تین شخص جن کے کپڑے بہت ہی سفید اور صاف ستھرے تھے میرے پاس آئے اور مجھ کو چت لٹا کر میرا شکم چاک کر کے اس میں سے کوئی چیز نکال کر باہر پھینک دی اور پھر کوئی چیز میرے شکم میں ڈال کر شگاف کو سی دیا لیکن مجھے ذرہ برابر بھی کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔

یہ واقعہ سن کر حضرت حلیمہ اور ان کے شوہر دونوں بے حد گھبرائے اور شوہر نے کہا کہ حلیمہ! مجھے ڈر ہے کہ ان کے اوپر شاید کچھ آسیب کا اثر ہے۔ لہٰذا بہت جلد تم ان کو ان کے گھر والوں کے پاس چھوڑ آؤ۔ اس کے بعد حضرت حلیمہ آپ کو لے کر مکہ مکرمہ آئیں کیوں کہ انھیں اس واقعہ سے یہ خوف پیدا ہوگیا تھا کہ شاید اب ہم کما حقہ ان کی حفاظت نہ کر سکیں گے۔ حضرت حلیمہ نے جب مکہ معظمہ پہنچ کر آپ کی والدہ ماجدہ کے سپرد کیا تو انھوں نے دریافت فرمایا کہ حلیمہ! تم بڑی خواہش اور چاہ کے ساتھ میرے بچے کو اپنے گھر لے گئی تھیں پھر اس قدر جلد واپس آنے کی وجہ کیا ہے؟ جب حضرت حلیمہ نے شکم چاک کرنے کا واقعہ بیان کیا اور آسیب کا شبہ ظاہر کیا تو حضرت بی بی آمنہ نے فرمایا کہ ہرگز نہیں خدا کی قسم میرے نورِ نظر پر ہرگز ہرگز کبھی بھی کسی جن یا شیطان کا عمل دخل نہیں ہو سکتا میرے بیٹے کی بڑی شان ہے۔ پھر ایامِ حمل اور وقتِ ولادت کے

حیرت انگیز واقعات سُنا کر حضرت حلیمہ کو مطمئن کر دیا اور حضرت حلیمہ آپ کو آپ کی والدہ ماجدہ کے سپرد کر کے اپنے گاؤں میں واپس چلی آئیں اور آپ اپنی والدہ ماجدہ کی آغوش تربیت میں پرورش پانے لگے۔

شقِ صدر کتنی بار ہوا؟

حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے سورۂ الم نشرح کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ چار مرتبہ آپ کا مقدس سینہ چاک کیا گیا اور اس میں نور و حکمت کا خزینہ بھرا گیا۔

پہلی مرتبہ: جب آپ حضرت حلیمہ کے گھر تھے جس کا ذکر ہو چکا، اس کی حکمت یہ تھی کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان وسوسوں اور خیالات سے محفوظ رہیں جن میں بچے مبتلا ہو کر کھیل کود اور شرارتوں کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔

دوسری بار: دس برس کی عمر میں ہوا تاکہ جوانی کی پُر آشوب شہوتوں کے خطرات سے آپ بے خوف ہو جائیں۔

تیسری بار: غارِ حرا میں شقِ صدر ہوا اور آپ کے قلب میں نورِ سکینہ بھر دیا گیا تاکہ آپ وحی الٰہی کے عظیم اور گراں بار بوجھ کو برداشت کر سکیں۔

چوتھی مرتبہ: شبِ معراج میں آپ کا مبارک سینہ چاک کر کے نور و حکمت کے خزانوں سے معمور کیا گیا تاکہ آپ کے قلب مبارک میں اتنی وسعت اور صلاحیت پیدا ہو جائے کہ آپ دیدار الٰہی کی تجلیوں اور کلام ربانی کی ہیبتوں اور عظمتوں کے متحمل ہو سکیں۔ (مولف)

(مدارج النبوۃ، جلد دوم وسیرت مصطفیٰ)

انشراح صدر

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے شق صدر سے متعلق یہ روایت پیش فرمائی ہے۔

ابونعیم دلائل میں اور دارمی و ابن عساکر عبدالرحمٰن بن غنم اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

فرشتہ سونے کا طشت لے کر آیا اور میرا شکم مبارک چیر کر دل مقدس نکالا اور اسے دھو کر کچھ اس پر چھڑک دیا پھر کہا۔

انت محمد رسول الله المقفی الحاشر.

حضور محمد رسول اللہ ہیں سب انبیاء کے بعد تشریف لانے والے تمام عالم کو حشر دینے والے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

ایک حدیث متصل میں یوں ہے۔ جبریل نے اتر کر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا شکم چاک کیا پھر کہا۔

قلب وکیع فیه اذنان سمیعتان و عینان بصیرتان محمد رسول الله المقفی الحاشر .

مضبوط ومحکم دل ہے اس میں دو کان ہیں شنوا اور دو آنکھیں ہیں بینا محمد اللہ کے رسول ہیں انبیاء کے خاتم اور خلائق کو حشر دینے والے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (جزاء اللہ عدوہ باباء ہ ختم النبوۃ)

اللہ

اہل فترت اور مؤحدین

یا اھل الکتاب قد جاءکم رسولنا یبین لکم علی فترۃ من الرسل

اے کتاب والو! بے شک تمہارے پاس ہمارے یہ رسول تشریف لائے، پھر تم پر ہمارے احکام ظاہر فرماتے ہیں، بعد اس کے کہ رسولوں کا آنا مدتوں بند رہا تھا۔ (سورۃ المائدہ،١٩/کنزالایمان)

اہل فترت اور موحدین

جزیرۂ عرب کے تمام باشندے اپنے آپ کو حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کی طرف منسوب کرتے اور اس نسب پر فخر کرتے تھے حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے بعد تین ہزار سال تک جزیرۂ عرب میں کوئی نبی مبعوث نہ ہوا اسے زمانہ فترت کہتے ہیں جب کہ وحی کا سلسلہ منقطع رہا۔

اہل عرب کی عبادات

اس زمانہ میں بھی دین حنیف کی بہت سی عبادات ان میں باقی رہیں لیکن انھوں نے ان عبادات کو ایسا رنگ دے دیا تھا اور ان کے لیے ایسی شرائط اور قیود مقرر کر دی تھیں جن کے باعث ان عبادات کی روح فنا ہو گئی تھی دین ابراہیمی کے مطابق وہ اپنے مردوں کو غسل دیتے تھے، کفن پہناتے تھے، ان کی نماز جنازہ پڑھتے تھے اور سنت ابراہیمی کے مطابق ان کو قبروں میں دفن کرتے۔ لیکن ان کی نماز جنازہ میں نہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا تھی اور نہ ہی اس میت کے لیے اللہ تعالیٰ کی جناب میں مغفرت کی دعائیں مانگی جاتی تھیں۔ بلکہ میت کو غسل دینے اور کفن پہنانے کے بعد جب دفن کرنے کے لیے لے جاتے تو اس میت کا کوئی قریبی رشتہ دار آگے کھڑا ہو جاتا اور اس میت کے محاسن اور کمالات بیان کرتا اور اس کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملایا کرتا۔ ان کے اس طرز عمل نے نماز جنازہ کی روح کو ختم کر دیا اور جس مقصد کے لیے یہ نماز ادا کی جاتی وہ مقصد ان کی خودستائی کے شوق کی نذر ہو گیا۔

اس طرح وہ حج اور عمرہ بھی ادا کیا کرتے اور تلبیہ بھی کہا کرتے لیکن بعض قبائل نے اس تلبیہ میں ایسے الفاظ اپنی طرف سے بڑھا دیے جس سے عقیدہ توحید مسخ ہو کر رہ گیا اور شرک کی عفونت سے دماغ پھٹنے لگے وہ کہتے۔

لبیک اللھم لبیک لا شریک لک الا شریک ھو لک تملکه و ما ملک .

حاضر ہیں ہم اے اللہ! حاضر ہیں ہم، تیرا کوئی شریک نہیں، بجز اس شریک کے جس کا تو مالک ہے اور اس کی ہر چیز تیری ملکیت میں ہے۔

فریضۂ حج ادا کرنے کے لیے بھی انھوں نے نئی نئی شرطیں عائد کر رکھی تھیں اور اُن میں سے بیشتر کا مقصد یہ تھا کہ عرب کے تمام قبائل پر اپنی برتری اور تفوق قائم کر سکیں۔ حج کے دوران وہ ان تمام مواقف پر کھڑے ہوتے جہاں کھڑے ہونے اور حاضر ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔ وہ قربانی کے جانور بھی ساتھ لے آتے، وہ رمی جمار بھی کرتے، اہل جاہلیت جب دور دراز علاقوں سے حج کی نیت سے روانہ ہوتے تو اپنے قربانی کے جانوروں کے گلوں میں بالوں سے بنا ہوا قلادہ ڈال دیتے۔ اس قلادہ کے باعث کوئی راہزن، کوئی ڈاکو نہ تو ان پر حملہ کرتا اور نہ ہی ان کا مال و متاع اڑا کر لے جاتا۔ مسافر حرم کے لیے انھوں نے ہر طرح کی امان دے رکھی تھی، حرمت والے چار مہینوں میں وہ ملکی سطح پر جنگ و جدال، لوٹ مار چوری اور ڈاکہ ان تمام حرکتوں سے کلیۃً اجتناب کرتے ملک میں ہر طرح کا امن و امان قائم ہو جاتا۔ ان مہینوں میں تجارتی کارواں بڑی آزادی اور اطمینان سے ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ میں تجارتی مال لے کر جاتے۔ کاروبار کرتے، نفع حاصل کرتے، اور ان سے کوئی تعرض نہ کرتا۔ حج کے جملہ ارکان کو پابندی کے ساتھ ادا کرتے با ایں ہمہ ان میں جہالت کی وجہ سے چند خرافات بھی رواج پا چکی تھیں۔

اہل مکہ اپنے آپ کو دوسرے عرب قبائل سے اعلیٰ اور افضل سمجھتے تھے وہ کہتے ہم حضرت ابراہیم کی اولاد ہیں حرم شریف کے باشندے ہیں، بیت اللہ شریف کے متولی ہیں، مکہ کے رہنے والے ہیں جو حقوق اور امتیازات ہمیں حاصل ہیں وہ اور کسی عرب کو حاصل نہیں۔ ہم صرف ان چیزوں کی تعظیم بجالائیں گے جو حرم کے اندر ہیں جو مشاعر اور مواقف حرم سے باہر ہیں، دوسرے اہل عرب کے لیے تو لازم ہے کہ وہاں حاضری دیں اور ان کی تعظیم بجالائیں لیکن ہمیں یہ زیب نہیں دیتا کہ اہل حرم ہوتے ہوئے ہم حرم سے باہر کی

چیزوں کی تعظیم و تکریم کریں ورنہ ہمارے اور دوسرے قبائل کے درمیان وجہ امتیاز کیا باقی رہے گی۔اس لیے اہل مکہ نے عرفہ کے میدان میں قیام ترک کر دیا تھا اور افاضہ کا طواف بھی انھوں نے چھوڑ دیا تھا۔اس سلسلہ میں انھوں نے اپنے لیے ایک خاص اصطلاح وضع کر لی تھی وہ اپنے آپ کو کہتے نحن الحمس ۔الحمس کا معنی اہل حرم ہے یعنی حرم کے اندر رہنے والے۔ان کے بعد عرب کے وہ لوگ جو حرم میں پیدا ہوئے تھے ان کو بھی حرم میں ولادت کی وجہ سے یہ حقوق حاصل ہو گئے تھے۔

اسی طرح انھوں اپنے اوپر یہ پابندی بھی عائد کر لی تھی کہ ہم اہل حرم ہیں ہمارے لیے یہ جائز نہیں کہ حالت احرام میں پنیر کھائیں یا گھی استعمال کریں یا اون کے بنے ہوئے خیموں میں داخل ہوں یا کسی سائے میں بیٹھیں۔حالت احرام میں صرف وہ ان خیموں میں بسر اوقات کرتے اور سائے کے نیچے بیٹھتے جو خیمے چمڑے کے بنے ہوئے ہوتے۔پھر انھوں نے یہ پابندی لگا دی کہ اہل حل (حدود حرم سے باہر رہنے والے لوگ) جب وہ حج یا عمرہ ادا کرنے کے لیے مکہ میں آئیں تو ان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ کھانا کھائیں جو اپنے ساتھ لے آئے ہیں۔اس طرح ان کے لیے یہ چیز بھی ناجائز قرار دی گئی کہ وہ ان کپڑوں میں کعبہ شریف کا پہلا طواف کریں جو وہ اپنے گھر سے پہن کر آئے ہیں انھیں چاہیے کہ کعبہ کا طواف کرتے وقت اہل حرم سے کپڑے مستعار لے کر پہنیں اور اگر ان کے ہاں کپڑے دستیاب نہ ہوں تو وہ برہنہ ہو کر کعبہ کا طواف کریں۔اگر کوئی مرد یا عورت انھیں کپڑوں میں طواف کرے جو وہ گھر سے پہن کر آیا تھا تو طواف سے فارغ ہونے کے بعد اس پر لازم ہے کہ وہ ان کپڑوں کو اتار کر پھینک دے نہ خود ان کو پہنے اور نہ کوئی اور انھیں استعمال کرے۔اہل مکہ نے اہل عرب کو ان احکام کی پابندی کا حکم دیا اور انھوں نے بلا چون و چرا ان احکام کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا۔

وہ لوگ عرفات میں قیام کرتے وہاں سے طواف افاضہ کرنے کے لیے مکہ آتے، خانہ کعبہ شریف کا طواف برہنہ ہو کر کرتے عورتیں بھی تمام کپڑے اتار دیتیں، ایک چھوٹی سی کھلی قمیص ان کے بدن پر ہوتی۔

اس طرح کی قیود و شرائط سے انھوں نے حج وعمرہ جیسی عبادت کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا تھا بجائے اس کے کہ ان ارکان کی ادائیگی سے ان میں تقوی اور پارسائی کا شعور پیدا ہوتا الٹا برہنگی اور عریانی کو پذیرائی نصیب ہونے لگی۔

جب اللہ تعالیٰ کے مقدس گھر کے ارد گرد طواف کرتے ہوئے مرد و زن نے بے حیائی کا ایسا شرمناک مظاہرہ کرنا اپنے اوپر ضروری قرار دے دیا تو پھر اور کون سا مقام ہے جہاں ان سے عفت قلب و نگاہ کی توقع کی جاسکتی ہے۔

بعض اہل حق

عہد جاہلیت میں اہل عرب نے جس قسم کے عقائد باطلہ کو اپنا رکھا تھا اس کا سرسری جائزہ آپ کے سامنے پیش کیا گیا لیکن اس دور میں جب کہ ہر طرف کفر و شرک اور فسق و فجور کی کالی رات چھائی ہوئی تھی بعض ایسے نفوس قدسیہ بھی تھے جو اگرچہ تعداد میں بہت کم تھے لیکن اللہ تعالیٰ کی توحید پر ان کا یقین محکم اور اس کی صفات کمال پر ان کا ایمان پختہ تھا۔ معبودان باطل سے وہ قطعاً بیزار تھے۔ شب دیجور میں آسمان پر جس طرح ستارے چمک رہے ہوتے ہیں اسی طرح ان بھیانک اندھیروں میں ان کا وجود منبع انوار تھا ان میں چند برگزیدہ ہستیوں کے عقائد اور اطوار کے بارے میں مختصراً تحریر کیا جاتا ہے۔

قس بن ساعدہ الایادی

ان کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جنھوں نے طویل عمر پائی۔ ابو حاتم السجستانی نے اپنی تصنیف کتاب المعمرین میں لکھا ہے کہ ان کی عمر ۳۸۰ سال تھی انھوں نے ہمارے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا زمانہ پایا، حضور کے ارشادات سنے، عہد جاہلیت میں یہ پہلے شخص تھے جو قیامت پر ایمان لے آئے۔

امام ذہبی و علامہ ابن حجر اور دیگر علماء نے ان کو صحابہ میں شمار کیا ہے لیکن ابن سکن نے صراحت

سے لکھا ہے کہ قس نے حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی بعثت سے پہلے وفات پائی۔

ابن سید الناس نے اپنی تصنیف ''السیرۃ'' میں ایک واقعہ لکھا ہے جو انھوں نے اپنی سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے کہا:

جارود بن عبداللہ جو اپنی قوم کے سردار تھے، رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے اور عرض کی اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے میں نے تورات میں حضور کی صفت پڑھی ہے حضرت مسیح علیہ الصلاۃ والسلام نے آپ کی آمد کی بشارت دی۔

فانا اشهد ان لا اله الا الله و انک محمد رسول الله .

پس میں گواہی دیتا ہوں کہ کوئی معبود نہیں ہے سوائے اللہ تعالیٰ کے اور آپ محمد رسول اللہ ہیں۔

چنانچہ جارود بھی ایمان لایا اور اس کی قوم بھی مشرف باسلام ہوئی۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس سے انتہائی مسرت ہوئی۔ حضور نے پوچھا اے جارود! وفد عبدالقیس میں کوئی ایسا آدمی بھی ہے جو ہمیں قس کا تعارف کرائے اور اس کے حالات سے آگاہ کرے۔ جارود نے کہا یارسول اللہ! ہم سب اس کو جانتے ہیں اور میں تو وہ شخص ہوں جو اس کے پیچھے پیچھے چلا کرتا تھا۔ وہ عرب کے ایک شریف قبیلہ کا ایک شریف فرد تھا اس کی فصاحت مسلمہ تھی۔ اس کی عمر سات سو سال تھی۔ اور اس نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ و السلام کے حواریوں میں سے سمعان کی صحبت کا شرف حاصل کیا۔ وہ پہلا شخص ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی، میں گویا اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہہ رہا ہے۔

ليبلغن الكتاب اجله و ليوفين كل عامل عمله .

یقیناً کتاب اپنی مقررہ مدت کو پہنچے گی اور ہر عمل کرنے والے کو اس کے عمل کی پوری جزا دی جائے گی۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جارود! اب تم صبر کرو میں اس کو فراموش نہیں کر سکتا میں نے اس کو سوق عکاظ میں خاکستری رنگ کے اونٹ پر بیٹھے دیکھا وہ گفتگو کر رہا تھا جو شاید مجھے پوری طرح محفوظ نہیں، صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ! میں اس سوق عکاظ میں موجود تھا اور جو خطبہ اس روز اس نے دیا وہ مجھے پوری طرح یاد ہے آپ نے وہ خطبہ بارگاہ رسالت میں عرض کیا۔ جس میں عقیدۂ توحید اور روز قیامت کے بارے میں قس نے اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا۔

زید بن عمرو بن نفیل

اس خوش نصیب گروہ میں سے جنھوں نے گمراہی کی اندھیری رات میں بھی حق کا دامن مضبوطی سے پکڑے رکھا زید بن عمرو بن نفیل ہیں۔ یہ اپنے اہل وطن کے مشرکانہ عقائد سے بچپن ہی سے متنفر تھے یہ نہ ان کی پوجا کرتے تھے اور نہ ان کے لیے جانوروں کی قربانیاں دیتے۔

علامہ الفاکہی نے اپنی سند سے عامر بن ربیعہ سے روایت کیا، عامر کہتے ہیں میری ملاقات زید بن عمرو سے ہوئی جب وہ مکہ سے نکل کر حرا کی طرف جا رہے تھے انھوں نے مجھے کہا اے عامر! میں نے اپنی قوم کے باطل عقیدہ کو ترک کر دیا اور ملت ابراہیمی کا اتباع اختیار کر لیا ہے میں اس خدا کی عبادت کرتا ہوں جس کی حضرت اسماعیل علیہ الصلاۃ والسلام اس کعبہ کی طرف منہ کر کے عبادت کیا کرتے تھے۔ میں ایک نبی کا انتظار کر رہا ہوں جو حضرت اسماعیل کی پھر حضرت عبدالمطلب کی پشت سے ہوگا لیکن میرا خیال ہے کہ اس نبی کا زمانہ نہ پا سکوں گا۔ سنو! میں اس نبی پر ایمان لے آیا ہوں، اس کی تصدیق کرتا ہوں اور گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کا سچا نبی ہے۔

واقدی کی روایت میں یہ بھی مذکور ہے کہ انھوں نے عامر کو کہا کہ اگر تیری عمر دراز ہو اور تو اس نبی کا زمانہ پائے تو اس کی بارگاہ اقدس میں میرا اسلام عرض کرنا، عامر کہتے ہیں جب میں مشرف بہ اسلام ہوا تو میں

نے اس کا اسلام بارگاہ رسالت میں عرض کیا حضور نے ان کے سلام کا جواب دیا اور اس پر رحمت بھیجی۔ فرمایا: میں اس کو جنت میں دیکھ رہا ہوں اس حال میں کہ وہ اپنی چادر کا پلو گھسیٹتے چلے جارہے ہیں۔

زید نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف تو حاصل کیا' لیکن حضور کے مبعوث ہونے سے پہلے انتقال کر گئے۔ انہوں نے ایک بار حضور کی خدمت میں عرض کی کہ میں نے نصرانیت اور یہودیت کو سونگھا ہے لیکن میں نے ان میں وہ چیز نہیں پائی جس کی مجھے طلب تھی۔ میں نے بات ایک راہب کو بتائی تو اس نے مجھے کہا: تم شاید ملت ابراہیمی کی متلاشی ہو جو آج تمہیں کہیں نہیں ملے گی تم اپنے شہر کو واپس چلے جاؤ۔ وہاں اللہ تعالیٰ تیری قوم میں سے ایک نبی مبعوث فرمائے گا جو ملت ابراہیمی کی دعوت لے کر آئے گا اور وہ اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق سے اس کی جناب میں زیادہ معزز ہوگا۔

اسعد ابو کرب الحمیری

ابن قتیبہ لکھتے ہیں کہ اسعد' حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان لایا' حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے سات سو سال قبل اس نے یہ شعر کہے۔

شهدت على احمد انه
رسول من الله باری النسيم

میں گواہی دیتا ہوں اس بات پر کہ حضرت احمدؑ اللہ کے رسول ہیں وہ اللہ جو روحوں کو پیدا کرنے والا ہے۔

ولو مد عمری الی عصره
لكنت وزير اله وابن عم

اگر میری عمر ان کے زمانہ تک رہی تو میں ان کا وزیر بنوں گا اور ان کے چچا کے بیٹے کی طرح

معاون ہوؤں گا۔

سیف بن ذی یزن

حبشیوں نے یمن پر قبضہ جما لیا تھا اہل یمن پر ظلم و ستم کی انتہا کر دی تھی سیف بن ذی یزن نے کسریٰ سے امداد طلب کر کے یمن پر چڑھائی کی۔ حبشیوں کو شکست دی اور اپنے اہل وطن کو ان کی غلامی کی ذلت اور اذیت رسانی سے نجات دلائی۔

یہ واقعہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے بعد یوں رونما ہوا۔ جزیرۂ عرب کے گوشہ گوشہ سے وفود سیف بن ذی یزن کو مبارک باد دینے کے لیے آئے، شعراء نے اس کی مدح میں قصیدے لکھے جس میں اس کے احسان کا ذکر کیا گیا کہ اس نے اہل یمن کو حبشیوں کی ذلت آمیز غلامی سے نجات دلائی اور اس پر اس کی خدمت میں خراج تشکر پیش کیا گیا ان وفود میں ایک وفد مکہ کے قریش کا بھی تھا اس وفد میں حضرت عبدالمطلب بن ہاشم، امیہ بن عبد شمس، عبداللہ بن جدعان اور اسد بن خویلد جیسے رؤسا تھے۔ جب عبدالمطلب اس کے دربار میں پیش ہوئے تو آپ نے گفتگو کرنے کی اجازت طلب کی سیف نے کہا اگر تمھیں دربار شاہی میں لب کشائی اور آداب کا علم ہے تو ہم تمھیں گفتگو کی اجازت دیتے ہیں۔ حضرت عبدالمطلب نے اس فصاحت و بلاغت سے اپنا مدعا پیش کیا کہ بادشاہ سراپا حیرت بن کر رہ گیا اور انھیں کہا کہ آپ اپنا تعارف کروائیے، آپ نے بتایا میں ہاشم کا بیٹا عبدالمطلب ہوں اس نے آپ کو اپنے قریب کیا اور ان کی دلجوئی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی اور اپنے دربار کے ملازمین کو حکم دیا کہ انھیں شاہی مہمان خانہ میں ٹھہرایا جائے ایک ماہ تک وہ وہاں ٹھہرے رہے اور شاہی ضیافتوں سے لطف اندوز ہوتے رہے اس اثناء میں نہ بادشاہ کو فرصت ملی کہ دوبارہ ان سے ملاقات کرے اور نہ انھیں جرأت ہوئی کہ اس سے مکہ جانے کے لیے رخصت طلب کرتے۔ ایک ماہ بعد بادشاہ نے حضرت عبدالمطلب کو اپنی خلوت میں بلایا اور کہا اے

عبدالمطلب! میں ایک راز سے تمھیں آگاہ کرنا چاہتا ہوں کیوں کہ میں تمھیں اس کا اہل سمجھتا ہوں تمھیں اس راز کو افشا نہیں کرنا ہوگا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنے فیصلہ کو خود ظاہر فرمادے میں نے اپنی کتاب میں پڑھا ہے جو ہمارے پاس ایک سر مکتوم (راز نہاں) ہے ہم اپنے علاوہ کسی کو اس کے مطالعہ کی اجازت نہیں دیتے حضرت عبدالمطلب نے کہا:

اے بادشاہ خدا تمھیں سلامت رکھے مجھے بتائیے کہ وہ راز کیا ہے؟ اس نے کہا:

اذا ولد بتهامة غلام بين كتفيه شامة كانت له الامامة و لكم به الزعامة الى يوم القيمة.

کہ جب تہامہ میں ایک ایسا بچہ پیدا ہو جس کے کندھوں کے درمیان نشان ہو وہی امام ہوگا اور اس کے صدقہ میں قیامت تک تمھیں سرداری نصیب ہوگی۔

عبدالمطلب نے کہا کہ اگر شاہی جلال اور اس کا ادب مانع نہ ہوتا تو میں اس بشارت کی تفصیل کے بارے میں التماس کرتا تا کہ میری مسرتوں میں مزید اضافہ ہوتا۔ سیف نے کہا یہ اس کا وقت ہے ابھی پیدا ہوگا ممکن ہے پیدا ہو بھی چکا ہو اس کا نام احمد ہے ان کے والد اور والدہ فوت ہو جائیں گے۔ ان کے دادا اور چچا ان کی کفالت کریں گے اس کی وجہ سے بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے گا، آتش کدے بجھا دیے جائیں گے، خداوند رحمٰن کی عبادت کی جائے گی اور شیطان کو دھتکار دیا جائے گا ہم اس کے مددگار رہوں گے اس کے دوستوں کی فتح کا ہم باعث بنیں گے اس کے دشمنوں کو ذلیل ورسوا کریں گے۔ حضرت عبدالمطلب نے مزید وضاحت چاہی تو ابن ذی یزن نے صاف کہہ دیا کہ اے عبدالمطلب! تم ان کے دادا ہو۔ یہ سنتے ہی عبدالمطلب سجدہ میں گر گئے بادشاہ نے انھیں کہا سر اٹھایئے اور مجھے بتایئے کہ جو علامات میں نے آپ کو بتائی ہیں کیا ان میں سے آپ نے کچھ مشاہدہ کیا ہے؟ آپ نے حضور والا کی ولادت، حضور کا نام مبارک،

والدین کے وفات پانے اور کندھوں کے درمیان اس نشانے کے پائے جانے کے بارے میں بتایا۔ ابن ذی یزن نے انہیں ہدایت کی کہ اس امر سے کسی کو آگاہ نہ کریں۔ مبادا حسد کے جذبات آپ کے دوسرے ساتھیوں کے سینے میں بھڑک اُٹھیں۔ نیز یہودیوں سے حضور کو محفوظ رکھنے کی خصوصی تاکید کی اور بتایا کہ یہود، حضور کے بدترین دشمن ہوں گے۔

اس کے بعد قریش کے قافلہ کے تمام ارکان کو شرف بازیابی بخشا اور ان کو انعامات سے مالا مال کر دیا حضرت عبدالمطلب کو دوسروں سے دس گنا زیادہ عطیات سے نوازا۔

ورقہ بن القرشی

ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصی کا سلسلہ نسب قصی میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سلسلہ میں نسب کے ساتھ مل جاتا ہے۔ اُم المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ورقہ کے چچا خویلد بن اسد کی صاحبزادی تھیں۔

ابوالحسن البقاعی نے آپ کے بارے میں ایک مستقل کتاب لکھی ہے جس میں آپ کا صحابی ہونا ثابت کیا ہے۔ ورقہ بن نوفل ان سعادت مند افراد سے تھے جو زمانہ جاہلیت میں بھی اللہ تعالیٰ کی وحدانت پر ایمان رکھتے تھے قریش اور دیگر بت پرست عرب قبائل سے ان کا کوئی واسطہ نہ تھا۔ آپ نے اپنی عقل سلیم سے ہی یہ نتیجہ اخذ کیا تھا کہ عرب کے بت پرست دین ابراہیمی سے بھٹک گئے ہیں وہ ہمیشہ اس تلاش میں رہتے کہ انہیں وہ طریقہ معلوم ہو جائے۔ جس طرح حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کرتے تھے تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرسکیں اس مقصد کیلئے انہوں نے کئی ملکوں کا سفر بھی اختیار کیا۔ متعدد اہل علم کی خدمت میں حاضر ہوئے جو ان آسمانی صحافیوں کے امین تھے جو اللہ تعالیٰ نے مختلف زمانوں میں مختلف انبیاء پر نازل کئے تھے اس تلاش و جستجو کے باعث وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ

آخری دین، دین نصرانیت ہے انہوں نے عیسائیوں کے ان عقائد کا اتباع نہیں کیا جن میں انہوں نے اپنے نبی کی واضح تعلیمات سے انحراف کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبدیت پر ان کا پختہ عقیدہ تھا اسی اثناء میں وہ اس نبی کے بارے میں بھی تجسس کرتے رہے جس کی آمد کی بشارت حضرت موسیٰ اور دیگر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے دی تھی۔ جب آپ کی چچا زاد بہن حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں بتایا تو آپ کو یقین ہو گیا کہ آپ کی ذات ہی وہ نبی ہے جن کا انہیں شدت سے انتظار تھا حضرت ورقہ کی خوشی کی حد نہ رہی کہ ان کی زندگی ہی میں وہ نبی مکرم تشریف لائے انہوں نے برملا اعلان کر دیا۔

وشهد انه اتاه الناموس الاكبر والذى كان ياتى الانبياء قبله عليهم الصلوٰة والسلام وشهد اله الذى انزل عليه كلام الله وشهد انه نبى هذه الامة وتمنىٰ ان يعيش الى ان يجاهد معه .

انہوں نے گواہی دی کہ ان یک پاس عظیم فرشتہ آیا ہے جو ان سے پہلے انبیاء کے پاس وحی لے کر آیا کرتا تھا اور گواہی دی کہ آپ پر اللہ تعالیٰ کا کلام نازل کیا گیا ہے اور گواہی دی کہ آپ اس اُمت کے نبی ہیں اور اس تمنا کا اظہار کیا کہ کاش وہ اس وقت تک زندہ رہیں کہ ان کی معیت میں جہاد میں شرکت کر سکیں۔

حضرت امام بخاری نے اپنی صحیح میں حضرت ورقہ کا قول ان الفاظ میں نقل کیا ہے۔

وقال له ورقة هذا الناموس الذى نزل الله على موسى ياليتنى فيها جذع ليتنى اكون حيا اذيخرجك قومك وقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم او مخرجى هم قال نعم لم يات رجل قط بمثل ما جئت به الاعودى وان يدركنى يومك الصرك نصرا موزر اثم لم ينشب ورقه توفى دفتر الوحى .

جب ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ، حضور کو لے کر حضرت ورقہ کے پاس گئیں تو انھوں نے کہا یہ وہ فرشتہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام پر نازل کیا تھا اے کاش! میں اس وقت نوجوان ہوتا، اے کاش! میں اس وقت زندہ ہوتا جب آپ کی قوم آپ کو یہاں سے جلاوطن کرے گی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پوچھا کیا وہ مجھے یہاں سے نکال دیں گے؟ ورقہ نے کہا ہاں کوئی آدمی بھی آج تک وہ امانت لے کر نہیں آیا، جو لے کر آپ آئے ہیں مگر یہ کہ اس کے ساتھ عداوت کی گئی اگر آپ کا وہ دن مجھے پالے تو میں آپ کی بھرپور مدد کروں گا پھر قلیل مدت کے بعد ورقہ وفات پا گئے۔

ان حضرات کے علاوہ اور بھی کئی ایسے سعادت مند نفوس قدسیہ تھے جنھوں نے کفر و شرک کے اس تاریک دور میں بھی توحید کی شمع کو فروزاں رکھا اللہ تعالیٰ ان سب پر اپنی رحمتیں اور برکتیں نازل فرمائے۔ آمین۔ (مؤلف) (ضیاء النبی المعروف سیرۃ الرسول)

اہل فترت کے اقسام

اہل فترت کا حال، ان کی قسمیں اور ان کے عقائد کی وضاحت کرتے ہوئے ایک مقام پر امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں:

اہل فترت جنھیں انبیاء اللہ صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین کی دعوت نہ پہنچی تین قسم ہیں۔

اول: موحد جنھیں ہدایت ازلی نے اس عالمگیر اندھیرے میں راہ توحید دکھائی، جیسے قس بن ساعدہ و زید بن عمرو بن نفیل و عامر بن الظرب عدوانی و قیس بن عاصم تمیمی و صفوان بن ابی امیہ کنانی و زہیر بن ابی سلمیٰ شاعر مشہور وغیرہم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم۔

قس بن ساعدہ و زید بن عمرو بن نفیل یہ دونوں مقبول بندے زمانۂ جاہلیت میں نہ صرف موحد تھے بلکہ پیش از بعثت محمدیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بعثت شریفہ پر بھی ایمان رکھتے۔ قس نے بازار عکاظ کے خطبے

میں اپنی قوم سے فرمایا، عنقریب ادھر سے ایک حق ظاہر ہونے والا ہے اور مکہ کی طرف اشارہ کیا لوگوں نے کہا وہ حق کیا ہے؟ کہا لوی بن غالب کی اولاد سے ایک مرد کہ تمھیں کلمۂ اخلاص اور ہمیشہ کے چین اور دائمی نعمت کی طرف دعوت فرمائے گا تم اس کی بات ماننا، اگر میں جانتا کہ اس کی بعثت تک زندہ رہوں گا تو سب سے پہلے میں اس کی طرف دوڑ کر جاتا۔

ابونعیم نے دلائل النبوۃ میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اس کو روایت کیا۔

عامر بن ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں، مجھ سے زید بن عمرو نے کہا میں اپنی قوم کا مخالف اور دین ابراہیم و اسماعیل کا تابع ہوا وہ دونوں بتوں کو نہ پوجتے اور اس قبلہ کی طرف نماز پڑھتے، میں اولاد اسماعیل سے ایک نبی کے انتظار میں ہوں مگر میرے خیال میں اس کا زمانہ نہ پاؤں گا میں اس پر ایمان لاتا ہوں، میں اس کی تصدیق کرتا ہوں، میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ نبی ہیں۔ اے عامر اگر تمھاری عمر وفا کرے تو انھیں میرا اسلام پہنچانا۔ عامر فرماتے ہیں جب میں نے حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے زید کا یہ قصہ بیان کیا تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے سلام کا جواب دیا اور ان کے حق میں دعا فرمائی اور ارشاد فرمایا میں نے اسے دیکھا کہ جنت میں دامن کشاں سیر کر رہا ہے۔ ابن سعد اور فاکہی نے عامر بن ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اسکو روایت کیا۔

اور ایک حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

غفر الله عزوجل لزيد بن عمرو و رحمه فانه مات على دين ابراهيم.

اللہ عزوجل نے زید بن عمرو کو بخش دیا اور ان پر رحم فرمایا کہ وہ دین ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام پر تھے۔

دوم: مشرک کہ اپنی جہالتوں ضلالتوں سے غیر خدا کو پوجنے لگے جیسے کہ اکثر عرب۔

سوم: غافل کہ براہ سادگی یا انہماک فی الدنیا انہیں اس مسئلہ سے کوئی بحث ہی نہ ہوئی بہائم کے مثل زندگی کی' اعتقادات میں نظر سے غرض ہی نہ رکھی یا نظر وفکر کی مہلت نہ پائی بہت زنان واہل بوادی کی نسبت یہی مظنون ہے۔

علامہ زرقانی فرماتے ہیں:

زمن جاهلية عم الجهل فيها شرقا وغربا وفقد فيها من يعرف الشرائع ويبلغ الدعوة على وجهها الانفرا يسيرا من احار اهل الكتاب مفر فين فى اقطار الارض احكام الشريعة لعدم مخالطتهن الفقهاء فما ظلك بزمان الجاهلية والفقرة الذى رجاله لا يعرفون ذالك فضلاً عن نسانه ولذا لما بعث صلى الله تعالىٰ عليه وسلم تعجب اهل مكة قالوا' بعث الله بشرا رسولا وقالوا لو شاء ربنا لا نزل ملائكة وربما كانو يظنون ان ابراهيم عليه السلام بعث بما هم عليه فانهم لم يجدوا من يبلغهم شريعة على وجهها لدثورها وفقد من يعرفها اذ كان بينهم وبينه از يد من ثلثة الاف سنة فاله فى مسالك الحنفاء والدرج المنيفة ۔

ایسا عہد جاہلیت جس میں مشرق ومغرب ہر طرف جہالت عام ہے احکام شریعت جاننے والے اور صحیح سے دعوت کی تبلیغ کرنے والے ناپید ہیں۔صرف چند علماء اہل کتاب ہیں جو اطراف زمین شام وغیرہ میں منتشر ہیں اور آج جب کہ اسلام شرق وغرب میں پھیل چکا ہے عورتوں کا یہ حال ہے کہ اکثر احکام شرع سے بے خبر رہتی ہے کیوں کہ علماء سے ان کا ربط اور وابستگی نہیں پھر عہد جاہلیت اور زمانہ فترت کی عورتوں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جب کہ عورتیں در کنار مرد بھی ان سب سے نا آشنا ہوتے تھے اسی لئے تو جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو اہل مکہ کو تعجب ہوا بولے' کیا اللہ نے کسی انسان کو

رسول بنا کر مبعوث کیا ہے؟ اور بولے اگر ہمارا رب چاہتا تو فرشتے اتارتا وہ تو یہاں تک سمجھا کرتے تھے کہ جو کچھ وہ کر رہے ہیں ان ہی باتوں کو لے کر حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام مبعوث ہوئے تھے اس غلط خیالی کی یہی وجہ تھی کہ شریعت ابراہیمی کو صحیح طور سے کوئی پہنچانے والا ہی ان کو نہ ملا کیوں کہ اس کے نشانات مٹ گئے تھے اور اس کے جاننے والے بھی ناپید ہو چکے تھے اس لیے کہ ان اہل مکہ اور حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے درمیان تین ہزار سال سے زیادہ کا عرصہ تھا۔ یہ مسالک الحنفاء اور الدرج المنیف میں فرمایا گیا ہے۔

اہل فترت کا حکم اور مذہب اشاعرہ

جماہیر ائمہ اشاعرہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک جب تک بعثت اقدس حضور خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہو کر دعوت الٰہیہ انھیں نہ پہنچے یہ سب فرقے ناجی و غیر معذب تھے۔

لقو له تعالی و ما کنا معذبین حتی نبعث رسولا.

ہم عذاب فرمانے والے نہ تھے یہاں تک کہ بھیج لیں رسول۔

و الجواب بتعمیم الرسول العقل او تخصیص العذاب بعذاب الدنیا خلاف الظاهر فلا یصار الیه الا بموجب و لا موجب ، اقول ، بل احادیث صحیحة صریحة کثیرة کبیرة ناطقة بعذاب بعض اهل الفترة کعمر و بن لحی و صاحب المحجن و غیرهما.

اشاعرہ کے جواب میں یہ کہنا کہ رسول سے مراد عام ہے خواہ انسان ہو یا عقل یا یہ کہ صرف عذاب سے مراد عذاب دنیا ہے (یعنی جب تک ہم کوئی رسول نہ بھیج لیں دنیا میں عذاب نہیں دیتے اور عذاب آخرت دعوت رسول بھیجے بغیر بھی ہو سکتا ہے) یہ (تاویل) خلاف ظاہر ہے جس کی طرف رجوع کا کوئی

موجب نہیں، اقول، کیوں نہیں بہت ساری صحیح صریح حدیثیں بعض اہل فترت کے عذاب (دنیاوی) پر ناطق ہیں جیسے عمرو بن لحی اور ٹیڑے ڈنڈے والا آدمی (جو اپنے ڈنڈے سے لوگوں کی چیزیں اچک کر چرالیتا تھا) اور ان دونوں کے علاوہ سے متعلق بھی۔

خصوصاً جہال عرب جنھیں قرآن عظیم جاہل و امی و بے خبر و غافل بتا رہا ہے صاف ارشاد ہوتا ہے۔

تنزيل العزيز الرحيم لتنذر قوما ما انذر آباء هم فهم غفلون.

اتارا ہوا زبردست مہر والے کا کہ تو ڈرائے ان لوگوں کو نہ ڈرائے گئے ان کے ماں باپ دادا تو وہ غفلت میں ہیں۔

اور خود ہی ارشاد ہوتا ہے۔

ذلک ان لم تكن ربها مهلک القرى بظلم و اهلها غفلون .

یہ اس لیے کہ تیرا رب بستیوں کو ہلاک کرنے والا نہیں ظلم سے جب کہ ان کے رہنے والے غفلت میں ہوں۔

اشاعرہ کے استدلال پر ماتریدیہ کا نقد

قلت اى و هذا و ان كان ظاهرا فى عذاب الدنيا و عذاب الآخرة منتف بالفحوى فان انسلک الكريم الذى لم يرض للغافل بعذاب منقطع لا يرضى بعذاب دائم من باب اولىٰ.

اقول لكن الغفلة انما هى على امر الرسالة و النبوة و السمعيات كبعث و غيره و قد قلنا بموجبها فى ذلک ، اما التوحيد فلا غفلة عنه مع وضوح الدلائل و

کفایۃ العقل .

قلت، یہ آیت اگرچہ غفلت والے سے عذاب دنیا کی نفی میں ظاہر ہے اور عذاب آخرت کی نفی مفہوم سے ہو جاتی ہے کیوں کہ جس بادشاہ کریم نے غافل کے لیے دنیا کا فانی عذاب پسند نہ کیا وہ آخرت کا دائمی عذاب بدرجۂ اولیٰ پسند نہ فرمائے گا۔

اقول، لیکن یہ وہ غفلت ہے جو رسالت نبوت اور سمعی عقائد بعث وغیرہ کے باب میں ہو اور اس باب میں موجب غفلت پائے جانے کے ہم قائل ہیں لیکن توحید سے غفلت کا کوئی موجب نہیں جب کہ اس کے دلائل واضح ہیں اور عقل اس کی رہنمائی کے لیے کافی ہے۔

ائمہ ماتریدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ائمہ بخارا وغیرہم بھی اس کے قائل ہوئے۔ امام محقق کمال الدین ابن الہمام قدس سرہ نے اسی کو مختار رکھا۔

شرح فقہ اکبر میں ہے۔

قال ائمة بخارا منا لا يجب ايمان و لا يحرم كفر قبل البعثة كقول الاشاعرة.

ہم میں کے ائمہ بخارا نے اشاعرہ کی طرح فرمایا قبل بعثت وجوب ایمان اور حرمت کفر دونوں نہیں۔

فواتح الرحموت میں ہے۔

عند الاشعرية و الشيخ ابن الهمام و لا يؤاخذون و لو أتوا بالشرك و العياذ بالله تعالىٰ .

اشعریہ اور شیخ ابن الہمام کے نزدیک ان سے مواخذہ نہیں اگرچہ مرتکب شرک ہوں۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

حاشیہ طحطاویہ علی الدر المختار میں ہے۔

اهل الفترة ناجون و لو غيروا و بدلوا على ما عليه الاشاعرة و بعض المحققين من الماتريدية و نقل الكمال في التحرير عن ابن ابي الدولة انه المختار لقوله تعالىٰ و ما كنا معذبين حتى نبعث رسولا.

اہل فترت ناجی ہیں اگر چہ تغیر وتبدیل کے مرتکب ہوں اس پر اشاعرہ اور بعض محققین ماتریدیہ ہیں ،کمال ابن ہمام تحریر میں ابن عبدالدولہ سے ناقل ہیں کہ یہی مختار ہے کیوں کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ہم عذاب فرمانے والے نہیں جب تک کہ کوئی رسول نہ بھیج لیں۔

قول اشاعرہ پر اہل فترت کافر نہیں

اس قول پر تو ظاہر کہ اہل فترت کو تا زمان فترت کافر نہ کہا جائے گا کہ وہ ناجی ہیں اور کافر ناجی نہیں۔

و على هذا استدل به السيد العلامة على نزهة الابوين الشريفين عن الكفر رضى الله تعالىٰ عنهما و عن كل من احب اجلالهما اجلالا لرسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم.

اسی بنیاد پر اس سے سید علامہ طحطاوی نے والدین کریمین کے کفر سے منزہ ہونے پر استدلال کیا ہے۔اللہ تعالیٰ ان دونوں سے راضی ہو اور ہر اس شخص سے جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اکرام کی خاطر ان کا اکرام پسند کرے۔

اہل فترت سے متعلق بعض اشاعرہ کا موقف

بعض علماء قائل تفصیل ہوئے کہ اہل فترت کے مشرک معاقب ،اور موحد و غافل مطلقاً ناجی۔ یہ

قولِ اشاعرہ سے امام جلیلین نووی و رازی رحمہما اللہ تعالیٰ کا ہے۔

و تعقبه الامام الجلال السيوطي في رسائله في الابوين الكريمين رضي الله تعالى عنهما بما يرجع القول بالامتحان.

و العلامة ابو عبد الله محمد بن خلف الابي في اكمال الاكمال شرح صحيح مسلم كما نقله كلامه في المواهب .

اقول لكنه عاد اخرا الي تسليمه حيث قال اولا ، لما دلت القواطع على انه لا تعذيب حتى تقوم الحجة علمنا انهم غير معذبين .

ثم استشعر ورود الاحاديث و قسمهم آخر الكلام الي موحد و مبدل و غافل ثم قال فيحمل من صح تعذيبه على اهل القسم الثاني لكفرهم بما تعدوا به من الخبائث و الله تعالىٰ قد سمى جميع هذا القسم كفارا و مشركين فانا نجد القران كلما حكى حال احدهم سجل عليهم بالكفر و الشرك كقوله تعالىٰ ما جعل الله من بحيرة ، ثم قال تعالىٰ و لكن الذين كفروا يفترون على الله الكذب و اكثرهم لا يعقلون.

فهذا كما ترى رجوع الي ما قاله هذان الامامان من تعذيب من اشرك منهم.

اقول و في استدلاله بالاية خفاء ظاهر اذ ليست نصا في ان المراد بهم من اخترع ذلك من اصل الفترة بل الكفار لما تدينوا بتلك الاباطيل سجل عليهم بانهم يفترون على الله الكذب و بالجملة فمفاد الاية ان الكافرين يفترون لا ان المفترين كلهم كافرون حتى يكون تسجيلا على كفر اهل الفترة .

اس قول کا امام جلال الدین سیوطی نے اسلام والدین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے متعلق اپنے

رسائل میں تعاقب کیا ہے جس کا مآل یہ ہے کہ اہل فترت کا امتحان (پھر فیصلہ)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن خلف ابی مالکی نے بھی اکمال الاکمال شرح صحیح مسلم میں قول مذکور کا تعاقب کیا ہے جیسا کہ مواہب لدنیہ میں ان کا کلام مذکور ہے۔

اقول، مگر آخر میں چل کر انھوں نے اس قول کو تسلیم کرلیا ہے اس طرح کہ پہلے فرمایا کہ جب قطعی نصوص نے بتایا کہ حجت قائم ہوئے بغیر عذاب نہ دیا جائے گا تو ہم نے جانا کہ ان پر عذاب نہ ہوگا۔

پھر انھیں خیال ہوا کہ تعذیب کے بارے میں تو حدیثیں بھی وارد ہیں تو آخر کلام میں اہل فترت کو انھوں نے تین قسموں (۱) موحد (۲) مبدل (۳) اور غافل میں تقسیم کیا ہے۔ پھر فرمایا کہ جن کی تعذیب کی صحت ثابت ہے انھیں قسم ثانی والوں پر محمول کیا جائے گا اس لیے کہ وہ اپنے برے افکار واعمال کے ذریعہ حد سے تجاوز کرنے کے باعث کافر ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے اس قسم کے سارے لوگوں کو کفار ومشرکین کے نام سے موسوم کیا ہے کیوں کہ ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن ان میں سے جب کسی کا حال بیان فرماتا ہے تو صاف ان کے کافر ومشرک ہونے کا حکم ثبت فرمادیتا ہے جیسے یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے، اللہ نے مقرر نہ کیا بحیرہ (کان چیرا ہوا) پھر یہ ارشاد ہے، لیکن جن لوگوں نے کفر کیا وہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہیں اور ان میں سے اکثر بے عقل ہیں۔

تو یہ جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو اسی کی طرف رجوع ہے جو امام نووی وامام رازی نے فرمایا کہ اہل فترت کے مشرکوں پر عذاب ہوگا۔

اقول، ہاں علامہ ابی نے آیت مذکورہ سے جو استدلال کیا ہے اس میں کھلا ہوا خفا ہے کیوں کہ آیت اس بارے میں نص نہیں کہ ان سے اہل فترت ہی کے (بحیرہ وغیرہ) اختراع کرنے والے مراد ہیں بلکہ کفار نے جب ان باطل چیزوں کو اپنے دین واعتقاد میں داخل کرلیا تو ان کے بارے میں یہ حکم ثبت فرمایا کہ وہ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں۔ حاصل کلام یہ کہ آیت کا مفاد یہ ہے کہ کافرین افترا کرتے ہیں نہ یہ کہ سارے

افترا کرنے والے کافر ہیں کہ اہل فترت کے کفر کی تصریح ہو۔

ردالمحتار میں یہی قول ائمہ بخارا کی طرف نسبت کیا۔

علی خلاف ما قدمنا علی القاری و الطحطاوی و بحر العلوم رحمهم الله تعالیٰ حیث قال ، نعم البخاریون من الماتریدیة و افقوا الاشاعرة و حملوا قول الامام لا عذر لا حد فی الجهل بخالقه علی ما بعد البعثة و اختاره المحقق ابن الهمام فی التحریر ، لکن هذا فی غیر من مات معتقدا للکفر فقد صرح النووی و الفخر الرازی بان من مات قبل البعثة مشرکا فهو فی النار و علیه حمل بعض المالکیة ما صح من الاحادیث فی تعذیب اهل الفترة .

اس کے برخلاف جو پہلے ہم نے مولانا علی قاری، طحطاوی، اور بحرالعلوم رحمہم اللہ تعالیٰ سے نقل کیا علامہ شامی نے اس طرح فرمایا کہ ہاں ماتریدیہ میں سے ائمہ بخارا اشاعرہ کے موافق ہوئے۔ انھوں نے امام اعظم کے قول، اپنے خالق سے جاہل رہنے میں کسی کے لیے کوئی عذر نہیں، کو مابعد بعثت پر محمول کیا۔ اسی کو محقق ابن الہمام نے تحریر میں اختیار کیا لیکن یہ قول جو لوگ کفر کا عقیدہ رکھتے ہوئے مر گئے ان کے علاوہ کے بارے میں ہے۔ امام نووی اور فخر الدین رازی نے تصریح فرمائی ہے کہ جو قبل بعثت حالت شرک میں مر گئے جہنم میں ہوں گے اسی پر بعض مالکیہ نے تعذیب اہل فترت سے متعلق احادیث صحیحہ کو محمول کیا ہے۔

اہل فترت سے متعلق ماتریدیہ کا موقف

جمہور ائمہ ماتریدیہ قدست اسرارہم کے نزدیک اہل فترت کے مشرک، معاقب، موحد، ناجی، غافلوں میں جس نے مہلت فکر و تأمل نہ پائی ناجی، پائی معاقب۔

(تنزیہ المکانۃ الحیدریۃ عن وصمۃ عہد الجاہلیۃ)

روز قیامت اہل فترت کا امتحان

حافظ الحدیث ابوالفضل شہاب الدین ابن حجر عسقلانی ''اصابہ فی تمییز الصحابہ'' میں فرماتے ہیں۔

ورد من عدة طرق فی حق من مات فی الفترة و من ولد مجنونا و نحو ذلک ان کلامنهم یدلی بحجة و یقول لو عقلت او ذکرت لامنت فترفع لهم نار و یقال لهم ادخلوها فمن دخلها کانت علیهم بردا و سلاما و من امتنع ادخلها کرها و نحن نرجو ان یدخل عبد المطلب و آل بیته فی جملة من یدخلها طائعا فینجو لکن ورد فی ابی طالب ما یدفع ذلک و هو ما تقدم من آیة براة و ما فی الصحیح انه فی ضحضاح من النار فهذا شان من مات علی الکفر فلو کان مات علی التوحید نجا من النار اصلا و الاحادیث الصحیحة و الاخبار المتکاثرة طافحة بذلک.

یعنی بہت اسانید سے حدیث آئی کہ جو زمانۂ فترت میں اسلام آنے سے پہلے مر گیا یا مجنون پیدا ہوا اور جنون ہی میں گزر گیا اور اسی قسم کے لوگ جنھیں دعوت انبیاء علیہم الصلاۃ والثناء نہ پہنچی ان میں ہر ایک روز قیامت ایک عذر پیش کرے گا کہ الٰہی میں عقل رکھتا یا مجھے دعوت پہنچتی تو میں ایمان لاتا، ان کے امتحان کو ایک آگ بلند کی جائے گی اور ارشاد ہوگا اس میں جاؤ جو حکم مانے گا اور اس میں داخل ہوگا وہ اس پر ٹھنڈی اور سلامتی ہو جائے گی اور جو نہ مانے گا جبراً آگ میں ڈالا جائے گا۔ اور ہمیں امید ہے کہ عبدالمطلب اور ان کے گھر والے کہ قبل ظہور نور اسلام انتقال کر گئے وہ سب انھیں لوگوں میں ہوں گے جو اپنی خوشی سے اس امتحانی آگ میں جا کر ناجی ہو جائیں گے مگر ابوطالب کے حق میں وہ وارد ہو لیا جو اسے دفع کرتا ہے۔ سورۂ توبہ کی آیت اور حدیث صحیح کا ارشاد کہ وہ پاؤں تک آگ میں ہے۔ یہ حال اس کا ہے جو کافر مرے اگر اخیر وقت اسلام لا کر مرنا ہوتا تو دوزخ سے نجات کلی چاہیے تھی۔ صحیح و کثیر حدیثیں

کفر ابی طالب ثابت کر رہی ہیں۔ (شرح المطالب فی مبحث ابی طالب)

زید بن عمرو کی شہادت ایمان

زید بن عمرو بن نفیل کہ احد العشرۃ المبشرۃ سیدنا سعید بن زید کے والد ماجد ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہم وعنہ، موحدان ومومنان عہد جاہلیت سے تھے طلوع آفتاب عالم تاب اسلام سے پہلے انتقال کیا مگر اسی زمانے میں توحید الٰہی ورسالت حضرت ختمی پناہی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شہادت دیتے۔

ابن سعد وابونعیم حضرت عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی میں زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملا وہ مکہ معظمہ سے کوہ حرا کو جاتے تھے انھوں نے قریش کی مخالفت اور ان کے معبودان باطل سے جدائی کی تھی، اس پر ان سے اور قریش سے کچھ لڑائی رنجش ہو چکی تھی مجھے دیکھ کر بولے اے عامر میں اپنی قوم کا مخالف، اور ملت ابراہیم کا پیرو ہوا اسی کو معبود مانتا ہوں جسے ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام پوجتے تھے۔ میں ایک نبی کا منتظر ہوں جو بنی اسماعیل اور اولاد عبد المطلب سے ہوں گے ان کا نام پاک احمد ہے۔ میرے خیال میں میں ان کا زمانہ نہ پاؤں گا میں ابھی ان پر ایمان لاتا اور ان کی تصدیق کرتا اور ان کی نبوت کی گواہی دیتا ہوں۔ تمھیں اگر اتنی عمر ملے کہ انھیں پاؤ تو میرا اسلام انھیں پہنچانا اے عامر میں تم سے ان کی نعت وصفت بیان کیے دیتا ہوں کہ تم خوب پہچان لو وہ درمیانہ قد ہیں سر کے بال کثرت وقلت میں معتدل ان کی آنکھوں میں ہمیشہ سرخ ڈورے رہیں گے ان کے شانوں کے بیچ میں مہر نبوت ہے ان کا نام احمد اور یہ شہر ان کا مولد ہے یہیں ان کی رسالت ظاہر ہوگی ان کی قوم انھیں مکے میں نہ رہنے دے گی کہ ان کا دین اسے ناگوار ہوگا۔ وہ ہجرت فرما کر مدینے جائیں گے وہاں سے ان کا دین ظاہر وغالب ہوگا دیکھو تم کسی دھوکے فریب میں آ کر ان کی اطاعت سے محروم نہ رہنا۔

فانی بلغت البلاد کلها لطلب دین ابراهیم و کل من اسال من الیهود و

النصاریٰ و المجوس یقول ھذا الدین وراء ک و ینعتونہ مثل ما نعتہ لک و یقولون لم یبق نبی غیرہ .

کہ میں دین ابراہیمی کی تلاش میں شہروں شہروں پھرا یہود و نصاریٰ و مجوس جس سے پوچھا سب نے یہی جواب دیا کہ یہ دین تمھارے پیچھے آتا ہے اور اس نبی کی وہی صفت بیان کی جو میں تم سے کہہ چکا اور سب کہتے تھے کہ ان کے سوا کوئی نبی باقی نہ رہا۔

عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جب حضور خاتم الانبیاء علیہ وعلیہم الصلاۃ والثناء کی نبوت ظاہر ہوئی تو میں نے زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ باتیں حضور سے عرض کی حضور نے ان کے حق میں دعائے رحمت فرمائی اور ارشاد کیا۔

قد رأیتہ فی الجنۃ یسحب ذیلہ

میں نے اسے جنت میں دامن کشاں دیکھا۔ (جزی اللہ عدوہ بابائہ ختم النبوۃ)

اہل فترت اور حضور کا واسطہ

امام احمد رضا بریلوی ایک جگہ فرماتے ہیں:

قس بن ساعدہ و اصلین اور اہل فترت سے ہیں لیکن یہ بھی بلا ذریعہ نہیں نصرانیت محو ہو چکی تھی اور اسلام ابھی آیا نہ تھا وہ جو مشرکین تھے ان کے سامنے وعظ کہتے اس میں توحید بیان کرتے اور حشر وغیرہ کا بیان کرتے آخر میں کہتے اگر تم میری نہیں مانتے تو عنقریب حضور تشریف لاتے ہیں جو لا الہ الا اللہ روشن فرمائیں گے۔ (الملفوظ حصہ دوم)

حضور کے والدین کریمین

الذی یرٰک حین تقوم و تقلبک فی السٰجدین

جو تمھیں دیکھتا ہے جب تم کھڑے ہوتے ہو اور نمازیوں میں تمھارے دورے کو

(الشعراء ۲۱۸،۲۱۹)

حضور کے والدین کریمین

حضرت عبداللہ

یہ ہمارے حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والد ماجد ہیں، یہ عبدالمطلب کے تمام بیٹوں میں سب سے زیادہ باپ کے لاڈلے اور پیارے تھے، چوں کہ ان کی پیشانی میں نور محمدی اپنی پوری شان وشوکت کے ساتھ جلوہ گر تھا اس لیے حسن وخوبی کے پیکر اور جمال صورت وکمال سیرت کے آئینہ دار اور عفت وپارسائی میں یکتائے روزگار تھے، قبیلۂ قریش کی تمام حسین عورتیں ان کے حسن و جمال پر فریفتہ اوران سے شادی کی خواست گار تھیں۔ مگر عبدالمطلب ان کے لیے ایک ایسی عورت کی تلاش میں تھے جو حسن و جمال کے ساتھ ساتھ حسب ونسب کی شرافت اور عفت و پارسائی میں بھی ممتاز ومنفرد ہو، عجیب اتفاق کہ ایک دن عبداللہ شکار کے لیے جنگل میں تشریف لے گئے، ملک شام کے یہودی چند علامتوں سے پہچان گئے تھے کہ نبی آخرالزماں کے والد ماجد یہی ہیں چنانچہ ان یہودیوں نے حضرت عبداللہ کو بارہا قتل کرڈالنے کی کوشش کی، اس مرتبہ بھی یہودیوں کی ایک بہت بڑی جماعت مسلح ہوکر اس نیت سے جنگل میں گئی کہ عبداللہ کو تنہائی میں دھوکہ سے قتل کر دیا جائے مگر اللہ تعالیٰ کی حفاظت نے اس مرتبہ بھی اپنے فضل وکرم سے بچالیا۔ عالم غیب سے چند ایسے سوار ناگہاں نمودار ہوئے جو اس دنیا کے لوگوں سے کوئی مشابہت ہی نہیں رکھتے تھے، ان سواروں نے آکر یہودیوں کو مار بھگایا اور عبداللہ کو بحفاظت ان کے مکان تک پہنچادیا۔

وہب بن مناف بھی اس دن جنگل میں تھے اور انھوں نے اپنی آنکھوں سے یہ سب کچھ دیکھا اس لیے ان کو عبداللہ سے بے انتہا محبت وعقیدت پیدا ہوگئی اور گھر آکر یہ عزم کرلیا کہ میں اپنی نورنظر "آمنہ" کی شادی عبداللہ ہی سے کروں گا، چنانچہ اپنی اس دلی تمنا کو اپنے چند دوستوں کے ذریعہ انھوں نے عبدالمطلب تک پہنچادیا۔ خدا کی شان کہ عبدالمطلب اپنے نورنظر عبداللہ کے لیے جیسی دلھن کی تلاش میں تھے وہ ساری

خوبیاں حضرت آمنہ بنت وہب میں موجود تھیں، عبد المطلب نے اس رشتہ کو خوشی خوشی منظور کر لیا۔ چنانچہ چوبیس سال کی عمر میں حضرت عبداللہ کا حضرت بی بی آمنہ سے نکاح ہو گیا، اور نور محمدی حضرت عبداللہ سے منتقل ہو کر حضرت آمنہ کے شکم اطہر میں جلوہ گر ہو گیا۔ اور جب حمل شریف کو دو مہینے پورے ہو گئے تو عبد المطلب نے حضرت عبداللہ کو کھجوریں لینے کے لیے مدینہ بھیجا، یا تجارت کے لیے ملک شام روانہ کیا، وہاں سے واپس لوٹتے ہوئے مدینہ میں اپنے والد کے ننھال، بنو عدی بن نجار، دو میں ایک ماہ بیمار رہ کر پچیس برس کی عمر میں وفات پا گئے اور وہیں ''دار نابغہ'' میں مدفون ہوئے۔

قافلہ والوں نے جب مکہ واپس لوٹ کر عبد المطلب کو حضرت عبداللہ کی بیماری کا حال سنایا تو انھوں نے خبر گیری کے لیے اپنے سب سے بڑے لڑکے حارث کو مدینہ بھیجا، ان کے مدینہ پہنچنے سے قبل ہی حضرت عبداللہ راہئ ملک بقا ہو چکے تھے۔ حارث نے مکہ واپس آ کر جب وفات کی خبر سنائی تو سارا گھر ماتم کدہ بن گیا اور بنو ہاشم کے ہر گھر میں ماتم برپا ہو گیا۔ خود حضرت آمنہ نے اپنے مرحوم شوہر کا ایسا پر درد مرثیہ کہا ہے کہ جس کو سن کر آج بھی دل درد سے بھر جاتا ہے۔ روایت ہے کہ حضرت عبداللہ کی وفات پر فرشتوں نے غمگین ہو کر بڑی حسرت کے ساتھ یہ کہا کہ الٰہی تیرا نبی یتیم ہو گیا، حضرت حق نے فرمایا کیا ہوا؟ میں اس کا حامی و محافظ ہوں۔

حضرت آمنہ کی وفات

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عمر شریف جب چھ برس ہو گئی تو آپ کی والدہ ماجدہ آپ کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ آپ کے دادا کے نانیہال بنو عدی بن نجار میں رشتہ داروں سے ملاقات یا اپنے شوہر کی قبر کی زیارت کے لیے تشریف لے گئیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والد ماجد کی باندی ام ایمن بھی اس سفر میں آپ کے ساتھ تھیں وہاں سے واپسی پر ''ابواء'' نامی گاؤں میں حضرت بی بی آمنہ کی وفات ہو گئی اور وہ وہیں مدفون ہوئیں۔

والد ماجد کا سایہ تو ولادت سے پہلے ہی اٹھ چکا تھا اب والدہ ماجدہ کی آغوش شفقت کا خاتمہ بھی ہو گیا، لیکن حضرت بی بی آمنہ کا یہ درِیتیم جس آغوش شفقت میں پرورش پا کر پروان چڑھنے والا ہے وہ ان سب ظاہری اسباب تربیت سے بے نیاز ہے۔

حضور کے ابوین کا ایمان

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ وہ دونوں مومن ہیں یا نہیں؟ بعض علماء ان دونوں کو مومن نہیں مانتے اور بعض علماء نے اس مسئلہ میں توقف کیا اور فرمایا کہ ان دونوں کو مومن یا کافر کہنے سے زبان کو روکنا چاہیئے اور اس کا علم خدا کے سپرد کر دینا چاہیئے۔ مگر اہل سنت کے علماء محققین کا یہی عقیدہ اور قول ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ماں باپ دونوں یقیناً بلاشبہ مومن ہیں، چنانچہ اس بارے میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ کا ارشاد ہے کہ۔

حضور کے والدین کو مومن نہ ماننا یہ علماء متقدمین کا مسلک ہے لیکن علماء متاخرین نے تحقیق کے ساتھ اس مسئلہ کو ثابت کیا ہے کہ حضور کے والدین بلکہ حضور کے تمام آباء و اجداد حضرت آدم علیہ السلام تک سب کے سب مومن ہیں۔

اور ان حضرات کے ایمان کو ثابت کرنے میں علماء متاخرین کے تین طریقے ہیں :

اول: یہ کہ حضور کے والدین اور آباء و اجداد سب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر تھے لہٰذا مومن ہوئے۔

دوم: یہ تمام حضرات حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے اعلان نبوت سے پہلے ہی ایسے زمانے میں وفات پا گئے جو زمانہ فترت کہلاتا ہے، اور ان لوگوں میں حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی دعوت ایمان پہنچی ہی

نہیں ۔لہٰذا ہرگز ہرگز ان حضرات کو کافر نہیں کہا جا سکتا بلکہ ان لوگوں کو مومن ہی کہا جائے گا۔

سوم: یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کو زندہ فرما کر ان کی قبروں سے اٹھایا اور ان لوگوں نے کلمہ پڑھ کر حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی تصدیق کی۔

اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والدین کو زندہ کرنے کی حدیث اگرچہ بذات خود ضعیف ہے مگر اس کی سند اس قدر کثیر ہیں کہ یہ حدیث صحیح اور حسن کے درجہ کو پہنچ گئی ہے۔

اور یہ وہ علم ہے جو علماء متقدمین پر پوشیدہ رہ گیا جس کو حق تعالیٰ نے علماء متاخرین پر منکشف فرمایا اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنے فضل سے اپنی رحمت کے ساتھ خاص فرمالیتا ہے اور شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس مسئلہ میں چند رسائل تصنیف کیے ہیں اور اس مسئلہ کو دلیلوں سے ثابت کیا ہے اور مخالفین کے شبہات کا جواب دیا ہے۔

اسی طرح خاتم المفسرین حضرت شیخ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا بیان ہے کہ:

امام قرطبی نے اپنی کتاب تذکرہ میں تحریر فرمایا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام جب حجۃ الوداع میں ہم لوگوں کو ساتھ لے کر چلے اور، حجون کی گھاٹی سے گزرے تو رنج وغم میں ڈوبے ہوئے رونے لگے اور حضور کو روتا دیکھ کر میں بھی رونے لگی، پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی اونٹنی سے اتر پڑے اور کچھ دیر کے بعد میرے پاس واپس تشریف لائے تو خوش خوش مسکراتے ہوئے تشریف لائے، میں نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں کیا بات ہے؟ کہ آپ رنج وغم میں ڈوبے ہوئے اونٹنی سے اترے اور واپس ہوئے تو شاداں وفرحاں مسکراتے ہوئے تشریف فرما ہوئے ۔تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں اپنی والدہ حضرت آمنہ کی قبر کی زیارت کے لیے گیا تھا اور میں نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ وہ ان کو زندہ فرمادے تو خداوند تعالیٰ نے ان کو زندہ

فرمادیا اور وہ ایمان لائیں۔

اور الاشباہ والنظائر میں ہے کہ ہر وہ شخص جو کفر کی حالت میں مر گیا ہو اس پر لعنت کرنا جائز ہے بجز رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والدین کے کیوں کہ اس بات کا ثبوت موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو زندہ فرمادیا اور یہ دونوں ایمان لائے۔

یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام اپنے ماں باپ کی قبروں کے پاس روئے اور ایک خشک درخت زمین میں بو دیا اور فرمایا کہ اگر یہ درخت ہرا ہو گیا تو یہ اس بات کی علامت ہو گی کہ ان دونوں کا ایمان لانا ممکن ہے چنانچہ وہ درخت ہرا ہو گیا۔ پھر حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی دعا کی برکت سے وہ دونوں اپنی اپنی قبروں سے نکل کر اسلام لائے اور پھر اپنی اپنی قبروں میں تشریف لے گئے۔

اور ان دونوں کا زندہ ہونا اور ایمان لانا عقلاً محال ہے نہ شرعاً، کیوں کہ قرآن شریف سے ثابت ہے کہ بنی اسرائیل کے مقتول نے زندہ ہو کر اپنے قاتل کا نام بتایا، اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے دست مبارک سے بھی چند مردے زندہ ہوئے۔ جب یہ سب باتیں ثابت ہیں تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والدین کے زندہ ہو کر ایمان لانے میں بھلا کون سی چیز مانع ہو سکتی ہے؟

اور جس حدیث میں یہ آیا ہے کہ، میں نے اپنی والدہ کے لیے دعائے مغفرت کی اجازت طلب کی تو مجھے اس کی اجازت نہیں دی گئی۔ یہ حدیث حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والدین کے زندہ ہو کر ایمان لانے سے بہت پہلے کی ہے کیوں کہ حضور کے والدین کا زندہ ہو کر ایمان لانا حجۃ الوداع کے موقع پر ہوا (جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال سے چند ہی ماہ پہلے کا واقعہ ہے) اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مراتب و درجات ہمیشہ بڑھتے ہی رہے تو ہو سکتا ہے کہ پہلے حضور کو خداوند تعالیٰ نے یہ شرف نہیں عطا فرمایا تھا کہ آپ کے والدین مسلمان ہوں، مگر بعد میں اس فضل و شرف سے بھی آپ کو سرفراز فرمادیا کہ آپ کے

والدین کو صاحب ایمان بنادیا۔

صاحب الاکلیل حضرت علامہ شیخ عبدالحق مہاجر مدنی قدس سرہ العزیز نے تحریر فرمایا کہ

علامہ ابن حجر ہیثمی نے مشکوٰۃ کی شرح میں فرمایا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والدین کو اللہ تعالیٰ نے زندہ فرمایا یہاں تک کہ وہ دونوں ایمان لائے اور پھر وفات پاگئے۔ یہ حدیث صحیح ہے اور جن محدثین نے اس حدیث کو صحیح بتایا ہے ان میں سے امام قرطبی اور شام کے حافظ الحدیث ابن ناصر الدین بھی ہیں اور اس میں طعن کرنا بے محل اور بے جا ہے۔ کیوں کہ کرامات اور خصوصیات کی شان ہی یہ ہے کہ وہ قواعد و عادات کے خلاف ہوا کرتی ہیں۔ چنانچہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والدین کا موت کے بعد اٹھ کر ایمان لانا، یہ ایمان ان کے لیے نافع ہے حالاں کہ دوسروں کے لیے یہ ایمان مفید نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والدین کو نسبت رسول کی وجہ سے جو کمال حاصل ہے وہ دوسروں کے لیے نہیں ہے۔

اور حضور کی حدیث لیت شعری ما فعل ابوای (کاش مجھے خبر ہوتی کہ میرے والدین کے ساتھ کیا معاملہ کیا گیا) کے بارے میں امام سیوطی نے در منثور میں فرمایا ہے کہ یہ حدیث مرسل اور ضعیف الاسناد ہے۔

بہر کیف حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ والہانہ عقیدت اور ایمانی محبت کا یہی تقاضا ہے کہ حضور کے والدین اور تمام آباء و اجداد بلکہ تمام رشتہ داروں کے ساتھ ادب و احترام کا التزام رکھا جائے۔ بجز ان رشتہ داروں کے جن کا کافر اور جہنمی ہونا قرآن و حدیث سے یقینی طور پر ثابت ہے جیسے ابولہب اور اس کی بیوی حمالۃ الحطب باقی تمام قرابت والوں کا ادب ملحوظ خاطر رکھنا لازم ہے کیوں کہ جن لوگوں کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نسبت قرابت حاصل ہے ان کی بے ادبی و گستاخی یقیناً حضور علیہ الصلاۃ والسلام

کی ایذا رسانی کا باعث ہوگا۔ (مولف) (سیرت مصطفیٰ)

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ سے سوال ہوا کہ سرورِ کائنات فخرِ موجودات رسول خدا محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ماں باپ آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام تک مومن تھے یا نہیں؟

آپ نے اس کا جو محققانہ اور فاضلانہ جواب تحریر فرمایا وہ یہ ہے

اولاً اللہ عزوجل فرماتا ہے۔

و لعبد مومن خير من مشرک

بیشک مسلمان غلام بہتر ہے مشرک سے

حضور بہترین قرن وطبقہ میں پیدا ہوئے

اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

بعثت من خير قرون بني آدم قرنا فقرنا حتى كنت في القرن الذي كنت منه.

ہر قرن وطبقہ میں تمام قرون بنی آدم کے بہتر سے بھیجا گیا یہاں تک کہ اس قرن میں ہوا جس میں پیدا ہوا۔ اسے امام بخاری نے اپنی صحیح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔

زمین پر سات مسلمان کا ہونا ضروری

حضرت امیر المومنین مولیٰ المسلمین علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی حدیث صحیح میں ہے۔

لم يزل على وجه الدهر (الارض) سبعة مسلمين فصاعدا فلولا ذلک هلكت

الارض و من علیھا.

روئے زمین پر ہر زمانے میں کم سے کم سات مسلمان ضرور رہے ہیں ایسا نہ ہوتا تو زمین و اہل زمین سب ہلاک ہو جاتے۔ عبدالرزاق وابن منذر نے اسے سند صحیح کے ساتھ امام بخاری و مسلم کی شرط پر روایت کیا۔

حضرت عالم القرآن حبر الامۃ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث میں ہے۔

ما خلت الارض من بعد نوح من سبعة یدفع الله بھم عن اھل الارض.

نوح علیہ الصلاۃ والسلام کے بعد زمین کبھی سات بندگان خدا سے خالی نہ ہوئی جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اہل زمین سے عذاب دفع فرماتا ہے۔

جب صحیح حدیثوں سے ثابت کہ ہر قرن و طبقے میں روئے زمین پر علی الاقل سات مسلمان بندگان مقبول ضرور رہے ہیں۔ اور خود صحیح بخاری شریف کی حدیث سے ثابت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جن سے پیدا ہوئے وہ لوگ ہر زمانے میں، ہر قرن میں خیار قرن سے ہیں۔ اور آیت قرآنیہ ناطق کہ کوئی کافر اگر چہ کیسا ہی شریف القوم بالانسب ہو، کسی غلام مسلمان سے بھی خیر و بہتر نہیں ہو سکتا تو واجب ہوا کہ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آباء و امہات ہر قرن اور طبقہ میں انھیں بندگان صالح و مقبول سے ہوں۔ ورنہ معاذ اللہ صحیح بخاری میں ارشاد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و قرآن عظیم میں ارشاد حق عزوجل کے مخالف ہوگا۔

اقول: و المعنی ان الکافر لا یستاھل شرعاً ان یطلق علیہ انہ من خیار القرن لا سیما و ھناک مسلمون صالحون و ان لم یرد الخیریۃ الا بحسب النسب فافھم.

میں کہتا ہوں کہ مراد یہ ہے کہ کافر شرعاً اس بات کا مستحق نہیں کہ اس کو خیر القرون کہا جا سکے بالخصوص جب کہ صالح موجود ہوں اگر چہ خیریت نسب ہی کے لحاظ سے کیوں نہ ہو۔ (مولف)

یہ دلیل امام جلیل خاتم الحفاظ جلال الملۃ والدین سیوطی قدس سرہ نے افادہ فرمائی۔

حضور کے آباء وامہات موحد تھے

ثانیاً: اللہ عزوجل فرماتا ہے۔

انما المشرکون نجس.

کافر تو ناپاک ہی ہیں۔

اور حدیث میں ہے حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

لم یزل اللہ عزوجل ینقلنی من اصلاب طیبۃ الی ارحام طاھرۃ صافیا مھذبا لا تتشعب شعبتان الا کنت فی خیرھما.

ہمیشہ اللہ تعالیٰ مجھے پاک ستھری پشتوں میں نقل فرماتا رہا صاف ستھرا آراستہ، جب دو شاخیں پیدا ہوئیں، میں ان میں بہتر شاخ میں تھا۔

اور ایک حدیث میں ہے فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

لم ازل انقل من اصلاب الطاھرین الی ارحام الطاھرات

رواہ ابو نعیم فی دلائل النبوۃ عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما .

میں ہمیشہ پاک مردوں کی پشتوں سے پاک بی بیوں کے پیٹوں میں منتقل ہوتا رہا۔ اسے ابونعیم نے دلائل النبوۃ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا۔

دوسری حدیث میں ہے فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم:

لم یزل اللہ ینقلنی من الاصلاب الکریمة و الارحام الطاھرة حتی اخرجنی من بین ابوی .

رواہ ابن ابی عمرو العدنی فی مسندہ عنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ہمیشہ اللہ عزوجل مجھے کرم والی پشتوں اور طہارت والے شکموں میں منتقل فرماتا رہا یہاں تک کہ مجھے میرے ماں باپ سے پیدا کیا۔ اسے ابن ابی عمرو عدنی نے اپنی مسند میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی۔

تو ضرور ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آباءِ کرام طاہرین وامہات کرام طاہرات سب اہل ایمان وتوحید ہوں کہ نص قرآن عظیم میں کسی کافر وکافرہ کے لیے کرم وطہارت سے حصہ نہیں۔

یہ دلیل امام اجل فخر المتکلمین علامۃ الوریٰ فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے افادہ فرمائی۔ اور امام جلال الدین سیوطی اور علامہ محقق سنوسی اور علامہ تلمسانی شارح شفاء وامام ابن حجر مکی وعلامہ محمد زرقانی شارح مواہب وغیرہم اکابر نے اس کی تائید وتصویب کی۔

ثالثاً: اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے۔

و توکل علی العزیز الرحیم الذی یراک حین تقوم و تقلبک فی الساجدین.

بھروسہ کر زبردست مہربان پر جو تجھے دیکھتا ہے جب تو کھڑا ہو اور تیرا کروٹ بدلنا سجدہ کرنے والوں میں۔

امام رازی فرماتے ہیں: معنی آیت یہ ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نور پاک ساجدوں

سے ساجدوں کی طرف منتقل ہوتا رہا۔ تو آیت اس پر دلیل ہے کہ سب آبائے کرام مسلمین تھے۔

امام سیوطی و امام ابن حجر و علامہ زرقانی وغیرہم اکابر نے اس کی تقریر و تائید و تاکید و تشیید فرمائی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اس کی مؤید روایت ابونعیم کے یہاں آئی۔

والدین کے مؤحد ہونے پر عذاب ابوطالب سے استدلال

رابعاً: اللہ عزوجل فرماتا ہے:

و لسوف یعطیک ربک فترضی .

البتہ عنقریب تجھے تیرا رب اتنا دے گا کہ تو راضی ہو جائے گا۔

اللہ اکبر، بارگاہ عزت میں مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عزت و وجاہت و محبوبیت کہ امت کے حق میں تو رب العزت جل وعلا نے فرمایا ہی تھا:

سنرضیک فی امتک و لا نسوءک . رواہ مسلم فی صحیحہ .

قریب ہے کہ ہم تجھے تیری امت کے باب میں راضی کر دیں گے اور تیرا دل برا نہ کریں گے۔ مسلم نے اپنی صحیح میں اسے روایت کی۔ مگر اس عطا و رضا کا مرتبہ یہاں تک پہنچا کہ صحیح حدیث میں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابوطالب کی نسبت فرمایا۔

وجدتہ فی غمرات من النار و اخرجتہ الی ضحضاح.

رواہ البخاری و مسلم عن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ .

میں نے اسے آگ میں سراپا ڈوبا پایا تو کھینچ کر ٹخنوں تک کی آگ میں کر دیا۔ اسے بخاری و مسلم نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

دوسری روایت صحیح میں فرمایا۔

و لولا انا لکان فی الدرک الاسفل من النار رواہ ایضا عنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ .

اگر میں نہ ہوتا تو ابوطالب جہنم کے سب سے نیچے طبقے میں ہوتا۔ اسے بخاری نے حضرت عباس سے روایت کی۔

دوسری حدیث صحیح میں فرماتے ہیں۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

اھون اھل النار عذابا ابو طالب . رویاہ عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما

دوزخیوں میں سب سے ہلکا عذاب ابوطالب پر ہے۔ اسے بخاری ومسلم نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی۔

اور یہ ظاہر ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جو قرب والدین کریمین کو ہے ابوطالب کو اس سے کیا نسبت؟ پھر ان کا عذر بھی واضح کہ نہ انھیں دعوت پہنچی نہ انھوں نے زمانہ اسلام پایا تو اگر معاذ اللہ وہ اہل جنت نہ ہوتے تو ضرور تھا کہ ان پر ابوطالب سے بھی کم عذاب ہوتا اور وہی سب سے ہلکے ہوتے۔ یہ حدیث صحیح کے خلاف ہے تو واجب ہوا کہ والدین کریمین اہل جنت ہیں۔ وللہ الحمد۔

اس دلیل کی طرف بھی امام خاتم الحفاظ نے اشارہ فرمایا۔

اقول و باللہ التوفیق : تقریر دلیل یہ ہے کہ صادق ومصدوق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خبر دی کہ اہل نار میں سب سے ہلکا عذاب ابوطالب پر ہے۔ اب ہم پوچھتے ہیں کہ ابوطالب پر یہ تخفیف کس وجہ سے ہے؟

آیا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یاری وغمخواری وپاسداری وخدمت گزاری کے باعث، یا

اس لیے کہ سید المحبوبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان سے محبت طبعی تھی، حضور کو ان کی رعایت منظور تھی۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

عم الرجل صنو ابیه رواه الترمذی عن ابی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه.

آدمی کا چچا اس کے باپ کے بجائے ہوتا ہے۔ اسے ترمذی نے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

شق اول باطل ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

و قدمنا الی ما عملوا من عمل فجعلنه هباء منثورا.

صاف ارشاد ہوتا ہے کہ کافر کے سب عمل برباد محض ہیں۔ لاجرم شق ثانی ہی صحیح ہے اور یہی ان احادیث صحیحہ مذکورہ سے مستفاد۔

ابو طالب کے عمل کی حقیقت تو یہاں تک تھی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سراپا آگ میں غرق پایا۔ عمل نے نفع دیا ہوتا تو پہلے ہی کام آتا، پھر حضور کا ارشاد کہ میں نے اسے ٹخنوں تک کی آگ میں کھینچ لیا میں نہ ہوتا تو وہ جہنم کے طبقۂ زیریں میں ہوتا۔

لاجرم یہ تخفیف صرف محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا پاس خاطر اور حضور کا اکرام ظاہر و باہر ہے اور بالبداہۃ واضح کہ محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خاطر اقدس پر ابو طالب کا عذاب ہرگز اتنا گراں نہیں ہو سکتا جس قدر معاذ اللہ والدین کریمین کا معاملہ، نہ ان سے تخفیف میں حضور کی آنکھوں کی وہ ٹھنڈک، جو حضرات والدین کے بارے میں، نہ ان کی رعایت میں حضور کا وہ اعزاز و اکرام جو حضرات والدین کے

چھٹکارے میں، تو اگر عیاذاً باللہ، وہ اہل جنت نہ ہوتے تو ہر طرح سے وہی اس رعایت وعنایت کے زیادہ مستحق تھے۔

و بوجہ آخر فرض کیجیے کہ یہ ابو طالب کے حق پرورش و خدمت ہی کا معاوضہ ہے تو پھر کون سی پرورش جزئیت کے برابر ہوسکتی ہے، کونسی خدمت حمل ووضع کا مقابلہ کرسکتی ہے، کیا کبھی کسی پرورش کنندہ یا خدمت گزار کا حق، حق والدین کے برابر ہوسکتا ہے؟ جسے رب العزت نے اپنے حق عظیم کے ساتھ شمار فرمایا۔

ان اشکر لی ولوالدیک .

حق مان میرا اور اپنے والدین کا۔

پھر ابو طالب نے جہاں برسوں خدمت کی، چلتے وقت رنج بھی وہ دیا جس کا جواب نہیں، ہر چند حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کلمہ پڑھنے کو فرمایا نہ پڑھنا تھا نہ پڑھا۔ جرم وہ کیا جس کی مغفرت نہیں، عمر بھر معجزات دیکھنا، احوال پر علم تام رکھنا اور زیادہ حجۃ اللہ قائم ہونے کا موجب ہوا۔ بخلاف ابوین کریمین کہ نہ انھیں دعوت دی گئی نہ انکار کیا تو ہر وجہ، ہر لحاظ ہر حیثیت سے یقیناً انھیں کا پلہ بڑھا ہوا ہے۔ تو ابو طالب کا عذاب سب سے ہلکا ہونا یوں ہی متصور کہ ابوین کریمین اہل نار ہی سے نہ ہوں۔ و هـــو المقصود.

عبدالمطلب کے دخول جنت سے استدلال

خامساً۔ اقول: اللہ عزوجل فرماتا ہے:

لا یستوی اصحب النار و اصحب الجنة اصحب الجنة هم الفائزون.

برابر نہیں دوزخ والے اور جنت والے اور جنت والے ہی مراد کو پہنچے۔

حدیث میں ہے، حضور پرنور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اولاد امجاد حضرت عبد المطلب سے ایک پاک خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو آتے دیکھا، جب پاس آئیں فرمایا:

ما اخرجک من بیتک .

اپنے گھر سے باہر کہاں گئی تھیں؟

عرض کی:

اتیت اھل ھذا المیت فترحمت الیھم و عزیتھم بمیتھم.

یہ جو ایک ایک موت ہوگئی تھی میں ان کے یہاں تعزیت اور دعائے رحمت کرنے گئی تھی۔

فرمایا:

لعلک بلغت معھم الکدی .

شاید تو ان کے ساتھ قبرستان گئی تھی

عرض کی:

معاذ اللہ ان اکون بلغتھا و قد سمعتک تذکر فی ذلک ما تذکر .

خدا کی پناہ کہ میں وہاں جاتی حالاں کہ حضور سے سن چکی تھی جو کچھ اس باب میں ارشاد کیا۔

سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لو بلغتھا معھم ما رایت الجنة حتی یراھا جد ابیک . رواہ ابو داؤد

والنسائی وغیرھما.

اگر تو ان کے ساتھ وہاں تک جاتی تو جنت نہ دیکھتی جب تک عبدالمطلب نہ دیکھیں۔ اسے ابوداؤد نسائی وغیرہما نے روایت کی۔ یہ تو حدیث کا ارشاد ہے اب ذرا عقائد اہل سنت پیش نظر رکھتے ہوئے نگاہ انصاف درکار، عورتوں کا قبرستان جانا غایت درجہ اگر ہے تو معصیت ہے۔

(۱) اور ہرگز کوئی معصیت مسلمان کو جنت سے محروم اور کافر کے برابر نہیں کر سکتی، اہل سنت کے نزدیک مسلمان کا جنت میں جانا واجب شرعی ہے اگرچہ معاذ اللہ مواخذہ کے بعد۔

(۲) اور کافر کا جنت میں جانا محال شرعی کہ ابدالاباد تک کبھی ممکن ہی نہیں۔

(۳) اور نصوص کو حتی الامکان ظاہر پر محمول کرنا واجب اور بے ضرورت تاویل ناجائز۔

(۴) اور عصمت، نوع بشر میں خاصۂ حضرات انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام ہے۔ ان کے غیر سے اگرچہ کیسا ہی عظیم الدرجات ہو، وقوع گناہ ممکن ومتصور۔

یہ چاروں باتیں عقائد اہل سنت میں ثابت ومقرر۔ اب اگر بحکم مقدمہ رابعہ مقابر تک بلوغ فرض کیجیے تو بحکم مقدمۂ ثالثہ جزاء کا ترتب واجب اور اس تقدیر کہ حضرت عبدالمطلب کو معاذ اللہ غیر مسلم کہیئے بحکم مقدمتین اولین و نیز بحکم آیت کریمہ محال و باطل، تو واجب ہوا کہ حضرت عبدالمطلب مسلمان و اہل جنت ہوں اگرچہ مثل صدیق وفاروق وعثمان وعلی وزہراء وصدیقہ وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم سابقین اولین میں نہ ہوں۔ اب معنی حدیث بلاتکلف اور بے حاجت تاویل وتصرف عقائد اہل سنت سے مطابق ہیں یعنی اگر یہ امر تم سے واقع ہوتا تو سابقین اولین کے ساتھ جنت میں جانا نہ ملتا بلکہ اس وقت جب کہ عبدالمطلب داخل بہشت ہوں گے۔

کافر آباء پر فخر جائز نہیں

سادساً، اقول: اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے:

و للّٰه العزة و لرسوله و للمومنين و لكن المنافقين لا يعلمون

عزت تو اللہ و رسول اور مسلمانوں ہی کے لیے ہے مگر منافقوں کو علم نہیں۔

اور فرماتا ہے:

يا ايها الناس انا خلقنا كم من ذكرو انثى و جعلنا كم شعو باو قبائل لتعارفوا ان اكرمكم عند الله اتقاكم ان الله عليم خبير.

اے لوگو! ہم نے بنایا تمھیں ایک نر و مادہ سے اور کیا تمھیں قومیں اور قبیلے کہ آپس میں ایک دوسرے کو پہچانو بیشک اللہ کے نزدیک تمھارا عزت والا زیادہ وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے۔

ان آیات کریمہ میں رب العزت جل وعلا نے عزت و کرم کو مسلمانوں میں منحصر فرمادیا اور کافر کو چاہے کتنا ہی قوم دار ہو، لئیم و ذلیل ٹھہرایا اور کسی لئیم و ذلیل کی اولاد سے ہونا کسی عزیز و کریم کے لیے باعث مدح نہیں ولہٰذا کافر باپ داداؤں کے انتساب سے فخر کرنا حرام ہوا۔

صحیح حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

من انتسب الى تسعة آباء كفار يريد بهم عزا و كرما كان عاشرهم فى النار رواه احمد

جو شخص عزت و کرامت چاہنے کو اپنی نو پشت کافر کا ذکر کرے کہ میں فلاں ابن فلاں ابن فلاں کا بیٹا ہوں ان کا دسواں جہنم میں یہ شخص ہو۔ اسے امام احمد نے روایت کیا ہے۔

اور احادیث کثیرہ مشہورہ سے ثابت کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے فضائل کریمہ کے بیان اور مقام رجز و مدح میں بارہا اپنے آباء کرام وامہات کرائم کا ذکر فرمایا۔

روز حنین جب ارادۂ الٰہیہ سے تھوڑی دیر کے لیے کفار نے غلبہ پایا تو معدود بندے رکاب رسالت میں باقی رہے، اللہ غالب کے رسول غالب پر شان جلال طاری تھی۔

انــــا الـــنبـــــی لا کـــذب

انــــا ابــن عبــد الــمـــطــلـــب

میں نبی ہوں کچھ جھوٹ نہیں میں ہوں بیٹا عبدالمطلب کا۔

اسے امام احمد و بخاری و مسلم اور نسائی نے حضرت براء ابن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔

حضور قصد فرما رہے ہیں کہ تنہا ان ہزاروں کے مجمع پر حملہ فرمائیں حضرت عباس بن عبدالمطلب و حضرت ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہما بغلہ شریف کی لگام مضبوط کھینچے ہوئے ہیں کہ بڑھ نہ جائے اور حضور فرما رہے ہیں۔

انــــا الـــنبـــــی لا کـــذب

انــــا ابــن عبــد الــمـــطــلـــب

میں سچا نبی ہوں اللہ کا پیارا، عبدالمطلب کی آنکھ کا تارا۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

اسے ابوبکر بن ابی شیبہ و ابونعیم نے براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔

امیر المومنین عمر لگام روکے ہیں اور حضرت عباس دمچی تھامے اور حضور فرما رہے ہیں۔

قدما، انا النبی لا کذب ، انا ابن عبد المطلب .

اسے بڑھنے دو میں ہوں نبی، صریح حق پر، میں ہوں عبدالمطلب کا پسر۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

اسے ابن عساکر نے مصعب بن شیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔

جب کافر نہایت قریب آ گئے تو بغلہ طیبہ سے نزول اجلال فرمایا اس وقت بھی یہی فرماتے تھے۔

انا النبی لا کذب . انا ابن عبد المطلب . اللھم نزل نصرک.

میں ہوں نبی برحق سچا، میں ہوں عبدالمطلب کا بیٹا، الٰہی اپنی مدد نازل فرما۔

اسے ابن ابی شیبہ وابن جریر نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔

پھر ایک مشت خاک دست پاک میں لے کر کافروں کی طرف پھینکی اور فرمایا۔

شاھت الوجوہ .

بگڑ گئے چہرے۔

وہ خاک ان ہزاروں کافروں پر ایک ایک کی آنکھ میں پہنچی اور سب کے منہ پھر گئے، ان میں جو مشرف باسلام ہوئے وہ بیان فرماتے ہیں جس وقت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وہ کنکریاں ہماری طرف پھینکیں ہمیں یہ نظر آیا کہ زمین سے آسمان تک تانبے کی دیوار قائم کر دی گئی اور اس پر سے پہاڑ ہم پر لڑھکائے گئے سوائے بھاگنے کے کچھ نہ بن آئی۔

اسی غزوہ کے رجز میں ارشاد فرمایا۔

انا ابن العواتک من بنی سلیم.

میں بنی سلیم سے ان چند خاتونوں کا بیٹا ہوں جن کا نام عاتکہ تھا۔

اسے سعید بن منصور نے اپنی سنن میں اور طبری نے کبیر میں سیابہ بن عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

روایت کیا۔

ایک حدیث میں ہے بعض غزوات میں فرمایا:

انا النبی لا کذب . انا ابن عبد المطلب . انا ابن العواتک .

میں نبی ہوں کچھ جھوٹ نہیں، میں ہوں عبدالمطلب کا بیٹا، میں ان بی بیوں کا بیٹا جن کا نام عاتکہ تھا۔

ابن عساکر نے اسے حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔

علامہ مناوی صاحب تیسیر وامام مجدالدین فیروزآبادی صاحب قاموس وجوہری صاحب صحاح و صنعانی وغیرہم نے کہا، نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جدات میں نو بی بیوں کا نام عاتکہ تھا۔ ابن بری نے کہا وہ بارہ بی بیاں عاتکہ نام کی تھیں۔ تین سلمیات یعنی قبیلہ بنی سلیم سے اور دو قرشیات، دو عدوانیات اور ایک ایک کنانیہ، اسدیہ، ہزلیہ، قضاعیہ اور ازدیہ سے۔ اسے تاج العروس میں ذکر کیا گیا ہے۔

ابوعبداللہ عدوی نے کہا وہ بی بیاں چودہ تھیں۔ تین قرشیات، چار سلمیات، دو عدوانیات اور ایک ایک ہزلیہ، قحطانیہ، قضاعیہ ثقفیہ، اسدیہ بنی اسد خزیمہ سے۔ اسے امام جلال الدین سیوطی نے جامع کبیر میں ذکر کیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ قلیل نافع کثیر نہیں۔

حدیث آئندہ میں آتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے مقام مدح و بیان فضائل کریمہ میں اکیس پشت تک اپنا نسب نامہ ارشاد کر کے فرمایا میں سب سے نسب میں افضل اور باپ میں افضل۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ تو بحکم نصوص مذکورہ ضرور ہے کہ حضور کے آباء و امہات مسلمین و مسلمات ہوں و للہ الحمد

مسلم وکافر کے درمیان نسب منقطع ہے

سابعاً: اللہ عزوجل فرماتا ہے۔

انه ليس من اهلك انه عمل غير صالح.

اے نوح! یہ کنعان تیرے اہل سے نہیں یہ تو ناراستی کے کام والا ہے۔

آیت کریمہ نے مسلم وکافر کا نسب قطع فرمادیا و لہٰذا ایک کا ترکہ دوسرے کو نہیں پہنچتا۔

اور حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

نحن بنو النضر بن كنانة لا ننتفي من ابينا .

رواه ابو داؤد الطيالسي و ابن سعد و احمد و ابن ماجه وغيرهم .

ہم نضر بن کنانہ کے بیٹے ہیں ہم اپنے باپ سے اپنا نسب جدا نہیں کرتے۔ اسے ابوداؤد طیالسی ابن سعد اور احمد وابن ماجہ وغیرہم نے روایت کیا۔

کفار سے نسب بحکم احکم الحاکمین منقطع ہے۔ پھر معاذ اللہ نہ کرنے کا کیا محل ہوتا۔

زید بن عمرو کی مغفرت سے استدلال

ثامناً وتاسعاً، اقول: اللہ عزوجل فرماتا ہے۔

ان الذين كفروا من اهل الكتاب و المشركين في نار جهنم خالدين فيها اولئك هم شر البرية ان الذين آمنوا و عملوا الصالحات اولئك هم خير البرية .

بے شک سب کافر کتابی اور مشرک جہنم کی آگ میں ہیں ہمیشہ اس میں رہیں گے وہ سارے

جہان سے بدتر ہیں۔ بیشک جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے وہ سارے جہاں سے بہتر ہیں۔

اور حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں

غفر الله عزوجل لزيد بن عمرو و رحمه فانه مات على دين ابراهيم

رواه البزار و الطبراني عن سعيد بن زيد بن عمرو بن نفيل رضى الله تعالى عنهما .

اللہ عزوجل نے زید بن عمرو کو بخش دیا اور ان پر رحم فرمایا کہ وہ دین ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام پر تھے۔ اسے بزار و طبرانی نے سعید بن زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا۔

اور ایک حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی نسبت فرمایا۔

رايته في الجنة يسحب ذيولا .

میں نے اسے جنت میں ناز کے ساتھ دامن کشاں دیکھا۔

حضور کے آباء سب سے بہتر تھے

بیہقی و ابن عساکر کی حدیث میں بطریق مالک بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے۔ یہ بیہقی کی روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں :

انا محمد بن عبد الله بن عبد المطلب بن هاشم بن عبد مناف بن قصى بن كلاب بن مره بن كعب بن لوى بن غالب بن فهر بن مالك بن النضر بن كنانه بن خزيمة بن مدرك بن الياس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان ما افترق الناس فرقتين الا جعلني الله في خيرهما فاخرجت من بين ابوين فلم يصبني شي من عهد الجاهلية و

خرجت من نکاح و لم اخرج من سفاح من لدن آدم حتی انتھیت الی ابی و امی فانا خیرکم نفسا و خیرکم ابا ، و فی لفظ فانا خیرکم نسبا خیر کم ابا.

میں ہوں محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم ؛ یوں ہی اکیس پشت تک نسب نامہ مبارک بیان کرکے فرمایا کبھی لوگ دو گروہ نہ ہوئے مگر مجھے اللہ تعالیٰ نے بہتر گروہ میں کیا تو میں اپنے ماں باپ سے ایسا پیدا ہوا کہ زمانۂ جاہلیت کی کوئی بات مجھ تک نہ پہنچی اور میں خالص نکاح صحیح سے پیدا ہوا آدم سے لے کر اپنے والدین تک ، تو میرا النفس کریم تم سب سے افضل اور میرے باپ تم سب کے آباء سے بہتر۔

اس حدیث میں اول تو نفی عام فرمائی کہ عہد جاہلیت کی کسی بات نے نسب اقدس میں کبھی کوئی راہ نہ پائی ، یہ خود دلیل کافی ہے اور امر جاہلیت کو خصوص زنا پر حمل کرنا ایک تو تخصیص بلا مخصص ، دوسرے لغو کہ نفی زنا صراحۃً اس کے متصل مذکور۔

ثانیاً، ارشاد ہوتا ہے کہ میرے باپ تم سب کے آباء سے بہتر۔ ان سب میں حضرت سعید بن زید بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی قطعاً داخل تو لازم کہ حضرت والد ماجد حضرت زید سے افضل ہوں اور یہ بحکم آیت بے اسلام ناممکن۔

مقام نبوت

عاشراً، اقول: اللہ عزوجل فرماتا ہے:

اللہ اعلم حیث یجعل رسالته .

خدا خوب جانتا ہے جہاں رکھے اپنی پیغمبری۔

آیۂ کریمہ شاہد کہ رب العزت عزوعلا سب سے زیادہ معزز و محترم موضع، وضع رسالت کے لیے انتخاب فرمایا ہے ولہٰذا کبھی کم قوموں اور رزیلوں میں رسالت نہ رکھی، پھر کفر وشرک سے زیادہ رزیل کیا شئی ہوگی؟ وہ کیوں کر اس قابل کہ اللہ عزوجل نور رسالت اس میں ودیعت رکھے، کفار محل غضب ولعنت ہیں اور نور رسالت کے وضع کو محل رضا ورحمت درکار۔

حضرت ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر ایک بار خوف وخشیت کا غلبہ تھا گریہ وزاری فرما رہی تھیں، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے عرض کیا یا ام المومنین! کیا آپ یہ گمان رکھتی ہیں کہ رب العزت جل وعلا نے جہنم کی ایک چنگاری کو مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جوڑا بنایا، ام المومنین نے فرمایا:

فرجت عنی فرج اللہ عنک .

تم نے میرا غم دور کیا اللہ تعالیٰ تمہارا غم دور کرے۔

خود حدیث میں حضور سید یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

ان اللہ ابی لی ان اتزوج او ازوج الا اھل الجنۃ . رواہ ابن عساکر

بیشک اللہ عزوجل نے میرے لیے نہ مانا کہ میں نکاح میں لانے یا نکاح میں دینے کا معاملہ کروں مگر اہل جنت سے۔ اسے ابن عسا کر نے روایت کیا۔

جب اللہ عزوجل نے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے پسند نہ فرمایا کہ غیر مسلم عورت آپ کے نکاح میں آئے تو خود حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نور پاک معاذ اللہ محل کفر میں رکھنے یا حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جسم پاک عیاذاً باللہ خون کفار سے بنانے کو پسند فرمانا کیوں کر متوقع ہو؟

تنبیہات باہرہ

حدیث، ان ابی و اباک ۔ میں باپ سے ابوطالب مراد لینا طریق واضح ہے۔

قال تعالیٰ : قالوا نعبد الھک و الہ آبائک ابراھیم و اسمٰعیل و اسحٰق.

بولے ہم پوجیں گے اسے جو خدا ہے آپ کا اور آپ کے آبا ابراہیم واسماعیل واسحاق کا۔

(کنزالایمان)

علماء نے اسی پر لا بیہ آزر کو حمل فرمایا۔ اہل کتابین واہل تواریخ کا اجماع ہے کہ آزر باپ نہ تھا سیدنا خلیل علیہ السلام الجلیل کا چچا تھا۔ استغفار سے نہی معاذ اللہ عدم توحید پر دال نہیں۔ صدر اسلام میں سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدیون کے جنازے پر نماز نہ پڑھتے جس کا حاصل اس کے لیے استغفار ہی ہے۔

اقول، حدیث میں ہے۔

جب حضور سید الشافعین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بار بار شفاعت فرمائیں گے اور اہل ایمان کو اپنے کرم سے داخل جناں فرماتے جائیں گے اخیر میں صرف وہ لوگ رہ جائیں گے جن کے پاس سوائے توحید کے کوئی حسنہ نہیں شفیع مشفع صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پھر سجدے میں گریں گے حکم ہوگا۔

یا محمد ارفع راسک و قل یسمع لک و سل تعطہ و اشفع تشفع.

اے حبیب! اپنا سر اٹھاؤ اور عرض کرو کہ تمھاری عرض سنی جائے گی اور مانگو کہ تمھیں عطا ہوگا اور شفاعت کرو کہ تمھاری شفاعت قبول ہوگی۔

سید الشافعین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عرض کریں گے۔

یا رب ائذن لی فیمن قال لا الہ الا اللہ

اے میرے رب مجھے ان کی بھی پروانگی دے دے جنھوں نے صرف لا الہ الا اللہ کہا ہے۔

رب العزت عز جلالہ ارشاد فرمائے گا۔

لیس ذاک الیک لکن و عزتی و کبریائی و عظمتی و کبریائی لاخرجن منها من قال لا اله الا الله .

یہ بات تمھارے لیے نہیں مگر مجھے اپنی عزت وجلال و کبریائی کی قسم میں ضرور ان سب کو نار سے نکال لوں گا جنھوں نے لا الہ الا اللہ کہا ہے۔ اسے بخاری و مسلم نے انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔

حضرت ابوین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا انتقال عہد اسلام سے پہلے ہوا تھا تو اس وقت تک وہ صرف اہل توحید و اہل لا الہ الا اللہ تھے تو نہی از قبیل'' لیس ذک الیک ''ہے۔

زندہ ہونے کے بعد ایمان لائے

بعدہ رب العزت جل جلالہ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقے میں ان پر اتمام نعمت کے لیے اصحاب کہف رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی طرح انھیں زندہ کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان لاکر شرف صحابیت پاکر آرام فرمایا۔ لہٰذا حکمت الٰہیہ کہ یہ زندہ کرنا حجۃ الوداع میں واقع ہوا جب کہ قرآن کریم پورا اتر لیا اور الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی نے نزول فرما کر دین الٰہی کو تام و کامل کر دیا تا کہ ان کا ایمان پورے دین کامل شرائع پر واقع ہو۔

حدیث احیاء کی غایت ضعف ہے اور حدیث ضعف در بارہ فضائل مقبول، بلکہ امام ابن حجر مکی نے فرمایا۔ متعدد حفاظ نے اس کی تصحیح کی۔

آباء و امہات میں کوئی کافر نہ تھا

افضل القریٰ شرح ام القریٰ میں فرماتے ہیں:

ان آباء النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غیر الانبیاء و امہاتہ الی آدم و حواء لیس فیہم کافر لان الکافر لا یقال فی حقہ انہ مختار و لا کریم و لا طاہر بل نجس و قد صرحت الاحادیث بانہم مختارون و ان الاباء کرام و الامہات طاہرات و ایضا قال تعالیٰ و تقلبک فی الساجدین ، علی احد التفاسیر فیہ ان المراد تنقل نورہ من ساجد الی ساجد و حینئذ فہذا صریح فی ان ابوی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آمنۃ و عبد اللہ من اہل الجنۃ لانہما اقرب المختارین لہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و ہذا ہو الحق بل فی حدیث صححہ غیر واحد من الحفاظ و لم یلتفتوا لمن طعن فیہ ان اللہ تعالیٰ احیاہما فامنا بہ .

یعنی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نسب کریم میں جتنے انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام ہیں وہ تو انبیاء ہی ہیں ان کے سواء حضور کے جس قدر آباء و امہات آدم وحوا علیہما الصلاۃ والسلام تک ہیں ان میں کوئی کافر نہ تھا کہ کافر کو پسندیدہ یا کریم یا پاک نہیں کہا جا سکتا اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آباء و امہات کی نسبت حدیثوں میں تصریح فرمائی کہ وہ سب پسندیدۂ بارگاہ الٰہی ہیں آباء سب کرام ہیں مائیں سب پاکیزہ ہیں اور آیہ کریمہ و تقلبک فی الساجدین کی بھی ایک تفسیر یہی ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نور ایک ساجد سے دوسرے ساجد کی طرف منتقل ہوتا آیا تو اب اس سے صاف ثابت ہے کہ حضور کے والدین حضرت آمنہ وحضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما اہل جنت ہیں کہ وہ تو ان بندوں میں جنھیں اللہ عزوجل نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے چنا تھا سب سے قریب تر ہیں، یہی قول حق ہے بلکہ

ایک حدیث میں جسے متعدد حافظان حدیث نے صحیح کہا اور اس میں طعن کرنے والے کی بات کو قابل التفات نہ جانا۔ تصریح ہے کہ اللہ عزوجل نے والدین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے زندہ فرمایا یہاں تک کہ وہ حضور پر ایمان لائے۔

اپنا مسلک اس باب میں یہ ہے۔

و من مذهبی حب الدیار لاهلها
و للناس فيما يعشقون مذاهب

میرا مذہب تو شہر والوں کی وجہ سے شہر سے محبت کرنا ہے اور لوگوں کے لیے ان کی پسندیدہ چیزوں میں مختلف طریقے ہیں۔

جسے یہ پسند فبہا ونعمت، ورنہ آخر اس سے تو کم نہ ہو کہ زبان رو کے دل کو صاف رکھے ان ذلکم کان یوذی النبی سے ڈرے۔

ایمان ابوین کے مسئلے میں احتیاط کا تقاضا

امام ابن حجر شرح (افضل القریٰ) میں فرماتے ہیں:

ما احسن قول المتوفقين فى هذه المسئلة الحذر الحذر من ذكرهما بنقص فان ذلك قد يوذيه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بخبر الطبرانى لا توذوا الاحياء بسبب الاموات

یعنی کیا خوب فرمایا ان بعض علماء نے جنھیں اس مسئلے میں توقف تھا کہ دیکھو بچو! والدین کریمین کو کسی نقص کے ساتھ ذکر کرنے سے کہ اس سے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایذا ہونے کا اندیشہ ہے کہ طبرانی کی حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، مردوں کو برا کہہ کر زندوں

کوایذانہ دو۔

یعنی حضور تو زندۂ ابدی ہیں ہمارے تمام افعال واقوال پر مطلع ہیں۔اور اللہ عزوجل نے فرمایا۔

و الذین یوذون رسول اللہ لھم عذاب الیم

جولوگ رسول اللہ کوایذا دیتے ہیں ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

عاقل کو چاہیئے کہ ایسی جگہ سخت احتیاط سے کام لے۔ع

ہشدار کہ رہ بر مردم تیغ است قدم را

یہ مانا کہ مسئلہ قطعی نہیں، اجماعی نہیں، پھر ادھر کون سا قاطع کون سا اجماع ہے؟ آدمی اگر جانب ادب میں خطا کرے تو لاکھ جگہ بہتر ہے اس سے کہ معاذ اللہ اس کی خطا جانب گستاخی جائے۔جس طرح حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

تدرؤا الحدود فان الامام لان یخطی فی العفو خیر من ان یخطی فی العقوبة . رواہ ابن ابی شیبة و الترمذی.

جہاں تک بن پڑے حدود کو ٹالو کہ بیشک امام کا معافی میں خطا کرنا عقوبت میں خطا کرنے سے بہتر ہے۔اسے ابن ابی شیبہ وترمذی نے روایت کیا۔

حجۃ الاسلام غزالی قدس سرہ العالی احیاء العلوم شریف میں فرماتے ہیں۔

کسی مسلمان کی طرف گناہ کبیرہ کی نسبت جائز نہیں جب تک تواتر سے ثابت نہ ہو، مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف معاذ اللہ! اولاد چنیں و چناں سے ہونا کیوں کر بے تواتر وقطع نسبت کردیا جائے یقین برہانی کا انتفاء حکم وجدانی کا نافی نہیں ہوتا۔کیا تمھارا وجدان ایمان گوارا کرتا ہے کہ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم کے سرکار نور بار کے ادنیٰ ادنیٰ غلاموں کے سگان بارگاہ جنات النعیم میں سرر مرفوعۃ پر تکیے لگائے چین کریں اور جن کی نعلین پاک کے تصدق میں جنت بنی، ان کے ماں باپ دوسری جگہ معاذ اللہ غضب وعذاب کی مصیبتیں بھریں۔ ہاں یہ سچ ہے کہ ہم غنی حمید عز جلالہ پر حکم نہیں کر سکتے پھر دوسرے حکم کی کس نے گنجائش دی؟ ادھر کون سی دلیل قاطع پائی؟ حاش للہ! ایک حدیث بھی صحیح وصریح نہیں جو صریح ہے ہرگز صحیح نہیں اور جو صحیح ہے ہرگز صریح نہیں۔ جس کی طرف ہم نے اجمالی اشارات کر دیے تو اقل درجہ وہی سکوت و حفظ ادب رہا۔ آئندہ اختیارات بدست مختار۔

ناموں سے ایمان والدین پر استدلال

اقول، ظاہر عنوان باطن ہے اور اسم آئینۂ مسمی الاسماء تنزل من السماء۔

سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا بعثتم الی رجلا فابعثوا حسن الوجه حسن الاسم

رواه البزار فی مسنده و الطبرانی فی الاوسط عن ابی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه .

جب میری بارگاہ میں کوئی قاصد بھیجو تو اچھی صورت اچھے نام کا بھیجو۔ اسے بزار نے اپنی مسند میں اور طبرانی نے اوسط میں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم :

اعتبروا الارض باسمائها.

رواه ابن عدی عن عبد الله بن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه

زمین کو اس کے نام پر قیاس کرو۔ اسے ابن عدی نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

روایت کیا۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں۔

کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یتفاء ل و لا یتطیر و کان یعجبہ الاسم الحسن .

رواہ الامام احمد و الطبرانی و البغوی فی شرح السنۃ .

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نیک فال لیتے بدشگونی نہ مانتے اور اچھے نام کو درست رکھتے۔ اسے امام احمد وطبرانی وبغوی نے شرح السنہ میں روایت کیا۔

ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔

ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان یغیر الاسم القبیح.

رواہ الترمذی .

مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم برے نام کو بدل دیتے۔ اسے امام ترمذی نے روایت کیا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔

کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا سمع بالاسم القبیح حولہ الی ما ھو احسن منہ . رواہ الطبرانی .

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب کسی کا برا نام سنتے تو اس سے بہتر بدل دیتے۔ اسے طبرانی نے روایت کیا۔

بریدہ اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان لا یتطیر من شیء و کان اذا بعث عاملا سأل عن اسمہ فاذا اعجبہ اسمہ فرح بہ و رؤی بشر ذلک فی وجہہ و ان کرہ اسمہ رؤی کراہیۃ ذلک فی وجہہ و دخل قریۃ سأل عن اسمہا فاذا اعجبہ اسمہا فرح بہا ورؤی بشرذلک فی وجہہ و ان کرہ اسمہا رؤی کراہیۃ ذلک فی وجہہ . رواہ ابو داؤد .

مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کسی چیز سے بدشگونی نہ لیتے جب کسی عہدے پر کسی کو مقرر فرماتے تو اس کا نام پوچھتے اگر پسند آتا خوش ہوتے اور اس کی خوشی چہرۂ انور میں نظر آتی اور اگر ناپسند آتا ناگواری کا اثر چہرۂ اقدس پر ظاہر ہوتا۔ اور جب کسی شہر میں تشریف لے جاتے اس کا نام دریافت فرماتے اگر خوش آتا مسرور ہوجاتے اور اس کا سرور روئے پرنور میں دکھائی دیتا اور اگر ناخوش آتا، ناخوشی کا اثر روئے اطہر میں نظر آتا۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اسے ابوداؤد نے روایت کیا۔

اب ذرا چشم حق بیں سے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ مراعات الٰہیہ کے الطاف خفیہ دیکھئے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والد ماجد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام پاک عبداللہ کہ افضل اسمائے امت ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

احب اسمائکم الی اللہ عبد اللہ و عبد الرحمن.

رواہ مسلم و ابو داود و الترمذی و ابن ماجۃ عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما.

تمھارے ناموں میں سب سے زیادہ پیارے نام اللہ تعالیٰ کو عبداللہ وعبدالرحمٰن ہیں۔ اسے مسلم

وابوداؤد وترمذی وابن ماجہ نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا۔

والدہ ماجدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اسم مبارک آمنہ کہ امن واماں سے مشتق اور ایمان سے ہم اشتقاق ہے۔ جدامجد حضرت عبدالمطلب شیبۃ الحمد کواس پاک ستودہ مصدر سے اطیب واطہر مشتق، محمد واحمد وحامد ومحمود صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیدا ہونے کا اشارہ تھا۔ جدہ ماجدہ فاطمہ بنت عمرو بن عائذ اس پاک نام کی خوبی اظہر من الشمس ہے۔

حدیث میں حضرت بتول زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وجہ تسمیہ یوں آئی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

انما سمیت فاطمة لان الله تعالیٰ فطمها و محبیها من النار.

رواه الخطیب عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما.

اللہ تعالیٰ نے اس کا نام فاطمہ اس لیے رکھا کہ اسے اور اس سے عقیدت رکھنے والوں کو نار دوزخ سے آزاد فرمایا۔ اسے خطیب نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا۔

حضور کے جد مادری یعنی نانا وہب، جس کے معنی عطاو بخشش، ان کا قبیلہ بنی زہرا جس کا حاصل چمک وتابش، جدہ مادری یعنی نانی صاحبہ برہ یعنی نیکوکار۔ جیسا کہ ابن ہشام نے اپنی سیرت میں ذکر کیا۔

بھلا یہ تو خاص اصول ہیں، دودھ پلانے والیوں کو دیکھئے۔ پہلی مرضعہ ثویبہ کہ ثواب سے ہم اشتقاق اور اس فضل الٰہی سے پوری طرح بہرہ ور، حضرت حلیمہ بنت عبداللہ بن حارث۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اشج عبدالقیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا:

ان فیک خصلتین یحبهما الله الحلم و الاناة .

تجھ میں دو خصلتیں ہیں خدا اور رسول کو پیاری، ورنگ اور بردباری۔

ان کا قبیلہ بنی سعد کہ سعادت و نیک طالعی ہے شرف اسلام وصحابیت سے مشرف ہوئیں۔

جب روز حنین حاضر بارگاہ ہوئیں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے لیے قیام فرمایا اور اپنی چادر انور بچھا کر بٹھایا ان کے شوہر جن کا شیر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نوش فرمایا، حارث سعدی، یہ بھی شرف اسلام وصحبت سے مشرف ہوئے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قدم بوسی کو حاضر ہوئے تھے راہ میں قریش نے کہا اے حارث تم اپنے بیٹے کی سنو وہ کہتے ہیں۔ مردے جئیں گے اور اللہ نے دو گھر جنت و نار بنا رکھے ہیں۔ انھوں نے حاضر ہو کر عرض کی کہ اے میرے بیٹے! حضور کی قوم حضور کی شاکی ہے۔ فرمایا ہاں میں ایسا فرماتا ہوں اور اے میرے باپ! جب وہ دن آئے گا تو میں تمھارا ہاتھ پکڑ کر بتادوں گا کہ دیکھو یہ وہ دن ہے یا نہیں جس کی میں خبر دیتا تھا یعنی روز قیامت، حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعد اسلام اس ارشاد کو یاد کر کے کہا کرتے اگر میرے بیٹے میرا ہاتھ پکڑیں گے تو انشاء اللہ نہ چھوڑیں گے جب تک مجھے جنت میں داخل نہ فرمالیں۔

اسے یونس بن بکر نے روایت کیا۔

حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں

اصدقھا حارث و ھمام .

رواہ البخاری فی الادب المفرد و ابو داؤد و النسائی عن ابی الھیثمی . رضی اللہ تعالیٰ عنہ .

سب ناموں میں سب سے زیادہ سچے نام حارث وہمام۔ بخاری نے ادب المفرد میں اور ابوداؤد و نسائی نے اسے ابوالہیثمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔

حضور کے رضاعی بھائی جو پستان شریک تھے جن کے لیے حضور سید العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پستان چھوڑ دیتے تھے، عبداللہ سعدی، یہ بھی مشرف بہ اسلام وصحبت ہوئے۔

حضور کی رضاعی بڑی بہن کہ حضور کو گود میں کھلاتیں، سینے پر لٹا کر دعائیہ اشعار عرض کرتیں اور سلاتیں اس لیے وہ بھی حضور کی ماں کہلاتیں، سیما سعدیہ، یعنی نشان والی، علامت والی جو دور سے چمکے یہ بھی مشرف بہ اسلام ہوئیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

حضرت حلیمہ حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو گود میں لیے راہ میں جاتی تھیں تین نوجوان کنواری لڑکیوں نے وہ خدا بھاتی صورت دیکھی، جوش محبت سے اپنی پستانیں دہن اقدس میں رکھیں، تینوں کے دودھ اتر آیا۔ تینوں پاکیزہ بی بیوں کا نام عاتکہ تھا۔ عاتکہ کے معنی زن شریفہ، رئیسہ، کریمہ سراپا عطر آلود تینوں قبیلہ بنو سلیم سے تھیں کہ سلامت سے مشتق اور اسلام سے بھی ہم اشتقاق ہے۔ اسے ابن عبدالبر نے استیعاب میں ذکر کیا ہے۔

بعض علماء نے حدیث، **انا ابن العواتک من سلیم** کو اسی معنی پر محمول کیا اسے سہیلی نے نقل کیا ہے۔

اقول الحق (امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں) کسی نبی نے کوئی آیت وکرامت ایسی نہ پائی کہ ہمارے نبی اکرم نبی الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم وسلم کو اس کی مثل اور اس سے امثل عطا نہ ہوئی۔ یہ اس مرتبے کی تکمیل تھی کہ مسیح کلمۃ اللہ صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ کو بے باپ کے کنواری بتول کے پیٹ سے پیدا کیا۔ حبیب اشرف بریۃ اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے تین عفیفہ لڑکیوں کے پستان میں دودھ پیدا فرما دیا۔ ع

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

امام ابوبکر بن العربی فرماتے ہیں:

لم ترضعه مرضعة الا اسلمت.

ذكره في كتاب سراج المريدين.

سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جتنی بی بیوں نے دودھ پلایا سب اسلام لائیں۔ اسے کتاب سراج المریدین میں بیان کیا گیا ہے۔

بھلا یہ تو دودھ پلانا تھا کہ اس میں جزئیت ہے۔ مرضعۂ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام پاک، برکت، اور ام ایمن، کنیت کہ یہ بھی یمن و برکت وراستی وقوت۔ یہ اجلہ صحابیات سے ہوئیں رضی اللہ تعالیٰ عنہن۔

سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انھیں فرماتے:

انت امي بعد امي.

تم میری ماں کے بعد میری ماں ہو۔

راہ ہجرت میں انھیں پیاس لگی آسمان سے نورانی رسی میں ایک ڈول اترا پی کر سیراب ہوئیں پھر کبھی پیاس نہ معلوم ہوئی سخت گرمی میں روزے رکھتیں اور پیاس نہ ہوتی۔ اسے ابن سعد نے روایت کیا۔

پیدا ہوتے وقت جنھوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے ہاتھوں پر لیا ان کا نام پاک تو دیکھئے شفاء۔ یہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ ماجدہ وصحابیہ جلیلہ ہیں۔ اور ایک بی بی کہ وقت ولادت اقدس حاضر تھیں، فاطمہ بنت عبداللہ ثقفیہ، یہ بھی صحابیہ ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

اے چشم انصاف! کیا ہر تعلق ہر علاقہ میں ان پاک مبارک ناموں کا اجتماع محض اتفاقی بطور جزاف تھا؟ کلا واللہ بلکہ عنایت ازلی نے جان جان کر یہ نام رکھے، دیکھ دیکھ کر یہ لوگ چنے۔ پھر محل غور ہے جو اس نور پاک کو برے نام والوں سے بچائے وہ اسے برے کام والوں میں رکھے گا اور برا کام بھی کون سا معاذ اللہ شرک وکفر۔ حاشا ثم حاشا، اللہ اللہ۔ دائیاں مسلمان، کھلائیاں مسلمان، مگر خاص جن مبارک پیٹوں میں محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پاؤں پھیلائے۔ جن طیب مطیب خونوں سے اس نورانی جسم میں ٹکڑے آئے وہ معاذ اللہ! چنیں وچناں حاش للہ! کیوں کر گوارا ہو۔ ع

خدا دیکھا نہیں قدرت سے جانا

ع

ما بندۂ عشقیم و دگر ہیچ ندانیم

نجات ابوین کے قائلین علماء وائمہ

دربارۂ ابوین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما یہی طریقہ انیقہ انجیٰ نجات نجات کہ ہم نے بتوفیقہ تعالیٰ اختیار کیا۔ تنوع مسالک پر مختار اجلہ ائمہ کبار واعاظم علمائے نامدار ہے۔ ازاں جملہ۔

(۱) امام ابو حفص عمر بن احمد بن شاہین۔

جن کی علوم دینیہ میں تین سو تیس تصانیف ہیں ازاں جملہ تفسیر ایک ہزار جزء میں اور مسند حدیث ایک ہزار تین جزء میں۔

(۲) شیخ المحدثین احمد خطیب علی البغدادی۔

(۳) حافظ الشان محدث ماہر امام ابو القاسم علی بن حسن ابن عساکر۔

(۴) امام اجل ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن عبداللہ سہیلی صاحب الروض۔

(۵) حافظ الحدیث امام محب الدین طبری۔

علماء فرماتے ہیں کہ بعد امام نووی کے ان کا مثل علم حدیث میں کوئی نہ ہوا۔

(۶) امام علامہ ناصرالدین ابن المنیر صاحب شرف المصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

(۷) امام حافظ الحدیث ابوالفتح محمد بن محمد بن سیدالناس صاحب عیون الاثر۔

(۸) علامہ صلاح الدین صفدی۔

(۹) حافظ الشان شمس الدین محمد بن ناصرالدین دمشقی۔

(۱۰) شیخ الاسلام حافظ الشان امام شہاب الدین احمد بن حجر عسقلانی۔

(۱۱) امام حافظ الحدیث ابوبکر محمد بن عبداللہ اشبیلی ابن العربی مالکی۔

(۱۲) امام ابوالحسن علی بن محمد ماوردی بصری صاحب الحادی الکبیر۔

(۱۳) امام ابوعبداللہ محمد بن خلف شارح صحیح مسلم۔

(۱۴) امام عبداللہ محمد بن احمد بن ابوبکر قرطبی صاحب تذکرہ۔

(۱۵) امام المتکلمین فخرالمدققین فخرالدین محمد بن عمر الرازی۔

(۱۶) امام علامہ شرف الدین مناوی۔

(۱۷) خاتم الحفاظ مجدد القران امام العاشر امام جلال الملۃ والدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر۔

(۱۸) امام حافظ شہاب الدین احمد بن حجر ہیتمی مکی صاحب افضل القریٰ وغیرہ۔

(۱۹) شیخ نورالدین علی بن الجزار مصری صاحب رسالہ تحقیق آمال الراجین فی ان والدی المصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بفضل اللہ تعالٰی فی الدارین من الناجین۔

(۲۰) علامہ ابوعبداللہ محمد بن ابی شریف حسنی تلمسانی شارح شفاء شریف۔

(۲۱) علامہ محقق سنوسی۔

(۲۲) امام اجل عارف باللہ سیدی عبدالوہاب شعرانی صاحب الیواقیت والجواہر۔

(۲۳) علامہ احمد بن محمد بن علی بن یوسف فاسی صاحب مطالع المسرات شرح دلائل الخیرات۔

(۲۴) خاتم المحققین علامہ محمد بن عبدالباقی زرقانی شارح المواہب۔

(۲۵) زین الفقہ علامہ محقق زین الدین ابن نجیم مصری صاحب الاشباہ والنظائر۔

(۲۶) امام اجل فقیہ اکمل محمد بن محمد کردری بزازی صاحب المناقب۔

(۲۷) سید شریف علامہ حموی صاحب غمز العیون والبصائر۔

(۲۸) علامہ حسین بن محمد بن حسن دیار بکری صاحب الخمس فی النفس نفیس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

(۲۹) علامہ محقق شہاب الدین احمد خفاجی مصری صاحب نسیم الریاض۔

(۳۰) علامہ طاہر فتنی صاحب مجمع بحار الانوار۔

(۳۱) شیخ شیوخ علماء الہند مولانا عبدالحق محدث دہلوی۔

(۳۲) مولانا بحر العلوم ملک العلماء عبدالعلی صاحب فواتح الرحموت۔

(۳۳) علامہ سید احمد مصری طحطاوی محشی درمختار۔

(۳۴) علامہ سید ابن عابدین امین الدین محمد آفندی شامی صاحب ردالمحتار۔ وغیرہم۔

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں۔

ان سب حضرات کے اقوال طیبہ اس وقت فقیر کے پیش نظر ہیں مگر فقیر نے یہ سطور نہ مجرد نقل اقوال کے لیے لکھیں نہ مباحث طے کردۂ علماء عظام خصوصاً امام جلیل جلال الدین سیوطی کے ایراد بلکہ مقصود اس مسئلہ جلیلہ پر چند دلائل جمیلہ کا سنانا اور بہ تصدق کفش برداری علماء جو فیوض تازہ قلب فقیر پر فائض ہوئے انتفاع برادران دینی کے لیے ان کا ضبط تحریر میں لانا کہ شائد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہ تمام جہاں سے اکرم وارحم وابر واوفی ہیں، محض اپنے کرم سے نظر قبول فرمائیں اور نہ کسی صلے میں بلکہ اپنے خالص فضل کے صدقے میں اس عاجز بیچارہ، بے کس، بے یار کا ایمان حفظ فرما کر دارین میں عذاب وعقاب سے بچائیں۔ ع

بر کریماں کارہا دشوار نیست

پھر یہ بھی ان اکابر کا ذکر ہے جن کی تصریحات خاص اس مسئلہ جزئیہ میں موجود ورنہ بنظر کلیت نگاہ کیجیے تو:

امام حجۃ الاسلام محمد محمد غزالی۔

وامام اجل امام الحرمین۔

وامام ابن السمعانی

وامام کیاہراسی۔

وامام اجل قاضی ابوبکر باقلانی۔

حتیٰ کہ خود امام مجتہد سیدنا امام شافعی۔

کی نصوص قاہرہ موجود ہیں جن سے تمام آباء وامہات اقدس کا ناجی ہونا کالشمس والامس روشن و ثابت ہے بلکہ بالاجماع تمام ائمہ شاعرہ وائمہ ماتریدیہ سے مشائخ بخارا تک سب کا یہی مقتضائے مذہب ہے۔

امام سیوطی سبل النجاۃ میں فرماتے ہیں:

مال الی ان اللہ تعالیٰ احیاھما حتی آمنا بہ طائفۃ من الائمۃ و حفاظ الحدیث

اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والدین کریمین کو زندہ فرمایا یہاں تک کہ وہ دونوں حضور پر ایمان لائے۔ بعض ائمہ کرام اور حفاظ حدیث یہی کہتے ہیں۔ (مولف)

کتاب الخمیس میں کتاب مستطاب الدرج المنیفہ فی الاباء الشریفہ سے نقل کرتے ہیں۔

ذھب جمع کثیر من الائمۃ الاعلام الی ان ابوی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ناجیان محکوم لھما بالنجاۃ فی الآخرۃ و ھم اعلم الناس باقوال من خالفھم و قال بغیر ذلک و لا یقصرون عنھم فی الدرجۃ و من احفظ الناس للحادیث و الاثار من انقد الناس بالادلۃ التی استدل بھا اولئک فانھم جامعون لانواع العلوم متضلعون من الفنون خصوصا الاربعۃ التی یستمد منہ فی ھذہ المسئلۃ . فلا یظن بھم انھم لم یقفوا علی الاحادیث التی استدل بھا اولئک معاذ اللہ بل وقفوا علیھا و خاضوا غمرتھا و اجابوا عنھا بالاجوبۃ المرضیۃ التی لا یردھا منصف و اقاموا لما ذھبوا الیہ ادلۃ قاطعۃ کالجبال الرواسی .

خلاصہ یہ کہ یہ جمع کثیر اکابر ائمہ واجلہ حفاظ حدیث، جامعان انواع علوم و ناقدان روایات

ومفہوم کا مذہب یہی ہے کہ ابوین کریمین ناجی ہیں۔ ان اعاظم ائمہ کی نسبت گمان بھی نہیں ہو سکتا کہ ان احادیث سے غافل تھے جن سے مسئلے میں خلاف پر استدلال کیا جاتا ہے معاذ اللہ! ایسا نہیں بلکہ وہ ضرور اس پر واقف ہوئے اور تہہ تک پہنچے اور ان سے وہ پسندیدہ جواب دیے جنھیں کوئی انصاف والا رد نہ کرے گا اور نجات والدین شریفین پر دلائل قاطعہ قائم کیں جیسے مضبوط جمے ہوئے پہاڑ کہ کسی کے ہلائے نہیں ہل سکتے۔

بلکہ علامہ زرقانی شرح مواہب میں ائمہ قائلین نجات کے اقوال وکلمات ذکر کر کے فرماتے ہیں۔

ھذا ما وقفنا علیه من نصوص علمائنا و لم نر لغیرھم ما یخالفه الا ما یشم من نفس ابن دحیة و قد تکفل بردہ القرطبی .

یہ ہمارے علماء کے وہ نصوص ہیں جن پر میں واقف ہوا اور ان کے غیر سے کہیں ان کا خلاف نظر نہ آیا سوائے ایک بوئے خلاف کے جو ابن دحیہ کے کلام سے پائی گئی اور امام قرطبی نے بروجہ کافی اس کا رد کر دیا۔

تاہم بات وہی ہے جو امام سیوطی نے فرمائی :

ثم انی لم ادع ان المسئلة اجماعیة بل ھی مسئلة ذات خلاف (فحکمھا کحکم سائر المسائل المختلف فیھا) غیر انی اخترت له اقوال القائلین بالنجاة لانه انسب بھذا المقام .

مجھے یہ دعویٰ نہیں ہے کہ مسئلہ اجماعی ہے بلکہ یہ تو مختلف فیہ مسئلہ ہے اس کا حکم بھی تمام اختلافی مسائل کی طرح ہے مگر میں نے ان کے اقوال کو اختیار کیا ہے جو نجات کے قائل ہیں کیوں کہ اس جگہ یہی زیادہ مناسب ہے۔ (مولف)

اقول، تحقیق یہ ہے طالب تحقیق مرہون دست دلیل ہے، ابتداء ظواہر بعض آثار سے جو ظاہر بعض انظار ہوا ظاہر تھا کہ ان سے جوابات شافیہ اور اس پر دلائل وافیہ قائم و مستقیم چارۂ کار قبول وتسلیم بالاقل سکوت وتعظیم۔ واللہ الہادی الیٰ صراط مستقیم۔

حضرت آمنہ کے اشعار

امام ابونعیم دلائل النبوۃ میں بطریق محمد بن شہاب الزہری ام سماعہ بنت ابی رحم، وہ اپنی والدہ سے راوی ہیں۔ حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے انتقال کے وقت حاضر تھی۔ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کم سن بچے کوئی پانچ برس کی عمر شریف ان کے سرہانے تشریف فرما تھے۔ حضرت خاتون نے اپنے ابن کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف نظر کی پھر کہا :

بارک فیک اللہ من غلام

یا ابن الذی من حرمۃ الحمام

●

نجا بعون الملک المنعام

فودی غداۃ الضرب بالسہام

●

بمائۃ من ابل السوام

ان صح ما ابصرت فی المنام

●

فانت مبعوث الی الانام

تبعث فی الحل و فی الحرام

●

تبعث فی التحقیق و الاسلام

دین ابیک البر ابراھام

●

فاللہ انھاک عن الاصنام

ان لا تو الیھا مع الاَقوام

اے ستھرے لڑکے اللہ تجھ میں برکت رکھے، اے بیٹے ان کے جنھوں نے مرگ کے گھیرے سے نجات پائی بڑے انعام والے بادشاہ اللہ عزوجل کی مدد سے، جس صبح کو قرعہ ڈالا گیا سو بلند اونٹ ان کے فدیہ میں قربان کیے گئے، اگر وہ ٹھیک اترا جو میں نے خواب دیکھا ہے تو تو سارے جہان کی طرف پیغمبر بنایا جائے گا جو تیرے نکوکار باپ ابراہیم کا دین ہے، میں اللہ کی قسم دے کر تجھے بتوں سے منع کرتی ہوں کہ قوموں کے ساتھ ان کی دوستی نہ کرنا۔

حضرت خاتون آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اس پاک وصیت میں جو فراق دنیا کے وقت اپنے ابن کریم علیہ افضل الصلاۃ والتسلیم کو کی بحمد اللہ تعالیٰ توحید ورد شرک تو آفتاب کی طرح روشن ہے اور اس کے ساتھ دین اسلام ملت پاک ابراہیم علیہ الصلاۃ والتسلیم کا بھی پورا اقرار۔ اور ایمان کامل کسے کہتے ہیں پھر اس سے بالاتر حضور پرنور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رسالت کا بھی اعتراف وجود اور وہ بھی بیان بعثت عامہ کے ساتھ۔ وللہ الحمد۔

اس کے بعد فرمایا :

کل حی میت و کل جدید بال و کل کبیر یفنی و انا میتۃ و ذکری باق و قد ترکت خیرا و ولدت طھرا.

ہر زندہ کو مرنا ہے اور ہر نئے کو پرانا ہونا اور کوئی کیسا ہی بڑا ہو ایک دن فنا ہونا ہے میں مرتی ہوں اور میرا ذکر ہمیشہ خیر سے رہے گا، میں کیسی خیر عظیم چھوڑ چلی ہوں اور کیسا ستھرا پاکیزہ مجھ سے پیدا ہوا۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

یہ کہا اور انتقال فرمایا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ ابنہا الکریم وذویہ وبارک وسلم۔

یہ ان کی فراست ایمانی اور پیشین گوئی نورانی قابل غور ہے کہ میں انتقال کرتی ہوں اور میرا ذکر خیر ہمیشہ باقی رہے گا۔ عرب وعجم کی ہزاروں شاہزادیاں اور بڑی بڑی تاج والیاں خاک کا پیوند ہوئیں جن کا نام تک کوئی نہیں جانتا مگر اس پاک طیبہ خاتون کے ذکر خیر سے مشارق ومغارب ارض میں مجالس ومحافل انس و قدس میں زمین وآسمان گونج رہے ہیں اور ابد الآباد تک گونجیں گے۔ وللہ الحمد۔

ایک عالم کا تفکر اور عبرت قاہرہ

سید شریف مصری حواشی در میں ناقل کہ ایک عالم رات بھر مسئلہ ابوین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں متفکر رہے کہ کیوں کر تطبیق اقوال ہو؟ اسی فکر میں چراغ پر جھک گئے کہ بدن جل گیا صبح ایک لشکری آیا کہ میرے یہاں آپ کی دعوت ہے راہ میں ایک تمر فروش ملے کہ اپنی دکان کے آگے باٹ ترازو لیے بیٹھے ہیں انھوں نے اٹھ کر ان عالم کے گھوڑے کی باگ پکڑی اور یہ اشعار پڑھے۔

امنت ان ابا النبی و امہ
احیاھما الحی القدیر الباری

●

حتی لقد شھد الہ برسالۃ
صدق فذاک کرامہ المختار

وبـه الـحـديـث و من يـقـول بضعفه

فهـو الـضـعيف عن الـحقيقة عـار

یعنی میں ایمان لایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے باپ کو اس زندہ ابدی قادر مطلق خالق عالم جل جلالہ نے زندہ کیا یہاں تک کہ ان دونوں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیغمبری کی گواہی دی، اے شخص اس کی تصدیق کر کہ یہ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے واسطے ہے اور اس باب میں حدیث وارد ہوئی جو اسے ضعیف بتائے وہ آپ ہی ضعیف اور علم حقیقت سے خالی ہے۔

یہ اشعار سنا کر ان عالم سے فرمایا، اے شیخ انھیں لے اور نہ رات کو جاگ نہ اپنی جان کو فکر میں ڈال کہ تجھے چراغ جلا دے۔ ہاں جہاں جا رہا ہے وہاں نہ جا کہ لقمۂ حرام کھانے میں نہ آئے۔

ان کے اس فرمانے سے وہ عالم بے خود ہو کر رہ گئے پھر انھیں تلاش کیا پتہ نہ پایا اور دوکانداروں سے پوچھا کسی نے نہ پہچانا، سب بازار والے بولے یہاں تو کوئی شخص بیٹھتا ہی نہیں، وہ عالم اس ربانی ہادیٔ غیب کی ہدایت سن کر مکان کو واپس آئے لشکری کے یہاں تشریف نہ لے گئے۔

اے شخص یہ عالم بہ برکت علم، نظر عنایت سے ملحوظ تھے کہ غیب سے کسی ولی کو بھیج کر انھیں ہدایت فرما دی، خوف کر کہ تو اس ورطہ میں پڑھ کر معاذ اللہ کہیں مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا باعث ایذا نہ ہو جس کا نتیجہ معاذ اللہ بڑی آگ دیکھنا ہو۔ اللہ عزوجل ظاہر و باطن میں مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سچی محبت اور سچا ادب روزی فرمائے اور اسباب مقت وحجاب و بیزاری وعتاب سے بچائے۔ آمین۔

(شمول الاسلام لاصول الرسول الکرام)

حضور کے آباء وامہات اہل توحید ہیں

ایک سوال کے جواب میں امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں:

مذہب صحیح یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والدین کریمین حضرت سیدنا عبد اللہ اور حضرت سیدتنا آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما اہل توحید واسلام ونجات تھے بلکہ حضور کے آباء وامہات حضرت عبد اللہ وآمنہ سے حضرت آدم وحوا تک مذہب ارجح میں سب اہل اسلام وتوحید ہیں۔قال اللہ تعالیٰ ھو الذی یراک حین تقوم و تقلبک فی الساجدین .

اس آیۂ کریمہ کی تفسیر میں سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نور ایک نمازی سے دوسرے نمازی کی طرف منتقل ہوتا آیا۔اور حدیث میں ہے کہ رب عزوجل نے نور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نسبت فرمایا کہ اسے اصلاب طیبہ و ارحام طاہرہ میں رکھوں گا اور رب عزوجل کبھی کسی کافر کو طیب وطاہر نہ فرمائے گا۔ انما المشرکون نجس .

(فتاویٰ رضویہ، ج ٦۔ص ٢٨)

والدین کریمین کی شفاعت

امام جلال الدین سیوطی مسالک الحنفاء فی والدی المصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں فرماتے ہیں کہ امام رازی نے فوائد میں بسند ضعیف ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی۔

قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا کان یوم القیمۃ شفعت لابی و امی و ابی طالب و اخ لی کان فی الجاھلیۃ .

اورد المحب الطبری و ھو من الحفاظ و الفقھاء فی کتابہ ذخائر العقبی فی

مناقب ذو القربی، و قال ان ثبت فهو موول فی ابی طالب علی ما ورد فی الصحیح من تخفیف العذاب عنه بشفاعته صلی الله تعالیٰ علیه وسلم . و انما احتاج الی تاویله فی ابی طالب دون الثلثة ابیه و امه و اخیه یعنی من الرضاعة لان ابا طالب ادرک البعثة و لم یسلم و الثلثة ماتوا فی الفترة .

یعنی ایک حدیث ضعیف میں آیا کہ میں روز قیامت اپنے والدین اور ابو طالب اور اپنے ایک رضاعی بھائی کہ زمانہ جاہلیت میں گزرا شفاعت فرماؤں گا۔

امام محب طبری نے کہ حافظان حدیث وعلمائے فقہ سے ہیں ذخائر العقبیٰ میں فرمایا یہ حدیث اگر ثابت بھی ہو تو ابو طالب کے بارے میں اس کی تاویل وہ ہے جو صحیح حدیث میں آیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت سے عذاب ہلکا ہو جائے گا۔ امام سیوطی فرماتے ہیں، خاص ابو طالب کے باب میں تاویل کی حاجت یہ ہوئی کہ ابو طالب نے زمانہ اسلام پایا اور کفر پر اصرار رکھا، بخلاف والدین کریمین و برادر رضاعی کہ زمانہ فترت میں گزرے۔ (شرح المطالب فی مبحث ابی طالب)

والدین کریمین زندہ ہو کر ایمان لائے

ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہوا، حجۃ الوداع میں ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ تھے جب عقبہ حجون پر گزر ہوا حضور اشک بار و رنجیدہ و مغموم ہوئے پھر تشریف لے گئے جب لوٹ کر آئے چہرہ بشاش تھا اور لب تبسم ریز، میں نے سبب پوچھا فرمایا میں اپنی ماں کی قبر پر گیا اور خدا سے عرض کیا کہ انھیں زندہ کر دے وہ قبول ہوئی اور وہ زندہ ہو کر ایمان لائیں اور پھر قبر میں آرام کیا۔

خطیب روایت کرتے ہیں۔ عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قالت حج بنا رسول

اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فمر بی عقبۃ الجحون و ھو باک حزین مغتم ثم ذھب و عاد و ھو فرح متبسم فسألتہ فقال ذھبت الی قبر امی فسألت اللہ ان یحییھا فامنت بی و ردھا اللہ .

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمارے ہمراہ حج کیا، جب عقبہ حجون پر پہنچے تو رو رہے تھے اور غمگین تھے، پھر آپ کہیں تشریف لے گئے، جب واپس آئے تو مسرور تھے اور تبسم فرما رہے تھے، فرماتی ہیں میں نے سبب دریافت کیا تو آپ نے فرمایا، میں اپنی ماں کی قبر پر گیا تھا، میں نے اپنے اللہ سے سوال کیا، اس نے ان کو زندہ کیا وہ ایمان لائیں اور پھر انتقال فرما گئیں۔

امام جلال الدین خصائص میں فرماتے ہیں، اس کی سند میں مجاہیل ہیں اور سہیلی نے ام المومنین سے احیائے والدین ذکر کر کے کہا! اس کے اسناد میں مجہولین ہیں اور حدیث سخت منکر اور صحیح کے معارض۔

ففی مجمع بحار الانوار ، ح ، احیی ابوی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حتی آمنا بہ قال فی اسنادہ مجاھیل و انہ ح منکر جدا یعارضہ ما ثبت فی الصحیح .

والدین کریمین زندہ ہو کر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان لائے، فرمایا کہ اس کی سند میں مجہولین ہیں اور حدیث منکر و صحیح کے معارض ہے۔ (مولف)

بایں ہمہ اسی مجمع البحار میں لکھتے ہیں:

و فی المقاصد الحسنۃ و ما احسن ما قال :

جاء اللہ النبی مزید فضل

علی فضل و کان بہ رؤفا

فاحیی امہ و کذا اباہ

لا یمان بہ فضلا لطیفا

نسلم فالقدیم بذا قدیر

و ان کان الحدیث بہ ضعیفا

حاصل یہ کہ مقاصد میں ہے اور کیا خوب کہا، خدا نے نبی کو فضل پر فضل زیادہ عطا فرمائے اور ان پر نہایت مہربان تھا، پس ان کے والدین کو ان پر ایمان لانے کے لیے زندہ کیا اپنے فضل لطیف سے، ہم تسلیم کرتے ہیں کہ قدیم تو اس پر قدرت رکھتا ہے اگر چہ جو حدیث اس معنی میں وارد ہوئی ضعیف ہے۔

(قمر التمام فی نفی الظل عن سید الانام)

ابوطالب کی کفالت

ونسلمه حتی نصرع حوله
ونذهل عن ابنائنا والحلائل

اور کیا ہم محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تمھارے سپرد کردیں گے جب تک کہ اپنے بیٹوں اور بیویوں سے غافل نہ ہو جائیں۔ (از قصیدۂ ابوطالب)

ابوطالب کی کفالت

حضرت بی بی آمنہ کی وفات کے بعد حضرت ام ایمن آپ کو مکہ مکرمہ لائیں اور آپ کے دادا عبد المطلب کے سپرد کیا اور دادا نے آپ کو اپنے آغوش تربیت میں انتہائی شفقت و محبت کے ساتھ پرورش کیا اور حضرت ام ایمن آپ کی خدمت کرتی رہیں، جب آپ کی عمر شریف آٹھ برس کی ہوگئی تو آپ کے دادا عبد المطلب کا بھی انتقال ہو گیا۔

عبد المطلب کی وفات کے بعد آپ کے چچا ابوطالب نے آپ کو اپنی آغوش تربیت میں لے لیا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نیک خصلتوں اور دل لبھانے والی بچپن کی پیاری اداؤں نے ابوطالب کو آپ کا ایسا گرویدہ بنا دیا کہ مکان کے اندر اور باہر ہر وقت آپ کو اپنے ساتھ ہی رکھتے، اپنے ساتھ کھلاتے پلاتے، اپنے پاس ہی آپ کا بستر بچھاتے اور ایک لمحہ کے لیے بھی کبھی اپنی نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دیتے تھے۔

ابوطالب کا بیان ہے کہ میں نے کبھی بھی نہیں دیکھا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کسی وقت بھی کوئی جھوٹ بولے ہوں۔ یا کبھی کسی کو دھوکہ دیا ہو یا کبھی کسی کو کوئی ایذا پہنچائی ہو یا بیہودہ لڑکوں کے پاس کھیلنے کے لیے گئے ہوں یا کبھی کوئی خلاف تہذیب بات کی ہو، ہمیشہ انتہائی خوش اخلاق، نیک اطوار، نرم گفتار، بلند کردار اور اعلیٰ درجہ کے پارسا اور پرہیزگار رہے۔

آپ کی دعا سے بارش

ایک مرتبہ ملک عرب میں انتہائی خوفناک قحط پڑ گیا اہل مکہ نے بتوں سے فریاد کرنے کا ارادہ کیا مگر ایک حسین و جمیل بوڑھے نے مکہ والوں سے کہا کہ اے اہل مکہ ہمارے اندر ابوطالب موجود ہیں جو بانی کعبہ

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی نسل سے ہیں اور کعبہ کے متولی اور سجادہ نشین بھی ہیں۔ ہمیں ان کے پاس چل کر دعا کی درخواست کرنی چاہیئے۔ چنانچہ سرداران عرب ابو طالب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فریاد کرنے لگے کہ اے ابو طالب! قحط کی آگ نے سارے عرب کو جھلس کر رکھ دیا ہے، جانور گھاس پانی کے لیے ترس رہے ہیں اور انسان دانہ پانی نہ ملنے سے تڑپ تڑپ کر دم توڑ رہے ہیں، قافلوں کی آمد ورفت بند ہو چکی ہے اور ہر طرف بربادی و ویرانی کا دور دورہ ہے آپ بارش کے لیے دعا کیجیے، اہل عرب کی فریاد سن کر ابو طالب کا دل بھر آیا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے ساتھ لے کر حرم کعبہ میں گئے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیوار کعبہ سے ٹیک لگا کر بیٹھا دیا اور دعا مانگنے میں مشغول ہو گئے۔ درمیان دعا میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی انگشت مبارک کو آسمان کی طرف اٹھا دیا، ایک دم چاروں طرف سے بدلیاں نمودار ہوئیں اور فوراً ہی اس زور کا باران رحمت برسا کہ عرب کی سرزمین سیراب ہو گئی۔ جنگلوں اور میدانوں مین ہر طرف پانی ہی پانی نظر آنے لگا۔ چٹیل میدانوں کی زمینیں سرسبز و شاداب ہو گئیں قحط دفع ہو گیا اور کال کٹ گیا اور سارا عرب خوش حال اور نہال ہو گیا۔

ایمان ابو طالب کی بحث

جب ابو طالب مرض الموت میں مبتلا ہو گئے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ اے چچا آپ کلمہ پڑھ لیجیے یہ وہ کلمہ ہے کہ اس کے سبب سے میں خدا کے دربار میں آپ کی مغفرت کے لیے اصرار کروں گا۔ اس وقت ابو جہل اور عبداللہ بن امیہ، ابو طالب کے پاس موجود تھے ان دونوں نے ابو طالب سے کہا کہ اے ابو طالب! کیا آپ عبدالمطلب کے دین سے روگردانی کریں گے؟ اور یہ دونوں برابر ابو طالب سے گفتگو کرتے رہے، یہاں تک کہ ابو طالب نے کلمہ نہیں پڑھا، بلکہ ان کی زندگی کا آخری قول یہ رہا کہ ”میں عبدالمطلب کے دین پر ہوں“ یہ کہا اور ان کی روح پرواز کر گئی۔ حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس سے بڑا صدمہ پہنچا اور آپ نے فرمایا کہ میں آپ کے لیے اس وقت تک

دعائے مغفرت کرتا رہوں گا جب تک اللہ تعالیٰ مجھے منع نہ فرمائے گا۔ اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی کہ،

ما کان للنبی و الذین آمنوا ان یستغفروا للمشرکین و لو کانوا اولی قربی من بعد ما تبین لھم انھم اصحب الجحیم.

یعنی نبی اور مومنین کے لیے یہ جائز ہی نہیں کہ وہ مشرکین کے لیے مغفرت کی دعا مانگیں اگر چہ وہ رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو جب انھیں معلوم ہو چکا کہ مشرکین جہنمی ہیں۔ مولف (سیرت مصطفیٰ)

امام احمد رضا بریلوی سے اس سلسلے میں سوال ہوا کہ زید ابو طالب کو کافر کہتا ہے اور عمر وان دلائل سے اس سے انکار کرتا ہے کہ انھوں نے حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کفالت ونصرت وحمایت و محبت بدرجۂ غایت کی اور نعت میں قصائد لکھے، وغیرہ تو ان دونوں میں کون حق پر ہے؟

امام احمد رضا بریلوی نے اس کا جواب کچھ تفصیل اور شرح و بسط کے ساتھ تحریر فرمایا ہے، آپ فرماتے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ ابو طالب تمام عمر حضور سید المرسلین سید الاولین والآخرین سید الابرار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الی یوم القرار کی حفظ وکفالت ونصرت میں مصروف رہے اپنی اولاد سے زیادہ حضور کو عزیز رکھا اور اس وقت میں ساتھ دیا کہ ایک عالم حضور کا دشمن جاں ہو گیا تھا اور حضور کی محبت میں اپنے تمام عزیزوں قریبوں سے مخالفت گوارا کی، سب کو چھوڑ دینا قبول کیا کوئی دقیقہ غم گساری وجاں نثاری کا نامرعی نہ رکھا اور یقیناً جانتے تھے کہ حضور افضل المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں ان پر ایمان لانے میں جنت ابدی اور تکذیب میں جہنم دائمی ہے۔ بنی ہاشم کو مرتے وقت وصیت کی کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تصدیق کرو فلاح پاؤ گے۔ نعت شریف میں قصائد ان سے منقول براہ راست وہ امور ذکر کیے کہ اس وقت تک واقع نہ ہوئے تھے بعد بعثت شریف ان کا ظہور ہوا یہ سب احوال مطالعہ احادیث ومراجعت کتب

سیر سے ظاہر۔

ایک شعران کے قصیدے کا صحیح بخاری شریف میں بھی مروی۔

و ابیض یستسقی الغمام بوجهه

ثمال الیتامی عصمة للارامل

وہ گورے رنگ والے جن کے روئے روشن کے توسل سے مینھ برستا ہے، یتیموں کے جائے پناہ بیواؤں کے نگہبان۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

محمد بن اسحاق تابعی صاحب سیر و مغازی نے یہ قصیدہ بتمامہا نقل کیا جس میں ایک سو دس بیتیں مدح جلیل و نعت منیع پر مشتمل ہیں۔

شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ شرح صراط مستقیم میں اس قصیدہ کی نسبت فرماتے ہیں۔

دلالت دارد بر کمال محبت و نہایت معرفت نبوت او

یہ قصیدہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کمال محبت پر دلالت کرتا ہے اور یہ کہ ابوطالب کو حضور کی نبوت کی معرفت و پہچان انتہا درجہ کی تھی۔ (مولف)

مگر مجرد ان امور سے ایمان ثابت نہیں ہوتا، کاش! یہ افعال و احوال ان سے حالت اسلام میں صادر ہوتے تو سیدنا عباس بلکہ ظاہراً سیدنا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی افضل قرار پاتے اور افضل الاعمام حضور افضل الانام علیہ وعلیٰ آلہ افضل الصلاۃ والسلام کہلائے جاتے۔ تقدیر الٰہی نے بربنا اس حکمت کے جسے وہ جانے یا اس کا رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، انھیں گروہ مسلمین و غلامان سید شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں شمار کیا جانا منظور نہ فرمایا۔

صرف معرفت گوکیسی ہی کمال کے ساتھ ہوا یمان نہیں۔دانستن وشناختن اور چیز ہے اوراذعان و گرویدن اور۔کم کافر تھے جنھیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سچے پیغمبر ہونے کا یقین نہ تھا۔اور علمائے اہل کتاب تو عموماً جزم کلی رکھتے تھے حتیٰ کہ یہ امران کے نزدیک کالعیان سے بھی زائد تھا۔معائنہ میں بصر غلطی بھی کرتی ہے اور یہاں کسی طرح کا شبہ واحتمال نہ تھا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

یعرفونه کما یعرفون ابناء هم .

وہ اس نبی کو ایسا پہچانتے ہیں جیسے آدمی اپنے بیٹوں کو پہچانتا ہے۔

اورفرماتا ہے۔

فلما جاء هم ما عرفوا کفروا به فلعنة الله علی الکافرین.

تو جب تشریف لایا ان کے پاس وہ جانا پہچانا،اس سے منکر ہو بیٹھے تو اللہ کی لعنت منکروں پر۔

اورفرماتا ہے۔

یجدونه مکتوبا عندهم فی التوراة و الانجیل .

جسے لکھا ہوا پائیں گے اپنے پاس توریت اور انجیل میں۔

بعض کور چشم بد باطن عصر کہ اس میں کلام کرتے اور کہتے ہیں کہ اگر اہل کتاب کے یہاں حضور کا ذکر رسالت ہوتا تو ایمان کیوں نہ لاتے ،نصوص قاطعہ سے انکار اور خدا ور سول کی تکذیب اور یہود ونصاریٰ کی تصدیق وحمایت کرنے والے ہیں۔

آیات قرآنیہ واحادیث صحیحہ متواترہ متظافرہ سے ابوطالب کا کفر پر مرنا اوردم واپسیں ایمان لانے

سے انکار کرنا اور عاقبت کار اصحاب نار سے ہونا ایسے روشن ثبوت سے ثابت جس میں کسی سنی کو مجال دم زدن نہیں۔

کفر ابو طالب پر آیات اور مفسرین کا اجماع

اللہ عزوجل فرماتا ہے۔

انک لا تهدی من احببت و لکن الله يهدی من يشاء و هو اعلم بالمهتدين.

اے نبی تم ہدایت نہیں دیتے جسے دوست رکھو ہاں خدا ہدایت دیتا ہے جسے چاہے وہ خوب جانتا ہے جو راہ پانے والے ہیں۔

مفسرین کا اجماع ہے کہ یہ آیت کریمہ ابو طالب کے حق میں نازل ہوئی۔

معالم التنزیل میں ہے۔

نزلت فی ابی طالب .

یہ آیت ابو طالب کے بارے میں نازل ہوئی۔ (مولف)

جلالین میں ہے۔

نزل فی حرصه صلی الله تعالیٰ عليه وسلم عن ايمان عمه ابی طالب .

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے چچا ابو طالب کے ایمان کے خواہاں تھے اس پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔ (مولف)

مدارک التنزیل میں ہے۔

قال الزجاج اجمع المفسرون انها نزلت فی ابی طالب.

زجاج کہتے ہیں کہ مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ یہ آیت ابوطالب کے حق میں اتری ہے۔(مولف)

کشاف زمخشری و تفسیر کبیر میں ہے۔

قال الزجاج اجمع المسلمون انها نزلت فی ابی طالب.

زجاج نے فرمایا کہ مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ آیت ابوطالب کے حق میں نازل ہوئی۔ (مولف)

صحیح حدیث میں اس آیت کریمہ کا سبب نزول یوں مذکور کہ جب حضور اقدس سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابوطالب سے مرتے وقت کلمہ پڑھنے کو ارشاد فرمایا صاف انکار کیا اور کہا مجھے قریش عیب لگائیں گے کہ موت کی سختی سے گھبرا کر مسلمان ہوگیا۔ ورنہ حضور کی خوشی کر دیتا۔ اس پر رب العزت تبارک و تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ اتاری یعنی اے حبیب! تم اس کا غم نہ کرو تم اپنا منصب تبلیغ ادا کر چکے ہدایت دینا اور دل میں نور پیدا کرنا یہ تمھارا فعل نہیں اللہ عزوجل کے اختیار ہے اور اسے خوب معلوم ہے کہ کسے یہ دولت دے گا اور کسے محروم رکھے گا۔

صحیح مسلم شریف کتاب الایمان و جامع ترمذی کتاب التفسیر میں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی۔

قال قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم لعمه (زاد مسلم فی اخری عند الموت) قل لا اله الا الله اشهد لک بها یوم القیمة قال لولا ان تعیرنی قریش یقولون انما حمله علی ذلک الجزع لا قررت عینک فانزل الله عزوجل انک لا تهدی من احببت و لکن الله یهدی من یشاء.

حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے چچا ابوطالب سے اس کی موت کے وقت فرمایا کہ تم لا الہ الا اللہ کہہ لو میں آپ کے لیے قیامت کے دن گواہی دونگا۔ ابوطالب نے کہا کہ قریش مجھے عار دلائیں گے اور کہیں گے کہ موت کی سختی سے گھبرا کر کلمہ پڑھ لیا اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا تو میں ضرور حضور کی خوشی کر دیتا اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ انک لا تھدی من الایة .

مشرکین کے لیے استغفار جائز نہیں

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ما کان للنبی و الذین آمنوا ان یستغفروا للمشرکین و لو کانوا اولی قربی من بعد ما تبین لھم انھم اصحب الجحیم.

روا نہیں نبی اور ایمان والوں کو کہ استغفار کریں مشرکوں کے لیے اگر چہ وہ اپنے قرابت والے ہوں بعد اس کے کہ ان پر ظاہر ہو چکا کہ وہ بھڑکتی آگ میں جانے والے ہیں۔

یہ آیت کریمہ بھی ابوطالب کے حق میں نازل ہوئی۔

تفسیر امام نسفی میں ہے۔

ھم علیہ الصلاۃ و السلام ان یستغفر لابی طالب فنزل ما کان للنبی .

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابوطالب کے بارے میں استغفار کا ارادہ فرمایا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ ما کان للنبی الآیة . (مولف)

جلالین میں ہے۔

نزل فی استغفارہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لعمہ ابی طالب .

یہ آیت حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب کے استغفار کے بارے میں نازل ہوئی یعنی اس آیت میں استغفار سے منع کیا گیا ہے۔ (مولف)

امام عینی عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں۔

قال الواحدی سمعت ابا عثمان الخیری سمعت ابا الحسن بن مقسم سمعت ابا اسحق الزجاج یقول فی ھذہ الآیۃ اجمع المفسرون انھا نزلت فی ابی طالب.

یعنی واحدی نے اپنی تفسیر میں بسند خود ابواسحاق زجاج سے روایت کی کہ مفسرین کا اجماع ہے کہ یہ آیت ابو طالب کے حق میں اتری۔

بیضاوی میں پہلا قول اس آیت کا نزول در بارۂ ابی طالب لکھا۔

علامہ شہاب خفاجی اس کی شرح عنایت القاضی وکفایت الراضی میں فرماتے ہیں۔

ھو الصحیح فی سبب النزول .

یعنی یہی صحیح ہے سبب نزول میں۔

اسی طرح اس کی تصحیح فتوح الغیب وارشاد الساری میں کی ہے اور فرمایا یہی حق ہے۔

ابوطالب کے لیے استغفار کی ممانعت

صحیح بخاری وصحیح مسلم وسنن نسائی میں ہے۔

عن سعید بن المسیب عن ابیہ رضی اللہ تعالیٰ عنھما ان ابا طالب لما حضرہ الوفاۃ دخل علیہ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و عندہ ابو جھل فقال ای عم قل لا الہ الا اللہ کلمۃ احاج لک بھا عند اللہ فقال ابو جھل و عبد اللہ بن امیۃ یا ابا طالب

ترغب عن ملة عبد المطلب فلم يزالا يكلمانه حتى قال آخر شي كلمهم به على ملة عبد المطلب (زاد البخاری فی الجنائز و تفسير سورة القصص كمثل مسلم فی الايمان و ابی ان يقول لا اله الا الله) فقال النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم لا ستغفرن لک ما لم انه عنه فنزلت ما كان للنبی و الذين آمنوا ان يستغفروا للمشركين و لو كانوا اولی قربی من بعد ماتبين لهم انهم اصحب الجحيم . و نزلت انک لا تهدی من احببت .

یعنی سعید بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ۔

ابوطالب کی موت کے وقت ابوجہل اس کے پاس تھا، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا اے چچا لا الہ الا اللہ کہہ لیجیے میں اللہ کی بارگاہ میں اس کلمہ کے سبب سے آپ کی شفاعت کروں گا ابوجہل اور عبداللہ بن امیہ دونوں نے ابوطالب سے کہا اے ابوطالب کیا عبدالمطلب کی ملت سے تم اس وقت اعراض کروگے یہ دونوں کافر یہی بات ابوطالب سے بار بار کہتے رہے یہاں تک کہ ابوطالب نے آخری بات یہی کہی کہ میں عبدالمطلب کی ملت پر ہوں اور کلمہ پڑھنے سے انکار کردیا۔ حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک منع نہ ہو میں آپ کے لیے دعائے مغفرت کرتا رہوں گا۔ تو یہ دونوں آیت مبارکہ نازل ہوئیں ما كان للنبی و الذين آمنوا الآية، اور انک لا تهدی من احببت. **(مولف)**

اس حدیث جلیل سے واضح ہے کہ ابوطالب نے وقت مرگ کلمہ طیبہ سے صاف انکار کردیا اور ابوجہل لعین کے اغوا سے حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد قبول نہ کیا، حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس پر بھی وعدہ فرمایا کہ جب تک اللہ عزوجل مجھے منع نہ فرمائے گا میں تیرے لیے استغفار کروں گا مولیٰ سبحانہ وتعالیٰ نے یہ دونوں آیتیں اتاریں اور اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ابو

طالب کے استغفار سے منع کیا اور صاف ارشاد فرمایا کہ مشرکوں اور دوزخیوں کے لیے استغفار جائز نہیں۔

ابوطالب ایمان سے دور رہے

اللہ عزوجل فرماتا ہے :

ینھون عنه و ینأون و ان یھلکون الا انفسھم و ما یشعرون.

وہ اس نبی سے اوروں کو روکتے اور باز رکھتے ہیں اور خود اس پر ایمان لانے سے بچتے اور دور رہتے ہیں اور اس کے باعث خود اپنی ہی جانوں کو ہلاک کرتے ہیں اور انھیں شعور نہیں۔

یعنی جان بوجھ کر بے شعور کے سے کام کرے اس سے بڑھ کر بے شعور کون۔

سلطان المفسرین سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور ان کے تلمیذ رشید سیدنا امام اعظم کے استاد مجید امام عطاء بن ابی رباح ومقاتل وغیرہم مفسرین فرماتے ہیں۔

یہ آیت ابوطالب کے باب میں اتری۔

تفسیر امام بغوی محی السنۃ میں ہے۔

قال ابن عباس و مقاتل نزلت فی ابی طالب کان ینھی الناس عن اذی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم و یمنعھم وینأی عن الایمان به ای بعد.

حضرت عبداللہ بن عباس ومقاتل رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے ہیں کہ یہ آیت ابوطالب کے حق میں نازل ہوئی ہے کہ وہ لوگوں کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایذا سے روکتے اور خود حضور پر ایمان لانے سے دور رہے۔ (مولف)

انوار التنزیل میں ہے۔

ینھون عن التعرض لرسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ویناؤن عنہ فلا یومنون بہ کابی طالب۔

یعنی کچھ لوگ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو چھیڑ چھاڑ کرنے سے روکتے لیکن خود حضور سے دور رہتے اور ایمان نہیں لائے جیسے ابو طالب نے لوگوں کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایذا سے باز رکھا لیکن مسلمان نہ ہوا۔ (مولف)

فریابی اور عبدالرزاق اپنے مصنف اور سعید بن منصور سنن میں اور عبد بن حمید وابن جریر وابن منذر ابن ابی حاتم وطبرانی وابوشیخ وابن مردویہ اور حاکم مستدرک میں بافادۂ تصحیح اور بیہقی دلائل النبوۃ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں راوی۔

قال نزلت فی ابی طالب کان ینھی عن اذی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وینأی عما جأبہ۔

یعنی یہ آیت ابوطالب کے بارے میں اتری، وہ کافروں کو حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایذا سے منع کرتے باز رکھتے اور خود حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان لانے سے دور رہتے۔

ابوطالب کے عذاب میں تخفیف

امام احمد رضا بریلوی نے احادیث کی روشنی میں یہ ثابت کیا ہے کہ ابوطالب نے ایمان قبول نہیں کیا مگر چوں کہ اس نے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نصرت وحمایت میں زندگی گزاری اور لوگوں کو حضور کی ایذا سے باز رکھا اس لیے اسے حضور کی یہ برکت پہنچے گی کہ دوزخیوں میں سب سے ہلکا عذاب ابوطالب پر ہوگا ورنہ مشرکین شفاعت کے قطعاً مستحق نہیں۔

صحیحین ومسند امام احمد میں حضرت سیدنا عباس عم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ورضی اللہ تعالیٰ

عنہ سے ہے۔

انہ قال للنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ما اغنیت عن عمک فواللہ کان یحوطک و یغضب بک قال ھو فی ضحضاح من نار و لو لا انا لکان فی الدرک الاسفل من النار ، و فی روایۃ وجدتہ فی غمرات من النار فاخرجتہ الی ضحضاح.

یعنی انھوں نے خدمت اقدس حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں عرض کی حضور نے اپنے چچا ابوطالب کو کیا نفع دیا، خدا کی قسم وہ حضور کی حمایت کرتا اور حضور کے لیے لوگوں سے لڑتا جھگڑتا تھا۔ آپ نے فرمایا میں نے اسے سراپا آگ میں ڈوبا ہوا پایا تو اسے کھینچ کر پاؤں تک آگ میں کردیا اور اگر میں نہ ہوتا تو وہ جہنم کے سب سے نیچے طبقے میں ہوتا۔

امام ابن حجر فتح الباری شرح بخاری میں فرماتے ہیں۔

یؤید الخصوصیۃ لہ بعد ان امتنع شفع لہ حتی خفف لہ العذاب بالنسبۃ لغیرہ .

یعنی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خصوصیت سے ہوا کہ ابوطالب نے باں کہ ایمان لانے سے انکار کیا پھر بھی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت نے اتنا کام دیا کہ بہ نسبت باقی کافروں کے عذاب ہلکا ہوگیا۔

صحیحین و مسند میں ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے۔

ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ذکر عندہ عمہ ابو طالب فقال لعلہ تنفع شفاعتی یوم القیمۃ فیجعل فی ضحضاح فی النار یبلغ کعبیہ یغلی منہ دماغہ .

یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے ابوطالب کا ذکر آیا، فرمایا میں امید کرتا ہوں کہ روز قیامت میری شفاعت اسے یہ نفع دے گی کہ جہنم میں پاؤں تک کی آگ میں کردیا جائے گا جو اس کے

ٹخنوں تک ہوگی جس سے اس کا دماغ جوش مارے گا۔

یونس بن بکیر نے حدیث محمد بن اسحاق سے یوں روایت کیا۔

يغلي منه دماغة حتى يسيل على قدميه .

اس کا بھیجا ابل کر پاؤں پر گرے گا۔

عمدۃ القاری وارشاد الساری شرح صحیح بخاری ومواہب لدنیہ وغیرہا میں امام سہیلی سے منقول۔

الحكمة فيه ان ابا طالب كان تابعا لرسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم لجملته الا انه استمر ثابت القدم على دين قومه فسلط العذاب على قدميه خاصة لتثبيته اياهما على دين قومه .

یعنی ابوطالب کے پاؤں تک آگ میں رہنے میں حکمت یہ ہے کہ اللہ عزوجل جزا ہم شکل عمل دیتا ہے۔ ابوطالب کا سارا بدن حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حمایت میں صرف رہا ملت کفر پر ثابت قدمی نے پاؤں پر عذاب مسلط کیا۔ اسی طرح تیسیر شرح جامع صغیر وغیرہ میں ہے۔

بزار وابویعلی وابن عدی وتمام حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی۔

قيل للنبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم هل نفعت ابا طالب قال اخرجته من غمرة جهنم الى ضحضاح منها.

یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کی گئی حضور نے ابوطالب کو کچھ نفع دیا؟ فرمایا میں نے اسے دوزخ کے غرق سے پاؤں تک کی آگ میں کھینچ لیا۔

امام عینی عمدہ میں فرماتے ہیں :

فان قلت اعمال الکفرۃ ھبا منثورا لا فائدۃ فیھا قلت ھذا النفع من برکۃ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و خصائصہ.

اس کا بھی وہی مطلب ہے کہ ابوطالب کو یہ نفع ملنا صرف حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی برکت سے ہے ورنہ کافروں کے اعمال تو غبار ہیں ہوا پر اڑائے ہوئے۔

طبرانی حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا سے راوی :

ان الحارث بن ھشام اتی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یوم حجۃ الوداع فقال یا رسول اللہ انک تحث علی صلۃ الرحم و الاحسان الی الجار و ایواء الیتیم و اطعام الضیف و اطعام المسکین و کل ذلک کان یفعلہ ھشام بن المغیرۃ فما ظنک بہ یا رسول الہ فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کل قبر لا یشھد صاحبہ ان لا الہ الا اللہ فھو جذوۃ من النار و قد وجدت عمی ابا طالب فی طمطام من النار فاخرجہ اللہ لمکانہ منی و احسانہ الی فجعلہ فی ضحضاح من النار.

یعنی حارث بن ہشام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روز حجۃ الوداع حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کی یا رسول اللہ! حضور ان باتوں کی ترغیب فرماتے ہیں۔ رشتہ داروں سے نیک سلوک، ہمسایہ سے اچھا برتاؤ، یتیم کو جگہ دینا، مہمان کو مہمانی دینا محتاج کو کھانا کھلانا اور میرا باپ ہشام یہ سب کام کرتا تھا تو حضور کا اس کی نسبت کیا گمان ہے فرمایا جو قبر بنے جس کا مردہ لا الہ الا اللہ نہ مانتا ہو وہ دوزخ کا انگارا ہے میں نے خود اپنے چچا ابوطالب کو سر سے اونچی آگ میں پایا، میری قرابت و خدمت کے باعث اللہ تعالیٰ نے اسے وہاں سے نکال کر پاؤں تک آگ میں کر دیا۔

مجمع بحار الانوار میں بعلامت کاف امام کرمانی شارح بخاری سے منقول۔

نفع ابا طالب اعماله ببركته صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و ان كان اعمال الكفرة هباء منثورا.

یعنی نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی برکت سے ابو طالب کے اعمال نفع دے گئے ورنہ کافروں کے کام تو نرے برباد ہوتے ہیں۔

امام احمد مسند اور بخاری و مسلم اپنی صحاح میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

اهون اهل النار عذابا ابو طالب و هو متنعل بنعلين من نار يغلى منهما دماغه .

بیشک دوزخیوں میں سب سے کم عذاب ابو طالب پر ہے وہ آگ کے دو جوتے پہنے ہوئے ہے جس سے اس کا دماغ کھولتا ہے۔

نیز صحیحین میں نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ان اهون اهل النار عذابا من له نعلان و شراكان من نار يغلى منهما دماغه كما يغلى المرجل ما يرى ان احدا اشد منه عذابا و انه لا هو نهم عذابا.

دوزخ میں سب سے ہلکا عذاب والا وہ ہے جسے آگ کے دو جوتے اور دو تسمے پہنائے جائیں گے جن سے اس کا دماغ دیگ کی طرح جوش مارے گا وہ یہ سمجھے گا کہ سب سے زیادہ سخت عذاب اسی پر ہے حالاں کہ اس پر سب سے ہلکا عذاب ہوگا۔

اسی حدیث میں امام احمد کی روایت یوں ہے۔

یوضع فی اخمص قدمیہ جمرتان یغلی منھما دماغہ۔

اس کے تلوؤں میں انگارے رکھے جائیں گے جس سے بھیجا ابلے گا۔

اور صحیحین میں انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

یقول اللہ لاھون اھل النار عذابا یوم القیمۃ لو ان لک ما فی الارض من شئ اکنت تفتدی بہ فیقول نعم فیقول اردت منک اھون منَ ھذا و انت فی صلب آدم ان لا تشرک بی شیا فابیت الا ان تشرک بی۔

دوزخیوں میں سب سے ہلکے عذاب والے سے اللہ عزوجل فرمائے گا تمام زمین میں جو کچھ ہے اگر تیری ملک ہوتا تو کیا اسے اپنے فدیہ میں دے کر عذاب سے نجات مانگنے پر راضی ہوتا وہ عرض کرے گا ہاں فرمائے گا میں نے تجھ سے روز میثاق اس سے بھی ہلکی اور آسان بات چاہی تھی کہ کسی کو میرا شریک نہ کرنا مگر تو نے نہ مانا بغیر میرا شریک ٹھہرائے ہوئے۔

اس حدیث سے بھی ابوطالب کا شرک پر مرنا ثابت ہے۔

کتاب الخمیس فی احوال انفس نفیس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں ہے۔

قیل ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسح ابا طالب بعد موتہ و انسی تحت قدمیہ و لذا ینتعل بنعلین من النار۔

یعنی کہا گیا کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بعد مرگ ابوطالب کے بدن پر دست اقدس پھیر دیا تھا مگر تلووں پر ہاتھ پھیرنا یاد نہ رہا اس لیے ابوطالب کو روز قیامت آگ کے دو جوتے پہنائے جائیں گے باقی جسم بہ برکت دست اقدس محفوظ رہے گا۔

مرنے کے بعد ابوطالب کو دبا دیا گیا

امام شافعی و امام احمد و امام اسحاق بن راہویہ و ابوداؤد طیالسی اپنی مسانید اور ابن سعد طبقات اور ابو بکر بن ابی شیبہ مصنف اور ابوداؤد و نسائی اور ابن خزیمہ اپنی صحیح اور ابن الجارود منتقی اور مروزی کتاب الجنائز اور بزار و ابویعلی مسانید اور بیہقی سنن میں بطریق عدیدہ حضرت سیدنا امیر المومنین مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے راوی۔

قال قلت للنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان عمک الشیخ الضال قد مات قال اذھب فوار اباک .

یعنی میں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کی یارسول اللہ! حضور کا چچا وہ بڈھا گمراہ مرگیا فرمایا جا اسے دبا آ۔

ابن ابی شیبہ کی روایت میں ہے مولیٰ علی نے عرض کی۔

ان عمک الشیخ الکافر قد مات فما تری فیہ .

حضور کا چچا وہ بڈھا کافر مرگیا اس کے بارے میں حضور کی کیا رائے ہے یعنی غسل وغیرہ دیا جائے یا نہیں؟

سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اری ان تغسلہ تجنہ .

نہلا کر دبا دو۔

امام شافعی کی روایت میں ہے۔

فقلت یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انہ مات مشرکا قال اذھب فوارہ .

میں نے عرض کی یارسول اللہ! وہ تو مشرک مرا فرمایا جا دبا آؤ۔

امام الائمہ ابن خزیمہ نے فرمایا، یہ حدیث صحیح ہے۔

اس حدیث جلیل کو دیکھئے ابوطالب کے مرنے پر خود امیر المومنین علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کرتے ہیں کہ حضور کا وہ گمراہ کافر چچا مرگیا حضور اس پر انکار نہیں فرماتے نہ خود جنازے میں تشریف لے جاتے ہیں۔

ابوطالب کی بیوی امیر المومنین کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جب انتقال کیا ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی چادر وقمیص مبارک میں انھیں کفن دیا اپنے دست مبارک سے لحد کھودی، اپنے دست مبارک سے مٹی نکالی پھر ان کے دفن سے پہلے خود ان کی قبر میں لیٹے اور دعا کی۔

اللہ الذی یحیی و یمیت و ھو حی لا یموت اغفر لامی فاطمۃ بنت اسد و وسع علیھا مدخلھا بحق نبیک و الانبیاء الذین من قبلی فانک ارحم الراحمین .

اللہ جلاتا ہے اور مارتا ہے اور خود زندہ ہے کہ کبھی نہ مرے گا میری ماں فاطمہ بنت اسد کو بخش دے اور ان کی قبر وسیع کر صدقہ اپنے نبی کا اور مجھ سے پہلے انبیاء کا تو سب مہربانوں سے بڑھ کر مہربان ہے۔ اسے طبرانی وابونعیم اور ابن عساکر وغیرہم نے روایت کیا۔

کاش ابوطالب مسلمان ہوتے تو کیا سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے جنازہ میں تشریف نہ لے جاتے اور صرف اتنے ہی ارشاد پر قناعت فرماتے کہ جاؤ اسے دبا آؤ۔

امیر المومنین علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم کی قوت ایمان دیکھئے کہ خاص اپنے باپ نے انتقال کیا اور خود حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم غسل کا فتویٰ دے رہے ہیں اور یہ عرض کرتے ہیں کہ یارسول اللہ وہ تو مشرک مرا۔

ایمان ان بندگان خدا کے تھے کہ اللہ و رسول کے مقابلہ میں باپ بیٹے کسی سے کچھ علاقہ نہ تھا اللہ ورسول کے مخالفوں کے دشمن تھے اگرچہ وہ اپنا جگر ہو، دوستان خدا و رسول کے دوست تھے اگرچہ ان سے دنیوی ضرر ہو۔

ابوطالب کا ترکہ عقیل وطالب کو ملا

بخاری و مسلم اپنی صحاح اور ابن ماجہ اپنی سنن اور طحاوی شرح معانی الآثار اور اسماعیلی مستخرج علی صحیح البخاری میں بطریق امام علی بن حسین زین العابدین عن عمرو بن عثمان الغنی رضی اللہ تعالٰی عنہم سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی۔

انہ قال یا رسول اللہ این تنزل فی دارک بمکۃ فقال ھل ترک عقیل من رباع او دور و کان عقیل ورث ابا طالب ھو و طالب و لم یرثہ جعفر و لا علی رضی اللہ تعالٰی عنہما شیئا لانھما کانا مسلمین و کان عقیل و طالب کافرین فکان عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ یقول لا یرث المومن الکافر.

و لفظ ابن ماجۃ و الطحاوی فکان عمر من اجل ذلک یقول الخ.

و لفظ الاسماعیلی فمن اجل ذلک کان عمر یقول

یعنی انھوں نے خدمت حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں عرض کی کہ یارسول اللہ حضور کل مکہ معظمہ میں اپنے محلے کے کون سے مکان میں نزول اجلال فرمائیں گے فرمایا کیا ہمارے لیے عقیل نے کوئی

محلہ یا مکان چھوڑ دیا ہے۔امام زین العابدین نے فرمایا، ہوا یہ تھا کہ ابوطالب کا ترکہ عقیل اور طالب نے پایا اور جعفر و علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو کچھ نہ ملا یہ دونوں حضرات وقت موت ابی طالب مسلمان تھے اور طالب کافر تھا اور عقیل بھی اس وقت تک ایمان نہ لائے تھے۔اسی بناء پر امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے کہ کافر کا ترکہ مسلمان کو نہیں پہنچتا۔

ابوقحافہ کا اسلام اور ابوبکر کا گریہ

عمر بن شبہ کتاب مکہ میں اور ابویعلی اور ابوبشر اور سمویہ اپنے فوائد اور حاکم مستدرک میں بطریق محمد بن سلمان عن هشام بن حسان عن محمد بن سيرين قصۂ اسلام ابی قحافہ والد امیر المومنین صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی۔

قال فلما مد يده يبايعه بكى ابو بكر فقال النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ما يبكيك قال لان تكون يد عمك مكان يده و يسلم و يقر الله عينك احب الى من ان يكون .

یعنی جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا دست انور ابوقحافہ سے بیعت لینے کے لیے بڑھایا تو صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روئے، حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کیوں روتے ہو؟ عرض کی ان کے ہاتھ کی جگہ حضور کے چچا کا ہاتھ ہوتا اور ان کے اسلام لانے سے اللہ تعالیٰ حضور کی آنکھ ٹھنڈی کرتا تو مجھے اپنے باپ کے مسلمان ہونے سے زیادہ یہ بات عزیز تھی۔

حاکم نے کہا یہ حدیث برشرط شیخین صحیح ہے۔حافظ الشان نے اصابہ میں اسے مسلم رکھا۔

ابوقرہ موسیٰ بن طارق موسیٰ بن عبیدہ سے وہ عبداللہ بن دینار سے وہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی۔

قال جاء ابو بکر بابی قحافة یقوده یوم فتح مکة فقال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم الا ترکت الشیخ حتی ناتیه قال ابو بکر اردت ان یاجره الله الذی بعثک بالحق لانا کنت اشد فرحا باسلام ابی طالب لو کان اسلم منی بابی.

یعنی صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فتح مکہ کے دن ابوقحافہ کا ہاتھ پکڑے ہوئے خدمت حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حاضر لائے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اس بوڑھے کو وہیں کیوں نہ رہنے دیا کہ ہم خود اس کے پاس تشریف فرما ہوتے، صدیق نے عرض کی کہ میں نے چاہا کہ اللہ ان کو اجر دے قسم اس کی جس نے حضور کو حق کے ساتھ بھیجا مجھے اپنے باپ کے مسلمان ہونے سے زیادہ ابو طالب کے مسلمان ہونے کی خوشی ہوتی اگر وہ اسلام لے آتے۔

اللہ اللہ یہ محبوب میں فنائے مطلق کا مرتبہ ہے۔

اسی طرح امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ عم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کہا۔

انا باسلامک اذا اسلمت افرح منی باسلام الخطاب.

مجھے آپ کے اسلام کی جتنی خوشی ہوئی اپنے باپ خطاب کے اسلام کی اتنی نہ ہوتی۔

اسے ابن اسحاق نے اپنی سیرت میں بیان کیا ہے۔

جنتی کھانا کافروں پر حرام ہے

یونس بن بکیر زیادات مغازی ابن اسحاق میں ابوالسطر سے راوی۔

قال بعث ابو طالب الی النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فقال اطعمنی من

عنب جنتک فقال ابو بکر ان اللہ حرمہا علی الکافرین .

یعنی ابوطالب نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کر بھیجی کہ مجھے اپنی جنت کا انگور کھلایئے، اس پر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا بے شک اللہ نے انھیں کافروں پر حرام کیا ہے۔

امام واحد موسیٰ بن عبیدہ کی حدیث میں محمد بن کعب قرظی سے روایت کرتے ہیں۔

قال بلغنی انہ لما اشتکی ابو طالب شکواہ التی قبض فیہا قالت لہ قریش ارسل الی ابن اخیک یرسل الیک من ھذہ الجنۃ التی ذکرھا یکون لک شفاء فارسل الیہ فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان اللہ حرمہا علی الکافرین طعامہا و شرابہا ثم اتاہ فعرض علیہ الاسلام فقال لو لا ان تعیربہا فیقال جزع عمک من الموت لا قررت بہا عینک و استغفر لہ بعدما مات فقال المسلمون ما یمنعنا ان نستغفر لآبائنا و لذوی قرابتنا قد استغفر ابراھیم علیہ السلام لابیہ و محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لعمہ فاستغفروا للمشرکین حتی نزلت ما کان للنبی و الذین آمنوا الآیۃ .

یعنی ابوطالب کے مرض الموت میں کافران قریش نے صلاح دی کہ اپنے بھتیجے (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) سے عرض کرو کہ یہ جنت جو وہ بیان کرتے ہیں اس میں سے تمھارے لیے کچھ بھیج دیں کہ تم شفاء پاؤ، ابوطالب نے عرض کر بھیجی۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے جنت کا کھانا پانی کافروں پر حرام کیا ہے۔ پھر تشریف لا کر ابوطالب پر اسلام پیش کیا، ابوطالب نے کہا لوگ حضور پر طعنہ دیں گے کہ حضور کا چچا موت سے گھبرا گیا اس کا خیال نہ ہوتا تو میں حضور کی خوشی کر دیتا جب وہ مر گئے تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے لیے دعائے مغفرت کی مسلمانوں نے کہا ہمیں اپنے والدوں

قریبوں کے لیے دعائے بخشش سے کون مانع ہے ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنے باپ (چچا) کے لیے استغفار کی اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے چچا کے لیے استغفار کر رہے ہیں یہ سمجھ کر مسلمانوں نے اپنے اقارب مشرکین کے واسطے دعائے مغفرت کی اللہ عزوجل نے آیت اتاری کہ مشرکوں کے لیے یہ دعا نہ نبی کو روا نہ مسلمانوں کو جب کہ روشن ہولیا کہ وہ جہنمی ہیں۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

اللہ ورسول کی مشیئت

ابونعیم حلیہ میں امیر المومنین مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

کانت مشیة اللہ تعالیٰ فی الاسلام عمی العباس و مشیتی فی اسلام عمی ابی طالب فغلبت مشیة اللہ مشیتی .

اللہ تعالیٰ نے میرے چچا عباس کا مسلمان ہونا چاہا اور میری خواہش یہ کہ میرا چچا ابوطالب مسلمان ہو اللہ تعالیٰ کا ارادہ میری خواہش پر غالب آیا کہ ابوطالب کافر رہا اور عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشرف بہ اسلام ہوئے۔

کفر ابوطالب پر فقہاء کی عبارات

آیات واحادیث سے ابوطالب کا کفر ثابت کرنے کے بعد امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ فقہائے کرام کی کچھ عبارتیں پیش فرمارہے ہیں جن سے یہ واضح وعیاں ہے کہ ابوطالب کی موت کفر پر ہوئی ہے۔

امام الائمہ مالک الازمہ کاشف الغمہ سراج الامہ سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فقہ اکبر میں فرماتے ہیں :

ابو طالب عمه صلی الله تعالیٰ علیه وسلم مات کافرا.

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب کی موت کفر پر ہوئی۔

امام برہان الدین علی بن ابی بکر فرغانی ہدایہ میں فرماتے ہیں۔

اذا مات الکافر و له و لی مسلم فانه یغسله و یکفنه و یدفنه بذلک امر علی رضی الله تعالیٰ عنه فی حق ابیه ابی طالب لکن یغسل غسل الثوب النجس و یلف فی خرقة و یحفر حفیرة من غیر مراعاة سنة التکفین و اللحد و لا یوضع فیه بل یلقی .

جب کافر مرے اور اس کا کوئی ولی مسلمان ہو تو وہ اسے غسل وکفن دے کر دفنا دے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کے باپ ابوطالب کے لیے یہی حکم ہوا تھا۔ لیکن کافر کو ایسا غسل دیا جائے گا جیسا ناپاک کپڑا دھویا جاتا ہے اور ایک چھتڑے میں لپیٹ کر گڑھے میں ڈال دیا جائے گا اس میں سنت کفن ولحد کی رعایت نہیں کی جائے گی اور گڑھے میں اسے رکھا نہیں جائے گا بلکہ ڈال دیا جائے گا۔ (مولف)

امام ابوالبرکات عبداللہ نسفی کافی شرح وافی میں فرماتے ہیں:

مات کافر یغسله و لیه المسلم و یکفنه و یدفنه و الاصل فیه انه لما مات ابوطالب اتی علی رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم و قال ان عمک الشیخ الضال قد مات فقال اغسله و اکفنه و ادفنه و لا تحدث حدثا حتی تلقانی ای لا تصل علیه الخ.

کافر مر جائے تو اس کا مسلم ولی غسل وکفن دے اور دفنا دے اس کی اصل یہ ہے کہ جب ابوطالب کی موت ہوئی، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت مبارکہ میں آئے اور عرض کیا کہ آپ کا وہ بڈھا گمراہ چچا مر گیا ہے حضور نے فرمایا کہ اسے غسل وکفن دے کر دفن کر دو اور مجھ

سے ملے بغیر کوئی نیا کام نہ کرنا یعنی نماز نہ پڑھنا۔ (مولف)

علامہ ابراہیم غنیہ شرح منیہ میں فرماتے ہیں۔

مات للمسلم قریب کافر لیس له ولی من الکفار یغسله غسل الثوب النجس و یلفه فی خرقة و یحفر له حفرة و یلقیه فیها من غیر مراعاة السنة فی ذلک لما روی ان ابا طالب لما هلک جاء علی فقال یا رسول الله ان عمک الضال قد مات الخ....

مسلمانوں کا کوئی قریبی کافر مر جائے کافروں میں سے جس کا کوئی ولی نہیں تو اسے اس طرح غسل دیا جائے جس طرح نجس کپڑا دھویا جاتا ہے اور ایک چیتھڑے میں لپیٹ کر گڑھے میں ڈال دیا جائے کسی بات میں سنت کی رعایت نہ کی جائے یہ حکم اس بات سے ثابت ہے کہ جب ابوطالب ہلاک ہوا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کا گمراہ چچا مر گیا ہے الخ.... (مولف)

علامہ زین بن نجیم مصری بحرالرائق میں فرماتے ہیں۔

یغسل ولی مسلم الکافر و یکفنه و یدفنه بذلک امر علی رضی اللہ تعالیٰ عنه ان یفعل بابیه حین مات .

کافر کا مسلم ولی اسے غسل وکفن دے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہی حکم ہوا تھا جب کہ ان کے باپ ابوطالب کی موت ہوئی تھی۔ (مولف)

ان سب عبارتوں کا حاصل یہ ہے کہ مسلمان اپنے قرابت دار کافر مردہ کو نہلا سکتا ہے کہ مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے اپنے باپ ابوطالب کو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اجازت سے نہلایا۔ نیز یہ بھی واضح ہوا کہ یہ سب علمائے کرام ابوطالب کو کافر جانتے ہیں۔

کفر ابوطالب پر چند روایات

اصابہ فی تمیز الصحابہ میں ہے۔

و رد من عدة طرق في حق من مات في الفترة و من ولد مجنونا و نحو ذلک ان کلا يدلي بحجة و يقول لو عقلت او ذكرت لآمنت فترفع لهم نار و يقال لهم ادخلوها فمن دخلها كانت في جملة من يدخلها طائعا فينجو لكن ورد في ابي طالب ما يدفع ذلک و هو ما تقدم من آية براء ة و ما في الصحيح انه في ضحضاح من النار فهذا شان من مات على الكفر فلو كان مات على التوحيد نجا من النار اصلا و الاحاديث الصحيحة و الاخبارات المتكاثرة طافحة بذلک .

یعنی بہت اسانید سے حدیث آئی کہ جو زمانۂ فترت میں اسلام آنے سے پہلے مر گیا یا مجنون پیدا ہوا اور جنون ہی میں گزر گیا اور اسی قسم کے لوگ جنھیں دعوت انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام نہ پہنچی ان میں ہر ایک روز قیامت ایک عذر پیش کرے گا کہ الٰہی میں عقل رکھتا یا مجھے دعوت پہنچتی تو میں ایمان لاتا ان کے امتحان کو ایک آگ بلند کی جائے گی اور ارشاد ہوگا اس میں جاؤ جو حکم مانے گا اور اس میں داخل ہوگا وہ اس پر ٹھنڈی اور سلامتی ہو جائے گی اور جو نہ مانے گا جبراً آگ میں ڈالا جائے گا اور ہمیں امید ہے کہ عبدالمطلب اور ان کے گھر والے کہ قبل ظہور نور اسلام انتقال کر گئے وہ سب انھیں لوگوں میں ہوں گے جو اپنی خوشی سے اس امتحانی آگ میں جا کر ناجی ہو جائیں گے مگر ابو طالب کے حق میں وہ وارد ہو لیا جو اسے دفع کرتا ہے سورۂ توبہ شریف کی آیت اور حدیث صحیح کا ارشاد کہ وہ پاؤں تک کی آگ میں ہے یہ حال اس کا ہے جو کافر مرے اگر اخیر وقت اسلام لا کر مرتا ہوتا تو دوزخ سے نجات کلی چاہیئے تھی، صحیح و کثیر حدیثیں کفر ابی طالب ثابت کر رہی ہیں۔

پھر فرمایا :

قد فخر المنصور علی محمد بن عبد الله بن الحسن لما خرج بالمدینة و کاتبه المکاتبات المشهورة و منها فی کتاب المنصور و قد بعث النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم و له اربعة اعمام فآمن به اثنان احدهما ابی و کفر به اثنان احدهما ابوک .

یعنی جب امام نفس زکیہ محمد بن عبداللہ بن حسن بن حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے خلیفہ عباسی عبد اللہ بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما مشہور بہ منصور دوانیقی پر خروج فرمایا اور مدینہ طیبہ پر تسلط کر کے خلیفہ و امیر المومنین لقب پایا ان میں اور خلیفہ مذکور منصور میں مکاتبات مشہورہ ہوئے ازاں جملہ منصور نے ایک نامہ میں لکھا جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت ظاہر ہوئی حضور کے چار چچا زندہ تھے حمزہ و عباس و ابوطالب و ابولہب، دو حضور پر ایمان لائے ایک ان میں میرے باپ ہیں یعنی عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دو کافر رہے ایک ان میں آپ کے باپ ہیں یعنی ابوطالب۔

یہ منصور علاوہ خلیفہ و اہل بیت ہونے کے خود بھی علمائے تابعین وفقہا ومحدثین سے ہیں۔

اور امام اجل نفس زکیہ کو یوں بے تامل لکھ کر بھیجنا اور امام کا اس پر رد نہ فرمانا بھی بتا رہا ہے کہ کفر ابی طالب واضح ومشہور بات تھی۔

اصابہ میں اس کے بعد فرمایا۔

و من شعر عبد الله بن المعتز یخاطب الفاطمیین.

و انتم بنو بنته دوننا
و نحن بنو عمه المسلم

یعنی عبداللہ بن محمد بن جعفر بن محمد بن ہارون بن محمد بن عبداللہ بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس

رضی اللہ تعالیٰ عنہما یا یوں کہیئے کہ چھ خلفاء کے بیٹے عبداللہ بن المعتز باللہ بن المتوکل بن المعتصم بن الرشید ابن المہدی بن المنصور کا ایک شعر بعض سادات کرام کے خطاب میں ہے کہ تم حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نواسے ہو ہم نہیں اور ہم حضور کے مسلمان چچا کے بیٹے ہیں۔

اس میں بھی کفر ابی طالب پر صاف تعریض موجود ہے۔

عبداللہ اہل علم و فضل سے ہیں حدیث میں علی بن حرب معاصر امام بخاری و مسلم کے شاگرد۔

نیز امام ابن حجر عسقلانی کتاب الاحکام پھر امام قسطلانی مواہب میں فرماتے ہیں

نحن نرجو ان يدخل عبد المطلب و آل بيته الجنة الا ابا طالب فانه ادرك البعثة و لم يومن

ہم امید کرتے ہیں کہ عبدالمطلب اور ان کے اہل بیت سب جنت میں جائیں گے سوا ابوطالب کے کہ وہ زمانہ اسلام پایا اور ایمان نہ لائے۔

نیز فتح الباری شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں۔

من عجائب الاتقان ان الذين ادركهم الاسلام من اعمام النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم اربعة لم يسلم منهم اثنان و اسلم اثنان و كان اسم من لم يسلم ينافی اسامی المسلمين و هما ابو طالب اسمه عبد مناف و ابو لهب و اسمه عبد العزی بخلاف من اسلم و هما حمزة و العباس .

عجائب اتفاق سے ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چار چچا زمانہ اسلام میں زندہ تھے دو اسلام نہ لائے اور دو مشرف بہ اسلام ہوئے وہ دو کہ اسلام نہ لائے ان کے نام بھی پہلے ہی سے مسلمانوں کے نام کے خلاف تھے ابوطالب کا نام عبد مناف تھا اور ابولہب کا عبدالعزی اور دو کہ مسلمان ہوئے ان کے نام پاک

وصاف تھے حمزہ وعباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما

امام احمد بن محمد بن خطیب قسطلانی مواہب لدنیہ ومنح محمدیہ میں فرماتے ہیں۔

کان العباس اصغر اعمامه صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم و لم یسلم منهم الاهو و حمزة .

عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سب میں چھوٹے چچا تھے حضور کے اعمام میں صرف یہ اور حضرت حمزہ مسلمان ہوئے وبس۔

علامہ مجدالدین فیروز آبادی سفرالسعادۃ میں فرماتے ہیں

چوں عم نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بیمار شد باں کہ مشرک بود او رعیادت فرمود ودعوت اسلام کرد ابو طالب قبول نہ کرد۔

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب جب بیمار ہوئے وہ مشرک تھے اس کے باوجود حضور نے اس کی عیادت فرمائی اور اسلام کی دعوت دی مگر ابوطالب نے قبول نہ کی۔ (مولف)

شیخ محقق مدارج النبوۃ میں فرماتے ہیں۔

حدیث صحیح اثبات کردہ است برائے ابوطالب کفررا

حدیث صحیح سے ابوطالب کا کفر ثابت ہو چکا ہے (مولف)

اقسام کفر اور کفر ابوطالب

امام محی السنۃ بغوی معالم شریف اول رکوع سورۂ بقرہ میں زیر قولہ تعالیٰ ان الذین کفروا سواء علیهم پھر قاضی حسین بن محمد دیار بکری مالکی کتاب الخمیس میں فرماتے ہیں:

کفر چار قسم ہے۔

(۱) کفر انکار

(۲) کفر جحود

(۳) کفر عناد

(۴) کفر نفاق

کفر انکار یہ کہ اللہ عزوجل کو نہ دل سے جانے اور نہ زبان سے مانے جیسے ابلیس و یہود۔

اور کفر نفاق یہ کہ زبان سے مانے مگر دل میں نہ جانے۔

و کفر العناد هو ان يعرف الله بقلبه و يعترف بلسانه و لا يدين به ككفر ابی طالب حيث يقول :

لقد علمت بان دين محمد
من خير اديان البرية دينا

●

لو لا الملامة او حذار مسبة
لو جدتنی سمحا بذاک مبينا

یعنی کفر عناد یہ کہ اللہ تعالیٰ کو دل سے بھی جانے اور زبان سے بھی کہے مگر تسلیم وگرویدگی سے باز رہے جیسے ابوطالب کا کفر کہ یہ شعر کہے۔

واللہ! میں جانتا ہوں کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دین تمام جہان کے دینوں سے بہتر ہے، اگر ملامت یا طعنے سے بچنا نہ ہوتا تو تو مجھے دیکھتا کہ میں کسی اہل دل کے ساتھ صاف صاف اس دین کو

قبول کر لیتا۔

امام ممدوح یہ چاروں قسمیں بیان کر کے فرماتے ہیں :

جمیع هذه الاصناف سواء فی ان من لقی الله تعالیٰ بواحد منها لا یغفر له .

یہ سب قسمیں اس حکم میں یکساں ہیں کہ جو ان میں سے کسی قسم کا کفر کرے اللہ عزوجل سے ملے گا وہ کبھی اسے نہ بخشے گا۔

امام شہاب الدین ابوالعباس احمد بن ادریس قرافی نے شرح التنقیح پھر امام قسطلانی نے مواہب میں کفار کی چار قسمیں کر کے ایک قسم یوں بیان فرمائی۔

من آمن بظاهرة و باطنه و كفر بعدم الاذعان للفروع كما حكی عن ابی طالب انه كان يقول انی لا علم ان ما يقوله ابن اخی لحق و لو اخاف ان تعيرنی نساء قريش لا تبعته و فی شعره يقول

لقد علموا ان ابننا لا مكذب

يقينا و لا يعزیٰ لقول الا باطل

فهذا تصريح باللسان و اعتقاد بالجنان غير انه لم يذعن .

یعنی ایک کافر وہ ہے جو قلب سے عارف، زبان سے معترف ہو مگر اذعان نہ لائے جیسے ابوطالب سے مروی کہ بے شک میں یقیناً جانتا ہوں کہ جو کچھ میرے بھتیجے (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) فرماتے ہیں ضرور حق ہے اگر اس کا اندیشہ نہ ہوتا کہ قریش کی عورتیں مجھے عیب لگائیں گی تو ضرور ان کا تابع ہو جاتا اور اپنے ایک شعر میں کہا:

خدا کی قسم کافران قریش خوب جانتے ہیں کہ ہمارے بیٹے (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) یقیناً سچے ہیں

اورمعاذ اللہ کوئی کلمہ خلاف حق کہنا ان کی طرف نسبت نہیں کیا جاتا۔

تو یہ زبان سے تصریح اور دل سے اعتقاد سب کچھ ہے مگر اذعان نہ ہوا۔

امام ابن اثیر جزری نہایہ پھر علامہ زرقانی شرح مواہب میں فرماتے ہیں:

کفر عناد و هو ان یعرفه بقلبه و یعترف بلسانه و لا یدین به کابی طالب .

کفر عناد یہ کہ دل سے پہچانے اور زبان سے اقرار کرے مگر تسلیم و انقیاد سے باز رہے جیسے ابو طالب۔

چچا کو باپ کہنا عرب کی عادت ہے

نسیم الریاض شرح شفائے امام قاضی عیاض فصل الوجہ الخامس من وجوہ السب میں امام ابن حجر مکی سے نقل فرمایا:

حدیث مسلم ، ان ابی و اباک فی النار اراد بابیه عمه ابا طالب لان العرب تسمی العم ابا

یعنی عرب کی عادت ہے کہ چچا کو باپ کہتے ہیں۔ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی اسی عادت پر اس حدیث میں اپنے چچا ابوطالب کو باپ کہہ کر فرمایا کہ وہ دوزخ میں ہے۔

امام خاتم الحفاظ جلال الملۃ والدین سیوطی، مسالک الحنفاء فی والدی المصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں اسی حدیث کی نسبت فرماتے ہیں۔

ما المانع ان یکون المراد به عمه ابو طالب و کانت تسمیة ابی طالب ابا النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم شائعا عندهم لکونه عمه و کونه رباه و کفله من صغره .

کون مانع ہے کہ اس حدیث میں ابوطالب مراد ہو کہ وہ دوزخ میں ہے اس زمانہ میں شائع تھا کہ ابوطالب کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا باپ کہا جاتا چچا ہونے اور بچپن سے حضور کی خدمت و کفالت کرنے کے باعث۔

اقول، جس طرح ابھی ابوطالب کے شعر سے گزرا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنا بیٹا کہا اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابوطالب کی بی بی حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنی ماں فرمایا۔

ایک روایت کی تاویل

امام جلال الدین سیوطی مسالک الحنفاء میں فرماتے ہیں کہ تمام رازی فوائد میں بسند ضعیف ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔

قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا کان یوم القیمۃ شفعت لابی و امی و ابی طالب و اخ لی کان فی الجاھلیۃ.

اوردہ المحب الطبری و ھو من الحفاظ و الفقھاء فی کتابہ ذخائر العقبی فی مناقب ذوی القربی ، و قال ان ثبت فھو مؤول فی ابی طالب علی ما ورد فی الصحیح من تخفیف العذاب عنہ بشفاعتہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم . و انما احتاج الی تاویلہ فی ابی طالب دون الثلثۃ ابیہ و امہ و اخیہ یعنی من الرضاعۃ لان ابا طالب ادرک البعثۃ و لم یسلم و الثلثۃ . ماتوا فی الفترۃ .

یعنی ایک حدیث ضعیف میں آیا کہ میں روز قیامت اپنے والدین اور ابوطالب اور اپنے ایک رضائی بھائی کی کہ زمانہ جاہلیت میں گزرا شفاعت فرماؤں گا۔

امام محب طبری نے کہ حافظان حدیث وعلمائے فقہ میں ہیں، ذخائر العقبیٰ میں فرمایا یہ حدیث اگر ثابت بھی ہوتو ابوطالب کے بارے میں اس کی تاویل وہ ہے جو صحیح حدیث میں آیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت سے عذاب ہلکا ہوجائے گا۔ امام سیوطی فرماتے ہیں خاص ابوطالب کے باب میں تاویل کی حاجت یہ ہوئی کہ ابوطالب نے زمانۂ اسلام پایا اور کفر پر اصرار رکھا، بخلاف والدین کریمین و برادر رضاعی کہ زمانہ فترت میں گزرے۔

اقول، (امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں) یہاں تاویل بمعنی بیان مراد ومعنی ہے جس طرح شرح معانی قرآن کو تاویل کہتے ہیں۔ کفار سے تخفیف عذاب بھی حضور سید الشافعین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اقسام شفاعت سے ہے، شفاعت کبریٰ کہ فتح باب حساب کے لیے ہے تمام جہان کو شامل وعام ہے۔

امام نووی نے باآں کہ ابوطالب کو بالیقین کافر جانتے ہیں تبویب صحیح مسلم شریف میں ایک حدیث کا باب یوں لکھا۔

باب شفاعة النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لابی طالب و التخفیف عنه بسببه.

امام بدرالدین زرکشی نے خادم میں امام ابن ماجہ سے نقل کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اقسام شفاعت سے وہ تخفیف عذاب ہے جو ابولہب کو بروز دوشنبہ ملتی ہے۔

لسروره بولادة النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و اعتاقه ثویبة حین بشر به و انما هی کرامة له صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم .

اس لیے کہ اس نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے میلاد مبارک کی خوشی کی اور اس کا مژدہ سن کر ثویبہ کو آزاد کیا تھا، یہ حضور ہی کا فضل ہے جس کے باعث اس نے تخفیف پائی۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

نیز مسالک الحنفاء پھر شرح مواہب علامہ زرقانی میں ہے۔

قد ثبت فی الصحیح و اخبر الصادق المصدوق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان ابا طالب اھون اھل النار عذابا.

بیشک صحاح میں ثابت ہے اور صادق مصدوق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خبر دی کہ ابو طالب پر سب دوزخیوں میں کم عذاب ہے۔

اسلام ابو طالب کی روایات صحیح نہیں ہیں

علامہ زرقانی شرح مواہب میں فرماتے ہیں :

القول باسلام ابی طالب لا یصح قالہ ابن عساکر و غیرہ .

ابو طالب کا اسلام ماننا غلط ہے، ابن عساکر وغیرہ نے اس کی تصریح کی ہے، اسی طرح اصابہ میں ہے۔

علامہ شہاب نسیم الریاض میں فرماتے ہیں:

من الغریب ما نقلہ بعضھم ان اللہ تعالیٰ احیاہ لہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فآمن بہ کابویہ و اظنہ من افتراء الشیعۃ .

غرائب سے ہے یہ جو بعض نے نقل کیا کہ اللہ تعالیٰ نے والدین رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرح ابو طالب کو بھی نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے زندہ کیا کہ بعد مرگ جی کر مشرف بہ اسلام ہوئے، میرے گمان میں یہ رافضیوں کی گڑھت ہے۔

علامہ صبان محمد بن علی مصری کتاب اسعاف الراغبین میں فرماتے ہیں :

اما اعمامه صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فاثنا عشرة حمزة و العباس و هما مسلمان و ابو طالب و الصحیح انه مات کافرا.

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارہ چچا تھے حمزہ وعباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور یہی دو مشرف بہ اسلام ہوئے اور ابوطالب اور صحیح یہی ہے کہ یہ کافر مرے۔

و ابیض یستسقی الغمام بوجهه
ثمال الیتامی عصمة للارامل

وہ گورے رنگ والے جن کے روئے روشن کے توسل سے مینھ برستا ہے یتیموں کے جائے پناہ بیواؤں کے نگہبان۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

امام ابن حجر مکی افضل القریٰ لقراء ام القریٰ میں اس بیت کو لکھ کر فرماتے ہیں:

هذا البیت من جملة قصیدة له فیها مدح عجیب له صلی الله تعالیٰ علیه وسلم حتی اخذ الشیعة منها القول باسلامه.

یہ بیت ابوطالب کے ایک قصیدہ کی ہے جس میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عجب نعت ہے یہاں تک کہ رافضیوں نے اس سے ابوطالب کا مسلمان ہونا اخذ کرلیا۔

پھر فرماتے ہیں:

صرائح الاحادیث المتفق علی صحتها ترد ذلک.

لیکن صاف اور روشن حدیثیں جن کی صحت پر اتفاق ہے اسلام ابوطالب کو رد کررہی ہیں۔

علامہ محمد عبدالباقی شرح مواہب میں روایت ضعیفہ ابن اسحاق ذکر کرکے فرماتے ہیں:

بهذا احتج الرافضة و من تبعهم علی اسلامه .

رافضی اور جوان کے پیرو ہوئے وہ اسی روایت سے ابوطالب کے اسلام پر سند لاتے ہیں۔

اصابہ میں ہے:

ذکر جمع من الرافضة انه مات مسلما قال ابن عساکر فی صدر ترجمته قیل انه اسلم و لا یصح اسلامه .

رافضیوں کا ایک گروہ کہتا ہے کہ ابوطالب مسلمان مرے، امام ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں شروع تذکرہ ابوطالب میں فرمایا بعض اسلام ابوطالب کے قائل ہوئے اور یہ صحیح نہیں۔

زرقانی میں ہے:

الصحیح ان ابا طالب لم یسلم و ذکر جمع من الرافضة انه مات مسلما و تمسکوا باشعار و اخبار واهیة تکفل بردها فی الاصابة .

صحیح یہ ہے کہ ابوطالب مسلمان نہ ہوئے رافضیوں کی ایک جماعت نے ان کا اسلام پر مرنا مانا اور کچھ شعروں اور واہیات خبروں سے تمسک کیا جن کے رد کا امام حافظ الشان نے اصابہ میں ذمہ لیا۔

نسیم فصل کیفیۃ الصلاۃ علیہ والتسلیم میں ہے۔

ابو طالب توفی کافرا و ادعاء بعض الشیعة انه اسلم لا اصل له .

ابوطالب کی موت کفر پر ہوئی اور بعض رافضیوں کا دعویٰ باطلہ کہ وہ اسلام لائے محض بے اصل ہے۔

شیخ محقق شرح صراط مستقیم میں فرماتے ہیں۔

شیخ ابن حجر در فتح الباری می گوید معرفت ابو طالب بہ نبوت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم در بسیاری از اخبار آمدہ وتمسک کردہ بدان شیعہ بر اسلام وے واستدلال کردہ اند بر دعویٰ خود بچیزے کہ دلالت ندارد بر آں۔

شیخ ابن حجر فتح الباری شرح بخاری میں فرماتے ہیں کہ ابو طالب کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نبی ہونے کی معرفت حاصل تھی کثیر احادیث میں اس کا ذکر آیا ہے جن سے شیعہ نے ابو طالب کا اسلام لانا ثابت کیا ہے اور شیعہ حضرات نے ابو طالب کے اسلام پر ان چیزوں سے استدلال کیا ہے جو اسکے ایمان پر دلالت نہیں کرتی ہیں۔ (مولف)

اسی میں ہے :

مخفی نماند کہ صحت اسلام ابوین بلکہ سائر آبائے وے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مشہور است وشیعہ اسلام ابو طالب را نیز ازیں دانند۔

یہ بات پوشیدہ نہیں کہ والدین کریمین اور حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تمام آباء کرام کے اسلام کی صحت مشہور ومعروف ہے اور شیعہ لوگ ابو طالب کے اسلام کو بھی اسی قبیل سے گردانتے ہیں۔

(مولف)

کفر ابوطالب پر علماء کا اجماع ہے

شرح مقاصد وشرح تحریر پھر ردالمحتار، حاشیہ درمختار باب المرتدین میں ہے۔

المصر علی عدم الاقرار مع مطالبة به کافر و فاقا لکون ذلک من امارات عدم التصدیق و لهذا اطبقوا علی کفر ابی طالب .

جس سے اقرار اسلام کا مطالبہ کیا جائے اور وہ اقرار نہ کرنے پر اصرار رکھے بالاتفاق کافر ہے۔ کہ یہ دل میں تصدیق نہ ہونے کی علامت ہے اسی واسطے تمام علماء نے کفر ابی طالب پر اجماع کیا ہے۔

مولانا علی قاری شرح شفاء شریف میں فرماتے ہیں:

اذا امر بها و امتنع و ابی عنها کابی طالب فهو کافر بالاجماع

جسے شہادت کلمۂ اسلام کا حکم دیا جائے اور وہ باز رہے اور ادائے شہادت سے انکار کرے تو وہ بالاجماع کافر ہے۔

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں، اس شخص کے بارے میں جو قلب سے اعتقاد رکھتا تھا اور بغیر کسی عذر و مانع کے زبان سے اقرار کی نوبت نہ آئی علماء کا اختلاف کہ یہ اعتقاد بے اقرار سے آخرت میں نافع ہوگا یا نہیں؟ نقل کرکے فرماتے ہیں:

قلت لکن بشرط عدم طلب الاقرار منه فان ابی بعد ذلک فکافر اجماعا لقضية ابی طالب .

یعنی یہ اختلاف اس صورت میں ہے کہ اس سے اقرار طلب نہ کیا گیا ہو اور اگر بعد طلب باز رہے جب تو بالاجماع کافر ہے ابوطالب کا واقعہ اس پر دلیل ہے۔

اسی کی فصل ثانی باب اشراط الساعۃ میں ہے۔

ابو طالب لم یومن عند اهل السنة .

اہل سنت کے نزدیک ابوطالب مسلمان نہیں۔

شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی شرح سفرالسعادۃ میں فرماتے ہیں۔

مشائخ حدیث وعلمائے سنت بریں اند کہ ایمان ابوطالب ثبوت نہ پذیرفتہ ودرصحاح احادیث است کہ آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دروقت وفات وی برسروے آمد وعرض اسلام کرد وی قبول نہ کرد۔

مشائخ حدیث وعلمائے اہل سنت اس بات پر متفق ہیں کہ ابوطالب کا ایمان پایۂ ثبوت کونہیں پہنچتا ہے اور صحیح حدیث کی کتابوں میں ہے کہ ابوطالب کی موت کے وقت حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے اور دعوت اسلام دی مگر اس نے قبول نہ کی۔ (مولف)

رافضیوں کے شبہ کا جواب

اصابہ فی تمییز الصحابہ میں ہے۔

استدلال الرافضی بقول اللہ تعالیٰ فالذین آمنوا بہ و عزروہ و نصروہ و اتبعوا النور الذی انزل معہ اولئک ھم المفلحون . قال و عزرہ ابو طالب و نصرہ بما اشتھر و علم و نابذ قریشا و عادا ھم بسببہ مما لا یدفعہ احد من نقلۃ الاخبار فیکون من المفلحین و ھذا مبلغھم من العلم و انا نسلم انہ نصرہ و بالغ فی ذلک لکنہ لم یتبع النور الذی معہ و ھو الکتاب العزیز الداعی الی التوحید و لا یحصل الفلاح الا بحصول ما رقب علیہ من الصفات کلھا.

یعنی اسلام ابی طالب پر رافضی اس آیت سے دلیل لایا کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے جولوگ اس نبی پر ایمان لائے اور اس کی نصرت و مدد کی اور جو نور اس نبی کے ساتھ اتارا گیا اس کے پیرو ہوئے ، وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں، رافضی نے کہا ابوطالب کی مدد ونصرت مشہور ومعروف ہے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے قریش سے مخالفت کی، عداوت باندھ لی جس کا کوئی راوی اخبار انکار نہ کرے گا تو وہ فلاح پانے والوں میں ٹھہرے، رافضیوں کے علم کی رسائی یہاں تک ہے اور ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ابوطالب نے ضرور

نصرت کی اور بدرجۂ غایت کی مگر اس نور کا تو اتباع نہ کیا جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ اترا یعنی قرآن مجید، داعی توحید، اور فلاح تو جب ملے کہ جتنی صفات پر اسے مرتب فرمایا ہے سب حاصل ہوں۔

ابوطالب کا خاتمہ کفر پر ہوا

مخالفین کے کچھ شبہات کا جواب دیتے ہوئے امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں :

اعتبار خاتمہ کا ہے، **انما الاعتبار بالخواتیم** جب ابوطالب کا کفر پر مرنا قرآن وحدیث سے ثابت تو اب اگلے قصے سنانا اور گزشتہ کفالت ونصرت سے دلیل لانا محض ساقط۔

صحاح ستہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک حدیث طویل میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

فو اللہ الذی لا الہ غیرہ ان احدکم لیعمل بعمل اھل الجنۃ حتی ما یکون بینہ و بینھا الا ذراع فیسبق علیہ الکتاب فیعمل بعمل اھل النار فیدخل النار .

قسم اللہ کی جس کے سوا کوئی خدا نہیں تم میں کوئی شخص جنتیوں کے کام کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس میں اور جنت میں صرف ایک ہاتھ کا فرق رہ جاتا ہے اتنے میں تقدیر غالب آجاتی ہے کہ دوزخیوں کے کام کر کے دوزخ میں جاتا ہے۔ والعیاذ باللہ رب العالمین۔

دنیاوی محبت دلیل ایمان نہیں

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ابوطالب کو بے پناہ محبت تھی جس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اس نے ضرور ایمان قبول کیا ہوگا کیوں کہ محبت ایمان کا دوسرا نام اور محبت ہی دلیل ایمان ہے اس شبہ کا جواب امام احمد رضا بریلوی نے نہایت عمدہ اور فاضلانہ انداز میں تحریر فرمایا ہے کہ:

بے شک (ابوطالب کوحضور سے محبت تھی) مگر حد طبعی تک جیسے چچا کو بھتیجے سے چاہیئے اور بھتیجے بھی کیسے کہ حقیقی بھائی نوجوان گزرے ہوئے کی اکلوتی نشانی، پھراس پر جمال صورت وکمال سیرت وہ کہ اپنے تو اپنے غیر دیکھیں تو فدا ہو جائیں۔صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

خاندان ہاشمی ایک اسی چراغ محمود وشمع بے دود سے روشن تھا خاندانی حمیت ہر عاقل کو ہوتی ہے خصوصاً اہل عرب خصوصاً قریش خصوصاً بنی ہاشم میں اس کا عظیم مادہ۔ولہٰذا جب یہ آیہ کریمہ فاصدع بما تؤمر و اعرض عن المشرکین نازل ہوئی اور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اعلانیہ دعوت اسلام شروع کی تو اشراف قریش جمع ہوکر ابو طالب کے پاس گئے اور کہا کہ تمام عرب میں سب سے زیادہ خوبصورت اور سب سے بڑھ کر اچھی اٹھان والا لڑکا ہم سے لے لو اسے بجائے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پرورش کرو اور انھیں ہم کو دے دو، اور اسی ارادۂ فاسدہ پر عمارہ بن ولید کو لے کر گئے تھے کہ ابو طالب نے مانا تو اسے انھیں دے دیں گے۔ابو طالب نے کہا:

واللہ لبئس ماتسومونني اتعطوني ابنكم اغذوه لكم و اعطيكم ابني تقتلونه هذا و الله ما لا يكون ابدا حين تروح الابل فان حنت ناقة غير فصيلها دفعته اليكم.

خدا کی قسم کیا بری گاہکی میرے ساتھ کر رہے ہو کیا تم اپنا بیٹا مجھے دو کہ میں تمھارے لیے اسے کھلاؤں، پرورش کروں اور میں اپنا بیٹا تمھیں دے دوں کہ تم اسے قتل کرو۔خدا کی قسم یہ کبھی ہونی نہیں جب اونٹ شام کو نکلتے ہیں تو اگر کوئی ناقہ اپنے بچے کو چھوڑ کر دوسرے کی طرف میل کرتی ہو تو میں بھی تم سے اپنا بیٹا بدل لوں۔

ابوطالب نے صاف بتادیا کہ ان کی محبت وہی ہے جو انسان تو انسان حیوان کو بھی اپنے بچے سے ہوتی ہے۔ایسی محبت ایمان نہیں، ایمان حب شرعی ہے ابو طالب میں اس کی شان نہیں، محبت شرعی و ایمانی

ہوتی تو نار کو عار پر اختیار اور دمِ مرگ کلمہ طیبہ سے انکار اور ملت جاہلیت پر اصرار کیوں ہوتا۔

امام قسطلانی ارشاد الساری میں فرماتے ہیں:

قد كان ابو طالب يحوطه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و ينصره و يحبه حبا طبعيا لا شرعيا فسبق القدر فيه و استمر على كفره و لله الحجة السامية

یعنی ابوطالب نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نصرت وحمایت سب کچھ کی طبعی محبت بہت کچھ رکھی مگر شرعی محبت نہ تھی آخر تقدیر الٰہی غالب آئی اور معاذ اللہ کفر پر وفات پائی اور اللہ ہی کے لیے ہے حجت بلند۔

نسیم الریاض میں ہے:

حنوه على النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و صحبته له امر مشهور فى السير و كان يعظمه و يعرف نبوته و لكن لم يوفقه الله الاسلام .

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ابوطالب کی مہر ومحبت مشہور ہے اور تعظیم ومعرفت نبوت معلوم مگر اللہ تعالیٰ نے مسلمان ہونے کی توفیق نہ دی۔

ابوطالب کے عدم ایمان میں حکمتیں

نسیم الریاض میں ہے :

و فى الامتناع ان فيه حكمة خفية من الله تعالىٰ لانه عظيم قريش لا يمكن احدا منهم ان يتعدى على ما فى جواره فكان النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فى بدء امره فى كنف حمايته بذبهم عنه كما قال :

و اللہ لن یصلوا الیک بجمعھم

حتی اوسد فی التراب دفینا

فلو اسلم لم یکن له صلی الله تعالیٰ علیه وسلم بعد موته بعد من الهجرة .

کتاب الامتناع میں ہے کہ ابو طالب کے مسلمان نہ ہونے میں اللہ تعالیٰ کی ایک باریک حکمت ہے وہ سردار قریش تھے کوئی ان کی پناہ پر تعدی نہ کرسکتا تھا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ابتدائے اسلام میں ان کی حمایت میں تھے وہ مخالفوں کو حضور سے دفع کرتے تھے خود ایک شعر میں کہا ہے۔

خدا کی قسم تمام قریش اکٹھے ہو جائیں تو حضور تک نہ پہنچ سکیں گے جب تک میں خاک میں لٹا کر دبا نہ دیا جاؤں۔

تو اگر وہ اسلام لے آتے قریش کے نزدیک ان کی پناہ کوئی چیز نہ رہتی، آخر ان کے انتقال پر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہجرت ہی فرمانی ہوئی۔

اس کے بعد چند باریک حکمتوں کی طرف امام احمد رضا بریلوی نے اس طرح اشارہ فرمایا ہے :

اقول، قرب انتقال تک اسلام نہ لانے کی یہ حکمت ہو سکتی ہے مرتے وقت کفر پر اصرار کی حکمت اللہ جانے یا اس کا رسول۔ شاید اس میں :

اولاً: یہ نکتہ ہو کہ اگر اسلام لا کر مرتے مخالف گمان کرتے کہ اللہ کے رسول نے ہمارے ساتھ معاذ اللہ فریب برتا اپنے چچا کو مسلمان تو کرلیا مگر پناہ و ذمہ رکھنے کے لیے ظاہر نہ ہونے دیا جب اخیر وقت آیا کہ اب وہ کام نہ رہا ظاہر کروا دیا۔

ثانیاً: ان مسلمانوں کی تسکین بھی ہے جن کے بزرگ حالت کفر میں مرے جس کا پتہ حدیث، ان ابی و اباک دیتی ہے اول ناگوار ہوا جب اپنے چچا کو شامل فرمایا سکون پایا۔

ثالثاً: مسلمانوں کے لیے اسوۂ حسنہ قائم فرمانا کہ اپنے اقارب جب خدا کے خلاف ہوں ان سے برأت کریں، مرنے پر جنازہ میں شریک نہ ہوں، نماز نہ پڑھیں، دعائے مغفرت نہ کریں کہ جب خود اپنے حبیب کو منع فرمایا تو اوروں کی کیا گنتی۔

رابعاً: عمل میں اخلاص للہ وخوف وانقیاد کی ترغیب اور محبوبان خدا سے نسبت پر پھول بیٹھنے سے ترہیب، جب ابو طالب کو ایسی نسبت قریبہ باآں کارہائے عجیبہ بوجہ نامنقادی کام نہ آئی تو اور کیا چیز ہے۔ الی غیر ذلک۔

صرف مدح ونعت سبب اسلام نہیں

ابو طالب نے حضور سرورکونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان اقدس میں نعت وقصائد لکھے اور حضور سے توسل واستغاثہ کیا جس سے ان کے اسلام لانے کا شبہ ہورہا ہے۔ امام احمد رضا بریلوی نے اس شبہ کا ازالہ اس طرح فرمایا کہ:

اقول، یہ تو اور حجت الٰہیہ قائم ہوتا ہے جب ایسا جانتے ہو پھر کیوں نہیں مانتے ہو یہود عنود قبل طلوع شمس رسالت کیا کچھ نعت ومدحت نہ کرتے جب کوئی مشکل آتی، مصیبت منہ دکھاتی تو حضور سے توسل کرتے جب دشمن کا مقابلہ ہوتا دعا مانگتے:

اللھم انصر علیھم بالنبی المبعوث فی آخر الزمان الذی نجد صفتہ فی التوراۃ۔

الٰہی ہمیں ان پر مدد دے صدقہ نبی آخر الزماں کا جس کی نعت ہم تورات میں پاتے ہیں۔

پھر جان کر نہ ماننے کا کیا نتیجہ ہوا۔ یہ جو قرآن عظیم نے فرمایا:

کانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا فلما جاء ھم ما عرفوا کفروا بہ فلعنۃ اللہ علی الکافرین .

اس سے پہلے وہ اس نبی کے وسیلہ سے کافروں پر فتح مانگتے تھے تو جب تشریف لایا ان کے پاس وہ جانا پہچانا اس سے منکر ہو بیٹھے تو اللہ کی لعنت منکروں پر۔

اصابہ میں فرماتے ہیں :

اما شھادۃ ابی طالب بتصدیق النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فالجواب عنہ و عما ورد من شعر ابی طالب فی ذلک انہ نظیر ما حکی اللہ تعالیٰ عن کفار قریش و جحدوا بھا و استیقنتھا انفسھم ظلما و علوا فکان کفرھم عنادا و منشؤہ من الانفۃ و الکبر و الی ذلک اشار ابو طالب بقولہ لو لان ان تعیر قریش .

یعنی ابوطالب کے ان اشعار وغیرہا کا جواب یہ ہے کہ وہ اسی قبیل سے ہے جو قرآن عظیم نے کفار کا حال بیان فرمایا کہ براہ ظلم وتکبر منکر ہوتے اور دل میں خوب یقین رکھتے ہیں تو یہ کفر عناد ہوا اور اس کا منشاء تکبر اور اپنے نزدیک بڑی ناک والا ہونا ہے خود ابوطالب نے اس کی طرف اشارہ کیا کہ اگر قریش کی طعنہ زنی کا خیال نہ ہوتا تو اسلام لے آتا۔

ابوطالب نے اپنے بیٹوں کو ایمان کی وصیت کی

ابوطالب کی اپنے بیٹوں کی وصیت سے بعض لوگوں کو اس کے اسلام کا دھوکہ ہوا اس کا ازالہ کرتے ہوئے امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ :

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے باب میں ان سے بعض وصایا ضرور منقول مگر جب اوروں کو وصیت ہو خود جاہلی حمیت ہو تو اس سے کیا حصول۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

کبر مقتا عند اللہ ان تقولوا مالا تفعلون .

اللہ کو سخت دشمن ہے یہ بات کہ کہو اور نہ کرو۔

تندرستی میں بھی یہی برتاؤ تھا کہ اوروں کو ترغیب دینا اور آپ بچنا وہی انداز وقت مرگ برتا۔

اصابہ میں فرمایا:

اما امر ابی طالب و لدیه باتباعه فترک ذلک من جملة العناد و هو ایضا من حسن نصرته له و ذبه و معاداته قومه بسببه .

رہا ابوطالب کا اپنے بیٹوں حیدر کرار و جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کہنا کہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیروی کرو تو خود اس کا ترک کرنا یہ عناد میں سے ہے اور یہ ترغیب پیروی بھی ان کی اسی خوبی مدد و حمایت اور حضور کے باعث اپنی قوم سے مخالفت ہی میں داخل ہے۔

یعنی جہاں وہ سب کچھ تھا ایں ہم بر علم ایمان بے اذعان ملنا کیا امکان، ولہٰذا علمائے کرام جہاں ابو طالب سے یہ امور نقل فرماتے ہیں وہیں موت علی الکفر کی بھی تصریح کر جاتے ہیں۔

مجمع البحار میں ہے:

فی العاشرة دنا موت ابی طالب فوصی بنی المطلب باعانته صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و مات فقال علی رضی اللہ تعالیٰ عنه ان عمک الضال قد مات قال فاغسله و کفنه و واره غفر اللہ له فجعل یستغفر له ایاما حتی نزل ما کان للنبی الآیة .

یعنی نبوت سے دسویں سال ابوطالب کو موت آئی بنی مطلب کو مددگاری نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وصیت کر کے مر گئے، اس پر مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے عرض کی حضور کا گمراہ چچا مر گیا فرمایا نہلا

کفنا کر دبا دے اللہ اسے بخشے کچھ دنوں دعائے مغفرت فرماتے رہے یہاں تک کہ آیت اتری، نبی کو روا نہیں کہ مشرکوں جہنمیوں کی بخشش مانگے۔

علامہ مفتی حاشیہ شرح ہمزیہ میں لکھتے ہیں:

قال القرطبی فی المفهم کان ابو طالب یعرف صدق رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فی کل ما یقول له و یقول لقریش تعلمون و الله ان محمدا لم یکذب قط و یقول لابنه علی اتبعه فانه علی الحق غیر انه لم یدخل فی الاسلام و لم یزل علی ذلک حتی حضرته الوفاة فدخل علیه رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم طامعا فی اسلامه و حریصا علیه باذلا فی ذلک جهده مستفرغا ما عنده و لکن عاقت عن ذلک عوائق الاقدار التی لا ینفع معها حرص و لا اعتذار.

یعنی امام قرطبی نے مفہم شرح صحیح مسلم میں فرمایا ابوطالب خوب جانتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جو کچھ فرماتے ہیں سب حق ہے قریش سے کہتے خدا کی قسم تمہیں معلوم ہے کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کبھی کوئی کلمہ خلاف واقع نہ فرمایا اپنے بیٹے علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے کہتے ان کے پیرو رہنا کہ یہ حق پر ہیں یہ سب کچھ تھا مگر یہ خود اسلام میں نہ آئے موت آنے تک اسی حال پر رہے اس وقت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف فرما ہوئے اس امید پر کہ شاید مسلمان ہو جائیں اس کی حضور کو سخت خواہش تھی جو کچھ کوشش ممکن تھی سب خرچ فرما دی مگر وہ تقدیریں آڑے آئیں جن کے آگے نہ خواہش چلتی ہے نہ عذر۔

ایک شبہ کا جواب

آیات و احادیث سے کفر ابوطالب کو واضح و آشکارا کرنے کے بعد ایک شبہ کا جواب دیتے ہوئے

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ:

اب ایک شبہ باقی رہا جس سے زمانہ قدیم میں بعض روافض نے اپنے رسالہ اسلام ابی طالب میں استناد کیا اور اکابر ائمہ وعلمائے اہل سنت مثل امام اجل بیہقی، وامام اجل سہیلی، وامام حافظ الشان ابن حجر عسقلانی، وامام بدرالدین محمود عینی، وامام احمد قسطلانی، وامام ابن حجر مکی، وعلامہ حسین دیار بکری، وعلامہ محمد زرقانی، وشیخ محقق دہلوی وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ نے متعدد وجوہ سے جواب دیا۔ سنی کے لیے تو اسی قدر سے جواب ظاہر ہو گیا کہ استدلال کرنے والا ایک رافضی اور جواب دینے والے ائمہ وعلمائے اہل سنت، مگر تتمیم فائدہ کے لیے فقیر غفرلہ المولیٰ القدیر وہ شبہ اور علماء کے اجوبہ ذکر کر کے جو کچھ فیض قدیر سے قلب فقیر پر فائض ہوا تحریر کرے۔ وباللہ التوفیق۔

ابن اسحاق نے سیرت میں ایک روایت شاذہ ذکر کی جس کا خلاصہ یہ کہ ابوطالب کے مرض الموت میں اشراف قریش جمع ہو کر ان کے پاس گئے کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سمجھا دو کہ ہمارے دین سے غرض نہ رکھیں ہم ان کے دین سے تعرض نہ کریں، ابوطالب نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بلا کر عرض کی حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، ہاں یہ ایک بات کہہ لیں جس سے تم تمام عرب کے مالک ہو جاؤ اور عجم تمھارے مطیع، ابوجہل لعین نے عرض کی، حضور ہی کے باپ کی قسم ایک نہیں دس باتیں، فرمایا تو **لا الـہ الا الـلـہ** کہہ لو، اس پر کافر تالیاں بجا کر بھاگ گئے، ابوطالب کے منہ سے نکلا خدا کی قسم حضور نے کوئی بے جا بات تو ان سے نہ چاہی تھی اس کہنے سے سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو امید پڑی کہ شاید یہی مسلمان ہو جائے، حضور نے بار بار فرمانا شروع کیا اے چچا تو ہی کہہ لے جس کے سبب سے میں تیری شفاعت روز قیامت حلال کرلوں، جب ابوطالب نے حضور کی شدت خواہش دیکھی کہا اے بھتیجے! میرے خدا کی قسم اگر یہ خوف نہ ہوتا کہ لوگ حضور کو اور حضور کے باپ (یعنی ابوطالب) کے بیٹوں کو طعنہ دیں گے کہ نزع کی سختی پر صبر نہ ہوا، کلمہ پڑھ لیا، تو میں پڑھ لیتا اور وہ بھی کس طرح پڑھتا۔

لا اقولها الا لا سرک بها

صرف اس لیے کہ حضور کی خوشی کر دوں۔

یہ باتیں نزع میں تو ہو رہی تھیں جب روح پرواز کرنے کا وقت نزدیک آیا عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے لبوں کو جنبش دیکھی کان لگا کر سنا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کی:

یا ابن اخی و اللہ لقد قال اخی الکلمۃ التی امرتہ ان یقولھا۔

اے میرے بھتیجے! خدا کی قسم میرے بھائی نے وہ بات کہہ لی جو حضور اقدس اس سے کہلواتے تھے۔

قال فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لم اسمع ۔

سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے نہ سنی۔

یہ وہ روایت ہے علماء نے اس سے پانچ جواب دیے۔

اولاً: یہ روایت ضعیف و مردود ہے، اس کی سند میں ایک راوی مبہم موجود ہے۔ یہ جواب امام بیہقی پھر امام حافظ الشان ابن حجر عسقلانی و امام بدرالدین محمود عینی و امام ابن حجر مکی و علامہ حسین دیار بکری و علامہ زرقانی وغیرہم نے افادہ فرمایا۔

ثانیاً: اگر بالفرض صحیح بھی ہوتی تو ان احادیث جلیلہ جزیلہ صحاح اصح کے مخالف تھی لہٰذا مردود ہوتی نہ کہ خود صحیح بھی نہیں اب ان کے مقابل کیا التفات کے قابل۔

ثالثاً: خود قرآن عظیم اسے رد فرما رہا ہے اگر اسلام پر موت ہوتی سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو استغفار سے کیوں ممانعت آتی۔ یہ جواب حافظ الشان کا ہے اور اسے خمیس میں بھی ذکر کیا۔

اقول :استغفار سے نہی کفر میں صریح نہیں، حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ابتدائے اسلام میں میت مدیون کے جنازہ پر نماز پڑھنے سے ممنوع تھے۔ علمائے متاخرین نے حدیث استاذنت ربی ان یستغفر لامی فلم یاذن لی (میں نے اپنے رب سے اپنی ماں کے لیے دعائے مغفرت کی اجازت طلب کی تو مجھے اجازت نہ ملی) کا یہی جواب دیا ہے۔تو استدلال اسی آیہ کریمہ کے لفظ للمشرکین ولفظ اصحب الجحیم سے اولیٰ وانسب ہے اگر کلمہ اسلام پر موت ہوتی تو رب العزت ابوطالب کو مشرک کیوں بتاتا، اصحاب نار سے کیوں ٹھہراتا۔ لاجرم یہ روایت بے اصل ہے۔

رابعاً: اقول: اس میں ایک علت اور ہے کہ خود یہی عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن سے یہ حکایت ذکر کی جاتی ہے موت ابی طالب کے بعد حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھتے ہیں یارسول اللہ! حضور نے اپنے چچا ابوطالب کو بھی کچھ نفع دیا وہ حضور کا غمخوار طرفدار تھا ارشاد ہوا ہم نے اسے سرو پا جہنم میں غرق پایا، اتنی تخفیف فرمادی کہ ٹخنوں تک آگ ہے میں نہ ہوتا تو اسفل السافلین اس کا ٹھکانہ تھا۔

سبحان اللہ! اگر عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے کانوں سے مرتے وقت کلمۂ توحید پڑھنا سنتے تو اس سوال کا کیا محل تھا وہ نہ جانتے تھے کہ الاسلام یھدی ما قبلہ مسلمان ہوجانا گزرے ہوئے سب اعمال بد کوڈھادیتا ہے۔کیا وہ نہ جانتے تھے کہ اخیر وقت جو کافر مسلمان ہوکر مرے بے حساب جنت میں جائے من قال لا الہ الا اللہ دخل الجنۃ (جو لا الہ الا اللہ کہہ لے وہ جنت میں جائے گا) اور پھر سوال میں کیا عرض کرتے ہیں وہی پرانے قصے نصرت و یاری وحمایت وغمخواری۔ یہ نہیں کہتے یارسول اللہ! وہ تو کلمۂ اسلام پڑھ کر مرا ہے یہ پوچھتے ہیں کہ حضور نے اسے بھی کچھ نفع بخشا یہ نہیں عرض کرتے کہ کون سے اعلیٰ درجات جنت عطا فرمائے۔ وہ حالت صحیح ہوتی تو پرواز سوال یوں ہوتا کہ یارسول اللہ! ابوطالب کا خاتمہ ایمان پر ہوا

اور حضور کے ساتھ ان کی غایت محبت و کمال حمایت تو قدیم سے تھی اللہ عزوجل نے فردوس اعلیٰ کا کون سا محل انھیں کرامت فرمایا۔ تو نظر انصاف میں یہ سوال ہی اس روایت کی بے اصلی پر قرینۂ واضحہ ہے اور جواب تو جو ارشاد ہوا ظاہر ہے۔

خامساً: یقیناً معلوم کہ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت مشرف بہ اسلام نہ ہوئے تھے کہیں گیارہ برس بعد فتح مکہ میں مسلمان ہوئے ہیں اور اسی روایت میں ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابوطالب کا کلمہ پڑھنا نہ سنا اور ان کی عرض پر بھی اطمینان نہ فرمایا، یہی ارشاد ہوا کہ ہم نے نہ سنا۔ مگر ایک شخص کی شہادت جو عدالت در کنار گواہی دیتے وقت مسلمان بھی نہیں وہ شرعاً کس قاعدہ و قانون سے قابل قبول و لائق التفات اصحاب عقول ہوسکتی ہے؟

اقول و باللہ التوفیق: خود اسی روایت کا بیان کہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی عرض پر یہی ارشاد فرمایا کہ ہمارے مسامع قدسیہ تک نہ آیا دلیل واضح ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے بیان پر اطمینان نہ فرمایا، اس گواہی کو متقبول و معتبر نہ ٹھہرایا ورنہ کیا عقل سلیم قبول کرتی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جس کے اسلام میں اس درجہ کوشش بلیغ ہو نفس النفس اس حد شدت پر اس کی خواہش فرمائی جب وہ امر عظیم محبوب وقوع میں آئی ایسے سہل لفظوں میں جواب دے دیا جائے، لاجرم اس ارشاد کا یہی مفاد کہ تمھارے کہنے پر کیا اعتماد ہم سنتے تو ٹھیک تھا، یہ صریح رد شہادت ہے تو جو گواہی خدا اور رسول رد فرما چکے دوسرا اس کا قبول کرنے والا کون؟

سادساً: ہم تسلیم کرتے ہیں کہ روایت انھیں احادیث صحیحین کی مثل سنداً و متناً ہر طرح اعلیٰ درجہ کی صحیح اور شہادت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی بروجہ کمال مقبول و ترجیح، پھر بھی نہ مستدل کو نافع نہ کفر ابی طالب کی اصلاً دافع۔ آخر جب بحکم احادیث جلیلہ آیات قرآنیہ مشرک و ناری بتا رہی ہیں تو یہ تو کسی کے

مثائے نہیں منتا یہ دوسری حدیث کہ فرضا اسی پلہ کی صحیح وجلیل ہے صرف اتنا بتاتی ہے کہ ابو طالب نے اخیر وقت **لا اله الا الله** کہا، یہ نہیں بتاتی کہ وہ وقت کیا تھا۔

آخر وقت دو ہیں۔

ایک وہ کہ ہنوز پردے باقی ہیں اور وقت، وقت قبول ایمان ہے۔

دوسرا وہ حقیقی آخر جب حالت غرغرہ ہو پردے اٹھ جائیں، جنت ونار پیش نظر ہو جائیں **یؤمنون بالغیب** کا محل نہ رہے۔ کافر کا اس وقت اسلام لانا بالاجماع مردود نامقبول ہے۔

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

فلم یک ینفعھم ایمانھم لما رأوا باسنا سنة الله التی قد خلت فی عباده و خسر هنالک الکافرون.

تو ان کے ایمان نے انھیں کام نہ دیا جب انھوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا اللہ کا دستور جو اس کے بندوں میں گزر چکا اور وہاں کافر گھاٹے میں رہے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان الله یقبل توبة العبد ما لم یغرغر .

جب تک حالت غرغرہ نہ ہو، تو اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ اسے احمد وترمذی وابن ماجہ وغیرہم نے روایت کیا۔ **(مولف)**

اب اگر اول کہنا مانتے ہیں تو آیت قرآنیہ مع ان احادیث صحیحہ کے اس حدیث صحیح مفروض سے مناقض ہوگی اور کسی نہ کسی حدیث صحیح کو رد کیے بغیر چارہ نہ ملے گا۔ اور اگر وقت دوم پر مانتے ہیں تو آیت و

احادیث سب حق وصحیح ٹھہرتے ہیں اور تناقض وتعارض بے تکلف دور ہوا جاتا ہے۔کلمہ پڑھا اور ضرور پڑھا مگر کب؟اس وقت جب کہ وقت نہ رہا تھالہٰذا حکم شرک ونار برقرار رہا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

حتی اذا ادرکہ الغرق قال آمنت انہ لا الہ الا الذی آمنت بہ بنو اسرائیل و انا من المسلمین الئن و قد عصیت قبل و کنت من المفسدین .

یہاں تک کہ جب اسے ڈوبنے نے آلیا بولا میں ایمان لایا کہ کوئی سچا معبود نہیں سوا اس کے جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے اور میں مسلمان ہوں۔کیا اب اور پہلے سے نافرمان رہا اور تو فسادی تھا۔

صورت اولیٰ ظاہر البطلان،لہٰذا شق اخیر ہی لازم الاذعان۔اور فی الواقع اگر یہ روایت مطابق واقع تھی تو قطعاً یہی صورت واقع ہوئی اور وہ ضرور قرین قیاس بھی ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے قریب مرگ ہی جلوہ فرما ہوئے ہیں۔اسی حالت میں کفار قریش سے وہ محاورات ہوئے۔سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بار بار باصرار دعوت اسلام فرمائی،کفار نے ملت کفر پر قائم رہنے میں جان لڑائی آخر پچھلا جواب وہ دیا کہ ابوطالب ملت جاہلیت پر جاتا ہے۔

یہاں تک بات چیت کی طاقت تھی اب سینے پر دم آیا،پردے اٹھے،غیب سامنے آیا،اس نار نے جس پر عار کو اختیار کیا تھا اپنی مہیب صورت سے منہ دکھایا(لیس الخبر کالمعاینۃ)اب کھلا کہ یہ بلا جھیلنے کی نہیں ڈوبتا سوار پکڑتا ہے اب لا الہ الا اللہ کی قدر آئی،کہنا چاہا طاقت نہ پائی،آہستہ لبوں کو جنبش ہوئی مگر بے سود کہ وقت نکل چکا تھا،تو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی سچے کہ کلمہ پڑھا اور قرآن وحدیث تو قطعاً سچے ہیں کہ حکم کفر بدستور رہا۔والعیاذ باللہ رب العالمین۔

سابعاً: اس سے بھی درگزر رہیے،یہ بھی مانا کہ حالت غرغرہ سے پہلے ہی پڑھا ہے پھر حضرت عباس رضی

اللہ تعالیٰ عنہ تو ظاہری کی گواہی دیں گے دل کے حال کا عالم خدا ہے۔ کیا اگر کوئی شخص روزانہ لاکھ بار کلمہ پڑھے اور اللہ عزوجل اسے کافر بتائے تو ہم اس کے کلمہ پڑھنے کو دیکھیں گے یا اپنے رب عزوجل کے ارشاد کو۔ ایمان زبان سے کلمہ خوانی کا نام نہیں جب دلوں کا مالک اس کے کفر پر حکم تو قطعاً ثابت کہ اس کے قلب میں اذعان واسلام نہیں۔

ابوطالب کا کفر عام کافروں جیسا نہیں

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ اس بحث کے آخر میں ابوطالب اور عام کافروں کے کفر کے درمیان فرق کو واضح کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

جناب ابوطالب وابلیس علیہما ما یستحقانہ کے مثل کہنا محض افراط اور خون انصاف کرنا ہے۔ ابوطالب کی عمر خدمت و کفالت و نصرت و حمایت حضرت رسالت علیہ وعلی آلہ افضل الصلوۃ والتحیۃ میں گئی اور یہ لاعنہ دائماً دشمنی پر تیار و ضرار رہے۔ کہاں وہ جس کا وظیفہ مدح و ستائش ہو اور کہاں وہ شقی جس کا ورد ذم و نکوہش ہو۔ یک گونہ اگرچہ خود محروم ورسوم سے مصروف مگر تکثیر تقدیر نفع اسلام میں مصروف۔ اور وہ مرام ہر دو و متمرد وہ ہمہ تن ہر بیخ کنی اسلام میں مشغوف۔

ببین تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

آخر نہ دیکھا جو حدیث میں ارشاد ہوا کہ ابوطالب پر تمام کفار سے کم عذاب ہے اور یہ اشقیاء ان میں ہیں جن پر شدید العذاب ہے۔ ابوطالب کے صرف پاؤں آگ میں ہیں اور یہ لاعنہ اللہ ان میں کہ:

لہم من فوقہم ظلل من النار ومن تحتہم ظلل

ان کے اوپر آگ کی تہیں ہیں اور ان کے نیچے آگ کی تہیں۔

لہم من جہنم مہاد ومن فوقہم غواش

نیچے آگ کا بچھونا اوراوپر آگ کے لحاف سراپا آگ ہر طرف سے آگ۔

بلکہ دونوں کا ثبوت کفر بھی ایک سا نہیں۔ ابو طالب کے باب میں اگر چہ قول حق وصواب وہی کفر و عذاب اور اس کا خلاف شاذ و مردود و باطل و مطرود۔ پھر بھی اس حد کا نہیں کہ معاذ اللہ خلاف پر تکفیر کا احتمال ہو۔ اور ان اعداء اللہ کا کافر وابدی جہنمی ہونا تو ضروریات دین سے ہے جس کا منکر خود جہنمی کافر۔ تو ان کا نہ کفر یکساں، نہ ثبوت کفر یکساں، نہ عمل یکساں، نہ سزا یکساں، ہر جگہ فرق زمین وآسمان پھر مماثلت کہاں؟

(شرح المطالب فی مبحث ابی طالب)

حضور سے علاقہ کی اہمیت

امام احمد رضا بریلوی ایک مقام پر فرماتے ہیں:

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے علاقہ، ابو طالب کو ایسا کام آیا کہ سراپا آگ میں غرق تھے حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پایاب آگ میں کھینچ لیا کہ اب صرف تلووں میں آگ ہے۔ حالاں کہ کفار کے حق میں اصل حکم یہ ہے کہ **لا یخفف عنهم العذاب و لا هم ینصرون .**

نہ ان سے عذاب ہلکا کیا جائے نہ کوئی ان کی مدد کرے۔

صحیح بخاری وصحیح مسلم میں عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

هو فی ضحضاح من نار و لولا انا لكان فی الدرک الأسفل من النار .

و فی روایة وجدته فی غمرات من النار فاخرجته الی ضحضاح .

ابو طالب قدموں تک آگ میں ہے اور اگر میں نہ ہوتا تو وہ آگ کے سب سے نچلے طبقے

میں ہوتے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ میں نے انھیں آگ میں ڈوبا ہوا پایا تو قدموں تک نکال دیا (مولف)

اسی طرح صحیحین میں ابوسعید خدری اور مسند بزار وابویعلی وابن عدی وتمام میں حضرت جابر بن عبداللہ اور معجم کبیر طبرانی میں ام المومنین ام سلمہ سے ہے۔رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

امام عینی شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں : **فان قلت اعمال الکفرۃ هباء منثورا لا فائدۃ فیها قلت هذا النفع من برکۃ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم و خصائصه .**

امام ابن حجر کی فتح الباری شرح بخاری میں ہے **یرید الخصوصیۃ انه بعد ان امتنع شفع له حتی خفف له العذاب بالنسبۃ لغیرہ .**

اسی طرح مجمع بحار الانوار وغیرہ میں ہے۔

ان سب کا حاصل یہ ہے کہ یہ نفع کافر کے عمل سے نہ ہوا بلکہ حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی برکت سے اور یہ خصائص علیہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہے۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۱۲، ص ۲۶۲)

ابوطالب کا جذبۂ حمایت

ایک مقام پر امام احمد رضا بریلوی تحریر فرماتے ہیں:

ابوطالب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا جنھوں نے اپنی عمر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حفاظت وحمایت میں فنا کردی اور وہ حضور کی محبت ونصرت کی انتہائی حد کو پہنچے، حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی محبت نے ان کے پورے دل کو ایسا پکڑ لیا تھا کہ اپنی صلبی کم سن بچوں پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فضیلت

دیتے تھے اور جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا تو حضور نے مشرکین کو وحدانیت کی طرف بلایا اور دین کے دشمن ہر سمت دور دراز سے حملہ آور ہوئے ابو طالب ان کی حمایت کو کافروں سے لڑنے کو کھڑے ہوگئے تو حضور کے ساتھ بڑی نیکی کی اور ہمیشہ ان کی مدد کی اور اپنے قریبی رشتہ دار مشرکوں کی طرف سے کیسی بے شمار سختیاں جھیلیں۔

ابوطالب کا قصیدۂ مدحیہ

یہ وہی ابو طالب تھے کہ جب سارے قریش مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مخالف ہوئے اور اسلام کے خواہشمندوں کو حضور علیہ الصلاۃ والسلام سے دور کیا تو انھوں نے ایک قصیدہ کہا جو مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بڑی محبت اور ان کے کمین دشمنان سے شدید عداوت کی دلیل ہے۔ جیسا کہ ابن اسحاق نے معتمد راویوں سے روایت کیا ہے اسی قصیدہ کے اشعار یہ ہیں۔

اعبد مناف انکم خیر قومکم
فلا تشرکوا فی امرکم کل و اغل

●

فقد خفت ان لم یصلح الله امرکم
تکونوا کما کانت احادیث وائل

●

اعوذ برب الناس من کل طاعن
علینا بسوء او ملح بباطل

●

و من کاشح یسعی لنا بعیبة
و من ملحق فی الدین مالم یحاول

●

و ثــور و مــن ارســی ثبیــرا مـکـانـه

وراق لیــرقــی حــراء و نـــازل

●

و بـا لبیـت حق البیـت فـی بطن مکة

و بـــالـلـــه ان الـلـه لیــس بـغـافـل

●

کـذبتـم و بیـت الـلـه نـخـلـی محمدا

و لـمـــا نـطـاعـن دونـه و نـنـاضـل

●

و نسـلـمــه حتـی نـصـرع حـولـه

و نـذهـل عـن ابـنـائـنـا و الـحـلائـل

●

لـعـمـری لـقـد کـلـفـت وجدا بـاحـمد

و احبة داب الــمــحــب الـمـواصـل

●

فـمــن مثـلـه فـی الـنـاس ای مـومـل

اذا قـاسـه الـحـکـام عـنـد التـفـاضـل

●

حـلـیـم رشـیـد عـاقـل غیـر طـائـش

یـوالـی الـهـا لیـس عـنـه غـافـل

●

فـو الـلـه لـو لا ان اجـنـي بسبة

عـلـى اشيـا خـنـا فـي الـمـحـافل

●

اتبـعـنـاه عـلـى كـل حـالة

مـن الـدهـر جـد اغير قـول التهازل

●

فـاصبـح فيـنـا احـمـد فـي ارومة

تـقـصـر عنهـا سـورة الـمـتـطـاول

●

حـديـث بـنـفسـي دونـه و حـمـيتـه

و دافـعـت عـنـه بـالـذرى و الكلاكل

اے عبد مناف کے بیٹو! تم اپنی قوم میں سب سے بہتر ہو تو تم اپنے معاملہ میں ہر خسیس کو شریک نہ کرو۔ بیشک مجھے اندیشہ ہے کہ اگر اللہ نے تمھارا حال ٹھیک نہ کیا تو تم وائل کے انسانوں کی طرح افسانہ ہو جاؤ گے۔ میں لوگوں کے رب کی پناہ چاہتا ہوں ہر برائی کا طعنہ دینے والے اور باطل پر اصرار کرنے والے سے اور کینہ پرور سے جو ہم پر گھمنڈ کی کوشش کرے اور اس سے جو دین میں ایسی بات شامل کرے جو دین میں کبھی نہ پائی گئی ہو۔ اور کوہ ثور سے اور اس سے جس نے کوہ ثبیر کو اپنی جگہ جمایا اور کوہ حراء میں عبادت کے لیے چڑھنے اور اترنے والے سے اور اللہ تعالیٰ کے سچے گھر کی قسم اور اللہ کی قسم بے شک اللہ تعالیٰ بے خبر نہیں اللہ کے گھر کی قسم اے کافر تم جھوٹے ہو اس گمان میں کہ ہم محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو چھوڑ دیں گے حالاں کہ ابھی ہم نے حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے گرد نیزوں اور تیروں سے جنگ نہ کی اور کیا ہم محمد مصطفیٰ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تمھارے سپرد کر دیں گے جب تک کہ اپنے بیٹوں اور بیویوں سے غافل نہ ہو جائیں ۔ مجھے اپنی جان کی قسم مجھے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے شدید محبت ہے اور میں انھیں ایسا چاہتا ہوں جس طرح پیہم چاہنے والے کی عادت ہوتی ہے۔ جب فیصلہ کرنے والے مقابلے کے وقت کسی کو اس پر قیاس کریں تو ان جیسا لوگوں میں کون ہے جس کے لیے یہ امید ہو کہ وہ ان کا ہم پلہ ہوگا۔ حلم والے رشد والے عقل والے، طیش والے نہیں وہ بیوقوف سے وبے قدر سے محبت رکھتے ہیں جوان سے غافل نہیں تو خدا کی قسم اگر اس کا اندیشہ نہ ہوتا کہ میں ایسا کام کروں جو ہمارے بزرگوں پر محافل میں ملامت کا سبب بنے تو ہم نے زمانہ کی ہر حالت میں ان کی پیروی کی ہوتی تو یہ بات سنجیدگی سے بے مذاق کے کہتا ہوں تو احمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمارے اندر ایسے عالی نسب ہیں جس کو فخر کرنے والے کی محبت پانے سے عاجز ہے میں نے اپنی جان کو ان کے سپرد کر دیا اور ان کی حمایت کی اور سرداروں اور گروہوں کے ذریعہ (یا سروں اور سینوں کے ذریعہ) دشمنوں سے حضور کا بچاؤ کیا۔

دعائے استسقاء میں ابو طالب کا شعر پڑھا گیا

ابو طالب نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے برکت طلب کرتے اور دعا میں حضور علیہ الصلاۃ والسلام کو سیلہ بناتے چنانچہ اس پر قریش کی قحط سالی اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وسیلہ سے بارش طلب کرنے کا واقعہ دلالت کرتا ہے جسے ان کے علماء نے روایت کیا۔ اور بے شک ابو طالب نے لوگوں کو حضور علیہ الصلاۃ و السلام کے اتباع پر ابھارا اور ان باتوں کی خبر دی جو واقع نہ ہوئی تھیں تو ایسا ہی ہوا جیسا انھوں نے خبر دی اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دل میں ان کے لیے مقام عظیم تھا۔

یہاں تک جب حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی خدمت میں ایک اعرابی نے آکر عرض کی کہ ہم سرکار کے پاس آئے ہیں اور حال یہ ہے کہ ضعف سے ہمارے بچوں کی آواز نہیں نکلتی اور ہمارے اونٹ لاغری سے

کراہتے نہیں اور ان اعرابی نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدح میں کچھ اشعار پڑھے تو حضور پناہ بیکساں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چادر کو گھسیٹتے ہوئے اٹھے اور منبر پر صعود فرمایا اور آسمان کی جانب اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے تو خدا کی قسم ابھی حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنے ہاتھ نیچے نہ کیے تھے کہ آسمان بجلیوں سے بھر گیا اور اس قدر بارش ہوئی کہ لوگ پکارتے ہوئے آئے کہ ہم ڈوبے تو حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے تبسم فرمایا، یہاں تک کہ دندان اقدس چمکے اور آپ کو اپنی تعریف میں ابو طالب کا قول یاد آیا جب انھوں نے عرض کیا تھا۔

و ابیض یستسقی الغمام بوجھہ

ثمال الیتامی عصمۃ للارامل

وہ گورے رنگ والے جن کے چہرے سے بارش طلب کی جاتی ہے جو یتیموں کے نگہبان اور بیواؤں کا سہارا ہیں۔

پھر حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا اللہ کے لیے ابو طالب کی خوبی ہے اگر وہ زندہ ہوتے تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتیں کون ہمیں ان کے شعر سنائے گا تو حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے عرض کی گویا سرکار کی مراد ان کا وہ قصیدہ ہے جس میں انھوں نے عرض کی ہے:

و ابیض یستسقی الغمام بوجھہ

ثمال الیتامی عصمۃ للارامل

تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں میں یہی چاہتا تھا۔

اسی وجہ سے ابو طالب پر تمام دوزخیوں سے ہلکا عذاب ہے جیسا کہ صحیح حدیثوں میں وارد ہوا اور شفیع مرتجی امیدگاہ عاصیاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت نے انھیں نفع دیا تو ان پر تخفیف کے لیے انھیں جہنم کے بالائی سرے پر رکھ دیا گیا اور یہ معاملہ ان کے ساتھ سارے کافروں کے برخلاف ہے جنھیں جنھیں

شفیعوں کی شفاعت کام نہ دے گی۔اور کاش وہ ایمان لاتے تو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے افضل صحابہ سے ہوتے لیکن اللہ کا لکھا نہیں ٹلتا اور اس کا حکم نہیں بدلتا۔ و لا حول و لا قوۃ الا باللہ العزیز الحکیم .

(الزلال الانقی من بحر سبقۃ الاتقی)

اعلان نبوت سے قبل

حضور اقدس ﷺ کی چند پاکیزہ سرگرمیاں

تو نے اسلام دیا، تو نے جماعت میں لیا
اے کریم اب کوئی پھرتا ہے عطیہ تیرا

وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا۔

اور اللہ کا احسان اپنے اوپر یاد کرو، جب تم میں بیر تھا، اس نے تمھارے دلوں میں ملاپ کر دیا، تو اس کے فضل سے تم آپس میں بھائی ہو گئے۔ (آل عمران، ۱۰۳/کنزالایمان)

اعلان نبوت سے قبل حضور اقدس ﷺ کی چند پاکیزہ سرگرمیاں

سفر شام اور بحیریٰ راہب

جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عمر شریف بارہ برس کی ہوئی تو اس وقت ابو طالب نے تجارت کی غرض سے ملک شام کا سفر کیا ابو طالب کو چوں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بہت ہی والہانہ محبت تھی اس لیے وہ آپ کو بھی اس سفر میں اپنے ہمراہ لے گئے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اعلان نبوت سے قبل تین بار تجارتی سفر فرمایا۔ دو مرتبہ ملک شام گئے اور ایک بار یمن تشریف لے گئے۔ یہ ملک شام کا پہلا سفر ہے اس سفر کے دوران ''بصریٰ'' میں بحیریٰ راہب (عیسائی پادری) کے پاس آپ کا قیام ہوا اس نے توراۃ و انجیل میں بیان کی ہوئی نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نشانیوں سے آپ کو دیکھتے ہی پہچان لیا۔ اور بہت ہی عقیدت و احترام کے ساتھ اس نے آپ کے قافلہ والوں کی دعوت کی اور ابو طالب سے کہا کہ یہ سارے جہان کے سردار اور رب العالمین کے رسول ہیں جن کو خدا نے رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا ہے میں نے دیکھا ہے کہ شجر و حجر ان کو سجدہ کرتے ہیں اور ابر ان پر سایہ کرتا ہے اور ان کے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت ہے۔ اس لیے تمھارے اور ان کے حق میں یہی بہتر ہوگا کہ اب تم ان کو لے کر آگے نہ جاؤ اور اپنا مال تجارت یہیں فروخت کر کے بہت جلد مکہ چلے جاؤ کیوں کہ ملک شام میں یہودی لوگ ان کے بہت بڑے دشمن ہیں وہاں پہنچتے ہی وہ لوگ ان کو شہید کر ڈالیں گے۔ بحیریٰ راہب کے کہنے پر ابو طالب کو خطرہ محسوس ہونے لگا چنانچہ انھوں نے وہیں اپنی تجارت کا مال فروخت کر دیا اور بہت جلد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے ساتھ لے کر مکہ مکرمہ واپس آ گئے۔ بحیریٰ راہب نے چلتے وقت انتہائی عقیدت کے ساتھ آپ کو سفر کا کچھ توشہ بھی دیا۔

جنگ فجار

اسلام سے پہلے عربوں میں لڑائیوں کا ایک طویل سلسلہ جاری تھا انھیں لڑائیوں میں سے ایک مشہور لڑائی ''جنگ فجار'' کے نام سے مشہور ہے۔عرب کے لوگ ذوالقعدہ،ذوالحجہ،محرم اور رجب کے ان چار مہینوں کا بے حد احترام کرتے تھے اور ان مہینوں میں لڑائی کرنے کو گناہ جانتے تھے یہاں تک کہ عام طور پر ان مہینوں میں تلواروں کو نیام میں رکھ دیتے۔اور نیزوں کی برچھیاں اتار لیتے تھے مگر اس کے باوجود کبھی کبھی کچھ ایسے ہنگامی حالات درپیش ہو جاتے کہ مجبوراً ان مہینوں میں بھی لڑائیاں کرنی پڑتیں تو ان لڑائیوں کو اہل عرب ''حرب فجار'' (گناہ کی لڑائیاں) کہتے تھے۔سب سے آخری جنگ فجار جو قریش اور قیس کے قبیلوں کے درمیان ہوئی اس وقت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عمر شریف بیس برس کی تھی۔چوں کہ قریش اس جنگ میں حق پر تھے اس لیے ابو طالب وغیرہ اپنے چچاؤں کے ساتھ آپ نے بھی اس جنگ میں شرکت فرمائی مگر کسی پر ہتھیار نہیں اٹھایا صرف اتنا ہی کیا کہ اپنے چچاؤں کو تیر اٹھا اٹھا کر دیتے رہے۔اس لڑائی میں پہلے قیس پھر قریش غالب آئے اور آخر کار صلح پر اس لڑائی کا خاتمہ ہو گیا۔

حلف الفضول

روز روز کی لڑائیوں سے عرب کے سینکڑوں گھرانے برباد ہو گئے تھے،ہر طرف بدامنی اور آئے دن کی لوٹ مار سے ملک کا امن وامان غارت ہو چکا تھا،کوئی شخص اپنی جان و مال کو محفوظ نہیں سمجھتا تھا نہ دن کو چین،نہ رات کو آرام،اس وحشت ناک صورت حال سے تنگ آ کر کچھ صلح پسند لوگوں نے جنگ فجار کے خاتمہ کے بعد ایک اصلاحی تحریک چلائی چنانچہ بنو ہاشم،بنو زہرہ،بنو اسد وغیرہ قبائل قریش کے بڑے بڑے سرداران عبداللہ بن جدعان کے مکان پر جمع ہوئے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا زبیر بن عبد المطلب نے یہ تجویز پیش کی کہ موجودہ حالات کو سدھارنے کے لیے کوئی معاہدہ کرنا چاہیے۔چنانچہ خاندان

قریش کے سرداروں نے بقائے باہم کے اصول پر، ''جیواور جینے دو'' کے قسم کا ایک معاہدہ کیا اور حلف اٹھا کر عہد کیا کہ ہم لوگ :

(۱) ملک سے بے امنی دور کریں گے۔

(۲) مسافروں کی حفاظت کریں گے۔

(۳) غریبوں کی امداد کرتے رہیں گے۔

(۴) مظلوم کی حمایت کریں گے۔

(۵) کسی ظالم یا غاصب کو مکہ میں نہیں رہنے دیں گے۔

اس معاہدہ میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی شریک ہوئے اور آپ کو یہ معاہدہ اس قدر عزیز تھا کہ اعلان نبوت کے بعد آپ فرمایا کرتے تھے کہ اس معاہدہ سے مجھے اتنی خوشی ہوئی کہ اگر اس معاہدہ کے بدلے میں کوئی مجھے سرخ رنگ کے اونٹ بھی دیتا تو مجھے اتنی خوشی نہیں ہوتی۔ اور آج اسلام میں بھی اگر کوئی مظلوم، یا آل حلف الفضول، کہہ کر مجھے مدد کے لیے پکارے تو میں اس کی مدد کے لیے تیار ہوں۔

اس تاریخی معاہدہ کو ''حلف الفضول'' اس لیے کہتے ہیں کہ قریش کے اس معاہدہ سے بہت پہلے مکہ میں قبیلہ جرہم کے سرداروں کے درمیان بھی بالکل ایسا ہی ایک معاہدہ ہوا تھا اور چوں کہ قبیلہ جرہم کے وہ لوگ جو اس معاہدہ کے محرک تھے ان سب لوگوں کا نام ''فضل'' تھا یعنی فضل بن حارث اور فضل بن وداعہ اور فضل بن فضالہ اس لیے اس معاہدہ کا نام حلف الفضول رکھ دیا گیا یعنی ان چند آدمیوں کا معاہدہ جن کے نام فضل تھے۔

ملک شام کا دوسرا سفر

جب آپ کی عمر شریف تقریباً پچیس سال کی ہوئی تو آپ کی امانت وصداقت کا چرچا دور دور تک

پہنچ چکا تھا حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مکہ کی ایک بہت ہی مال دار خاتون تھیں ان کے شوہر کا انتقال ہو چکا تھا ان کو ضرورت تھی کہ کوئی امانت دار آدمی مل جائے تو اس کے ساتھ اپنی تجارت کا مال و سامان ملک شام بھیجیں چنانچہ ان کی نظر انتخاب نے اس کام کے لیے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو منتخب کیا اور کہلا بھیجا کہ آپ میرا مال تجارت لے کر ملک شام جائیں جو معاوضہ میں دوسروں کو دیتی ہوں آپ کی امانت و دیانت داری کی بنا پر میں آپ کو اس کا دوگنا دوں گی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی درخواست منظور فرمالی اور تجارت کا مال و سامان لے کر ملک شام کو روانہ ہو گئے۔ اس سفر میں حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے ایک معتمد غلام ''میسرہ'' کو بھی آپ کے ساتھ روانہ کر دیا تا کہ وہ آپ کی خدمت کرتا رہے جب آپ ملک شام کے مشہور شہر ''بصریٰ'' کے بازار میں پہنچے تو وہاں نسطورا راہب کی خانقاہ کے قریب میں ٹھہرے نسطورا میسرہ کو بہت پہلے سے جانتا تھا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صورت دیکھتے ہی نسطورا میسرہ کے پاس آیا اور دریافت کیا اے میسرہ یہ کون شخص ہیں جو اس درخت کے نیچے اتر پڑے ہیں میسرہ نے جواب دیا کہ یہ مکہ کے رہنے والے ہیں اور خاندان بنو ہاشم کے چشم و چراغ ہیں ان کا نام نامی محمد اور لقب امین ہے (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نسطورا نے کہا کہ سوائے نبی کے اس درخت کے نیچے آج تک کبھی کوئی نہیں اترا اس لیے مجھے یقین کامل ہے کہ نبی آخر الزماں یہی ہیں کیوں کہ آخر نبی کی تمام نشانیاں جو میں نے توریت وانجیل میں پڑھی ہیں وہ سب میں ان میں دیکھ رہا ہوں کاش میں اس وقت زندہ رہتا جب یہ اپنی نبوت کا اعلان کریں گے تو میں ان کی بھرپور مدد کرتا اور پوری جاں نثاری کے ساتھ ان کی خدمت گزاری میں اپنی تمام عمر گزار دیتا اے میسرہ میں تم کو نصیحت اور وصیت کرتا ہوں کہ خبردار ایک لمحہ کے لیے بھی تم ان سے جدا نہ ہونا اور انتہائی خلوص و عقیدت کے ساتھ ان کی خدمت کرتے رہنا کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو خاتم النبیین ہونے کا شرف عطا فرمایا ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بصریٰ کے بازار میں بہت جلد تجارت کا مال فروخت کر کے مکہ مکرمہ واپس آ گئے واپسی میں جب آپ کا قافلہ شہر مکہ میں داخل ہونے لگا تو حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ

تعالٰی عنہا ایک بالا خانہ پر بیٹھی ہوئی قافلہ کی آمد کا منظر دیکھ رہی تھیں جب ان کی نظر حضور علیہ الصلاۃ والسلام پر پڑی تو انھیں ایسا نظر آیا کہ دو فرشتے آپ کے سر پر دھوپ سے سایہ کیے ہوئے ہیں حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے قلب پر اس نورانی منظر کا ایک خاص اثر ہوا اور وہ فرط عقیدت سے انتہائی والہانہ محبت کے ساتھ یہ حسین جلوہ دیکھتی رہیں۔ پھر اپنے غلام میسرہ سے انھوں نے کئی دن کے بعد اس کا ذکر کیا تو میسرہ نے بتایا کہ میں تو پورے سفر میں یہی منظر دیکھتا رہا اور اس کے علاوہ میں نے بہت سی عجیب وغریب باتوں کا مشاہدہ کیا ہے۔ پھر میسرہ نے نسطورا راہب کی گفتگو اور اس کی عقیدت و محبت کا تذکرہ بھی کیا۔ یہ سن کر حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کو آپ سے بے پناہ قلبی تعلق اور بے حد عقیدت و محبت ہوگئی اور یہاں تک ان کا دل جھک گیا کہ انھیں آپ سے نکاح کی رغبت ہوگئی۔

حضرت خدیجہ سے نکاح

حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ تعالٰی عنہا مال و دولت کے ساتھ انتہائی شریف اور عفت مآب خاتون تھیں اہل مکہ ان کی پاک دامنی اور پارسائی کی وجہ سے ان کو طاہرہ کہا کرتے تھے ان کی عمر چالیس سال کی ہو چکی تھی پہلے ان کا نکاح ابوہالہ بن زرارہ تمیمی سے ہوا تھا اور ان سے دو لڑکے ہند بن ابوہالہ اور ہالہ بن ابوہالہ پیدا ہو چکے تھے۔ پھر ابوہالہ کے انتقال کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے دوسرا نکاح عتیق بن عائذ مخزومی سے کیا ان سے بھی دو اولاد ہوئیں ایک لڑکا عبداللہ بن عتیق اور ایک لڑکی ہند بنت عتیق حضرت خدیجہ کے دوسرے شوہر عتیق کا بھی انتقال ہو چکا تھا۔ بڑے بڑے سرداران قریش ان کے ساتھ عقد نکاح کے خواہش مند تھے لیکن انھوں نے سب پیغاموں کو ٹھکرا دیا مگر حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پیغمبرانہ اخلاق وعادات کو دیکھ کر اور آپ کے حیرت انگیز حالات کو سن کر یہاں تک ان کا دل آپ کی طرف مائل ہو گیا کہ خود بخود ان کے قلب میں آپ سے نکاح کی رغبت پیدا ہوگئی۔ کہاں تو بڑے بڑے مالداروں اور شہر مکہ کے سرداروں کے پیغاموں کو رد کر چکی تھیں اور یہ طے کر چکی تھیں کہ اب چالیس برس کی عمر میں تیسرا نکاح نہیں

کروں گی اور کہاں خود ہی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہ کو بلایا جو ان کے بھائی عوام بن خویلد کی بیوی تھیں ان سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کچھ ذاتی حالات کے بارے میں مزید معلومات حاصل کیں پھر نفیسہ بنت امیہ کے ذریعہ خود ہی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس نکاح کا پیغام بھیجا۔

مشہور امام سیرت محمد بن اسحاق نے لکھا ہے کہ اس رشتہ کو پسند کرنے کی جو وجہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بیان کی ہے وہ خود ان کے الفاظ میں یہ ہے۔

انی قد رغبت فیک لحسن خلقک و صدق حدیثک.

یعنی میں نے آپ کے اچھے اخلاق اور آپ کی سچائی کی وجہ سے آپ کو پسند کیا۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس رشتہ کو اپنے چچا ابو طالب اور خاندان کے دوسرے بڑے بوڑھوں کے سامنے پیش فرمایا۔ بھلا حضرت خدیجہ جیسی پاک دامن شریف، عقلمند اور مال دار عورت سے شادی کرنے کو کون نہ کہتا؟ سارے خاندان والوں نے نہایت خوشی کے ساتھ اس رشتہ کو منظور کرلیا اور نکاح کی تاریخ مقرر ہوئی اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت حمزہ اور ابو طالب وغیرہ اپنے چچاؤں اور خاندان کے دوسرے افراد اور شرفاء بنی ہاشم و سرداران مضر کو اپنی برات میں لے کر حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مکان پر تشریف لے گئے اور نکاح ہوا۔ اس نکاح کے وقت ابو طالب نے نہایت ہی فصیح و بلیغ خطبہ پڑھا اس خطبہ سے بہت اچھی طرح اس بات کا اندازہ ہو جاتا ہے کہ اعلان نبوت سے پہلے آپ کے خاندانی بڑے بوڑھوں کا آپ کے متعلق کیسا خیال تھا اور آپ کے اخلاق و عادات نے ان لوگوں پر کیسا اثر ڈالا تھا، ابو طالب کے اس خطبہ کا ترجمہ یہ ہے۔

تمام تعریفیں اس خدا کے لیے ہیں جس نے ہم لوگوں کو حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کی نسل اور حضرت اسماعیل علیہ الصلاۃ والسلام کی اولاد میں بنایا اور ہم کو معد اور مضر کے خاندان میں پیدا فرمایا اور

اپنے گھر (کعبہ معظمہ) کا نگہبان اور اپنے حرم کا منتظم بنایا اور ہم کو علم و حکمت والا گھر اور امن والا حرم عطا فرمایا اور ہم کو لوگوں پر حاکم بنایا۔

یہ میرے بھائی کا فرزند محمد بن عبداللہ ہے یہ ایک ایسا جوان ہے کہ قریش کے جس شخص کا بھی اس کے ساتھ موازنہ کیا جائے یہ اس سے ہر شان میں بڑھا ہوا ہی رہے گا ہاں مال اس کے پاس کم ہے لیکن مال تو ایک ڈھلتی ہوئی چھاؤں اور ادل بدل ہونے والی چیز ہے۔

امابعد، میرا بھتیجا محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) وہ شخص ہے جس کے ساتھ میری قرابت اور قربت و محبت کو تم لوگ اچھی طرح جانتے ہو وہ خدیجہ بنت خویلد سے نکاح کرتا ہے اور میرے مال میں سے بیس اونٹ مہر مقرر کرتا ہے اور اس کا مستقبل بہت ہی تابناک، عظیم الشان اور جلیل القدر ہے۔

حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تقریباً ۲۵ ر پچیس برس تک حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی خدمت میں رہیں اور ان کی زندگی میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کوئی دوسرا نکاح نہیں فرمایا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ایک فرزند حضرت ابراہیم کے سوا باقی آپ کی تمام اولاد حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئیں۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنی ساری دولت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قدموں پر قربان کر دی اور اپنی تمام عمر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی غم گساری اور خدمت میں نثار کر دی۔

مخصوص احباب

اعلان نبوت سے قبل جو لوگ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مخصوص احباب و رفقا تھے وہ سب نہایت ہی بلند اخلاق، عالی مرتبہ، ہوش مند اور باوقار لوگ تھے ان مین سب سے زیادہ مقرب حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے جو برسوں آپ کے ساتھ وطن اور سفر میں رہے، اور تجارت نیز دوسرے کاروباری

معاملات میں ہمیشہ آپ کے شریک کار وراز دار رہے۔ اسی طرح حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے چچا زاد بھائی حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو قریش کے نہایت ہی معزز رئیس تھے اور جن کا ایک خصوصی شرف یہ ہے کہ ان کی ولادت خانہ کعبہ کے اندر ہوئی تھی یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مخصوص احباب میں خصوصی امتیاز رکھتے تھے۔

حضرت ضماد بن ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو زمانہ جاہلیت میں طبابت اور جراحی کا پیشہ کیا کرتے تھے یہ بھی احباب خاص میں تھے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اعلان نبوت کے بعد یہ اپنے گاؤں سے مکہ آئے تو کفار قریش کی زبانی یہ پروپیگنڈہ سنا کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) مجنون ہو گئے ہیں پھر یہ دیکھا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم راستہ میں تشریف لے جا رہے ہیں اور آپ کے پیچھے لڑکوں کا ایک غول ہے جو شور مچا رہا ہے یہ دیکھ کر حضرت ضماد بن ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کچھ شبہ پیدا ہوا اور پرانی دوستی کی بنا پر ان کو انتہائی رنج وقلق ہوا۔ چنانچہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہنے لگے اے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) میں طبیب ہوں اور جنون کا علاج کر سکتا ہوں یہ سن کر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خدا کی حمد وثنا کے بعد چند جملے ارشاد فرمائے جن کا حضرت ضماد بن ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قلب پر اتنا گہرا اثر پڑا کہ وہ فوراً ہی مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

حضرت قیس بن سائب مخزومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تجارت کے کاروبار میں آپ کے شریک کار رہا کرتے تھے اور آپ کے گہرے دوستوں میں سے تھے یہ کہا کرتے تھے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا معاملہ اپنے تجارتی شرکاء کے ساتھ ہمیشہ نہایت ہی صاف ستھرا رہتا تھا اور کبھی کوئی جھگڑا پیش نہیں آتا تھا۔

غیر معمولی کردار

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا زمانۂ طفولیت ختم ہوا اور جوانی کا زمانہ آیا تو بچپن کی طرح

آپ کی جوانی بھی عام لوگوں سے نرالی تھی، آپ کا شباب مجسم حیا اور چال چلن عصمت و وقار کا کامل نمونہ تھا، اعلان نبوت سے قبل حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تمام زندگی بہترین اخلاق و عادات کا خزانہ تھی سچائی، دیانت داری، وفاداری، عہد کی پابندی، بزرگوں کی عظمت، چھوٹوں پر شفقت، رشتہ داروں سے محبت، رحم وسخاوت، قوم کی خدمت، دوستوں سے ہمدردی، عزیزوں کی غمخواری، غریبوں اور مفلسوں کی خبر گیری، دشمنوں کے ساتھ نیک برتاؤ، مخلوق خدا کی خیر خواہی، غرض تمام نیک خصلتوں اور اچھی اچھی باتوں میں آپ اتنی بلند منزل پر پہنچے ہوئے تھے کہ دنیا کے بڑے بڑے انسانوں کے لیے وہاں تک رسائی تو کیا اس کا تصور بھی ممکن نہیں ہے۔

کم بولنا، فضول باتوں سے نفرت کرنا، خندہ پیشانی اور خوش روئی کے ساتھ دوستوں اور دشمنوں سے ملنا، ہر معاملہ میں سادگی اور صفائی کے ساتھ بات کرنا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خاص شیوہ تھا، حرص، طمع، دغا، فریب، جھوٹ، شراب خوری، بدکاری، ناچ گانا، لوٹ مار، چوری، فحش گوئی اور عشق بازی یہ تمام بری عادتیں اور مذموم خصلتیں جو زمانۂ جاہلیت میں گویا ہر بچے کے خمیر میں ہوتی تھیں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی ان تمام عیوب و نقائص سے پاک و صاف رہی۔ آپ کی راست بازی اور امانت و دیانت کا پورے عرب میں شہرہ تھا اور مکہ کے ہر چھوٹے بڑے کے دلوں میں آپ کے برگزیدہ اخلاق کا اعتبار اور سب کی نظروں میں آپ کا ایک خاص وقار تھا۔

بچپن سے تقریباً چالیس برس کی عمر شریف ہوگئی لیکن زمانۂ جاہلیت کے ماحول میں رہنے کے باوجود تمام مشرکانہ رسوم اور جاہلانہ اطوار سے ہمیشہ آپ کا دامن عصمت پاک رہا۔ مکہ شرک و بت پرستی کا سب سے بڑا مرکز تھا، خود خانۂ کعبہ میں تین سو ساٹھ بتوں کی پوجا ہوتی تھی، آپ کے خاندان والے ہی کعبہ کے متولی اور سجادہ نشین تھے لیکن اس کے باوجود آپ نے کبھی بھی بتوں کے آگے سر نہیں جھکایا، غرض نزول وحی اور اعلان نبوت سے پہلے بھی آپ کی مقدس زندگی اخلاق حسنہ اور محاسن افعال کا مجسمہ اور تمام عیوب

ونقائص سے پاک وصاف رہی۔ چنانچہ اعلان نبوت کے بعد آپ کے دشمنوں نے انتہائی کوشش کی کہ کوئی ادنیٰ سا عیب یا ذرا سی خلاف تہذیب کوئی بات آپ کی زندگی کے کسی دور میں بھی مل جائے تو اس کو اچھال کر آپ کے وقار پر حملہ کر کے لوگوں کی نگاہوں میں آپ کو ذلیل وخوار کردیں مگر تاریخ گواہ ہے کہ ہزاروں دشمن سوچتے سوچتے تھک گئے لیکن کوئی ایک واقعہ بھی ایسا نہیں مل سکا جس سے وہ آپ پر انگشت نمائی کر سکیں لہٰذا ہر انسان اس حقیقت کے اعتراف پر مجبور ہے کہ بلاشبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کردار، انسانیت کا ایک ایسا محیر العقول اور غیر معمولی کردار ہے جو نبی کے سوا کسی دوسرے کے لیے ممکن ہی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اعلان نبوت کے بعد سعید روحیں آپ کا کلمہ پڑھ کر تن من دھن کے ساتھ اس طرح آپ پر قربان ہونے لگیں کہ ان کی جاں نثاریوں کو دیکھ کر شمع کے پروانوں نے جاں نثاری کا سبق سیکھا اور حقیقت شناس لوگ فرط عقیدت سے آپ کے حسن صداقت پر اپنی عقلوں کو قربان کر کے آپ کے بتائے ہوئے اسلامی راستہ پر عاشقانہ اداؤں کے ساتھ زبان حال سے یہ کہتے ہوئے چل پڑے کہ :

چلو وادی عشق میں پا برہنہ
یہ جنگل وہ ہے جس میں کانٹا نہیں ہے

(مولف)

(مدارج النبوۃ دوم، سیرت مصطفیٰ)

خانۂ کعبہ کی تعمیر

إن أول بيت وضع للناس للذي ببكة مباركا وهدى للعالمين۔

بے شک سب میں پہلا گھر جو لوگوں کی عبادت کو مقرر ہوا، وہ ہے جو مکہ میں ہے، برکت والا اور سارے جہان کا راہ نما۔ (آل عمران، ۹۶/کنزالایمان)

خانۂ کعبہ کی تعمیر

آپ کی راست بازی اور امانت و دیانت کی بدولت خداوند عالم نے آپ کو اس قدر مقبول خلائق بنادیا اور عقل سلیم اور بے مثال دانائی کا ایسا عظیم جوہر عطا فرمادیا کہ کم عمری میں آپ نے عرب کے بڑے بڑے سرداروں کے جھگڑوں کا ایسا لاجواب فیصلہ فرمادیا کہ بڑے بڑے دانشوروں اور سرداروں نے اس فیصلہ کی عظمت کے آگے سر جھکادیا۔ اور سب نے بالاتفاق آپ کو اپنا حکم اور سردار اعظم تسلیم کرلیا۔

چنانچہ اس قسم کا ایک واقعہ تعمیر کعبہ کے وقت پیش آیا جس کی تفصیل یہ ہے کہ جب آپ کی عمر ۳۵ برس کی ہوئی تو زوردار بارش سے حرم کعبہ میں ایسا عظیم سیلاب آگیا کہ کعبہ کی عمارت بالکل ہی منہدم ہوگئی۔ حضرت ابراہیم و حضرت اسماعیل علیہما السلام کا بنایا ہوا کعبہ بہت پرانا ہو چکا تھا۔ عمالقہ، قبیلہ جرہم اور قصی وغیرہ اپنے اپنے وقتوں میں اس کعبہ کی تعمیر و مرمت کرتے رہے تھے مگر چوں کہ عمارت نشیب میں تھی اس لیے پہاڑیوں سے برساتی پانی کے بہاؤ کا زوردار دھارا وادی مکہ سے ہو کر گزرتا تھا اور اکثر حرم کعبہ میں سیلاب آجاتا تھا، کعبہ کی حفاظت کے لیے بالائی حصہ میں قریش نے کئی بند بھی بنائے تھے مگر وہ بند بار بار ٹوٹ جاتے تھے اس لیے قریش نے یہ طے کیا کہ عمارت کو ڈھا کر پھر سے کعبہ کی ایک مضبوط عمارت بنائی جائے جس کا دروازہ بلند ہو اور چھت بھی ہو، چنانچہ قریش نے مل جل کر تعمیر کا کام شروع کردیا۔

اس تعمیر میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی شریک ہوئے اور سرداران قریش کے دوش بدوش پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے رہے۔ مختلف قبیلوں نے تعمیر کے لیے مختلف حصے آپس میں تقسیم کرلیے جب عمارت، حجر اسود تک پہنچ گئی تو قبائل میں سخت جھگڑا کھڑا ہوگیا۔ ہر قبیلہ یہی چاہتا تھا کہ ہم حجر اسود کو اٹھا کر دیوار میں نصب کریں تاکہ ہمارے قبیلہ کے لیے یہ فخر و اعزاز کا باعث بن جائے۔ اس کشمکش میں چار دن گزر گئے یہاں تک نوبت پہنچی کہ تلواریں نکل آئیں۔ بنو عبدالدار اور بنو عدی کے قبیلوں نے تو اس پر جان کی بازی لگادی

اور زمانۂ جاہلیت کے دستور کے مطابق اپنی قسموں کو مضبوط کرنے کے لیے ایک پیالہ میں خون بھر کر اپنی انگلیاں اس میں ڈبو کر چاٹ لیں۔

پانچویں دن حرم کعبہ میں تمام قبائل عرب جمع ہوئے اور اس جھگڑے کو طے کرنے کے لیے ایک بڑے بوڑھے شخص نے یہ تجویز پیش کی کہ کل جو شخص صبح سویرے سب سے پہلے حرم کعبہ میں داخل ہو اس کو پنچ مان لیا جائے وہ جو فیصلہ کر دے سب اس کو تسلیم کر لیں چنانچہ سب نے یہ بات مان لی۔ خدا کی شان کہ صبح کو جو شخص حرم کعبہ میں داخل ہوا وہ حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی تھے آپ کو دیکھتے ہی سب پکار اٹھے کہ واللہ یہ امین ہیں۔ لہٰذا ہم سب ان کے فیصلے پر راضی ہیں آپ نے اس جھگڑے کا تصفیہ فرمایا کہ پہلے آپ نے یہ حکم دیا کہ جس جس قبیلہ کے لوگ حجر اسود کو اس کے مقام پر رکھنے کے مدعی ہیں ان کا ایک سردار چن لیا جائے۔ چنانچہ ہر قبیلہ والوں نے اپنا اپنا سردار چن لیا پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی چادر مبارک کو بچھا کر حجر اسود کو اس پر رکھا اور سرداروں کو حکم دیا کہ سب لوگ اس چادر کو تھام کر مقدس پتھر کو اٹھائیں۔ چنانچہ سب سرداروں نے چادر کو اٹھایا اور جب حجر اسود اپنے مقام تک پہنچ گیا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے متبرک ہاتھوں سے اس مقدس پتھر کو اٹھا کر اس کی جگہ پر رکھ دیا۔ اس طرح ایک ایسی خوں ریز لڑائی ٹل گئی جس کے نتیجے میں نہ معلوم کتنا خون خرابہ ہوتا۔ (سیرت ابن ہشام)

خانہ کعبہ کی عمارت بن گئی لیکن تعمیر کے لیے جو سامان جمع کیا گیا تھا وہ کم پڑ گیا اس لیے ایک طرف کا کچھ حصہ باہر چھوڑ کر نئی بنیاد قائم کر کے چھوٹا سا کعبہ بنا لیا گیا، کعبہ معظمہ کا یہی حصہ جس کو قریش نے عمارت سے باہر چھوڑ دیا "حطیم" کہلاتا ہے جس میں کعبہ معظمہ کی چھت کا پرنالہ گرتا ہے۔

کعبہ کتنی بار تعمیر کیا گیا؟

حضرت علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے "تاریخ مکہ" میں تحریر فرمایا ہے کہ خانہ کعبہ

دس مرتبہ تعمیر کیا گیا۔

(۱) سب سے پہلے فرشتوں نے ٹھیک ''بیت المعمور'' کے سامنے زمین پر خانہ کعبہ کو بنایا۔

(۲) پھر حضرت آدم علیہ السلام نے اس کی تعمیر فرمائی۔

(۳) اس کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کے فرزندوں نے اس عمارت کو بنایا۔

(۴) اس کے بعد حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور ان کے فرزند ارجمند حضرت اسماعیل علیہما الصلاۃ والسلام نے اس مقدس گھر کو تعمیر کیا جس کا تذکرہ قرآن مجید میں ہے۔

(۵) قوم عمالقہ کی عمارت۔

(۶) اس کے بعد قبیلہ جرہم نے اس کی عمارت بنائی۔

(۷) قریش کے مورث اعلیٰ ''قصی بن کلاب'' کی تعمیر۔

(۸) قریش کی تعمیر جس میں خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی شرکت فرمائی اور قریش کے ساتھ خود بھی اپنے دوش مبارک پر پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے رہے۔

(۹) حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دور خلافت میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تجویز کردہ نقشہ کے مطابق تعمیر کیا۔ یعنی حطیم کی زمین کو کعبہ میں داخل کر دیا اور دروازہ سطح زمین کے برابر نیچا رکھا اور ایک دروازہ مشرق کی جانب اور ایک دروازہ مغرب کی سمت بنا دیا۔

(۱۰) عبدالملک بن مروان اموی کے ظالم گورنر حجاج بن یوسف ثقفی نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو شہید کر دیا اور ان کے بنائے ہوئے کعبہ کو ڈھا دیا اور پھر زمانۂ جاہلیت کے نقشے کے مطابق کعبہ بنا دیا جو آج تک موجود ہے۔

لیکن حضرت علامہ حلبی علیہ الرحمہ نے اپنی سیرت میں لکھا ہے کہ نئے سرے سے کعبہ کی تعمیر جدید صرف تین ہی مرتبہ ہوئی ہے۔

(۱) حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی تعمیر

(۲) زمانۂ جاہلیت میں قریش کی عمارت اور ان دونوں تعمیروں میں دو ہزار سات سو پینتیس ۲۷۳۵ برس کا فاصلہ ہے۔

(۳) حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی تعمیر جو قریش کی تعمیر کے بیاسی سال بعد ہوئی۔

حضرات ملائکہ اور حضرت آدم علیہ السلام اور ان کے فرزندوں کی تعمیرات کے بارے میں علامہ حلبی نے فرمایا یہ صحیح روایتوں سے ثابت ہی نہیں ہے، باقی تعمیروں کے بارے میں انھوں نے لکھا کہ یہ عمارت میں معمولی ترمیم، یا ٹوٹ پھوٹ کی مرمت تھی، تعمیر جدید نہیں تھی۔

(مدارج النبوۃ، جلد دوم۔ سیرت مصطفیٰ)

مصلحت کے باعث حضور نے تعمیر کعبہ نہیں فرمائی

ایک جگہ امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں :

قریش نے جب زمانۂ جاہلیت میں کعبہ از سرنو بنایا تو کچھ تنگیٔ خرچ، کچھ اپنی اغراض فاسدہ سے بنائے جلیل حضرت خلیل صلی اللہ تعالیٰ علی ابنہ وعلیہ وبارک وسلم میں بہت تغیرات کر دیں، دو دروازہ غربی و شرقی سے صرف ایک در شرقی رکھا اور اسے بھی زمین سے بہت بلندی پر نکالا کہ جسے چاہیں داخلی سے مشرف ہونے دیں جسے چاہیں محروم رکھیں، گزوں زمین جانب شمال چھوڑ دی کہ عمارت بڑھانے میں خرچ زیادہ درکار تھا بآں کہ یہ صریح بدعت جاہلیت وتغییر سنت ابراہیمی علیہ الصلاۃ والتسلیم تھی مگر حضور سید المرسلین صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے محض بغرض حفظ دین نو مسلمین اسے قائم و برقرار رکھا کہ تغییر بے ہدم عمارت موجود نہ ہوتی خدا جانے ان کے دلوں میں کیا وسوسہ گزرے۔

صحیحین میں ہے:

عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها سألت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم عن الجدر امن البیت هوَ قال نعم قلت فما لهم لم یدخلوه فی البیت قال ان قومک قصرت بهم النفقة قلت فما شان بابه مرتفعا قال فعل ذلک قومک لیدخلوا من شاؤا و یمنعوا من شاؤا و لولا ان قومک حدیث عهدهم بالجاهلیة فاخاف ان تنکر قلوبهم ان ادخل الجدر فی البیت و ان الصق بابه بالارض.

و فی اخری ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم قال لها یا عائشة لولا ان قومک حدیث بجاهلیة لامرت بالبیت فهدم فادخلت فیه ما اخرج منه و الزقته بالارض و جعلت له بابین بابا شرقیا و بابا غربیا فبنیت به اساس ابراهیم.

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا حطیم بھی بیت اللہ میں ہے؟ فرمایا کہ ہاں میں نے عرض کی تو پھر کیوں اس کو بیت اللہ میں شامل نہیں کیا حضور نے فرمایا کہ تمھاری قوم میں نفقہ کی تنگی ہوگئی تھی، میں نے عرض کی کہ اس کے دروازہ کو اتنی بلندی پر کیوں نکالا حضور نے فرمایا ایسا اس لیے کہ جسے چاہیں داخل ہونے دیں اور جسے چاہیں روک دیں۔ اگر وہ لوگ زمانۂ جاہلیت سے نزدیک نہ ہوتے جس کے باعث مجھے خوف ہے کہ ان کے دل ناپسند کریں گے تو میں حطیم کو بیت اللہ میں داخل کر دیتا اور اسکے دروازہ کو زمین سے ملا دیتا۔

اور دوسری روایت میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ

عنہا سے فرمایا کہ اگر تمھاری قوم زمانۂ جاہلیت سے قریب نہ ہوتی تو میں موجودہ عمارت کو ڈھا کر حطیم کو اس میں داخل کر دیتا جس کو ان لوگوں نے بیت اللہ سے نکال دیا ہے اور اس کے دروازہ کو زمین سے ملا دیتا اور اس کے دو دروازے بناتا ایک شرقی اور ایک غربی، پھر حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کی بنیاد پر عمارت بناتا۔ (مولف) (فتاویٰ رضویہ ج ۵، ص ۵۹۵۔ اطائب التہانی)

کعبے کی قندیل

امام احمد رضا بریلوی ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں:

علامہ قطب الدین مکی حنفی معاصر امام ابن حجر مکی رحمہما اللہ تعالیٰ کتاب الاعلام باعلام بیت اللہ الحرام ص ۳۰ میں اس واقعہ کا ذکر فرماتے ہیں:

جب سلطان مراد خان بن سلطان سلیم خاں بن سلیمان خان رحمہم الرحمٰن نے ۹۸۴ھ کو باب عالی سے سونے کی تین قندیلیں بیش بہا جواہرات سے مرصع محمد چاویش خاں کے ہاتھ حاضر کی ہیں کہ وہ کعبہ معظمہ کے اندر آویزاں کی جائیں۔ اور ایک حجرہ مزار اطہر میں چہرۂ انور کے مقابل۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

جب مکہ معظمہ میں آئے حضرت شریف مکہ سیدی حسن بن ابی نبی حسنی اور ناظر حرم محترم قاضی مدینہ منورہ شیخ الاسلام سید العلماء سید حسین حسینی مکی اور قاضی مکہ معظمہ مولانا مصلح الدین لطفی بگ زادہ مع جملہ اعیان واکابر حرم محترم میں حاضر ہوئے۔

فرماتے ہیں کہ:

وكافة العلماء و الفقهاء و الموالي

یعنی مکہ معظمہ کے تمام علماء و فقہاء و سردار، گرد کعبہ معظمہ جمع ہوئے۔ پھر آستانۂ عالیہ کی طرف سے

حضرت شریف و دیگر عظماً کو خلعت پہنائے گئے، کعبہ معظمہ کا دروازہ کھولا گیا، سیدنا الشریف نے خلعت پہنا اور طواف کعبہ معظمہ کیا، ادھر وہ طواف میں ہیں ادھر رئیس مؤذناں قبہ زمزم پر سلطنت و شریف کے لیے بآواز بلند دعا کر رہا ہے اور تمام حاضرین دعا و آمین میں مشغول ہیں۔

بعد فراغ طواف و رکعتین طواف حضرت شریف کعبہ معظمہ کے اندر حاضر ہوئے اور اپنے دست مبارک سے قندیلیں آویزاں کیں۔ سب حاضرین جملہ علماء و فقہاء و امراء و عظماً نے فاتحہ پڑھی اور دعائیں کیں اور جلسہ ختم ہوا۔

علامہ ممدوح فرماتے ہیں: و کان یوما شریفا مشهودا و وقتا مبارکا متیمنا مسعودا

وہ دن بزرگ اور تمام اعیان مکہ کی حاضری کا تھا اور وہ وقت مبارک اور فرخندہ باسعادت تھا۔

پھر محمد چاویش باقی قندیل لے کر سرکار اعظم مدینہ طیبہ حاضر ہوئے۔

(فتاوٰی رضویہ ج ۴، ص ۱۵۵۔ بریق المنار)

مسجد حرام کی توسیع کے لیے جنت کی ضمانت

سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مکہ معظمہ میں کسی سے فرمایا کہ اپنا گھر میرے ہاتھ بیچ ڈال کہ مسجد حرام میں زیادت فرماؤں اور تیرے لیے جنت میں مکان کا ضامن ہوں اس نے عذر کیا پھر فرمایا انکار کیا۔ عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کو خبر ہوئی یہ شخص زمانۂ جاہلیت میں ان کا دوست تھا اس سے باصرار تمام دس ہزار اشرفی دے کر خرید لیا پھر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے عرض کی کہ حضور اب وہ گھر میرا ہے

فهل انت اخذها ببيت تضمن لي في الجنة

کیا حضور مجھ سے ایک مکان بہشت کے عوض لیتے ہیں جس کے حضور میرے لیے ضامن

ہوجائیں۔ قال نعم فرمایا ہاں۔

فاخذها منه و ضمن له بيتا في الجنة و اشهد له على ذلك المومنين .

حضور نے ان سے وہ مکان لے کر جنت میں ان کے لیے ایک مکان کی ضمانت فرمائی اور مسلمانوں کو اس معاملہ پر گواہ کرلیا۔

احمد حاکمی نے اسے فضائل عثمان میں سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا۔

(الامن والعلی)

۱

وحی کا بیان

وہ دہن جس کی ہر بات وحیِ خدا
چشمۂ علم و حکمت پہ لاکھوں سلام

إنا أوحينا إليك كما أوحينا إلى نوح و النبيين من بعده

بے شک اے محبوب! ہم نے تمھاری طرف وحی بھیجی جیسے وحی نوح اور اس کے بعد پیغمبروں کو بھیجی۔

(النساء/۱۶۳)

وحی کا بیان

وحی کی ابتداء

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عمر مبارک چالیس سال کی ہوئی تو وحی و بشارت کا ظہور ہوا جس سے آفاق عالم منور ہو گیا، اس نور وحی کا ظہور دوشنبہ کے روز آٹھ یا تین ربیع الاول کو ۴۱ھ میلاد، عام الفیل میں (بقول صحیح) ہوا۔

ایک جماعت آیۂ کریمہ **شهر رمضان الذی أنزل فیه القران** (رمضان کا وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا) اور ارشاد باری تعالیٰ **إنا أنزلناه فی لیلة القدر** (ہم نے قرآن کو لیلۃ القدر میں نازل فرمایا) سے خیال کرتی ہے کہ وحی کی ابتداء رمضان مبارک میں ہوئی اس لیے کہ حق تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر از قسم نبوت سب سے پہلے جس چیز کا اکرام فرمایا وہ نزول قرآن ہے اور چوں کہ فرمایا ہے کہ نزول قرآن رمضان میں ہوا ہے اس سے ثابت ہوا کہ وحی کی ابتداء بھی رمضان مین ہوئی ہوگی۔

لیکن اکثر مفسرین کا خیال یہ ہے کہ پورا قرآن بیک بار رمضان مبارک کی لیلۃ القدر میں لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر نازل ہوا اور وہاں سے بلحاظ مصلحت اور باعتبار واقعات ۲۳ تئیس سال کی مدت تک تھوڑا تھوڑا اترتا رہا۔ گو واقعات کے اعتبار سے قرآن کا نزول لوح محفوظ کی ترتیب کے خلاف ہوا لیکن اب جو مصاحف میں مرقوم ہے وہ اسی لوح محفوظ کی ترتیب پر ہے اس کی مثال یوں سمجھئے جیسے کسی فقہ کی کتاب میں خاص ترتیب سے ہر قسم کے مسائل درج ہوں اور لوگ اپنی ضرورت و احتیاج کے مطابق اس فقہ کی کتاب سے آگے پیچھے سے مسائل نکالتے ہوں۔

بعض کے نزدیک ابتداءِ وحی ماہ رجب میں ہوئی یہ قول شاذ ونادر ہے۔

غارِ حراء میں خلوت گزینی

منقول ہے کہ جب ظہور نبوت کا وقت قریب ہوا تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خلوت اور لوگوں سے یکسوئی محبوب کر دی گئی۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کوہ حراء میں جسے جبل نور بھی کہتے ہیں (مکہ مکرمہ سے تقریباً تین میل کی دوری پر واقع ہے) خلوت نشینی اختیار فرمائی اس جگہ سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جمال کعبہ سے چشم مبارک کو روشن بھی فرماتے اور عبادت الٰہی بھی کرتے اور رب العزت کی جانب متوجہ ہو کر استغراق میں بیٹھا بھی کرتے۔

اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ ایسی خلوت میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عبادت فکر سے تھی یا ذکر سے، لیکن مذہب مختار یہ ہے کہ قلبی وزبانی ذکر سے تھی اور حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کی شریعت میں سے جو کچھ آپ کے نزدیک ثابت تھا یا ہر وہ چیز جو آپ کے نزدیک انبیائے سابقین علیہم الصلاۃ والسلام کی شریعت میں سے ثابت تھی یا جو چیز آپ کی بصیرت میں مستحسن تھی اس پر عمل فرماتے تھے۔

آپ اپنے کاشانۂ اقدس سے کچھ طعام لے جایا کرتے اور جب طعام ختم ہو جاتا یا گھر والوں کی جانب رجحان ہوتا تو پہاڑ سے اتر آتے، اس کے بعد آپ توشہ لے کر دوبارہ تشریف لے جاتے۔

بعض روایتوں میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر سال ایک مرتبہ مکہ کی بستی سے تشریف لے جاتے اور ایک ماہ غار حرا میں خلوت گزیں رہتے جب ایام وحی قریب آئے تو آپ نے خلوت و عبادت میں کثرت کر دی اور التزام شروع فرما دیا یکایک آپ پر حق کا ظہور ہوا، وحی اتری اور قرآن مجید نازل ہوا۔

تنبیہ

کوئی یہ خیال نہ کرے کہ نبوت کا ظہور اور وحی کا ورود، ریاضت و مجاہدہ اور عبادت کے اثر سے تھا اس لیے کہ نبوت، حق تعالیٰ کی محض عنایت و موہبت ہے اس میں کسب و عمل کا کوئی دخل نہیں۔ ہاں ولایت میں کسب و ریاضت سے البتہ کچھ نسبت و تعلق ہے اور اس میں اس کی تاثیر کا کچھ دخل ہے کیوں کہ اس کے ذریعہ بعض جہانوں کا کشف، بعض روحانیت کا مشاہدہ اور بعض معانی کا الہام حاصل ہو جاتا ہے۔ لیکن نبوت قرب خاص اور ایک مخصوص نسبت ہے جس کا تعلق وحی آسمانی سے ہے اس کے حامل روح القدس ہیں جنھیں روح الامین اور جبریل کہتے ہیں علیہ الصلاۃ والسلام، یہ منصب رفیع محض اصطفاء اور اجتباء الٰہی سے حاصل ہوتا ہے۔

نزول جبریل اور پہلی وحی

چنانچہ جب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں فرشتہ وحی لے کر حاضر ہوا تو اس نے کہا اے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) آپ کو مژدہ ہو کہ میں جبریل ہوں اور مجھے حق تعالیٰ نے آپ کے پاس بھیجا ہے آپ امت کی جانب خدا کے رسول ہیں، آپ جن و انس کو کلمۂ طیبہ لا الہ الا اللہ کی دعوت دیجیے اور کہا اے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) پڑھیے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا میں پڑھنے والا نہیں یا میں پڑھنا نہیں جانتا۔ مطلب یہ کہ میں امی ہوں کسی سے میں نے پڑھنا لکھنا نہیں سیکھا ہے۔ اس کے بعد جبریل نے اپنی آغوش میں لیا اور پوری طاقت صرف کی جتنی کہ میری اس کے ساتھ تھی۔

حدیث کے لفظ دو معنیٰ کے متحمل ہیں ایک یہ کہ جبریل نے آغوش میں لے کر اپنی پوری طاقت جتنی اس میں تھی مجھ پر صرف کی اور وہ بے بس ہو گئے۔ دوسرے معنی یہ کہ جتنی میری طاقت تھی اتنی زور سے مجھے آغوش میں لے لیا اور میں بے طاقت ہو کر بے بس ہو گیا، لیکن درست پہلے ہی معنی ہیں شارحین نے اس کی تصریح کی ہے۔

پھر جبریل نے حضور کو چھوڑ کر دوبارہ کہا پڑھئے میں نے کہا میں پڑھنے والا نہیں ہوں، جبریل نے پھر آغوش میں لیا اور بھینچا پھر چھوڑ کر کہا پڑھئے، میں نے کہا میں پڑھنے والا نہیں، تیسری مرتبہ پھر جبریل نے آغوش میں لیا اور بھینچا اور کہا اقرء باسم ربک الذی خلق خلق الإنسان من علق اقرء و ربک الاکرم الذی علم بالقلم علم الانسان ما لم یعلم.

یعنی پڑھئے اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا، آدمی کو خون کی پھٹک سے بنایا، پڑھئے اور تمھارا رب ہی سب سے بڑا کریم ہے جس نے قلم سے لکھنا سکھایا آدمی کو وہ سکھایا جو نہ جانتا تھا۔

جبریل کے دبانے میں حکمت

جبریل علیہ الصلاۃ والسلام کا آغوش میں لے کر دبانا یہ ایک قسم کا حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وجود گرامی میں ملکوتی انوار داخل کر کے تصرف کرنا تھا تا کہ آپ وحی کے قبول کرنے میں آمادہ اور اس کے ماسوا سے خالی و بے التفات ہو جائیں نیز اس میں اس قول کے وزنی ہونے کی جانب اشارہ ہے جو آپ کی جانب القا ہونے والا ہے جب کہ قرآن کریم میں ہے۔

إنا سنلقی علیک قولا ثقیلا.

بے شک ہم آپ پر وزنی قول القا فرمائیں گے۔

اس سے اس جانب بھی اشارہ ہے کہ یہ از قسم تخیل و وسواس نہیں ہے اس لیے کہ تخیل و وسواس کی تاثیر اور تصرف جسم میں نہیں ہوتی اور اس میں بار بار کی تکرار سے مقصود تاکید و لزوم اور مبالغہ ہے۔

ما أنا بقاری امیت پر محمول ہے

اس جگہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد ما انا بقاری میں ایک بحث ہے وہ یہ کہ امی کا تعلیم

وتلقین کے ذریعہ کسی کلام کو پڑھنا کیسے بعید وخلاف ہے باوجودیکہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فصاحت و بلاغت کے درجۂ کمال پر فائز تھے البتہ کسی کتاب کو یا کسی لکھی ہوئی تحریر کو پڑھنا امیت کے منافی ہے اس لیے یہ کلمہ اس مقام کی ہیبت اور دہشت سے ہی صادر ہوا ہوگا اور حدیث کے شارحین نے اس کلمہ کو امیت پر ہی محمول کیا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ جب جبریل علیہ الصلاۃ والسلام نے کہا اقراء یا محمد تو سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا میں کیا پڑھوں میں تو کچھ پڑھا نہیں؟ اس پر جبریل علیہ الصلاۃ والسلام نے ایک جنتی حریر کا نامہ نکالا جو موتی اور یاقوت سے مرصع تھا اور کہا پڑھیے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں اور مجھے معلوم نہیں کہ اس میں کیا لکھا ہوا ہے؟ پھر جبریل علیہ الصلاۃ والسلام نے آپ کو آغوش میں لیا اور خوب بھینچا (آخر حدیث تک) یہ معنی امیت کے مناسب ہیں۔

وضو اور نماز کی تلقین

اس کے بعد جبریل علیہ الصلاۃ والسلام نے زمین پر پاؤں مارا اور چشمہ نکالا اس سے وضو کیا جو کلی کرنے و ناک میں پانی ڈالنے، چہرہ اور دونوں ہاتھ پاؤں دھونے اور سر کا ایک بار مسح کرنے پر مشتمل تھا۔ اس فعل کے ذریعہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وضو کرنا سکھانا مقصود تھا۔ غالباً اس قسم کے افعال میں عملی تعلیم، قولی تعلیم سے خاص کر زیادہ آسان اور سہل ہے اس کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی وضو کیا پھر جبریل علیہ الصلاۃ والسلام نے ایک چلو پانی لے کر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چہرۂ انور پر چھینٹا دیا اور آگے بڑھ کر دو رکعت نماز پڑھائی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے مقتدی بنے۔ اس کے بعد جبریل نے عرض کیا کہ اسی طرح وضو کرنا اور نماز پڑھنا ہے یہ بات تعلیم قولی میں بھی آ چکی ہے۔

پھر جبریل علیہ الصلاۃ والسلام آسمان پر چڑھ گئے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ کی

جانب مراجعت فرمائی، اس وقت یہ عالم تھا کہ ہر شجر و حجر کہتا تھا السلام علیک یا رسول اللہ !

حضور کا اضطراب اور خدیجہ کا تسلی دینا

جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مکہ کی طرف مراجعت فرمائی تو آپ کا قلب مبارک اور کنپٹیوں کا گوشت لرزہا تھا جس طرح خوف و دہشت کے وقت ہوا کرتا ہے یا جیسے کہ گائے کے ذبح کے وقت ہوتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آکر فرمایا زملونی زملونی مجھے کمبل اوڑھاؤ، مجھے کمبل اوڑھاؤ۔ انھوں نے آپ کے جسم انور پر کمبل ڈالا اور چہرۂ انور پر سرد پانی کے چھینٹے دیئے تاکہ خوف دور ہو۔ آپ نے سیدہ خدیجہ سے سارا حال بیان کیا اور فرمایا مجھے ڈر ہے کہ میں کہیں خطرے میں نہ پڑ جاؤں۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا :

آپ غم نہ کھایئے اور خوش رہیئے کیوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو کسی خطرے میں نہ ڈالے گا اور نہ کسی کے آگے آپ کو ذلیل و رسوا ہونے دے گا، یقیناً اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ اچھائی ہی فرمائے گا کیوں کہ آپ صلہ رحمی فرماتے ہیں، عیال کا بوجھ اٹھاتے ہیں، ریاضت و مجاہدہ کرتے، مہمان نوازی فرماتے، بیکسوں اور مجبوروں کی دست گیری کرتے محتاجوں اور غریبوں کے ساتھ بھلائی کرتے، لوگوں کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آتے، لوگوں کی سچائی میں ان کی مدد اور ان کی برائی سے حذر فرماتے ہیں، یتیموں کو پناہ دیتے، سچ بولتے اور امانتیں ادا فرماتے ہیں۔

حضور ورقہ بن نوفل کے پاس

اس کے بعد سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس حالت کی تائید و تقویت کی غرض سے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔

ورقہ بن نوفل بہت بوڑھے تھے یہ قریش کے طور و طریق اور جاہلیت کی رسوم سے نکل کر حقیقی دین

عیسوی اختیار کر کے موحد بن گئے تھے، ان کو انجیل کا علم خوب آتا تھا اور وہ انجیل سے عربی زبان میں کچھ لکھا کرتے تھے، وہ عبرانی زبان کو بھی جانتے تھے۔

ان سے سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا اے میرے چچا زاد بھائی! اپنے بھتیجے کی بات تو سنئے وہ کیا فرماتے ہیں؟ سیدہ خدیجہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ورقہ کا برادرزادہ یعنی بھتیجا کہا تھا، یہ عرب کا عرف ہے کہ وہ ایک دوسرے کو برادر یا برادرزادہ کہا کرتے ہیں۔ اور اہل سیر یہ بھی کہتے ہیں کہ ورقہ حضرت عبد اللہ کے ہم عمر تھے، ورقہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کیا کیا بات ہے؟

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنا تمام حال جو گزرا تھا ان سے بیان فرما دیا یہ سن کر ورقہ نے کہا یہ وہ ناموس ہے جو حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام پر نازل ہوتا تھا اے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) آپ کو مبارک وخوشی ہو کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ وہ نبی ہیں جس کی حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے بشارت دی کہ، میرے بعد ایک رسول مبعوث ہوگا جس کا نام نامی احمد ہے، اور قریب ہے کہ آپ کافروں کے ساتھ جہاد وقتال پر مامور ہوں گے۔ کاش! میں اس دن تک زندہ رہتا اور جوان، قوی وتوانا ہوتا جب آپ کی قوم آپ کو اس جگہ سے نکالے گی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کیا وہ مجھے یہاں سے نکال دیں گے؟

ورقہ نے کہا ہاں! آپ جو کچھ لے کر تشریف لائے ہیں اس کو جو کوئی بھی کبھی لے کر آیا اس کے ساتھ دشمنی کی گئی اور انھیں ایذائیں پہنچائی گئیں۔ مطلب یہ کہ سنت الٰہیہ اسی طرح جاری ہے کہ کافر لوگ ہمیشہ نبیوں کے دشمن رہے ہیں اور کوئی نبی ایسا نہیں آیا جس کی کافروں نے دشمنی نہ کی ہو، اگر میں نے آپ کا وہ دن پایا تو میں آپ کی پوری پوری نصرت ومدد کروں گا۔

وحی کے مراتب

علمائے کرام نے وحی کے کئی مراتب بیان کیے ہیں

اول : رؤیائے صالحہ، سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ابتداء میں جو چیز سب سے پہلے ظاہر ہوئی وہ رؤیائے صالحہ ہے۔

اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ و کان لا یری الاجاء ت مثل فلق الصبح.

یعنی حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی رؤیا ایسی ہوتی جیسے صبح صادق کا طلوع ہونا۔

کتابوں میں مذکور ہے کہ یہ کیفیت چھ مہینہ رہی۔

دوسرا : مرتبہ وحی کا یہ تھا کہ جبریل علیہ الصلاۃ والسلام نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے قلب شریف میں القا کرتے تھے بغیر اس کے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جبریل کو دیکھیں، جیسا کہ آپ نے فرمایا کہ میرے دل میں روح قدس نے القاوالہام کیا ہے کہ ہرگز اس وقت تک کوئی نہیں مرے گا جب تک کہ اپنا رزق پورا نہ کرلے۔ اس حدیث کو حاکم نے روایت کر کے صحیح کہا ہے۔

تیسرا : مرتبہ وحی کا یہ تھا کہ جبریل علیہ الصلاۃ والسلام کسی آدمی کی صورت اختیار کر کے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس آتے اور پیغام الٰہی پہنچاتے تھے تاکہ جو کچھ ارشاد باری ہے اسے یاد فرمائیں، اور اکثر حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی صورت میں آتے یہ قبیلہ بنی کلب کے خوبرو صحابی تھے ان کے حسن و جمال کا یہ عالم تھا کہ جب یہ بغرض تجارت نکلتے محمل نشیں عورتیں نظارہ کرتیں۔

چوتھا: مرتبہ وحی کا یہ ہے کہ صلصلۃ الجرس یعنی رہٹ کی مانند آواز سنائی دیتی تھی اور نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سوا کوئی دوسرا وحی کے کلمات ومعانی کو نہیں سمجھ سکتا تھا۔ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر اقسام وحی

میں یہ قسم سب سے بڑھ کر سخت تھی یہاں تک کہ شدید سردی کے دنوں میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیشانی مبارک سے پسینہ ٹپکنے لگتا تھا اور اگر آپ اونٹ پر سوار ہوتے تو وہ زمین پر بیٹھ جاتا تھا۔

ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اسی طرح وحی آئی اس وقت آپ اپنا سر مبارک زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ران پر رکھے ہوئے تھے ان کی ران اتنی وزنی ہوگئی کہ قریب تھا کہ وہ ٹوٹ جائے۔

طبرانی زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر وحی آنے کی حالت دیکھتا ہوں کہ جب آپ پر وحی نازل ہوتی ہے تو آپ پر اتنی شدت وسختی ہوتی کہ چہرے پر چاندی کے دانوں کی مانند پسینہ ٹپک آتا تھا۔ ایک دن آپ میری ران پر سر رکھے سو رہے تھے کہ میری ران اتنی وزنی ہوگئی کہ قریب تھا کہ میرا پاؤں ٹوٹ جائے اور میں نے گمان کیا کہ اب میں کبھی اپنے پاؤں پر نہ چل سکوں گا اسی طرح جس وقت سورۂ مائدہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تو قریب تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ناقہ کی ٹانگیں اس سے ٹوٹ جائیں۔

وحی میں مطلقاً ثقل و بوجھ بھی آیا ہے چنانچہ جب آپ پر وحی نازل ہوتی تو آپ اس کی وجہ سے سختی محسوس فرماتے اور آپ کے روئے تاباں کا رنگ متغیر ہو جاتا اور خاکستری رنگ کی مانند ہو جاتا اور آپ کا سر مبارک جھک جاتا، آپ کے اصحاب بھی اپنے سر نگوں کر دیتے۔ جب یہ کیفیت ختم ہو جاتی تو سر مبارک کو اوپر اٹھاتے۔

محققین کہتے ہیں کہ افاضہ اور استفاضہ یعنی فیض پہنچانے اور فیض حاصل کرنے میں یکسانیت و مناسبت شرط ہے، مطلب یہ کہ کبھی جبریل علیہ الصلاۃ والسلام کی ملکیت، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر غالب آجاتی اور وہ آپ کو آپ کی حالت سے لے جا کر عالم ملکوتیت میں پہنچا دیتے اور کبھی حضور صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم کی بشریت، جبریل علیہ الصلاۃ والسلام پر غالب آجاتی اوران کوصورت بشری میں لے آتے، یہ وعدہ اور بشارت کی صورت میں ہوتا اور پہلی صورت انذار ووعید کے وقت ہوتی۔

پانچواں: مرتبہ وحی کا یہ تھا کہ کبھی جبریل علیہ الصلاۃ والسلام اپنی اصلی صورت میں (مع تین سو پروں کے) آتے اور وحی پہنچاتے جیسا کہ سورۂ والنجم میں مذکور ہے۔علماء فرماتے ہیں کہ ایسا دوبار ہوا تھا۔

چھٹا: مرتبہ وحی کا یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے آپ پر اس حالت میں وحی فرمائی جب کہ آپ آسمانوں کے اوپر تھے نماز وغیرہ کی وحی اسی طرح فرمائی تھی۔

ساتواں: مرتبہ وحی کا یہ کہ حق تعالیٰ کا حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے براہ راست کلام فرمانا ہے جس طرح کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام سے کلام فرمایا۔

آٹھواں: مرتبہ وحی کا یہ کہ حق تعالیٰ کا حضور سے بے حجاب کلام فرمانا ہے، آسمانوں کے اوپر کی وحی اسی قبیل سے ہے۔صاحب مواہب کہتے ہیں کہ یہ اس مذہب کی رو سے ہے جو یہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حق تعالیٰ کا شب معراج دیدار کیا۔

کبھی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے رب کو خواب میں دیکھتے اور حق تعالیٰ آپ سے کلام فرماتا جیسا کہ حدیث میں ہے کہ میں نے اپنے رب کو احسن صورت میں دیکھا اور رب نے اپنے دونوں دست قدرت کو میرے شانوں پر رکھا اور میں نے اس کی ٹھنڈک اپنے سینے میں محسوس کی۔مجھ سے رب تعالیٰ نے دریافت فرمایا کہ ملأ اعلیٰ میں کس چیز پر جھگڑا ہے (آخر حدیث تک) اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وہ اجتہاد جس سے علم شریعت حاصل ہو صائب تھا نیز اسے وحی کے اقسام میں سے شمار کرتے ہیں۔

صاحب مواہب فرماتے ہیں کہ اس پر سب متفق ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اجتہاد فرماتے تو وہ قطعی درست وصواب ہوتا کیوں کہ آپ خطا سے معصوم تھے۔

جبریل کی آمد

بعض علماء فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں جبریل علیہ الصلاۃ و السلام چوبیس ہزار مرتبہ نازل ہوئے۔ اور حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام پر بارہ مرتبہ۔ حضرت ادریس علیہ السلام پر چار مرتبہ حضرت نوح علیہ السلام پر پچاس مرتبہ، حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بیالیس مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایک سو چار مرتبہ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر دس مرتبہ۔ مواہب لدنیہ میں ایسا ہی منقول ہے۔ (مولف) (مدارج النبوۃ جلد دوم ملتقطا)

وحی کی کیفیت

امام احمد رضا بریلوی ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

نزول وحی بھی ایک فیض جلیل ہے تو یہ بھی بارگاہ الوہیت سے ابتداءً حقیقت محمدیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نازل ہوتا ہے اور وہ حقیقت کریمہ کہ قبۂ نور بالائے عرش میں ہے جبریل امین علیہ الصلاۃ والسلام پر القا فرماتی ہے جبریل امین ذات محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کہ زمین پر جلوہ افروز ہے پہنچاتے ہیں۔

پھر چند سطروں کے بعد فرماتے ہیں

شوق وحی میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ حال تھا کہ کچھ دنوں رک گئی تھی تو پہاڑوں پر تشریف لے جاتے اور ان پر سے گرنا چاہتے جبریل امین فوراً حاضر ہوتے اور عرض کرتے واللہ حضور اللہ کے رسول ہیں یعنی بیشک وہ حضور کو ضائع نہ چھوڑے گا وحی آئے گی اور ضرور آئے گی۔

اسے بخاری نے ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے روایت کیا۔

یہ شوق ذات محمدی علیہ افضل الصلاۃ والسلام ہے اور ذات ہی یہاں مشغول وعظ وہدایت انام ہے

تو وحی کی طرف اس کا متوجہ نہ ہونا کیوں کر معقول، نہ ہرگز القائے حقیقت کے سبب استغنائے ذات لازم۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حفظ وحی میں کس درجہ کوشش بلیغ تھی جبریل امین علیہ الصلاۃ و السلام کے ساتھ ساتھ پڑھتے جاتے کہ کوئی حرف ضبط سے نہ رہ جائے جس پر اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا

لا تحرک به لسانک لتعجل به ان علینا جمعه و قرانه

جلدی کے لیے ختم وحی سے پہلے قرآن عظیم پڑھنے میں اپنی زبان کو جنبش نہ دو بیشک ہمارے ذمے ہے تمھارے سینۂ پاک میں اسے جمع کرنا اور تمھارا اسے پڑھنا۔ (فتاوٰی افریقہ ص ۴۴)

پہلی وحی اور نماز

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اول بار جس وقت وحی اتری اور نبوت کریمہ ظاہر ہوئی اسی وقت حضور نے بہ تعلیم جبریل امین علیہ الصلاۃ والتسلیم نماز پڑھی اور اسی دن بہ تعلیم اقدس حضرت ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پڑھی اور دوسرے دن امیر المومنین علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الاسنیٰ نے حضور کے ساتھ پڑھی کہ ابھی سورۂ مزمل نازل بھی نہ ہوئی تھی تو ایمان کے بعد پہلی شریعت نماز ہے۔

احمد و ابن ماجہ اور حارث مسند میں زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی

ان جبریل اتی النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فی اول ما اوحی الیه فاراه الوضوء و الصلاة فلما فرغ من الوضو اخذ غرفة من ماء فنضح بها فرجه .

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں جبریل امین علیہ الصلاۃ والسلام وحی کے روز اول تشریف لائے اور وضو نماز کا طریقہ دکھایا پھر وضو سے فارغ ہونے کے بعد ایک چلو پانی لے کر

اس صورت مثالیہ کی شرمگاہ پر چھڑک دیا۔ (مولف)

سیرت ابن اسحاق و سیرت ابن ہشام وغیرہما میں ہے :

(ان جبریل بدأ له صلی الله تعالیٰ علیه وسلم) و هو باعلی مکة ای بجبل حراء (فی احسن صورة و اطیب رائحة فقال یا محمد ان الله یقرئک السلام و یقول لک انت رسولی الی الجن و الانس فادعهم الی قول لا اله الا الله ثم ضرب برجله الارض فنبعت عین ماء فتوضأ منها جبریل) ـــــــ زاد ابن اسحٰق و رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم ینظر الیه لیریه کیف الطهور الی الصلاة (ثم امره ان یتوضأ و قام جبریل یصلی و امره ان یصلی معه)

جبریل امین علیہ الصلاۃ والسلام اچھی صورت اور عمدہ خوشبو میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت مبارکہ میں غار حراء میں آئے اور عرض کی اے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ آپ کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ آپ جنات وانسان کی طرف میرے رسول ہیں تو آپ ان کو کلمہ طیبہ لا الـــہ الا اللـــہ کی دعوت دیجیے پھر جبریل امین نے پیر سے زمین پر مارا تو ایک پانی کا چشمہ بہہ نکلا جس سے جبریل نے وضو کیا، اور ابن اسحاق نے یہ زیادہ کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جبریل امین کی طرف دیکھ رہے تھے کہ نماز کی طہارت کس طرح ہوتی ہے۔ پھر جبریل امین علیہ الصلاۃ والسلام نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے وضو کرنے کی گزارش کی اور جبریل امین نماز پڑھنے لگے اور حضور سے بھی نماز پڑھنے کی گزارش کی۔ (مولف)

زاد فی روایة ابی نعیم عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها فصلی رکعتین نحو الکعبة (فعلمه الوضوء و الصلوٰة ثم عرج الی السماء و رجع رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم لا یمر بحجر و لا مدر و لا شجر الا و هو یقول السلام علیک یا رسول

اللہ حتی اتی خدیجۃ فاخبرھا فغشی علیھا من الفرح ثم امرھا فتوضأت و صلی بھا کما صلی بہ جبریل) زاد فی روایۃ و کانت اول من صلی ۔

ابونعیم کی روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ جبریل علیہ الصلاۃ والسلام نے کعبہ کی طرف رخ کر کے دو رکعت نماز پڑھی، اور یہ بھی ہے کہ جبریل نے حضور کو وضو اور نماز کی ترغیب دی پھر آسمان کی طرف پرواز کر گئے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مراجعت فرمائی تو راستے میں جو بھی پتھر و ڈھیلے اور درخت تھے سب کہہ رہے تھے السلام علیک یا رسول اللہ یہاں تک کہ ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آئے اور انھیں پوری بات بتائی تو فرط مسرت سے حضرت خدیجہ پر غشی طاری ہوگئی پھر حضور نے انھیں حکم فرمایا انھوں نے وضو کیا اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انھیں نماز پڑھائی جس طرح سے جبریل امین علیہ الصلاۃ والسلام نے حضور کو پڑھائی اور ایک روایت میں ہے کہ حضور کے بعد سب سے پہلے حضرت خدیجہ نے نماز پڑھی۔ (مولف)

طبرانی ابو رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی:

قال صلی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اول یوم الاثنین و صلت خدیجۃ آخرہ و صلی علی یوم الثلثاء

حضور اقدس سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پیر کے دن پہلی ساعت میں نماز پڑھی اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اسی دن کی آخری گھڑی میں اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منگل کے دن نماز پڑھی (مولف) (فتاویٰ رضویہ ج ۲، ص ۲۱۴، ۲۱۵۔ جان التاج)

مختلف انداز میں جبریل کی آمد

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں :

رای الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنهم فی مسیرهم الی بنی قریظة دحیة بن خلیفة متوجها الیهم علی بغلة بیضاء فاخبروا به النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم فقال ذاک جبریل بعث الی بنی قریظة یزلزل بهم حصونهم و یقذف الرعب فی قلوبهم.

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بنی قریظہ کو جاتے ہوئے دحیہ بن خلیفہ کلبی کو دیکھا کہ وہ سپید خچر پر بنی قریظہ کی طرف جارہے ہیں صحابہ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بتایا تو حضور نے فرمایا کہ وہ جبریل ہیں بنی قریظہ کی طرف بھیجے گئے ہیں وہ ان کے قلعوں کو ہلادیں گے اور ان کے دلوں میں رعب ڈالیں گے۔ (مولف)

و حدیث اعرابی اتی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم یسأله عن الایمان و الاسلام و الاحسان و الساعة و اشراطها لم یعرفه احد و لا یری علیه اثر سفر ، شدید بیاض الثیاب شدید سواد الشعر .

حضرت جبریل امین علیہ الصلاۃ والسلام اعرابی کی شکل میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت مبارکہ میں ایمان واسلام اور احسان وقیامت اور اس کی نشانیوں کے بارے میں پوچھنے آئے، انھیں کسی نے نہیں پہچانا اور نہ ان پر سفر کا کوئی اثر تھا، کپڑے نہایت سپید اور بال خوب کالے تھے۔ (مولف)

قوله صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم انه جبریل اتاکم یعلمکم دینکم .

اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ جبریل ہیں جو تمھیں تمھارا دین سکھانے آئے تھے۔ (مولف)

و قد ثبت غیر مرة اتیانه الیه صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم فی صورة دحیة الکلبی رضی اللہ تعالیٰ عنه .

جبریل امین علیہ الصلاۃ والسلام کا دحیہ کلبی کی صورت میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آنا بارہا ثابت ہے۔ (مولف)

نسائی بسند صحیح ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی۔

کان جبریل یاتی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی صورۃ دحیۃ الکلبی

جبریل امین حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں دحیہ کلبی کی صورت میں آتے تھے۔

(مولف)

طبرانی انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً راوی :

انہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال کان جبریل یاتینی علی صورۃ دحیۃ الکلبی.

حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جبریل میرے پاس دحیہ کلبی کی صورت میں آتے تھے۔ (مولف)

و فی الحدیث عنہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال ذاک جبریل لو دنا منی لاخذہ .

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا وہ جبریل ہیں اگر وہ مجھ سے قریب ہوتے تو میں ان کو پکڑ لیتا۔ (مولف)

اس کے بعد امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں :

و لا یسوغ لمسلم ان یشک فی کونہ جبریل ، مع القطع بان جبریل لیس

اعرابیا، و لا کلبیا ، فما هو الا انها تجلیات جبریل بتلک الصور المختلفة ، لم یتعدد بتعددها جبریل .

جو اعرابی یا دحیہ کلبی کی صورت میں بارگاہ رسالت میں آئے ان کے جبریل ہونے میں کسی مسلمان کو شک کرنا جائز نہیں، اور یہ بات یقین سے معلوم ہے کہ جبریل امین علیہ الصلاۃ والسلام اعرابی اور کلبی نہیں ہیں، وہ تو جبریل کے تجلیات وانوار ہیں جو ان مختلف صورتوں میں ظاہر ہوئے، ان صورتوں کے بدلنے اور تعدد سے جبریل مختلف اور الگ الگ نہیں ہوں گے بلکہ جبریل ایک ہیں ایک ہی رہیں گے۔

(مولف)

و ان کنا نعلم ایضا بالیقین ان صورة جبریل الجمیلة لیسبت الصورة الجملیة بل له ست مائة جناح قد سد الافق .

اور ہم یہ بھی یقین کے ساتھ جانتے ہیں کہ جبریل کی حسین وجمیل صورت، جمالی نہیں ہے ان کے چھ سو پر ہیں جن سے آسمان چھپ جاتا ہے۔(مولف) (انوار المنان فی توحید القرآن ص ۲۴۱،۲۴۲)

وحی کی تاخیر پر کافروں کو رب کا جواب

وحی اترنے میں کچھ دنوں دیر لگی، کافر بولے :

ان محمدا و دعه ربه و قلاه.

بے شک محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان کے رب نے چھوڑ دیا اور دشمن پکڑا۔ ۱

حق جلا وعلا نے فرمایا:

و الضحی و الیل اذا سجی .

قسم ہے دن چڑھے کی اور قسم رات کی جب اندھیری ڈالے یا قسم اے محبوب تیرے روئے روشن کی اور قسم تری زلف کی جب چمکتے رخساروں پر بکھر آئے۔

ما ودعک ربک و ما قلی .

نہ تجھے تیرے رب نے چھوڑا ہے اور نہ دشمن بنایا۔

اور یہ اشقیاء بھی دل میں خوب سمجھتے ہیں کہ خدا کی تجھ پر کیسی مہر ہے اس مہر ہی کو دیکھ کر جلے جاتے ہیں اور حسد و عناد سے یہ طوفان جوڑتے اور اپنے جلے دل کے پھپھولے پھوڑتے ہیں مگر یہ خبر نہیں کہ

و للاخرہ خیر لک من الاولیٰ .

بیشک آخرت تیرے لیے دنیا سے بہتر ہے وہاں جو نعمتیں تجھے ملیں گی نہ آنکھوں نے دیکھیں نہ کانوں نے سنیں نہ کسی بشر یا ملک کے خطرے میں آئیں جن کا اجمال یہ ہے۔

و لسوف یعطیک ربک فترضی .

قریب ہے تجھے تیرا رب اتنا دے گا کہ تو راضی ہو جائے گا۔

اس دن دوست و دشمن سب پر کھل جائے گا کہ تیرے برابر کوئی محبوب نہ تھا۔ خیر اگر آج یہ اندھے آخرت کا یقین نہیں رکھتے تو تجھ پر خدا کی عظیم جلیل کثیر نعمتیں رحمتیں آج کی تو نہیں قدیم سے ہیں کیا تیرے پہلے احوال انھوں نے نہ دیکھے اور ان سے یقین حاصل نہ کیا کہ جو نظر عنایت تجھ پر ہے ایسی نہیں کہ کبھی بدل جائے۔ **الم یجدک یتیما فاویٰ ــ الی اخر السورۃ .**

(تجلی الیقین بأن نبینا سید المرسلین)

دعوت اسلام کے تین دور

اندھے شیشے جھلا جھل دمکنے لگے

جلوہ ریزی دعوت پہ لاکھوں سلام

فاصدع بما تؤمر واعرض عن المشركين

تو علانیہ کہہ دو جس بات کا تمہیں حکم ہے، اور مشرکوں سے منہ پھیر لو۔

(سورۂ الحجر، ۹۴/کنزالایمان)

دعوت اسلام کے تین دور

پہلا دور

تین برس تک حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انتہائی پوشیدہ طور پر نہایت راز داری کے ساتھ تبلیغ اسلام کا فرض ادا فرماتے رہے اور اس درمیان میں عورتوں میں سب سے پہلے حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور آزاد مردوں میں سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور لڑکوں میں سب سے پہلے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور غلاموں میں سب سے پہلے زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایمان لائے ۔ پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دعوت و تبلیغ سے حضرت عثمان ، حضرت زبیر بن العوام ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ، حضرت سعد بن ابی وقاص ، حضرت طلحہ بن عُبید اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی جلد ہی دامن اسلام میں آگئے ۔ پھر چند دنوں کے بعد حضرت ابو عبیدہ بن الجراح ، حضرت ابوسلمہ عبداللہ بن عبد الاسد ، حضرت ارقم بن ارقم ، حضرت عثمان بن مظعون اور ان کے دونوں بھائی حضرت قدامہ اور حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی اسلام میں داخل ہو گئے ۔ پھر کچھ مدت کے بعد حضرت ابو ذر غفاری ، حضرت صہیب رومی ، حضرت عبداللہ بن الحارث بن عبدالمطلب ، سعید بن زید بن عمرو بن نفیل اور ان کی بیوی فاطمہ بنت الخطاب ، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بہن نے بھی اسلام قبول کر لیا ۔ اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی چچی حضرت ام الفضل حضرت عباس بن عبدالمطلب کی بیوی اور حضرت اسماء بنت ابی بکر بھی مسلمان ہو گئیں ۔ ان کے علاوہ دوسرے بہت سے مردوں اور عورتوں نے بھی اسلام لانے کا شرف حاصل کیا ۔

واضح رہے کہ سب سے پہلے اسلام لانے والے جو سابقین اولین کے لقب سے سرفراز ہیں ، ان خوش نصیبوں کی فہرست پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ سب سے پہلے دامن اسلام میں آنے والے وہی لوگ ہیں جو فطرتاً نیک طبع اور پہلے ہی سے دین حق کی تلاش میں سرگرداں تھے اور کفار مکہ کے شرک و بت

پرستی اور مشرکانہ رسوم جاہلیت سے متنفر و بیزار تھے۔ چنانچہ نبی برحق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دامن میں دین حق کی تجلی دیکھتے ہی یہ نیک بخت لوگ پروانوں کی طرح شمع نبوت پر نثار ہونے لگے اور مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

دوسرا دور

تین برس کی اس خفیہ دعوت اسلام میں مسلمانوں کی ایک جماعت تیار ہوگئی اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے جب اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر سورۂ شعراء کی آیت **و انذر عشیرتک الاقربین** نازل فرمائی اور خداوند تعالیٰ کا حکم ہوا کہ اے محبوب آپ قریبی خاندان والوں کو خدا سے ڈرایئے، تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک دن کوہ صفا کی چوٹی پر چڑھ کر **یا معشر قریش** کہہ کر قبیلہ قریش کو پکارا جب سب قریش جمع ہو گئے تو آپ نے فرمایا کہ اے میری قوم اگر میں تم لوگوں سے یہ کہہ دوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے ایک لشکر چھپا ہوا ہے جو تم پر حملہ کرنے والا ہے تو کیا تم لوگ میری بات کا یقین کر لو گے؟ سب نے ایک زبان ہو کر کہا کہ ہاں ہاں ہم یقیناً آپ کی بات کا یقین کر لیں گے کیوں کہ ہم نے آپ کو ہمیشہ سچا اور امین ہی پایا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا تو پھر میں یہ کہتا ہوں کہ تم لوگوں کو عذاب الٰہی سے ڈرا رہا ہوں اور اگر تم لوگ ایمان نہ لاؤ گے تو تم پر عذاب الٰہی اتر پڑے گا۔ یہ سن کر تمام قریش جن میں آپ کا چچا ابولہب بھی تھا سخت ناراض ہو کر سب کے سب چلے گئے اور حضور نبی برحق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں اول فول بکنے لگے۔

تیسرا دور

اب وہ وقت آ گیا کہ اعلان نبوت کے چوتھے سال سورۂ حجر کی آیت **فاصدع بما تؤمر** نازل ہوئی اور حضرت حق جل شانہ نے یہ حکم فرمایا کہ اے محبوب آپ کو جو حکم دیا گیا ہے اس کو علی الاعلان بیان

فرما۔ بڑ۔ چنانچہ آپ اس کے بعد علانیہ طور پر دین اسلام کی تبلیغ فرمانے لگے اور شرک و بت پرستی کی کھلم کھلا برائی بیان فرمانے لگے اور تمام قریش بلکہ تمام اہل مکہ بلکہ پورا عرب آپ کی مخالفت پر کمر بستہ ہو گیا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی ایذا رسانیوں کا ایک طویل سلسلہ شروع ہو گیا۔

رحمت عالم پر ظلم وستم

کفار مکہ خاندان بنو ہاشم کے انتقام اور لڑائی بھڑک اٹھنے کے خوف سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قتل تو نہیں کر سکے لیکن طرح طرح کی تکلیفوں اور ایذا رسانیوں سے آپ پر ظلم و ستم کا پہاڑ توڑنے لگے۔ چنانچہ سب سے پہلے تو حضور کے کاہن، ساحر، شاعر اور مجنون ہونے کا ہر کوچہ و بازار میں زوردار پروپیگنڈہ کرنے لگے۔ آپ کے پیچھے شریر لڑکوں کا غول لگا دیا جو راستوں میں آپ پر پھبتیاں کستے، گالیاں دیتے، اور یہ دیوانہ ہے یہ دیوانہ ہے کا شور مچا مچا کر آپ کے اوپر پتھر پھینکتے، کبھی کفار مکہ آپ کے راستوں میں کانٹے بچھاتے، کبھی آپ کے جسم مبارک پر نجاست ڈال دیتے، کبھی آپ کو دھکا دیتے، کبھی آپ کی مقدس اور نازک گردن میں چادر کا پھندا ڈال کر گلا گھونٹنے کی کوشش کرتے۔

روایت ہے کہ آپ حرم کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک دم سنگ دل کافر عقبہ بن ابی معیط نے آپ کے گلے میں چادر کا پھندا ڈال کر اس زور سے کھینچا کہ آپ کا دم گھٹنے لگا۔ چنانچہ یہ منظر دیکھ کر ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بے قرار ہو کر دوڑ پڑے اور عقبہ بن ابی معیط کو دھکا دے کر دور کیا اور یہ کہا کہ کیا تم لوگ ایسے آدمی کو قتل کرتے ہو جو یہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے، اس دھکم دھکا میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کفار کو مارا بھی اور کفار کی مار بھی کھائی۔

کفار آپ کے معجزات اور روحانی تاثیرات و تصرفات کو دیکھ کر آپ کو سب سے بڑا جادوگر کہتے۔ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قرآن شریف کی تلاوت فرماتے تو یہ کفار قرآن اور قرآن کو لانے والے

(جبریل امین) اور قرآن کو نازل فرمانے والے (اللہ تعالیٰ) کو اور آپ کو گالیاں دیتے اور گلی کوچوں میں پہرہ بٹھا دیتے کہ قرآن کی آواز کسی کے کان میں نہ پڑنے پائے اور تالیاں پیٹ پیٹ کر اور سیٹیاں بجا بجا کر اس قدر شور مچاتے کہ قرآن کی آواز کسی کو سنائی نہیں دیتی تھی، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب کہیں کسی عام مجمع میں یا کفار کے میلوں میں قرآن پڑھ کر سناتے یا دعوت ایمان کا وعظ فرماتے تو آپ کا چچا ابولہب آپ کے پیچھے چلا چلا کر کہتا تھا کہ اے لوگو یہ میرا بھتیجا جھوٹا ہے، یہ دیوانہ ہو گیا تم لوگ اس کی کوئی بات نہ سنو۔

ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم "ذوالمجاز" کے بازار میں دعوت اسلام کا وعظ فرمانے کے لیے تشریف لے گئے اور لوگوں کو کلمہ حق کی دعوت دی تو ابوجہل آپ پر دھول اڑاتا جاتا اور کہتا تھا کہ اے لوگو! اس کے فریب میں مت آنا یہ چاہتا ہے کہ تم لوگ لات وعزیٰ کی عبادت چھوڑ دو۔

اسی طرح ایک مرتبہ جب کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حرم کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے عین حالت نماز میں ابوجہل نے کہا کہ کوئی ہے؟ جو آل فلاں کے ذبح کیے ہوئے اونٹ کی اوجھڑی کو لا کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دوش مبارک پر رکھ دے۔ یہ سن کر عقبہ بن ابی معیط کافر اٹھا اور اس اوجھڑی کو لا کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دوش مبارک پر رکھ دیا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سجدہ میں تھے دیر تک اوجھڑی کندھے اور گردن پر پڑی رہی اور کفار ٹھٹھا مار مار کر ہنستے رہے اور مارے ہنسی کے ایک دوسرے پر گر گر پڑتے رہے۔ آخر حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو ان دنوں ابھی کمسن لڑکی تھیں آئیں اور ان کافروں کو برا بھلا کہتے ہوئے اس اوجھڑی کو آپ کے دوش مبارک سے ہٹا دیا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قلب مبارک پر کفار قریش کی اس شرارت سے انتہائی صدمہ گزرا اور نماز سے فارغ ہو کر تین مرتبہ یہ دعا مانگی کہ اللھم علیک بقریش یعنی اے اللہ تو قریش کو اپنی گرفت میں لے لے۔ پھر ابوجہل، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ولید بن عتبہ، امیہ بن خلف، عمارہ بن ولید کا نام لے کر دعا مانگی کہ الٰہی تو ان لوگوں کو اپنی گرفت میں لے لے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم میں نے ان سب کافروں کو جنگ بدر کے دن دیکھا کہ ان کی لاشیں زمین پر پڑی ہوئی ہیں۔ پھر ان سب کفار کی لاشوں کو نہایت ذلت کے ساتھ گھسیٹ کر بدر کے ایک گڑھے میں ڈال دیا گیا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان گڑھے والوں پر خدا کی لعنت ہے۔

چند شریر کفار

جو کفار مکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دشمنی اور ایذا رسانی میں بہت زیادہ سرگرم تھے ان میں سے چند شریروں کے نام یہ ہیں۔

- ابولہب
- ابوجہل
- اسود بن عبد یغوث
- حارث بن قیس بن عدی
- ولید بن مغیرہ
- امیہ بن خلف
- ابی بن خلف
- ابوقیس بن فاکہ
- عاص بن وائل
- نضر بن حارث
- منبہ بن الحجاج
- زہیر بن ابی امیہ
- سائب بن صیفی
- عدی بن حمرا
- اسود بن عبدالاسد
- عاص بن سعید بن العاص
- عاص بن ہاشم
- عقبہ بن ابی معیط
- حکم بن ابی العاص۔

یہ سب کے سب حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پڑوسی تھے اور ان میں سے اکثر بہت ہی مالدار اور صاحب اقتدار تھے اور دن رات سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایذا رسانی میں مصروف کار رہتے تھے۔

مسلمانوں پر مظالم

حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ غریب مسلمانوں پر بھی کفار مکہ نے ایسے ایسے ظلم وستم کے پہاڑ توڑے کہ مکہ کی زمین بلبلا اٹھی، یہ آسان تھا کہ کفار مکہ ان مسلمانوں کو دم زدن میں قتل کر ڈالتے مگر اس سے ان کافروں کے جوش انتقام کا نشہ نہیں اتر سکتا تھا کیوں کہ کفار اس بات میں اپنی شان سمجھتے تھے کہ ان مسلمانوں کو اتنا ستاؤ کہ وہ اسلام کو چھوڑ کر پھر شرک و بت پرستی کرنے لگیں اس لیے قتل کر دینے کی بجائے کفار مکہ مسلمانوں کو طرح طرح کی سزاؤں اور ایذا رسانیوں کے ساتھ ستاتے تھے مگر خدا کی قسم شراب توحید کے ان مستوں نے اپنے استقلال و استقامت کا وہ منظر پیش کر دیا کہ پہاڑوں کی چوٹیاں سر اٹھا اٹھا کر حیرت کے ساتھ ان بلاکشان اسلام کے جذبۂ استقامت کا نظارہ کرتی رہیں۔ سنگ دل بے رحم اور درندہ صفت کافروں نے ان غریب و بے کس مسلمانوں پر جبر و اکراہ اور ظلم وستم کا کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا مگر ایک مسلمان کے پائے استقامت میں بھی ذرہ برابر تزلزل نہیں پیدا ہوا اور ایک مسلمان کا بچہ بھی اسلام سے منہ پھیر کر کافر و مرتد نہیں ہوا۔

کفار مکہ نے ان غرباء مسلمین پر جور و جفا کاری کے بے پناہ اندوہناک مظالم ڈھائے اور ایسے ایسے روح فرسا اور جاں سوز عذابوں میں مبتلا کیا کہ اگر ان مسلمانوں کی جگہ پہاڑ بھی ہوتا تو شاید ڈگمگانے لگتا۔ صحرائے عرب کے تیز دھوپ میں جب کہ وہاں کی ریت کے ذرات تنور کی طرح گرم ہو جاتے ہیں۔ ان مسلمانوں کی پشت کو کوڑوں کے مار سے زخمی کر کے اس جلتی ہوئی ریت پر پیٹھ کے بل لٹاتے اور سینوں پر اتنا بھاری پتھر رکھ دیتے کہ کروٹ نہ بدلنے پائیں، لوہے کو آگ میں گرم کر کے اس سے ان مسلمانوں کے جسموں کو داغتے، پانی میں اس قدر ڈبکیاں دیتے کہ ان کا دم گھٹنے لگتا، چٹائیوں میں ان مسلمانوں کو لپیٹ کر ان کی ناکوں میں دھواں دیتے جس سے سانس لینا مشکل ہو جاتا اور وہ کرب و بے چینی سے بدحواس ہو جاتے۔

حضرت خباب بن الارت رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ اس زمانے میں اسلام لائے جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت ارقم ابن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر میں مقیم تھے اور صرف چند ہی آدمی مسلمان ہوئے تھے قریش نے ان کو بے حد ستایا یہاں تک کہ کوئلے کے انگاروں پر ان کو چت لٹایا اور ایک شخص ان کے سینے پر پاؤں رکھ کر کھڑا رہا یہاں تک کہ ان کی پیٹھ کی چربی اور رطوبت سے کوئلے بجھ گئے۔ برسوں کے بعد جب حضرت خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ واقعہ حضرت امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے بیان کیا تو اپنی پیٹھ کھول کر دکھائی پوری پیٹھ پر سفید سفید داغ دھبے پڑے ہوئے تھے۔ اس عبرت ناک منظر کو دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دل بھر آیا اور وہ رو پڑے۔

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو امیہ بن خلف کافر کے غلام تھے ان کی گردن میں رسی باندھ کر کوچہ و بازار میں ان کو گھسیٹا جاتا تھا، ان کی پیٹھ پر لاٹھیاں برسائی جاتی تھیں اور ٹھیک دوپہر کے وقت تیز دھوپ میں گرم گرم ریت پر ان کو لٹا کر اتنا بھاری پتھر ان کی چھاتی پر رکھ دیا جاتا کہ ان کی زبان باہر نکل آتی تھی۔ امیہ کافر کہتا تھا کہ اسلام سے باز آ جاؤ ورنہ اسی طرح گھٹ گھٹ کر مر جاؤ گے مگر اس حال میں بھی حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیشانی پر بل نہیں آتا تھا بلکہ زور زور سے احد احد کا نعرہ لگاتے تھے اور بلند آواز سے کہتے تھے کہ خدا ایک ہے، خدا ایک ہے۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو گرم گرم بالو پر چت لٹا کر کفار قریش اس قدر مارتے تھے کہ یہ بے ہوش ہو جاتے تھے ان کی والدہ حضرت بی بی سمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اسلام لانے کی بنا پر ابوجہل نے ان کی ناف کے نیچے ایسا نیزہ مارا کہ یہ شہید ہو گئیں۔ حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد حضرت یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی کفار کی مار کھاتے کھاتے شہید ہو گئے۔

حضرت صہیب رومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کفار مکہ اس قدر طرح طرح کی اذیت دیتے اور اتنی سخت مار دھاڑ کرتے کہ یہ گھنٹوں بے ہوش رہتے، جب یہ ہجرت کرنے لگے تو کفار مکہ نے کہا کہ تم اپنا سارا مال و

سامان یہاں چھوڑ کر مدینہ جا سکتے ہو آپ خوشی خوشی دنیا کی دولت کو لات مار کر اپنی متاع ایمان کو ساتھ لے کر مدینہ چلے گئے۔

حضرت ابوفکیہہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ صفوان بن امیہ کافر کے غلام تھے اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ہی مسلمان ہوئے تھے۔ جب صفوان کو ان کے اسلام کا پتہ چلا تو اس نے ان کے گلے میں رسی کا پھندا ڈال کر ان کو گھسیٹا اور گرم جلتی ہوئی زمین پر ان کو چت لٹا کر سینے پر وزنی پتھر رکھ دیا، جب ان کو کفار گھسیٹ کر لے جا رہے تھے راستہ میں اتفاق سے ایک گبریلا نظر پڑا امیہ کافر نے طعنہ مارتے ہوئے کہا کہ دیکھ تیرا خدا یہی تو نہیں ہے، حضرت ابوفکیہہ نے فرمایا کہ اے کافر کے بچے! خاموش میرا اور تیرا خدا اللہ ہے۔ یہ سن کر امیہ کافر غضب ناک ہو گیا اور اس نے زور سے آپ کا گلا گھونٹا کہ وہ بے ہوش ہو گئے اور لوگوں نے سمجھا کہ ان کا دم نکل گیا۔

اسی طرح عامر بن فہیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی اس قدر مارا جاتا تھا کہ ان کے جسم کی بوٹی بوٹی درد مند ہو جاتی تھی۔

حضرت بی بی لبینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو لونڈی تھیں، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب کفر کی حالت میں تھے اس غریب لونڈی کو اس قدر مارتے تھے کہ مارتے مارتے تھک جاتے تھے مگر حضرت لبینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اف نہیں کرتی تھیں بلکہ نہایت جرأت و استقلال کے ساتھ کہتی تھیں کہ اے عمر اگر تم خدا کے سچے رسول پر ایمان نہیں لاؤ گے تو خدا تم سے ضرور اس کا انتقام لے گا۔

حضرت زنیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت عمر کے گھرانے کی باندی تھیں یہ مسلمان ہو گئیں تو ان کو اس قدر کافروں نے مارا کہ ان کی آنکھیں جاتی رہیں مگر خداوند تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دعا سے پھر ان کی آنکھوں میں روشنی عطا فرما دی تو مشرکین کہنے لگے کہ یہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

کے جادو کا اثر ہے۔

اسی طرح حضرت بی بی نہدیہ اور حضرت بی بی ام عبیس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی باندیاں تھیں اسلام لانے کے بعد کفار مکہ نے ان دونوں کو طرح طرح کی تکلیفیں دے کر بے پناہ اذیتیں دیں مگر یہ اللہ والیاں صبر و شکر کے ساتھ ان بڑی بڑی مصیبتوں کو جھیلتی رہیں مگر اسلام سے ان کے قدم نہیں ڈگمگائے۔

حضرت یار غار مصطفیٰ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کس کس طرح اسلام پر اپنی دولت نثار کی، اس کی ایک جھلک یہ ہے کہ آپ نے ان غریب و بے کس مسلمانوں میں سے اکثر کی جان بچائی، آپ نے حضرت بلال و عامر بن فہیرہ و ابوفکیہ و لبینہ و زنیرہ، نہدیہ و ام عبیس رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان تمام غلاموں کو بڑی بڑی رقمیں دے کر خریدا اور سب کو آزاد کر دیا اور ان مظلوموں کو کافروں کی ایذاؤں سے بچالیا۔

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب دامن اسلام میں آئے تو مکہ میں ایک مسافر کی حیثیت سے کئی دن تک حرم کعبہ میں رہے یہ روزانہ زور زور سے چلا چلا کر اپنے اسلام کا اعلان کرتے تھے اور روزانہ کفار قریش ان کو اس قدر مارتے تھے کہ یہ لہولہان ہو جاتے تھے اور ان دنوں میں آب زم زم کے سوا ان کو کچھ بھی کھانے پینے کو نہیں ملا۔

واضح رہے کہ کفار مکہ کا یہ سلوک صرف غریبوں اور غلاموں ہی تک محدود نہیں تھا بلکہ اسلام لانے کے جرم میں بڑے بڑے مال داروں اور رئیسوں کو بھی ان ظالموں نے نہیں بخشا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو شہر مکہ کے ایک متمول اور ممتاز معززین میں سے تھے مگر ان کو بھی حرم کعبہ میں کفار قریش نے اس قدر مارا کہ ان کا سر خون سے لت پت ہو گیا۔ اسی طرح حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو نہایت مال دار اور صاحب اقتدار تھے جب یہ مسلمان ہوئے تو غیروں نے نہیں بلکہ خود ان کے چچا نے ان کو رسیوں میں جکڑ کر خوب مارا۔ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے رعب اور دبدبہ کے آدمی تھے مگر

انھوں نے جب اسلام قبول کیا تو ان کے چچا ان کو چٹائی میں لپیٹ کر ان کی ناک میں دھواں دیتے تھے جس سے ان کا دم گھٹنے لگتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چچازاد بھائی اور بہنوئی حضرت سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کتنے جاہ و اعزاز والے رئیس تھے مگر جب ان کے اسلام کا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پتہ چلا تو ان کو رسی میں باندھ کر مارا اور ساتھ ہی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی بہن حضرت بی بی فاطمہ بنت الخطاب کو بھی اس زور سے تھپڑ مارا کہ ان کے کان کے آویزے گر پڑے اور چہرے پر خون بہہ نکلا۔

کفار کا وفد بارگاہ رسالت میں

ایک مرتبہ سرداران قریش حرم کعبہ میں بیٹھے ہوئے یہ سوچنے لگے کہ آخر اتنی تکالیف اور سختیاں برداشت کرنے کے باوجود محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اپنی تبلیغ کیوں نہیں بند کرتے؟ آخر ان کا مقصد کیا ہے ممکن ہے یہ عزت و جاہ، یا سرداری و دولت کے خواہاں ہوں۔ چنانچہ سبھوں نے عتبہ بن ربیعہ کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس بھیجا کہ تم کسی طرح ان کا دلی مقصد معلوم کرلو، چنانچہ عتبہ تنہائی میں آپ سے ملا اور کہنے لگا کہ اے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) آخر اس دعوت اسلام سے آپ کا مقصد کیا ہے؟ کیا آپ مکہ کی سرداری چاہتے ہیں؟ یا عزت و دولت کے خواہاں ہیں یا کسی بڑے گھرانے میں شادی کے خواہش مند ہیں آپ کے دل میں جو تمنا ہو کھلے دل کے ساتھ کہہ دیجیے میں اس کی ضمانت لیتا ہوں کہ اگر آپ دعوت اسلام سے باز آجائیں تو پورا مکہ آپ کے زیر فرمان ہوجائے گا اور آپ کی ہر خواہش اور تمنا پوری کردی جائے گی۔ عتبہ کی یہ ساحرانہ تقریر سن کر رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جواب میں قرآن مجید کی چند آیتیں تلاوت فرمائیں جن کو سن کر عتبہ اس قدر متأثر ہوا کہ اس کے جسم کا رونگٹا رونگٹا اور بدن کا بال بال خوف ذوالجلال سے لرزنے اور کانپنے لگا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے منہ پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ میں آپ کو رشتہ داری کا واسطہ دے کر درخواست کرتا ہوں کہ بس کیجیے میرا دل اس کلام کی عظمت سے پھٹا جا رہا ہے۔ عتبہ بارگاہ رسالت سے واپس ہوا مگر اس کے دل کی دنیا میں ایک نیا انقلاب رونما ہو چکا تھا عتبہ ایک بڑا ہی

ساحرالبیان خطیب اور انتہائی فصیح و بلیغ آدمی تھا اس نے واپس لوٹ کر سرداران قریش سے کہہ دیا کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) جو کلام پیش کرتے ہیں وہ نہ جادو ہے نہ کہانت اور نہ شاعری بلکہ وہ کوئی اور ہی چیز ہے لہٰذا میری رائے ہے کہ تم لوگ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو اگر وہ کامیاب ہو کر سارے عرب پر غالب ہو گئے تو اس میں ہم قریشیوں ہی کی عزت بڑھے گی ورنہ سارا عرب ان کو خود ہی فنا کر دے گا مگر قریش کے سرکش کافروں نے عتبہ کا یہ مخلصانہ اور مدبرانہ مشورہ نہیں مانا بلکہ اپنی مخالفت اور ایذا رسانیوں میں اور زیادہ اضافہ کر دیا۔

قریش کا وفد ابوطالب کے پاس

کفار قریش میں کچھ لوگ صلح پسند بھی تھے وہ چاہتے تھے کہ بات چیت کے ذریعہ صلح و صفائی کے ساتھ معاملہ طے ہو جائے چنانچہ قریش کے چند معزز رؤسا ابوطالب کے پاس آئے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعوت اسلام اور بت پرستی کے خلاف تقریروں کی شکایت کی ابوطالب نے نہایت نرمی کے ساتھ ان لوگوں کو سمجھا بجھا کر رخصت کر دیا لیکن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خدا کے فرمان فاصدع بما تؤمر کی تعمیل کرتے ہوئے علی الاعلان شرک و بت پرستی کی مذمت اور دعوت توحید کا وعظ فرماتے ہی رہے اس لیے قریش کا غصہ پھر بھڑک اٹھا۔ چنانچہ تمام سردار قریش یعنی عتبہ و شیبہ و ابوسفیان و عاص بن ہشام و ابوجہل و ولید بن مغیرہ و عاص بن وائل وغیرہ وغیرہ سب ایک ساتھ مل کر ابوطالب کے پاس آئے اور یہ کہا کہ آپ کا بھتیجا ہمارے معبودوں کی توہین کرتا ہے اس لیے یا تو آپ درمیان میں سے ہٹ جائیں اور اپنے بھتیجے کو ہمارے سپرد کر دیں یا پھر آپ بھی کھل کر ان کے ساتھ میدان میں نکل پڑیں تاکہ ہم دونوں میں سے ایک کا فیصلہ ہو جائے۔ ابوطالب نے قریش کا تیور دیکھ کر سمجھ لیا کہ اب بہت ہی خطرناک اور نازک گھڑی سر پر آن پڑی ہے ظاہر ہے کہ اب قریش برداشت نہیں کر سکتے اور میں اکیلا تمام قریش کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ ابوطالب نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو انتہائی مخلصانہ اور مشفقانہ لہجے میں سمجھایا کہ میرے پیارے بھتیجے! اپنے

بوڑھے چچا کی سفید داڑھی پر رحم کرو اور بڑھاپے میں مجھ پر اتنا بوجھ مت ڈالو کہ میں اٹھا نہ سکوں۔ اب تک قریش کا بچہ بچہ میرا احترام کرتا تھا مگر آج قریش کے سرداروں کا لب ولہجہ اور ان کا تیور اس قدر بگڑا ہوا تھا کہ اب وہ مجھ پر اور تم پر تلوار اٹھانے سے بھی دریغ نہیں کریں گے لہٰذا میری رائے یہ ہے کہ تم کچھ دنوں کے لیے دعوت اسلام موقوف کردو۔

اب تک حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ظاہری معین و مددگار جو کچھ بھی تھے وہ صرف اکیلے ابو طالب ہی تھے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دیکھا کہ اب ان کے قدم بھی اکھڑ رہے ہیں، چچا کی گفتگو سن کر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھرائی ہوئی مگر جذبات سے بھری ہوئی آواز میں فرمایا کہ چچا جان خدا کی قسم! اگر قریش میرے ایک ہاتھ میں سورج اور دوسرے ہاتھ میں چاند لا کر دے دیں تب بھی میں اپنے اس فرض سے باز نہ آؤں گا۔ یا تو خدا اس کام کو پورا فرما دے گا یا میں خود دین اسلام پر نثار ہو جاؤں گا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ جذباتی تقریر سن کر ابو طالب کا دل پسیج گیا اور وہ اس قدر متأثر ہوئے کہ ان کے ہاشمی رگوں کے خون کا قطرہ قطرہ بھتیجے کی محبت میں گرم ہو کر کھولنے لگا اور انتہائی جوش میں آ کر کہہ دیا کہ جان عم! جاؤ میں تمہارے ساتھ ہوں جب تک میں زندہ ہوں کوئی تمہارا بال بیکا نہیں کرسکتا۔ (مولف)

(سیرت ابن ہشام و سیرت مصطفیٰ)

ہجرت حبشہ

لو خرجتم إلى أرض الحبشة فإن بها ملكا لا يظلم عنده أحد وهي أرض صدق

اگر تم حبشہ کی زمین کی طرف ہجرت کرو گے تو بہتر ہوگا کیوں کہ وہاں ایک ایسا بادشاہ ہے جس کی حکومت میں کسی پر ظلم نہیں کیا جاتا اور وہ صدق وسچائی کی زمین ہے۔ (الحدیث: دلائل النبوۃ)

ہجرت حبشہ ۵ ؁ نبوی

کفار مکہ نے جب اپنے ظلم و ستم سے مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا تو حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو "حبشہ" جا کر پناہ لینے کا حکم دیا۔

نجاشی

حبشہ کا بادشاہ جس کا نام اصحمہ اور لقب نجاشی تھا عیسائی دین کا پابند تھا مگر بہت ہی انصاف پسند اور رحمدل تھا اور توراۃ و انجیل وغیرہ آسمانی کتابوں کا بہت ہی ماہر عالم تھا۔

اعلان نبوت کے پانچویں سال رجب کے مہینے میں گیارہ مرد اور چار عورتوں نے حبشہ کی جانب ہجرت کی ان مہاجرین کرام کے مقدس نام حسب ذیل ہیں:

(۱) حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی بیوی حضرت بی بی رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وبارک وسلم کی صاحبزادی ہیں۔

(۲) حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی بیوی حضرت سہلہ بنت سہیل رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ۔

(۳) حضرت ابو سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی اہلیہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ۔

(۴) حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی زوجہ حضرت لیلیٰ بنت خثمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ۔

(۵) حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۶) حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۷) حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۸) حضرت ابوسبرہ بن ابی رہم یا حاطب بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

(۱۰) حضرت سہیل بن بیضاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۱۱) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

کفار مکہ کو جب ان لوگوں کی ہجرت کا پتہ چلا تو ان ظالموں نے ان لوگوں کی گرفتاری کے لیے ان کا تعاقب کیا لیکن یہ لوگ کشتی پر سوار ہو کر روانہ ہو چکے تھے اس لیے کفار ناکام واپس لوٹے۔ یہ مہاجرین کا قافلہ حبشہ کی سرزمین میں اتر کر امن وامان کے ساتھ خدا کی عبادت میں مصروف ہو گیا۔

چند دنوں کے بعد ناگہاں یہ خبر پھیل گئی کہ کفار مکہ مسلمان ہو گئے یہ خبر سن کر چند لوگ حبشہ سے مکہ لوٹ آئے مگر یہاں آ کر پتہ چلا کہ یہ خبر غلط تھی چنانچہ بعض لوگ تو پھر حبشہ چلے گئے مگر کچھ لوگ مکہ میں روپوش ہو کر رہنے لگے لیکن کفار مکہ نے ان لوگوں کو ڈھونڈ نکالا اور ان لوگوں پر پہلے سے بھی زیادہ ظلم ڈھانے لگے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پھر لوگوں کو حبشہ چلے جانے کا حکم دیا۔ چنانچہ حبشہ سے واپس آنے والے اور ان کے ساتھ دوسرے مظلوم مسلمان کل تراسی ۸۳/مرد اور اٹھارہ ۱۸/عورتوں نے حبشہ کی جانب ہجرت کی۔

کفار کا سفیر نجاشی کے دربار میں

تمام مہاجرین نہایت امن وسکون کے ساتھ حبشہ میں رہنے لگے مگر کفار مکہ کو کب گوارا ہو سکتا تھا کہ فرزندان توحید کہیں امن وچین کے ساتھ رہ سکیں۔ ان ظالموں نے کچھ تحائف کے ساتھ عمرو بن العاص اور عمارہ بن الولید کو بادشاہ حبشہ کے دربار میں اپنا سفیر بنا کر بھیجا۔ ان دونوں نے نجاشی کے دربار میں پہنچ کر تحفوں کا نذرانہ پیش کیا اور بادشاہ کو سجدہ کر کے یہ فریاد کرنے لگے کہ اے بادشاہ ہمارے کچھ مجرم مکہ سے

بھاگ کر آپ کے ملک میں پناہ گزیں ہو گئے ہیں آپ ہمارے ان مجرموں کو ہمارے حوالے کر دیجیے۔

یہ سن کر نجاشی بادشاہ نے مسلمانوں کو دربار میں طلب کیا اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھائی حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمانوں کے نمائندہ بن کر گفتگو کے لیے آگے بڑھے اور دربار کے آداب کے مطابق بادشاہ کو سجدہ نہیں کیا بلکہ صرف سلام کر کے کھڑے ہو گئے، درباریوں نے ٹوکا تو حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہمارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خدا کے سوا کسی کو سجدہ کرنے سے منع فرمایا ہے اس لیے میں بادشاہ کو سجدہ نہیں کر سکتا۔

اس کے بعد جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دربار شاہی میں اس طرح تقریر شروع فرمائی کہ :

اے بادشاہ ہم لوگ ایک جاہل قوم تھے، شرک و بت پرستی کرتے تھے، لوٹ مار، چوری، ڈکیتی، ظلم وستم اور طرح طرح کی بدکاریوں اور بداعمالیوں میں مبتلا تھے اللہ تعالیٰ نے ہماری قوم میں ایک شخص کو اپنا رسول بنا کر بھیجا جس کے حسب و نسب اور صدق و دیانت کو ہم پہلے سے جانتے تھے اس رسول نے ہم کو شرک و بت پرستی سے روک دیا اور صرف ایک خدائے واحد کی عبادت کا حکم دیا اور ہر قسم کے ظلم وستم اور تمام برائیوں اور بدکاریوں سے ہم کو منع کیا ہم اس رسول پر ایمان لائے اور شرک و بت پرستی چھوڑ کر تمام برے کاموں سے تائب ہو گئے۔ بس یہی ہمارا گناہ ہے جس پر ہماری قوم ہماری جان کی دشمن ہو گئی اور ان لوگوں نے ہمیں اتنا ستایا کہ ہم اپنے وطن کو خیر باد کہہ کر آپ کی سلطنت کے زیر سایہ پرامن زندگی بسر کر رہے ہیں اب یہ لوگ ہمیں مجبور کر رہے ہیں کہ ہم پھر اسی پرانی گمراہی پر لوٹ جائیں۔

حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تقریر سے نجاشی بادشاہ بے حد متاثر ہوا۔ یہ دیکھ کر کفار مکہ کے سفیر عمرو بن العاص نے اپنے ترکش کا آخری تیر بھی پھینک دیا اور کہا کہ اے بادشاہ! یہ مسلمان لوگ آپ کے نبی

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کچھ دوسرا ہی اعتقاد رکھتے ہیں جو آپ کے عقیدہ کے بالکل خلاف ہے۔

یہ سن کر نجاشی بادشاہ نے حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس بارے میں سوال کیا تو آپ نے سورۂ مریم کی تلاوت فرمائی۔ کلام ربانی کی تاثیر سے نجاشی بادشاہ کے قلب پر اتنا گہرا اثر پڑا کہ اس پر رقت طاری ہوگئی اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہمارے رسول نے ہم کو یہی بتایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بندے اور اس کے رسول ہیں جو کنواری مریم کے شکم مبارک سے بغیر باپ کے خدا کی قدرت کا نشان بن کر پیدا ہوئے۔

نجاشی بادشاہ نے بڑے غور سے حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تقریر کو سنا اور یہ کہا کہ بلاشبہ انجیل اور قرآن دونوں ایک ہی آفتاب ہدایت کے دو نور ہیں اور یقیناً حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ بیشک حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خدا کے وہی رسول ہیں جن کی بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انجیل میں دی ہے اور اگر میں دستور سلطنت کے مطابق تخت شاہی پر رہنے کا پابند نہ ہوتا تو میں خود مکہ جا کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جوتیاں سیدھی کرتا اور ان کے قدم دھوتا بادشاہ کی تقریر سن کر اس کے درباری جو کٹر قسم کے عیسائی تھے ناراض و برہم ہو گئے۔ مگر نجاشی بادشاہ نے جوش ایمانی میں سب کو ڈانٹ پھٹکار کر خاموش کر دیا۔ اور کفار مکہ کے تحفوں کو واپس لوٹا کر عمرو بن العاص اور عمارہ بن الولید کو دربار سے نکلوا دیا۔ اور مسلمانوں سے کہہ دیا کہ تم لوگ میری سلطنت میں جہاں چاہو امن و سکون کے ساتھ آرام و چین کی زندگی بسر کرو کوئی تمہارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا۔

نجاشی کا اسلام اور نماز جنازہ

واضح رہے کہ نجاشی بادشاہ مسلمان ہو گیا تھا چنانچہ اس کے انتقال پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے

مدینہ منورہ میں اس کی نماز جنازہ پڑھی حالاں کہ نجاشی بادشاہ کا انتقال حبشہ میں ہوا تھا اور وہ حبشہ ہی میں مدفون بھی ہوئے مگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مدینہ میں ان کی نماز جنازہ پڑھ کر ان کے لیے دعائے مغفرت فرمائی۔(مولف) (مدارج النبوۃ جلد۲۔سیرت مصطفیٰ)

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نجاشی کی موت اور ان کے جنازہ پر نماز سے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

جب اصحمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بادشاہ حبشہ نے حبشہ میں انتقال کیا۔سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ میں صحابہ کو خبر دی اور مصلیٰ میں جا کر صفیں باندھ کر چار تکبیریں کہیں۔ائمہ ستہ نے اسے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا اور بخاری و مسلم میں ہے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں دوسری یا تیسری صف میں تھا۔

صحیح ابن حبان میں عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعن الصحابہ جمیعاً سے ہے

ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال ان اخاکم النجاشی توفی فقوموا صلوا علیه فقام رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم و صفوا خلفه فکبر اربعا و هم لا یظنون الا ان جنازنه بین یدیه .

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تمھارا بھائی نجاشی مر گیا اٹھو اس پر نماز پڑھو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کھڑے ہوئے صحابہ نے پیچھے صفیں باندھیں حضور نے چار تکبیریں کہیں صحابہ کو یہی ظن تھا کہ ان کا جنازہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے حاضر ہے۔

صحیح ابو عوانہ میں انھیں سے ہے :

فصلینا خلفه و نحن لا نری الا ان الجنازۃ قدمنا.

ہم نے حضور کے پیچھے نماز پڑھی اور ہم یہی اعتقاد کرتے تھے کہ جنازہ ہمارے آگے موجود ہے۔

امام واحدی نے اسباب نزول قرآن میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ذکر کی کہ فرمایا:

کشف للنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عن سریر النجاشی حتی رأہ و صلی علیہ ۔

نجاشی کا جنازہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے ظاہر کر دیا گیا تھا حضور نے اسے دیکھا اور اس پر نماز پڑھی۔

نجاشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال دارالکفر میں ہوا وہاں ان پر نماز نہ ہوئی تھی لہٰذا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہاں پڑھی۔

احمد و ابن ماجہ حذیفہ بن اسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی۔

ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خرج بہم فقال صلوا علی اخ لکم مات بغیر ارضکم قالوا من ہو قال النجاشی ۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کو آبادی سے باہر لے جا کر فرمایا کہ اپنے بھائی کی نماز جنازہ پڑھو جس کا انتقال دوسرے ملک میں ہوا ہے صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ وہ کون ہے فرمایا کہ شاہ حبشہ نجاشی ہے۔ (مولف)

مسند ابوداؤد طیالسی میں حذیفہ بن اسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے۔

ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اتاہ موت النجاشی فقال ان اخاکم مات بغیر ارضکم فقوموا فصلوا علیہ ۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حضور نجاشی کے مرنے کی خبر آئی تو فرمایا کہ تمھارا بھائی

دوسرے ملک میں مر گیا ہے کھڑے ہو کر اس پر نماز پڑھو۔ (مولف)

بعض کو ان (نجاشی) کے اسلام میں شبہ تھا یہاں تک کہ بعض نے کہا حبشہ کے ایک کافر پر نماز پڑھی۔

طبرانی کی روایت میں ہے کہ اس کا قائل ایک منافق تھا۔

اس نماز سے مقصود ان کی اشاعت اسلام تھی، اس لیے مصلیٰ میں تشریف لے گئے کہ جماعت کثیر ہو۔

ایک حدیث میں صریح ہے کہ حضور نے جانب حبشہ نماز پڑھی۔ اسے طبرانی نے روایت کیا۔

نجاشی کا جنازہ حبشہ میں تھا اور حبشہ مدینہ طیبہ سے جانب جنوب ہے اور مدینہ طیبہ کا قبلہ جنوب ہی کو ہے۔ (فتاویٰ رضویہ، ج ۴ ص ۶۹، ۷۰۔ الہادی الحاجب)

احمد عن ابی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه ان النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم نعی النجاشی لاصحابه ثم قال استغفروا له ثم خرج باصحابه الی المصلی ثم قام فصلی بهم کما یصلی علی الجنازة .

امام احمد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو نجاشی بادشاہ کے مرنے کی خبر دی پھر فرمایا کہ ان کے لیے دعائے مغفرت کرو اور اپنے اصحاب کو لے کر عیدگاہ کی طرف نکلے پھر اس طرح نماز پڑھائی جس طرح جنازہ پر نماز ہوتی ہے۔ (مولف)

(فتاویٰ رضویہ ج ۴، ص ۲۰)

جنازہ غائب پر نماز جائز نہیں مگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نجاشی و معاویہ بن معاویہ اور امرائے موتہ پر پڑھی تو یہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی اور یہ کہ ان کا جنازہ حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے حاضر تھا پردے اٹھا دیئے گئے تھے۔ (مولف)

تلک الغرانیق العلی کی بحث

ایک دن حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تبلیغ و انذار کی غرض سے مشرکوں کے آگے سورۂ والنجم کی تلاوت فرما رہے تھے جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس آیت کریمہ پر پہنچے افرأیتم اللات و العزی و مناۃ الثالثۃ الآخری (کیا تم نے لات وعزی اور ایک اور تیسرے مناۃ کو نہ دیکھا) تو شیطان نے دخل اندازی کی اور مشرکوں کے کانوں میں یہ آواز پہنچائی

تلک الغرانیق العلی و ان شفاعتھن لترتجی.

یہ وہ بلند مرتبہ اصنام ہیں اور ان کی شفاعت مقبول ہے۔

پھر جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سورۃ تمام فرمائی تو سجدہ کیا دوسرے مسلمانوں نے بھی سجدہ کیا مشرکوں نے بھی مسلمانوں کی موافقت کی، وہ بھی سجدے میں چلے گئے اس وقت مسجد حرام میں کوئی کافر ایسا نہ تھا جس نے سجدہ نہ کیا ہو مگر امیہ بن خلف نے سجدہ نہ کیا بلکہ اس نے ایک مٹھی مٹی لی اور اسے سر سے لگا کر کہا بس اتنا ہی کافی ہے۔ پھر مشرکین خوش ہو کر کہنے لگے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے ہمارے بتوں کو یاد کیا اور ان کی تعریف کی اور ان کی شفاعت کا اثبات کیا۔ ہم بھی ان بتوں کے ساتھ اتنا ہی اعتقاد رکھتے ہیں ہم ان کو خالق، رازق، جلانے اور مارنے والا نہیں جانتے۔ جب محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے ہمارے ساتھ اس بات میں اتفاق کر لیا تو ہم ان سے صلح کرتے ہیں ان سے اور ان کے ساتھیوں سے ظلم وستم کا ہاتھ اٹھاتے ہیں۔ یہ خبر گوشہ گوشہ میں پھیل گئی اور شیطان نے اسے خوب پھیلایا۔ جب حبشہ کے مہاجرین کو یہ خبر پہنچی تو وہ اپنے وطن کی طرف لوٹ پڑے۔

اس واقعہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حزن و ملال میں ڈال دیا تو حق سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تسلی خاطر کے لیے یہ آیت نازل فرمائی۔

و ما ارسلنا من قبلک من رسول ز لا نبی الا اذا تمنی القی الشیطن فی امنیته فینسخ الله ما یلقی الشیطان ثم یحکم الله آیاته و الله علیم حکیم .

اے محبوب! آپ سے پہلے جتنے بھی نبی ورسول ہم نے بھیجے جب وہ تلاوت کرتے تو شیطان نے ان کی تلاوت میں دخل اندازی کی ہے تو ہم شیطان کی دخل اندازی کو منسوخ کر کے اپنی آیتوں کو محکم بناتے ہیں اور اللہ علم وحکمت والا ہے۔

جب یہ آیت کافروں کے کانوں میں پہنچی تو وہ کہنے لگے کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے ہمارے معبودوں کی قدر ومنزلت کے بارے میں جو کہا تھا اب وہ اس سے پشیمان ہو گئے ہیں ہم بھی صلح کا ہاتھ اٹھاتے ہیں۔

لیکن اس قصہ کی صحت اور اس حادثہ کے وقوع میں اہل علم کلام کرتے ہیں۔

- قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کتاب الشفا میں بحث کر کے اس کی اصلیت کو شافی و وافی طریقہ پر ضعیف قرار دیا ہے۔
- امام فخر الدین رازی بھی اپنی تفسیر میں کہتے ہیں کہ یہ قصہ باطل ہے جسے زندیقوں نے گڑھا ہے۔
- بعض کہتے ہیں کہ یہ زبعری کی افترات میں سے ہے۔

بھلا یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ زبان حق ترجمان صاحب و ما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی (وہ اپنی خواہش سے کلام نہیں فرماتے بلکہ وہی کلام فرماتے ہیں جو وحی کی جائے) سے بتوں کی تعریف ہو جائے۔ اور یہ ناممکن ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قرآن میں ایسی چیز کا قصداً یا سہواً اضافہ فرمائیں جو قرآن میں سے نہ ہو۔ خصوصاً ایسی چیز کا اضافہ جو توحید کے سلسلہ میں اپنی لائی ہوئی چیز کے منافی و برخلاف ہو۔

- امام بیہقی فرماتے ہیں کہ نقل وروایت کے اعتبار سے یہ نادر وغریب قصہ ثابت ہے اور ان کے راویوں میں کلام کیا گیا ہے کہ یہ سب کے سب مطعون ہیں۔
- امام بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سورہ والنجم کو ختم کر کے سجدہ کیا آپ کے ساتھ تمام مسلمانوں، مشرکوں اور جن وانس نے سجدہ کیا، اس روایت میں غرانیق والی بات نہیں ہے۔ اس کو ارباب صحاح نے بطریق کثیرہ روایت کیا ہے۔

اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ جو کوئی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بتوں کی تعظیم کو جائز قرار دیتا ہے وہ کافر ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ہم عقل ونقل سے جانتے ہیں کہ یہ قصہ من گھڑت اور باطل ہے اسی طرح جمہور علماء ومحدثین فرماتے ہیں۔ لیکن ان کی ایک جماعت مثلاً ابو حاتم، طبری، ابن منذر، ابن اسحاق، موسیٰ بن عقبہ، اور ابو معشر وغیرہ نے ان راویوں سے اسے روایت کیا جن میں سے اکثر راوی ضعیف، واہی، منقطع، مرسل، مضطرب اور غیر صحیح ہیں۔ قطع نظر ان کی صحت کے ان تمام وجوہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس میں کچھ نہ کچھ اصلیت ہے اور اس کے سوا چارہ نہیں کہ توجیہ وتاویل کے ذریعہ ظاہر سے ان کا اخراج کیا جائے تاکہ ان محذورات وممنوعات سے جو مذکور ہیں انھیں نکالا جائے۔ وہ بلا شبہ توجیہات وتاویلات کی راہ میں ایسے طریقوں پر چلے ہیں جو مسالک بعیدہ ہیں اور تسلی وتشفی کے موجب نہیں ہیں۔ مثلاً۔

(۱) بعض یہ کہتے ہیں کہ یہ کلمہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر (معاذ اللہ) ایسی غنودگی کی حالت میں جاری ہوا جس میں معلوم ہی نہ ہوا کہ کیا کلمے نکل رہے ہیں اور جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ بات معلوم ہوئی تو حق تعالیٰ نے اپنی آیتوں کو محکم فرمایا۔ اسے طبری نے قتادہ سے روایت کیا ہے۔ قاضی عیاض نے اس کی تردید کی ہے اس لیے کہ حضور اکرم

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر شیطان کا کسی حالت میں غالب آنا ہی جائز نہیں خواہ نیند ہی میں کیوں نہ ہوں۔

(۲) کچھ لوگ اس طرح کی تاویل بعید کرتے ہیں کہ شیطان نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مجبور و مضطر کیا کہ ایسے کلمات دہن اقدس سے نکالیں (معاذ اللہ) تو آپ سے یہ کلمات بے اختیاری میں نکل گئے۔ یہ تاویل پہلی تاویل سے بھی بدتر فاسد اور نامعقول ہے۔ اس لیے کہ حق تبارک و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

ان عبادی لیس لک علیھم سلطان.

یعنی اے شیطان تیرا میرے بندوں پر کوئی غلبہ و اختیار نہیں۔

اگر شیطان میں ایسی قدرت وقوت ہوتی تو پھر کسی بندے کو طاعت کی قوت نہ ہوتی۔

(۳) بعض لوگ اس کی اس طرح تاویل کرتے ہیں کہ چوں کہ مشرکین اپنے معبودوں کی اسی طرح تعریف کرتے ہیں اور ان کا وصف یہی بیان کرتے ہیں تو وہ اوصاف حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذہن شریف سے متعلق ہو گئے (معاذ اللہ) اور یہ حضور کے حافظہ میں باقی رہا اور سہواً حضور کی زبان مبارک پر وہی کلمات آ گئے۔ اس تاویل کو بھی قاضی عیاض نے مردود قرار دیا ہے۔

(۴) بعض لوگ اس کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تلاوت شریفہ آیہ کریمہ، ومناۃ الثالثۃ الاخری پر پہنچی تو مشرکین ڈرے کہ اس کے آگے ہمارے معبودوں کی مذمت و برائی بیان فرمائیں گے تو مشرکین نے ان کلمات کے بولنے میں جلدی کی اور انھوں نے حضور کی تلاوت میں ان کلمات کو ملا دیا جیسا کہ ان کی عادت تھی کہ وہ تلاوت قرآن کے وقت

شور وغل مچاتے اور قسم قسم کی بولیاں بولتے تھے۔ پھر ان کلمات کو شیطان لعین کی طرف منسوب کر دیا گیا کیوں کہ اسی کے ورغلانے اور ابھارنے سے مشرکوں نے یہ حرکت کی تھی۔ یا شیطان سے مراد شیاطین کی جنس ہے جس میں انسانی شیطان بھی شامل ہیں۔

(۵) بعض اس کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تلاوت قرآن میں ترتیل فرماتے اور ہر آیت کے سرے پر وقفہ اور سکوت فرماتے تھے اور شیطان اس گھات میں لگ گیا کہ کسی سکتہ میں اپنی آمیزش کر دے چنانچہ اس نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وقفہ اور سکتہ میں حضور ہی کی آواز کے مشابہ ترنم میں ان کلمات کو ادا کر دیا اور جو آپ کے قریب تھے انھوں نے گمان کر لیا کہ یہ کلمات بھی (معاذ اللہ) حضور نے ہی ادا کیے ہیں۔ پھر انھوں نے اسے پھیلا دیا۔

صاحب مواہب لدنیہ فرماتے ہیں کہ یہ تاویل احسن وعمدہ ہے۔ اور قاضی ابن العربی نے بھی جو کہ اعاظم علماء مالکیہ میں سے ہیں اسے مستحسن قرار دیا ہے اور فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیہ کریمہ میں خبر دی ہے کہ تمام انبیاء ومرسلین میں سنت الٰہیہ جاری رہی ہے کہ جب وہ کلام فرماتے تو شیطان اپنی طرف سے اس میں کچھ کلمے ملاتا رہا ہے اور یہ آیہ کریمہ (جو اوپر مذکور ہوئی) اس بات پر نص ہے کہ شیطان نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تلاوت میں آمیزش کر کے بڑھا دیا تھا نہ یہ کہ (معاذ اللہ) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے ان کلمات کو ادا فرمایا تھا۔

حبشہ کی طرف دوسری ہجرت

حبشہ میں غریب الوطنی کی زندگی بسر کرنے والے مسلمانوں نے جب یہ افواہ سنی کہ مکہ کے باشندوں نے اسلام قبول کر لیا ہے تو ان کے لیے اپنے وطن سے دور قیام کرنا اب از بس مشکل ہو گیا۔ ان

میں سے اکثر واپس چلے آئے لیکن جب یہاں پہنچے تو انھیں اس افواہ کی حقیقت معلوم ہوئی اور ان کے ہم وطنوں نے ان کو آڑے ہاتھوں لیا اور خوب جی بھر کر ان کو ستانا شروع کیا۔

جتنا عرصہ یہ لوگ ان کے ظلم وستم سے محفوظ رہے تھے اس کی بھی کسر نکال دی تو رحمت عالمیاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انھیں پھر حبشہ کی طرف ہجرت کی اجازت دے دی اللہ کے یہ بندے اس سرزمین کی طرف پھر روانہ ہو گئے جہاں وہ آزادی سے اپنے مالک حقیقی کی عبادت کر سکتے تھے۔ اس دفعہ ان کے ہمراہ کئی دوسرے مسلمان بھی اس قافلہ میں شریک ہو گئے اب ان کی تعداد تراسی تھی۔ مہاجر خواتین کی تعداد میں بھی اضافہ ہو گیا پہلے چار خواتین نے ہجرت کی تھی اب ان کی تعداد اٹھارہ ہو گئی ان میں سے گیارہ کا تعلق قریشی خاندانوں سے تھا اور باقی سات دوسرے قبائل سے تھیں۔ اس قافلہ میں حضرت جعفر بن ابی طالب بھی شریک تھے۔ ابن اسحاق نے ان کو مہاجرین کے پہلے قافلہ میں شامل کیا ہے لیکن موسیٰ بن عقبہ کی تحقیق یہ ہے کہ آپ نے دوسرے قافلہ کے ہمراہ حبشہ کا قصد کیا۔

دوسری مرتبہ ہجرت کرنے والوں میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اپنی زوجہ محترمہ حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ شامل تھے۔ انھیں بہت افسوس تھا کہ وہ دوسری مرتبہ بھی ہجرت کر کے جا رہے ہیں لیکن انھیں سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی معیت وہمراہی کا شرف حاصل نہیں۔ آپ نے ازراہ تأسف اس امر کا ذکر بارگاہ رسالت میں کیا:

فهجرتنا الاولى و هذه الآخرة الى النجاشي و لست معنا.

یارسول اللہ ہماری پہلی اور یہ دوسری ہجرت نجاشی کی طرف ہے اور حضور ہمارے ساتھ نہیں ہیں۔

فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم انتم مهاجرون الى الله والى لكم هاتان الهجرتان جميعا.

حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا افسوس مت کرو تمھاری یہ دونوں ہجرتیں اللہ تعالٰی کی طرف اور میری طرف ہیں۔

یہ سن کر حضرت عثمان نے عرض کی فحسبنا یا رسول اللہ اگر ایسا ہے تو ہم راضی ہیں ہمیں اتنا ہی کافی ہے۔ (مولف) (مدارج النبوۃ جلد دوم، سیرت الرسول)

شعب ابی طالب

و

جنات کی آمد و بیعت

واذ صرفنا الیک نفرا من الجن یستمعون القرآن ، فلما حضروہ قالوا انصتوا فلما قضی ولوا الی قومہم منذرین۔

اور جب کہ ہم نے تمہاری طرف کتنے جن پھیرے کان لگا کر قرآن سنتے ، پھر جب وہاں حاضر ہوئے آپس میں بولے خاموش رہو، پھر جب پڑھنا ہو چکا اپنی قوم کی طرف ڈر سناتے پلٹے۔

(سورۃ الاحقاف ۲۹/کنز الایمان)

شعب ابی طالب ۷ ؁ نبوی

اعلان نبوت کے ساتویں سال ۷ ؁ نبوی میں کفار مکہ نے جب دیکھا کہ روز بروز مسلمانوں کی تعداد بڑھتی جارہی ہے اور حضرت حمزہ و حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جیسے بہادران قریش بھی دامن اسلام مین آ گئے تو غیظ و غضب میں یہ لوگ آپے سے باہر ہو گئے اور تمام سرداران قریش اور مکہ کے دوسرے کفار نے یہ اسکیم بنائی کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اور آپ کے خاندان کا مکمل بائیکاٹ کر دیا جائے اور ان لوگوں کو کسی تنگ و تاریک جگہ میں محصور کر کے ان کا دانہ پانی بند کر دیا جائے تا کہ یہ لوگ مکمل طور پر تباہ و برباد ہو جائیں چنانچہ اس خوفناک تجویز کے مطابق تمام قبائل قریش نے آپس میں یہ معاہدہ کیا کہ جب تک بنی ہاشم کے خاندان والے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو قتل کے لیے ہمارے حوالہ نہ کر دیں۔

(۱) کوئی شخص بنو ہاشم کے خاندان سے شادی بیاہ نہ کرے۔

(۲) کوئی شخص ان لوگوں کے ہاتھ کسی قسم کے سامان کی خرید و فروخت نہ کرے۔

(۳) کوئی شخص ان لوگوں سے میل جول، سلام و کلام اور ملاقات و بات چیت نہ کرے۔

(۴) کوئی شخص ان لوگوں کے پاس کھانے پینے کا کوئی سامان نہ جانے دے

منصور بن عکرمہ نے اس معاہدہ کو لکھا اور تمام سردارن قریش نے اس پر دستخط کر کے اس دستاویز کو کعبہ کے اندر آویزاں کر دیا۔ ابو طالب مجبوراً حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور دوسرے تمام خاندان والوں کو لے کر پہاڑ کی اس گھاٹی میں جس کا نام ''شعب ابی طالب'' تھا پناہ گزیں ہوئے۔ ابولہب کے سوا خاندان بنو ہاشم کے کافروں نے بھی خاندانی حمیت و پاسداری کی بناء پر اس معاملہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ساتھ دیا اور سب کے سب پہاڑ کے اس تنگ و تاریک درہ میں محصور ہو کر قیدیوں کی زندگی بسر کرنے لگے۔ اور یہ تین برس کا زمانہ اتنا سخت اور کٹھن گزرا کہ بنو ہاشم درختوں کے پتے اور سوکھے چمڑے

پکا پکا کر کھاتے تھے اور ان کے بچے بھوک پیاس کی شدت سے تڑپ تڑپ کر دن رات رویا کرتے تھے سنگ دل اور ظالم کافروں نے ہر طرف پہرہ بٹھا دیا تھا کہ کہیں سے بھی گھاٹی کے اندر دانہ پانی نہ جانے پائے۔

مسلسل تین سال تک حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور خاندان بنو ہاشم ان ہوش ربا مصائب کو جھیلتے رہے یہاں تک کہ خود قریش کے کچھ رحم دلوں کو بنو ہاشم کی ان مصیبتوں پر رحم آ گیا اور ان لوگوں نے اس ظالمانہ معاہدہ کو توڑنے کی تحریک چلائی چنانچہ ہشام بن عمرو عامری، زہیر بن ابی امیہ، مطعم بن عدی، ابو البختری، زمعہ بن الاسود وغیرہ یہ سب مل کر ایک ساتھ حرم کعبہ میں گئے اور زہیر نے جو عبد المطلب کے نواسے تھے کفار قریش کو مخاطب کر کے اپنی پر جوش تقریر میں یہ کہا کہ اے لوگو! یہ کہاں کا انصاف ہے کہ ہم لوگ تو آرام سے زندگی بسر کر رہے ہیں اور خاندان بنو ہاشم کے بچے بھوک پیاس سے بے قرار ہو کر بلبلا رہے ہیں۔ خدا کی قسم جب تک اس وحشیانہ معاہدہ کی دستاویز پھاڑ کر پاؤں سے نہ روند دی جائے گی میں ہرگز ہرگز چین سے نہیں بیٹھ سکتا۔

یہ تقریر سن کر ابو جہل نے تڑپ کر کہا کہ خبردار! ہرگز ہرگز تم اس معاہدہ کو ہاتھ نہیں لگا سکتے زمعہ نے ابو جہل کو للکارا اور اس زور سے ڈانٹا کہ ابو جہل کی بولتی بند ہو گئی۔ اسی طرح مطعم بن عدی اور ہشام بن عدی نے بھی خم ٹھونک کر ابو جہل کو جھڑک دیا اور ابو البختری نے تو صاف صاف کہہ دیا کہ اے ابو جہل اس ظالمانہ معاہدہ سے نہ ہم پہلے راضی تھے اور نہ اب ہم اس کے پابند ہیں۔

اسی مجمع میں ایک طرف ابو طالب بھی بیٹھے ہوئے تھے انھوں نے کہا کہ اے لوگو! میرے بھتیجے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کہتے ہیں کہ اس معاہدہ کی دستاویز کو کیڑوں نے کھا ڈالا ہے اور صرف جہاں جہاں خدا کا نام لکھا ہوا تھا اس کو کیڑوں نے چھوڑ دیا ہے لہٰذا میری رائے یہ ہے کہ تم لوگ اس دستاویز کو نکال کر دیکھو اگر اور واقعی اس کو کیڑوں نے کھا لیا ہے جب تو اس کو چاک کر کے پھینک دو اور اگر میرے بھتیجے کا کہنا غلط ثابت ہوا تو میں محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو تمھارے حوالے کر دوں گا۔ یہ سن کر مطعم بن عدی کعبہ

کے اندر گیا اور دستاویز کو اتار لایا اور سب لوگوں نے اس کو دیکھا تو واقعی بجز اللہ کے نام کے پوری دستاویز کو کیڑوں نے کھالیا تھا۔ مطعم بن عدی نے سب کے سامنے اس دستاویز کو پھاڑ کر پھینک دیا اور پھر قریش کے چند بہادر باوجودیکہ یہ سب کے سب اس وقت کفر کی حالت میں تھے ہتھیار لے کر گھاٹی میں پہنچے اور خاندان بنو ہاشم کے ایک ایک آدمی کو نکال کر لائے اور ان کو ان کے مکانوں میں آباد کر دیا۔ یہ واقعہ ۱۰ ؁ نبوی کا ہے۔ منصور بن عکرمہ نے اس دستاویز کو لکھا تھا اس پر یہ قہر الٰہی ٹوٹ پڑا کہ اس کا ہاتھ شل ہو کر سوکھ گیا۔

غم کا سال ۱۰ ؁ نبوی

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شعب ابی طالب سے نکل کر اپنے گھر میں تشریف لائے اور چند ہی روز کفار قریش کے ظلم و ستم سے کچھ امان ملی تھی کہ ابو طالب بیمار ہو گئے اور گھاٹی سے باہر آنے کے آٹھ مہینے بعد ان کا انتقال ہو گیا۔

ابو طالب کی وفات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے ایک بہت ہی جاں گداز روح فرسا حادثہ تھا کیوں کہ بچپن سے جس طرح پیار و محبت کے ساتھ ابو طالب نے آپ کی پرورش کی تھی اور زندگی کے ہر موڑ پر جس جاں نثاری کے ساتھ آپ کی نصرت و دستگیری کی اور آپ کے دشمنوں کے مقابل سینہ سپر ہو کر جس طرح آلام و مصائب کا مقابلہ کیا اس کو بھلا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کس طرح بھول سکتے تھے۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی وفات

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قلب مبارک پر ابھی ابو طالب کے انتقال کا زخم تازہ ہی تھا کہ ابو طالب کی وفات کے تین دن یا پانچ دن کے بعد حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی دنیا سے رحلت فرما گئیں۔ مکہ میں ابو طالب کے بعد سب سے زیادہ جس ہستی نے رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نصرت و حمایت میں اپنا تن من دھن سب کچھ قربان کیا وہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ذات گرامی

تھی۔ جس وقت دنیا میں کوئی آپ کا مخلص مشیر اور غم خوار نہیں تھا حضرت بی بی خدیجہ ہی تھیں کہ ہر پریشانی کے موقع پر پوری جاں نثاری کے ساتھ آپ کی غم خواری اور دل داری کرتی رہتی تھیں اس لیے ابو طالب اور حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دونوں کی وفات سے آپ کے مددگار اور غم گسار دونوں ہی دنیا سے اٹھ گئے جس سے آپ کے قلب نازک پر عظیم صدمہ گزرا کہ آپ نے اس سال کا نام ''عام الحزن'' (غم کا سال) رکھ دیا۔

حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رمضان ۱۰ نبوی میں وفات پائی بوقت وفات ۶۵ برس کی عمر تھی مقام حجون (قبرستان جنت المعلیٰ) میں مدفون ہوئیں۔ حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خود بہ نفس نفیس ان کی قبر میں اترے اور اپنے مقدس ہاتھوں سے ان کی لاش مبارک کو زمین کے سپرد فرمایا۔

طائف کا سفر

مکہ والوں کے عناد اور سرکشی کو دیکھتے ہوئے جب حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان لوگوں کے ایمان لانے سے مایوسی نظر آئی تو آپ نے تبلیغ اسلام کے لیے مکہ کے قرب و جوار کی بستیوں کا رخ کیا چنانچہ اس سلسلہ میں آپ نے طائف کا بھی سفر فرمایا۔ اس سفر میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہمراہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے۔ طائف میں بڑے بڑے امراء اور مال دار لوگ رہتے تھے ان رئیسوں میں عمیر کا خاندان تمام قبائل کا سردار شمار کیا جاتا تھا یہ لوگ تین بھائی تھے عبد یالیل، مسعود اور حبیب، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان تینوں کے پاس تشریف لے گئے اور اسلام کی دعوت دی ان تینوں نے اسلام قبول نہیں کیا بلکہ انتہائی بیہودہ اور گستاخانہ جواب دیا ان بدنصیبوں نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ طائف کے شریر غنڈوں کو ابھار دیا کہ یہ لوگ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ برا سلوک کریں چنانچہ

غنڈوں لفنگوں کا یہ شریری گروہ ہر طرف سے آپ پر ٹوٹ پڑا اور آپ کے موزے اور نعلین مبارک خون سے بھر گئے چنانچہ آپ زخموں سے بے تاب ہو کر بیٹھ جاتے تو یہ ظالم انتہائی بے دردی کے ساتھ آپ کا بازو پکڑ کر اٹھاتے اور جب آپ چلنے لگتے تو پھر آپ پر پتھروں کی بارش کرتے اور ساتھ ساتھ طعنہ زنی کرتے اور گالیاں دیتے، تالیاں بجاتے، ہنسی اڑاتے، حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دوڑ دوڑ کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر آنے والے پتھروں کو اپنے بدن پر لیتے تھے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بچاتے تھے یہاں تک کہ وہ بھی خون میں نہا گئے اور زخموں سے نڈھال ہو کر بے قابو ہو گئے یہاں تک کہ آخر میں آپ نے انگور کے باغ میں پناہ لی۔ یہ باغ مکہ کے ایک مشہور کافر عتبہ بن ربیعہ کا تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ حال دیکھ کر عتبہ بن ربیعہ اور اس کے بھائی شیبہ بن ربیعہ کو آپ پر رحم آ گیا اور کافر ہونے کے باوجود خاندانی حمیت نے جوش مارا چنانچہ ان دونوں کافروں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے باغ میں ٹھہرایا اور اپنے نصرانی غلام، عداس کے ہاتھ سے آپ کی خدمت میں انگور کا ایک خوشہ بھیجا حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بسم اللہ پڑھ کر خوشہ کو ہاتھ لگایا تو عداس تعجب سے کہنے لگا کہ اس اطراف کے لوگ تو یہ کلمہ نہیں بولا کرتے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سے دریافت فرمایا کہ تمہارا وطن کہاں ہے؟ عداس نے کہا کہ میں شہر "نینوا" کا رہنے والا ہوں آپ نے فرمایا کہ وہ یونس بن متی کا شہر ہے وہ بھی میری طرح خدا کے پیغمبر تھے، یہ سن کر عداس آپ کے ہاتھ پاؤں چومنے لگا اور فوراً ہی آپ کا کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔

اس سفر کے مدتوں بعد ایک مرتبہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ کیا جنگ احد کے دن سے بھی زیادہ سخت کوئی دن آپ پر گزرا ہے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں اے عائشہ! وہ دن میرے لیے جنگ احد کے دن سے بھی زیادہ سخت تھا جب میں نے طائف میں وہاں کے ایک سردار عبد یالیل کو اسلام کی دعوت دی اس نے دعوت اسلام کو حقارت کے ساتھ ٹھکرا دیا اور اہل طائف نے مجھ پر پتھراؤ کیا میں اس رنج و غم میں سر جھکائے چلتا رہا

یہاں تک کہ مقام قرن الثعالب میں پہنچ کر میرے ہوش وحواس بجا ہوئے۔ وہاں پہنچ کر جب میں نے سر اٹھایا تو دیکھتا ہوں کہ ایک بدلی مجھ پر سایہ کیے ہوئے ہے اس بادل میں سے حضرت جبریل علیہ الصلاۃ و السلام نے مجھے آواز دی اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی قوم کا قول اور ان کا جواب سن لیا ہے، اب آپ کی خدمت میں پہاڑوں کا فرشتہ حاضر ہے تاکہ وہ آپ کے حکم کی تعمیل کرے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ پہاڑوں کا فرشتہ مجھے سلام کر کے عرض کرنے لگا کہ اے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ نے آپ کی قوم کا قول اور انھوں نے آپ کو جو جواب دیا ہے وہ سب کچھ سن لیا ہے اور مجھ کو آپ کی خدمت میں بھیجا ہے تاکہ آپ مجھے جو چاہیں حکم دیں اور میں آپ کا حکم بجالاؤں اگر آپ چاہتے ہیں کہ میں ابوقبیس اور قعیقان دونوں پہاڑوں کو ان کفار پر الٹ دوں تو میں الٹ دیتا ہوں یہ سن کر رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ نہیں بلکہ میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی نسلوں سے اپنے ایسے بندوں کو پیدا فرمائے گا جو صرف اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کریں گے اور شرک نہیں کریں گے۔

قبائل میں تبلیغ اسلام

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا طریقہ تھا کہ حج کے زمانے میں جب کہ دور دور کے عربی قبائل مکہ میں جمع ہوتے تھے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام قبائل میں دورہ فرما کر لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے تھے، اسی طرح عرب میں جا بجا بہت سے میلے لگتے تھے جن میں دور دراز کے قبائل عرب جمع ہوتے تھے چنانچہ عکاظ، مجنہ، ذوالمجاز کے بڑے بڑے میلوں میں آپ نے قبائل عرب کے سامنے دعوت اسلام پیش فرمائی۔ عرب کے قبائل بنوعامر، محارب، فزارہ، غسان، مرہ، سلیم، عبس، نضر، کندہ، کلب، عذرہ، حضارمہ وغیرہ ان سب مشہور قبائل کے سامنے آپ نے اسلام پیش فرمایا مگر آپ کا چچا ابولہب ہر جگہ آپ کے ساتھ جاتا اور آپ کسی قبیلے کے سامنے وعظ فرماتے تو ابولہب چلا چلا کر یہ کہتا کہ یہ دین سے پھر گیا ہے یہ جھوٹ کہتا ہے۔

قبیلہ بنوذہل بن شیبان کے پاس جب آپ تشریف لے گئے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی آپ کے ساتھ تھے اس قبیلہ کے سردار، مفروق، آپ کی طرف متوجہ ہوا اور اس نے کہا کہ اے قریشی برادر! آپ لوگوں کے سامنے کون سا دین پیش کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ خدا ایک ہے اور میں اس کا رسول ہوں پھر آپ نے سورۂ انعام کی چند آیتیں تلاوت فرمائیں۔ یہ سب آپ کی تقریر اور قرآنی آیتوں کی تاثیر سے انتہائی متاثر ہوئے لیکن یہ کہا کہ ہم اپنے اس خاندانی دین کو بھلا اک دم کیسے چھوڑ سکتے ہیں جس پر ہم برسہا برس سے کاربند ہیں اس کے علاوہ ہم ملک فارس کے بادشاہ کسریٰ کے زیر اثر اور رعیت ہیں اور ہم یہ معاہدہ کر چکے ہیں کہ ہم بادشاہ کسریٰ کے سوا کسی اور کے زیر اثر نہیں رہیں گے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان لوگوں کی صاف گوئی کی تعریف فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ خیر خدا اپنے دین کا حامی و ناصر اور معین و مددگار ہے۔(مولف) (مدارج النبوۃ، جلد دوم۔ سیرت مصطفیٰ)

●......●......●

جنات کی آمد و بیعت

جب اہل طائف نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعوت کو قبول نہ کیا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس پریشانی اور مصیبت کی حالت میں مکہ کی جانب مراجعت فرمائی، راستہ کے کنارے ایک باغ میں پہنچے جب اس باغ کے محافظ و نگہبان نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیشانی مبارک پر پریشانی کا اثر دیکھا تو اس کی رگ رحم حرکت میں آئی اور انگور کا ایک خوشہ اپنے نصرانی غلام کے ہاتھ جس کا نام ''عداس'' تھا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا جب حضور نے انگور کا خوشہ کھانے کے لیے دست مبارک رکھا تو بسم اللہ پڑھی اس پر عداس نے حضور کی طرف دیکھا اور کہنے لگا خدا کی قسم میں نے اس طرف کے لوگوں کے منھ سے ایسا کلمہ نہیں سنا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عداس سے دریافت فرمایا تم کہاں کے رہنے والے ہو اور تمھارا دین کیا ہے؟ اس نے کہا میں نصرانی ہوں اور نینوا کا رہنے والا ہوں۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تم مرد صالح حضرت یونس بن متی کے قریہ کے رہنے والے ہو عداس نے کہا آپ حضرت یونس کو کیسے جانتے اور پہچانتے ہیں؟ فرمایا وہ میرے بھائی اور میری مانند خدا کے نبی ہیں۔ عداس نے کہا آپ کا نام کیا ہے فرمایا میرا نام محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ہے۔ عداس نے کہا میں نے مدت سے آپ کا نام دیکھا ہے اور آپ کی تعریف میں نے توریت میں پڑھی ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو مبعوث فرمائے گا، مکے والے آپ کی اطاعت نہ کریں گے اور آپ کو نکال دیں گے بالآخر آپ کی مدد ہوگی اور آپ کا دین روئے زمین میں پھیل جائے گا۔ اس کے بعد عداس نے آپ کے دست مبارک کو بوسہ دیا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دونوں قدمہائے مبارک کو چوم کر آنکھوں سے لگایا اور مسلمان ہوگیا۔

ایک روایت میں ہے کہ جب ابو طالب نے وفات پائی تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پاپیادہ طائف تشریف لے گئے اور طائف والوں کو دعوت اسلام دی مگر انھوں نے قبول نہ کیا آپ نے مغموم و

محزون حالت میں واپسی پر ایک درخت کے نیچے تشریف فرما ہوئے اور دو رکعت ادا کر کے دعا مانگی جس میں امت کے درماندوں اور بے چاروں کے لیے تلقین و ہدایت ہے۔

واپسی میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم "وادی نخلہ" میں پہنچے (وادی نخلہ ایک مقام کا نام ہے جو مکہ مکرمہ سے ایک منزل کی مسافت پر واقع ہے) وہاں آپ نے ایک شب قیام فرمایا جب آپ نے رات میں نماز کے لیے قیام فرمایا تو شہر نصیبین (جو ملک شام میں ہے) کے سات جن اور ایک روایت میں نو جنوں نے آپ کی تلاوت قرآن کی آواز سنی۔ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو جنات کی یہ جماعت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے ظاہر ہو کر آئی اور حضور نے انھیں ایمان کی دعوت دی اور وہ ایمان لے آئے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم سے اپنی قوم کی طرف لوٹ گئے جب وہ اپنی قوم میں پہنچے تو انھوں نے کہا:

یا قومنا انا سمعنا کتابا انزل من بعد موسیٰ ، کذا فی روضۃ الاحباب .

(اے ہماری قوم ہم نے وہ کتاب سنی ہے جو حضرت موسیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد نازل ہوئی ہے)

مواہب لدنیہ میں سیدنا ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کچھ اور ہی روایت منقول ہے جس کے مطابق جنات کے کچھ لوگوں نے قرآن کریم سنا لیکن وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے ظاہر ہو کر موجود نہ ہوئے اور اس مرتبہ انھوں نے صرف قرآن کی سماعت پر ہی اکتفاء کیا، پھر وہ اپنی قوم کی طرف گئے اس کے بعد فوج در فوج جنات کی قوم آنے لگی اور ٹولیوں کی ٹولیاں بن کر قرآن کریم سننے کے لیے آتیں اور ایمان لاتی رہیں۔ مگر وہ ظاہر ہو کر سامنے نہیں آئے نادیدہ مسلمان ہوئے۔

منقول ہے کہ حرم کے نزدیکی درختوں میں سے ایک درخت نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کلام کیا اور اس نے خبر دی کہ یا رسول اللہ جنات کی قوم آپ سے ملاقات کے لیے آئی ہوئی ہے جو مقام

حجو ن میں ٹھہری ہوئی ہے (حجون ایک مقام کا نام ہے جو مکہ مکرمہ کی بلندی میں واقع ہے) حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے استقبال کے لیے مکہ مکرمہ سے باہر تشریف لائے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اپنے ہمراہ لیا اور مقام حجون پہنچے جب آپ حجو ن کی گھاٹی میں اترے تو اپنی انگشت مبارک سے زمین پر ایک دائرہ کھینچا اور حضرت ابن مسعود سے فرمایا اس دائرے سے باہر قدم نہ نکالنا تاکہ کوئی آفت تمہیں نہ پہنچے۔ پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز میں مشغول ہوئے اور نماز میں سورۂ طٰہٰ کی تلاوت فرمائی ایک روایت میں بارہ ہزار اور ایک روایت میں چھ ہزار جنات حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں موجود تھے نماز کے بعد ان سب کو دعوت اسلام دی اور سب مسلمان ہو گئے۔

مروی ہے کہ جنات کی قوم نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نبوت پر گواہی مانگی تو ایک درخت کو جو اس وادی کے کنارے کھڑا تھا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے قریب بلایا وہ سامنے آ کھڑا ہو گیا اور کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جنات نے اپنے اور اپنے جانوروں کے کھانے کے لیے مجھ سے توشہ مانگا ہے، اس پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جنات کے لیے استخواں یعنی ہڈیاں اور ان کے چوپایوں کے لیے سرگین (گوبر) مقرر فرمائی۔ اور حضور نے جنات سے فرمایا جب تم ہڈیوں کو لے کر خدا کا نام لو گے تو حق تعالیٰ اس پر اتنا گوشت پیدا فرمادے گا کہ تم سیر ہو جاؤ گے اور جب تم اپنے چوپایوں کے لیے سرگین لو گے تو حق تعالیٰ اس میں دانے اور غلے پیدا فرمادے گا۔ اسی بناء پر شریعت میں ہڈی اور سرگین سے استنجا کرنا ممنوع قرار دیا گیا ہے۔

جب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم طائف سے مکہ مکرمہ واپس ہوئے تو آپ یکا یک مکہ مکرمہ میں داخل نہ ہوئے مبادا مکہ والوں نے طائف اور ثقیف کے لوگوں کی حرکتیں اور ان کی شناعتیں اور حماقتیں نہ سن لی ہوں اور وہ ویسی ہی بد سلوکی کرنے لگیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پہلے کسی کو قریش کے قبائل کی

طرف امان و پناہ کے لیے بھیجا مگر کسی نے نہ مانا، یہاں تک کہ مطعم بن عدی نے اپنی امان و پناہ میں لینے کا وعدہ کیا۔ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ملی تو حضور مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے، حجر اسود کو بوسہ دیا اور خانہ کعبہ کا طواف کیا اور دو رکعت نماز پڑھی۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (مولف) (مدارج النبوہ، دوم)

جنات کی خوراک

جنات کی خوراک وغیرہ سے متعلق ایک سوال کے جواب میں امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں:

قوم جن کے وفد جو بارگاہ حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے اور اپنے اور اپنے جانوروں کے لیے خوراک طلب کی ان سے ارشاد ہوا۔

لکم کل عظم ذکر اسم اللہ علیہ یقع فی ایدیکم اوفر ما یکون لحما و کل بعرۃ علف لدوابکم .

تمھارے لیے ہر ہڈی ہے جس پر اللہ عزوجل کا نام پاک لیا جائے یعنی حلال مذکی جانور کی ہڈی ہو وہ تمھارے ہاتھ میں اس حال پر ہوگی جیسی اس وقت تھی جب اس پر گوشت پورا اور کامل تھا۔ (یعنی گوشت چھڑائی ہوئی ہڈی تمھیں مع گوشت ملے گی) اور ہر مینگنی تمھارے چوپایوں کے لیے چارہ ہے۔

پھر انسانوں سے ارشاد ہوا۔

فلا تستنجوا بھما فانھما طعام اخوانکم .

ہڈی اور مینگنی سے استنجاء نہ کرو کہ وہ تمھارے بھائیوں کی خوراک ہے۔

اسے مسلم نے اپنی صحیح میں ابو مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔ (فتاوئی رضویہ ج ۲/۱۷۰)

جن سب سے پہلے نماز فجر میں آئے

بخاری ومسلم روایت کرتے ہیں عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما فی حدیث مجیٔ الجن الیه صلی الله تعالیٰ علیه وسلم اول البعث انهم اتوه صلی الله تعالیٰ علیه و سلم و هو یصلی باصحابه صلاۃ الفجر.

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ مقدس میں جنوں کے آنے کی حدیث میں ہے کہ زمانۂ بعثت کے آغاز میں جنات بارگاہ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں اس وقت آئے جب کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے اصحاب کو نماز فجر پڑھا رہے تھے۔ (مولف)

قال الزرقانی المراد بالفجر رکعتان اللتان کان یصلیهما قبل طلوع الشمس.

امام زرقانی فرماتے ہیں کہ فجر سے مراد وہ دو رکعت ہیں جو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم طلوع آفتاب سے پہلے پڑھتے تھے۔ (مولف)

لیلۃ الجن میں وضو

ذکر ابن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه فی تفسیر نبیذ التمر الذی توضأ به رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم لیلة الجن فقال تمیرات القیتها فی الماء.

لیلۃ الجن میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جس نبیذ سے وضو فرمایا تھا اس کے بارے میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ وہ نبیذ تمر ہے جس میں میں نے چند چھوہارے پانی میں ڈالے تھے۔ نبیذ اگر رقیق وسیال ہو تو اس سے وضو جائز ہے۔ (مولف)

(فتاویٰ رضویہ ج۱/۴۵۰۔ النور والنورق)

ہجرت سے قبل مدینہ میں
آفتاب رسالت کی ضیاء پاشیاں

مدینہ نوری بستی ہے
جہاں رحمت برستی ہے

ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ ید اللہ فوق ایدیھم

وہ جو تمھاری بیعت کرتے ہیں وہ تو اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔
(الفتح، ۱۰)

ہجرت سے قبل مدینہ میں آفتاب رسالت کی ضیاء پاشیاں

مدینہ منورہ کا پرانا نام ''یثرب'' ہے جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس شہر میں سکونت فرمائی تو اس کا نام ''مدینۃ النبی'' پڑ گیا پھر یہ نام مختصر ہو کر ''مدینہ'' مشہور ہو گیا، تاریخی حیثیت سے یہ بہت پرانا شہر ہے۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب اعلان نبوت فرمایا تو اس شہر میں عرب کے دو قبیلے ''اوس'' اور ''خزرج'' اور کچھ یہودی آباد تھے۔ اوس و خزرج کفار مکہ کی طرح بت پرست اور یہودی اہل کتاب تھے۔ اوس و خزرج پہلے تو بڑے اتفاق و اتحاد کے ساتھ مل جل کر رہتے تھے مگر پھر عربوں کی فطرت کے مطابق ان دونوں قبیلوں میں لڑائیاں شروع ہو گئیں یہاں تک کہ آخری لڑائی جو تاریخ عرب میں ''جنگ بعاث'' کے نام سے مشہور ہے اس قدر ہولناک اور خوں ریز ہوئی کہ اس لڑائی میں اوس و خزرج کے تقریباً تمام نامور بہادر لڑ بھڑ کر کٹ مر گئے اور یہ دونوں قبیلے بے حد کمزور ہو گئے۔ یہودی اگر چہ تعداد میں بہت کم تھے مگر چوں کہ وہ تعلیم یافتہ تھے اس لیے اوس و خزرج ہمیشہ یہودیوں کی علمی برتری سے مرعوب اور ان کے زیر اثر رہتے تھے۔

اسلام قبول کرنے کے بعد رسول رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مقدس تعلیم و تربیت کی بدولت اوس و خزرج کے تمام پرانے اختلافات ختم ہو گئے اور یہ دونوں قبیلے شیر و شکر کی طرح گھل مل کر رہنے لگے۔ اور چوں کہ ان لوگوں نے اسلام اور مسلمانوں کی اپنے تن من دھن سے بے پناہ امداد و نصرت کی اس لیے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان خوش بختوں کو ''انصار'' کے معزز لقب سے سرفراز فرما دیا اور قرآن کریم نے بھی جاں نثاران اسلام کی نصرت رسول و امداد مسلمین پر ان خوش نصیبوں کی مدح و ثنا کا جا بجا خطبہ پڑھا اور از روئے شریعت انصار کی محبت اور ان کی جناب میں حسن عقیدت تمام امت مسلمہ کے لیے لازم الایمان قرار پایا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

مدینہ میں اسلام کیوں کر پھیلا

انصار گو بت پرست تھے مگر یہودیوں کے میل جول سے اتنا جانتے تھے کہ نبی آخر الزماں کا ظہور ہونے والا ہے اور مدینہ کے یہودی اکثر انصار کے دونوں قبیلوں اوس و خزرج کو دھمکیاں بھی دیا کرتے تھے کہ نبی آخر الزماں (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے ظہور کے وقت ہم ان کے لشکر میں شامل ہو کر تم بت پرستوں کو دنیا سے نیست و نابود کر ڈالیں گے اس لیے نبی آخر الزماں کی تشریف آوری کا یہود اور انصار دونوں کو انتظار تھا۔

۱۱ھ نبوی میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم معمول کے مطابق حج میں آنے والے قبائل کو دعوت اسلام دینے کے لیے منیٰ کے میدان میں تشریف لے گئے اور قرآن مجید کی آیتیں سنا سنا کر لوگوں کے سامنے اسلام پیش فرمانے لگے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منیٰ میں عقبہ (گھاٹی) کے پاس جہاں آج "مسجد العقبہ" ہے تشریف فرما تھے کہ قبیلۂ خزرج کے چھ آدمی آپ کے پاس آ گئے۔ آپ نے ان لوگوں سے ان کا نام و نسب پوچھا پھر قرآن کی چند آیتیں سنا کر ان لوگوں کو اسلام کی دعوت دی جس سے یہ لوگ بے حد متأثر ہو گئے اور ایک دوسرے کا منہ دیکھ کر واپسی میں یہ کہنے لگے کہ یہودی جس نبی آخر الزماں کی خوش خبری دیتے رہے ہیں۔ یقیناً وہ نبی یہی ہیں۔ لہٰذا کہیں ایسا نہ ہو کہ یہودی ہم سے پہلے اسلام کی دعوت قبول کر لیں یہ کہہ کر سب ایک ساتھ مسلمان ہو گئے اور مدینہ جا کر اپنے اہل خاندان اور رشتہ داروں کو بھی اسلام کی دعوت دی۔ ان چھ خوش نصیبوں کے نام یہ ہیں۔

(۱) حضرت ابو الہیثم بن تیہان

(۲) حضرت ابو امامہ اسعد بن زرارہ

(۳) حضرت عوف بن حارث

(۴) حضرت رافع بن مالک

(۵) حضرت قطبہ بن عامر بن حدیدہ

(۶) حضرت جابر بن عبداللہ بن ریاب۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین)

بیعت عقبہ اولیٰ

دوسرے سال ۱۲ نبوی میں حج کے موقع پر مدینہ کے بارہ اشخاص منیٰ کی اس گھاٹی میں چھپ کر مشرف بہ اسلام ہوئے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بیعت کا شرف حاصل کیا تاریخ اسلام میں اس بیعت کا نام "بیعت عقبہ اولیٰ" ہے۔

ساتھ ہی ان لوگوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے درخواست بھی کی کہ احکام اسلام کی تعلیم کے لیے کوئی معلم بھی ان لوگوں کے ساتھ کر دیا جائے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان لوگوں کے ساتھ مدینہ منورہ بھیج دیا وہ مدینہ میں حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان پر ٹھہرے اور انصار کے ایک ایک گھر میں جا جا کر اسلام کی تبلیغ کرنے لگے اور روزانہ ایک دو نئے آدمی آغوش اسلام میں آنے لگے یہاں تک کہ رفتہ رفتہ مدینہ سے قبا تک گھر گھر اسلام پھیل گیا۔

قبیلۂ اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت ہی بہادر اور بااثر شخص تھے۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب ان کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی تو انھوں نے پہلے تو اسلام سے نفرت و بیزاری ظاہر کی مگر جب حضرت مصعب بن عمیر نے ان کو قرآن مجید پڑھ کر سنایا تو ایک دم ان کا دل پسیج گیا اور اس قدر متأثر ہوئے کہ سعادت ایمان سے سرفراز ہو گئے ان کے مسلمان ہوتے ہی ان کا قبیلہ اوس بھی دامن اسلام میں آ گیا۔

بیعت عقبہ ثانیہ

اس کے ایک سال بعد ۱۳ ؁ نبوی میں حج کے موقع پر مدینہ کے تقریباً ۷۲/ بہتر اشخاص نے منیٰ کی اسی گھاٹی میں اپنے بت پرست ساتھیوں سے چھپ کر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دست حق پرست پر بیعت کی۔ اور یہ عہد کیا کہ ہم لوگ آپ کی اور اسلام کی حفاظت کے لیے اپنی جان تک قربان کر دیں گے۔ اس موقع پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی موجود تھے جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے انھوں نے مدینہ والوں سے کہا کہ دیکھو محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اپنے خاندان بنی ہاشم میں ہر طرح محترم اور باعزت ہیں ہم لوگوں نے دشمنوں کے مقابلہ میں سینہ سپر ہو کر ہمیشہ ان کی حفاظت کی ہے اب تم لوگ ان کو اپنے وطن میں لے جانے کے خواہش مند ہو تو سن لو اگر مرتے دم تک تم لوگ ان کا ساتھ دے سکو تو بہتر ہے ورنہ ابھی سے کنارہ کش ہو جاؤ۔ یہ سن کر حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ طیش میں آ کر کہنے لگے کہ ہم لوگ تلواروں کی گود میں پلے ہیں حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اتنا ہی کہنے پائے تھے کہ ابوالہیثم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بات کاٹتے ہوئے یہ کہا کہ یا رسول اللہ ہم لوگوں کے یہودیوں سے پرانے تعلقات ہیں اب ظاہر ہے کہ ہمارے مسلمان ہو جانے کے بعد یہ تعلقات ٹوٹ جائیں گے کہیں ایسا نہ ہو کہ جب اللہ تعالیٰ آپ کو غلبہ عطا فرمائے تو آپ ہم لوگوں کو چھوڑ کر اپنے وطن مکہ چلے جائیں یہ سن کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسکراتے ہوئے جواب دیا کہ تم لوگ اطمینان رکھو کہ تمھارا خون میرا خون ہے اور یقین کرو کہ میرا جینا مرنا تمھارے ساتھ ہے میں تمھارا ہوں اور تم میرے۔ تمھارا دشمن میرا دشمن اور تمھارا دوست میرا دوست ہے۔

جب انصار یہ بیعت کر رہے تھے تو حضرت سعد بن زرارہ یا حضرت عباس بن نضلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا کہ میرے بھائیو! تمھیں یہ بھی خبر ہے کہ تم لوگ کس چیز پر بیعت کر رہے ہو؟ خوب سمجھ لو کہ یہ عرب و عجم کے ساتھ اعلان جنگ ہے انصار نے طیش میں آ کر نہایت ہی پر جوش لہجے میں کہا کہ ہاں ہاں ہم

لوگ اسی پر بیعت کررہے ہیں۔ بیعت ہوجانے کے بعد آپ نے اس جماعت میں سے بارہ آدمیوں کو نقیب (سردار) مقرر فرمایا ان میں نو آدمی قبیلہ خزرج کے اور تین اشخاص قبیلۂ اوس کے تھے جن کے مبارک نام یہ ہیں۔

(۱) ابوامامہ اسعد بن زرارہ (۲) سعد بن ربیع

(۳) عبداللہ بن رواحہ (۴) رافع بن مالک

(۵) براء بن معرور (۶) عبداللہ بن عمرو

(۷) سعد بن عبادہ (۸) منذر بن عمرو

(۹) عبادہ بن ثابت

یہ نو آدمی قبیلۂ خزرج کے ہیں۔

(۱۰) اسید بن حضیر (۱۱) سعد بن خیثمہ

(۱۲) ابوالہیثم بن تیہان

یہ تین شخص قبیلۂ اوس کے ہیں۔(رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین)

اس کے بعد یہ تمام حضرات اپنے ڈیروں پر چلے گئے۔ صبح کے وقت جب قریش کو اس کی اطلاع پہنچی تو وہ آگ بگولا ہوگئے اور ان لوگوں نے ڈانٹ کر مدینہ والوں سے پوچھا کہ کیا تم لوگوں نے ہمارے ساتھ جنگ کرنے پر محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) سے بیعت کی ہے۔ انصار کے کچھ ساتھیوں نے جو مسلمان نہیں ہوئے تھے اپنی لاعلمی ظاہر کی یہ سن کر قریش واپس چلے گئے مگر جب تحقیق و تفتیش کے بعد کچھ انصار کی بیعت کا حال معلوم ہوا تو قریش غیظ و غضب میں آپے سے باہر ہوگئے اور بیعت کرنے والوں کی گرفتاری

کے لیے تعاقب کیا مگر قریش حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا کسی اور کو نہیں پکڑ سکے۔ قریش حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے ساتھ مکہ لائے اور ان کو قید کر دیا۔ مگر جب جبیر بن مطعم اور حارث بن حرب بن امیہ کو پتہ چلا تو ان دونوں نے قریش کو سمجھایا کہ خدا کے لیے سعد بن عبادہ کو فوراً چھوڑ دو ورنہ تمھاری ملک شام کی تجارت خطرے میں پڑ جائے گی۔ یہ سن کر قریش نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قید سے رہا کر دیا اور وہ بخیریت مدینہ پہنچ گئے۔ (مولف)

(مدارج النبوۃ۔ سیرت مصطفیٰ)

ہجرت مدینہ

قسمت ثور و حرا کی حرص ہے
چاہتے ہیں دل میں گہرا غار ہم

إِلَّا تَنصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا فَأَنزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَىٰ وَكَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ

اگر تم محبوب کی مدد نہ کرو تو بیشک اللہ نے ان کی مدد فرمائی جب کافروں کی شرارت سے انھیں باہر تشریف لے جانا ہوا صرف دو جان سے جب وہ دونوں غار میں تھے جب اپنے یار سے فرماتے تھے غم نہ کھا بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے تو اللہ نے اس پر اپنا سکینہ اتارا اور ان فوجوں سے اس کی مدد کی جو تم نے نہ دیکھیں اور کافروں کی بات نیچے ڈالی اللہ ہی کا بول بالا ہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔ (سورۃ التوبہ/۴۰)

ہجرت مدینہ

مدینہ منورہ میں جب اسلام اور مسلمانوں کو پناہ مل گئی تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام کو عام اجازت دے دی کہ وہ مکے سے ہجرت کر کے مدینہ چلے جائیں۔ چنانچہ سب سے پہلے حضرت ابو سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہجرت کی اس کے بعد یکے بعد دیگرے دوسرے لوگ بھی مدینہ روانہ ہونے لگے۔ جب کفار قریش کو پتہ چلا تو انھوں نے روک ٹوک شروع کر دی مگر چھپ چھپ کر لوگوں نے ہجرت کا سلسلہ جاری رکھا یہاں تک کہ رفتہ رفتہ بہت سے صحابہ کرام مدینہ منورہ چلے گئے صرف وہی حضرات مکہ میں رہ گئے جو یا تو کافروں کی قید میں تھے یا اپنی مفلسی کی وجہ سے مجبور تھے۔

کفار کا نفرنس

جب مکہ کے کافروں نے یہ دیکھ لیا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے مددگار مکہ سے باہر مدینہ میں ہو گئے اور مدینہ جانے والے مسلمانوں کو انصار نے اپنی پناہ میں لے لیا ہے تو کفار مکہ کو یہ خطرہ محسوس ہونے لگا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) بھی مدینہ چلے جائیں اور وہاں سے اپنے حامیوں کی فوج لے کر مکہ پر چڑھائی نہ کر دیں۔

چنانچہ اس خطرہ کا دروازہ بند کرنے کے لیے کفار مکہ نے اپنے دارالندوۃ (پنچائت گھر) میں ایک بہت بڑی کانفرنس منعقد کی۔ اور یہ کفار مکہ کا ایسا زبردست نمائندہ اجتماع تھا کہ مکہ کا کوئی بھی ایسا دانشور اور بااثر شخص نہ تھا جو اس کانفرنس میں شریک نہ ہوا ہو۔

خصوصیت کے ساتھ ابوسفیان، ابوجہل، عتبہ، جبیر بن مطعم، نضر بن حارث، ابوالبختری، زمعہ بن اسود، حکیم بن حزام، امیہ بن خلف وغیرہ وغیرہ تمام سرداران قریش اس مجلس میں موجود تھے۔ شیطان

لعین بھی کمبل اوڑھے ایک بزرگ شیخ کی صورت میں آ گیا۔قریش کے سرداروں نے نام ونسب پوچھا تو بولا کہ میں شیخ نجد ہوں اس لیے اس کانفرنس میں آ گیا ہوں کہ میں تمھارے معاملہ میں اپنی رائے بھی پیش کروں۔

یہ سن کر قریش کے سرداروں نے ابلیس کو بھی اپنی کانفرنس میں شریک کر لیا۔اور کانفرنس کی کارروائی شروع ہوئی۔ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا معاملہ پیش ہوا تو ابوالبختری نے یہ رائے دی کہ ان کو کسی کوٹھری میں بند کر کے ان کے ہاتھ پاؤں باندھ دو اور ایک سوراخ سے کھانا پانی ان کو دے دیا کرو۔

شیخ نجدی (شیطان) نے کہا کہ یہ رائے اچھی نہیں خدا کی قسم اگر تم لوگوں نے ان کو کسی مکان میں قید کر دیا تو یقیناً ان کے جاں نثار اصحاب کو اس کی خبر لگ جائے گی اور وہ اپنی جان پر کھیل کر ان کو قید سے چھڑا لیں گے۔

ابوالاسود ربیعہ بن عمرو عامری نے یہ مشورہ دیا کہ ان کو مکہ سے نکال دو تا کہ یہ کسی دوسرے شہر میں جا کر رہیں اس طرح ہم کو ان کے قرآن پڑھنے اور ان کی تبلیغ اسلام سے نجات مل جائے گی۔

یہ سن کر شیخ نجدی نے بگڑ کر کہا کہ تمھاری اس رائے پر لعنت، کیا تم لوگوں کو معلوم نہیں کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے کلام میں کتنی مٹھاس اور تاثیر و دل کشی ہے؟ خدا کی قسم اگر تم لوگ ان کو شہر بدر کر کے چھوڑ دو گے تو پورے ملک عرب میں لوگوں کو قرآن سنا سنا کر تمام قبائل عرب کو اپنا تابع فرمان بنا لیں گے اور پھر اپنے ساتھ ایک عظیم لشکر کو لے کر تم پر ایسی یلغار کر دیں گے کہ تم ان کے مقابلہ سے عاجز و لاچار ہو جاؤ گے اور پھر بجز اس کے کہ تم ان کے غلام بن کر رہو کچھ بنائے نہ بنے گی اس لیے ان کو جلاوطن کرنے کی بات ہی مت کرو۔

ابوجہل بولا کہ صاحبو! میرے ذہن میں ایک رائے ہے جواب تک کسی کو نہیں سوجھی یہ سن کر سب کے کان کھڑے ہوگئے اور سب نے بڑے اشتیاق کے ساتھ پوچھا کہ کہیئے وہ کیا ہے؟ تو ابوجہل نے کہا کہ میری رائے یہ ہے کہ ہر قبیلہ کا ایک ایک مشہور بہادر تلوار لے کر اٹھ کھڑا ہو اور سب یکبارگی حملہ کر کے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو قتل کر ڈالیں۔ اس تدبیر سے خون کا جرم تمام قبیلوں کے سر پر رہے گا۔ ظاہر ہے کہ خاندان بنو ہاشم اس خون کا بدلہ لینے کے لیے تمام قبیلوں سے لڑنے کی طاقت نہیں رکھ سکتے لہٰذا یقیناً وہ خون بہا لینے پر راضی ہو جائیں گے اور ہم لوگ مل جل کر آسانی کے ساتھ خون بہا کی رقم ادا کر دیں گے۔

ابوجہل کی یہ خونی تجویز سن کر شیخ نجدی مارے خوشی کے اچھل پڑا اور کہا کہ یہ تدبیر بالکل درست ہے اس کے سوا اور کوئی تجویز قابل قبول نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ تمام شرکاء کانفرنس نے اتفاق رائے سے اس تجویز کو پاس کر دیا اور مجلس شوریٰ برخاست ہوگئی اور ہر شخص یہ خوفناک عزم لے کر اپنے اپنے گھر چلا گیا۔

ہجرت رسول کا واقعہ

جب کفار حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قتل پر اتفاق کر کے کانفرنس ختم کر چکے اور اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے۔ تو حضرت جبریل علیہ السلام رب العالمین کا حکم لے کر نازل ہو گئے۔

کہ اے محبوب! آج کی رات آپ اپنے بستر پر نہ سوئیں اور ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے جائیں۔

چنانچہ عین دوپہر کے وقت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر تشریف لے گئے۔

اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ سب گھر والوں کو ہٹا دو کچھ مشورہ کرنا ہے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ قربان یہاں آپ کی اہلیہ (حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے سوا اور کوئی نہیں (اس وقت حضرت عائشہ سے حضور کا نکاح ہو چکا تھا) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے ابوبکر اللہ تعالیٰ نے مجھے ہجرت کی اجازت فرمادی ہے حضرت ابوبکر صدیق نے عرض کیا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان! مجھے بھی ہمراہی کا شرف عطا فرمایئے آپ نے ان کی درخواست منظور فرمالی۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چار مہینے سے دو اونٹنیاں ببول کی پتی کھلا کھلا کر تیار کی تھیں کہ ہجرت کے وقت یہ سواری کے کام آئیں گی۔ عرض کیا یارسول اللہ ان میں سے ایک اونٹنی آپ قبول فرمالیں آپ نے ارشاد فرمایا کہ قبول ہے مگر میں اس کی قیمت دوں گا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بادل ناخواستہ (فرمان رسالت سے مجبور ہوکر) اس کو قبول کیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تو اس وقت بہت کم عمر تھیں لیکن ان کی بڑی بہن حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سامان سفر درست کیا اور توشہ دان میں کھانا رکھ کر اپنی کمر کے پٹکے کو پھاڑ کر دو ٹکڑے کیے۔ ایک سے توشہ دان کو باندھا اور دوسرے سے مشک کا منہ باندھا۔ یہ وہ قابل فخر شرف ہے جس کی بناء پر ان کو ''ذات النطاقین'' (دو پٹکے والی) کے معزز لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

اس کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک کافر کو جس کا نام عبداللہ بن اریقط تھا جو راستوں کا ماہر تھا راہ نمائی کے لیے اجرت پر نوکر رکھا اور ان دونوں اونٹنیوں کو اس کے سپرد کر کے فرمایا کہ تین راتوں کے بعد وہ ان دونوں اونٹنیوں کو لے کر غار ثور کے پاس آجائے۔ یہ سارا انتظام کر لینے کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے مکان پر تشریف لائے۔

کاشانۂ نبوت کا محاصرہ

کفار مکہ نے اپنے پروگرام کے مطابق کاشانۂ نبوت کو گھیر لیا اور انتظار کرنے لگے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سو جائیں تو ان پر قاتلانہ حملہ کیا جائے۔ اس وقت گھر میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس صرف علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔

کفار مکہ اگرچہ رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بدترین دشمن تھے مگر اس کے باوجود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امانت و دیانت پر کفار کو اس قدر اعتماد تھا کہ وہ اپنے قیمتی مال و سامان کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس امانت رکھتے تھے چنانچہ اس وقت بھی بہت سی امانتیں کاشانۂ نبوت میں تھیں۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ تم میری سبز رنگ کی چادر اوڑھ کر میرے بستر پر سو رہو اور میرے چلے جانے کے بعد تم قریش کی تمام امانتیں ان کے مالکوں کو سونپ کر مدینہ چلے آنا۔

یہ بڑا ہی خوفناک اور بڑے سخت خطرے کا موقع تھا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معلوم تھا کہ کفار مکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قتل کا ارادہ کر چکے ہیں۔ مگر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرمان سے کہ تم قریش کی ساری امانتیں لوٹا کر مدینہ چلے آنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یقین کامل تھا کہ میں زندہ رہوں گا اور مدینہ پہنچوں گا اس لیے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بستر جو آج کانٹوں کا بچھونا تھا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے پھولوں کی سیج بن گیا اور آپ بستر پر صبح تک آرام کے ساتھ میٹھی میٹھی نیند سوتے رہے۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بستر نبوت پر جان ولایت کو سلا کر ایک مٹھی خاک ہاتھ میں

لی اور سورۂ یٰس کی ابتدائی آیتوں کو تلاوت فرماتے ہوئے نبوت خانہ سے باہر تشریف لائے اور محاصرہ کرنے والے کافروں کے سروں پر خاک ڈالتے ہوئے ان کے مجمع سے صاف نکل گئے نہ کسی کو نظر آئے نہ کسی کو کچھ خبر ہوئی۔ایک دوسرا شخص جو اس مجمع میں موجود تھا اس نے ان لوگوں کو خبر دی کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) تو یہاں سے نکل گئے اور چلتے وقت تمہارے سروں پر خاک ڈال گئے چنانچہ ان کور بختوں نے اپنے سروں پر ہاتھ پھیرا تو واقعی ان کے سروں پر خاک اور دھول پڑی ہوئی تھی۔

اے شہر مکہ!

رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے دولت خانہ سے نکل کر مقام حزورہ کے پاس کھڑے ہو گئے اور بڑی حسرت کے ساتھ کعبہ کو دیکھا اور فرمایا کہ :

اے شہر مکہ! تو مجھ کو تمام دنیا سے زیادہ پیارا ہے اگر میری قوم مجھ کو تجھ سے نہ نکالتی تو میں تیرے سوا کسی اور جگہ سکونت پذیر نہ ہوتا۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پہلے ہی قرار داد ہو چکی تھی وہ بھی اسی جگہ آ گئے اور اس خیال سے کہ کفار مکہ ہمارے قدموں کے نشان سے ہمارا راستہ پہچان کر ہمارا پیچھا نہ کریں۔پھر یہ بھی دیکھا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پائے نازک زخمی ہو گئے ہیں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کو اپنے کندھوں پر سوار کر لیا اور اس طرح خاردار جھاڑیوں اور نوک دار پتھروں والی پہاڑیوں کو روندتے ہوئے اسی رات غار ثور پہنچے۔

تاجدار کائنات غار ثور میں

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلے خود غار ثور میں داخل ہوئے اور اچھی طرح غار کی صفائی کی اور اپنے بدن کے کپڑے پھاڑ پھاڑ کر غار کے تمام سوراخوں کو بند کیا پھر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم غار کے اندر تشریف لے گئے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گود میں اپنا سر مبارک رکھ کر سو گئے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک سوراخ کو اپنی ایڑی سے بند کر رکھا تھا سوراخ کے اندر سے ایک سانپ نے بار بار یار غار کے پاؤں میں کاٹا مگر حضرت صدیق جانثار نے اس خیال سے پاؤں نہیں ہٹایا کہ رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خواب راحت میں خلل نہ پڑ جائے مگر درد کی شدت سے یار غار کے آنسوؤں کی دھار کے چند قطرات سرور کائنات کے رخسار پر نثار ہو گئے جس سے رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بیدار ہو گئے اور اپنے یار غار کو روتا دیکھ کر بے قرار ہو گئے پوچھا ابو بکر کیا ہوا؟ عرض کی کہ یا رسول اللہ مجھے سانپ نے کاٹ لیا ہے یہ سن کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے زخم پر اپنا لعاب دہن لگا دیا جس سے فوراً ہی سارا درد جاتا رہا۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تین رات اس غار میں رونق افروز رہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جوان فرزند حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روزانہ رات کو غار کے منہ پر سوتے اور صبح سویرے ہی مکہ چلے جاتے اور پتہ لگاتے کہ قریش کیا تدبیریں کر رہے ہیں؟ جو کچھ خبر ملتی شام کو آ کر حضور سے عرض کر دیتے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلام حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کچھ رات گئے چراگاہ سے بکریاں لے کر غار کے پاس آ جاتے اور ان بکریوں کا دودھ دونوں عالم کے تاجدار اور ان کے یار غار پی لیتے تھے۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو غار ثور میں تشریف فرما ہو گئے ادھر کاشانہ نبوت کا محاصرہ کرنے والے کفار جب صبح کو مکان میں داخل ہوئے تو بستر نبوت پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ ظالموں نے تھوڑی دیر آپ سے پوچھ گچھ کر کے آپ کو چھوڑ دیا۔ پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تلاش و جستجو میں مکہ اور اطراف و جوانب کا چپہ چپہ چھان مارا یہاں تک کہ ڈھونڈتے ڈھونڈتے غار ثور تک پہنچ گئے مگر غار کے منہ پر

اس وقت خداوندی حفاظت کا پہرہ لگا ہوا تھا یعنی غار کے منہ پر مکڑی نے جالا تن دیا تھا اور کنارے پر کبوتری نے انڈے دے رکھے تھے یہ منظر دیکھ کر کفار قریش آپس میں کہنے لگے کہ اس غار میں کوئی انسان موجود ہوتا تو نہ مکڑی جالا تنتی نہ کبوتری یہاں انڈے دیتی۔

کفار کی آہٹ پا کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کچھ گھبرائے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ اب ہمارے دشمن اس قدر قریب آ گئے ہیں کہ اگر وہ اپنے قدموں پر نظر ڈالیں گے تو ہم کو دیکھ لیں گے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا تحزن ان اللہ معنا۔

مت گھبراؤ خدا ہمارے ساتھ ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قلب پر سکون و اطمینان کا ایسا سکینہ اتار دیا کہ وہ بالکل ہی بے خوف ہو گئے۔

بہر حال چوتھے روز حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یکم ربیع الاول کے دن غار ثور سے باہر تشریف لائے۔ عبد اللہ بن اریقط جس کو راہ نمائی کے لیے کرایہ پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نوکر رکھ لیا تھا وہ قرار داد کے مطابق دو اونٹنیاں لے کر غار ثور پر حاضر تھا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی اونٹنی پر سوار ہوئے اور ایک اونٹنی پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیٹھے اور عبد اللہ بن اریقط آگے آگے پیدل چلنے لگے اور عام راستہ سے ہٹ کر ساحل سمندر کے غیر معروف راستوں سے سفر شروع کر دیا۔

سو اونٹ کا انعام

ادھر اہل مکہ نے اشتہار دے دیا تھا کہ جو شخص محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو گرفتار کر کے لائے گا

اس کو ایک سو اونٹ انعام ملے گا۔ اس گراں قدر انعام کے لالچ میں بہت سے لالچی لوگوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تلاش شروع کر دی اور کچھ لوگ تو منزلوں دور تک تعاقب میں گئے۔

ام معبد کی بکری

دوسرے روز مقام ''قدید'' میں ام معبد عاتکہ بنت خالد خزاعیہ کے مکان پر آپ کا گزر ہوا ام معبد ایک ضعیفہ عورت تھی جو اپنے خیمہ کے صحن میں بیٹھی رہا کرتی تھی اور مسافروں کو کھانا پانی دیا کرتی تھی۔ حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے اس سے کچھ کھانا خریدنے کا قصد کیا مگر اس کے پاس کوئی چیز موجود نہ تھی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دیکھا کہ اس کے خیمہ کے ایک جانب ایک بہت ہی لاغر بکری ہے۔ دریافت فرمایا کیا یہ دودھ دیتی ہے؟ ام معبد نے کہا نہیں آپ نے فرمایا کہ اگر تم اجازت دو تو میں اس کا دودھ دوہ لوں۔ ام معبد نے اجازت دے دی اور آپ نے بسم اللہ پڑھ کر جو اس کے تھن کو ہاتھ لگایا تو اس کا تھن دودھ سے بھر گیا اور اتنا دودھ نکلا کہ سب لوگ سیراب ہو گئے اور ام معبد کے تمام برتن دودھ سے بھر گئے۔ یہ معجزہ دیکھ کر ام معبد اور ان کے خاوند دونوں مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

روایت ہے کہ ام معبد کی یہ بکری ۱۸ ھ تک زندہ رہی اور برابر دودھ دیتی رہی اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں جب عام الرماد کا سخت قحط پڑا کہ تمام جانوروں کے تھنوں کا دودھ خشک ہو گیا اس وقت بھی یہ بکری صبح و شام برابر دودھ دیتی رہی۔

سراقہ کا گھوڑا

جب ام معبد کے گھر سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آگے روانہ ہوئے تو مکہ کا ایک مشہور شہسوار سراقہ بن مالک بن جعشم تیز رفتار گھوڑے پر سوار ہو کر تعاقب کرتا نظر آیا قریب پہنچ کر حملہ کرنے کا ارادہ کیا مگر اس کے گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور وہ گھوڑے سے گر پڑا۔ مگر سو اونٹوں کا انعام کوئی معمولی چیز نہ تھی،

انعام کے لالچ نے اسے دوبارہ ابھارا اور وہ حملہ کی نیت سے آگے بڑھا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعا سے پتھریلی زمین میں اس کے گھوڑے کا پاؤں گھٹنوں تک زمین میں دھنس گیا۔ سراقہ یہ معجزہ دیکھ کر خوف و دہشت سے کانپنے لگا اور امان امان پکارنے لگا۔

رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دل رحم و کرم کا سمندر تھا سراقہ کی لاچاری اور گریہ زاری پر آپ کا دریائے رحمت جوش میں آ گیا دعا فرمادی تو زمین نے اس کے گھوڑے کو چھوڑ دیا۔ اس کے بعد سراقہ نے عرض کیا کہ مجھ کو امن کا پروانہ لکھ دیجیے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم سے حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سراقہ کے لیے امن کی تحریر لکھ دی سراقہ نے اس تحریر کو اپنے ترکش میں رکھ لیا اور واپس لوٹ گیا۔

راستہ میں جو شخص بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں دریافت کرتا تو سراقہ اس کو یہ کہہ کر لوٹا دیتے کہ میں نے بڑی دور تک بہت زیادہ تلاش کیا مگر آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس طرف نہیں ہیں۔ واپس لوٹتے ہوئے سراقہ نے کچھ سامان سفر بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں بطور نذرانہ پیش کیا مگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قبول نہیں فرمایا۔

سراقہ اس وقت تو مسلمان نہیں ہوئے مگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمت نبوت اور اسلام کی صداقت کا سکہ ان کے دل پر بیٹھ گیا۔ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فتح مکہ اور جنگ طائف و حنین سے فارغ ہو کر جعرانہ میں پڑاؤ کیا تو سراقہ اسی پروانۂ امن کو لے کر بارگاہ نبوت میں حاضر ہو گئے اور اپنے قبیلہ کی بہت بڑی جماعت کے ساتھ اسلام قبول کر لیا۔

واضح رہے کہ یہ وہی سراقہ بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جن کے بارے میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے علم غیب سے غیب کی خبر دیتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ اے سراقہ تیرا کیا حال ہوگا جب

تجھ کو ملک فارس کے بادشاہ کسریٰ کے دونوں کنگن پہنائے جائیں گے؟

اس ارشاد کے برسوں بعد جب حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں ایران فتح ہوا اور کسریٰ کے کنگن دربار خلافت میں لائے گئے تو امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تاجدار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرمان کی تصدیق و تحقیق کے لیے وہ کنگن حضرت سراقہ بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہنا دیے اور فرمایا کہ اے سراقہ یہ کہو کہ اللہ تعالیٰ ہی کے لیے حمد ہے جس نے ان کنگنوں کو بادشاہ فارس کسریٰ سے چھین کر سراقہ بدوی کو پہنا دیا۔

حضرت سراقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ۲۴ھ میں وفات پائی جب کہ حضرت عثمان غنی تخت خلافت پر رونق افروز تھے۔

شہنشاہ رسالت مدینہ میں

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آمد آمد کی خبر چوں کہ مدینہ میں پہلے سے پہنچ چکی اور عورتوں بچوں تک کی زبانوں پر آپ کی تشریف آوری کا چرچا تھا اس لیے اہل مدینہ آپ کے دیدار کے لیے انتہائی مشتاق و بے قرار تھے روزانہ صبح سے نکل نکل کر شہر کے باہر سراپا انتظار بن کر استقبال کے لیے تیار رہتے تھے اور جب دھوپ تیز ہو جاتی تو حسرت و افسوس کے ساتھ اپنے گھروں کو واپس لوٹ جاتے تھے۔

ایک دن اپنے معمول کے مطابق اہل مدینہ آپ کی راہ دیکھ کر واپس جا چکے تھے کہ ناگہاں ایک یہودی نے اپنے قلعہ سے دیکھا کہ تاجدار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سواری مدینہ کے قریب آن پہنچی ہے۔ اس نے بآواز بلند پکارا کہ اے مدینہ والو! لو تم جس کا روزانہ انتظار کرتے تھے وہ کاروان رحمت آ گیا، یہ سن کر تمام انصار بدن پر ہتھیار سجا کر اور وجد و شادمانی سے بے قرار ہو کر دونوں عالم کے تاجدار کا استقبال کرنے کے لیے اپنے گھروں سے نکل پڑے اور نعرۂ تکبیر کی آوازوں سے

تمام شہر گونج اٹھا۔

سرور عالم کلثوم بن ہدم کے مکان میں

مدینہ منورہ سے تین میل کے فاصلہ پر جہاں آج مسجد قبا بنی ہوئی ہے ۱۲ ربیع الاول کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رونق افروز ہوئے اور قبیلہ عمرو بن عوف کے خاندان میں حضرت کلثوم بن ہدم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان میں تشریف فرما ہوئے۔ اہل خاندان نے اس فخر و شرف پر کہ دونوں عالم کے میزبان ان کے مہمان بنے اللہ اکبر کا پرجوش نعرہ مارا۔

چاروں طرف سے انصار جوش مسرت میں آتے اور بارگاہ رسالت میں صلاۃ و سلام کا نذرانہ عقیدت پیش کرتے۔ اکثر صحابہ کرام جو حضور علیہ الصلاۃ والسلام سے پہلے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے تھے وہ لوگ بھی اسی مکان میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی حکم نبوی کے مطابق قریش کی امانتیں واپس لوٹا کر تیسرے دن مکہ سے چل پڑے تھے وہ بھی مدینہ آگئے اور اسی مکان میں قیام فرمایا اور حضرت کلثوم بن ہدم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے خاندان والے ان مقدس مہمانوں کی مہمان نوازی میں دن رات مصروف رہنے لگے۔

مسجد قباء

''قباء'' میں سب سے پہلا کام ایک مسجد کی تعمیر تھی اس مقصد کے لیے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت کلثوم بن ہدم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک زمین کو پسند فرمایا جہاں خاندان عمرو بن عوف کی کھجوریں سکھائی جاتی تھیں اسی جگہ آپ نے اپنے مقدس ہاتھوں سے ایک مسجد کی بنیاد ڈالی یہی وہ مسجد ہے جو آج بھی مسجد قبا کے نام سے مشہور ہے۔

مسجد الجمعہ

چودہ یا چوبیس روز کے قیام میں مسجد قبا کی تعمیر فرما کر جمعہ کے دن آپ قبا سے شہر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے راستہ میں قبیلہ بنی سالم کی مسجد میں پہلا جمعہ آپ نے پڑھا۔ یہی وہ مسجد ہے جو آج تک ''مسجد الجمعہ'' کے نام سے مشہور ہے۔

اہل شہر کو خبر ہوئی تو ہر طرف سے لوگ جذبات شوق میں مشتاقانہ استقبال کے لیے دوڑ پڑے آپ کے دادا عبدالمطلب کے ننہالی رشتہ دار، بنوالنجار، ہتھیار لگائے، قباء سے شہر تک دورویہ صفیں باندھے مستانہ وار چل رہے تھے آپ راستہ میں تمام قبائل کی محبت کا شکریہ ادا کرتے اور سب کو خیر و برکت کی دعائیں دیتے ہوئے چلے جا رہے تھے شہر قریب آ گیا تو اہل مدینہ کے جوش و خروش کا یہ عالم تھا کہ پردہ نشین خواتین مکانوں کی چھتوں پر چڑھ گئیں اور یہ استقبالیہ اشعار پڑھنے لگیں۔

طلع البدر علینا
من ثنیات الوداع

●

وجب الشکر علینا
ما دعا للہ داع

ہم پر چاند طلوع ہو گیا وداع کی گھاٹیوں سے، ہم پر خدا کا شکر واجب ہے جب تک اللہ سے دعا مانگنے والے دعا مانگتے رہیں۔

ایھا المبعوث فینا
جئت بالامر المطاع

انت شرفت المدینۃ

مرحبا یا خیر داع

اے وہ ذات گرامی جو ہمارے اندر مبعوث کیے گئے آپ وہ دین لائے جو اطاعت کے قابل ہے۔آپ نے مدینہ کو مشرف فرمایا تو آپ کے لیے خوش آمدید ہے۔اے بہترین دعوت دینے والے۔

فلبسنا ثوب یمن

بعد تلفیق الرقاع

فعلیک اللہ صلی

ما سعی للہ ساع

تو ہم لوگوں نے یمنی کپڑے پہنے حالاں کہ اس سے پہلے پیوند جوڑ جوڑ کر کپڑے پہنا کرتے تھے تو آپ پر اللہ تعالیٰ اس وقت تک رحمتیں نازل فرمائے جب تک اللہ کے لیے کوشش کرنے والے کوشش کرتے رہیں۔

مدینہ کی ننھی ننھی بچیاں جوش مسرت میں جھوم جھوم کر اور دف بجا بجا کر یہ گیت گاتی تھیں۔

نحن جوار من بنی النجار

یا حبذا محمد من جار

ہم خاندان، بنو النجار کی بچیاں ہیں واہ کیا ہی خوب ہوا کہ حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمارے پڑوسی ہو گئے۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان بچیوں کے جوش مسرت اوران کی والہانہ محبت سے متاثر ہوکر پوچھا کہ اے بچیو! کیا تم مجھ سے محبت کرتی ہو؟ تو بچیوں نے یک زبان ہوکر کہا کہ جی ہاں جی ہاں یہ سن کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خوش ہوکر مسکراتے ہوئے فرمایا کہ میں بھی تم سے پیار کرتا ہوں۔

چھوٹے چھوٹے لڑکے اور غلام جھنڈ کے جھنڈ مارے خوشی کے مدینہ کی گلیوں میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آمد آمد کا نعرہ لگاتے ہوئے دوڑتے پھرتے تھے۔

صحابی رسول براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جو فرحت وسرور اور انوار وتجلیات حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدینہ میں تشریف لانے کے دن ظاہر ہوئے نہ اس سے پہلے کبھی ظاہر ہوئے نہ اس کے بعد۔

ابوایوب انصاری کا مکان

تمام قبائل انصار جو راستہ میں تھے انتہائی جوش مسرت کے ساتھ اونٹنی کی مہار تھام کر عرض کرتے کہ یارسول اللہ! آپ ہمارے گھروں کو شرف نزول بخشیں مگر آپ ان سب محبین سے یہی فرماتے کہ میری اونٹنی کی مہار چھوڑ دو جس جگہ خدا کو منظور ہوگا اس جگہ میری اونٹنی بیٹھ جائے گی۔

چنانچہ جس جگہ آج مسجد نبوی شریف ہے اس کے پاس حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مکان تھا اسی جگہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اونٹنی بیٹھ گئی اور حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کی اجازت سے آپ کا سامان اٹھا کر اپنے گھر میں لے گئے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انھیں کے مکان پر قیام فرمایا۔

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اوپر کی منزل پیش کی مگر ملاقاتیوں کی آسانی کا

لحاظ فرماتے ہوئے نیچے کی منزل کو پسند فرمایا۔ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں وقت آپ کے لیے کھانا بھیجتے اور آپ کا بچا ہوا کھانا تبرک سمجھ کر میاں بیوی کھاتے۔ کھانے میں جہاں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی انگلیوں کا نشان پڑا ہوتا حصول برکت کے لیے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی جگہ سے لقمہ اٹھاتے اور اپنے ہر قول و فعل سے بے پناہ ادب و احترام اور عقیدت و جاں نثاری کا مظاہرہ کرتے۔

ایک مرتبہ مکان کے اوپر کی منزل پر پانی کا گھڑا ٹوٹ گیا تو اس اندیشہ سے کہ کہیں پانی بہہ کر نیچے کی منزل میں نہ چلا جائے اور حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کچھ تکلیف نہ ہو جائے حضرت ابوایوب انصاری نے سارا پانی اپنے لحاف میں خشک کر لیا۔ گھر میں یہی ایک لحاف تھا جو گیلا ہو گیا رات بھر میاں بیوی نے سردی کھائی مگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ذرہ برابر تکلیف پہنچ جائے یہ گوارا نہیں کیا۔

سات مہینے تک حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی شان کے ساتھ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی میزبانی کا شرف حاصل کیا۔ جب مسجد نبوی اور اس کے آس پاس کے حجرے تیار ہو گئے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان حجروں میں اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ قیام پذیر ہو گئے۔ (مولف)

(مدارج النبوۃ جلد ۲۔ سیرت مصطفیٰ)

حضرت ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فرط عقیدت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے یہ تحریر فرمایا ہے:

صحیح حدیث میں ہے جب حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہجرت فرما کر سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہاں مقیم ہوئے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اولش جب ان کے گھر

جاتا وہ اور ان کے گھر والے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی انگشتان مبارک کے نشان کی جگہ سے کھاتے۔ (فتاویٰ رضویہ ج اول، ص ۳۱۹)

بیر رومہ کے بدلے میں عثمان نے جنت خریدی

جب مہاجرین مکہ معظمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ میں آئے یہاں کا پانی پسند نہ آیا وہ شور تھا بنی غفار سے ایک شخص کی ملک میں ایک شیریں چشمہ مسمّی بہ رومہ تھا وہ اس کی ایک مشک نیم صاع کو بیچتے سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا بعنيها بعين فی الجنة.

یہ چشمہ میرے ہاتھ ایک چشمہ بہشت کے عوض بیچ ڈال عرض کی یا رسول اللہ میری اور میرے بچوں کی معاش اسی میں ہے مجھ میں طاقت نہیں۔ یہ خبر عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہنچی وہ چشمہ مالک سے پینتیس ہزار روپے میں خرید لیا پھر خدمت اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حاضر ہو کر عرض کی

یا رسول الله ا تجعل لی مثل الذی جعلت له عینا فی الجنة ان اشتریتها.

یا رسول اللہ کیا جس طرح حضور اس شخص کو چشمہ بہشتی عطا فرماتے تھے اگر میں یہ چشمہ اس سے خرید لوں تو حضور مجھے عطا فرمائیں گے؟ قال نعم.

فرمایا ہاں۔ عرض کی میں نے بیر رومہ خرید لیا اور مسلمانوں پر وقف کر دیا۔

اسے طبرانی نے کبیر میں اور ابن عساکر نے بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں :اشتری عثمان بن عفان من رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم الجنة مرتین یوم رومة و یوم جیش العسرة

عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دو بار نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جنت خرید لی بیر رومہ کے دن

اور لشکر کی تنگ دستی کے روز۔ اسے حاکم و ابن عدی اور ابن عساکر نے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔ (الامن والعلیٰ)

فرضیت جمعہ

حدیث میں ہے: ان الجمعة فرضت على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و هو بمكة قبل الهجرة . كما اخرجه الطبراني عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما.

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر قبل ہجرت مکہ میں جمعہ فرض ہوا۔ جیسا کہ طبرانی نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے۔

فلم يكن اقامتها من اجل الكفار فلما هاجر النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و من هاجر معه من اصحابه الى المدينة لبث رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في بني عمرو بن عوف بضع اربعة عشر ايام و لم يصل الجمعة .

یعنی غلبۂ کفار کے سبب سے مکے میں جمعہ قائم نہیں ہوا پھر جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور بعض صحابہ نے حضور کے ہمراہ مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ کے قریب یعنی قبا میں عمرو بن عوف کے خاندان میں تقریباً چودہ دن ٹھہرے اور جمعہ کی نماز نہیں پڑھی۔ (مولف)

(فتاویٰ رضویہ ج ۳، ص ۷۳۸)

مکہ میں جمعہ فرض ہونے کی خبر غریب و مرجوح ہے صحیح یہ ہے کہ بعد ہجرت سال اولی بنی سالم میں فرض ہوا۔

في شرح الموطا للزرقاني الاية (يا ايها الذين آمنوا اذا نودي للصلوٰة من يوم الجمعة فاسعوا الى ذكر الله) مدنية فتدل على انها فرضت بالمدينة و عليه الاكثر .

زرقانی کی شرح مؤطا میں ہے کہ آیت جمعہ مدنیہ ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جمعہ مدینہ منورہ میں فرض ہوا اور اسی پر اکثر مشائخ ہیں۔

و قال الشیخ ابو حامد فرضت بمکۃ. قال الحافظ و ھو غریب .

اور شیخ ابو حامد نے کہا کہ جمعہ مکہ مکرمہ میں فرض ہوا۔ حافظ ابن حجر نے کہا کہ یہ غریب ہے۔

(مولف)

سب سے پہلا جمعہ

وفی شرح الموطا للزرقانی انه صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم فی سفر الھجرۃ لما خرج من قبا یوم الجمعة حین ارتفع النھار ادرکته الجمعة فی بنی سالم بن عوف فصلاھا بمسجدھم فسمی مسجد الجمعة و ھی اول جمعة صلاھا صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم ذکرہ ابن اسحاق .

امام زرقانی کی شرح مؤطا میں ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سفر ہجرت میں قبا سے جمعہ کے دن اس وقت تشریف لے چلے جب دن تھوڑا بلند ہو چکا تھا تو بنی سالم میں جمعہ کا وقت ہو گیا تو حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسجد بنی سالم میں نماز جمعہ پڑھی، ان لوگوں نے اس مسجد کا نام ''مسجد جمعہ'' رکھ دیا اور یہی سب سے پہلا جمعہ ہے جو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ادا فرمایا۔ ابن اسحاق نے اسے اپنی سیرت میں ذکر کیا ہے (فتاویٰ رضویہ ج ۳، ص ۶۸۸)

ہجرت سے حضور کی تخصیص

ابن جریر و ابو یعلیٰ و بزار اور بیہقی روایت کرتے ہیں :

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ (فیہ قولہ عزوجل لنبیہٗ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حین ذکر ما اعطی الانبیاء السابقین علیہم الصلاۃ و السلام من الفضائل) اعطیتک ثمانیۃ اسھم الاسلام و الھجرۃ و الجھاد و الصلاۃ و الصدقۃ و صوم رمضان و الامر بالمعروف و النھی عن المنکر .

ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی (اس میں یہ ہے کہ جب انبیائے سابقین علیہم الصلاۃ و السلام کے فضائل ومناقب کا ذکر اللہ عزوجل نے اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے فرمایا) تو فرمایا کہ میں نے تم کو آٹھ حصے عطا فرمائے ۔ اسلام اور ہجرت و جہاد اور نماز وصدقہ اور رمضان کے روزے وامر بالمعروف اور نہی عن المنکر ۔ (مولف) (فتاویٰ رضویہ ج ۲، ص ۱۹۶)

بہترین ہجرت

امام احمد عمرو بن عبسہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی میں خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور کچھ مسائل پوچھے از اں جملہ یہ کہ سب سے بہتر ہجرت کیا ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا :

ان تھجر ما کرہ ربک .

یہ کہ جو بات تمھارے رب کو ناپسند ہے اس سے کنارہ کرو ۔ (فتاویٰ افریقہ ۴۲)

ہاتف نے ہجرت کی خبر دی

ابونعیم حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی :

یہ ایک شب صحرائے شام میں تھے ہاتف جن نے انھیں بعثت حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خبر دی صبح راہب کے پاس جا کر قصہ بیان کیا کہا :

قد صدقوک یخرج من الحرم و مهاجره الحرم و هو خیر الانبیاء

جنوں نے تجھ سے سچ کہا حرم سے ظاہر ہوں گے اور حرم کو ہجرت فرمائیں گے اور وہ تمام انبیاء سے بہتر ہیں۔

ابن عساکر، ابونعیم، خرائطی بعض صحابہ خثعمیین سے راوی :

ہم ایک شب اپنے بت کے پاس تھے اور اسے ایک مقدمہ میں پنچ کیا تھا ناگاہ ہاتف نے پکارا

یا ایها الناس ذوی الاصنام

ما انتم و طائش الاحلام

●

و سند الحکم الی الاصنام

هذا نبی سید الانام

●

اعدل ذی حکم من الحکام

یصدع بالنور و بالاسلام

●

مستعلن فی البلد الحرام

اے بت پرستو! کیا حال ہے تمہارا اور یہ کم عقلیاں اور پتھروں کو پنچ بنانا یہ ہے نبی تمام جہان کا سردار ہر حاکم سے زیادہ عادل نور و اسلام کا آشکار کرنے والا حرم محترم میں ظہور فرمانے والا ہے۔

ہم سب ڈر کر بت کو چھوڑ گئے اور اس شعر کے چرچے رہے یہاں تک کہ ہمیں خبر ملی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مکہ میں ظہور فرما کر مدینہ تشریف لائے۔ میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوا۔

(تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین)

حضرت شعیا اور حضور کی ہجرت

ابن ابی حاتم وہب بن منبہ سے راوی :

اللہ عزوجل نے شعیا علیہ الصلاۃ والسلام پر وحی بھیجی میں نبی امی کو بھیجنے والا ہوں اس کے سبب بہرے کان اور غافل دل اور اندھی آنکھیں کھول دوں گا، اس کی پیدائش مکے میں ہے اور ہجرت گاہ مدینہ، اور اس کا تخت گاہ ملک شام میں ضرور اس کی امت کو سب امتوں سے جو لوگوں کے لیے ظاہر کی گئیں بہتر وافضل کروں گا میں ان کی کتاب پر کتابوں کو ختم فرماؤں گا اور ان کی شریعت پر شریعتوں اور ان کے دین پر سب دینوں کو تمام کردوں گا۔

کعب احبار کو ہجرت اقدس کی اطلاع

ابونعیم وابن عساکر حضرت کعب احبار سے راوی انھوں نے فرمایا میرے باپ اعلم علمائے توراۃ تھے اللہ عزوجل نے جو کچھ موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام پر اتارا اس کا علم ان کے برابر کسی کو نہ تھا وہ اپنے علم سے کوئی شئ مجھ سے نہ چھپاتے جب مرنے لگے مجھے بلا کر کہا اے میرے بیٹے تجھے معلوم ہے کہ میں نے اپنے علم سے کوئی چیز تجھ سے نہ چھپائی مگر ہاں دو ورق روک رکھے ہیں ان میں ایک نبی کا بیان ہے جس کی بعثت کا زمانہ قریب آ پہنچا میں نے اس اندیشے سے تجھے ان دونوں ورقوں کی خبر نہ دی کہ شاید کوئی جھوٹا مدعی نکل کھڑا ہو اور تو اس کی پیروی کر لے یہ طاق تیرے سامنے ہے میں نے اس میں وہ اوراق رکھ کر اوپر سے مٹی لگا دی ہے ابھی ان سے تعرض نہ کرنا نہ انھیں دیکھنا جب وہ نبی جلوہ فرما ہو اگر اللہ تعالیٰ تیرا بھلا چاہے گا تو تو آپ ہی اس کا پیرو ہو جائے گا یہ کہہ وہ مر گئے ہم ان کے دفن سے فارغ ہوئے مجھے ان دونوں ورقوں کے دیکھنے کا شوق ہر چیز سے زیادہ تھا میں نے طاق کھولا ورق نکالے تو کیا دیکھتا ہوں کہ ان میں لکھا ہے:

محمد رسول الله خاتمَ النبيين لا نبي بعده مولده بمكة و مهاجره بطيبة.

محمد اللہ کے رسول ہیں سب انبیاء کے خاتم ان کے بعد کوئی نبی نہیں ان کی پیدائش مکے میں اور ہجرت مدینے کو۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

احبار کی زبان پر ہجرت رسول کا تذکرہ

ابونعیم سعد بن ثابت سے راوی :

یہود بنی قریظہ و بنی نضیر کے علماء حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صفت بیان کرتے جب سرخ ستارہ چمکا تو انھوں نے خبر دی کہ وہ نبی ہیں اور ان کے بعد کوئی نبی نہیں ان کا نام پاک احمد ہے ان کی ہجرت گاہ مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ۔ جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لا کر رونق افروز ہوئے یہود براہ حسد و بغاوت منکر ہو گئے ۔ فلما جاء هم ما عرفوا كفروا به فلعنة الله على الكافرين.

ابونعیم حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی میں نے مالک بن سنان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کہتے سنا کہ میں ایک روز بنی عبدالاشہل میں بات چیت کرنے گیا تو یوشع یہودی بولا اب وقت آ لگا ہے ایک نبی کے ظہور کا جس کا نام احمد ہے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وہ حرم سے تشریف لائیں گے ان کا حلیہ و وصف یہ ہوگا میں اس کی باتوں سے تعجب کرتا اپنی قوم میں آیا وہاں بھی ایک شخص کو ایسا ہی بیان کرتے پایا میں بنی قریظہ میں گیا وہاں بھی ایک مجمع میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر پاک ہو رہا تھا، ان میں سے زبیر بن باطا نے کہا:

قد طلع الكوكب الاحمر الذى لم يطلع الا لخروج نبى و ظهوره و لم اجد الا احمد و هذه مهاجره .

بے شک سرخ ستارہ طلوع ہو کر آیا یہ تارا کسی نبی ہی کی ولادت وظہور پر چمکتا ہے اور اب میں کوئی نبی نہیں پاتا سوا احمد کے اور یہ شہران کی ہجرت گاہ ہے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

حضرت حاطب کی حاضر جوابی

مقوقس بادشاہ مصر نے حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے (جب یہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مکتوب گرامی لے کر مقوقس کے دربار میں گئے) امتحاناً پوچھا کہ جب تم انھیں نبی کہتے ہو تو انھوں نے دعا کر کے اپنی قوم کو کیوں نہ ہلاک فرمادیا جب انھوں نے ان سے ان کا شہر مکہ چھڑایا تھا حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تھا کیا تو عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو رسول اللہ نہیں مانتا انھوں نے دعا کر کے اپنی قوم کو کیوں نہ ہلاک کر دیا جب انھوں نے انھیں پکڑا اور سولی دینے کا ارادہ کیا تھا مقوقس بولا:

انت الحکیم الذی جاء من عند الحکیم

تم حکیم ہو کہ حکیم کامل صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس سے آئے۔ اسے بیہقی نے حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔

عبداللہ بن سلام کا اظہار خوشی

بیہقی دلائل میں حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا چرچا سنا اور حضور کے صفت و نام و ہیئت اور جن جن باتوں کی ہم حضور کے لیے توقع کر رہے تھے سب پہچان لیں تو میں نے خاموشی کے ساتھ اسے دل میں رکھا یہاں تک کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے مجھے خبر رونق افروزی پہنچی میں نے تکبیر کہی میری پھوپھی بولی اگر تم موسیٰ بن عمران علیہ الصلاۃ والسلام کا آنا سنتے تو اس سے زیادہ کیا کرتے میں نے کہا اے پھوپھی خدا کی قسم وہ موسیٰ بن عمران کے بھائی ہیں جس بات پر موسیٰ بھیجے گئے تھے اسی پر یہ بھی مبعوث

ہوئے، وہ بولی :

یا ابن اخی ا هو النبی الذی کنا نخبر به انه یبعث مع الساعة .

اے میرے بھتیجے کیا یہ وہ نبی ہیں جن کی ہم خبر دیئے جاتے تھے کہ وہ قیامت کے ساتھ مبعوث ہوں گے میں نے کہا ہاں۔

خاتم المہاجرین

ابو یعلی ،طبرانی وشاشی وابونعیم فضائل الصحابہ میں اور ابن عساکر وابن النجار حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے موصولاً اور رویانی وابن عساکر محمد بن شہاب زہری سے مرسلاً راوی حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہما عم نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں (مکہ معظمہ سے) عرضی حاضر کی کہ مجھے اذن عطا ہو تو ہجرت کر کے (مدینہ طیبہ) حاضر ہو جاؤں اس کے جواب میں حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ فرمان نافذ فرمایا۔

یا عم قم مکانک الذی انت فیه فان الله یختم بک الهجرة کما ختم بی النبوة.

اے چچا اطمینان سے رہو کہ تم ہجرت میں خاتم المہاجرین ہونے والے ہو جس طرح میں نبوت میں خاتم النبیین ہوں۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

حضور کی آمد اور اہل مدینہ کا اظہار مسرت

امام احمد رضا بریلوی انتہائی والہانہ انداز میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ پہنچنے کی منظر کشی کرتے ہوئے ایک جگہ فرماتے ہیں :

اللہ اللہ ! مدینہ طیبہ میں حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی دھوم ہے، زمین

وآسمان میں خیر مقدم کی صدائیں گونج رہی ہیں، خوشی وشادمانی ہے کہ درودیوار سے ٹپکی پڑتی ہے مدینے کے ایک ایک بچے کا دمکتا چہرہ انا ردانہ ہو رہا ہے باچھیں کھلی جاتی ہیں دل ہیں کہ سینوں میں نہیں سماتے، سینوں پر جے تنگ جاموں میں قبائے گل رنگ، نور ہے کہ جھما جھم برس رہا ہے فرش سے عرش تک نور کا بقعہ بنا ہے اور پردہ نشین کنواریاں شوق دیدار محبوب کردگار میں گاتی ہوئی باہر آئی ہیں کہ

طلع البدر علینا
من ثنیات الوداع

●

وجب الشکر علینا
ما دعا للہ داع

بنی النجار کی لڑکیاں کوچے کوچے محو نغمہ سرائی ہیں کہ

نحن جوار من بنی النجار
یا حبذا محمد من جار

(جزاء اللہ عدوہ باباءہ ختم النبوۃ)

غارِ ثور میں صدیق کی جاں نثاری

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ غارِ ثور میں جس عشق وعقیدت کا مظاہرہ کیا اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ایک موقع پر امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں :

جان کا رکھنا سب سے زیادہ فرض اہم ہے، امام الصدیقین اکمل الاولیاء والعارفین، سیدنا

صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم و محبت کو حفظ جان پر مقدم رکھا۔

سفر ہجرت میں جب آفتاب رسالت و ماہتاب صدیقیت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم برج ثور بیت الشرق قمر میں اجتماع نیرین کی طرح غار ثور پر جلوہ فرما ہوئے، صدیق اکبر نے اپنے محبوب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کی یارسول اللہ! غار چند ہزار سال کا تھا، بہت سوراخ تھے صدیق نے سنگ ریزوں سے، پھر کپڑے پھاڑ پھاڑ کر ان سے بند کیے ایک سوراخ رہ گیا اس میں پاؤں کا انگوٹھا رکھا اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بلایا، حضور نے ان کے زانو پر سر انور رکھ کر آرام فرمایا۔ وہاں ایک سانپ مدت سے بہ تمنائے دیدار فائض الانوار حضور پرنور سید الابرار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رہتا تھا کہ اس نے قرون سابقہ میں علمائے امم سابقہ کو باہم ذکر کرتے سنا تھا کہ حضور اقدس نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کو ہجرت اور غار ثور میں اقامت فرمائیں گے۔ سانپ نے اپنا سر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انگوٹھے پر رگڑا انھوں نے جانا کہ سانپ ہے۔ مگر اس خیال سے کہ جان جائے مگر محبوب کی نیند میں خلل نہ آئے پاؤں نہ ہٹایا۔ یہاں تک کہ اس نے کاٹا صدیق نے بکمال ادب جنبش نہ کی مگر شدت ضبط کے باعث آنسو نکل کر رخسار محبوب رب العالمین پر پڑے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی چشم جاں فزا کھلی صدیق سے حال پوچھا عرض کی:

لدغت بابی و انت و امی یا رسول الله

یارسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان مجھے سانپ نے کاٹا۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لعاب دہن اقدس لگا دیا فوراً آرام ہو گیا۔

(مأخوذ از حیات اعلیٰ حضرت جلد اول)

اشعار

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ ہجرت اور غار ثور وغیرہ سے متعلق یوں رقم طراز ہیں:

قسمت ثور و حرا کی حرص ہے
چاہتے ہیں دل میں گہرا غار ہم

●

جان ہیں جان کیا نظر آئے
کیوں عدو گرد غار پھرتے ہیں

(حدائق بخشش)

مسجد نبوی
اور اس کی تعمیر

ہر اک دیوار و در پر مہر نے کی ہے جبیں سائی
نگار مسجد اقدس میں کب سونے کا پانی ہے

رب انزلنی منزلا مبارکا و انت خیر المنزلین

اے میرے رب مجھے برکت والی جگہ اتار اور تو سب سے بہتر اتارنے والا ہے

(سورۃ المومنون/۲۹)

مسجد نبوی اور اس کی تعمیر

مدینہ میں کوئی ایسی جگہ نہیں تھی جہاں مسلمان باجماعت نماز پڑھ سکیں اس لیے مسجد کی تعمیر نہایت ضروری تھی۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قیام گاہ کے قریب ہی بنوالنجار کا ایک باغ تھا آپ نے مسجد تعمیر کرنے کے لیے اس باغ کو قیمت دے کر خریدنا چاہا۔ ان لوگوں نے یہ کہہ کر یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہم خدا ہی سے اس کی قیمت (اجروثواب) لیں گے مفت میں زمین مسجد کی تعمیر کے لیے پیش کر دی لیکن چوں کہ یہ زمین اصل میں دو یتیموں کی تھی آپ نے ان دونوں یتیم بچوں کو بلا بھیجا۔ ان یتیم بچوں نے بھی زمین مسجد کے لیے نذر کرنی چاہی مگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کو پسند نہیں فرمایا اس لیے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مال سے آپ نے اس کی قیمت ادا فرما دی۔

اس زمین میں چند درخت، کچھ کھنڈرات اور کچھ مشرکوں کی قبریں تھیں آپ نے درختوں کے کاٹنے اور مشرکین کی قبروں کو کھود کر پھینک دینے کا حکم دیا پھر زمین کو ہموار کر کے خود آپ نے اپنے دست مبارک سے مسجد کی بنیاد ڈالی۔ اور کچی اینٹوں کی دیوار اور کھجور کے ستونوں پر کھجور کی پتیوں سے چھت بنائی جو بارش میں ٹپکتی تھی۔

اس مسجد کی تعمیر میں صحابہ کرام کے ساتھ خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی اینٹیں اٹھا اٹھا کر لاتے تھے اور صحابہ کرام کو جوش دلانے کے لیے ان کے ساتھ آواز ملا کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رجز کا یہ شعر پڑھتے تھے۔

اللھم لاخیر الاخیر الاخرۃ

فاغفر الانصار و المھاجرۃ

اے اللہ بھلائی تو صرف آخرت ہی کی بھلائی ہے لہٰذا اے اللہ تو انصار و مہاجرین کو بخش دے۔

اسی مسجد کا نام "مسجد نبوی" ہے۔ یہ مسجد ہر قسم کی دنیاوی تکلفات سے پاک اور اسلام کی سادگی کی سچی اور صحیح تصویر تھی۔ اس مسجد کی عمارت اول طول وعرض میں ۶۰ ساٹھ گز لمبی اور ۵۴ چون گز چوڑی تھی اور اس کا قبلہ بیت المقدس کی طرف بنایا گیا تھا۔ مگر جب قبلہ بدل کر کعبہ کی طرف ہو گیا تو مسجد کے شمالی جانب ایک نیا دروازہ قائم کیا گیا اس کے بعد مختلف زمانوں میں مسجد نبوی کی تجدید وتوسیع ہوتی رہی۔

ازواج مطہرات کے مکانات

مسجد نبوی کے متصل ہی آپ نے ازواج مطہرات کے لیے حجرے بھی بنوائے۔ اس وقت تک حضرت بی بی سودہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نکاح میں تھیں اس لیے دو ہی مکان بنوائے۔ جب دوسری ازواج مطہرات آتی گئیں تو دوسرے مکانات بنتے گئے یہ مکانات بھی بہت ہی سادگی کے ساتھ بنائے گئے تھے۔ دس دس ہاتھ لمبے، چھ چھ، سات سات ہاتھ چوڑے، کچی اینٹوں کی دیواریں، کھجور کی پتیوں کی چھت، وہ بھی اتنی نیچی کہ آدمی کھڑا ہو کر چھت کو چھو لیتا، دروازوں میں کواڑ بھی نہ تھے، کمبل یا ٹاٹ کے پردے پڑے رہتے تھے۔

اللہ اکبر یہ ہے شہنشاہ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وہ کاشانۂ نبوت جس کی آستانہ بوسی اور درباری جبریل علیہ السلام کے لیے سرمایۂ سعادت اور باعث افتخار تھی۔

مہاجرین کے گھر

مہاجرین جو اپنا سب کچھ مکہ میں چھوڑ کر مدینہ چلے گئے تھے ان لوگوں کی سکونت کے لیے بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسجد نبوی ہی کے قرب وجوار میں انتظام فرمایا۔ انصار نے بہت بڑی قربانی دی کہ نہایت فراخ دلی کے ساتھ اپنے مہاجر بھائیوں کے لیے اپنے مکانات اور زمینیں دیں اور مکانوں کی تعمیرات میں ہر قسم کی امداد بہم پہنچائی جس سے مہاجرین کی آبادکاری میں بڑی سہولت ہو گئی۔

سب سے پہلے جس انصاری نے اپنا مکان حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بطور ہبہ کے نذر کیا اس خوش نصیب کا نام نامی حضرت حارثہ بن نعمان ہے چنانچہ ازواج مطہرات کے مکانات حضرت حارثہ بن نعمان ہی کی زمین میں بنائے گئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

منبر شریف

ہجرت کے آٹھویں یا ساتویں سال مسجد نبوی شریف میں منبر بنایا گیا جس میں کھڑے ہوکر آپ خطبہ دیتے تھے اس سے پہلے منبر نہ تھا اور منبر شریف کے بننے سے پہلے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک ستون سے ٹیک لگا کر خطبہ دیا کرتے تھے اور جب منبر بن گیا اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس منبر پر تشریف لائے تو وہ ستون حضور کے فراق میں رونے لگا۔ یہ حدیث مشہور اور حد تواتر تک پہنچی ہوئی ہے۔

محدثین روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منبر شریف کے بننے سے پہلے کھڑے ہوکر صحابہ کرام کو خطبہ عالی رتبہ سے مشرف فرمایا کرتے تھے۔ جب منبر شریف بنا تو روز جمعہ ستون کے آگے سے گزر کر منبر پر تشریف لائے جب اس نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آواز مبارک سنی اور حضور کو اپنے آگے نہ پایا تو رونے اور فریاد کرنے لگا۔ ایک روایت میں ہے کہ وہ ستون ایسا روتا تھا جیسے کسی اونٹ کا بچہ گم ہو جائے اور وہ اونٹ روئے۔ ایک روایت میں ہے کہ بچہ ماں کو بلانے کے لیے جس طرح روتا ہے وہ ایسا روتا تھا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ وہ اس شخص کی مانند روتا ہے جس کا محبوب و معشوق اس سے جدا ہو جائے اور وہ اس کی محبت میں روئے۔ چنانچہ اس ستون کے رونے سے حاضرین مسجد کے دل بھر آئے اور وہ بھی رونے لگے۔

ایک روایت میں ہے کہ اس طرح اس نے آہ و زاری کی کہ وہ پھٹ گیا چنانچہ حاضرین کو گمان ہوا

کہ وہ گر پڑے گا اور وہ اس سے خوفزدہ ہو گئے بعض اپنی جگہ سے اچھل پڑے، یہاں تک کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منبر شریف سے اترے اور اس ستون کے پاس تشریف لے گئے اور اس پر دست اقدس رکھ کر اس کو آغوش مبارک سے لپٹا لیا اور فرمایا اگر تو چاہے تو تجھے باغ میں لوٹا دیں اور تجھے اپنی جگہ جما دیں تا کہ تو دوبارہ سرسبز و شاداب ہو کر پھل دے اور اگر تو چاہے تو تجھے جنت کی زمین میں جما دیں تا کہ تو جنت کی کیاریوں اور اس کے چشموں کے پانی سے سیراب ہو اور انبیاء و اولیاء اور صلحاء تیرے پھل تناول فرمائیں۔

جتنی دیر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ستون کو اپنے آغوش مبارک میں لیے رہے فرماتے رہے۔

نعم قد فعلت نعم قد فعلت.

ہاں میں نے کیا ہاں میں نے کیا۔

صحابہ کرام نے دریافت کیا یا رسول اللہ! یہ کیا کہتا ہے؟ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جب میں نے اس سے دریافت کیا کہ کیا دنیا میں رہنا چاہتا ہے یا جنت میں؟ تو اس نے جنت میں رہنا پسند کیا اس پر میں نے کہا **قد فعلت** .

ایک روایت میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان هذا قد بكى لما فقد من الذكر.

یہ ستون ذکر سے محرومی کی بنا پر رویا ہے۔

منبر شریف اثل غابہ کی لکڑی کا بنایا گیا۔ اثل ایک درخت کا نام ہے جو چوب گز کے مشابہ مگر اس سے بڑا ہوتا ہے۔ غابہ ایک جنگل کا نام ہے جہاں بہت درخت ہیں مدینہ طیبہ سے نو میل کے فاصلہ پر ہے۔

منبر شریف کا طول بقول صحیح دو گز تھا اور چوڑائی ایک گز۔ ہر سیڑھی کی چوڑائی ایک بالشت تھی، خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانہ تک یہ منبر اپنے حال پر رہا۔ سب سے پہلے جس نے اس پر قبطی کپڑے کا غلاف چڑھایا وہ عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے انھوں نے اپنی خلافت کے چھ سال بعد نچلی سیڑھی سے جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بعد حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اختیار کیا تھا اس سیڑھی پر کھڑے ہونے لگے جو سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جلوس مبارک کی جگہ تھی، اور سبب یہ بتایا کہ آقا اور خادم میں مساوات کا امکان ہی نہیں برخلاف حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نشست گاہ کے کہ وہاں تو ہم مساوات ممکن ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی امارت کے زمانہ میں سب سے پہلے منبر شریف پر غلاف چڑھایا۔ جس وقت کہ شام سے مدینہ منورہ آئے اور چاہا کہ منبر رسول کو وہاں سے شام منتقل کر کے لے جائیں جب انھوں نے منبر شریف کو اپنی جگہ سے ہلایا تو ایسی تاریکی پھیلی کہ سارا شہر تاریک ہو گیا، آفتاب کو گہن لگا حتیٰ کہ دن میں ستارے نظر آنے لگے کہ اس پر امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس خیال محال سے باز آ گئے اور پشیمان ہو کر صحابۂ کرام سے معذرت خواہی کرنے لگے میرا مقصد اس کی دیکھ بھال تھی کہ اسے گھن وغیرہ تو نہیں لگا۔ اس کے بعد چھ درجے اور بڑھائے اور منبر شریف کو اس کے اوپر رکھا تاکہ بلند ہو جائے اور تمام حاضرین مسجد خطیب کو دیکھ سکیں۔ جیسا کہ تاریخ مدینہ میں ہے۔

روضۃ الاحباب میں اس طرح منقول ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شام سے مروان کو جو مدینہ کا حاکم تھا لکھا کہ منبر شریف کو مدینہ طیبہ سے شام منتقل کر دے، ممکن ہے کہ پہلے مروان کو بھی لکھا ہو اور جب وہ خود شام سے مدینہ منورہ آئے تو خود انھوں نے ایسا ارادہ کیا ہو یا اس کے بعد مروان کو

لکھا ہو۔ (مولف) (مدارج النبوۃ جلد دوم۔ سیرت مصطفیٰ)

منبر رسول کا مقام

بخاری اور مسلم میں ہے:

ما بین بیتی و منبری روضۃ من ریاض الجنۃ

میرے حجرے اور میرے منبر کے درمیان جو جگہ ہے وہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔

اور بعض روایتوں میں ہے کہ :

ما بین قبری و منبری و زاد البخاری و منبری علی حوضی .

میری قبر اور میرے منبر کے درمیان جو جگہ ہے اور بخاری نے زیادہ کیا ہے کہ میرا منبر میرے حوض پر ہے۔

اور بعض روایتوں میں ہے :

و ان منبری علی ترعۃ من ترع الجنۃ

بیشک میرا منبر جنت کے ترعوں میں سے ایک ترعہ کے اوپر ہے۔

ترعہ کی تفسیریں مختلف ہیں۔

بعض نے اس کی تفسیر دروازے سے کی ہے بعض نے زینہ سے اور بعض نے اس باغ سے کی ہے جو بلند جگہ پر واقع ہو۔

ایک دن سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منبر شریف پر کھڑے تھے فرمایا کہ اس وقت میرا قدم

جنت کے ترعوں میں سے ایک ترعہ پر ہے۔

دوسری روایت میں آیا ہے کہ میرا منبر میرے حوض پر ہے۔

اور ایک حدیث میں ہے کہ فرمایا میں اس وقت اپنے حوض کے عقر پر کھڑا ہوں۔

عقر وہ مقام ہے جہاں سے حوض میں پانی آتا ہے۔

منبر شریف کے نزدیک جھوٹی قسم کھانے والے پر سخت سزا مقرر کی گئی ہے۔ آپ نے فرمایا ہے کہ اگر منبر شریف کے پاس کوئی شخص اس غرض سے جھوٹی قسم کھائے کہ کسی مسلمان کا حق تلف کرے گا تو وہ دوزخ میں جانے کے لیے تیار رہے۔

حدیث میں آیا ہے:

فعليه لعنة الله و الملائكة و الناس اجمعين.

اس پر لعنت ہے اللہ کی اور فرشتوں کی اور سب لوگوں کی۔

بعض حدیثوں میں آیا ہے:

ما بين حجرتي و مصلائي روضة من رياض الجنة.

میرے حجرے اور میرے مصلّے کے درمیان میں جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے۔

بعض تو یہ کہتے ہیں کہ منبر کا حوض پر ہونا اس بات کا اشارہ ہے کہ اس کے پاس نیک عمل کیے جاتے ہیں اور اس سے برکت حاصل کرتے ہیں۔ اس وجہ سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حوض پر پہنچ کر اس کا پانی پینے کو ملے گا۔

اور بعض دوسرے علماء کا خیال ہے کہ وہ منبر شریف جس کو سرورِ انبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے

اپنے قدوم سے مشرف فرمایا ہے کل بروز قیامت جس طرح تمام مخلوق وہاں جمع ہوگی یہ منبر بھی جس کو ترعہ جنت کہا گیا ہے حوض کے کنارے رکھا جائے گا **تعظیما لنبیه و تنویها لشانه** (نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم اور شان کے لیے)

ایک جماعت یہ بھی کہتی ہے کہ یہ خبر اس منبر کے لیے ہے جو قیامت کے دن سرورِ انبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حوض پر اس منبر کے علاوہ دوسرا منبر رکھا جائے گا۔

لیکن یہ قول حدیث کی عبارت سے بالکل علیحدہ ہے کیوں کہ آپ تو فرماتے ہیں کہ میرے منبر اور میرے حجرے کے درمیان ایک روضہ ہے ریاض جنت سے اور میرا منبر میرے حوض پر ہے۔ اس کلام سے تو یہی منبر سمجھا جاتا ہے۔ (مولف) (جذب القلوب الی دیار المحبوب)

مسجد نبوی کی مشعلیں

مسجد نبوی شریف کی مشعلوں سے متعلق امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ ایک مقام پر فرماتے ہیں:

عالم مدینہ طیبہ امام اجل سید ابوالحسن علی نور الدین بن عبداللہ سمہودی مدنی قدس سرہ معاصر امام اجل جلال الملۃ والدین سیوطی رحمہما اللہ تعالیٰ نے (کہ دونوں حضرات کی وفات شریف ۹۱۱ھ میں ہوئی) کتاب مستطاب خلاصۃ الوفا باخبار دار المصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تصنیف ۸۹۳ھ کے باب رابع کی شانزدہ گانہ فصلوں میں فصل ۱۱ روضۂ اقدس کے تزک واحتشام وشیشہ آلات وسامان روشنی کے بیان میں وضع فرمائی اور فصل ۱۴ مسجد مقدس کے ستونوں، چراغوں وغیرہ کے بیان میں جدا لکھی۔ اس فصل مسجد میں فرمایا:

بصحن مسجد اربع مشاعل تشعل فی لیالی الزیارات المشهورة و ما علمت اول من احدثها و بالمسجد سلاسل كثيرة للقناديل عملت بعد الحريق المرتب للوقود

منها یزید و ینقص لما لا یخفی .

مسجد کریم کے صحن میں چار مشعلیں ہیں کہ زیارت کی مشہور راتوں میں روشن کی جاتی ہیں اور مجھے معلوم نہ ہوا کہ اول اول یہ مشعلیں کس نے رکھیں۔اور مسجد میں قندیلوں کی بہت زنجیریں ہیں کہ آتشزدگی کے بعد بنیں اور ان کی روشنی کا راتب گھٹتا بڑھتا ہے جس کا سبب ظاہر ہے۔

(فتاوٰی رضویہ ج۴،ص۱۵۵۔بریق المنار)

زمانہ ولید میں تعمیر اور قدم مبارک کا ظاہر ہونا

و قد انكشفت قدم لما انهدم جدار الحجرة الشريفة في زمن الوليد ففزع الناس و ظنوا انها قدم النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فاوجدوا احدا يعلم ذلك حتى قال لهم عروة لا و الله ما هي قدم النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ما هي الا قدم عمر رضي الله تعالىٰ عنه كما في صحيح البخاري .

ولید کے زمانہ میں جب (مسجد نبوی کی تعمیر کے لیے) حجرہ مقدسہ کی دیوار کو توڑا گیا تو قدم مبارک ظاہر ہو گیا جس سے لوگ گھبرا گئے اور سمجھا کہ یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قدم مبارک ہے پھر سب لوگوں کو جمع کر کے اسے بتایا گیا یہاں تک کہ عروہ نے لوگوں سے کہا کہ خدا کی قسم یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قدم مبارک نہیں ہے یہ تو امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قدم ہے۔جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے۔(مولف) (فتاوٰی رضویہ۴/۱۰۱)

مسجد نبوی میں چالیس نمازیں

حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں جسے میری مسجد میں چالیس نمازیں

فوت نہ ہوں اس کے لیے دوزخ و نفاق سے آزادیاں لکھی جائیں۔ (فتاویٰ رضویہ ۴/۲۴۷۔ انوار البشارۃ)

مسجد نبوی میں نماز کا ثواب

حدیث: میری اس مسجد میں نماز اور مسجدوں کی ہزار نماز سے افضل ہے سوا مسجد الحرام کے۔

اسے احمد وائمہ ستہ نے روایت کیا ہے۔ (النیرۃ الوضیہ شرح الجوہرۃ المضیۃ)

مسجد نبوی کا طول وعرض

علماء تصریح فرماتے ہیں کہ مسجد مبارک حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس میں جنوباً شمالاً یعنی دیوار قبلہ سے پائیں مسجد تک سو گز طول رکھتی تھی اور اسی قدر شرقاً وغرباً عرض تھا اور پائیں یعنی جانب شمال ایک مسقف دالان جنوب رویہ تھا جسے صفہ کہتے اور اہل صفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس میں سکونت رکھتے یہ بھی جزء مسجد تھا۔

علامہ رحمۃ اللہ سندی تلمیذ امام محقق علی الاطلاق ابن الہمام منسک متوسط اور مولانا علی قاری مکی اس کی شرح مسلک متقسط میں فرماتے ہیں:

(حده) ای حدود المسجد الاول من المشرق من وراء المنبر نحو مائة ذراع و من المغرب الاسطوانة الخامسة من المنبر و من الشام حيث ينتهي مائة ذراع من محرابه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و هو معلوم لاهل المدينة بالعلامة الموضوعة . اهـ ملخصا.

مسجد اول کے حدود جانب مشرق سے منبر کے علاوہ سو گز ہے اور جانب مغرب منبر اطہر سے پانچواں ستون اور جانب شام سے جہاں مسجد ختم ہوتی ہے محراب اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سو گز ہے اور اہل مدینہ کو وہاں رکھی ہوئی علامت سے یہ معلوم ہے۔ (مولف)

علامہ طاہر فتنی مجمع بحار الانوار میں فرماتے ہیں:

اهل الصفة فقراء المهاجرين و من لم يكن له منهم المنزل يسكنه فكانوا ياوون الى مظلل فى مسجد المدينة .

صفہ والے مہاجرین کے فقراء تھے اور اصحاب صفہ میں سے جن کے لیے رہنے کا گھر نہ تھا وہ مسجد مدینہ کی ایک سایہ دار جگہ میں رہتے تھے۔ (مولف)

صحیح بخاری شریف میں ہے :

(باب نوم الرجال فى المسجد) و قال ابو قلابة عن انس رضى الله تعالىٰ عنه قدم رهط من عكل على النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فكانوا فى الصفة.

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ قبیلہ عکل کی ایک جماعت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آئی تو وہ لوگ مسجد نبوی کے چبوترے میں رہتے تھے۔ (مولف)

و قال عبد الرحمن بن ابى بكر رضى الله تعالىٰ عنهما قال كان اصحاب الصفة الفقراء .

عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ چبوترہ میں رہنے والے لوگ فقراء تھے۔

(مولف)

علامہ احمد قسطلانی ارشاد الساری شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں :

الصفة بضم الصاد و تشديد الفاء موضع مظل فى اخريات المسجد النبوى تاوى اليه المساكين .

صفہ صاد کے پیش اور فاء کی تشدید کے ساتھ وہ سایہ دار جگہ جو مسجد نبوی کے آخر میں تھی جہاں پر مساکین رہا کرتے تھے۔ (مولف)

اب مشاہدہ کرنے والا جانتا ہے کہ محراب مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہ محراب امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جانب شمال ہے پائیں مسجد کو پیمائش کرتے آیئے تو سوگز کی مساحت ایک حصہ صحن میں آ جائے گی اور قطعاً معلوم کہ زمانۂ اقدس میں جس قدر بنائے مسجد تھی اس میں کمی نہ ہوئی بلکہ افزونیاں ہی ہوتی آئیں تو واجب کہ اس وقت بھی یہ سوگز مع صحن تھی اور جب کہ صفہ تک جزء مسجد تھا۔

(فتاویٰ رضویہ ۳/۵۷۹۔التبعیر المنجد)

مسجد نبوی کی تعمیر حضور نے فرمائی

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب مسجد مدینہ طیبہ بنا فرمائی تو وہ ایک نخلستان تھا جس میں مشرکین دفن ہوتے تھے فامر بقبور المشرکین۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ مشرکوں کی قبریں کھود کر وہ نجس مٹی پھینک دی گئی پھر وہاں مسجد کریم تعمیر فرمائی۔ جیسا کہ صحیح بخاری وغیرہ میں ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ۲/۴۴۶)

مسجد نبوی کے تین دروازے تھے

مسجد نبوی کے دروازوں کا تعین کرتے ہوئے ایک سوال کے جواب میں امام احمد رضا بریلوی ارشاد فرماتے ہیں :

زمانۂ اقدس حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں صرف ایک اذان ہوتی تھی جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوتے حضور کے سامنے مواجہ اقدس میں مسجد کریم کے

دروازہ پر، زمانہ اقدس میں مسجد شریف کے صرف تین دروازے تھے ایک مشرق کو جو حجرۂ شریفہ کے متصل تھا جس میں سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لاتے اس کی سمت پر ایک باب جبرئیل ہے دوسرا مغرب میں جس کی سمت پر اب باب الرحمۃ ہے، تیسرا شمال میں جو خاص محاذی منبر اطہر تھا۔

صحیح بخاری شریف میں انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے :

دخل رجل یوم الجمعة من باب کان وجاه المنبر و رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قائم یخطب فاستقبل رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قائما فقال یارسو الله . الحدیث .

ایک آدمی جمعہ کے دن اس دروازے سے داخل ہوا جو منبر اطہر کے سامنے تھا اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کھڑے ہوکر خطبہ ارشاد فرماتے تھے اس شخص نے کھڑے ہوکر حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا استقبال کیا اور عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ الحدیث۔

اس دروازے پر اذان جمعہ ہوتی تھی کہ منبر کے سامنے بھی ہوئی اور مسجد سے باہر بھی۔ زمانۂ صدیق اکبر و عمر فاروق و ابتدائے خلافت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں یہی ایک اذان ہوتی رہی جب لوگوں کی کثرت ہوئی اور شتابی حاضری میں قدرے کسل واقع ہوا امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک اذان شروع خطبہ سے پہلے بازار میں دلوانی شروع کی۔ (فتاویٰ رضویہ ۲/۴۹۵)

حضرت عثمان نے مسجد نبوی میں توسیع کی

جامع ترمذی شریف میں امیر المومنین مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا :

رحم اللہ عثمٰن زاد فی مسجد ناحتی و سعنا ھذا مختصر ۔

اللہ تعالیٰ عثمان پر رحمت فرمائے اس نے ہماری مسجد شریف بڑھادی یہاں تک کہ اس میں ہم سب نمازیوں کی وسعت ہوگئی۔ (فتاویٰ رضویہ ۳/۲۱۳)

منبر رسول اور اس کا احترام

منبر رسول کے زینے اور اس کے ادب و احترام سے متعلق امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں:

منبر خود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بنوایا اور اس پر خطبہ فرمایا: جیسا کہ صحیحین وغیرہما میں سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے ثابت ہے۔

منبر اقدس کے تین زینے تھے علاوہ اوپر کے تختے کے جس پر بیٹھتے ہیں۔

ردالمحتار میں ہے:

منبرہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان ثلث درج غیر المسماۃ بالمستراح ۔

منبر اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تین زینے تھے اوپر کے اس تختے کے علاوہ جس پر بیٹھتے تھے۔

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم درجہ بالا پر خطبہ فرمایا کرتے۔

صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دوسرے پر پڑھا۔

فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تیسرے پر۔

جب زمانہ ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا آیا پھر اول پر خطبہ فرمایا، سبب پوچھا گیا فرمایا اگر دوسرے پر بیٹھتا لوگ گمان کرتے کہ میں صدیق کا ہمسر ہوں اور تیسرے پر تو وہم ہوتا کہ فاروق کے برابر

ہوں لہٰذا وہاں پڑھا جہاں یہ احتمال متصور ہی نہیں۔

اصل سنت اول درجہ پر قیام ہے

و ما فعله الصديق فكان تأدبا منه مع رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و ما فعل الفاروق فكان تادبا مع الصديق رضى الله تعالىٰ عنهما

اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو کیا وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ان کا ادب واحترام ہے اور جو عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا وہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ان کا ادب ہے۔ (مولف)

بلندی منبر سے اصل مقصود یہ ہے کہ سب حاضرین خطیب کو دیکھیں اور اس کی آواز سنیں۔

(فتاویٰ رضویہ ۳/۷۰۰)

حدیث عبداللہ بن عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہے کہ انھوں نے منبر انور سرور اطہر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے موضع جلوس اقدس کو اپنے چہرے سے لگایا۔

نافع نے کہا میں نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر کو سلام کرتے ہوئے سو مرتبہ یا اس سے بھی زائد دیکھا آپ قبر پر تشریف لاتے اور کہتے نبی علیہ السلام اور ابوبکر کو سلام ہو، پھر واپس چلے جاتے اور یہ بھی دیکھا گیا کہ منبر پر حضور کے بیٹھنے کی جگہ کو مس کر کے اپنے چہرے سے لگاتے تھے۔

یہ دونوں حدیثیں امام ابن سعد نے کتاب الطبقات میں روایت کیں۔

(ابر المقال فی استحسان قبلۃ الاجلال)

مسجد نبوی کی توصیف میں امام احمد رضا بریلوی یوں گویا ہیں :

ہر ایک دیوار و در پر مہر نے کی ہے جبیں سائی
نگار مسجد اقدس میں کب سونے کا پانی ہے

(حدائق بخشش)

اذان کی ابتداء

رأيت شخصا عليه ثوبان أخضران فاستقبل القبلة فقال الله أكبر، الله أكبر (الخ) فقال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: إنها لرؤيا حق إن شاء الله تعالى

سبز لباس میں ملبوس ایک شخص نے قبلہ کی طرف رخ کر کے اذان دی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیشک یہ خواب حق ہے، انشاء اللہ تعالیٰ۔ (سیرت بن ہشام ۲/۱۷۷)

اذان کی ابتدا ۱ ؁ھ

اذان مدینہ طیبہ میں ۱ ؁ھ میں شروع ہوئی اور بعض کہتے ہیں کہ ۲ ؁ھ میں ہوئی اور مشہور یہ ہے کہ تعیین وقت کے سلسلے میں جس میں سب نماز کے لیے جمع ہو جائیں آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے باہم مسلمانوں سے مشورہ کیا کہ کیا صورت اختیار کی جائے ؟

- کسی نے کہا کہ ناقوس بجانا چاہیئے جس طرح کہ نصاریٰ نماز کے لیے بجاتے ہیں۔
- کسی نے کہا کہ یہودیوں کی طرح قرن یعنی سینگ پھونکنا چاہیئے۔
- کسی نے کہا کسی بلند جگہ پر آتش روشن کرنی چاہیئے۔

سب نے ان چیزوں کو ناپسند کیا اس پر عبداللہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جن کو صاحب الاذان کہتے ہیں خواب میں دیکھا کہ ایک مرد آسمان سے نیچے آیا اس کے ہاتھ میں ناقوس ہے، عبداللہ بن زید نے اس سے کہا اے بندۂ خدا اس ناقوس کو بیچتے ہو؟ اس نے کہا تم اس کا کیا کرو گے انھوں نے کہا میں اس سے لوگوں کو نماز کے لیے بلاؤں گا۔ اس نے کہا میں تم کو اس سے بہتر چیز سکھاتا ہوں تو اس نے اللہ اکبر ، اللہ اکبر آخر تک مخصوص کیفیت کے ساتھ سکھایا، اسی طرح اقامت بھی سکھائی۔

جب انھوں نے صبح کی تو اپنا خواب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بیان کیا، حضور نے فرمایا لرؤیا حق انشاء اللہ یقیناً انشاءاللہ تعالیٰ یہ خواب حق ہے۔

جاؤ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلاؤ کیوں کہ ان کی آواز بلند تر، نرم تر اور شیریں تر ہے۔ اور جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اذان سنی تو دوڑتے ہوئے اور اپنی چادر گھسیٹتے ہوئے آئے عرض کی یا رسول اللہ میں نے بھی وہی کچھ دیکھا ہے جو عبداللہ بن زید نے بیان کیا اس

پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا فللہ الحمد ۔

اگر ایسا ہی ہے تو ان دونوں خواب میں یا تمھارے خواب کی موافقت پر اللہ تعالیٰ ہی کو حمد ہے کہ اس نے اپنی طرف سے الہام فرمایا اور صدق وصواب کا راستہ دکھایا۔

بعض روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی یہی خواب دیکھا تھا۔ امام غزالی نے فرمایا کہ دس صحابہ نے دیکھا تھا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ چودہ صحابہ نے دیکھا تھا جن میں سے سات صحابی انصار میں سے تھے۔

بعض رواتیوں میں ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بارگاہ رسالت میں آئے تو جواب دینے میں تاخیر فرمائی کیوں کہ اس سے قبل اس کی وحی آ رہی تھی۔

اور امیر المومنین سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی حدیث میں ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم معراج میں تشریف لے گئے اور سراپردۂ عزت میں حاضری ہوئی جو کہ کبریائے حق کا محل خاص تھا وہاں ایک فرشتہ نمودار ہوا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جبریل سے دریافت کیا یہ فرشتہ کون ہے؟ جبریل نے عرض کیا کہ قسم ہے اس خدائے ذوالجلال کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ میں بارگاہ رب العزت میں سب سے زیادہ مقرب بندہ ہوں میں نے اس فرشتہ کو اس ساعت سے پہلے جب سے کہ مجھے پیدا کیا گیا ہے نہیں دیکھا۔ پھر اس فرشتے نے کہا : اللہ اکبر ، اللہ اکبر. پردۂ جلال کے پیچھے سے آواز آئی میرے بندے تو نے سچ کہا میں اکبر ہوں اس کے بعد اذان کے بقیہ کلمات کو بیان کیا۔

تحقیق یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شب معراج میں اذان کے کلمات کو سنا لیکن حکم نہ ہوا کہ ان کلمات اذان کو نماز کے لیے کہا جائے۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں بغیر اذان کے نماز ادا فرمایا کرتے تھے یہاں تک کہ مدینہ طیبہ میں رونق افروز ہوئے اور یہاں اس باب میں صحابہ کے ساتھ مشورہ کیا۔ بعض صحابہ نے اذان کو خواب میں سنا اس پر وحی آئی کہ ان کلمات کو جو آسمان پر سنا تھا زمین پر اذان کا طریقہ اختیار کرو۔ (مولف)

(مدارج النبوۃ جلد اول)

عبداللہ بن زید نے خواب میں اذان دیکھی

ابتدائے اذان کے بارے میں امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں :

مسند احمد و سنن ابی داؤد وغیرہما میں عبداللہ بن زید بن عبدربہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث تعلیم اذان میں ہے فرشتے نے کہا یوں کہا کرو:

اللـه أكبـر الله أكبر الله أكبر الله أكبر ، أشهد أن لا إله إلا الله ، أشهد أن لا إله إلا الـلـه أشهـد أن محمد رسول الله أشهد أن محمدا رسول الله ، حي على الصلاة حي على الصلاة، حي على الفلاح حي على الفلاح ، الله أكبر الله أكبر لا إله إلا الله .

عبداللہ بن زید نے فرمایا حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے میں نے عرض کی حضور نے فرمایا:

ان هـذه لـرؤيـا حـق انشـاء الله تعالىٰ ثم امر بالتاذين فكان بلال مولىٰ ابى بكر يوذن بذلك .

انشاء اللہ تعالیٰ یہ خواب بیشک حق ہے پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بلال مولیٰ ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اذان کا حکم دیا۔ (فتاویٰ رضویہ ۲/۳۷۴)

ابوالشیخ کتاب الاذان میں روایت کرتے ہیں :

عن عبد اللہ بن زید الانصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال رأیت فیما یری النائم کان رجلا علیہ ثوبان اخضران علی سور المسجد یقول اللہ اکبر اللہ اکبر اربعا . الحدیث

حضرت عبداللہ بن زید انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص سبز جوڑا پہنے ہوئے مسجد کی چھت پر کھڑا ہوا کہہ رہا تھا اللہ اکبر اللہ اکبر الخ..... (مولف)

و فی اخری عنہ رأیت رجلا علیہ ثوبان اخضران و انا بین النوم و الیقظان فقام علی سطح المسجد فجعل اصبعیہ فی اذنیہ و نادی ، الحدیث .

دوسری روایت میں ہے حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نیم خوابی کی حالت میں ایک شخص کو سبز جوڑا پہنے ہوئے دیکھا کہ وہ مسجد کی چھت پر کھڑا اپنے کانوں میں انگلیاں ڈالے ہے اور ندا دے رہا ہے یعنی اللہ اکبر اللہ اکبر الخ ..... (مولف)

ابوداؤد و ابوبکر بن ابی شیبہ کی حدیث میں ہے :

جاء رجل من الانصار فقال یا رسول اللہ رأیت رجلا کان علیہ ثوبان اخضران فقام علی المسجد فاذن.

ایک انصاری نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں عرض کی میں نے ایک آدمی کو دیکھا جس کے جسم پر دو ہرے رنگ کے کپڑے تھے اس نے مسجد پر کھڑے ہو کر اذان دی۔(مولف)

ابوبکر بن ابی شیبہ کی دوسری روایت اور ابوالشیخ کی کتاب الاذان میں ہے۔

ان عبد اللہ بن زید الانصاری جاء الی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رأیت فی المنام کان رجلا و علیہ بردان اخضران علی جذمۃ حائط فاذن ، الحدیث.

عبداللہ بن زید انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں نے خواب میں ایک آدمی کو ہرے رنگ کا جوڑا پہنے ہوئے دیکھا جو کہ ایک منہدم دیوار پر کھڑے ہوکر اذان دے رہا تھا۔ (مولف)

سنن سعید بن منصور میں عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ سے ہے :

ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اھتم للصلوٰۃ کما یجمع الناس لہا فانصرف عبد اللہ بن زید فرای الاذان فی منامہ فلما اصبح غدا فقال یا رسول اللہ رأیت رجلا علی سقف المسجد و علیہ ثوبان اخضران ینادی بالاذان ، الحدیث .

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک بار لوگوں کو اہتمام سے نماز کے لیے جمع کیا۔ حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز پڑھ کر واپس ہوئے تو خواب میں اذان ہوتے دیکھی، دوسرے روز صبح کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اطلاع دی کہ رات میں نے خواب میں اس طرح اذان ہوتے دیکھی کہ ایک آدمی سبز جوڑا پہنے چھت پر اذان دے رہا تھا۔ (مولف) (شمائم العنبر فی ادب النداء امام المنبر)

پہلی اذان

ابن ماجہ عن عبد اللہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان صاحبکم قد رای رؤیا فاخرج مع بلال الی المسجد فالقہا علیہ و لینادِ بلال فانہ اندی صوتا منک قال فخرجت مع بلال الی المسجد فجعلت القیہا

علیہ و ھو ینادی بھا.

ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمھارے ساتھی (عبداللہ بن زید) نے خواب دیکھا ہے تو اے عبداللہ، بلال کے ساتھ مسجد کی طرف جاؤ تم تلقین کرو اور وہ پکار کر اعلان کریں کہ وہ تم سے بلند آواز ہیں، حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کہتے ہیں کہ میں بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ساتھ مسجد کی طرف گیا، میں بلال پر کلمات اذان تلقین کرتا اور حضرت بلال اسے پکار کر دہراتے۔ (مولف)

نوار کے گھر کی چھت پر اذان

طبقات ابن سعد میں ہے: عن نوار ام زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنهما قالت كان بيتي اطول بيت حول المسجد فكان بلال يؤذن فوقه من اول ما يوذن الى ان بنى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم المسجد فكان يوذن بعد على سقف المسجد و قد رفع له شئ فوق ظهره.

حضرت زید بن ثابت کی ماں نوار رضی اللہ تعالٰی عنہا فرماتی ہیں کہ مسجد کے پڑوس میں میرا گھر سب سے اونچا تھا تو حضرت بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ ابتداء سے اسی پر اذان دیتے تھے لیکن جب حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مسجد بنالی اور اس کی چھت پر کچھ اونچا کر دیا تو اسی پر اذان دینے لگے۔(مولف)۔ (شمائم العنبر)

سفر میں اذان

امام احمد رضا قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں:

صحیح بخاری شریف کی حدیث باب الاذان للمسافر میں ہے کہ ابوذر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا ہم

ایک سفر میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہمراہ رکاب اقدس تھے موذن نے اذان ظہر دینی چاہی فرمایا
ابرد وقت ٹھنڈا کر۔

کچھ دیر کے بعد پھر موذن نے اذان دینی چاہی فرمایا ابــرد وقت ٹھنڈا کر۔ دیر کے بعد موذن
نے سہ بارہ اذان کا ارادہ کیا فرمایا ابـــرد وقت ٹھنڈا کر، اور یوں ہی تاخیر کا حکم فرماتے رہے حتـــی
ســاوی الـظـل التلول یہاں تک کہ سایہ ٹیلوں کے برابر ہوگیا۔ اس وقت اذان کی اجازت فرمائی اور
ارشاد فرمایا گرمی کی شدت جہنم کی سانس سے ہے تو جب گرمی سخت ہو ظہر ٹھنڈے وقت پڑھو۔

(فتاویٰ رضویہ ۲/ ۲۵۵)

یہی مضمون دوسرے مقام پر اس طرح ہے :

کـنـا مـع الـنـبـی صـلـی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی السفر فاراد الموذن ان یؤذن
الـظـهـر فـقـال الـنـبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ابرد ثم اراد ان یؤذن فقال له ابرد حتی
راینا فی التلول . الحدیث.

ہم نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھے موذن نے ارادہ کیا کہ ظہر کی اذان دے
حضور نے ارشاد فرمایا ٹھنڈا کر پھر چاہا کہ اذان دے پھر فرمایا ٹھنڈا کر یہاں تک کہ ہم نے ٹیلوں کے
سائے دیکھے۔

اور مسلم میں ابراہیم کے طریق میں شعبہ سے موذن کا تین بار ارادہ اور حضور کا یہی حکم فرمانا وارد
ہوا۔ (فتاویٰ رضویہ ۲/۴۴۲)

حضور کی اذان

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اذان سے متعلق ایک سوال کے جواب میں امام احمد رضا

بریلوی فرماتے ہیں :

درمختار اور ضیاء مقدس میں ہے :

انه علیه الصلاۃ و السلام اذن فی سفر بنفسه و اقام و صلی الظهر .

حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے سفر میں بذات خود اذان و اقامت کہی اور نماز پڑھی۔ (مولف)

ترمذی میں ہے :

انه صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم اذن فی سفر و صلی اصحابه.

حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے سفر میں اذان دی اور اپنے اصحاب کی امامت فرمائی۔

(مولف)

تحفۂ امام ابن حجر مکی میں ہے :

انه صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم اذن مرۃ فی سفر فقال فی تشهده اشهد انی رسول اللہ .

حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک مرتبہ سفر میں اذان دی تو کلمہ شہادت میں فرمایا: اشهد انی رسول اللہ . (مولف) (فتاوٰی رضویہ ۲/۳۶۷)

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بنفس نفیس خود اذان دی ہے یا نہیں؟

ایک حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سفر میں تھے آپ اور آپ کے صحابہ

سب سوار تھے اوپر بارش تھی اور نیچے کیچڑ اور کیچڑ کی وجہ سے سواری سے نیچے اترنا دشوار تھا اس وقت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اذان کہی اور سب نے سواریوں پر ہی نماز ادا کی۔

اور بعض کہتے ہیں کہ اس جگہ اذان کہنے سے مراد بطریق مجاز اذان کا حکم دینا ہے۔

اور مسند امام احمد اور دارقطنی کی روایت میں اس کی صراحت بھی آئی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اذان کہنے کا حکم فرمایا۔(مولف) (مدارج النبوۃ جلد اول)

حضور کو اذان کی تعلیم

بزار حضرت امیر المومنین مولیٰ المسلمین علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے راوی:

حق جل وعلا نے اپنے رسول کو اذان سکھانی چاہی جبریل براق لے کر حاضر ہوئے حضور سوار ہو کر اس حجاب عظمت تک پہنچے جو رحمٰن جل مجدہ کے نزدیک ہے پردے سے ایک فرشتہ نکلا اور اذان کہی، حق جل علا نے ہر کلمہ پر موذن کی تصدیق فرمائی پھر فرشتے نے حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دست اقدس تھام کر حضور کو آگے کیا حضور نے تمام اہل سماوات کی امامت فرمائی جن میں آدم ونوح علیہما الصلاۃ والسلام بھی شامل تھے اس روز حق تبارک وتعالیٰ نے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا شرف تمام اہل آسمان وزمین پر کامل کر دیا۔

اسی کی مثل ابونعیم نے بطریق امام محمد بن حنفیہ ابن علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کی اس کے اخیر میں ہے۔

ثم قیل لرسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تقدم فام اهل السماء فتم له الشرف علی سائر الخلق.

پھر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کہا گیا آگے بڑھیے حضور نے تمام اہل آسمان کی امامت فرمائی اور جمیع مخلوقات الٰہی پر حضور کا شرف کامل ہوا۔ (تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین)

حضورعلیہ السلام کا یہودیوں سے

تاریخی معاہدہ

اورانصارومہاجرین کے درمیان مواخات

والذین آمنوا ولم یہاجروا مالکم من ولایتہم من شیء حتی یہاجروا وان استنصروکم فی الدین فعلیکم النصر الا علی قوم بینکم وبینہم میثاق۔

اور وہ جو ایمان لائے اور ہجرت نہ کی تمہیں ان کا ترکہ کچھ نہیں پہنچتا جب تک ہجرت نہ کریں اور اگر وہ دین میں تم سے مدد چاہیں تو تم پر مدد دینا واجب ہے، مگر ایسی قوم پر کہ تم میں ان میں معاہدہ ہے۔ (الانفال)

حضور علیہ السلام کا یہودیوں سے تاریخی معاہدہ

مدینہ طیبہ میں مسلمانوں کے علاوہ یہودیوں کی ایک طاقتور جمعیت موجود تھی وہ معاشی لحاظ سے بھی خوش حال تھے اور اہل کتاب ہونے کے باعث علمی طور پر بھی اوس وخزرج پر فوقیت رکھتے تھے۔ یہاں کے معاشرہ میں اس وقت تک اتحاد اور ایک رنگی پیدا نہیں ہو سکتی تھی جب تک ان یہودیوں کو بھی اپنے ساتھ نہ ملایا جاتا۔ نیز اسلام کے اولین دشمن رؤسا مکہ ابھی تک مسلمانوں کی بیخ کنی کے درپے تھے اور کسی وقت بھی وہ اس چھوٹی سی بستی پر حملہ آور ہو سکتے تھے۔ ان تمام اندرونی اور بیرونی مشکلات سے نبرد آزما ہونے کے لیے ایک وسیع البنیا منشور کی ضرورت تھی اس لیے رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک ایسی دستاویز تیار کی جس میں مہاجرین وانصار کے علاوہ یہاں کے یہودیوں کو بھی شامل کیا گیا۔ اس دستاویز کے ذریعہ مدینہ طیبہ کے جملہ باشندوں کا بلا امتیاز مذہب وقومیت اندرونی و بیرونی خطرات کا مقابلہ کرنے کے لیے ایک اتحاد عمل میں لایا گیا۔ اس منشور کا ترجمہ یہ ہے :

(۱) یہ تحریری دستاویز ہے اللہ کے نبی محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی قریش، یثرب کے اہل ایمان اور ان لوگوں کے باب میں جو ان کے اتباع میں ان کے ساتھ شامل ہوں اور ان کے ہمراہ جنگ میں حصہ لیں۔

(۲) یہ (تمام گروہ) دنیا کے (دوسرے) لوگوں سے ممتاز و ممیز ایک علیحدہ (سیاسی) وحدت متصور ہوں گے۔

(۳) مہاجرین جو قریش میں سے ہیں علی حالہ دیتوں اور خوں بہا وغیرہ کے یہ معاملات میں اپنے قبیلہ کے طے شدہ رواج پر عمل کریں گے اپنے قیدیوں کو مناسب فدیہ دے کر چھڑائیں گے اور دوسرے مسلمانوں کے ساتھ عدل وانصاف کا برتاؤ کریں گے۔

(۴) اور بنو عوف بھی اپنی جگہوں پر قائم رہیں گے اور خوں بہا وغیرہ کا طریقہ ان میں حسب سابق قائم رہے گا ہر گروہ عدل و انصاف کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے قیدیوں کو فدیہ دے کر چھڑائے گا۔

(۵) اور بنو حارث بھی اپنی جگہوں پر قائم رہیں گے اور خوں بہا کا طریقہ ان میں حسب دستور سابق رہے گا ہر گروہ عدل و انصاف کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے قیدی کو فدیہ دے کر چھڑائے گا۔

اسی طرح بنو ساعدہ، بنو جشم، بنو نجار، بنو عمرو بن عوف، بنو النبیت، اور بنو الاوس بھی اپنی جگہوں پر قائم رہیں گے ان میں خون بہا کا جو طریقہ رائج ہے حسب دستور وہی باقی رہے گا ہر گروہ عدل و انصاف کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے قیدیوں کو فدیہ دے کر چھڑائے گا۔

(۶) اہل ایمان اپنے کسی زیر بار قرض دار کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑیں گے بلکہ قاعدہ کے مطابق فدیہ دیت اور تاوان ادا کرنے میں اس کی مدد کریں گے۔

(۷) کسی مومن کے آزاد کردہ غلام کو کوئی مومن حلیف نہ بنائے گا۔

(۸) تمام تقویٰ شعار مومنین متحد ہو کر ہر اس شخص کی مخالفت کریں گے جو سرکشی کرے، ظلم، گناہ اور تعدی کے ہتھکنڈوں سے کام لے اور ایمان والوں کے درمیان فساد پھیلائے ایسے شخص کی مخالفت میں ایمان والوں کے ہاتھ ایک ساتھ اٹھیں گے اگرچہ وہ ان میں سے کسی کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔

(۹) کوئی مومن کسی دوسرے مومن کو کافر کے عوض قتل نہیں کرے گا اور نہ مومن کے خلاف وہ کسی کافر کی مدد کرے گا۔

(۱۰) اللہ کا ذمہ اور پناہ سب کے لیے یکساں ہے ادنیٰ ترین مسلمان بھی کافر کو پناہ دے سکتا ہے اہل

ایمان دوسرے لوگوں کے مقابلہ میں باہم بھائی اور مددگار و کارساز ہیں۔

(۱۱) یہودیوں میں سے جو بھی ہمارا اتباع کرے گا تو اسے مدد اور مساوات حاصل ہوگی اور ان یہود پر نہ تو ظلم کیا جائے گا اور نہ ہی ان کے خلاف کسی دشمن کی مدد کی جائے گی۔

(۱۲) تمام اہل ایمان کی صلح یکساں اور برابر کی حیثیت رکھتی ہے کوئی مومن قتال فی سبیل اللہ میں دوسرے مومن کو چھوڑ کر دشمن سے صلح نہیں کرے گا اور اسے مسلمانوں کے درمیان عدل و مساوات کو ملحوظ رکھنا ہوگا۔

(۱۳) جو لشکر ہمارے ساتھ جہاد میں شریک ہوگا اس کے افراد آپس میں باری باری ایک دوسرے کی جانشینی کریں گے۔

(۱۴) اہل ایمان کفار سے انتقام لینے میں ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔

(۱۵) تمام تقوی شعار مسلمان اسلام کے احسن اور اقوم طریق پر ثابت قدم رہیں گے۔

(۱۶) مدینہ کا کوئی مشرک قریش کے کسی شخص کو مالی یا جانی کسی طرح کی پناہ نہ دے گا اور نہ مسلمان کے مقابلے پر اس (قریشی) کی حمایت و مدد کرے گا۔

(۱۷) جو شخص ناحق کسی مومن کا خون کرے گا اسے مقتول کے عوض بطور قصاص قتل کیا جائے گا مگر یہ کہ اس مقتول کا ولی اس کے عوض خون بہا لینے پر رضا مند ہو جائے اور تمام اہل ایمان قاتل کے خلاف رہیں گے۔

(۱۸) کسی ایمان والے کے لیے جو اس دستور العمل کے مندرجات کی تعمیل کا اقرار کر چکا ہے اور اللہ اور روز قیامت پر ایمان رکھتا ہے یہ ہرگز جائز نہ ہوگا کہ وہ کوئی نئی بات نکال کر فتنہ انگیزی کے ذمہ دار کی حمایت کرے یا اسے پناہ دے جو ایسے کسی (مجرم) کی حمایت و نصرت کرے گا یا اسے پناہ

دے گا تو وہ قیامت کے دن اللہ کی لعنت اور اس کے غضب کا مستوجب ٹھہرے گا اور جہاں اس کی نہ تو توبہ قبول کی جائے گی نہ کوئی فدیہ لیا جائے گا۔

(۱۹) جب تم مسلمانوں میں کسی قسم کا تنازعہ ہوگا تو اسے اللہ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا جائے گا۔

(۲۰) جب تک جنگ رہے یہودی اس وقت تک مومنین کے ساتھ مل کر مصارف اٹھائیں گے۔

(۲۱) یہود بنی عوف اور ان کے حلفاء وموالی سب مل کر مسلمانوں کے ساتھ ایک جماعت متصور ہوں گے یہودی اپنے دین پر رہنے کے مجاز ہوں گے اور مومن اپنے دین پر کاربند رہیں گے البتہ جس نے ظلم یا عہد شکنی کا ارتکاب کیا تو وہ محض اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو مصیبت میں ڈالے گا۔

اسی طرح یہود بنی نجار، یہود بنی حارث، یہود بنی ساعدہ، یہود بنی جشم، یہود بنی الاوس، یہود بنی ثعلبہ، بنی جفنہ، بنی الشطیبہ، موالی ثعلبہ، اور یہودی قبائل کی ذیلی شاخوں کو وہی کچھ حقوق ومراعات ہیں جو بنی عوف کے یہودیوں کے لیے ہیں، ہر ایک پر اس دستاویز کی وفا شعاری لازم ہے نہ کہ عہد شکنی، البتہ جو ظلم اور عہد شکنی کا مرتکب ہو تو خود اس کی ذات اور اس کے گھرانے کے سوا کوئی دوسرا مصیبت میں نہیں پڑے گا۔ اور یہ کہ ان قبائل میں سے کوئی فرد حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اجازت کے بغیر نہیں نکلے گا۔

(۲۲) کسی مار یا زخم کا بدلہ لینے میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالی جائے گی اور ان میں جو فرد یا جماعت قتل ناحق یا خوں ریزی کا ارتکاب کرے تو اس کا وبال اور ذمہ داری اس کی ذات اور اس کے اہل وعیال پر ہوگی ورنہ ظلم ہوگا اور اللہ اس کے ساتھ ہے جو اس سے بری الذمہ ہے۔

(۲۳) یہودیوں پر ان کے مصارف کا بار ہوگا اور مسلمانوں پر ان کے مصارف کا۔

(۲۴) اور اس صحیفہ والوں کے خلاف جو بھی جنگ کرے تو تمام فریق (یہودی اور مسلمان) ایک دوسرے کی مدد کریں گے نیز خلوص کے ساتھ ایک دوسرے کی خیر خواہی کریں گے اور ان کا شیوہ وفاداری ہوگا نہ کہ عہد شکنی اور ہر مظلوم کی بہر حال حمایت و مدد کی جائے گی۔

(۲۵) اور اس صحیفہ والوں کے لیے حدود یثرب (مدینہ) کا داخلی علاقہ حرم کی حیثیت رکھے گا۔

(۲۶) پناہ گزیں، پناہ دہندہ کی مانند ہے نہ کوئی اس کو ضرر پہنچائے گا اور نہ وہ خود عہد شکنی کر کے گناہ گار بنے۔

(۲۷) کسی پناہ گاہ میں وہاں والوں کی اجازت کے بغیر کسی کو پناہ نہیں دی جائے گی۔

(۲۸) اور اس صحیفہ کے ماننے والوں میں اگر کوئی نئی بات پیدا ہو (جس کا ذکر اس دستاویز میں نہیں) یا کوئی اور جھگڑا جس سے کسی نقصان اور فساد کا اندیشہ ہو تو اس متنازعہ فیہ امر میں فیصلہ کے لیے اللہ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔ اور اللہ کی تائید اس شخص کے ساتھ ہے جو اس صحیفہ کے مندرجات کی زیادہ سے زیادہ احتیاط اور وفا شعاری کے ساتھ تعمیل کرے۔

(۲۹) قریش مکہ اور اس کے حامیوں کو کوئی پناہ نہیں دی جائے گی۔

(۳۰) یثرب (مدینہ) پر جو بھی حملہ آور ہو تو اس کے مقابلہ میں یہ سب (یہودی اور مسلمان) ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔

(۳۱) ان مسلمانوں میں جو اپنے حلیف کے ساتھ صلح کرنے کے لیے یہود کو دعوت دے تو یہود اس سے صلح کر لیں گے اسی طرح اگر وہ (یہود) کسی ایسی صلح کی دعوت دیں تو مومنین بھی اس دعوت کو قبول کر لیں گے مگر یہ کہ کوئی دین و مذہب کے لیے جنگ کرے۔

(۳۲) تمام لوگ اپنی اپنی جانب کے علاقہ کی مدافعت کے ذمہ دار ہوں گے۔

(۳۲) یہ نوشتہ کسی ظالم یا مجرم کو اس کے جرم کے عواقب سے بچانے کے لیے آڑے نہ آئے گا جو جنگ کے لیے نکلے یا کسی اور جگہ نقل مکانی کرے وہ بھی اور جو گھر (مدینہ) میں بیٹھا رہے وہ بھی امن کا حقدار ہوگا اس پر کوئی مواخذہ نہیں البتہ صرف وہ لوگ مستثنیٰ ہوں گے جو ظلم یا جرم کے مرتکب ہوں اور جو اس نوشتہ کی وفا شعاری اور احتیاط سے تعمیل کرے گا تو اللہ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی اس کے نگہبان اور خیر اندیش ہیں۔

اس دستاویز کا مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت کرنے کا حکم ہے اور اگر کوئی اختلاف معاہدہ کے شرکاء میں رونما ہو جائے تو اس کے حل کا یہ طریقہ طے پایا ہے کہ اس متنازعہ معاملہ میں اللہ اور اس کے رسول کی طرف رجوع کیا جائے گا اور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فیصلہ حتمی اور قطعی ہوگا۔ نیز اس میں ثواب وعقاب کا بھی ذکر موجود ہے کہ تمام عوامل اسے ایک ایسا دستور قرار دیتے ہیں جو سرتاپا اسلامی رنگ میں رنگا ہوا ہے۔

اس منشور کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں نہ تو کسی شخص اور قبیلہ کے کسی حق کو غصب کیا گیا ہے اور نہ کسی پہ مذہبی عقیدہ میں کوئی جبر کیا گیا ہے نہ ان کے معاشرہ میں رواج پذیر رسوم ورواج کو چھیڑا گیا ہے اور نہ ان کے نجی معاملات میں کسی قسم کی مداخلت بے جا کی گئی ہے۔ مدینہ کے لوگ جو مدت دراز سے جنگ کی بھٹی میں جل رہے تھے ان کو باہمی امن وصلح کی ضمانت دی جارہی ہے اسی لیے تمام اہل یثرب نے قبائلی اور مذہبی اختلافات کے باوجود اس منشور کو صدق دل سے قبول کرلیا۔

اس منشور سے پہلے عرب حد درجہ انفرادیت کا شکار تھے وہ نہ کسی قانون کے پابند تھے اور نہ کسی قوت حاکمہ کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کے عادی تھے ان میں سے اگر کوئی قتل ہو جاتا تو اس کا انتقام لینا ان کی اپنی قوت بازو پر منحصر تھا وہ اپنی حق تلفی کا مداوا اپنے زور سے کیا کرتے تھے وہاں کوئی ایسی اجتماعی قوت نہ تھی جو ان کے جان و مال اور عزت وآبرو کی حفاظت کی ضمانت دے۔ لیکن اس منشور میں ان ساری

انفرادیتوں کو زندہ درگور کر دیا گیا اور اس نے نئے معاشرہ میں ایک ایسی مرکزی قیادت قائم کر دی جس کی طرف ہر موقع پر رجوع کر سکتے تھے جب ان کی جان و مال اور آبرو پر کوئی دست درازی کرتا۔ وہ اصول انفرادیت جو اسلام سے قبل عرب کی معاشرت کا طرۂ امتیاز تھا اس نوشتہ کے ذریعہ اجتماعیت سے بدل دیا گیا یوں طوائف الملوکی کا بھی خاتمہ ہو گیا اور نسلی و مذہبی لحاظ سے منتشر افراد ایک لڑی میں پیرو دیے گئے اور تمام باشندوں کو یکساں حقوق میسر آ گئے۔

انصار و مہاجرین کے درمیان مواخات

حضرات مہاجرین چوں کہ انتہائی بے سروسامانی کی حالت میں بالکل خالی ہاتھ اپنے اہل وعیال کو چھوڑ کر مدینہ آئے تھے اس لیے پردیس میں مفلسی کے ساتھ وحشت و بے گانگی اور اپنے اہل وعیال کی جدائی کا صدمہ محسوس کرتے تھے اس میں شک نہیں کہ انصار نے ان مہاجرین کی مہمان نوازی اور دل جوئی میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی لیکن مہاجرین دیر تک دوسروں کے سہارے زندگی بسر کرنا پسند نہیں کرتے تھے کیوں کہ وہ لوگ ہمیشہ سے اپنے دست و بازو کی کمائی کھانے کے خوگر و عادی تھے اس لیے ضرورت تھی کہ مہاجرین کی پریشانیوں کو دور کرنے اور ان کے لیے مستقل ذریعہ معاش مہیا کرنے کے لیے کوئی انتظام کیا جائے۔ اس لیے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خیال فرمایا کہ انصار و مہاجرین میں رشتہ اخوت و بھائی چارگی قائم کر کے ان کو بھائی بھائی بنا دیا جائے تا کہ مہاجرین کے دلوں سے اپنی تنہائی اور بے کسی کا احساس دور ہو جائے اور ایک دوسرے کے مددگار بن جانے سے مہاجرین کے ذریعہ معاش کا مسئلہ بھی حل ہو جائے۔

چنانچہ مسجد نبوی کی تعمیر کے بعد ایک دن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان میں انصار و مہاجرین کو جمع فرمایا اس وقت مہاجرین کی تعداد پینتالیس یا پچاس تھی۔ حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے انصار کو مخاطب کر کے فرمایا کہ یہ مہاجرین تمھارے بھائی ہیں۔ پھر

مہاجرین وانصار میں سے دو دو شخص کو بلا کر فرماتے گئے کہ ''یہ اور تم بھائی بھائی ہو'' حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد فرماتے ہی یہ رشتہ اخوت بالکل حقیقی بھائی جیسا رشتہ بن گیا چنانچہ انصار نے مہاجرین کو ساتھ لے جا کر اپنے گھر کی ایک ایک چیز سامنے لا کر رکھ دی اور کہہ دیا کہ آپ ہمارے بھائی ہیں اس لیے ان سب سامانوں میں آدھا آپ کا اور آدھا ہمارا ہے۔ حد ہو گئی کہ حضرت سعد بن ربیع انصاری جو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف مہاجر کے بھائی قرار پائے تھے، ان کی دو بیویاں تھیں حضرت سعد بن ربیع انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ میری ایک بیوی جسے آپ پسند کریں میں اس کو طلاق دے دوں اور آپ اس سے نکاح کر لیں۔

اللہ اکبر! اس میں شک نہیں کہ انصار کا یہ ایثار ایک ایسا بے مثال شاہکار ہے کہ اقوام عالم کی تاریخ میں اس کی مثال مشکل ہی سے ملے گی۔ مگر مہاجرین نے کیا طرز عمل اختیار کیا یہ بھی ایک قابل تقلید تاریخی کارنامہ ہے۔ حضرت سعد بن ربیع انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس مخلصانہ پیش کش کو سن کر حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شکریہ کے ساتھ یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ یہ سب مال و متاع اور اہل وعیال آپ کو مبارک فرمائے مجھے تو آپ صرف بازار کا راستہ بتا دیجیے انھوں نے مدینہ کے مشہور بازار ''قینقاع'' کا راستہ بتا دیا حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ بازار گئے اور کچھ گھی اور کچھ پنیر خرید کر شام تک بیچتے رہے۔ اسی طرح روزانہ وہ بازار جاتے رہے اور تھوڑے ہی عرصہ میں وہ کافی مال دار ہو گئے اور ان کے پاس اتنا سرمایہ جمع ہو گیا کہ انھوں نے شادی کر کے اپنا گھر بسا لیا۔ جب یہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ تم نے بیوی کو کتنا مہر دیا؟ عرض کیا کہ پانچ درہم برابر سونا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تمھیں برکتیں عطا فرمائے تم دعوت ولیمہ کرو اگرچہ ایک ہی بکری ہو۔

اور رفتہ رفتہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تجارت میں اتنی خیر و برکت اور ترقی ہوئی کہ خود ان کا قول ہے کہ میں مٹی کو چھو دیتا تو سونا بن جاتی، منقول ہے کہ ان کا سامان تجارت سات سو

اونٹوں پر لدا کرتا تھا اور جس دن مدینہ میں ان کا تجارتی سامان پہنچتا تھا تو تمام شہر میں دھوم مچ جاتی تھی۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح دوسرے مہاجرین نے بھی دکانیں کھول لیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کپڑے کی تجارت کرتے تھے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قینقاع کے بازار میں کھجوروں کی تجارت کرنے لگے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تجارت میں مشغول ہوگئے تھے۔ دوسرے مہاجرین نے بھی چھوٹی بڑی تجارت شروع کردی۔ غرض باوجودیکہ مہاجرین کے لیے انصار کا گھر مستقل مہمان خانہ تھا مگر مہاجرین زیادہ دنوں تک انصار پر بوجھ نہیں بنے بلکہ اپنی محنت اور بے پناہ کوششوں سے بہت جلد اپنے پاؤں پر کھڑے ہوگئے۔

مہاجرین کے درمیان عقد مواخات

مشہور مؤرخ اسلام علامہ ابن البر کا قول ہے کہ یہ عقد مواخات (بھائی چارہ کا معاہدہ) تو انصار و مہاجرین کے درمیان ہوا اس کے علاوہ ایک خاص عقد مواخات مہاجرین کے درمیان بھی ہوا۔ جس میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک مہاجر کو دوسرے مہاجر کا بھائی بنادیا۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق و حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور حضرت طلحہ و حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور حضرت عثمان و حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درمیان جب بھائی چارہ ہوگیا تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دربار رسالت میں عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپ نے اپنے صحابہ کو ایک دوسرے کا بھائی بنادیا لیکن مجھے آپ نے کسی کا بھائی نہیں بنایا آخر میرا بھائی کون ہے؟ تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

انت اخی فی الدنیا و الآخرۃ .

یعنی تم دنیا و آخرت میں میرے بھائی ہو۔

نماز کی رکعتوں میں اضافہ

اب تک فرض نمازوں میں صرف دو ہی رکعتیں تھیں مگر ہجرت کے سال اول ہی میں جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو ظہر و عصر و عشا میں چار چار رکعتیں فرض ہو گئیں لیکن سفر کی حالت میں اب بھی وہی دو رکعتیں قائم رہیں اسی کو "نماز قصر" کہتے ہیں جو سفر کی حالت میں ادا کی جاتی ہے۔

عبداللہ بن زبیر کی پیدائش

اسی ھ میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ولادت ہوئی۔ ہجرت کے بعد مہاجرین کے یہاں سب سے پہلے بچہ جو پیدا ہوا وہ یہی حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں ان کی والدہ حضرت بی بی اسماء جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی ہیں۔ پیدا ہوتے ہی ان کو لے کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئیں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو اپنی گود میں بیٹھا کر اور کھجور چبا کر ان کے منہ میں ڈال دی۔ اس طرح سب سے پہلی غذا جو ان کے شکم میں پہنچی وہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا لعاب دہن تھا۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی پیدائش سے مسلمانوں کو بے حد خوشی ہوئی اس لیے کہ مدینہ کے یہودی کہا کرتے تھے کہ ہم لوگوں نے مہاجرین پر ایسا جادو کر دیا ہے کہ ان لوگوں کے یہاں کوئی بچہ پیدا ہی نہیں ہوگا۔

تحویل قبلہ

جب تک حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکہ میں رہے خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے مگر ہجرت کے بعد جب آپ مدینہ منورہ تشریف لائے تو خداوند تعالیٰ کا یہ حکم ہوا کہ آپ اپنی نمازوں میں "بیت المقدس" کو اپنا قبلہ بنائیں۔ چنانچہ آپ سولہ یا سترہ مہینے تک بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے رہے مگر آپ کے دل کی تمنا یہی تھی کہ کعبہ ہی کو قبلہ بنایا جائے۔ چنانچہ آپ اکثر آسمان کی طرف چہرہ اٹھا اٹھا

کہ اس کے لیے وحی الٰہی کا انتظار فرماتے رہے یہاں تک کہ ایک دن اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قلبی آرزو پوری فرمانے کے لیے قرآن کی یہ آیت نازل فرمادی۔

قد نری تقلب وجهک فی السماء فلنولینک قبلة ترضها فول وجهک شطر المسجد الحرام .

ہم دیکھ رہے ہیں بار بار تمھارا آسمان کی طرف منھ کرنا تو ضرور ہم تمھیں پھیر دیں گے اس قبلہ کی طرف جس میں تمھاری خوشی ہے ابھی اپنا منھ پھیر دو مسجد حرام کی طرف۔ (البقرۃ،۱۴۴)

ایک دن حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قبیلۂ بنی سلمہ کی مسجد میں نماز ظہر پڑھا رہے تھے کہ حالت نماز ہی میں یہ وحی نازل ہوئی اور نماز ہی میں آپ نے بیت المقدس سے مڑ کر خانہ کعبہ کی طرف اپنا چہرہ کرلیا اور تمام مقتدیوں نے بھی آپ کی پیروی کی۔ اس مسجد کو جہاں یہ واقعہ پیش آیا، ''مسجد القبلتین'' کہتے ہیں اور آج یہ تاریخی مسجد زیارت گاہ خواص و عوام ہے جو شہر مدینہ سے تقریباً دو کلومیٹر دور جانب شمال مغرب واقع ہے۔

اس قبلہ بدلنے کو ''تحویل قبلہ'' کہتے ہیں۔ تحویل قبلہ سے یہودیوں کو بڑی سخت تکلیف پہنچی جب تک حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے رہے تو یہودی بہت خوش تھے اور فخر کے ساتھ کہا کرتے تھے کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) بھی ہمارے ہی قبلہ کی طرف رخ کر کے عبادت کرتے ہیں مگر جب قبلہ بدل گیا تو یہودی اس قدر برہم اور ناراض ہو گئے کہ وہ یہ طعنہ دینے لگے کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) چوں کہ ہر بات میں ہم لوگوں کی مخالفت کرتے ہیں اس لیے انھوں نے محض ہماری مخالفت میں قبلہ بدل دیا ہے۔

اسی طرح منافقین کا گروہ بھی طرح طرح کی نکتہ چینی اور قسم قسم کے اعتراضات کرنے لگا تو ان دونوں گروہوں کی زبان بندی اور دہن دوزی کے لیے خداوند کریم نے یہ آیتیں نازل فرمائیں :

سیقول السفهاء من الناس ما ولهم عن قبلتهم التی کانوا علیها قل لله المشرق المغرب یهدی من یشاء الی صراط مستقیم.

اب کہیں گے بے وقوف لوگ کس نے پھیر دیا مسلمانوں کو ان کے اس قبلہ سے جس پر تھے تم فرمادو کہ پورب وپچھم سب اللہ ہی کا ہے جسے چاہے سیدھی راہ چلاتا ہے۔

و ما جعلنا القبلة التی کنت علیها الا لنعلم من یتبع الرسول ممن ینقلب علی عقبیه و ان کانت لکبیرة الا علی الذین هدی الله.

اور اے محبوب تم پہلے جس قبلہ پر تھے ہم نے وہ اسی لیے مقرر کیا تھا کہ دیکھیں کون رسول کی پیروی کرتا ہے اور کون الٹے پاؤں پھرتا ہے اور بیشک یہ بھاری تھی مگر ان پر جنھیں اللہ نے ہدایت کی۔ (البقرۃ۔۱۴۳)

پہلی آیت میں یہودیوں کے اعتراض کا جواب دیا گیا کہ خدا کی عبادت میں قبلہ کی کوئی خاص جہت ضروری نہیں ہے۔ اس کی عبادت کے لیے پورب، پچھم، اتر، دکھن سب جہتیں برابر ہیں اللہ تعالیٰ جس جہت کو چاہے اپنے بندوں کے لیے قبلہ مقرر فرمادے لہٰذا اس پر کسی کو اعتراض کا کوئی حق نہیں ہے۔

دوسری آیت میں منافقین کی زبان بندی کی گئی ہے جو تحویل قبلہ کے بعد ہر طرف یہ پروپیگنڈہ کرنے لگے تھے کہ پیغمبر اسلام تو اپنے دین کے بارے میں خود ہی متردد ہیں کبھی بیت المقدس کو قبلہ مانتے ہیں، کبھی کہتے ہیں کہ کعبہ قبلہ ہے۔ آیت میں تحویل قبلہ کی حکمت بتادی گئی کہ منافقین جو محض نمائشی مسلمان بن کر نمازیں پڑھا کرتے ہیں وہ قبلہ کے بدلتے ہی بدل گئے اور اسلام سے منحرف ہو گئے۔ اس طرح ظاہر ہو گیا کہ کون صادق الایمان ہے اور کون منافق؟ اور کون رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیروی کرنے والا ہے اور کون دین سے پھر جانے والا؟ (مولف) (سیرت الرسول، مدارج النبوۃ، سیرت مصطفیٰ)

❁ ❁ ❁

جہادوقتال کا حکم

وہ چقا چاق خنجر سے آتی صدا
مصطفیٰ تیری صولت پہ لاکھوں سلام

اذن للذین یقتلون بانھم ظلموا و ان اللہ علی نصرھم لقدیر

پروانگی (اجازت) عطا ہوئی انھیں جن سے کافر لڑتے ہیں اس بنا پر کہ ان پر ظلم ہوا اور بے شک اللہ ان کی مدد کرنے پر ضرور قادر ہے (سورۃ الحج ۳۹ / کنزالایمان)

جہاد و قتال کا حکم ۲ ھ

اب تک یعنی (۲ ھ سے پہلے) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خدا کی طرف سے صرف یہ حکم تھا کہ دلائل اور موعظۂ حسنہ کے ذریعہ لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے رہیں اور مسلمانوں کو کفار کی ایذاؤں پر صبر کا حکم تھا۔ اس لیے کافروں نے مسلمانوں پر بڑے بڑے ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے مگر مسلمانوں نے انتقام کے لیے کبھی ہتھیار نہیں اٹھایا بلکہ ہمیشہ صبر و تحمل کے ساتھ کفار کی ایذاؤں اور تکلیفوں کو برداشت کرتے رہے لیکن ہجرت کے بعد جب سارا عرب اور یہودی ان مٹھی بھر مسلمانوں کے جانی دشمن ہو گئے اور ان مسلمانوں کو فنا کے گھاٹ اتار دینے کا عزم کر لیا تو خداوند قدوس نے مسلمانوں کو یہ اجازت دی کہ جو لوگ تم سے جنگ کی ابتداء کریں ان سے تم بھی لڑ سکتے ہو۔

چنانچہ ۱۲ / صفر ۲ ھ تواریخ اسلام میں وہ یادگار دن ہے جس میں خداوند کردگار نے مسلمانوں کو کفار کے مقابلہ میں تلوار اٹھانے کی اجازت دی اور یہ آیت نازل فرمائی کہ

اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا و ان اللہ علی نصرھم لقدیر.

جس سے لڑائی کی جاتی ہے ان (مسلمان) کو بھی اب لڑنے کی اجازت دی جاتی ہے کیوں کہ وہ (مسلمان) مظلوم ہیں اور خدا ان کی مدد پر یقیناً قادر ہے۔

حضرت امام محمد بن شہاب زہری علیہ الرحمۃ کا قول ہے کہ جہاد کی اجازت کے بارے میں یہی وہ آیت ہے جو سب سے پہلے نازل ہوئی مگر تفسیر ابن جریر میں ہے کہ جہاد کے بارے میں سب سے پہلے جو آیت اتری وہ یہ ہے

وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم .

خدا کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم لوگوں سے لڑتے ہیں۔

بہر حال ۲ھ میں مسلمانوں کو خداوند تعالیٰ نے کفار سے لڑنے کی اجازت دے دی مگر ابتدا میں یہ اجازت مشروط تھی یعنی صرف انہیں کافروں سے جنگ کرنے کی اجازت تھی جو مسلمانوں پر حملہ کریں۔ مسلمانوں کو ابھی تک اس کی اجازت نہیں ملی تھی کہ وہ جنگ میں اپنی طرف سے پہل کریں۔ لیکن حق واضح ہو جانے اور باطل ظاہر ہو جانے کے بعد چوں کہ تبلیغ حق اور احکام الٰہی کی نشر و اشاعت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر فرض تھی اس۔ لیے تمام ان کفار سے جو عناد کے طور پر حق کو قبول کرنے سے انکار کرتے جہاد کا حکم نازل ہو گیا خواہ وہ مسلمانوں سے لڑنے میں پہل کریں یا نہ کریں۔ کیوں کہ حق کے ظاہر ہو جانے کے بعد حق کو قبول کرنے کے لیے مجبور کرنا اور باطل کو جبراً ترک کرانا یہ عین حکمت اور بنی نوع انسان کی صلاح و فلاح کے لیے انتہائی ضروری تھا۔

بہر حال اس میں کوئی شک نہیں کہ ہجرت کے بعد جتنی بھی لڑائیاں ہوئیں اگر پورے ماحول کو گہری نگاہ سے بغور دیکھا جائے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سب لڑائیاں کفار کی طرف سے مسلمانوں پر مسلط کی گئیں اور غریب مسلمان بدرجۂ مجبوری تلوار اٹھانے پر مجبور ہوئے، مثلاً مندرجہ ذیل چند واقعات پر ذرا تنقیدی نگاہ سے نظر ڈالیے۔

(۱) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب اپنا سب کچھ مکہ میں چھوڑ کر انتہائی بیکسی کے عالم میں مدینہ چلے آئے تھے، چاہیے تو یہ تھا کہ کفار مکہ اب اطمینان سے بیٹھ رہتے کہ ان کے دشمن یعنی رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور مسلمان ان کے شہر سے نکل گئے، مگر ہوا یہ کہ ان کافروں کے غیظ و غضب کا پارہ اتنا چڑھ گیا کہ اب یہ لوگ اہل مدینہ کے بھی دشمن جان بن گئے۔

چنانچہ ہجرت کے چند روز بعد کفار مکہ نے رئیس انصار، عبداللہ بن ابی کے پاس دھمکیوں سے بھرا

ہوا ایک خط بھیجا، عبداللہ ابن ابی وہ شخص ہے کہ واقعہ ہجرت سے پہلے تمام مدینہ والوں نے اس کو اپنا بادشاہ مان کر اس کی تاج پوشی کی تیاری کر لی تھی، مگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مدینہ تشریف لانے کے بعد یہ اسکیم ختم ہوگئی، چنانچہ اسی غم و غصہ میں عبداللہ بن ابی عمر بھر منافقوں کا سردار بن کر اسلام کی بیخ کنی کرتا رہا اور اسلام و مسلمانوں کے خلاف طرح طرح کی سازشوں میں مصروف رہا۔

بہرکیف کفار مکہ نے اس دشمن اسلام کے نام جو خط لکھا تھا اس کا مضمون یہ ہے کہ :

تم نے ہمارے آدمی محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو اپنے یہاں پناہ دے رکھی ہے ہم خدا کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ یا تو تم لوگ ان کو قتل کر دو، یا مدینہ سے نکال دو، ورنہ ہم سب لوگ تم پر حملہ کر دیں گے اور تمہارے تمام لڑنے والے جوانوں کو قتل کر کے تمہاری عورتوں پر تصرف کریں گے۔

جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کفار مکہ کے اس تہدید آمیز اور خوفناک خط کی خبر معلوم ہوئی تو آپ نے عبداللہ بن ابی سے ملاقات فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ، کیا تم اپنے بھائیوں اور بیٹوں کو قتل کرو گے؟ چوں کہ اکثر انصار دامن اسلام میں آ چکے تھے اس لیے عبداللہ بن ابی نے اس نکتہ کو سمجھ لیا اور کفار مکہ کے حکم پر عمل نہیں کر سکا۔

(۲) ٹھیک اسی زمانے میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو قبیلہ اوس کے سردار تھے عمرہ ادا کرنے کے لیے مدینہ سے مکہ گئے اور پرانے تعلقات کی بنا پر ''امیہ بن خلف'' کے مکان پر قیام کیا۔ جب امیہ ٹھیک دوپہر کے وقت ان کو ساتھ لے کر طواف کعبہ کے لیے گیا تو اتفاق سے ابوجہل سامنے آ گیا اور ڈانٹ کر کہا کہ اے امیہ! یہ تمہارے ساتھ کون ہے؟ امیہ نے کہا کہ یہ مدینہ کے رہنے والے سعد بن معاذ ہیں۔ یہ سن کر ابوجہل نے تڑپ کر کہا کہ تم لوگوں نے بے دھرموں (محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ) کو اپنے یہاں پناہ دی ہے۔ خدا کی قسم اگر تم امیہ کے ساتھ میں نہ ہوتے تو بچ کر واپس نہیں جا سکتے تھے۔

حضرت سعد بن معاذ نے بھی انتہائی جرأت اور دلیری کے ساتھ یہ جواب دیا کہ اگر تم لوگوں نے ہم کو کعبہ کی زیارت سے روکا تو ہم تمہاری شام کی تجارت کا راستہ روک دیں گے۔

(۳) کفار مکہ نے صرف انہی دھمکیوں پر بس نہیں کیا بلکہ وہ مدینہ پر حملے کی تیاریاں کرنے لگے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے قتل عام کا منصوبہ بنانے لگے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم راتوں کو جاگ جاگ کر بسر کرتے تھے اور صحابہ کرام آپ کا پہرہ دیا کرتے تھے۔ کفار مکہ نے سارے عرب پر اپنے اثر و رسوخ کی وجہ سے تمام قبائل میں یہ آگ بھڑکا دی تھی کہ مدینہ پر حملہ کر کے مسلمانوں کو دنیا سے نیست و نابود کرنا ضروری ہے۔

مذکورہ بالا تینوں وجوہ کی موجودگی میں ہر عاقل کو یہ کہنا ہی پڑے گا کہ ان حالات میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حفاظت خود اختیاری کے لیے کچھ نہ کچھ تدبیر کرنی ضروری ہی تھی تا کہ انصار و مہاجرین اور خود اپنی زندگی کی بقا اور سلامتی کا سامان ہو جائے۔

چنانچہ کفار مکہ کے خطرناک ارادوں کا علم ہو جانے کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی اور صحابہ کی حفاظت خود اختیاری کے لیے دو تدبیروں پر عمل درآمد کا فیصلہ فرمایا۔

اول : یہ کہ کفار مکہ کی شامی تجارت جس پر ان کی زندگی کا دار و مدار ہے اس میں رکاوٹ ڈال دی جائے تا کہ وہ مدینہ پر حملہ کا خیال چھوڑ دیں اور صلح پر مجبور ہو جائیں۔

دوم : یہ کہ مدینہ کے اطراف میں جو قبائل آباد ہیں ان سے امن و امان کا معاہدہ ہو جائے تا کہ کفار مکہ مدینہ پر حملہ کی نیت نہ کر سکیں۔

چنانچہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہی دو تدبیروں کے پیش نظر صحابہ کرام کے چھوٹے چھوٹے لشکروں کو مدینہ کے اطراف میں بھیجنا شروع کر دیا، اور بعض بعض لشکروں کے ساتھ خود بھی تشریف لے

گئے، صحابہ کرام کے یہ چھوٹے چھوٹے لشکر کبھی کفار مکہ کی نقل وحرکت کا پتہ لگانے کے لیے جاتے تھے اور کہیں بعض قبائل سے معاہدۂ امن وامان کرنے کے لیے روانہ ہوجاتے تھے۔ کہیں اس مقصد سے بھی جاتے تھے کہ کفار مکہ کی شامی تجارت کا راستہ بند ہوجائے۔ اسی سلسلہ میں کفار مکہ اوران کے حلیفوں سے مسلمانوں کا ٹکراؤ شروع ہوااور چھوٹی بڑی لڑائیوں کا سلسلہ شروع ہوگیا، انھیں لڑائیوں کوتاریخ اسلام میں غزوات و سرایا کے عنوان سے بیان کیا گیا ہے۔(مولف) (سیرت مصطفٰی)

عدم قتال کا حکم منسوخ ہے

پہلے پہل مسلمانوں کوصبر وشکیب کی تلقین کی گئی اور جنگ وجدال سے روکا گیا تھا مگر جب کفار مکہ مسلمانوں کے درپے آزار ہوگئے تو مجبوراً انھیں اپنا وطن عزیز مکہ مکرمہ کو چھوڑنا پڑا تو اب خالق کائنات نے کفار ومشرکین سے جہاد وقتال کا حکم فرمایا جس سے عدم قتال کا حکم منسوخ ہوگیا آیات وتفاسیر کی روشنی میں امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں :

آیہ کریمہ (انما ینھکم اللہ عن الذین قاتلو کم فی الدین ، اللہ تمھیں ان سے منع فرماتا ہے جو دین میں تم سے لڑے) میں ایک قول یہ ہے کہ مطلق کفار مراد ہیں جومسلمانوں سے نہ لڑے ان کے نزدیک وہ ضرور آیات قتال وغلظت سے منسوخ ہے۔

اجلہ ائمہ تابعین مثل امام عطاء بن ابی رباح استاذ امام اعظم ابوحنیفہ (جن کی نسبت امام اعظم فرماتے ہیں ما رایت افضل من عطاء میں نے ان سے افضل کسی کو نہ دیکھا) وعبدالرحمٰن بن زید بن اسلم مولٰی امیر المومنین عمر فاروق اعظم وقتادہ تلمیذ حضرت انس خادم حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ورضی اللہ تعالٰی عنہم نے اس کے منسوخ ہونے کی تصریح فرمائی۔ جلالین شریف میں بتایا کہ یہی اصح ہے۔

تفسیر کبیر میں ہے :

اختلفوا فی المراد من الذین لم یقاتلوکم فالاکثر علی انهم اهل العهد الذین عاهدوا رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم علی ترک القتال و المظاهرة فی العداوة و هم خزاعة کانوا عاهدوا الرسول علی ان لا یقاتلوه و لا یخرجوه فامر الرسول علیه الصلاة و السلام بالبر و الایفاء الی مدة اجلهم و هذا قول ابن عباس و مقاتل بن حیان. و مقاتل بن سلیمان و محمد بن سائب الکلبی ، و قال مجاهد الذین آمنوا بمکة و لم یهاجروا و قیل هم النساء و الصبیان.

و عن عبد الله بن الزبیر انها نزلت فی اسماء بنت ابی بکر قدمت امها قتیلة علیها و هی مشرکة بهدایا فلم تقبلها و لم تاذن للدخول فامرها النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم ان تدخلها و تقبل منها و تکرمها تحسن الیها ، وقیل الآیة فی المشرکین و قال قتادة نسختها آیة القتال .

اس میں اختلاف ہوا کہ وہ جو تم سے دین میں نہ لڑے ان سے کون لوگ مراد ہیں اکثر اہل تاویل اس پر ہیں کہ ان سے اہل عہد مراد ہیں جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عہد کیا تھا کہ نہ حضور سے لڑیں گے نہ دشمن کی مدد کریں گے اور وہ بنی خزاعہ ہیں انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عہد کیا تھا کہ نہ لڑیں گے نہ مسلمانوں کو مکہ معظمہ سے نکالیں گے۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حکم ہوا کہ ان کے ساتھ نیک سلوک فرمائیں اور ان کا عہد مدت موعود تک پورا کریں۔ حضرت عبداللہ بن عباس و مقاتل بن حیان و مقاتل بن سلیمان و محمد بن سائب کلبی کا یہی قول ہے۔ اور امام مجاہد نے فرمایا وہ مسلمانان مکہ مراد ہیں جنھوں نے ابھی ہجرت نہ کی تھی اور بعض نے کہا عورتیں اور بچے مراد ہیں۔

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ یہ آیۂ کریمہ اسماء بنت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارے میں اتری ان کی ماں قتیلہ بحالت کفران کے پاس کچھ ہدیے لے کر آئیں انھوں نے نہ

ہدیئے قبول کیے نہ انھیں آنے کی اجازت دی تو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انھیں حکم فرمایا کہ اسے آنے دیں اور اس کے ہدیئے قبول کریں اور اس کی خاطر اور اس کے ساتھ نیک سلوک کریں، اور بعض نے کہا آیت دربارۂ مشرکین ہے۔قتادہ نے کہا وہ آیہ جہاد سے منسوخ ہوگئی۔

جمل میں قرطبی سے ہے :

هی مخصوصة بالذین آمنوا و لم یهاجروا و قیل یعنی به النساء والصبیان لانهم ممن لا یقاتل فاذن الله فی برهم حکاه بعض المفسرین وقال اکثر اهل التاویل هی محکمة و احتجوا بان اسماء بنت ابی بکر سألت النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم هل تصل امها حین قدمت الیها مشرکة قال نعم ، خرجه البخاری و مسلم اهـ

یہ آیت خاص ہے ان کے بارے میں جو ایمان لائے اور ہجرت نہ کی اور بعض نے کہا اس سے عورتیں اور بچے مراد ہیں اس لیے کہ وہ لڑنے کے قابل نہیں، تو اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ مالی نیک سلوک کی اجازت دی۔ اسے بعض مفسرین نے نقل کیا اور اکثر اہل تاویل نے کہا آیت محکم ہے اور اس سے سند لائے کہ اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سوال کیا، کیا اپنی ماں سے کچھ نیک سلوک کریں جب وہ ان کے پاس بحالت شرک آئی تھیں فرمایا ہاں! اسے بخاری و مسلم نے روایت کیا۔

تفسیر درمنثور میں ہے :

اخرج عبد بن حمید و ابن المنذر عن مجاهد فی قوله لا ینهکم الله عن الذین لم یقاتلوکم الآیة قال ان تستغفروا لهم و تبرواهم و تقسطوا الیهم هم الذین آمنوا بمکة و لم یهاجروا. اهـ

عبد بن حمید اور ابن المنذر نے امام مجاہد سے تفسیر کریمہ لا ینھکم میں روایت کی، فرمایا معنی آیت یہ ہیں کہ اللہ تمہیں منع نہیں فرماتا کہ تم ان کی مغفرت کی دعا کرو اور ان سے نیک سلوک وانصاف کا برتاؤ برتو اس سے مراد کون لوگ ہیں وہ جو مکہ میں ایمان لائے تھے اور ہجرت کی۔

تفسیر جامع البیان میں بہ سند صحیح ہے :

حدثنی یونس قال اخبرنا ابن وھب قال قال ابن زید و سالته عن قول اللہ عزوجل لا ینھکم اللہ الآیة فقال ھذا قد نسخ نسخه القتال .

مجھ سے یونس نے حدیث بیان کی کہ مجھ کو ابن وہب نے خبر دی کہا جب میں نے امام ابن زید سے کریمہ لا ینھکم اللہ کے بارے میں پوچھا فرمایا یہ منسوخ ہے حکم جہاد نے اسے نسخ فرمادیا۔

تفسیر درمنثور میں ہے :

اخرج ابو داؤد فی تاریخه و ابن المنذر عن قتادة لا ینھکم اللہ الآیة نسختھا اقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم .

ابوداؤد نے اپنی تاریخ اور ابن المنذر نے تفسیر میں قتادہ سے روایت کی لا ینھکم اللہ کو اس آیت نے منسوخ فرمادیا کہ مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کرو۔

اسی میں ہے :

ابن ابی حاتم و ابو الشیخ عن مقاتل فی قوله تعالیٰ و قاتلوا المشرکین کافة قال نسخت ھذہ الآیة کل آیة فیھا رخصة .

ابن ابی حاتم وابوالشیخ نے اپنی تفسیروں میں مقاتل سے روایت کی کہ اللہ عزوجل کے اس ارشاد

نے کہ سب مشرکوں سے قتال کرو اس سے پہلے جتنی آیتوں میں کچھ رخصتیں تھیں سب منسوخ فرما دیں۔

تفسیر ارشاد العقل السلیم میں زیر کریمہ :

یا ایها النبی جاهد الکفار و المنافقین و اغلظ علیهم ہے۔ **قال عطا نسخت هذه الآیة کل شی من العفو و الصفح.**

امام عطا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کافروں کے ساتھ معافی و درگزر کی جتنی اجازتیں تھیں سب اس آیہ کریمہ نے منسوخ فرما دیں۔

تفسیر عنایۃ القاضی میں زیر کریمہ **لا ینهکم الله** ہے :

هذه الآیة منسوخة بقوله تعالیٰ اقتلوا المشرکین الآیة .

یہ آیت اللہ عزوجل کے اس ارشاد سے منسوخ ہے کہ مشرکوں کو جہاں پاؤ تلوار کے گھاٹ اتار دو۔

تفسیر خطیب شربینی پھر فتوحات الٰہیہ میں ہے:

کان هذا الحکم و هو جواز موالات الکفار الذین لم یقاتلوا فی اول الاسلام عند المواداعة و ترک الامر بالقتال ثم نسخ بقوله تعالیٰ فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموهم.

یہ حکم کہ جو کفار مسلمانوں سے نہ لڑیں ان کے ساتھ کچھ نیک سلوک کیا جائے ابتدا میں تھا کہ لڑائی موقوف تھی اور جہاد کا حکم نہ تھا۔ پھر یہ حکم اس آیہ کریمہ سے منسوخ ہوگیا کہ مشرکوں کو جہاں پاؤ گردن مارو۔

جلالین شریف میں ہے:

هذا قبل الامر بجهادهم.

یہ اجازت اس وقت تک تھی کہ جہاد کا حکم نہیں ہوا تھا۔

حکم جہاد

سورۂ براءت میں ارشاد فرمایا :

یا ایھا النبی جاھد الکفار و المنفقین و اغلظ علیھم و ماوٰھم جھنم و بئس المصیر ۔

اے نبی! کافروں اور منافقوں پر جہاد فرمایئے اور ان کے ساتھ سختی سے پیش آیئے اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ کیا بری پھرنے کی جگہ ہے۔

پھر اسی سورت میں ارشاد فرمایا :

یا ایھا الذین آمنوا قاتلوا الذین یلونکم من الکفار و لیجدوا فیکم غلظة ۔

اے ایمان والو! اپنے پاس کے کافروں سے لڑو اور تم پر فرض ہے کہ وہ تم پر درشتی پائیں۔

یہ حکم بھی جمیع کفار کو عام ہے حکمت یہی ہے کہ پہلے پاس والوں کو زیر کیا جائے جب وہاں اسلام کا تسلط ہو جائے تو اب جو اس سے نزدیک ہیں وہ پاس والے ہوئے وہ زیر ہو جائیں تو اب جو ان سے قریب ہیں یوں ہی یہ سلسلہ شرقاً غرباً منتہائے زمین تک پہنچے۔ اور بحمد اللہ تعالیٰ ایسا ہی ہوا اور بعونہ تعالیٰ ایسا ہی بروجہ اتم وکمال زمانۂ امام موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ہونے والا ہے۔

اور ارشاد فرمایا :

حتی لا تکون فتنة و یکون الدین کله لله ۔

یہاں تک کہ کوئی فتنہ نہ رہے اور سارا دین اللہ ہی کے لیے ہو جائے۔

یہاں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ارشاد ہوا کفار پر درشتی کرو، مومنین کو حکم ہوا کافروں پر سختی کرو، اس میں نہ کوئی تخصیص ہے نہ تردید نہ تقلید اور ہر عاقل جانتا ہے کہ نیک سلوک اور سختی و درشتی باہم متنافی ہیں۔ پہلے نیک سلوک کی اجازت تھی اب درشتی وسختی کا حکم ہوا تو وہ اجازت ضرور منسوخ ہوگئی۔ اجماع امت ہے کہ جہاد کفار محاربین بالفعل سے مخصوص نہیں مدافعانہ و جارحانہ قطعاً دونوں طرح کا حکم ہے۔ اجازت کا مدافعانہ میں حصر پہلے تھا پھر قطعاً منسوخ ہوگیا۔

مبسوط شمس الائمۃ سرخسی وکفایہ وعنایہ وتبیین وبحر الرائق وردالمحتار وغیرہا میں ہے :

و اللفظ للبابرتی قوله تعالیٰ فان قاتلوكم فاقتلوهم منسوخ بيانه ان رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم كان فی الابتداء مامورا بالصفح و الاعراض عن المشركين بقوله فاصفح الصفح الجميل و اعرض عن المشركين الآية ثم امر بالدعاء الى الدين بالموعظة و المجادلة بالاحسن بقوله تعالیٰ ادع الى سبيل ربك بالحكمة الآية . ثم اذن بالقتال اذ كانت البداء ة منهم بقوله فان قاتلوكم فاقتلوهم ثم امر بالقتال ابتداء فی بعض الازمان بقوله تعالیٰ فاذا انسلخ الاشهر الحرم فاقتلوا المشركين الآية . ثم امر بالبداء ة بالقتال مطلقاً فی الازمان كلها و فی الاماكن باسرها فقال تعالیٰ حتى لا تكون فتنة الآية و قاتلوا الذين لا يومنون بالله و باليوم الآخر الآية .

یہ ارشاد کہ اگر وہ تم سے لڑیں تو ان کو قتل کرو منسوخ ہے۔ بیان اس کا یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ابتداء میں یہ حکم تھا کہ مشرکوں سے درگزر اور روگردانی فرمائیں ارشاد تھا اچھی طرح درگزر کرو اور مشرکوں سے منہ پھیر لو۔ پھر حضور کو حکم ہوا کہ سمجھانے اور خوبی کے ساتھ دلیل قائم فرمانے سے دین کی طرف بلاؤ کہ ارشاد تھا اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت کے ساتھ بلاؤ۔ پھر اجازت فرمائی گئی کہ ان کی طرف سے قتال کی ابتداء ہو تو لڑو۔ ارشاد تھا کہ جن سے قتال کیا جائے انھیں پروانگی ہے اور ارشاد تھا کہ اگر

وہ تم سے لڑیں تو انھیں قتل کرو۔ پھر بعض اوقات ابتداءً قتال کا حکم ہوا۔ ارشاد فرمایا جب حرمت والے مہینے نکل جائیں تو مشرکوں کو قتل کرو۔ پھر مطلقاً ابتداء بالقتال کا حکم ہوا سب زمانوں اور سب مکانوں میں۔ ارشاد ہوا ان سے لڑو یہاں تک کہ کوئی فتنہ نہ رہے۔ اور فرمایا ان سے لڑو جو اللہ اور قیامت پر ایمان نہیں لاتے۔

جہاد فرض کفایہ ہے

کنز میں ہے :

الجهاد فرض كفاية ابتداء.

جہاد کی پہل کرنا فرض کفایہ ہے۔

بحرالرائق میں ہے:

مفيد لافتراضة و ان لم يبدونا للعمومات اما قوله تعالىٰ فان قاتلوكم فاقتلوهم منسوخ یہ عبارت فائدہ دیتی ہے کہ جہاد فرض ہے اگر چہ کافر پہل نہ کریں کہ آیتیں عام ہیں اور وہ جو فرمایا تھا کہ اگر وہ تم سے لڑیں تو انھیں قتل کر دو وہ منسوخ ہے۔

ہدایہ میں ہے :

قتال الكفار واجب و ان لم يبدوا للعمومات

کافروں سے لڑنا واجب ہے اگر چہ وہ پہل نہ کریں کہ احکام عام ہیں۔

قتال کا صریح حکم

فتح القدیر میں ہے :

صريح قوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فى الصحيحين وغيرهما امرت ان

اقاتل الناس حتی یقولوا لا الٰہ الا اللہ یوجب ان نبدأھم بادنی تامل . اہ اقول و کذا قولہ تعالیٰ قاتلوھم حتی لا تکون فتنۃ و یکون الدین کلہ للہ.

صحیحین وغیرہما میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا صاف ارشاد مجھے حکم ہوا کہ لوگوں سے قتال فرماؤں یہاں تک کہ وہ لا الٰہ الا اللہ کہیں۔ادنیٰ غور سے واجب فرماتا ہے کہ ہم ان سے قتال کی پہل کریں۔ (فتح القدیر کی عبارت تمام ہوئی) اور میں کہتا ہوں یوں ہی رب العزت کا ارشاد کہ ان سے لڑو یہاں تک کہ کوئی فتنہ نہ رہے اور سارا دین اللہ ہی کے لیے ہوجائے۔)

نیز اسی میں زیرحدیث رأی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم امراء ۃ مقتولۃ فقال ھاہ ما کانت ھذہ تقاتل ۔ (نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک عورت مقتول دیکھی تو فرمایا ارے یہ تو لڑنے کے قابل نہ تھی) ہے۔

الحدیث صحیح علی شرط الشیخین فقد علل صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم القتل بالمقاتلۃ فثبت انہ معلول بالحرابۃ فلزم قتل ما کان مظنۃ لہ بخلاف ما لیس ایاہ .

یہ حدیث بخاری ومسلم کی شرط پر صحیح ہے تو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیان فرمادیا کہ قتل کی علت قتال ہے تو ثابت ہوا کہ قتل وہی کیا جائے گا جو لڑنے کا شخص ہے تو جسے لڑنے کے قابل سمجھا جائے شریعت میں اس کا قتل لازم ہوا بخلاف اس کے جو اس کے لائق ہی نہ ہو۔

اجماع واتفاق ہے کہ معاہدین و ذراری محل جہاد ہی نہیں تو کلمہ جاھدوا، قاتلوا سے ان کی طرف ذہن نہ جائے گا۔

فتح القدیر میں ہے :

و ما الظن الا ان حرمة قتل النساء و الصبيان اجماع.

گمان اس کے سوا کسی کی طرف نہیں جاتا کہ عورتوں بچوں کا قتل حرام ہونے پر اجماع ہے۔

جہاد میں کافروں سے مدد لینے کی ممانعت

تفسیر لباب التاویل میں ہے :

ان عبادة بن صامت كان له حلفاء من يهود فقال يوم الاحزاب يا رسول الله معي خمسة مائة من اليهود و قد رأيت ان استظهر بهم على العدو فنزلت هذه الآية (لا يتخذ المومنون الكافرين اولياء) يعني انصار او واعوانا (من دون المومنين) اى من غير المومنين و المعنى لا يجعل المومن و لايته لمن هو غير مومن نهى الله المومنين ان يوالوا الكفار اويلا طفوهم لقرابة بينهم او محبة او معاشرة و المحبة في الله و البغض في الله باب عظيم و اصل من اصول الايمان .

یعنی عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کچھ یہودی حلیف تھے غزوۂ احزاب میں انھوں نے عرض کی یارسول اللہ میرے ساتھ پانچ سو یہودی ہیں میری رائے ہوتی ہے کہ دشمن پر ان سے مدد لوں اس پر یہ آیہ کریمہ اتری کہ مسلمان غیر مسلم کو مددگار نہ بنائیں یہ مسلمانوں کو حلال نہیں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو منع فرمایا کہ رشتے خواہ یارانے خواہ نرے میل کے باعث کافروں سے دوستانہ برتیں یا ان سے لطف ونرمی کے ساتھ پیش آئیں اور اللہ کے لیے محبت اور اللہ کے لیے عداوت ایک عظیم باب اور ایمان کی جڑ ہے۔

مدارک شریف پارہ ۶ میں ہے :

اى لا تتخذوهم اولياء تنصرونهم و تستنصرونهم و تواخونهم و تعاشرونهم

معاشرة المسلمین ۔

یعنی رب عزوجل فرماتا ہے کافروں کو دوست نہ بناؤ کہ تم ان کے معاون ہو ان سے اپنے لیے مدد چاہو انھیں بھائی بناؤ اور دنیوی برتاؤ ان کے ساتھ مسلمانوں سا رکھو ان سب سے منع فرماتا ہے۔

تفسیر کبیر پارہ۶ میں ہے :

المراد ان اللہ تعالیٰ امر المسلم ان لا یتخذ الحبیب و الناصر الا من المسلمین .

یعنی مراد آیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو حکم فرماتا ہے کہ صرف مسلمانوں ہی کو اپنا دوست و مددگار بنائیں۔

اسی میں ہے :

لا تتخذوھم اولیاء ای لا تعتمدوا علی الاستنصار بھم و التودد الیھم.

یعنی مراد آیت یہ ہے کہ کافروں کی مدد و یاری پر اعتماد نہ کرو۔

تفسیر ابوالسعو د و تفسیر فتوحات الٰہیہ میں زیر آیہ مذکورہ ہے :

نھو عن موالا تھم لقرابة او صداقة جاھلية و نحوھما من اسباب المصادقة و المعاشرة و عن الاستعانة بھم فی الغز و سائر الامور الدينية .

یعنی مسلمان منع کیے گئے کافروں کی دوستی سے خواہ وہ رشتہ داری ہو یا اسلام سے پہلے کا یارانہ یا کسی سبب یاری خواہ میل جول کے سبب۔ اور منع کیے گئے اس سے کہ جہاد یا کسی دینی کام میں کافروں سے استعانت کریں۔

جہاد میں کافروں کو دوست بنانے کی ممانعت

ارشاد فرمایا:

فان تولوا فخذوھم و اقتلوھم حیث ثقفتموھم و لا تتخذوا منھم ولیا و لا نصیرا

اگر کافر ایمان لانے سے منہ پھیریں تو انھیں پکڑو اور جہاں پاؤ قتل کرو اور ان میں کسی کو نہ دوست بناؤ نہ مددگار۔

اس آیہ کریمہ میں ولی کے ساتھ لفظ نصیر خود ہی صاف ارشاد ہے کہ انھیں دوست ٹھہرانا بھی حرام اور مددگار بنانا بھی حرام۔

تفسیر مدارک التنزیل میں ہے:

(فان تولوا) عن الایمان (فخذوھم و اقتلواھم حیث وجدتموھم و لا تتخذوا منھم ولیا و لا نصیرا) و ان بذلوا لکم الولایۃ و النصر فلا تقبلوا منھم (الا الذین یصلون الی قوم) و یتصلون بھم و الاستثناء من قولہ فخذوھم و اقتلوھم دون الموالاۃ.

اگر وہ ایمان لانے سے منہ پھیریں تو انھیں پکڑو اور جہاں پاؤ مارو اور ان میں کسی کو نہ دوست بناؤ نہ مددگار اور اگر وہ بلا معاوضہ بھی تمھاری دوست داری و مددگاری بگھاریں جب بھی قبول نہ کرو مگر جو اہل معاہدہ سے ملیں۔ یہ پکڑنے اور قتل کرنے سے استثناء ہے نہ دوستی سے کہ وہ تو ہر کافر سے مطلقاً حرام ہے۔

تفسیر بیضاوی میں ہے:

ای جانبوھم رأسا و لا تقبلوا منھم ولایۃ و لا نصرۃ.

یعنی ان سے بالکل دور رہو اور ان کی دوستی و مدد کچھ قبول نہ کرو۔

تفسیر ابوالسعود میں ہے :

ای جانبوھم مجانبة کلیة و لا تقبلوا منھم ولایة و لا نصرة ابدا.

یعنی کافروں سے بالکل کنارہ کش رہو اور کبھی ان کی دوستی و مدد قبول نہ کرو۔

تفسیر عنایۃ القاضی میں ہے :

قال الطیبی لا من و لا تتخذوا و ان کان اقرب لان اتخاذ الولی منھم حرام مطلقاً.

طیبی نے کہا دوست یا مددگار بنانے کی ممانعت سے استثناء نہیں اگر چہ وہ قریب تر ہے اس لیے کہ کافروں میں سے کسی کو دوست بنانا حرام ہے اگر چہ معاہد ہو۔

اقول: اس پر خود سیاق کریمہ دال کہ قتل و قتال ہی کے منع و رخصت کا ذکر ہے یوں ہی عموم حکم نفس استثناء کا مفاد کہ مجاہرین متصلین بالمعاہدین و معاہدین غیر جانبدار طرفین مستثنٰی فرمائے۔

حضور نے جہاد میں مشرکین سے مدد نہیں لی

صحیح مسلم و سنن اربعہ و مشکل الآثار امام طحاوی میں ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہے جب حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بدر کو تشریف لے چلے سنگستان و برہ میں (کہ مدینہ طیبہ سے چار میل ہے) ایک شخص جس کی جرأت و بہادری مشہور تھی حاضر ہوا اصحاب کرام اسے دیکھ کر خوش ہوئے اس نے عرض کی میں اس لیے حاضر ہوا کہ حضور کے ہمراہ رکاب رہوں اور قریش سے جو مال ہاتھ لگے اس میں سے میں بھی پاؤں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اتومن باللہ و رسولہ کیا تو اللہ و رسول پر

ایمان رکھتا ہے کہا نہ فرمایا **فارجع فلن نستعین بمشرک** تو پلٹ جا ہم ہرگز کسی مشرک سے مدد نہ چاہیں گے۔

پھر حضور تشریف لے چلے جب ذوالحلیفہ پہنچے (کہ مدینہ طیبہ سے چھ میل ہے) وہ پھر حاضر ہوا صحابہ خوش ہوئے کہ واپس آیا وہی پہلی بات عرض کی اور حضور نے وہی جواب ارشاد فرمایا کہ کیا تو اللہ و رسول پر ایمان لاتا ہے کہا نہ فرمایا **فارجع فلن نستعین بمشرک** واپس جا ہم ہرگز کسی مشرک سے مدد نہ لیں گے۔

پھر حضور تشریف لے چلے جب وادی میں پہنچے وہ پھر آیا اور صحابہ خوش ہوئے اس نے وہی عرض کی حضور نے فرمایا کیا تو اللہ و رسول پر ایمان لاتا ہے عرض کی ہاں فرمایا **فنعم اذن** ہاں اب چلو۔

امام احمد و اسحاق ابن راہویہ مسانید اور امام بخاری تاریخ اور ابوبکر بن ابی شیبہ مصنف اور امام طحاوی مشکل الآثار اور طبرانی معجم کبیر اور حاکم صحیح مستدرک میں خبیب بن اساف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک غزوہ (یعنی غزوۂ بدر) کو تشریف لیے جاتے تھے میں اور میری قوم سے ایک شخص حاضر ہوئے میں نے عرض کی یارسول اللہ ہمیں شرم آتی ہے کہ ہماری قوم کسی معرکہ میں جائے اور ہم نہ جائیں (یہ قوم خزرج سے تھے کہ انصار سے ایک بڑا گروہ ہے) حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم دونوں مسلمان ہوئے؟ کہا نہ فرمایا **فانا لا نستعین بالمشرکین علی المشرکین**۔

تو ہم مشرکوں سے مشرکوں پر مدد نہیں چاہتے۔

اس پر ہم دونوں اسلام لائے اور ہمراہ رکاب اقدس شریک جہاد ہوئے۔ حاکم نے کہا یہ حدیث صحیح الاسناد ہے یوں ہی تنقیح میں اس کے رجال کی توثیق کی۔

امام واقدی مغازی اور امام اسحاق بن راہویہ مسند اور امام طحاوی مشکل الآثار اور طبرانی معجم کبیر و

معجم اوسط میں ابوحمید ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم روز احد تشریف لے چلے جب ثنیۃ الوداع سے آگے بڑھے ایک بھاری لشکر ملاحظہ فرمایا ارشاد ہوا یہ کون ہیں؟ عرض کی گئی یہود بنی قینقاع قوم عبداللہ بن سلام حلفائے عبداللہ بن ابی (یہ لفظ طحاوی ہیں اور لفظ ابن راہویہ یوں ہیں۔ عرض کی گئی یہ عبداللہ بن ابی ہے اپنے حلیفوں کے ساتھ کہ قوم عبداللہ بن سلام کے یہود ہیں۔ اور لفظ واقدی میں ہے یہ ابن ابی کے حلیف یہودی ہیں اور لفظ طبرانی میں ہے یہ عبداللہ بن ابی ہے چھ سو یہودیوں کے ساتھ کہ اس کے حلیف ہیں) فرمایا کیا اسلام لے آئے؟ عرض کی گئی، نہ، وہ اپنے دین پر ہیں۔ فرمایا قــل لهم فليرجعوا فانا لا نستعين بالمشركين على المشركين.

ان سے کہہ دو لوٹ جائیں ہم مشرکوں پر مشرکوں سے مدد نہیں لیتے۔

استعانت کی بعض روایات کا حال

بعض روایات کہ ان احادیث صحیحہ بلکہ آیات صریحہ کے مقابل پیش کی جاتی ہیں ان میں کوئی صحیح و مفید مدعائے مخالف نہیں محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں انھیں ذکر کر کے فرمایا و لا شک ان هذه لا تقاوم احاديث المنع فی القوة فكيف تعارضها.

کوئی شک نہیں کہ یہ روایتیں قوت میں احادیث منع کو نہیں پہنچتیں تو کیوں کر ان کے معارض ہو سکتی ہیں۔

خود ابوبکر حازمی شافعی نے کتاب الاعتبار میں حدیث صحیح مسلم دربارۂ ممانعت روایت کر کے کہا وما يعارضه لا يوازيه فی الصحة و الثبوت فتعذر ادعاء النسخ.

اور اس کا خلاف جن روایتوں میں آیا ہے وہ صحت وثبوت میں ان کے برابر نہیں تو ممانعت استعانت کو منسوخ ماننے کا ادعا ناممکن ہے۔

یہ اجمالی جواب بس ہے اور مجمل تفصیل یہ کہ یہاں دو واقعے پیش کیے جاتے ہیں جن سے احادیث منع کو منسوخ بتاتے ہیں کہ وہ واقعہ بدر واحد ہیں۔ اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے غزوۂ خیبر میں کہ ان کے کئی برس بعد ہے بعض یہود بنی قینقاع سے یہود خیبر پر استعانت فرمائی۔ پھر ۸ھ غزوۂ حنین میں صفوان ابن امیہ سے اور وہ اس وقت مشرک تھے۔ تو اگر ان پہلے واقعات میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مشرک یا مشرکوں کو رد فرمانا اس بناء پر تھا کہ حضور کو رد و قبول کا اختیار تھا جب تو حدیثوں میں کوئی مخالفت ہی نہیں اور اگر اس وجہ سے تھا کہ مشرکوں سے استعانت ناجائز تھی تو ظاہر ہے کہ بعد کی حدیث نے ان کو منسوخ کر دیا۔

یہ تمام و کمال کلام امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے کہ ان سے فتح اور فتح سے ردالمحتار میں نقل کیا اور نا واقفوں نے نہ سمجھا۔ یہ بعینہ کتاب الاعتبار حازمی شافعی میں امام شافعی سے مروی ہے۔

حیث قال قرأت علی روح بن بدر اخبرک احمد بن محمد بن احمد فی کتابہ عن ابی سعید الصیرفی اخبرنا ابو العباس انا الربیع انا الشافعی قال الذی روی مالک کما روی . رد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مشرکا و مشرکین فی غزاۃ بدر و ابی ان یستعین الا بمسلم ثم استعان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بعد بدر فی غزوۃ خیبر بیہود من بنی قینقاع کانوا اشداء و استعان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی غزوۃ حنین سنۃ ثمان بصفوان بن امیۃ و ھو مشرک فالرد الاول ان کان بان لہ الخیار بان یستعین بمشرک و ان یرد کمالہ رد المسلم من معنی مخافۃ او شدۃ بہ فلیس واحد من الحدیثین مخالفا للآخر و ان کان ردہ لانہ لم یر ان یستعین بمشرک فقد نسخہ ما بعدہ من استعانۃ بالمشرکین اذا خرجوا طوعا و یرضخ لھم و لا یسھم لھم و لا یثبت عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انہ

اسهم لهم . انتهى.

میں نے روح بن بدر پر پڑھا کہ آپ کو محمد بن محمد بن احمد نے اپنی کتاب میں ابوسعید صیرفی سے خبر دی کہ انھوں نے کہا ہمیں ابوالعباس نے خبر دی کہ ہمیں ربیع نے خبر دی کہ ہمیں امام شافعی نے خبر دی کہ وہ جو امام مالک نے روایت فرمایا وہ ایسا ہی ہے جیسا انھوں نے روایت فرمایا۔ غزوۂ بدر میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک مشرک اور دو مشرکوں کو واپس فرما دیا اور غیر مسلم سے استعانت کرنا قبول نہ فرمایا۔ پھر نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے غزوۂ بدر کے بعد غزوۂ خیبر میں بنی قینقاع کے کچھ یہودیوں سے کام لیا کہ زور آور تھے اور ۸ھ ہجری غزوۂ حنین میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صفوان بن امیہ سے جس وقت میں کہ وہ مشرک تھے کچھ امداد لی تو پہلا رد فرما دینا اگر اس بنا پر تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اختیار تھا کہ کسی مشرک سے کام لیں یا اسے واپس فرما دیں جیسا انھیں مسلمان کے واپس فرما دینے کا اختیار ہے اس پر کسی خوف یا مشقت کے باعث۔ جب تو حدیثوں میں باہم کچھ اختلاف ہی نہیں اور اگر وہ واپس فرما دینا اس بنا پر تھا کہ حضور نے مشرک سے مدد لینا ناجائز جانا تو بعد کے واقعہ نے مشرکوں سے کام لیا اسے منسوخ کر دیا۔ اور اس میں کوئی حرج نہیں کہ مشرکوں سے لڑنے میں مشرکوں سے مدد لے جب کہ وہ اپنی خوشی سے لڑنے کو چلیں اور غنیمت میں سے انھیں کچھ تھوڑا سا دیا جائے پورا حصہ نہ دیا جائے اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت نہیں کہ حضور نے انھیں پورا حصہ دیا ہو۔

اس کے بعد جو فقرہ فتح ہے وہ بھی زیر قال الشافعی داخل اور انھیں کا قول ہے جسے بیہقی شافعی نے ان سے روایت کیا۔

نصب الرایۃ میں ہے :

قال الشافعی لعله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم انما رد المشرک الذی رده فی

غزوة بدر رجاء اسلامه و قال و ذلک واسع للامام ان یرد المشرک اویاذن له . انتهی و کلام الشافعی کله نقله البیهقی عنه .

امام شافعی نے فرمایا کہ وہ مشرک جسے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے غزوۂ بدر میں واپس فرمادیا تھا شاید یہ اس امید کی بنا پر ہو کہ وہ اسلام لے آئے گا۔ اور امام شافعی نے کہا سلطان اسلام کو گنجائش ہے چاہے مشرک کو واپس کردے یا اجازت دے۔ انتہی۔ اور امام شافعی کا یہ سارا کلام بیہقی نے ان سے روایت کیا۔

(یہود سے استعانت کا جواب) اسهم النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم لقوم من الیهود قاتلوا معه .

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان یہودیوں کو جنھوں نے ہمراہ رکاب اقدس قتال کیا تھا حصہ عطا فرمایا۔ اس سے استعانت کہاں ثابت ممکن کہ انھوں نے بطور خود قتال کیا ہو۔

صفوان بن امیہ سے استعانت کے روشن جواب

رہا قصۂ صفوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ان کا قبل از اسلام غزوۂ حنین شریف میں ہمراہ رکاب اقدس ہونا ضرور ثابت ہے مگر ہرگز ہرگز نہ ان سے قتال منقول نہ یہی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے قتال کو فرمایا ہو صرف اس قدر ہے کہ سو زرہ خود بکتر اور ایک روایت میں چارسو ان سے عاریت لیے اور بطمع بر دریغ سرکار عالم مدار کہ مولفۃ القلوب سے تھے ہمراہ لشکر ظفر پیکر ہو لیے ان کی مراد بھی پوری ہوئی اور اسلام بھی پختہ وراسخ ہو گیا سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے غنائم سے اتنا عطا فرمایا اتنا عطا فرمایا کہ یہ بے اختیار کہہ اٹھے و الله ما طابت بهذا الانفس نبی .

خدا کی قسم اتنی عطائیں خوش دلی سے دینا نبی کے سوا کسی کا کام نہیں اشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان محمدا عبده و رسوله . صلی الله تعالیٰ علیه وسلم .

امام ابن سعد طبقات پھر حافظ الشان عسقلانی اصابہ فی تمییز الصحابہ میں ان ہی صفوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت فرماتے ہیں :

لم یبلغنا انه غزا مع النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم .

ہمیں روایت نہ پہنچی کہ انھوں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہمراہی میں جہاد کیا ہو۔

امام طحاوی مشکل الآثار میں فرماتے ہیں :

صفوان کان معه لا باستعانة منه ففی هذا ما یدل علی انه انما امتنع من الاستعانة به و با مثاله و لم یمنعهم من القتال معه باختیار لذلک .

یعنی صفوان خود ہی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ہو لیے تھے حضور نے ان سے استعانت نہ فرمائی اس میں دلیل ہے اس پر کہ حضور مشرکوں سے استعانت سے باز رہتے تھے اور وہ اپنے اختیار سے ہمراہی میں لڑیں اس سے منع نہ فرماتے تھے۔

اسی میں ہے :

حدثنا ابو امیة قال حدثنا بشیر بن عمر الزهرانی قال قلت لمالک الیس ابن شهاب کان یحدث ان صفوان ابن امیة سار مع رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فشهد حنینا و الطائف و هو کافر قال بلی و لکن هو سار مع رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم ولم یامره رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم .

ہم سے ابو امیہ نے حدیث بیان کی کہ ہم سے بشر بن عمر زہرانی نے حدیث بیان کی کہ میں نے امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے گزارش کی کہ کیا زہری یہ حدیث بیان نہ کرتے تھے کہ صفوان بن امیہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہمراہ رکاب اقدس چل کر حنین و طائف کے غزوؤں میں بحالت کفر حاضر

ہوئے فرمایا ہاں مگر وہ خود رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ہمرکاب ہو لیے تھے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان سے نہیں فرمایا تھا۔

علامہ جلال الدین ابوالمحاسن یوسف حنفی معتصر میں فرماتے ہیں:

لا مخالفة بين حديث صفوان و بين قوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لا نستعين بمشرك لان صفوان قتاله كان باختياره دون ان يستعين به النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و ان الاستعانة بالمشرك جائزة لكن تخليتهم للقتال جائزة لقوله تعالىٰ لا تتخذوا بطانة من دونكم و الاستعانة اتخاذ بطانة و قتالهم دون استعانة بخلاف ذلك .

یعنی حدیث صفوان اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس ارشاد میں کہ ہم کسی مشرک سے مدد نہیں لیتے کچھ مخالف نہیں کہ صفوان کا قتال کو جانا اپنے اختیار سے تھا نہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان سے استعانت فرمائی ہو مشرک سے استعانت حرام ہے لیکن وہ خود لڑیں تو لڑنے دینا جائز ہے اس لیے کہ رب عزوجل نے فرمایا، غیروں کو اپنا راز دار نہ بناؤ مشرک سے استعانت کرنا اسے راز دار بنانا ہے اور بلا استعانت خود اس کے لڑنے میں یہ بات نہیں۔

استعانت ذمی سے جائز حربی سے حرام

اقول : یہ مسئلہ کہ ذمی اگر مسلمانوں کے ہمراہ قتال کرے یا راستہ بتائے تو سلطان اسے غنیمت سے کچھ عطا فرمائے جو مسلمانوں کے حصہ سے کم ہو اور راہ بتانے میں بقدر اجرت۔ تمام متون مثل ہدایہ و وقایہ و تحفۃ الفقہاء و کنز ووافی و مختار و اصلاح و غرر و ملتقی و تنویر اور ان کے سوا جن جن کتب میں اس کا ذکر ہے جیسے خزانۃ المفتین و اشباہ و النظائر وغیرہا سب میں ذمی کے ساتھ مقید ہے حتیٰ کہ علامہ محمد بن عبدالرحمن دمشقی نے رحمۃ الامۃ اور امام عبدالوہاب شعرانی نے میزان الشریعۃ میں اسے ائمہ اربعہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے اسی

قید کے ساتھ ذکر کیا۔ رحمۃ الامہ کی عبارت یہ ہے۔

اتفقوا علی ان من حضر الغنیمة من مملوک او امراة او صبی او ذمی فلهم الرضخ

علماء کا اتفاق ہے کہ غلام یا عورت یا لڑکا یا ذمی جو غنیمت میں حاضر ہوں تو انھیں کچھ دیا جائے گا پورا حصہ نہیں بعض شراح نے اسی سے مسئلہ استعانت استنباط کیا۔

درمختار میں ہے:

لا لعبد و صبی و امراء ة و ذمی و رضخ لهم اذا باشروا القتال او کانت المراء ة تقوم بمصالح المرضی او دل الذمی علی الطریق.

غلام اور لڑکے اور عورت اور ذمی کے لیے غنیمت کا حصہ نہیں ہاں کچھ دیا جائے گا اگر لڑیں یا عورت مریضوں کی تیمارداری کرے یا ذمی راستہ بتائے۔

ذمی کتابی سے استعانت جائز مشرک سے حرام ہے

امام اجل زینت حنفیت سیدنا احمد طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس میں اور تخصیص فرمائی اور اسی کو حضرت سیدنا امام اعظم و جملہ ائمہ حنفیہ کا مذہب بتایا کہ مسئلہ استعانت کا کتابی سے خاص ہے۔ جہاد میں وقت حاجت دبے ہوئے یہودی یا نصرانی سے مدد لے سکتے ہیں مشرک سے اصلاً جائز نہیں۔

مشکل الآثار میں استعانت بمشرک سے ممانعت کی حدیثیں روایت فرمائیں پھر استعانت بہ یہود کی حدیث اعتراضاً وارد کی پھر اس کے جواب میں فرمایا:

لیس فی ذلک ما یخالف شیئا ما رویناه فی هذا الباب لان الیهود لیسوا من المشرکین الذین قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فی الآثار الاول انه لا

نستعين بهم اولئک عبدة الاوثان و هولاء اهل الكتاب و الغلبة لنا لانا الاعلون عليهم و هم اتباع لنا و هكذا حكمهم الآن عند كثير من اهل العلم منهم ابو حنيفة و اصحابه رضي الله تعالىٰ عنهم يقولون لا باس بالاستعانة باهل الكتاب في قتال من سواء هم اذا كان حكمنا هو الغالب و يكرهون ذلک اذا كان احكامنا بخلاف ذلک و نعوذ بالله من تلک الحال .

وہ حدیثیں کہ اس باب میں ہم نے ذکر کیں یہ روایت کچھ ان سے مخالفت نہیں رکھتی اس لیے کہ یہود مشرک نہیں ہیں جن کے بارے میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اگلی حدیثوں میں فرمایا کہ ہم ان سے استعانت نہیں کرتے، وہ بت پرست ہیں اور یہ کتابی ہیں اور غلبہ ان پر ہمیں کو ہے کہ ہم ہی ان پر بالا دست ہیں اور وہ ہمارے تابع ہیں اور اب بھی اکثر علماء کے نزدیک ان کا یہی حکم ہے۔ از اں جملہ امام اعظم ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم، وہ فرماتے ہیں غیر کتابی کافروں کے مقابلہ میں کتابیوں سے مدد لینے میں حرج نہیں جب کہ ہمارا ہی حکم غالب ہو اور کتابیوں سے بھی مدد لینے کو ناجائز رکھتے ہیں جب کہ حالت اس کے خلاف ہو یعنی وہ ہمارے تابع و پیرو نہ ہوں اور اس حالت سے اللہ کی پناہ۔

معتصر علامہ یوسف حنفی میں ہے :

الممتنع الاستعانة بالمشرک و اليهود ليسوا من المشركين هكذا حكمهم عند ابي حنيفة و اصحابه اذا كان حكمنا هو الغالب بخلاف ما اذا لم يكن غالباً نعوذ بالله .

مشرک سے استعانت ناجائز ہے اور یہودی مشرک نہیں امام اعظم اور ان کے تلامذہ کے نزدیک یہی حکم ہے جب کہ ہمارا ہی حکم غالب ہو۔ بخلاف اس کے کہ معاذ اللہ ہمارا حکم ان پر غالب نہ ہو۔

اقسام استعانت اوران کے احکام

اقول: تحقیق مقام بتوفیق منعام یہ ہے کہ یہاں استعانت کی تین حالتیں ہیں۔

التجا، اعتماد، استخدام

التجا : یہ کہ قلیل گروہ اپنے کوضعیف وکمزور یا عاجز پاکر کثیر وقوی وطاقتور جتھے کی پناہ لے اپنا کام بنانے کے لیے اس کا دامن پکڑے یہ بداہتہ اپنے آپ کو ان کے ہاتھ میں دے دینا ہوگا اور انھیں خواہی نہ خواہی ان کے اشارے پر چلنا ان کی پس روی کرنی پڑے گی۔

اعتماد : یہ کہ گروہ مساوی سے یارانہ گانٹھیں انھیں اپنا یاور ویارو معین ومددگار بنائیں ان کی مدد وموافقت سے اپنے لیے غلبہ وعزت وکامیابی چاہیں۔ یہ اگرچہ اپنے آپ کو ان کے رحم پر چھوڑ دینا نہیں مگر ان کی ہمدردی وخیر خواہی پر اعتماد یقیناً ہے۔ کوئی عاقل خون کے پیاسے دشمن بدخواہ کو معین وناصر نہ بنائے گا۔ یہاں مساوات کے یہی معنی نہیں کہ ہر طرح قوت میں ہمارا ہم سنگ ہو بلکہ خودسر گروہ کہ ہمارے ہاتھ میں مجبور نہیں اور ہمارے ساتھ اظہار بدخواہی کرسکتا ہے۔ اسی شق میں ہے کہ باوصف خودسری اسے ناصر بنانا بے اعتماد نہ ہوگا۔ یہ دونوں صورتیں کفار کے ساتھ یقیناً نصوص قطعیہ قرآنیہ سے حرام قطعی ہیں۔ جن کی تحریم کو پہلی اور دوسری دو ہی آیتیں کافی ووافی ہیں ہرگز کوئی مسلمان انھیں حلال نہیں کہہ سکتا۔

استخدام: یہ کہ کافر ہم سے دبا ہوا اس کی چٹیا ہمارے ہاتھ میں ہو کسی طرح ہمارے خلاف پر قادر نہ ہو وہ اگرچہ اپنے کفر کے باعث یقیناً ہمارا بدخواہ ہوگا مگر بے دست وپا ہے ہم سے خوف وطمع رکھتا ہے۔ خوف شدید کے باعث اظہار بدخواہی نہ کرسکے گا بلکہ طمع کے سبب مسلمان کے بارے میں نیک رائے ہوگا۔

الحمد للہ یہ تقریر فقیر غفرلہ القدیر نے تنقیحا لکھی تھی پھر امام شمس الائمہ سرخسی کی شرح سیر صغیر امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ دیکھی عظیم وجلیل تائید ملی، امام طحاوی وعلامہ یوسف حنفی کی عبارتیں گزریں کہ جواز اس وقت ہے جب ہمارا ہی حکم غالب ہو۔ اور امام ابوجعفر کا ارشاد کہ ہم ہی بلند و بالا ہوں اور وہ ہمارے تابع۔ بعینہ یہی شرط سیر صغیر میں کہ کتب ظاہر الروایۃ سے ہے امام محمد نے سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ فرمایا:

سالتہ عن المسلمین یستعینون باھل الشرک علی اھل الحرب قال لا باس بذلک اذا کان حکم الاسلام ھو الظاھر الغالب .

میں نے عرض کی کہ مسلمان اگر حربیوں پر مشرکوں سے مدد لیں تو کیسا ہے فرمایا مضائقہ نہیں بشرط کہ اسلام ہی کا حکم روشن وزبردست ہو۔

مسخر کافر سے استعانت جائز ہے

ارشاد ہوا، **لان قتالھم بھذہ الصفۃ لا عزاز الدین و الاستعانۃ علیھم باھل الشرک کالاستعانۃ بالکلاب .**

دو ورق پہلے فرمایا:

و الاستعانۃ باھل الذمۃ کالاستعانۃ بالکلاب.

یعنی اس لیے کہ جب وہ اس حالت پر ہوں تو ان کا لڑنا ہمارے ہی دین کے اعزاز کو ہوگا اور حربیوں پر ان ذمی مشرکوں سے استعانت ایسی ہوگی جیسے شکار میں کتوں سے مدد لیتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ وہ ہمارے ہاتھ میں کتوں کی طرح مسخر ہوں کہ ان کا فعل ہمارے ہی لیے ہو، ہمارے ہی دین کے اعزاز کے واسطے ہو۔

کتے سے شکار میں استعانت کب جائز ہوتی ہے جب کہ وہ وقت شکار سارا کام ہمارے ہی لیے کرے اس میں سے اپنے واسطے کچھ نہ کرے اگر شکار مارا اور ماشہ بھر اس کا گوشت کھالیا شکار حرام ہے۔تو استخدام بتایا اور وہ بھی سب سے ذلیل تر یعنی جیسے کتے سے خدمت لیتے ہیں اور شرط فرمادی کہ وہ خودسری سے یکسر نکل کر محض ہمارے لیے آلہ بن گئے ہوں یہ نہ ہوگا مگر اسی صورت میں کہ ہم نے منقح کی۔

استعانت کے جواز وعدم جواز کے پہلو

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں :

اور اس کے لیے ضرور ہے کہ وہ معدودے چند ذلیل قلیل ہوں کہ بڑا گروہ ہوا تو ممکن کہ میدان میں پہنچ کر کافروں کا لشکر دیکھ کر شرارت پر آئے اور پھن دکھائے۔ممکن کہ یہی حکمت ہو کہ روز احد چھ سو یہود کو واپس فرمادیا کہ یہ بڑا جتھا ہوا خصوصاً اس حالت میں کہ مسلمان صرف سات سو اور مغلطائی کی روایت میں چھ ہی سو تھے اور غزوۂ خیبر میں حسب روایت واقدی صرف دس یہود کو ہمراہی کا حکم فرمایا کہ مسلمان ایک ہزار چار سو تھے۔اور غزوۂ حنین میں تو صفوان جیسے ستر اسی بھی مان لیجیے تو کچھ نہ تھے کہ الٰہی لشکر بارہ ہزار تھا جس کی کثرت کا ذکر خود قرآن عظیم میں ہے اسی طرف اشارہ ہے کہ ہمارے علماء ان مسائل میں ذمی و کافر بصیغۂ مفرد لکھتے ہیں نہ بصیغۂ جمع۔

استخدام کی چار صورتیں اور ان کے احکام

استخدام کی چار صورتیں ہیں۔

اول : اس سے ایسی استعانت جس میں وہ ہمارا راز دار و دخیل کار بنے یہ مطلقاً حرام ہے۔

فرماتا ہے جلا وعلا :

ام حسبتم ان تترکوا و لما یعلم اللہ الذین جاھدوا منکم و لم یتخذوا من دون اللہ و لا رسولہ و لا المومنین و لیجۃ و اللہ خبیر بما تعملون.

کیا اس گھمنڈ میں ہو کہ یوں ہی چھوڑ دیے جاؤ گے اور ابھی وہ لوگ اعلانیہ ظاہر نہ ہوئے جو تم میں سے جہاد کریں اور اللہ و رسول و مسلمین کے سوا کسی کو اپنا راز و دخیل کار نہ بنائیں اور اللہ تمھارے کاموں سے خبردار ہے۔ اس لیے حدیث میں ان سے مشورہ لینا ناجائز فرمایا۔

کافر کو محرری پر نوکر رکھنے کی ممانعت

تفسیر کبیر میں ہے:

ان المسلمین کانوا یشاوررونھم فی امور ھم و یؤانسونھم لما کان بینھم من الرضاع و الحلف ظنا منھم انھم و ان خالفوھم فی الدین فھم ینصحون لھم فی اسباب المعاش فنھاھم اللہ تعالیٰ بھذہ الآیۃ عنہ فمنع المومنین ان یتخذوا بطانۃ من غیر المومنین فیکون ذلک نھیا عن جمیع الکفار و قال یا ایھا الذین آمنوا لا تتخذوا عدوی و عدوکم اولیاء و مما یوکد ذلک ما روی انہ قیل لعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ھھنا رجل من اھل الحیرۃ نصرانی لا یعرف اقوی حفظا و لا احسن خطا منہ فان رأیت ان نتخذہ کاتبا فامتنع عمر من ذلک و قال اذن اتخذت بطانۃ من غیر المومنین.

یعنی کچھ مسلمان بعض یہود سے اپنے معاملات میں مشورہ کرتے اور باہم دل بہلاتے کہ کسی سے دودھ کی شرکت تھی کوئی کسی کا حلیف تھا یہ گمان کرتے تھے کہ وہ اگرچہ دین میں ہمارے خلاف ہیں دنیوی باتوں میں تو ہماری خیرخواہی کریں گے۔ اس آیہ کریمہ میں رب العزت جل وعلا نے انھیں منع فرمادیا اور حکم دیا کہ کسی غیر مسلم کو اپنا راز دار نہ بناؤ۔ تو یہ نہ صرف یہود بلکہ جملہ کفار سے ممانعت ہوئی اور اللہ عزوجل نے

فرمایا اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمن کو یار نہ بناؤ۔ اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جو امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہوئی کہ ان سے عرض کی گئی کہ شہر حیرہ میں ایک نصرانی ہے اس کا سا حافظہ اور عمدہ خط کسی کا معلوم نہیں، حضور کی رائے ہو تو ہم اسے محرر بنالیں۔ امیر المومنین نے اسے قبول نہ فرمایا اور ارشاد کیا کہ ایسا ہو تو میں غیر مسلم کو راز دار بنانے والا ٹھہروں گا۔

تفسیر لباب التاویل وغیرہ پارہ ۶ میں ہے۔

روی ان ابا موسیٰ الاشعری رضی الله تعالیٰ عنه قال قلت لعمر بن الخطاب رضی الله تعالیٰ عنه ان لی کاتبا نصرانیا فقال مالک و له قاتلک الله الا اتخذت حنیفا یعنی مسلما اما سمعت قول الله عزوجل یا ایها الذین آمنوا لا تتخذوا الیهود و النصاریٰ اولیاء قلت له دینه ولی کتابته قال لا اکرمهم اذا اهانهم الله و لا اعزهم اذا اذلهم الله و لا اقربهم اذا ابعدهم الله قلت لا یتم امر البصرة الا به فقال مات النصرانی و السلام یعنی هب انه مات فما تصنع بعد فما تعمل بعد موته فاعمله الآن و استعن عنه بغیره من المسلمین .

یعنی ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہوا کہ میں نے امیر المومنین عمر فاروق اعظم سے عرض کی میرا ایک محرر نصرانی ہے فرمایا تمھیں اس سے کیا علاقہ، خدا تم سے سمجھے کیوں نہ کسی کھرے مسلمان کو محرر بنایا کیا تم نے یہ ارشاد الٰہی نہ سنا کہ اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو یار نہ بناؤ میں نے عرض کی اس کا دین اس کے لیے ہے مجھے تو اس کی محرری سے کام ہے فرمایا میں کافروں کو گرامی نہ کروں گا جب کہ انھیں اللہ نے خوار کیا، نہ انھیں عزت دوں گا جب کہ انھیں اللہ نے ذلیل کیا، نہ ان کو قرب دوں گا جب کہ اللہ نے انھیں دور کیا۔ میں نے عرض کی بصرہ کا کام بے اس کے پورا نہ ہوگا فرمایا مرگیا نصرانی والسلام۔ یعنی فرض کرو کہ وہ مرگیا اس کے بعد کیا کرو گے۔ جو جب کرو گے اب کرو اور کسی مسلمان کو مقرر

کر کے اس سے بے نیاز ہو جاؤ۔

کافر کی تعظیم حرام ہے

دوم: اسے بعض مسلمانوں پر کوئی عہدہ و منصب دینا جس میں مسلم پر اس کا استعلا ہو مثلاً مسلمان فوج کے کسی دستے کا افسر بنانا یہ بھی حرام ہے۔ ابھی امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد گزرا کہ اللہ نے انھیں خوار کیا میں گرامی نہ کروں گا۔ اللہ نے انھیں ذلت دی میں عزت نہ دوں گا۔ کتب حدیث میں یوں ہے کہ جب ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے محرری پر مقرر کیا امیر المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انھیں فرمان میں لکھا۔

لیس لنا ان نأتمنهم و قد خونهم الله و لا ان نرفعهم و قد وضعهم الله و لا ان نعزهم و قد امرنا بان يعطوا الجزية عن يدوهم صاغرون.

ہمیں روا نہیں کہ کافروں کو امین بنائیں حالاں کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں خائن بتایا ہے یا ہم انھیں رفعت دیں حالاں کہ اللہ سبحانہ نے انھیں پستی دی یا انھیں عزت دیں حالاں کہ ہمیں حکم ہے کہ کافر ذلت و خواری کے ساتھ اپنے ہاتھ سے جزیہ پیش کریں۔

درمختار میں ہے :

يمنع من استكتاب و مباشرة يكون بها معظما عند المسلمين و تمامه فى الفتح و فى الحاوى ينبغى ان يلازم الصغار بينه و بين المسلم فى كل شئ و عليه فيمنع من القعود حال قيام المسلم عنده و فى البحر و يحرم تعظيمه .

یعنی ذمی کافر کو محرر بنانا یا اور کوئی ایسا عمل سپرد کرنا جس سے مسلمانوں میں اس کی بڑائی ہو جائز نہیں اس کا پورا بیان فتح القدیر میں ہے۔ حاوی میں ہے وہ مسلمان کے ساتھ ہر معاملہ میں دبا ہوا ذلیل رہے تو

جب تک اس کے پاس کوئی مسلمان کھڑا ہوا سے بیٹھنے نہ دیں گے یہ بحر الرائق میں ہے اور اس کی تعظیم حرام ہے۔

ہدایہ میں ہے :

قالوا الا حق ان لا یترکوا ان یرکبوا الا لضرورة و اذا رکبوا للضرورة فینزلوا فی مجامع المسلمین .

علماء نے فرمایا سزاوار تو یہ ہے کہ انھیں سوار ہونے ہی نہ دیں مگر (مرض وغیرہ کی) ناچاری سے پھر جب مجبوری کو سوار ہوں تو یہ ضرور ہے کہ مسلمانوں کے مجمع میں اتر لیں۔

سوم: بے حاجت اس سے استعانت کرنا یہ بھی ناجائز ہے۔

درمختار میں ہے :

مفاده جواز الاستعانة بالکافر عند الحاجة .

اس عبارت سے سمجھا گیا کہ حاجت کے وقت کافر (ذمی) سے استعانت جائز ہے۔

اسی میں ردالمحتار سے ہے :

اما بدونها فلا لانه لا یومن غدره

حاجت نہ ہو تو جائز نہیں کہ کچھ اطمینان نہیں کہ وہ بدعہدی نہ کرے گا۔

مقہور کافر سے صرف استعانت جائز ہے

چہارم: اب ایک صورت یہ رہی کہ دبے ہوئے مقہور کافر سے بشرط حاجت ایسی استعانت نہ

اسے رازدار و دخیل کار بنانا ہو نہ کسی مسلمان پر اس کا استعلاء۔ یہ ہے وہ جس کی ہمارے علماء اور امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رخصت دی۔

کافر سے استعانت کا ایک اور جواب

امام اجل ابوزکریا نووی شافعی شرح صحیح مسلم میں فرماتے ہیں:

قولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فارجع فلن استعین بمشرک و قد جاء فی الحدیث الآخر ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم استعان بصفوان بن امیۃ قبل اسلامہ فاخذ طائفۃ من العلماء بالحدیث الاول علی اطلاقہ و قال الشافعی و آخرون ان کان الکافر حسن الرای فی المسلمین و دعت الحاجۃ الی الاستعانۃ بہ استعین و الا فیکرہ حمل الحدیثین علی ھذین الحالین.

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد کہ واپس جاؤ ہم ہرگز کسی مشرک سے استعانت نہ کریں گے اور دوسری حدیث میں آیا ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صفوان بن امیہ سے اس حال میں امداد لی کہ وہ ابھی مسلمان نہ ہوئے تھے۔ تو ایک جماعت علماء نے پہلی حدیث کا مطلق حکم اختیار کیا اور شافعی اور کچھ اوروں نے کہا کافر اگر مسلمانوں کے حق میں نیک رائے رکھتا ہو اور اس سے استعانت کی حاجت پڑے تو کی جائے گی ورنہ منع ہے امام شافعی نے ان دونوں حدیثوں کو ان دونوں حالوں پر محمول کیا۔

شرط حاجت تو صاف ذکر فرمائی اور شرط اول کا یوں اشعار کیا کہ کسی کافر کی رائے مسلمانوں کے بارے میں اچھی ہو تو اس سے استعانت جائز ہے۔ اسی شرط کو حازمی شافعی نے یوں ذکر کیا۔

والثانی فی ان یکونوا فمن یوثق بھم فلا تخشی نائرتھم فمتی فقد ھذان الشرطان لم یجز للامام ان یستعین بھم

یعنی حاجت کے ساتھ دوسری شرط یہ ہے کہ ان کافروں پر وثوق ہو کہ ان کی شرارت کا اندیشہ نہ رہے، ان دونوں شرطوں میں سے کوئی کم ہوگی تو سلطان اسلام کو کافروں سے استعانت جائز نہ ہوگی۔

اقول: اللہ عزوجل فرماتا ہے اور اللہ سب سے زیادہ سچا ہے **لا یالونکم خبالا و دواما عنتم .** کافر تمھاری بدخواہی میں گئی نہ کریں گے تمھارا مشقت میں پڑنا ان کی دلی تمنا ہے تو محال ہے کہ خودسر کافر مسلمانوں کے لیے کوئی اچھی رائے رکھیں ان کی خیرخواہی پر وثوق ہو سکے ان کا خودسر کافر ہونا ہی ان پر پورا بے اطمینانی کا پورا موجب ہے۔

محقق علی الاطلاق فتح القدیر باب الموادعۃ میں فرماتے ہیں:

لعل خوف الخيانة لازم للعلم بكفرهم و كونهم حربا علينا.

امید یہ ہے کہ خوف خیانت آپ ہی لازم ہے کہ ان کا کافر اور ہم سے مقاتل ہونا معلوم ہے۔

تو مسلمانوں کے خیرخواہ و قابل وثوق نہیں ہو سکتے مگر معدود چند ذلیل قلیل مجبور و مقہور کافر جن کو سرکشی کی مجال نہیں ولہٰذا تمام علماء نے مسئلہ رضخ کو ذمی کے ساتھ مقید فرمایا اور اسے بصیغۂ مفرد ذکر کیا۔

جہاد کے اقسام

تنبیہ: جہاد کہ اعظم وجوہ ازالۂ منکر ہے اسی کی تین قسمیں ہیں۔

جنانی، لسانی، سنانی۔

جہاد جنانی : یعنی کفر و بدعت و فسق کو دل سے برا جاننا جو ہر کافر مبتدع فاسق سے ہے اور ہر مسلمان کہ اسلام پر قائم ہو، کرتا ہے مگر جنھوں نے اسلام کو سلام اور اپنے آپ کو مشرکین و کفار کا غلام کیا ان کی راہ جدا ہے۔ ان کا دین غیر دین خدا ہے۔

لسانی : کہ زبان وقلم سے رد۔

جہاد سنانی : کفار ومشرکین سے معرکہ آرائی کرنا۔ (الحجۃ المؤتمنۃ فی آیۃ الممتحنۃ)

منافقین کو مسجد سے نکال دیا گیا

صدر اسلام میں مسلمانوں میں منافقین کا اختلاط تھا مگر اللہ عزوجل نے صاف ارشاد فرما دیا تھا کہ یہ گھال میل جو ہورہا ہے اللہ تعالیٰ تمھیں یوں رہنے نہ دے گا ضرور خبیثوں کو طیبوں سے الگ کردے گا۔ قال اللہ تعالیٰ و ما کان اللہ لیذر المومنین علی ما انتم علیہ حتی یمیز الخبیث من الطیب.

اس کے بعد بھری مسجد میں خاص جمعے کے دن علی رؤس الاشھاد حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نام بنام ایک ایک کو فرمایا اخرج یا فلاں فانک منافق اے فلاں نکل جا تو منافق ہے۔ نماز سے پہلے سب کو نکال دیا (یہ حدیث طبرانی وابن ابی حاتم نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی)

مخالفین دین کے ساتھ یہ برتاؤ ان کا ہے جنھیں رب العزت عزجلالہ رحمۃ للعالمین فرماتا ہے جن کی رحمت، رحمت الٰہیہ کے بعد تمام جہان کی رحمت سے زیادہ ہے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کفار ومنافقین پر سختی کا حکم

محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ارشاد فرمایا یا ایھا النبی جاھد الکفار و المنافقین و اغلظ علیھم .

اے نبی جہاد کر کافروں اور منافقوں سے اور ان پر شدت وسختی کر۔

یہ انھیں حکم دیتا ہے جن کی نسبت فرماتا ہے انک لعلی خلق عظیم بے شک تو بڑے

خلق پر ہے۔

تو معلوم ہوا کہ مخالفان دین پر شدت وغلظت منافی اخلاق نہیں یہی خلق حسن ہے۔

امام احمد رضا بریلوی اور فرماتے ہیں:

ایک مرتبہ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نماز جمعہ میں دیر ہوگئی راستے میں دیکھا کہ چند لوگ مسجد سے لوٹے ہوئے آرہے ہیں آپ اس ندامت کی وجہ سے کہ ابھی میں نے نماز نہیں پڑھی ہے چھپ گئے، اور وہ اس ذلت کی وجہ سے جو مسجد شریف سے نکال دینے میں ہوئی تھی الگ چھپ کر نکل گئے۔

رب العزت تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

یا ایها النبی جاهد الکفار و المنافقین و اغلظ علیهم .

اے نبی جہاد فرما اور سختی فرما کافروں اور منافقوں پر۔

اور فرماتا ہے جلا وعلا:

محمد رسول الله و الذین معه اشداء علی الکفار رحماء بینهم .

محمد اللہ کے رسول ہیں (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اور جو ان کے ساتھی ہیں کفار پر سخت ہیں اور آپس میں نرم دل۔

اور فرماتا ہے جل وعلا۔

و لیجدوا فیکم غلظه

لازم کہ کفار تم میں سختی پائیں۔

تو ثابت ہوا کہ کافروں پر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سختی فرماتے تھے۔ (الملفوظ حصہ اول)

۸۰/اسی قیدی

و هو الذی کف ایدیهم عنکم و ایدیکم عنهم ببطن مکة من بعض ان اظفر کم علیهم و کان الله بما تعملون بصیرا.

وہی ہے ذات جس نے ان کے ہاتھوں کو تم سے اور تمھارے ہاتھوں کو ان سے روکا اس کے بعد کہ تمھیں ان پر کامیابی عطا فرمائی اور اللہ تعالیٰ ہمارے اعمال کو دیکھنے والا ہے۔

آیت مذکورہ بالا کے شان نزول کے ضمن میں امام بغوی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت نقل فرمائی کہ اہل مکہ میں سے ستر مسلح افراد جبل تنعیم سے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام پر حملہ کی نیت سے اترے تو صحابہ کرام نے انھیں قیدی بنالیا اور پھر انھیں چھوڑ دیا۔ چنانچہ اس واقعہ پر یہ آیت نازل ہوئی۔

امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں کہ صحیح مسلم میں اسی افراد کا ذکر ہے۔ (تعلیقات رضا)

جہاد ذریعۂ رزق ہے

احمد وابو یعلی اور طبرانی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی:

عن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال بعثت بین یدی الساعة بالسیف حتی یعبدوا الله تعالیٰ وحده لا شریک له و جعل رزقی تحت ظل رمحی . الحدیث.

حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں قرب قیامت تلوار کے ساتھ بھیجا گیا ہوں اور میرا رزق میرے نیزے کے سائے میں ہے۔ (مولف)

ابن عدی ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی:

عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم الزموا الجهاد تصحوا و تستغنوا

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جہاد کو لازم کرلو، صحت یاب اور غنی ہو جاؤ گے۔

(مولف)

شیرازی القاب میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی:

عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم اطیب کسب المسلم سهمه فی سبیل الله.

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مسلمان کی بہترین کمائی جہاد کا مال غنیمت ہے۔ (مولف)

قال المناوی فی التیسیر لان ما حصل بسبب الحرص علی نصرة دین الله تعالیٰ لا شیٔ اطیب منه فهو افضل من البیع و غیره

مناوی نے تیسیر میں فرمایا کہ دین خدا کی نصرت وحمایت پر حرص کے سبب سے جو مال حاصل ہو اس سے بہتر کوئی چیز نہیں، وہ بیع وغیرہ سے بھی افضل ہے۔ (مولف)

و فی رد المحتار عن المنتقی و مواهب الرحمن فی تفاضل انواع الکسب افضله الجهاد ثم التجارة ثم الحراثة ثم الصناعة .

ردالمحتار ومواہب الرحمٰن وغیرہ میں اقسام کسب کی فضیلت میں ہے کہ سب سے بہتر وافضل کسب جہاد، پھر تجارت، پھر زراعت وکاشت، پھر صنعت وحرفت ہے۔ (مولف) (خیرالا آمال فی حکم الکسب والسوال)

رسول جہاد

ابن سعد مجاہد مکی سے مرسلاً راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انا محمد و احمد انا رسول الرحمة انا رسول الملحمة انا المقفى و الحاشر.

میں محمد و احمد ہوں میں رسول رحمت ہوں میں رسول جہاد ہوں میں خاتم الانبیاء ہوں میں لوگوں کو حشر دینے والا ہوں۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

امام احمد و ابن سعد و ابن ابی شیبہ اور امام بخاری تاریخ اور ترمذی شمائل میں حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی مدینہ طیبہ کے ایک راستے میں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مجھے ملے ارشاد فرمایا:

انا محمد و انا احمد و انا نبی الرحمة و نبی التوبة و انا المقفی و انا الحاشر و نبی الملاحم.

میں محمد میں احمد ہوں میں رحمت کا نبی ہوں میں توبہ کا نبی ہوں میں سب میں آخر نبی ہوں میں حشر دینے والا ہوں میں جہادوں کا نبی ہوں۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

ابن عساکر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی:

قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان یسمی فی الکتب القدیمة احمد و محمد و الماحی و المقفی و نبی الملاحم و حمطایا و فارقلیطا و ماذ ماذ.

اگلی کتابوں میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے یہ نام تھے۔

احمد، محمد

ماحی : کفر و شرک کو مٹانے والا

مقفی : سب پیغمبروں سے پیچھے تشریف لانے والے۔

نبی الملاحم : جہادوں کے پیغمبر

حمطایا : حرم الٰہی کے حمایتی

فارقلیطا : حق کو باطل سے جدا کرنے والے

ماذ ماذ : ستھرے پاکیزہ۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

(جزاء اللہ عدوہ باباۂ ختم النبوۃ)

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اشارۂ ابرو پر اپنی پیاری جانیں خدا کی راہ میں قربان کیں اور اسی کو اپنی زندگی کا تمغۂ کمال سمجھا، امام احمد رضا بریلوی اپنے دیوان میں فرماتے ہیں :

اشعار

حسن یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشت زناں
سر کٹاتے ہیں تیرے نام پہ مردان عرب

●

شور تکبیر سے تھرتھراتی زمیں
جنبش جیش نصرت پہ لاکھوں سلام

●

نعرہائے دلیراں سے بن گونجتے
غرش کوس جرأت پہ لاکھوں سلام

وہ چقاچاق خنجر سے آتی صدا
مصطفیٰ تیری صولت پہ لاکھوں سلام

ان کے آگے وہ حمزہ کی جاں بازیاں
شیر غران سطوت پہ لاکھوں سلام

(حدائق بخشش)

غزوات نبوی ﷺ

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ

اور اللہ کی راہ میں لڑو ان سے جو تم سے لڑتے ہیں اور حد سے نہ بڑھو اللہ پسند نہیں رکھتا حد سے بڑھنے والوں کو۔

(سورۃ البقرۃ، آیت ۱۹۰)

غزوات نبوی ﷺ سنہ ۲ ھ

غزوہ اور سریہ کی تعریف

اس میں ارباب سیر کی یہ اصطلاح جاری ہو چکی ہے کہ ہر وہ لشکر جس میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بنفس نفیس خود موجود ہوں اسے ''غزوہ اور غزوات'' کہتے ہیں۔

اور جس لشکر میں خود موجود نہ ہوں بلکہ کوئی فوج روانہ فرمائی ہو اسے ''بعث اور سریہ'' کہتے ہیں۔

صاحب مواہب فرماتے ہیں کہ سریہ یعنی رات میں سیر کرنا ہے۔

اور اہل سیر کی اصطلاح میں لشکر کا وہ ٹکڑا جسے دشمن پر تاخت کے لیے بھیجا گیا ہو سریہ کہتے ہیں۔

صاحب مواہب فرماتے ہیں کہ سریہ لشکر کا وہ ٹکڑا ہے جو لشکر سے جدا ہو کر جائے پھر اسی لشکر میں لوٹ کر شامل ہو جائے اور ان کی تعداد ۱۰۰ سے پانچسو ۵۰۰ تک ہو۔ اور اگر پانچ سو سے زیادہ ہو اسے منسر (بروزن منبر) کہتے ہیں۔ اور جو آٹھ سو سے زیادہ ہو اسے ''جیش'' کہتے ہیں۔ اگر چار ہزار سے زیادہ ہو جائے تو جحل (بتقدیم جیم برحا) اور لشکر عظیم کو ''خمیس'' کہتے ہیں جس میں پانچ ٹکڑے ہوں۔ (۱) مقدمہ (۲) قلب (۳) میمنہ (۴) میسرہ اور (۵) ساقہ۔

اور کتیبہ اور لشکر وہ ہے جو مجتمع ہو بکھرا ہوا نہ ہو۔

غزوات وسرایا کی تعداد

ان غزوات کی تعداد جن میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بنفس نفیس شریک ہو کر تشریف لائے ستائیس ہے۔ جیسا کہ مواہب میں ہے۔

اور صاحب روضۃ الاحباب کے قول کے بموجب اکیس (۲۱) اور ایک اور قول کے بموجب چوبیس (۲۴) بھی منقول ہے۔ اس کی وجہ تطبیق بھی بیان کی گئی ہے اور تعجب ہے کہ وہ قول جو صحیح بخاری میں زید بن ارقم سے مروی ہے جو انیس (۱۹) غزوات کا ہے ذکر نہیں کیا گیا ہے۔

نو ۹ رغزوات ایسے ہیں جن میں قتال واقع ہوا ہے وہ یہ ہیں۔

(۱) جنگ بدر ۲ھ

(۲) جنگ احد ۳ھ

(۳) جنگ مریسیع (بنی المصطلق) ۵ھ

(۴) جنگ احزاب (جنگ خندق) ۵ھ

(۵) جنگ بنو قریظہ ۵ھ

(۶) جنگ خیبر ۷ھ

(۷) فتح مکہ ۸ھ

(۸) جنگ حنین (ہوازن) ۸ھ

(۹) جنگ طائف ۸ھ

جن اٹھارہ غزوات میں قتال واقع نہیں ہوا وہ حسب ذیل ہیں

(۱) غزوۂ ابواء ۲ھ

(۲) غزوۂ بواط ۲ھ

(۳) غزوۂ بنی نضیر ۴ھ

(۴) غزوۂ بدر صغریٰ ۴ھ

(۵) غزوۂ عشیرہ ۲ھ

(۶) غزوۂ بدر اولیٰ ۲ھ

(۷) غزوۂ قرقرۃ الکدیٰ ۲ھ

(۸) غزوۂ سویق ۲ھ

(۹) غزوۂ قینقاع ۳ھ

(۱۰) غزوۂ غطفان ۳ھ

(۱۱) غزوۂ نجران ۳ھ

(۱۲) غزوۂ دومۃ الجندل ۵ھ

(۱۳) غزوۂ ذات الرقاع ۶ھ

(۱۴) غزوۂ ذی قرد ۶ھ

(۱۵) غزوۂ بنولحیان ۶ھ

(۱۶) غزوۂ حدیبیہ ۶ھ

(۱۷) غزوۂ وادی القریٰ ۷ھ

(۱۸) غزوۂ جیش العسرۃ (تبوک) ۹ھ

سرایا کی تعداد سینتالیس ۴۷ تھی اور بعض چھپن ۵۶ شمار کرتے ہیں۔ ان میں سے کچھ سرایا کے نام یہ ہیں۔

(۱) سریہ دار ارقم ۲ھ

(۲) سریہ سعد بن ابی وقاص بجانب وادی خرار ۲ھ

(۳) سریہ عبداللہ بن جحش، بمقام بطن نخلہ ۲ھ

(۴) سریہ عمیر بن عدی ۲ھ

(۵) سریہ سالم بن عمیر ۲ھ

(۶) سریہ قردۃ ۲ھ

(۷) سریہ رجیع ۳ھ

(۸) سریہ ابو سلمہ مخزومی، بمقام موضع قطن ۳ ھ

(۹) سریہ عبداللہ بن انیس بمقام بطن عرنہ ۳ ھ

(۱۰) سریہ بیر معونہ ۴ ھ

(۱۱) سریہ ابو عبیدہ بن الجراح بجانب سیف البحر ۵ ھ

(۱۲) سریہ محمد بن مسلمہ بجانب بنی کلاب ۶ ھ

(۱۳) سریہ محمد بن مسلمہ بجانب بنی ثعلبہ ۶ ھ

(۱۴) سریہ محمد بن مسلمہ بمقام نجد ۶ ھ

(۱۵) سریہ عکاشہ بن محصن بجانب بنی اسد ۶ ھ

(۱۶) سریہ زید بن حارثہ بمقام وادی القریٰ ۶ ھ

(۱۷) سریہ زید بن حارثہ بمقام موضع جموم ۶ ھ

(۱۸) سریہ زید بن حارثہ، بمقام عیص ۶ ھ

(۱۹) سریہ زید بن حارثہ بجانب ام قرفہ ۶ ھ

(۲۰) سریہ زید بن حارثہ بسوئے چشمہ طرف ۶ ھ

(۲۱) سریہ زید بن حارثہ بجانب حِسمیٰ ۶ ھ

(۲۲) سریہ زید بن حارثہ، بمقام وادی القریٰ باردوم ۶ ھ

(۲۳) سریہ عبدالرحمٰن بن عوف بجانب بنی کعب ۶ ھ

(۲۴) سریہ علی مرتضیٰ بجانب فدک ۶ھ

(۲۵) سریہ عبداللہ بن رواحہ بمقام خیبر ۶ھ

(۲۶) سریہ ابوبکر صدیق ۷ھ

(۲۷) سریہ عمر بن الخطاب ۷ھ

(۲۸) سریہ بشر بن سعد انصاری ۷ھ

(۲۹) سریہ غالب بن عبداللہ لیثی بجانب میفہ ۷ھ

(۳۰) سریہ غالب بن عبداللہ بجانب بنی الموح ۷ھ

(۳۱) سریہ غالب لیثی بسوئے کدید ۸ھ

(۳۲) سریہ فدک ۸ھ

(۳۳) سریہ موتہ ۸ھ

(۳۴) سریہ عمرو بن العاص، بمقام ذات السلاسل ۸ھ

(۳۵) سریہ ابوعبیدہ بن الجراح، بمقام الخبط ۸ھ

(۳۶) سریہ ابوعامر اشعری، جنگ اوطاس ۸ھ

(۳۷) سریہ علی مرتضیٰ، بجانب قبیلہ بنی طے ۹ھ

(۳۸) سریہ خالد بن ولید بجانب دومۃ الجندل ۹ھ

(۳۹) سریہ خالد بن ولید بجانب قبیلہ بنی حارث بن کعب ۱۰ھ

(۴۰) سریہ جریر بن عبداللہ بجلی بجانب ذی الکلاع بن کور، طائف ۱۰؁ھ

(۴۱) سریہ اسامہ بن زید بجانب بحر روم ۱۱؁ھ (مولف)

(مدارج النبوۃ جلد دوم، بحوالہ مردان عرب)

ہجرت کے بعد کا تقریباً کل زمانہ ''غزوات وسرایا'' کے اہتمام وانتظام میں گزرا اس لیے کہ اگر غزوات کی کم سے کم تعداد جو روایات میں آئی ہے۔ یعنی انیس اور سرایا کی کم سے کم تعداد جو روایتوں میں ہے یعنی سینتالیس، شمار کر لی جائے تو نو سال میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو چھوٹی بڑی چھیاسٹھ لڑائیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ لہٰذا غزوات وسرایا کا عنوان حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت مقدسہ کا بہت ہی عظیم الشان حصہ ہے اور بحمدہٖ تعالیٰ ان بعض غزوات وسرایا کا تذکرہ مختصراً یہ ہے۔

سریہ حمزہ

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد جب جہاد کی آیت نازل ہو گئی تو سب سے پہلے جو ایک چھوٹا سا لشکر کفار کے مقابلہ کے لیے روانہ فرمایا اس کا نام ''سریہ حمزہ'' ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے چچا حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک سفید جھنڈا عطا فرمایا اور اس جھنڈے کے نیچے صرف ۳۰ ر مہاجرین کو ایک لشکر کفار کے مقابلہ کے لیے بھیجا جو تین سو کی تعداد میں تھے اور ابوجہل ان کا سپہ سالار تھا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سیف البحر تک پہنچے اور دونوں طرف سے جنگ کے لیے صف بندی بھی ہو گئی لیکن ایک شخص مجدی بن عمرو جہنی نے جو دونوں فریق کا حلیف تھا بیچ میں پڑ کر لڑائی موقوف کرا دی۔

سریۂ عبیدہ بن الحارث

اسی سال ساٹھ یا اسی مہاجرین کے ساتھ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عبیدہ بن الحارث

کو سفید جھنڈے کے ساتھ امیر بنا کر رابغ کی طرف روانہ فرمایا۔ اس سریہ کے علمبردار حضرت مسطح بن اثاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ جب یہ لشکر ثنیہ مرہ کے مقام پر پہنچا تو ابو سفیان اور ابو جہل کے لڑکے عکرمہ کی کمان میں دو سو کفار قریش جمع تھے دونوں لشکروں کا سامنا ہوا حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کفار پر تیر پھینکا۔ یہ سب سے پہلا تیر تھا جو مسلمانوں کی طرف سے کفار مکہ پر چلایا گیا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کل آٹھ تیر پھینکے اور ہر تیر نشانہ پر ٹھیک بیٹھا کفار ان تیروں کی مار سے گھبرا کر فرار ہو گئے اس لیے کوئی جنگ نہیں ہوئی۔

سریہ سعد بن ابی وقاص

اسی سال ماہ ذوالقعدہ میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بیس سواروں کے ساتھ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس مقصد سے بھیجا تا کہ یہ لوگ کفار قریش کے ایک لشکر کا راستہ روکیں اس سریہ کا جھنڈا بھی سفید رنگ کا تھا اور حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس لشکر کے علمبردار تھے۔ یہ لشکر راتوں رات سفر کرتے ہوئے جب پانچویں دن مقام خرار پر پہنچا تو پتہ چلا کہ مکہ کے کفار ایک دن پہلے ہی فرار ہو چکے ہیں اس لیے کسی تصادم کی نوبت ہی نہیں آئی۔

غزوۂ ابواء

اس غزوہ کو "غزوہ ودان" بھی کہتے ہیں یہ سب سے پہلا غزوہ ہے یعنی پہلی مرتبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جہاد کے ارادے سے ماہ صفر ۲ ھ میں ساٹھ مہاجرین کو اپنے ساتھ لے کر مدینہ سے باہر نکلے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینہ میں اپنا خلیفہ بنایا اور حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جھنڈا دیا اور مقام "ابواء" تک کفار کا پیچھا کرتے ہوئے تشریف لے گئے مگر کفار مکہ فرار ہو چکے تھے اس لیے کوئی جنگ نہیں ہوئی۔

ابواء مدینہ سے اسی میل دور ایک گاؤں ہے جہاں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ کا مزار ہے۔ یہاں چند دن ٹھہر کر قبیلہ بنوضمرہ کے سردار "مخشی بن عمرو ضمری" سے حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے امداد باہمی کا ایک تحریری معاہدہ کیا۔ اور مدینہ واپس تشریف لائے۔ اس غزوہ میں پندرہ دن آپ مدینہ سے باہر رہے۔ اس معاہدہ کا متن یہ ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم هذا کتاب من محمد رسول الله لبنی ضمرة بانهم آمنون علی اموالهم و انفسهم و ان لهم النصرة علی من رامهم الا ان یحاربوا فی دین الله ما بل بحر صوفة و ان النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم اذا دعاهم لنصره اجابوه علیهم بذلک ذمة الله و ذمة رسوله و لهم النصر علی من برمنهم و اتقی .

اللہ کے نام سے جو بہت رحم کرنے والا اور ہمیشہ مہربانی فرمانے والا ہے۔ یہ تحریر محمد رسول اللہ کی طرف سے بنی ضمرہ کے لیے لکھی گئی ہے یعنی وہ امن سے رہیں گے، ان کی جان و مال کو امن ہوگا اور جو آدمی ان پر حملہ کرنے کا ارادہ کرے گا انھیں اس کے مقابلہ میں مدد دی جائے گی بجز اس کے کہ وہ اللہ کے دین میں لڑائی کرے۔ یہ معاہدہ باقی رہے گا جب تک سمندر کا پانی اون کو گیلا کرتا رہے گا اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب ان کو اپنی مدد کے لیے دعوت دیں گے تو وہ اس دعوت پر لبیک کہیں گے۔ اللہ اور اس کا رسول اس بات کا ذمہ دار ہے اور ان کی مدد کی جائے گی جو ان پر حملہ کرے گا خواہ نیک اور متقی ہو۔

اس معاہدہ کی اہمیت اور اس کی قدر و منزلت کا صحیح اندازہ صرف جنگ اور میدان سیاست کے ماہرین لگا سکتے ہیں۔ بنوضمرہ اگرچہ ابھی تک اپنے مشرکانہ عقائد پر قائم تھے لیکن اب وہ اپنے ہم عقیدہ اہل مکہ کی انگیخت پر مسلمانوں کے خلاف ان کی کوئی مدد نہیں کر سکتے تھے اور ان سے کسی قسم کا تعاون نہیں کر سکتے تھے۔ یہ قافلہ پر قبضہ کرنے کی کامیابی سے بھی کہیں بڑی کامیابی تھی جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مرحمت فرمائی۔

غزوۂ بواط

ہجرت کے تیرہویں مہینے ۲ھ میں مدینہ پر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حاکم بنا کر دوسو مہاجرین کو ساتھ لے کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جہاد کی نیت سے روانہ ہوئے۔اس غزوہ کا جھنڈا بھی سفید تھا اور علمبردار حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے اس غزوہ کا مقصد کفار مکہ کے ایک تجارتی قافلہ کا راستہ روکنا تھا اس قافلہ کا سالار امیہ بن خلف جمحی تھا اور اس قافلہ میں ایک سو قریشی کفار اور ڈھائی ہزار اونٹ تھے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس قافلہ کی تلاش میں مقام بواط تک تشریف لے گئے مگر کفار قریش کا کہیں سامنا نہیں ہوا اس لیے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بغیر کسی جنگ کے مدینہ واپس تشریف لائے۔

غزوۂ صفوان

اسی سال کرز بن جابر فہری نے مدینہ کی چراگاہ میں ڈاکہ ڈالا اور کچھ اونٹوں کو ہانک کر لے گیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینہ میں اپنا خلیفہ بنا کر اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو علمبردار بنا کر صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ وادی صفوان تک اس ڈاکو کا تعاقب کیا مگر وہ اس قدر تیزی کے ساتھ بھاگا کہ ہاتھ نہیں آیا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واپس تشریف لائے۔

وادی صفوان بدر کے قریب ہے۔اسی لیے بعض مورخین نے اس غزوہ کا نام غزوۂ بدر اولیٰ رکھا ہے۔اس لیے یہ یاد رکھنا چاہیے کہ غزوۂ صفوان اور غزوۂ بدر اولیٰ دونوں ایک ہی غزوہ کے دو نام ہیں۔

غزوۂ ذی العشیرہ

اسی ۲ھ میں کفار قریش کا ایک قافلہ مال تجارت لے کر مکہ سے شام جا رہا تھا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ڈیڑھ سو یا دوسو مہاجرین صحابہ کو ساتھ لے کر اس قافلہ کا راستہ روکنے کے لیے مقام

''ذی العشیرۃ'' تک تشریف لے گئے، جو ینبوع کی بندرگاہ کے قریب ہے مگر یہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ قافلہ بہت آگے بڑھ گیا ہے اس لیے کوئی ٹکراؤ نہیں ہوا مگر یہی قافلہ جب شام سے واپس لوٹا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کی مزاحمت کے لیے نکلے تو جنگ بدر کا معرکہ پیش آ گیا۔ جس کا مفصل ذکر آگے آتا ہے۔

سریہ عبداللہ بن جحش

اسی سال ماہ رجب ۲ھ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امیر لشکر بنا کر ان کی ماتحتی میں آٹھ یا بارہ مہاجرین کا ایک جتھا روانہ فرمایا۔ دو دو آدمی ایک ایک اونٹ پر سوار تھے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لفافہ میں ایک مہر بند خط دیا اور فرمایا کہ دو دن سفر کرنے کے بعد اس لفافہ کو کھول کر پڑھنا اور اس میں جو ہدایات لکھی ہوئی ہیں ان پر عمل کرنا۔ جب خط کھول کر پڑھا تو اس میں یہ درج تھا کہ تم طائف اور مکہ کے درمیان مقام نخلہ میں ٹھہر کر قریش کے قافلوں پر نظر رکھو اور صورت حال کی ہمیں برابر خبر دیتے رہو۔ یہ بڑا ہی خطرناک کام تھا کیوں کہ دشمنوں کے عین مرکز میں قیام کر کے جاسوسی کرنا گویا موت کے منہ میں جانا تھا مگر یہ سب جان نثار بے دھڑک مقام نخلہ پہنچ گئے عجیب اتفاق کہ رجب کی آخری تاریخ کو یہ لوگ نخلہ میں پہنچے اور اسی دن کفار قریش کا ایک تجارتی قافلہ آیا۔ جس میں عمرو بن الحضرمی اور عبداللہ بن مغیرہ کے دولڑکے عثمان ونوفل اور حکم بن کیسان وغیرہ تھے اور اونٹوں پر کھجور اور دوسرا مال تجارت لدا ہوا تھا، امیر سریہ حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ اگر ہم ان قافلہ والوں کو چھوڑ دیں تو یہ لوگ مکہ پہنچ کر ہم لوگوں کی یہاں موجودگی سے مکہ والوں کو باخبر کر دیں گے اور ہم لوگوں کو قتل یا گرفتار کروا دیں گے اور اگر ہم ان لوگوں سے جنگ کریں تو آج رجب کی آخری تاریخ ہے لہٰذا شہر حرام میں جنگ کرنے کا گناہ ہم پر عائد ہوگا۔ آخر یہی رائے قرار پائی کہ ان لوگوں سے جنگ کر کے اپنی جان کے خطرہ کو دفع کرنا چاہیئے چنانچہ حضرت واقد بن عبداللہ تمیمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک تیر ایسا تاک کر مارا کہ وہ عمرو بن الحضرمی کو لگا اور وہ

اسی تیر سے قتل ہو گیا اور عثمان و حکم کو ان لوگوں نے گرفتار کر لیا، نوفل بھاگ نکلا۔ حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ اونٹوں اور ان پر لدے ہوئے مال واسباب کو مال غنیمت بنا کر مدینہ لوٹ آئے اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں اس مال غنیمت کا پانچواں حصہ پیش کیا۔

جو لوگ قتل یا گرفتار ہوئے وہ بہت ہی معزز خاندان کے لوگ تھے۔ عمرو بن الحضرمی جو قتل ہوا عبد اللہ بن حضرمی کا بیٹا تھا۔ عمرو بن الحضرمی پہلا کافر تھا جو مسلمان کے ہاتھ سے مارا گیا۔ جو لوگ گرفتار ہوئے یعنی عثمان اور حکم، ان میں سے عثمان تو مغیرہ کا پوتا تھا جو قریش کا ایک بہت بڑا رئیس شمار کیا جاتا تھا۔ اور حکم بن کیسان عمرو مخزومی کا آزاد کردہ غلام تھا۔ اس بنا پر اس واقعہ نے کفار قریش کو غیظ وغضب میں آگ بگولا بنا دیا اور ''خون کا بدلہ خون'' لینے کا نعرہ مکہ کے ہر کوچہ و بازار میں گونجنے لگا اور درحقیقت جنگ بدر کا معرکہ اسی واقعہ کا ردعمل ہے۔

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ جنگ بدر اور تمام لڑائیاں جو کفار قریش سے ہوئیں ان سب کا بنیادی سبب عمرو بن الحضرمی کا قتل ہے جس کو حضرت واقد بن عبداللہ تمیمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تیر مار کر قتل کر دیا تھا۔ ان کے علاوہ دیگر غزوات کا ذکر سن ہجری کی ترتیب سے ان کے اصلی مقام پر آئے گا۔

اسلامی جنگوں میں مقتولین کی تعداد

اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی مکرم و معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نبوت و رسالت کی جو امانت سپرد کی گئی تھی مصائب و آلام کے ہزاروں طوفانوں کے باوصف بڑے احسن طریقہ سے اس امانت کو اس کے حقداروں تک پہنچا دیا۔ اس صادق و مصدوق نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مساعی جمیلہ سے جو حیران کن انقلاب ایک قلیل مدت میں جزیرۂ عرب میں رونما ہوا اس کی مثال تاریخ انسانی میں نہیں ملتی۔

اس عظیم اور بے نظیر کارنامہ کو انجام دینے کے لیے گیارہ سالوں میں کفار و مشرکین کے ساتھ جتنی جنگیں لڑی گئیں ان میں فریقین کا کتنا جانی نقصان ہوا اس کی تفصیلات پڑھ کر آپ ششدر رہ جائیں گے۔

ابتدائی سرایا اور غزوات میں نہ دشمن کا کوئی آدمی قتل ہوا نہ کوئی کلمہ گو شہید ہوا۔ وہ غزوات و سرایا یہ ہیں۔

الابواء، سیف البحر، بواط، العشیرہ، بدر اولیٰ

ان میں فریقین کا کوئی جانی نقصان نہیں ہوا۔

- سریہ عبداللہ بن جحش میں کفار کا ایک آدمی عمرو بن حضرمی مارا گیا۔ اسلامی جنگوں میں یہ پہلا مقتول تھا۔
- غزوۂ بدر الکبریٰ میں کفار کے ستر آدمی قتل ہوئے اور چودہ مسلمان شرف شہادت سے مشرف ہوئے۔
- غزوۂ بدر کے بعد اپنے سنگین جرائم کی پاداش میں دو مشرکوں کو قتل کیا گیا، ایک کا نام نضر بن حارث اور دوسرا عقبہ بن ابی معیط تھا۔
- غزوۂ سویق میں صرف ایک مشرک قتل ہوا۔
- غزوۂ بنی سلیم میں تین انصاری شہید ہوئے۔
- غزوۂ ذی امر میں جو نجد میں ہوا کوئی شخص نہیں مارا
- یہودی قبیلہ بنی قینقاع کے جلاوطن کرنے کی کارروائی میں دو آدمی مارے گئے۔
- سریہ زید بن حارثہ میں فریقین کا کوئی آدمی نہیں مارا گیا۔
- اس کے بعد اسلام دشمنی اور شرانگیزی کے باعث ان یہودیوں کو قتل کیا گیا، کعب بن اشرف،

ابورافع سلام بن ابی الحقیق اوران کے بعد کعب بن یہوذا کو۔

- غزوۂ احد میں ستر مسلمان نعمت شہادت سے بہرہ ور ہوئے اور ۲۲ر مشرک مقتول ہوئے۔
- غزوۂ حمراء الاسد میں ایک بدزبان ابوعزی موت کے گھاٹ اتارا گیا۔
- یوم رجیع میں چھ مسلمانوں نے جام شہادت نوش کیا۔
- بیر معونہ کے غدرانہ منصوبہ میں ستر مسلمانوں نے تاج شہادت زیب سر کیا۔
- اس کے بعد عمرو بن امیہ نے غلطی سے تین کافروں کو مار ڈالا ان میں سے دو کی دیت رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود ادا کی۔
- غزوۂ بنی نضیر میں ایک آدمی کام آیا۔
- غزوۂ ذات الرقاع میں ایک انصاری شہید ہوئے۔ وہ رات کو پہرہ دے رہے تھے کہ کافروں نے یکے بعد دیگرے انھیں تین تیروں کا نشانہ بنایا۔
- بدر اخریٰ میں کوئی آدمی قتل نہیں ہوا۔
- غزوۂ خندق میں تین مشرک قتل کیے گئے اور چھ مسلمانوں نے جام شہادت نوش کیا۔
- غزوۂ بنو قریظہ میں دو مسلمان شہید ہوئے اور چھ یا سات یہودی مقتول ہوئے۔
- اس کے بعد خالد بن سفیان الہذلی قتل ہوا۔
- غزوۂ ذی قرد میں پانچ افراد کام آئے۔
- غزوۂ بنی المصطلق میں دو آدمی کام آئے۔

- غزوۂ حدیبیہ میں ایک آدمی کام آیا۔
- غزوۂ خیبر میں زیادہ سے زیادہ جانبین سے بیس آدمی مارے گئے۔
- اس کے بعد جو سرایا بھیجے گئے ان میں فریقین کا کوئی فرد نہیں مارا گیا۔
- یہاں تک کہ جب بنی قضاعہ کی گوشمالی کے لیے کعب بن عمر کی امارت میں سریہ روانہ کیا گیا اس میں چودہ آدمی مقتول ہوئے۔
- غزوۂ موتہ میں بارہ شخص مارے گئے۔
- غزوۂ فتح مکہ میں بھی بارہ آدمی مارے گئے۔
- غزوۂ حنین اور ہوازن میں چار مسلمان شہید ہوئے اور قبیلہ ثقیف کے 71 کافر مارے گئے۔
- غزوۂ طائف میں بارہ مسلمان سعادت شہادت سے مشرف ہوئے۔
- غزوۂ تبوک میں صرف ایک مسلمان شہید ہوا۔

دونوں فریقوں کے وہ مقتول جو جزیرۂ عرب کے باشندے تھے ان کی تعداد چار سو چالیس ہے، ان مقتولوں میں وہ لوگ بھی شمار کیے گئے ہیں جنھیں دھوکہ اور غدر سے قتل کیا گیا تھا یا غلطی سے قتل ہوئے تھے ان میں آپ چھ یا سات سو یہودیوں کو بھی شمار کر لیں۔ جنھیں قتل کرنے کا حکم حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیا تھا جنھیں خود یہودیوں نے اس قضیہ میں اپنا حکم تسلیم کیا تھا۔ فریقین کے تمام مقتولوں کی تعداد بشمول مقتولین بنی قریظہ ایک ہزار چالیس یا گیارہ سو چالیس بنتی ہے۔

اتنی قلیل جانی قربانیوں اور نقصانات سے نوع انسانی کو جو فائدہ پہنچا وہ بے مثال اور بے نظیر ہے کوشش بسیار کے باوجود اقوام و ممالک کی جنگوں کی تاریخ میں آپ کو اس کی مثال نہیں ملے گی ہرگز

نہیں ملے گی۔

اس کے مقابلہ میں جدید تہذیب اور سائنسی ترقی کی آغوش میں پرورش پانے والے یورپ کے دانش وروں اور حکم رانوں نے صرف اپنے اہل وطن کو ہی نہیں بلکہ ساری انسانی برادری کو نصف صدی سے کم عرصہ میں جن دو ہولناک عالم گیر جنگوں کا تحفہ دیا ہے ان کی تباہ کاریوں کا اندازہ لگانے سے انسانی عقل و دانش قاصر ہے۔ پرامن شہری آبادیوں، ہسپتالوں، درس گاہوں بلکہ مذہبی عبادت گاہوں کو بھی جس سنگ دلی سے اپنی بہیمانہ بم باری کا نشانہ بنایا گیا اور ان کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی، ان کے تصور سے ہی انسانیت و شرافت کا سر، بار ندامت سے خم ہے۔

دیگر ہر قسم کے نقصانات کو اگر آپ ایک لمحہ کے لیے نظر انداز بھی کر دیں فقط انسانی جانوں کے نقصانات کا ہی سرسری جائزہ لیں تو انسانی خون کی ارزانی کو دیکھ کر آپ پر لرزہ طاری ہو جائے گا، ناگاساکی اور ہیروشیما پر امریکہ کے ایٹم بموں نے جو قیامت برپا کی، کیا اس خوں چکاں داستان کو سننے کا آپ میں حوصلہ ہے؟ صرف جانی نقصانات کے اعداد و شمار پیش خدمت ہیں جو دوسری جنگ عظیم میں ہوئے۔

- اتحادی ممالک برطانیہ، امریکہ وغیرہ کا جانی نقصان ایک کروڑ چھ لاکھ پچاس ہزار ہے۔
- فریقین کا مجموعی جانی نقصان ڈیڑھ دو کروڑ کے قریب ہے۔
- صرف روس کے پچھتر لاکھ فوجی مارے گئے۔
- جاپان کے پندرہ لاکھ پچاس ہزار جوانوں کو موت کے گھاٹ اتارا گیا۔
- جرمنی کے اٹھائیس لاکھ پچاس ہزار فوجیوں نے اپنی قیمتی زندگیوں کو جنگ کی کالی دیوی کے چرنوں میں بھینٹ چڑھایا۔

انسانی جانوں کی ان عظیم اور ان گنت قربانیوں، بے محابہ خوں ریزیوں، تباہ کن بم باریوں، جنھوں

نے سینکڑوں نہیں ہزاروں بارونق شہروں کو راکھ کی ڈھیروں میں بدل دیا اتنی گراں قیمت ادا کرنے کے بدلے میں انسانیت کو کیا ملا۔ دیوار برلن۔(مولف) (مدارج النبوۃ دوم، سیرت الرسول، سیرت مصطفیٰ)

غزوۂ بدر

جاں نثاران بدر و احد پر درود
حق گزاران بیعت پہ لاکھوں سلام

ولقد نصرکم اللہ ببدر و انتم اذلۃ فاتقوا اللہ لعلکم تشکرون

اور بے شک اللہ نے بدر میں تمہاری مدد کی جب تم بالکل بے سروسامان تھے تو اللہ سے ڈرو کہیں تم شکرگزار ہو

(سورۂ آل عمران، آیت ۱۲۳)

غزوۂ بدر ۲ھ

ہجرت کے دوسرے سال غزوۂ بدر کا واقعہ پیش آیا، اس غزوہ کو غزوۂ بدر کبریٰ اور غزوۂ بدر عظمیٰ بھی کہتے ہیں۔

بدر ایک بستی کا نام ہے جو بدر بن مخلد بن نضر بن کنانہ سے منسوب ومشہور ہے۔اس نے اس جگہ پڑاؤ کیا تھا یا یہ بستی بدر بن حارث سے منسوب ہے۔جس نے یہاں کنواں کھودا تھا۔

اور بعض کہتے ہیں کہ وہاں ایک بوڑھا شخص مدتوں سے رہتا تھا جس کا نام بدر تھا، اس بناء پر اس بستی کو اسی نام سے منسوب کر دیا۔

یا اس کا نام اس بناء پر ہے کہ اس کا دائرہ وسیع تھا اور اس کا پانی اتنا صاف وشفاف تھا کہ اس میں بدر کامل نظر آتا تھا۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تمام غزوات میں یہ بہت عظیم غزوہ تھا کیوں کہ اس کے ذریعہ دین کی عزت وشوکت روشن ہوئی اور اسلام کا ناموس تاباں ہوا۔

اس دن کو ''یوم الفرقان'' سے تعبیر کیا گیا ہے کیوں کہ اس سے حق و باطل کے درمیان فرق وامتیاز رونما ہوا تھا فرمایا **یوم التقی الجمعان** مطلب یہ کہ مسلمان اور کافر اس دن جمع ہوئے اور اس دن حق تعالیٰ نے اسلام اور مسلمانوں کو غالب فرمایا اور کفر کی بنیادوں کو شکست و پائمال کر کے ذلیل وخوار بنایا۔ حالاں کہ مسلمانوں کی تعداد کم اور دشمنان دین کی تعداد زیادہ تھی اور کفار جنگ کے پورے ساز وسامان سے لیس ہو کر اتراتے اور تکبر کرتے آئے تھے مگر حق تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عزت دی اور اپنے دین کو مضبوط وقوی فرمایا اور اس کے جاہ وجلال کے چہرے کو منور وروشن بنایا اور شیاطین کو ذلیل وخوار

کر کے ان کو روسیاہ کیا اور اپنے مسلمان بندوں پر اس کا احسان ظاہر کرتے ہوئے فرمایا لقد نصرکم الله ببدر و انتم اذلة.

یقیناً اللہ نے بدر میں تمھاری مدد فرمائی دراں حال کہ تم بے سروسامان تھے تاکہ جان لیں کہ مدد خدا ہی کی طرف سے ہے نہ کثرت وقلت کی بناء پر۔ و ما النصر الامن عند الله العزیز الحکیم.

کوئی مدد نہیں مگر عزت حکمت والے اللہ ہی کی طرف سے ہے۔

غزوۂ بدر کب ہوا

اس غزوہ کے لیے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہجرت کے انیسویں مہینہ میں بارہ رمضان المبارک کو روانہ ہوئے تھے۔ بعضوں نے آٹھ رمضان کہا ہے اور قتال ۱۷ ار رمضان روز جمعہ واقع ہوا۔ بعض نے کہا کہ شنبہ تھا۔

آپ نے حضرت ابولبابہ انصاری کو مدینہ طیبہ میں خلیفہ بنایا تھا۔

مسلمانوں کی تعداد

اس غزوہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ جماعت انصار بھی تھی، اس سے پہلے کسی غزوہ یا کسی سریہ میں انصار نے شرکت نہ کی تھی کیوں کہ بیعت عقبہ میں اُن کے ساتھ یہ عہد و پیان ہوا تھا کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حفاظت اور دشمنان دین سے مدافعت اپنے گھروں میں کریں گے۔ چنانچہ انھوں نے واقعی کبھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس حال میں نہ چھوڑا کہ کوئی آپ کے حال سے تعرض کرتا۔

اس غزوہ میں مسلمانوں کی تعداد تین سو تیرہ (۳۱۳) تھی۔ جن میں سے ستتر (۷۷) مہاجرین

اور دو سو چھتیس (۲۳۶) انصار تھے۔ مگر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہمرکابی میں صرف تین سو پانچ (۳۰۵) اصحاب تھے اسی (۸۰) مہاجرین اور بقیہ انصار تھے۔

اور بقیہ آٹھ اصحاب وہ تھے جو کسی عذر کی وجہ سے حاضر نہ ہو سکے تھے مگر اموال غنیمت میں سے ان کو بھی حصہ عطا فرمایا گیا تھا اہل سیران کو بھی اہل بدر میں شمار کرتے ہیں۔ ان میں سے تین مہاجرین میں سے ہیں۔ ایک حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم سے اپنی زوجہ سیدہ رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی علالت اور تیمارداری کے لیے رکے تھے، دوسرے طلحہ اور تیسرے سعید بن زید ہیں جو مشرکین کے قافلہ کی جستجو میں گئے ہوئے تھے اور پانچ انصار تھے۔

مسلمانوں کا سامان حرب

اس غزوہ میں مسلمانوں کے پاس تین گھوڑے، ستر اونٹ، چھ زرہیں اور آٹھ شمشیریں تھیں، اور ایک ایک اونٹ پر کئی کئی مسلمان سواری کرتے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سواری میں حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت زید بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہما شریک تھے۔ اور جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیدل چلنے کی باری آتی تو دونوں عرض کرتے یا رسول اللہ آپ سوار ہی رہیئے ہم آپ کے رکاب کی سعادت میں پیدل چلیں گے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے تم مجھ سے زیادہ قوی نہیں ہو اور میں اجر میں تم سے زیادہ بے نیاز نہیں ہوں۔

کفار کی تعداد

مشرکوں کی تعداد ایک ہزار یا نوسو یا پانچ سو پچاس جنگی مردوں کی تھی، ایک قول کے بموجب ایک ہزار سے کم اور نوسو سے زیادہ تھی۔ اور ان کے ساتھ سو گھوڑے اور سات سو یا کچھ زیادہ اونٹ تھے۔ جو پوری شوکت و کروفر اور مکمل ساز و سامان اور بڑے غرور و تکبر میں تھے ان کے سوار بھی زرہ پوش تھے اور پیادہ بھی

زرہ پوش تھے۔ ان کے ہمراہ گانے والی عورتیں اور آلات طرب بھی تھے۔ یہ جس پانی کے کنارے پڑاؤ کرتے وہاں کی ڈومنیاں اور طوائفیں ساز بجا کر اور گا گا کر اہل اسلام پر زبان طعن دراز کرتی تھیں۔ قریش کے سرداروں میں سے ہر روز کوئی نہ کوئی سب کو کھانا دیتا اور ہر روز گیارہ اونٹ ذبح کیے جاتے تھے۔

غزوۂ بدر کا سبب

بدر کا واقعہ مسلمانوں کے بغیر قصد وارادہ اور منصوبہ بندی کے واقع ہوا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور تمام مسلمان اس جنگ کے لیے پہلے سے تیار نہ تھے وہ تو قریش کے اس بڑے قافلہ کی سرکوبی کے لیے مدینہ سے نکلے تھے جو شام سے آرہا تھا اس میں قریش کا کثیر مال تجارت تھا اور اس کا امیر قافلہ ابوسفیان تھا، اس میں عمرو بن العاص بھی شامل تھے یہ قافلہ تیس سواروں پر مشتمل تھا یہ لوگ جب بدر کے قریب پہنچ گئے تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اطلاع ملی آپ نے صحابہ سے فرمایا وہ قافلہ آرہا ہے جس کے ساتھ اموال کثیرہ بھی ہیں اور دشمنوں کی تعداد بھی بہت کم ہے لہٰذا اس کی سرکوبی کے لیے چلو ممکن ہے کہ حق تعالیٰ اس طرح تمھیں سامان عطا فرمائے۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دعا فرمائی کہ اے رب مسلمان پیادہ ہیں اپنے فضل سے انھیں سوار کر، یہ بھوکے ہیں ان کو شکم سیری عطا فرما یہ عریاں ہیں انھیں لباس دے، یہ فقیر ہیں انھیں تونگری دے، چنانچہ جب یہ مدینہ منورہ واپس ہوئے تو ان میں سے کوئی ایسا نہ تھا جسے بکثرت اونٹ، کپڑے، رزق اور اموال نہ ملا ہو۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت طلحہ بن عبیداللہ اور سعید بن زید کو قافلہ کے حالات کی جستجو کے لیے بھیجا انھوں نے مدینہ منورہ واپس آکر قافلہ کے حالات بتائے۔ جب ابوسفیان اس جگہ پہنچا تو وہاں کے لوگوں سے اس نے دریافت کیا کہ کیا تم کوئی خبر محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اور ان کے جاسوسوں کی

رکھتے ہو؟ انھوں نے کہا دوشتر سوار فلاں جگہ آ کر اترے تھے۔ ابوسفیان نے بسرعت اس جگہ پہنچ کر اونٹوں کی مینگنیوں کو چیر کر دیکھا کہ ان میں کھجور کی گٹھلیوں کے ریزے ہیں یا نہیں۔ وہ کہنے لگا خدا کی قسم ان اونٹوں نے یثرب کی کھجوروں کا چارہ کھایا ہے اور گمان غالب یہ ہے کہ یہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے جاسوس تھے۔ چنانچہ اس نے اس راستہ کو چھوڑ دیا اور بدر کی طرف ساحلی راستہ سے مکہ کی طرف روانہ ہوا اور تیزی کے ساتھ وہاں سے نکل گیا۔

جب وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ کے ارادوں سے باخبر ہوا تو اس نے ضمضم بن عمرو غفاری کو مکہ مکرمہ اپنی مدد کے لیے روانہ کیا تاکہ وہ مکہ والوں کو بتائے کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ہم پر تاخت کا ارادہ رکھتے ہیں اور جتنی جلد ممکن ہو وہ قافلہ کی مدد کے لیے پہنچیں اور اپنے اموال کی حفاظت کریں۔ ضمضم غفاری بسرعت تمام مکہ مکرمہ پہنچا اور کفار قریش کو حالات سے باخبر کیا جب ابوجہل لعین نے یہ خبر سنی تو کہنے لگا محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اور ان کے اصحاب اس خیال میں ہیں کہ یہ قافلہ عمرو بن الحضرمی جیسا ہے، خدا کی قسم ایسا نہیں ہے۔

خدا کا وعدہ

اس کے بعد جبریل علیہ السلام آئے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قریش کے نکلنے کی خبر دی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجلس مشاورت منعقد کی اور فرمایا، اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے دو گروہوں میں سے ایک کا وعدہ کیا ہے یا تو قافلہ ہو یا قریش کا لشکر۔ مگر صحابۂ کرام کے نزدیک قافلہ زیادہ عزیز تھا وہ کہنے لگے یا رسول اللہ آپ نے جنگ کرنے کا ہم سے ذکر کیوں نہ فرمایا تاکہ ہم اس کی تیاری کرتے اور ساز و سامان فراہم کرتے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا قافلہ تو ساحلی راستہ سے گزر گیا اور اب ابوجہل تمھارے مقابل آ رہا ہے صحابہ کہنے لگے یا رسول اللہ قافلے ہی کا پیچھا کیجیے اور قتال سے بچئے اس پر رسول اللہ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غضب میں آئے۔

اس موقع پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کھڑے ہو کر نہایت عمدہ باتیں کہیں، ان کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی نفیس ترین باتیں کیں اس پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی باتوں پر خوشنودی کا اظہار فرمایا اور انھیں دعائے خیر دی اس کے بعد حضرت سعد بن عبادہ نے کھڑے ہو کر عرض کیا یارسول اللہ اپنے کام میں غور و فکر فرمائیے ان باتوں کو چھوڑ یئے، خدا کی قسم اگر آپ ہمیں عدن (ایک مقام کا نام ہے) لے جائیں گے تو ہم انصار میں سے کوئی ایک بھی خلاف ورزی نہیں کرے گا۔ اس پر حضور نے ان کے لیے دعا خیر فرمائی۔ ان کے بعد حضرت مقداد بن عمرو کھڑے ہوئے انھوں نے کہا یارسول اللہ ہم آپ کے ساتھ ہیں آپ جہاں چاہیں ہمیں لے جائیں ہم کبھی بھی وہ بات منہ سے نہ نکالیں گے جو بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہی تھی کہ اذھب و ربک فقاتلا انا الآیۃ

حضور آپ اور آپ کا رب دونوں جا کر لڑیں۔

اور ہم بھی آپ کے ساتھ مل کر لڑنے والوں میں سے ہیں قسم اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہم آپ کے ساتھ جائیں گے اور جہاں آپ جائیں گے آپ کے ساتھ مل کر مردانہ وار لڑیں گے اگر چہ آپ برک غماد تک جائیں (برک غماد حبشہ کے شہروں میں سے ایک شہر ہے) اس پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا اور ان کے لیے دعائے خیر فرمائی۔

اس کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تم مجھے مشورہ دو، یہ خطاب انصار کی طرف تھا اور اس سے مقصود ان سے استمزاج و استکشاف حال تھا۔

اس کلام کی شرح میں مفسرین کہتے ہیں کہ چوں کہ بیعت عقبہ کے وقت انصار نے کہا تھا کہ ہم

آپ کے اس عہد سے اس وقت تک باہر ہیں جب تک کہ آپ ہمارے گھروں میں رونق افروز نہیں ہوتے اور جب آپ ہمارے گھروں میں رونق افروز ہو جائیں گے تو یہ ہمارا عہد و پیمان ہے کہ ہم دشمن سے آپ کی حفاظت اور ان سے مدافعت کریں گے اور آپ کی ہر اس چیز سے حمایت کریں گے جس چیز سے اپنی جانوں، اپنی اولاد، اور اپنی بی بیوں کی حمایت کرتے ہیں۔

ان کی اس بات سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ حضور کے ساتھ ان کی حمایت اس وقت تک مخصوص ہے جب تک آپ مدینہ میں تشریف فرما ہوں اور چوں کہ مذکورہ حالات میں حضورِ مدینہ میں تشریف فرما نہیں تھے اس لیے انصار کی حمایت شامل حال نہیں رہتی۔ حالاں کہ انصار کی مراد یہ تھی کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تشریف لانے اور ان کے یہاں اقامت فرمانے کے بعد ہمیشہ اور ہر حالت میں آپ کی خدمت و حمایت میں رہیں گے۔

اس پر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا یہ خطاب ہماری طرف ہے؟ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، ہاں۔ حضرت سعد بن معاذ نے عرض کیا ایسی کوئی بات نہیں ہے ہم تو آپ پر ایمان لائے ہیں، آپ کی تصدیق کی ہے اور ہم نے ہر چیز کی گواہی دی ہے جو آپ خدا کی طرف سے لائے ہیں اور اپنے عہد و پیمان کے ذریعہ ہم نے آپ کو تصدیق فراہم کی ہے اور آپ کی سمع و طاعت اور فرماں برداری پر آپ کو اعتماد اور بھروسہ دلایا ہے۔

لہٰذا اے اللہ کے رسول چلیے جہاں آپ کی مرضی ہو قسم ہے اس ذات کریم کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا اگر آپ چلیں اور ہمیں دریا میں ڈال دیں تو ہم دریا میں بھی پھاند جائیں گے اور ہم میں سے ایک شخص بھی آپ سے پیچھے نہ رہے گا ہمیں اپنے دشمنوں کے ساتھ مڈبھیڑ کرنے میں کوئی عذر نہیں ہے۔ ہم دشمن سے مڈبھیڑ ہو جانے پر صبر کرنے والوں اور صادقوں میں سے ہیں۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ دشمنوں سے مقابلہ کے وقت ہماری طرف سے آپ کو ایسا دکھائے گا جس سے آپ کے قلب و نظر کو روشنی اور ٹھنڈک

حاصل ہو، لہٰذا آپ جہاں چاہیں ہمیں لے جائیں۔

حضرت سعد کی اس گفتگو سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے اور فرمایا، اللہ تعالیٰ اپنی برکت کے ساتھ تمہیں خوش رکھے تمہیں مژدہ ہو کہ فتح و نصرت تمہاری ہی ہے۔ بلاشبہ حق تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ ان دونوں گروہوں میں سے کسی ایک پر غالب فرماؤں گا خواہ قریش کا قافلہ ہو یا قریش کا لشکر۔ خدا کی قسم گویا میں ان کے ہلاک ہونے کی جگہ اور ان کا مقتل دیکھ رہا ہوں۔ اور اس کے بعد آپ نے کفار قریش کے بدر میں مارے جانے کے مقامات کی طرف اشارہ فرمایا۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے زمین پر اپنا دست مبارک رکھ کر فرمایا یہ فلاں کے مرکر گرنے کی جگہ ہے، یہ فلاں کے مرکر گرنے کی جگہ ہے، یہ فلاں کا مقتل ہے اور فلاں کی جائے کشتن ہے اور ایک ایک مارے جانے والے کا نام اور اس کے مقتل کا نشان بتایا اور ان میں سے کوئی بھی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی جگہ کے برخلاف نہ مارا گیا۔

مدینہ کو واپسی

فتح کے بعد تین دن تک حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ''بدر'' میں قیام فرمایا پھر تمام اموال غنیمت اور کفار قیدیوں کو ساتھ لے کر روانہ ہوئے جب ''وادیٔ صفراء'' میں پہنچے تو اموال غنیمت کو مجاہدین کے درمیان تقسیم فرمایا۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجہ محترمہ حضرت بی بی رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صاحبزادی تھیں، جنگ بدر کے موقع پر بیمار تھیں اس لیے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صاحبزادی کی تیمارداری کے لیے مدینہ میں رہنے کا حکم دے دیا تھا اس لیے وہ جنگ بدر میں شامل نہ ہو سکے مگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مال غنیمت میں سے ان کو مجاہدین بدر

کے برابر ہی حصہ دیا اور ان کے برابر ہی اجر وثواب کی بشارت بھی دی۔اس لیے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی اصحاب بدر کی فہرست میں شمار کیا جاتا ہے۔

مردوں سے کلام فرمانا

جب کفار کی لاشیں بدر کے گڑھے میں ڈال دی گئیں تو حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس گڑھے کے کنارے کھڑے ہو کر مقتولین کا نام لے کر اس طرح پکارا کہ اے عتبہ بن ربیعہ، اے شیبہ بن ربیعہ، اے فلاں، اے فلاں کیا تم لوگوں نے اپنے رب کے وعدہ کو سچا پایا؟ ہم نے تو اپنے رب کے وعدہ کو بالکل ٹھیک ٹھیک سچ پایا۔حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب دیکھا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کفار کی لاشوں سے خطاب فرما رہے ہیں تو ان کو بڑا تعجب ہوا، چنانچہ انھوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ کیا آپ ان بے روح کے جسموں سے کلام فرما رہے ہیں؟ یہ سن کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے عمر قسم خدا کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ تم (زندہ لوگ) میری بات کو ان سے زیادہ نہیں سن سکتے لیکن اتنی بات ہے کہ یہ مردے جواب نہیں دے سکتے۔

ضروری تنبیہ

بخاری وغیرہ کی اس حدیث سے یہ مسئلہ ثابت ہوتا ہے کہ جب کفار کے مردے زندوں کی بات سنتے ہیں تو پھر مومنین خصوصاً اولیاء، شہداء، انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام وفات کے بعد یقیناً ہم زندوں کا سلام و کلام اور ہماری فریادیں سنتے ہیں۔اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب کفار کی مردہ لاشوں کو پکارا تو پھر خدا کے برگزیدہ بندوں یعنی ولیوں شہیدوں اور نبیوں کو ان کی وفات کے بعد پکارنا بھلا کیوں نہ جائز و درست ہوگا؟

اسی لیے تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب مدینہ کے قبرستان میں تشریف لے جاتے تو

قبروں کی طرف اپنا رخ انور کر کے یوں فرماتے کہ :

السلام علیکم یا اهل القبور یغفر الله لنا و لکم انتم سلفنا و نحن بالاثر

یعنی اے قبر والو! تم پر سلام ہو خدا ہماری اور تمہاری مغفرت فرمائے، تم لوگ ہم سے پہلے چلے گئے اور ہم تمہارے بعد آنے والے ہیں۔

اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی امت کو یہی حکم دیا اور صحابہ کرام کو اس کی تعلیم دیتے تھے کہ جب تم لوگ قبروں کی زیارت کے لیے جاؤ تو کہو۔

السلام علیکم اهل الدیار من المومنین و المسلمین و انا انشاء الله بکم لاحقون نسال الله لنا و لکم العافیة .

ان حدیثوں سے ظاہر ہے کہ مردے زندوں کا سلام و کلام سنتے ہیں، ورنہ ظاہر ہے کہ جو لوگ سنتے ہی نہیں ان کو سلام کرنے سے کیا حاصل؟

شہدائے بدر

جنگ بدر میں کل چودہ مسلمان شہادت سے سرفراز ہوئے۔ جن میں سے چھ مہاجر اور آٹھ انصار تھے۔ ان شہداء بدر میں سے تیرہ حضرات تو میدان بدر ہی میں مدفون ہوئے مگر حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چوں کہ بدر سے واپسی پر منزل ''صفراء'' میں وفات پائی اس لیے ان کی قبر شریف منزل صفراء میں ہے۔

کفار کے لشکر سے ستر آدمی قتل ہوئے جن میں ابوجہل تھا، اس کے علاوہ لشکر کفار سے ستر آدمی قید ہوئے جن میں حضرت عباد بن عبدالمطلب بھی تھے جو بعد میں ایمان لائے۔

دونوں لشکر کا موازنہ

اسلامی لشکر	کیفیت	لشکر کفار
۳۱۳	تعداد	۹۵۰
۷۰	اونٹ	۷۰۰
۳	گھوڑے	۱۰۰
۸	تلواریں	۹۵۰
۶	زرہیں	۹۵۰

مجاہدین بدر کے فضائل

جو صحابۂ کرام جنگ بدر کے جہاد میں شریک ہو گئے وہ تمام صحابہ میں ایک خصوصی شرف کے ساتھ ممتاز ہیں۔ اور ان خوش نصیبوں کے فضائل میں ایک بہت ہی عظیم الشان فضیلت یہ ہے کہ ان سعادت مندوں کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ

بیشک اللہ تعالیٰ اہل بدر سے واقف ہے اور اس نے یہ فرمادیا ہے کہ تم اب جو عمل چاہو کرو بلاشبہ تمھارے لیے جنت واجب ہو چکی ہے۔ یا یہ فرمایا کہ میں نے تمھیں بخش دیا ہے۔ (مولف)

(مدارج النبوۃ جلد دوم، سیرت مصطفیٰ، مردان عرب)

بدر کی غنیمت میں عثمان کا حصہ

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں:

صحیح بخاری وترمذی ومسند احمد میں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہے غزوۂ بدر میں حضرت رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم زوجہ امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیمار تھیں، سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انھیں مدینہ طیبہ میں شاہزادی کی تیمارداری کے لیے ٹھہرنے کا حکم دیا اور فرمایا:

ان لک اجر رجل ممن شهد بدرا و سهمه .

بیشک تمھارے لیے حاضران بدر کے برابر ثواب اور حاضری کے مثل غنیمت کا حصہ ہے۔

یہ خصوصیت حضرت عثمان غنی کو عطا فرمادی حالاں کہ جو حاضر جہاد نہ ہو غنیمت میں اس کا حصہ نہیں۔

سنن ابی داؤد میں انھیں سے ہے

يضرب له رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و لم يضرب لاحد غاب غيره.

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے لیے حصہ مقرر فرمایا اور ان کے سوا کسی غیر حاضر کو حصہ نہ دیا۔ (الامن والعلی)

حضور نے مشرک سے مدد نہیں لی

صحیح مسلم وسنن اربعہ ومشکل الآثار امام طحاوی میں ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہے جب حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بدر کو تشریف لے چلے سنگستان وبرہ میں (کہ مدینہ طیبہ سے چار میل ہے) ایک شخص جس کی جرأت و بہادری مشہور تھی حاضر ہوا اصحاب کرام اسے دیکھ کر خوش ہوئے اس نے عرض کی میں اس لیے حاضر ہوا کہ حضور کے ہمراہ رکاب رہوں اور قریش سے جو مال ہاتھ لگے اس میں سے میں بھی پاؤں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

أ تومن بالله و رسوله .

کیا تو اللہ ورسول پر ایمان رکھتا ہے۔کہا نہ،فرمایا:

فارجع فلن نستعين بمشرک .

تو پلٹ جا ہم ہرگز کسی مشرک سے مدد نہ چاہیں گے۔

پھر حضور تشریف لے چلے جب ذوالحلیفہ پہنچے (کہ مدینہ طیبہ سے چھ میل ہے) وہ پھر حاضر ہوا صحابہ خوش ہوئے کہ واپس آیا وہی پہلی بات عرض کی اور حضور نے وہی جواب ارشاد فرمایا کہ کیا تو اللہ ورسول پر ایمان لاتا ہے؟ کہا نہ،فرمایا:

فارجع فلن نستعين بمشرک .

واپس جا ہم ہرگز کسی مشرک سے مدد نہ لیں گے۔

پھر حضور تشریف لے چلے جب وادی میں پہنچے وہ پھر آیا اور صحابہ خوش ہوئے اس نے وہی عرض کی حضور نے فرمایا کیا تو اللہ ورسول پر ایمان لاتا ہے عرض کی ہاں فرمایا فنعم اذن ۔ ہاں اب چلو۔

امام احمد واسحاق بن راہویہ مسانید اور امام بخاری تاریخ اور ابوبکر بن ابی شیبہ مصنف اور امام طحاوی مشکل الآثار اور طبرانی معجم کبیر اور حاکم صحیح مستدرک میں خبیب بن اساف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک غزوہ (یعنی غزوۂ بدر) کو تشریف لیے جاتے تھے میں اور میری قوم سے ایک شخص حاضر ہوئے میں نے عرض کی یارسول اللہ ہمیں شرم آتی ہے کہ ہماری قوم کسی معرکہ میں جائے اور ہم نہ جائیں (یہ قوم خزرج سے تھے کہ انصار سے ایک بڑا گروہ ہے) حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم دونوں مسلمان ہوئے؟ کہا نہ فرمایا :

فانا لا نستعين بالمشركين على المشركين .

تو ہم مشرکوں سے مشرکوں پر مدد نہیں چاہتے۔

اس پر ہم دونوں اسلام لائے اور ہمراہ رکاب اقدس شریک جہاد ہوئے۔ حاکم نے کہا یہ حدیث صحیح الاسناد ہے یوں ہی تنقیح میں اس کے رجال کی توثیق کی۔ (الحجۃ المؤتمنہ)

کفار کی لاشوں سے خطاب

بدر میں جو کفار مقتول ہوئے انھیں ایک گڑھے میں ڈال دیا گیا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان لاشوں سے خطاب فرمایا اس سلسلے میں امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے یہ روایات پیش فرمائی ہیں:

صحیح مسلم شریف میں امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی:

ان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان يرينا مصارع اهل بدر و ساق الحديث الى ان قال فانطلق رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم حتى اتى اليهم فقال يا فلان بن فلان و يا فلان بن فلان هل وجدتم ما وعدكم الله و رسوله حقا فاني قد وجدت ما وعدني الله حقا قال عمر يا رسول الله كيف تكلم اجساد الاروح فيها قال ما انتم باسمع لما اقول منهم غير انهم لا يستطيعون ان يردوا على شيئا .

یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمیں کفار بدر کی قتل گاہیں دکھاتے تھے کہ یہاں فلاں کا فر قتل ہوگا اور یہاں فلاں، جہاں جہاں حضور نے بتایا تھا وہیں وہیں ان کی لاشیں گریں، پھر بحکم حضور وہ جیفے ایک کنویں میں بھر دیے گئے۔ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وہاں تشریف لے گئے اور نام بنام ان کفار لئام کو ان کا اور ان کے باپ کا نام لے کر پکارا اور فرمایا تم نے بھی پایا جو سچا وعدہ خدا اور رسول نے تمھیں دیا تھا کہ میں نے تو پالیا جو حق وعدہ اللہ تعالیٰ نے مجھے دیا تھا۔ امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ

حضور ان جسموں سے کیوں کر کلام کرتے ہیں جن میں روحیں نہیں، فرمایا جو میں کہہ رہا ہوں اسے کچھ تم ان سے زیادہ نہیں سنتے مگر انھیں یہ طاقت نہیں کہ مجھے لوٹ کر جواب دیں۔

صحیح بخاری شریف وغیرہ میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی۔

اطلع النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علی اھل القلیب فقال وجدتم ما وعد ربکم حقا فقیل له اتدعو امواتا فقال ما انتم با سمع منھم و لکن لا یجیبون.

یعنی نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چاہ بدر پر تشریف لے گئے جس میں کفار کی لاشیں پڑی تھیں پھر فرمایا تم نے پایا جو تمھارے رب نے تمھیں سچا وعدہ دیا تھا یعنی عذاب، کسی نے عرض کی حضور مردوں کو پکارتے ہیں ارشاد فرمایا تم کچھ ان سے زیادہ سننے والے نہیں پر وہ جواب نہیں دیتے۔

یوں ہی صحیح مسلم وغیرہ میں انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی اور اس میں ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تین دن بعد اس کنوئیں پر تشریف لے گئے اور عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جواب میں فرمایا:

و الذی نفسه بیده ما انتم باسمع لما اقول منھم و لکنھم لا یقدرون ان یجیبوا.

قسم اس کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے میں جو فرما رہا ہوں اس کے سننے میں تم اور وہ برابر ہو مگر وہ جواب دینے کی طاقت نہیں رکھتے۔

طبرانی نے بسند صحیح عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

یسمعون کما تسمعون و لکن لا یجیبون.

جیسا تم سنتے ہو ویسا ہی وہ بھی سنتے ہیں مگر جواب نہیں دیتے۔

(فتاویٰ رضویہ۔ ج ۴، ص ۲۶۷، ۲۶۸۔ حیات الموات)

صحیح بخاری شریف میں ہے :

عن ابی طلحة رضی اللہ تعالیٰ عنه ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم امر یوم بدر باربعة و عشرین رجلا من صناد ید قریش فقذ فوا فی طوی من اطواء بدر خبیث مخبث و کان اذا ظهر علی قوم اقام بالعرصة ثلث لیال فلما کان ببدر الیوم الثالث امر براحلته فشد علیها رحلها ثم مشی و تبعه اصحابه و قالوا ما نری ینطلق الا لبعض حاجته حتی قام علی شفة الرکی جعل ینادیهم باسمائهم و اسماء آبائهم یا فلان بن فلان و یا فلان بن فلان ایسرکم انکم اطعتم اللہ و رسوله فانا قد وجدنا ما وعدنا ربنا حقا فهل وجدتم ما وعد ربکم حقا قال فقال عمر رضی اللہ تعالیٰ عنه یا رسول اللہ ما تکلم من اجساد لا ارواح لها فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم و الذی نفس محمد بیده ما انتم باسمع لما اقول منهم قال قتادة احیاهم اللہ حتی اسمعهم قوله توبیخا و تصغیرا و نقمة و حسرة و ندما.

ابوطلحہ سے روایت ہے، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بدر کے دن قریش کے بڑے بڑے بہادر اور قریش کے چوبیس سرداروں کے بارے میں حکم فرمایا کہ بدر کے کسی گندہ کنوئیں میں پھینک دیئے جائیں۔ اور حضور کا یہ دستور تھا کہ جب کسی قوم پر فتح پاتے تو اسی میدان میں تین راتیں قیام فرماتے۔ پھر جب فتح بدر کا تیسرا دن ہوا تو کوچ کرنے کا حکم فرمایا سامان سفر تیار کیا گیا حضور پیدل تشریف لے چلے اور صحابہ بھی پیچھے پیچھے گئے اور صحابہ کہنے لگے شاید کسی ضرورت کے لیے تشریف لیے جا رہے ہیں یہاں تک کہ

کنواں کے کنارے کھڑے ہوکر کفار کو ان کے اور ان کے باپوں کے نام سے پکارنے لگے اے فلاں بن فلاں کیا تم کو خوش آرہی ہے یہ بات کہ کاش کہ تم نے اللہ و رسول کی اطاعت کی ہوتی؟ بیشک ہم نے تو وہ پایا جس کا ہمارے رب نے ہم سے وعدہ فرمایا تھا تو کیا تم نے وہ پایا جس کا تمھارے رب نے تم سے وعدہ کیا تھا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی یارسول اللہ کیا کلام کرتے ہیں ان بدینوں سے جن میں روحیں نہیں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا بخدا تم ان سے زیادہ میری بات نہیں سنتے۔ قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی حسرت و ندامت اور توبیخ و تذلیل کے لیے اعادہ حیات فرما کر سنوایا۔ (مولف) (فتاویٰ رضویہ ج ۴، ص ۳۵۰۔ الوفاق المتین)

ایک اور مقام پر امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں:

غزوۂ بدر شریف میں مسلمانوں نے کفار کی نعشیں جمع کر کے ایک کنویں میں پاٹ دیں حضور کی عادت کریمہ تھی کہ جب کسی مقام کو فتح فرماتے تو وہاں تین دن قیام فرماتے تھے یہاں سے تشریف لے جاتے وقت اس کنویں پر تشریف لے گئے جس میں کافروں کی لاشیں پڑی تھیں اور انھیں نام بنام آواز دے کر فرمایا ہم نے تو پالیا جو ہم سے ہمارے رب نے سچا وعدہ (یعنی نصرت کا) فرمایا تھا۔ کیوں؟ تم نے بھی پایا جو سچا وعدہ (یعنی نار کا) تم سے تمھارے رب نے کیا تھا۔

امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی:

یا رسول اللہ ما تکلم اجسادا لا ارواح فیھا.

یارسول اللہ کیا حضور بے جان جثوں سے کلام فرماتے ہیں۔ فرمایا **ما انتم باسمع منھم** تم کچھ ان سے زیادہ نہیں سنتے مگر انھیں طاقت نہیں کہ مجھے لوٹ کر جواب دیں۔ (الملفوظ حصہ دوم)

یہی مضمون دوسری جگہ اس طرح ہے آپ فرماتے ہیں:

صحیح بخاری وصحیح مسلم میں ابوطلحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بدر کے دن سرداران کفار قریش سے چوبیس لاشیں ایک ناپاک گندے کنوئیں میں پھینکوادیں اور عادت کریمہ تھی کہ جو مقام فتح فرماتے وہاں تین شب قیام فرماتے جب بدر میں تیسرا دن ہوا ناقہ شریف پر کجاوہ کسنے کا حکم دیا اور خود مع اصحاب کرام اس کنوئیں پر تشریف لے گئے اور ان کافروں کو نام بنام مع ولدیت پکار کر فرمایا کہ اے فلاں بن فلاں، اے فلاں بن فلاں ایسرکم انکم اطعتم اللہ و رسولہ فانا وجدنا ما وعدنا حقا فھل وجدتم ما وعد ربکم حقا۔

کیا اب تمہیں خوش آتا ہے کہ کاش اللہ و رسول کا حکم مانا ہوتا ہم نے تو پایا جو ہمارے رب نے ہمیں سچا وعدہ دیا کیا تمہیں بھی ملا جو تمہارے رب نے سچا وعدہ تم سے کیا۔ (فتاویٰ افریقہ)

فرشتوں کی مدد

ابوبکر بن ابی شیبہ مصنف اور ابوداؤد طیالسی وابن منیع مسانید اور بیہقی سنن میں امیر المومنین مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان اللہ امدنی یوم بدر و حنین بملائکۃ یعتمون ھذہ العمۃ ان العمامۃ حاجزۃ بین الکفر و الایمان۔

بیشک اللہ عزوجل نے بدر وحنین کے دن ایسے ملائکہ سے میری مدد فرمائی جو اس طرز کا عمامہ باندھتے ہیں بیشک عمامہ کفر وایمان میں فارق ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۳، ص ۷۷)

بدر میں کفار کے مقام موت کی نشان دہی

صحیح مسلم میں انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے:

ندب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الناس فانطلقوا حتی نزلوا بدرا فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم هذا مصرع فلان و يضع يده على الارض ههنا و ههنا قال فما ماط ای ما زال و ما تجاوز احدهم عن موضع يد رسول الله صلى الله تعالیٰ علیہ وسلم.

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو اعلان کر دیا تو وہ چلے یہاں تک کہ بدر میں اترے وہاں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے زمین پر جگہ جگہ دست اقدس رکھ کر بتایا کہ یہ فلاں کافر کے پچھڑنے کی جگہ ہے اور یہ فلاں کی، انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جس کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جہاں ہاتھ رکھ کر فرمایا تھا وہیں اس کی لاش گری اس سے اصلاً تجاوز نہ کی۔

ان ہی کی حدیث میں عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے۔

و الذی بعثہ بالحق ما اخطؤا الحدود التی حدها رسول الله صلى الله تعالیٰ علیہ وسلم .

قسم اس کی جس نے حضور کو حق کے ساتھ بھیجا جو حدیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے لیے مقرر فرمادی تھیں کسی نے اس حد سے خطا نہ کی۔ یہ بھی مسلم کی روایت ہے۔ (الدولۃ المکیۃ)

اشعار

شہداء و شرکاء بدر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بارے میں امام احمد رضا بریلوی یوں رقم طراز ہیں۔

گرد مہ دست انجم میں رخشاں ہلال
بدر کی دفع ظلمت پہ لاکھوں سلام

●

جان نثاران بدر و احد پر درود
حق گزاران بیعت پہ لاکھوں سلام

(حدائق بخشش)

غزوۂ بنی قینقاع

رمضان ۲ھ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جنگ بدر کے معرکہ سے واپس ہو کر مدینہ تشریف لائے اس کے بعد ہی ۱۵/شوال ۲ھ میں ''غزوۂ بنی قینقاع'' کا واقعہ پیش ہو گیا۔

مدینہ کے اطراف میں یہودیوں کے تین بڑے بڑے قبائل آباد تھے، بنو قینقاع، بنو نضیر، بنو قریظہ، ان تینوں سے مسلمانوں کا معاہدہ تھا۔ مگر جنگ بدر کے بعد جس قبیلہ نے سب سے پہلے معاہدہ توڑا وہ قبیلہ بنی قینقاع کے یہودی تھے جو سب سے زیادہ بہادر اور دولت مند تھے۔ واقعہ یہ ہوا کہ ایک برقع پوش عرب عورت یہودیوں کے بازار میں آئی دکان داروں نے شرارت کی اور اس عورت کو ننگا کر دیا اس پر تمام یہودی قہقہہ لگا کر ہنسنے لگے۔ عورت چلائی تو ایک عرب آیا اور دکان دار کو قتل کر دیا اس پر یہودیوں اور عربوں میں لڑائی شروع ہو گئی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو تشریف لائے اور یہودیوں کی اس غیر شریفانہ حرکت پر ملامت فرمانے لگے اس پر بنی قینقاع کے خبیث یہودی بگڑ گئے اور بولے کہ جنگ بدر کی فتح سے آپ مغرور نہ ہو جائیں مکہ والے جنگ کے معاملہ میں بے ڈھنگے تھے اس لیے آپ نے ان کو مار لیا اگر ہم سے آپ کا سابقہ پڑا تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ جنگ کس چیز کا نام ہے؟ اور لڑنے والے کیسے ہوتے ہیں؟ جب یہودیوں نے معاہدہ توڑ دیا تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نصف شوال ۲ھ سنیچر کے دن ان یہودیوں پر حملہ کر دیا یہودی جنگ کی تاب نہ لا سکے اور اپنے قلعوں کا پھاٹک بند کر کے قلعہ بند

ہو گئے مگر پندرہ دن کے محاصرہ کے بعد بالآخر یہودی مغلوب ہو گئے اور ہتھیار ڈال دینے پر مجبور ہو گئے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کے مشورہ سے ان یہودیوں کو شہر بدر کر دیا اور عہد شکن بدذات یہودی ملک شام کے مقام ''اذرعات'' میں جا کر آباد ہو گئے۔

غزوۂ سویق

یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ جنگ بدر کے بعد مکہ کے ہر گھر میں سرداران قریش کے قتل ہو جانے کا ماتم برپا تھا اور اپنے مقتولوں کا بدلہ لینے کے لیے مکہ کا بچہ بچہ مضطرب اور بے قرار تھا چنانچہ غزوۂ سویق اور جنگ احد وغیرہ کی لڑائیاں مکہ والوں کے اسی جوش انتقام کا نتیجہ ہیں۔ عتبہ اور ابوجہل کے قتل ہو جانے کے بعد اب قریش کا سردار ابوسفیان تھا اور اس منصب کا سب سے بڑا کام غزوۂ بدر کا انتقام تھا۔ چنانچہ ابوسفیان نے قسم کھائی کہ جب تک بدر کے مقتولوں کا مسلمانوں سے بدلہ نہ لوں گا نہ غسل جنابت کروں گا نہ سر میں تیل ڈالوں گا۔ لہٰذا جنگ بدر کے دو ماہ بعد ذوالحجہ ۲ھ میں ابوسفیان دو سو شتر سواروں کا لشکر لے کر مدینہ کی طرف بڑھا اس کو یہودیوں پر بڑا بھروسہ بلکہ ناز تھا کہ مسلمانوں کے مقابلہ میں وہ اس کی امداد کریں گے۔ اسی امید پر ابوسفیان پہلے، حی بن اخطب، یہودی کے پاس گیا مگر اس نے دروازہ بھی نہیں کھولا۔ وہاں سے مایوس ہو کر سلام بن مشکم سے ملا جو قبیلہ بنی نضیر کے یہودیوں کا سردار تھا اور یہود کے تجارتی خزانہ کا منیجر بھی تھا اس نے ابوسفیان کا پر جوش استقبال کیا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تمام جنگی رازوں سے ابوسفیان کو آگاہ کر دیا۔ صبح کو ابوسفیان نے مقام ''عریض'' پر حملہ کیا یہ بستی مدینہ سے تین میل کی دوری پر تھی۔ اس حملہ میں ابوسفیان نے ایک انصاری صحابی حضرت سعد بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کر دیا اور کچھ درختوں کو کاٹ ڈالا اور مسلمانوں کے چند گھروں اور باغات کو آگ لگا کر پھونک دیا۔ ان حرکتوں سے اس کے گمان میں اس کی قسم پوری ہو گئی۔

جب حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو اس کی خبر ہوئی تو آپ نے اس کا تعاقب کیا لیکن ابوسفیان بدحواس ہو کر اس تیزی سے بھاگا کہ بھاگتے ہوئے اپنا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے ستو کی بوریاں جو وہ اپنی فوج کے راشن کے لیے لایا تھا پھینکتا چلا گیا جو مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔ عربی زبان میں ستو کو سویق کہتے ہیں اس لیے اس غزوہ کا نام ''غزوۂ سویق'' پڑ گیا۔

۲ھ کے متفرق واقعات

(۱) اسی سال روزہ اور زکوۃ کی فرضیت کے احکام نازل ہوئے اور نماز کی طرح روزہ و زکاۃ بھی مسلمان پر فرض ہو گئے۔

(۲) اسی سال حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے عید الفطر کی نماز جماعت کے ساتھ عیدگاہ میں ادا فرمائی، اس سے قبل عید الفطر کی نماز نہیں ہوئی تھی۔

(۳) صدقہ فطر ادا کرنے کا حکم اسی سال جاری ہوا۔

(۴) اسی سال ۱۰ ذوالحجہ کو حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بقرعید کی نماز ادا فرمائی اور نماز کے بعد دو مینڈھوں کی قربانی فرمائی۔

(۵) اسی سال ''غزوۂ قرقرالکدر'' و ''غزوۂ نجران'' وغیرہ چھوٹے چھوٹے غزوات بھی پیش آئے، جن میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے شرکت فرمائی مگر ان غزوات میں کوئی جنگ نہیں ہوئی۔

(۶) اسی سال حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سب سے پیاری بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی شادی خانہ آبادی حضرت علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ کے ساتھ ہوئی۔ یہ شادی انتہائی وقار اور سادگی کے ساتھ ہوئی۔ (مولف) (مدارج النبوۃ دوم، سیرت مصطفٰی)

غزوۂ احد

جاں نثاران بدر و احد پر درود
حق گزاران بیعت پہ لاکھوں سلام

إن الذين كفروا ينفقون أموالهم ليصدوا عن سبيل الله فسينفقونها ثم تكون عليهم حسرة ثم يغلبون

بیشک کافر اپنے مال خرچ کرتے ہیں کہ اللہ کی راہ سے روکیں تو اب انہیں خرچ کریں گے پھر وہ ان پر پچھتاوا ہوں گے پھر مغلوب کر دیے جائیں گے۔ (الانفال، ۳۶)

غزوۂ احد ۳ھ

احد ایک پہاڑ کا نام ہے جو مدینہ منورہ سے تقریباً تین میل دور ہے۔ چوں کہ حق و باطل کا یہ عظیم معرکہ اسی پہاڑ کے دامن میں درپیش ہوا اسی لیے یہ لڑائی "غزوۂ احد" کے نام سے مشہور ہے اور قرآن مجید کی مختلف آیتوں میں اس لڑائی کے واقعات کا خداوند عالم نے تذکرہ فرمایا ہے۔

غزوۂ احد کا سبب

جنگ بدر میں ستر کفار قتل اور ستر گرفتار ہوئے تھے اور جو قتل ہوئے ان میں سے اکثر کفار قریش کے سردار بلکہ تاجدار تھے، اس بناء پر مکہ کا ایک ایک گھر ماتم کدہ بنا ہوا تھا اور قریش کا بچہ بچہ جوش انتقام میں آتش غیظ و غضب کا تنور بن کر مسلمانوں سے لڑنے کے لیے بے قرار تھا۔

عرب خصوصاً قریش کا یہ طرۂ امتیاز تھا کہ وہ اپنے ایک ایک مقتول کے خون کا بدلہ لینے کو اتنا بڑا فرض سمجھتے تھے جس کو ادا کیے بغیر گویا ان کی ہستی قائم نہیں رہ سکتی تھی، چنانچہ جنگ بدر کے مقتولوں کے ماتم سے جب قریشیوں کو فرصت ملی تو انھوں نے یہ عزم کر لیا کہ جس قدر ممکن ہو جلد سے جلد مسلمانوں سے اپنے مقتولوں کے خون کا بدلہ لینا چاہیے۔ چنانچہ ابو جہل کا بیٹا عکرمہ اور امیہ کا لڑکا صفوان اور دوسرے کفار قریش جن کے باپ، بھائی، بیٹے جنگ بدر میں قتل ہو چکے تھے سب کے سب ابو سفیان کے پاس گئے اور کہا کہ مسلمانوں نے ہماری قوم کے تمام سرداروں کو قتل کر ڈالا ہے اس کا بدلہ لینا ہمارا قومی فریضہ ہے لہٰذا ہماری خواہش ہے کہ قریش کی مشترکہ تجارت میں امسال جتنا نفع ہوا ہے وہ سب قوم کے جنگی فنڈ میں جمع ہو جانا چاہیے اور اس رقم سے بہترین ہتھیار خرید کر اپنی لشکری طاقت بہت جلد مضبوط کر لینی چاہیے۔ اور پھر ایک عظیم فوج لے کر مدینہ پر چڑھائی کر کے بانیٔ اسلام اور مسلمانوں کو دنیا سے نیست و نابود کر دینا چاہیے۔

ابوسفیان نے خوشی خوشی قریش کی اس درخواست کو منظور کر لیا لیکن قریش کو جنگ بدر سے یہ تجربہ ہو چکا تھا کہ مسلمانوں سے لڑنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ آندھیوں اور طوفانوں کا مقابلہ، سمندر کی موجوں سے ٹکرانا، پہاڑوں سے ٹکر لینا بہت آسان ہے مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عاشقوں سے جنگ کرنا بڑا ہی مشکل کام ہے، اس لیے انھوں نے اپنی جنگی طاقت میں بہت زیادہ اضافہ کرنا نہایت ضروری خیال کیا چنانچہ ان لوگوں نے ہتھیاروں کی تیاری اور سامان جنگ کی خریداری میں پانی کی طرح روپیہ بہانے کے ساتھ ساتھ پورے عرب میں جنگ کا جوش اور لڑائی کا بخار پھیلانے کے لیے بڑے بڑے شاعروں کو منتخب کیا جو اپنی آتش بیانی سے تمام قبائل عرب میں جوش انتقام کی آگ لگا دیں۔

عمرو جمحی اور مسافع، یہ دونوں اپنی شاعری میں طاق اور آتش بیانی میں شہرۂ آفاق تھے، ان دونوں نے باقاعدہ دورہ کر کے تمام قبائل عرب میں ایسا جوش اور اشتعال پیدا کر دیا کہ بچہ بچہ "خون کا بدلہ خون" کا نعرہ لگاتے ہوئے مرنے اور مارنے پر تیار ہو گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک بہت بڑی فوج تیار ہو گئی۔

مردوں کے ساتھ ساتھ بڑے بڑے معزز اور مال دار گھروں کی عورتیں بھی جوش انتقام سے لبریز ہو کر فوج میں شامل ہو گئیں جن کے باپ، بھائی، بیٹے، شوہر جنگ بدر میں قتل ہوئے تھے، ان عورتوں نے قسم کھائی تھی کہ ہم اپنے رشتہ داروں کے قاتلوں کا خون پی کر ہی دم لیں گے۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہند کے باپ عتبہ اور جبیر بن مطعم کے چچا کو جنگ بدر میں قتل کیا تھا اس بناء پر ہند نے وحشی کو جو جبیر بن مطعم کا غلام تھا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل پر آمادہ کیا اور یہ وعدہ کیا کہ اگر اس نے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قتل کر دیا تو وہ اس کارگزاری کے صلہ میں آزاد کر دیا جائے گا۔

مدینہ پر چڑھائی

الغرض بے پناہ جوش وخروش اور انتہائی تیاری کے ساتھ لشکر کفار مکہ سے رَوانہ ہوا اور ابوسفیان اس لشکر جرار کا سپہ سالار بنا۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو خفیہ طور پر مسلمان ہو چکے تھے اور مکہ میں رہتے تھے انھوں نے ایک خط لکھ کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کفار قریش کی لشکر کشی سے مطلع کر دیا، جب آپ کو یہ خوفناک خبر ملی تو آپ نے ۵/شوال ۳ھ کو حضرت عدی بن فضالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دونوں لڑکوں حضرت انس اور حضرت مونس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو جاسوس بنا کر کفار قریش کے لشکر کی خبر لانے کے لیے روانہ فرمایا چنانچہ ان دونوں نے آ کر یہ پریشان کن خبر سنائی کہ ابوسفیان کا لشکر مدینہ کے بالکل قریب آ گیا ہے اور ان کے گھوڑے مدینہ کی چراگاہ (عریض) کی تمام گھاس چر گئے۔

مسلمانوں کی تیاری اور جوش

یہ خبر سن کر ۱۴/شوال ۳ھ جمعہ کی رات میں حضرت سعد بن معاذ و حضرت اسید بن حضیر و حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہتھیار لے کر چند انصاریوں کے ساتھ رات بھر کاشانۂ نبوت کا پہرہ دیتے رہے، اور شہر مدینہ کے اہم ناکوں پر بھی انصار کا پہرہ بٹھا دیا گیا، صبح کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انصار و مہاجرین کو جمع فرما کر مشورہ طلب فرمایا کہ شہر کے اندر رہ کر دشمنوں کی فوج کا مقابلہ کیا جائے یا شہر سے باہر نکل کر میدان میں یہ جنگ لڑی جائے؟ مہاجرین نے عام طور پر اور انصار میں سے بڑے بڑے بوڑھوں نے یہ رائے دی کہ عورتوں اور بچوں کو قلعوں میں محفوظ کر دیا جائے اور شہر کے اندر رہ کر دشمنوں کا مقابلہ کیا جائے۔ منافقوں کا سردار عبداللہ بن ابی بھی اس مجلس میں موجود تھا اس نے بھی یہی کہا کہ شہر میں پناہ گیر ہو کر کفار قریش کے حملوں کی مدافعت کی جائے، مگر چند کمسن نوجوان جو جنگ بدر میں شریک نہیں

ہوئے تھے اور جوش جہاد میں آپے سے باہر ہو رہے تھے وہ اس رائے پر اڑ گئے کہ میدان میں نکل کر ان دشمنان اسلام سے فیصلہ کن جنگ لڑی جائے۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سب کی رائے سن لی پھر مکان میں جا کر ہتھیار زیب تن فرمایا اور باہر تشریف لائے۔ اب تمام لوگ اس بات پر متفق ہو گئے کہ شہر کے اندر ہی رہ کر کفار قریش کے حملوں کو روکا جائے مگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پیغمبر کے لیے یہ زیبا نہیں ہے کہ ہتھیار پہن کر اتار دے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کے اور اس کے دشمنوں کے درمیان فیصلہ فرما دے۔ اب تم لوگ خدا کا نام لے کر میدان میں نکل پڑو اگر تم لوگ صبر کے ساتھ میدان جنگ میں ڈٹے رہو گے تو ضرور تمہاری فتح ہو گی۔

پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انصار کے قبیلۂ اوس کا جھنڈا حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اور قبیلہ خزرج کا جھنڈا حضرت حباب بن منذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اور مہاجرین کا جھنڈا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیا اور ایک ہزار کی فوج لے کر مدینہ سے باہر نکلے۔

یہود کی امداد ٹھکرا دی

شہر سے نکلتے ہی آپ نے دیکھا کہ ایک فوج چلی آ رہی ہے آپ نے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کے حلیف یہودیوں کا لشکر ہے جو آپ کی امداد کے لیے آ رہا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ

ان لوگوں سے کہہ دو کہ واپس لوٹ جائیں ہم مشرکوں کے مقابلہ میں مشرکوں کی مدد نہیں لیں گے۔

چنانچہ یہودیوں کا یہ لشکر واپس چلا گیا پھر عبداللہ بن ابی (منافقوں کا سردار) بھی جو تین سو آدمیوں کو لے کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ آیا تھا یہ کہہ کر واپس چلا گیا کہ

محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے میرا مشورہ قبول نہیں کیا اور میری رائے کے خلاف میدان میں نکل پڑے لہٰذا میں ان کا ساتھ نہیں دوں گا۔

عبداللہ بن ابی کی بات سن کر قبیلۂ خزرج میں سے بنو سلمہ کے اور قبیلۂ اوس میں سے بنو حارثہ کے لوگوں نے بھی واپس جانے کا ارادہ کر لیا مگر اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے دلوں میں اچانک محبت اسلام کا ایسا جذبہ پیدا فرما دیا کہ ان لوگوں کے قدم جم گئے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ان لوگوں کا تذکرہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ :

اذھمت طائفتان منکم ان تفشلا و اللہ و لیھما و علی اللہ فلیتو کل المو منین.

جب تم میں کے دو گروہوں کا ارادہ ہوا کہ نامردی کر جائیں اور اللہ ان کا سنبھالنے والا ہے اور مسلمانوں کو اللہ ہی پر بھروسہ چاہیئے۔

اب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لشکر میں کل سات سو صحابہ رہ گئے جن میں کل ایک سو زرہ پوش تھے۔ اور کفار کی فوج میں تین ہزار اشرار کا لشکر تھا جن میں سات سو زرہ پوش جوان دو سو گھوڑے تین ہزار اونٹ اور پندرہ عورتیں تھیں۔

شہر سے باہر نکل کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی فوج کا معائنہ فرمایا اور جو لوگ کم عمر تھے ان کو واپس لوٹا دیا کہ جنگ کے ہولناک موقع پر بچوں کا کیا کام؟

بچوں کا جوش جہاد

مگر جب رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا گیا کہ تم بہت چھوٹے ہو تم بھی واپس چلے جاؤ تو وہ فوراً انگوٹھوں کے بل تن کر کھڑے ہو گئے تا کہ ان کا قد اونچا نظر آئے۔ چنانچہ ان کی یہ ترکیب چل گئی اور

وہ فوج میں شامل کر لیے گئے۔

حضرت سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو ایک کم عمر نوجوان تھے جب ان کو واپس کیا جانے لگا تو انھوں نے عرض کیا کہ میں رافع بن خدیج کو کشتی میں پچھاڑ لیتا ہوں اس لیے اگر وہ فوج میں لے لیے گئے ہیں تو پھر مجھ کو بھی ضرور جنگ میں شریک ہونے کی اجازت ملنی چاہیے۔ چنانچہ دونوں کا مقابلہ کرایا گیا اور واقعی حضرت سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت رافع بن خدیج کو زمین پر دے مارا اس طرح ان دونوں پر جوش نوجوانوں کو جنگ احد میں شرکت کی سعادت نصیب ہوگئی۔

اس جنگ میں مجاہدین انصار و مہاجرین بڑی دلیری اور جاں بازی سے لڑتے رہے۔ یہاں تک کہ مشرکین کے پاؤں اکھڑ گئے حضرت علی و حضرت ابو دجانہ و حضرت سعد بن ابی وقاص وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مجاہدانہ حملوں نے مشرکین کی کمر توڑ دی کفار کے تمام علمبردار عثمان، ابو سعید، مسافع، طلحہ بن ابی طلحہ وغیرہ ایک ایک کر کے کٹ کٹ کر زمین پر ڈھیر ہو گئے، کفار کو شکست ہوگئی اور وہ بھاگنے لگے اور ان کی عورتیں جو اشعار پڑھ پڑھ کر لشکر کفار کو جوش دلا رہی تھیں وہ بھی بدحواسی کے عالم میں اپنے ازار اٹھائے ہوئے برہنہ ساق بھاگتی ہوئی پہاڑوں پر دوڑتی ہوئی چلی جا رہی تھیں اور مسلمان قتل و غارت میں مشغول تھے۔

شہدائے کرام

اس جنگ میں ستر صحابہ کرام نے جام شہادت نوش فرمایا جن میں چار مہاجر اور چھیاسٹھ انصار تھے۔ اور تیس کی تعداد میں کفار بھی نہایت ذلت کے ساتھ قتل ہوئے۔

مگر مسلمانوں کی مفلسی کا عالم یہ تھا کہ ان شہداء کرام کے کفن کے لیے کپڑا بھی نہیں تھا۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ حال تھا کہ بوقت شہادت ان کے بدن پر صرف ایک اتنا بڑا کمبل تھا کہ ان کی لاش کو قبر میں لٹانے کے بعد اگر ان کا سر ڈھانپا جاتا تھا تو پاؤں کھل جاتا تھا اور اگر پاؤں چھپایا جاتا تھا

تو سر کھل جاتا تھا بالآخر سر چھپادیا گیا اور پاؤں پر اذخر گھاس ڈال دی گئی ، شہدائے کرام خون میں لتھڑے ہوئے دو دو شہید ایک قبر میں دفن کیے گئے ، جس کو قرآن زیادہ یاد ہوتا اس کو آگے رکھتے ۔

قبور شہداء کی زیارت

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شہدائے احد کی قبروں کی زیارت کے لیے تشریف لے جاتے تھے اور آپ کے بعد حضرت ابوبکر صدیق و حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا بھی یہی عمل رہا۔ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شہدائے احد کی قبروں پر تشریف لے گئے تو ارشاد فرمایا کہ یا اللہ! تیرا رسول گواہ ہے کہ اس جماعت نے تیری رضا کی طلب میں جان دی ہے۔ پھر یہ بھی ارشاد فرمایا کہ قیامت تک جو مسلمان بھی ان شہیدوں کی قبروں پر زیارت کے لیے آئے گا اور ان کو سلام کرے گا تو یہ شہداء کرام اس کے سلام کا جواب دیں گے۔ (مولف) (مدارج النبوۃ جلد دوم، سیرت مصطفیٰ)

حضرت طلحہ کا کارنامہ

امام احمد رضا بریلوی تحریر فرماتے ہیں:

طلحہ بن عبید اللہ احد العشرۃ المبشرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے ہیں روز احد میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کندھا لے کر ایک چٹان پر بٹھا دیا کہ مشرکین سے آڑ ہوگئی سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے پس پشت دست مبارک سے اشارہ فرمایا اور فرمایا

هذا جبريل يخبرني انه لا يراک يوم القيمة في هول الا انقذک منه .

یہ جبریل مجھے خبر دے رہے ہیں کہ اے طلحہ وہ روز قیامت تمھیں جس کسی دہشت میں دیکھیں گے اس سے تمھیں چھڑا دیں گے۔ ابن عساکر نے اسے طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔ (الامن والعلی)

حضور نے یہود سے مدد نہیں لی

امام واقدی مغازی اور امام اسحاق بن راہویہ مسند اور امام طحاوی مشکل الآثار اور طبرانی معجم کبیر و معجم اوسط میں ابوحمید ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم روز احد تشریف لے چلے جب ثنیۃ الوداع سے آگے بڑھے ایک بھاری لشکر ملاحظہ فرمایا ارشاد ہوا یہ کون ہیں؟ عرض کی گئی یہود بنی قینقاع قوم عبداللہ بن سلام حلفائے عبداللہ بن ابی (یہ لفظ طحاوی ہیں اور لفظ ابن راہویہ یوں ہیں، عرض کی گئی یہ عبداللہ بن ابی ہے اپنے حلیفوں کے ساتھ کہ قوم عبداللہ بن سلام کے یہود ہیں، اور لفظ واقدی میں ہے یہ ابن ابی کے حلیف یہودی ہیں اور لفظ طبرانی میں ہے یہ عبداللہ بن ابی ہے چھ سو یہودیوں کے ساتھ کہ اس کے حلیف ہیں) فرمایا کیا اسلام لے آئے؟ عرض کی گئی نہ وہ اپنے دین پر ہیں فرمایا:

قل لهم فليرجعوا فانا لا نستعين بالمشركين على المشركين

ان سے کہہ دو لوٹ جائیں ہم مشرکوں پر مشرکوں سے مدد نہیں لیتے۔ (المحجۃ المؤتمنہ)

امام احمد رضا بریلوی نے شہدائے احد سے متعلق جو روایات پیش فرمائی ہیں انھیں الگ الگ عنوان کے تحت میں ملاحظہ فرمائیں۔

شہدائے احد کی تدفین کا حکم

حضرت جابر بن عبداللہ انصاری شاہد و مشاہد مشہد احد رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی:

امر بدفنهم بدمائهم و لم يغسلوا و لم يصل عليهم.

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان شہدائے کرام کو ویسے ہی خون آلود دفن کرنے کا حکم فرمایا اور انھیں غسل نہ دیا گیا نہ ان کی نماز ہوئی۔ اسے احمد نے سند جید سے اور ترمذی و نسائی و ابن ماجہ نے

روایت کیا۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۴، ص ۴۶ ۔ النہی الحاجز)

شہدائے احد پر سلام ودعا

حدیث بخاری ومسلم ونسائی، عن عقبة بن عامر ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم خرج یوما فصلی علی اهل احد صلاته علی المیت .

عقبہ بن عامر سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک دن نکلے تو شہدائے احد پر اس طرح دعا فرمائی جس طرح میت پر دعا کی جاتی ہے۔ اس حدیث میں علماء نے صلاۃ سے دعا مراد لی ہے۔ (مولف) (فتاویٰ رضویہ ج ۴، ص ۴۰ ۔ النہی الحاجز)

ابن منذر وابن مردویہ انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم کان یأتی احدا کل عام فاذا بلغ الشعب سلم علی قبور الشهداء فقال سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار .

یعنی حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر سال احد تشریف لے جاتے جب پہاڑ کی گھاٹی میں پہنچتے تو شہداء کو سلام کہتے اور فرماتے تم پر سلام ہو تمھارے صبر کرنے پر تو آخرت کا گھر کیا ہی اچھا گھر ہے۔ (مولف)

امام ابن جریر اپنی تفسیر میں محمد بن ابراہیم سے راوی :

و قال کان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم یاتی قبور الشهداء علی رأس کل حول فیقول سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار و ابو بکر و عمر و عثمان .

یعنی سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر سال کے شروع میں شہداء کی قبور پر تشریف لے جاتے اور

فرماتے تھے سلام علیکم الآیۃ اسکے بعد حضرت صدیق اکبر و فاروق اور ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی ایسا ہی کرتے تھے۔ (مولف)

تفسیر کبیر میں ہے: عن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انہ کان یاتی قبور الشھداء علی راس کل حول فیقول سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار و الخلفاء الاربعۃ ھکذا یفعلون۔

یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر سال کے شروع میں شہداء کی قبروں پر تشریف لے جاتے اور فرماتے سلام علیکم الآیۃ اور خلفائے اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی ایسا ہی کرتے تھے۔ (مولف)

(فتاویٰ رضویہ ج ۴، ص ۱۹۲۔ الحجۃ الفائحہ)

شہداء سلام کا جواب دیتے ہیں

حاکم مستدرک میں بافادۂ تصحیح اور بیہقی دلائل النبوۃ میں بطریق عطاف بن خالد مخزومی عبدالاعلیٰ بن عبداللہ سے وہ اپنے والد ماجد عبداللہ بن ابی فروہ سے راوی حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم زیارت شہدائے احد کو تشریف لے گئے اور عرض کی:

اللھم ان عبدک و نبیک یشھد ان ھؤلاء شھداء و انہ من زارھم و سلم علیھم الی یوم القیمۃ ردوا علیہ۔

الٰہی تیرا بندہ اور تیرا نبی گواہی دیتا ہے کہ یہ شہید ہیں اور قیامت تک جو ان کی زیارت کو آئے گا اور ان پر سلام کرے گا یہ جواب دیں گے۔

تتمہ حدیث، عطاف کہتے ہیں میری خالہ مجھ سے بیان کرتی تھیں میں ایک بار زیارت قبور شہداء کو

گئی میرے ساتھ دولڑکوں کے سوا کوئی نہ تھا جو میری سواری کا جانور تھامے تھے میں نے مزارات پر سلام کیا، جواب سنا اور آواز آئی و الله انا نعرفکم کما یعرف بعضنا بعضا.

خدا کی قسم تم لوگوں کو ایسا پہچانتے ہیں جیسے آپس میں ایک دوسرے کو، میرے بدن پر بال کھڑے ہو گئے سوار ہوئی اور واپس آئی۔

امام بیہقی نے ہاشم بن محمد عمر سے روایت کی، مجھے میرے باپ مدینہ طیبہ سے زیارت قبور احد کو لے گئے جمعہ کا روز تھا صبح ہو چکی تھی، آفتاب نہ نکلا تھا، میں اپنے باپ کے پیچھے تھا جب مقابر کے پاس پہنچے انھوں نے بآواز بلند کہا۔ سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار.

جواب آیا و علیک السلام یا ابا عبد الله .

باپ نے میری طرف پھر کر دیکھا اور کہا کہ اے میرے بیٹے تو نے جواب دیا؟ میں نے کہا نہ، انھوں نے میرا ہاتھ پکڑ کر اپنی داہنی طرف کر لیا اور کلام مذکور کا اعادہ کیا، دوبارہ ویسا ہی جواب ملا، سہ بارہ کیا، پھر وہی جواب ہوا۔ میرے باپ اللہ تعالیٰ کے حضور سجدۂ شکر میں گر پڑے۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۴، ص ۲۶۴۔ حیات الموات)

حضرت حمزہ کی شہادت اور نماز جنازہ

وحشی جو ایک حبشی غلام تھا اور اس کا آقا جبیر بن مطعم اس سے وعدہ کر چکا تھا تو اگر حضرت حمزہ کو قتل کر دے تو میں تجھ کو آزاد کر دوں گا۔ وحشی ایک چٹان کے پیچھے چھپا ہوا تھا اور حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تاک میں تھا جوں ہی آپ اس کے قریب پہنچے اس نے دور سے اپنا نیزہ پھینک کر مارا جو آپ کی ناف میں لگا اور پشت کے پار ہو گیا۔ اس حال میں بھی حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تلوار لے کر اس کی طرف بڑھے مگر

زخم کی تاب نہ لاکر گر پڑے اور شہادت سے سرفراز ہو گئے۔(مولف) (سیرت مصطفیٰ)

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے تحریر فرمایا ہے:

ایک اثر مرسل ابوداؤد نے مراسیل میں بسند ثقات ابو مالک غفاری تابعی سے روایت کیا۔

ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم صلی علی قتلی احد عشرۃ عشرۃ فی کل عشرۃ حمزۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ حتی صلی علیہ سبعین صلاۃ۔

بے شک نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے شہدائے احد پر دس دس کر کے نماز جنازہ پڑھائی ہر دس میں حضرت حمزہ رضی اللہ تعالٰی عنہ تھے یہاں تک کہ ان پر ۷۰ مرتبہ نماز پڑھی گئی۔ (مولف)

امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں

شہدائے احد رضی اللہ تعالٰی عنہم ۷۰ ستر تھے جب دس دس پر نماز ہوئی سات نمازیں ہوں گی ستر کیوں کر۔

ثم اقول و باللہ التوفیق: بعد تسلیم صحت حدیث غایت درجہ جو ثابت ہوگا وہ اس قدر کہ شہداء پر نشیں بدل بدل کر نمازیں ہوئیں اور نعش مبارک سید الشہداء رضی اللہ تعالٰی عنہم بدستور رکھی رہی، مجرد نہ اٹھایا جانا مستلزم اعادۂ صلاۃ نہیں کہ یہ امر نیت حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے علم پر موقوف اور نیت غیبت ہے اور غیب پر اطلاع نہیں، ممکن کہ ان کی نعش ہر بار کے برکات نازلہ میں شمول کے لیے رکھی گئی ہو۔ ظاہر ہے کہ ایسی جگہ روایت کا مبلغ صرف صورت ظاہرہ تک ہے نہ معنی باطن تک اور مطلب مستدل کا ثبوت اسی معنی باطن پر موقوف اور اس پر دلیل نہیں تو استدلال راساً ساقط، ہاں اگر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خود اپنی زبان مبارک سے ایسا بیان فرماتے تو احتجاج صحیح تھا۔ و اذا لیس فلیس۔

(فتاوی رضویہ ج ۴، ص ۴۶ النهی الحاجز)

حضرت حمزہ کا مقام معرفت

ابن ابی الدنیا اور بیہقی دلائل میں عطاف مخزومی کی خالہ سے راوی، ایک دن میں نے قبر سیدنا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس نماز پڑھی اس وقت جنگل بھر میں کسی آدمی کا نام ونشان نہ تھا بعد نماز مزار مطہر پر سلام کیا جواب آیا اور اس کے ساتھ یہ فرمایا۔

من یخرج من تحت قبر اعرفه کما اعرف ان الله خلقنی و کما اعرف اللیل و النهار.

جو میری قبر کے نیچے سے گزرتا ہے میں اسے ایسا پہچانتا ہوں جیسا یہ پہچانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے پیدا کیا ہے اور جس طرح رات اور دن کو پہچانتا ہوں۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۴، ص ۲۶۴، حیات الموات)

حضرت حمزہ دافع بلا ہیں

ابن شاذان عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جنازہ پر فرمایا:

یا حمزة یا کاشف الکربات

یا ذاب عن وجه رسول الله

اے حمزہ، اے دافع بلا، اے حمزہ، اے چہرۂ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دشمنوں کے دفع کرنے والے۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۱۱، ص ۸۱)

حضور ﷺ مصعب بن عمیر کی قبر پر

لشکر اسلام کے علمبردار حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ابن قمیہ کافر جھپٹا اور ان کے

دائیں ہاتھ پر اس زور سے تلوار چلا دی کہ ان کا دایاں ہاتھ کٹ کر گر پڑا۔ اس جاں باز مہاجر نے جھپٹ کر اسلامی جھنڈے کو بائیں ہاتھ سے سنبھال لیا مگر ابن قمیہ نے تلوار مار کر ان کے بائیں ہاتھ کو بھی شہید کر دیا دونوں ہاتھ کٹ چکے تھے مگر حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے دونوں کٹے ہوئے بازوؤں سے پرچم اسلام کو اپنے سینے سے لگائے ہوئے کھڑے رہے اور بلند آواز سے یہ آیت پڑھتے رہے کہ

و ما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل .

پھر ابن قمیہ نے ان کو تیر مار کر شہید کر دیا۔ (مولف) (سیرت مصطفیٰ)

طبرانی معجم اوسط میں عبد اللہ بن فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مصعب بن عمیر اور ان کے ساتھیوں کے قبور پر ٹھہرے اور فرمایا:

و الذی نفسی بیده لا یسلم علیهم احد الا ردوا الی یوم القیمة .

قسم اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے قیامت تک جو ان پر سلام کرے گا، جواب دیں گے۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۴، ص ۲۶۳۔ حیات الموات)

غزوۂ غطفان

ربیع الاول ۳ھ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ اطلاع ملی کہ نجد کے ایک مشہور بہادر "دعثور بن الحارث محاربی" نے ایک لشکر تیار کر لیا ہے تاکہ مدینہ پر حملہ کرے۔ اس خبر کے بعد آپ چار سو صحابہ کرام کی فوج لے کر مقابلہ کے لیے روانہ ہو گئے جب دعثور کو خبر ملی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمارے دیار میں آ گئے تو وہ بھاگ نکلا اور اپنے لشکر کو لے کر پہاڑوں پر چڑھ گیا مگر اس کی فوج کا ایک آدمی جس کا نام "حبان" تھا گرفتار ہو گیا اور فوراً ہی کلمہ پڑھ کر وہ مسلمان ہو گیا۔

اتفاق سے اس روز زوردار بارش ہوگئی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک درخت کے نیچے لیٹ کر اپنے کپڑے سکھانے لگے پہاڑ کی بلندی سے کافروں نے دیکھ لیا کہ آپ بالکل اکیلے اور اپنے اصحاب سے دور بھی ہیں۔ ایک دم دعثور بجلی کی طرح پہاڑ سے اتر کر ننگی شمشیر ہاتھ میں لیے ہوئے آیا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سر مبارک پر تلوار بلند کر کے بولا کہ بتائیے اب کون ہے جو آپ کو مجھ سے بچالے؟ آپ نے جواب دیا کہ مجھ کو میرا اللہ بچالے گا۔ چنانچہ جبریل امین علیہ السلام دم زدن میں زمین پر اتر پڑے اور دعثور کے سینے میں ایک ایسا گھونسہ مارا کہ تلوار اس کے ہاتھ سے گر پڑی اور دعثور عین غین ہو کر رہ گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فوراً تلوار اٹھالی اور فرمایا کہ بول اب تجھ کو میری تلوار سے کون بچائے گا؟ دعثور نے کانپتے ہوئے بھرائی ہوئی آواز میں کہا کہ ''کوئی نہیں'' رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس کی بے کسی پر رحم آ گیا اور آپ نے اس کا قصور معاف فرما دیا۔ دعثور اس اخلاق نبوت سے بے حد متاثر ہوا اور کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا اور اپنی قوم میں اسلام کی تبلیغ کرنے لگا۔

اس غزوہ میں کوئی لڑائی نہیں ہوئی اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم گیارہ یا پندرہ دن مدینہ سے باہر رہ کر واپس آ گئے۔

بعض مورخین نے اس تلوار کھینچنے والے واقعہ کو ''غزوۂ ذات الرقاع'' کے موقع پر بتایا ہے مگر حق یہ ہے کہ تاریخ نبوی میں اس قسم کے دو واقعات ہوئے ہیں۔ غزوۂ غطفان کے موقع پر سر انور کے اوپر تلوار اٹھانے والا ''دعثور بن حارث محاربی'' تھا جو مسلمان ہو کر اپنی قوم کے اسلام کا باعث بنا۔ اور غزوۂ ذات الرقاع میں جس شخص نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر تلوار اٹھائی تھی اس کا نام ''غورث'' تھا اس نے اسلام قبول نہیں کیا بلکہ مرتے وقت تک اپنے کفر پر اڑا رہا البتہ اس نے یہ معاہدہ کر لیا تھا کہ وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کبھی جنگ نہیں کرے گا۔

۳ھ کے واقعات متفرقہ

ہجرت کے تیسرے سال میں مندرجہ ذیل واقعات بھی ظہور پذیر ہوئے۔

(۱) ۱۵؍رمضان ۳ھ کو حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت ہوئی۔

(۲) اسی سال حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت بی بی حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح فرمایا۔ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحب زادی ہیں جو غزوۂ بدر کے زمانہ میں بیوہ ہوگئی تھیں۔

(۳) اسی سال حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صاحب زادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کیا۔

(۴) میراث کے احکام و قوانین بھی اسی سال نازل ہوئے اب تک میراث میں ذوی الارحام کا کوئی حصہ نہ تھا ان کے حقوق کا مفصل بیان نازل ہوگیا۔

(۵) اب تک مشرکہ عورتوں کا نکاح مسلمانوں سے جائز تھا مگر ۳ھ میں اس کی حرمت نازل ہوگئی اور ہمیشہ کے لیے مشرکہ عورتوں کا نکاح مسلمانوں سے حرام کر دیا گیا۔

(۶) اسی سال کعب بن اشرف یہودی کو قتل کیا گیا، یہ یہودیوں میں بہت ہی دولت مند تھا یہودی علماء اور یہود کے مذہبی پیشواؤں کو اپنے خزانہ سے تنخواہ دیتا تھا، دولت کے ساتھ شاعری میں بھی با کمال تھا جس کی وجہ سے نہ صرف یہودیوں بلکہ تمام قبائل عرب پر اس کا ایک خاص اثر تھا۔ اس کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سخت عداوت تھی۔ (مولف) (سیرت مصطفیٰ)

ہجرت کا چوتھا سال

لست ابالی حین اقتل مسـ

علی ای شق کان فی اللہ مصرعی

جب میں مسلمان ہو کر قتل کیا جا رہا ہوں تو مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے کہ میں کس پہلو پر قتل کیا جاؤں گا۔

(از: حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

ہجرت کا چوتھا سال

ہجرت کا چوتھا سال بھی کفار کے ساتھ چھوٹی بڑی لڑائیوں ہی میں گزرا۔ جنگ بدر کی فتح مبین سے مسلمانوں کا رعب تمام قبائل عرب پر بیٹھ گیا تھا۔ اس لیے تمام قبیلے کچھ دنوں کے لیے خاموش بیٹھ گئے لیکن جنگ احد میں مسلمانوں کے جانی نقصان کا چرچا ہو جانے سے دوبارہ تمام قبائل دفعۃً اسلام اور مسلمانوں کو مٹانے کے لیے کھڑے ہو گئے اور مجبوراً مسلمانوں کو بھی اپنے دفاع کے لیے لڑائیوں میں حصہ لینا پڑا۔ ۴ ھ کی مشہور لڑائیوں میں سے چند یہ ہیں:

سریہ ابو سلمہ

یکم محرم ۴ ھ کو ناگہاں ایک شخص نے مدینہ میں یہ خبر پہنچائی کہ طلیحہ بن خویلد اور سلمہ بن خویلد دونوں بھائی کفار کا لشکر جمع کر کے مدینہ پر چڑھائی کرنے کے لیے نکل پڑے ہیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس لشکر کے مقابلہ میں حضرت ابو سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ڈیڑھ سو مجاہدین کے ساتھ روانہ فرمایا جس میں حضرت ابو سبرہ اور حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما جیسے معزز مہاجرین و انصار بھی تھے لیکن کفار کو جب پتہ چلا کہ مسلمانوں کا لشکر آ رہا ہے تو وہ لوگ بہت سے اونٹ اور بکریاں چھوڑ کر بھاگ گئے، جن کو مسلمان مجاہدین نے مال غنیمت بنا لیا اور لڑائی کی نوبت ہی نہیں آئی۔

سریہ عبداللہ بن انیس

محرم ۴ ھ کو اطلاع ملی کہ، خالد بن سفیان ہزلی، مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے فوج جمع کر رہا ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کے مقابلہ کے لیے حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیج دیا۔ آپ نے موقع پا کر خالد بن سفیان ہزلی کو قتل کر دیا اور اس کا سر کاٹ کر مدینہ لائے اور تاجدار دو عالم صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قدموں میں ڈال دیا۔ حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بہادری اور جاں بازی سے خوش ہو کر ان کو اپنا عصا عطا فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ تم اسی عصا کو ہاتھ میں لے کر جنت میں چہل قدمی کرو گے۔ انھوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! قیامت کے دن یہ مبارک عصا میرے پاس نشانی کے طور پر رہے گا۔ چنانچہ انتقال کے وقت انھوں نے وصیت فرمائی کہ اس عصا کو میرے کفن میں رکھ دیا جائے۔

حادثۂ رجیع

عسفان و مکہ کے درمیان ایک مقام کا نام "رجیع" ہے یہاں کی زمین سات مقدس صحابۂ کرام کے خون سے رنگین ہوئی، اس لیے یہ واقعہ سریہ رجیع کے نام سے مشہور ہے۔ یہ دردناک سانحہ بھی ۴ھ میں پیش آیا۔

اس کا واقعہ یہ ہے کہ قبیلۂ عضل و قارہ کے چند آدمی بارگاہ رسالت میں آئے اور عرض کیا کہ ہمارے قبیلہ والوں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ اب آپ چند صحابہ کرام کو وہاں بھیج دیں تاکہ وہ ہماری قوم کو عقائد و اعمال اسلام سکھا دیں، ان لوگوں کی درخواست پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دس منتخب صحابہ کو حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ماتحتی میں بھیج دیا جب یہ مقدس قافلہ مقام رجیع پر پہنچا تو غدار کفار نے بدعہدی کی اور قبیلہ بنولحیان کے کافروں نے دو سو کی تعداد میں جمع ہو کر ان دس مسلمانوں پر حملہ کر دیا، مسلمان اپنے بچاؤ کے لیے ایک اونچے ٹیلہ پر چڑھ گئے کافروں نے تیر چلانا شروع کیا اور مسلمانوں نے ٹیلے کی بلندی سے سنگ باری کی کفار نے سمجھ لیا کہ ہم ہتھیاروں سے ان مسلمانوں کو ختم نہیں کر سکتے تو ان لوگوں نے دھوکہ دیا اور کہا کہ اے مسلمانو! ہم تم لوگوں کو امان دیتے ہیں اور اپنی پناہ میں لیتے ہیں اس لیے تم لوگ ٹیلے سے اتر آؤ۔ حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں کسی کافر کی پناہ میں

آنا گوارا نہیں کر سکتا یہ کہہ کر خدا سے دعا مانگی کہ یا اللہ! تو اپنے رسول کو ہمارے حال سے مطلع فرما دے۔ پھر وہ جوش جہاد میں بھرے ہوئے ٹیلے سے اترے اور کفار سے دست بدست لڑتے ہوئے اپنے چھ ساتھیوں کے ساتھ شہید ہو گئے۔

چوں کہ حضرت عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنگ بدر کے دن بڑے بڑے کفار قریش کو قتل کیا تھا اس لیے جب کفار مکہ کو حضرت عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا پتہ چلا تو کفار مکہ نے چند آدمیوں کو مقام رجیع میں بھیجا ان کے بدن کا کوئی ایسا حصہ کاٹ کر لائیں جن سے شناخت ہو جائے کہ واقعی حضرت عاصم قتل ہو گئے ہیں۔ لیکن جب کفار آپ کی لاش کی تلاش میں اس مقام پر پہنچے تو اس شہید کی یہ کرامت دیکھی کہ لاکھوں کی تعداد میں شہد کی مکھیوں نے ان کی لاش کے پاس اس طرح گھیرا ڈال رکھا ہے جس سے وہاں تک پہنچنا ہی ناممکن ہو گیا ہے اس لیے کفار مکہ ناکام و نامراد واپس چلے گئے۔

باقی تین اشخاص حضرت خبیب و حضرت زید بن دثنہ و حضرت عبداللہ بن طارق رضی اللہ تعالیٰ عنہم کفار کی پناہ پر اعتماد کر کے نیچے اترے تو کفار نے بدعہدی کی اور اپنی کمان کی تانتوں سے ان لوگوں کو باندھنا شروع کر دیا۔ یہ منظر دیکھ کر حضرت عبداللہ بن طارق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ تم لوگوں کی پہلی بد عہدی ہے اور میرے لیے اپنے ساتھیوں کی طرح شہید ہو جانا بہتر ہے۔ چنانچہ وہ ان کافروں سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔

لیکن حضرت خبیب اور حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو کافروں نے باندھ دیا تھا اس لیے یہ دونوں مجبور ہو گئے تھے۔ ان دونوں کو کفار نے مکہ میں لے جا کر بیچ ڈالا۔ حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنگ احد میں حارث بن عامر کو قتل کیا تھا اس لیے اس کے لڑکوں نے ان کو خرید لیا تا کہ ان کو قتل کر کے باپ کے خون کا بدلہ لیا جائے۔ اور حضرت زید بن دثنہ کو امیہ کے بیٹے صفوان نے قتل کرنے کے ارادہ سے

خریدا۔ حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کافروں نے چند دن قید میں رکھا پھر حدود حرم کے باہر لے جا کر سولی پر چڑھا کر قتل کر دیا حضرت خبیب نے قاتلوں سے دو رکعت نماز پڑھنے کی اجازت طلب کی قاتلوں نے اجازت دے دی آپ نے بہت مختصر طور پر دو رکعت نماز ادا فرمائی اور فرمایا کہ اے گروہ کفار! میرا دل تو یہی چاہتا تھا کہ دیر تک نماز پڑھتا رہوں کیوں کہ یہ میری زندگی کی آخری نماز تھی مگر مجھ کو یہ خیال آ گیا کہ کہیں تم لوگ یہ نہ سمجھ لو کہ میں موت سے ڈر رہا ہوں۔ کفار نے آپ کو سولی پر چڑھا دیا اس وقت آپ نے یہ اشعار پڑھے۔

و لست ابالی حین اقتل مسلما

علی ای شق کان فی اللہ مصرعی

جب میں مسلمان ہو کر قتل کیا جا رہا ہوں تو مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے کہ میں کس پہلو پر قتل کیا جاؤں گا۔

و ذلک فی ذات الالہ و ان یشاء

یبارک علی اوصال شلو ممزع

یہ سب کچھ خدا کے لیے ہے اگر وہ چاہے گا تو میرے کٹے پٹے جسم کے ٹکڑوں پر برکت نازل فرمائے گا۔

حارث بن عامر کے لڑکے ابو سروعہ نے آپ کو قتل کیا مگر خدا کی شان کہ یہی ابو سروعہ اور ان کے دونوں بھائی عقبہ اور حجیر پھر بعد میں مشرف بہ اسلام ہو کر صحابیت کے شرف و اعزاز سے سرفراز ہو گئے۔

حضرت خبیب کی قبر

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت سے مطلع فرمایا آپ نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ جو شخص خبیب کی لاش کو سولی سے اتار لائے اس کے لیے جنت ہے۔ یہ بشارت سن کر حضرت زبیر بن العوام و حضرت مقداد بن الاسود رضی اللہ تعالیٰ عنہما راتوں کو سفر کرتے اور دن کو چھپتے ہوئے مقام تنعیم میں حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سولی کے پاس پہنچے۔ چالیس کفار سولی کے پہرہ دار بن کر سو رہے تھے ان دونوں حضرات نے سولی سے لاش کو اتارا اور گھوڑے پر رکھ کر چل دیے۔ چالیس دن گزر جانے کے باوجود لاش تروتازہ تھی اور زخموں سے تازہ خون ٹپک رہا تھا صبح کو قریش کے ستر سوار تیز رفتار گھوڑوں پر تعاقب میں چل پڑے اور ان دونوں حضرات کے پاس پہنچ گئے ان حضرات نے جب دیکھا کہ قریش کے سوار ہم کو گرفتار کر لیں گے تو انھوں نے حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لاش مبارک کو گھوڑے سے اتار کر زمین پر رکھ دیا خدا کی شان کہ ایک دم زمین پھٹی اور لاش مبارک کو نگل گئی اور پھر زمین اس طرح برابر ہو گئی کہ پھٹنے کا نشان بھی باقی نہیں رہا یہی وجہ ہے کہ حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لقب "بلیع الارض" (جن کو زمین نگل گئی) ہے۔

حضرت زید کی شہادت

حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل کا تماشہ دیکھنے کے لیے کفار قریش کثیر تعداد میں جمع ہو گئے جن میں ابوسفیان بھی تھے جب ان کو سولی پر چڑھا کر قاتل نے تلوار ہاتھ میں لی تو ابوسفیان نے کہا کہ کیوں اے زید! سچ کہنا اگر اس وقت تمھاری جگہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اس طرح قتل کیے جاتے تو کیا تم اس کو پسند کرتے؟ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابوسفیان کی اس طعنہ زنی کو سن کر تڑپ گئے اور جذبات سے بھری ہوئی آواز میں فرمایا کہ اے ابوسفیان! خدا کی قسم میں اپنی جان کو قربان کر دینا عزیز سمجھتا

ہوں مگر میرے پیارے رسول صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے مقدس پاؤں کے تلوے میں ایک کانٹا بھی چبھ جائے مجھے کبھی بھی یہ گوارا نہیں ہوسکتا۔ یہ سن کر ابوسفیان نے کہا کہ میں نے بڑے بڑے محبت کرنے والوں کو دیکھا ہے مگر محمد (صلی اللہ تعالی علیہ وسلم) کے عاشقوں کی مثال نہیں مل سکتی۔ صفوان کے غلام نسطاس نے تلوار سے ان کی گردن ماردی۔ (مولف) (مدارج النبوۃ دوم، سیرت مصطفی م)

واقعۂ بیر معونہ

يتدارسون القرآن بالليل ويصلون۔

اصحاب بیر معونہ رات کو درس و تلاوت قرآن مجید اور نماز میں مشغول رہتے تھے۔

(الحدیث)

واقعۂ بیر معونہ ۴ھ

ماہ صفر ۴ھ میں ''بیر معونہ'' کا مشہور واقعہ پیش آیا ابو براء عامر بن مالک جو اپنی بہادری کی وجہ سے ملاعب الاسنۃ (برچھیوں سے کھیلنے والا) کہلاتا تھا بارگاہ رسالت میں آیا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کو اسلام کی دعوت دی، اس نے نہ تو اسلام قبول کیا نہ اس سے کوئی نفرت ظاہر کی بلکہ یہ درخواست کی کہ آپ اپنے چند منتخب صحابہ کو ہمارے دیار میں بھیج دیجیے مجھے امید ہے کہ وہ لوگ اسلام کی دعوت قبول کرلیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے نجد کے کفار کی طرف سے خطرہ ہے ابو براء نے کہا کہ میں آپ کے اصحاب کی جان و مال کی حفاظت کا ضامن ہوں۔

اس کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ میں سے ستر منتخب صالحین کو جو ''قراء'' کہلاتے تھے بھیج دیا، یہ حضرات جب مقام ''بیر معونہ'' پر پہنچے تو ٹھہر گئے اور صحابہ کے قافلہ سالار حضرت حرام بن ملحان رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خط لے کر عامر بن طفیل کے پاس اکیلے تشریف لے گئے جو قبیلہ کا رئیس اور ابو براء کا بھتیجا تھا اس نے خط کو پڑھا بھی نہیں اور ایک شخص کو اشارہ کر دیا جس نے پیچھے سے حضرت حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نیزہ مار کر شہید کر دیا اور آس پاس کے قبائل یعنی رعل و ذکوان اور عصیہ و بنولحیان وغیرہ کو جمع کر کے ایک لشکر تیار کر لیا اور صحابہ کرام پر حملہ کے لیے روانہ ہو گیا۔ حضرات صحابہ کرام بیر معونہ کے پاس بہت دیر تک حضرت حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی واپسی کا انتظار کرتے رہے مگر جب بہت زیادہ دیر ہو گئی تو یہ لوگ آگے بڑھے راستہ میں عامر بن طفیل کی فوج کا سامنا ہوا اور جنگ شروع ہو گئی، کفار نے حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا تمام صحابہ کرام کو شہید کر دیا۔

انھیں شہدائے کرام میں حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے جن کے بارے میں عامر بن طفیل کا بیان ہے کہ قتل ہونے کے بعد ان کی لاش بلند ہو کر آسمان تک پہنچی پھر زمین پر آ گئی اس کے بعد ان

کی لاش تلاش کرنے پر نہیں ملی کیوں کہ فرشتوں نے انھیں دفن کر دیا۔

حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عامر بن طفیل نے یہ کہہ کر چھوڑ دیا کہ میری ماں نے ایک غلام آزاد کرنے کی منت مانی تھی اس لیے میں تم کو آزاد کرتا ہوں یہ کہا اور ان کی چوٹی کا بال کاٹ کر ان کو چھوڑ دیا۔ حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہاں سے چل کر جب مقام ''قرقرہ'' میں آئے تو ایک درخت کے سائے میں ٹھہرے وہیں قبیلۂ بنو کلاب کے دو آدمی بھی ٹھہرے ہوئے تھے جب وہ دونوں سو گئے تو حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان دونوں کافروں کو قتل کر دیا اور یہ سوچ کر دل میں خوش ہو رہے تھے کہ میں نے صحابہ کرام کے خون کا بدلہ لے لیا ہے۔ مگر ان دونوں شخصوں کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم امان دے چکے تھے جس کا حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو علم نہ تھا۔

جب مدینہ پہنچ کر انھوں نے سارا حال دربار رسالت میں بیان کیا تو اصحاب بیر معونہ کی شہادت کی خبر سن کر سرکار رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اتنا عظیم صدمہ پہنچا کہ تمام عمر شریف میں کبھی بھی اتنا رنج و صدمہ نہیں پہنچا تھا چنانچہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مہینہ بھر تک قبائل رعل و ذکوان اور عصیہ و بنولحیان پر نماز فجر میں لعنت بھیجتے رہے۔

اور حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جن دو شخصوں کو قتل کر دیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان دونوں کے خون بہا ادا کرنے کا اعلان فرمایا۔ (مولف)

(مدارج النبوۃ دوم، سیرت مصطفیٰ)

رؤسائے نجد کے نام حضور کا مکتوب گرامی

امام احمد رضا بریلوی واقعۂ بیر معونہ سے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان اقدس رؤسائے نجد و بنی عامر کے نام تھا۔

خمیس میں ہے :

و کتب کتابا إلى روساء نجد و بنی عامر

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نجد و بنی عامر کے روٗسا کے نام مکتوب گرامی لکھا۔ (مولف)

مدارج میں ہے، مکتوبے بروٗسائے نجد و بنی عامر نوشت

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نجد اور بنی عامر کے سرداروں کو خط لکھا۔ (مولف)

کتب سیر میں تصریح ہے کہ اس (عامر بن طفیل) خبیث نے فرمان اقدس دیکھا تک نہیں، سیرت ابن اسحاق و سیرت ابن ہشام و مواہب لدنیہ میں ہے

لما اتاه لم ينظر الى الكتاب .

جب اس کے پاس حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان اقدس آیا تو اس نے دیکھا تک نہیں ۔

(مولف)

حرام بن ملحان کی شہادت

(حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مکتوب گرامی حضرت حرام بن ملحان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کافروں کو دیا اور وہ ان سے بات کررہے تھے کہ کسی نے پیچھے سے ان کو نیزہ مار کر شہید کردیا۔)

صحیح بخاری شریف میں ہے:

جعل يحدثهم فاوماوا الى رجل فاتاه من خلفه فطعنه .

یعنی حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کافروں کو پیام اقدس پہنچاتے اور ان سے باتیں فرمارہے تھے کہ

انھوں نے کسی کو اشارہ کیا اس نے پیچھے سے آ کر نیزہ مارا (اور وہ شہید ہو گئے)

امام حافظ الشان عسقلانی نے فتح الباری میں فرمایا:

لم اعرف اسم الرجل الذی طعنه .

مجھے اس نیزہ مارنے والے کا نام نہ معلوم ہوا۔

زرقانی شرح مواہب میں فرماتے ہیں کہ طبرانی میں بطریق ثابت حضرت انس سے ہے۔

ان قاتل حرام بن ملحان اسلم و عامر بن الطفیل مات کافرا.

حضرت حرام بن ملحان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قاتل بعد کو اسلام لے آیا اور عامر بن طفیل کافر ہی مرا۔ (مولف)

عامر بن طفیل کی امداد طلبی

(عامر بن طفیل نے مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے مختلف قبائل سے جب مدد اور کمک مانگی تو بعض قبیلے نے معاہدہ کی وجہ سے مدد نہیں کی۔)

خمیس میں ہے:

استصرخ عامر بن الطفیل بنی عامر علی المسلمین فامتنعوا و قالوا لا نخفر ذمة ابی براء عمک . الخ .

عامر بن طفیل نے مسلمانوں پر بنی عامر سے مدد طلب کی تو وہ لوگ باز رہے اور کہا کہ ہم تمھارے چچا ابو براء کا ذمہ نہ توڑیں گے۔ (مولف)

مواہب لدنیہ میں ہے :

استصرخ علیھم بنی عامر فلم یجیبوہ و قالوا لن نخفرا بابراء و قد عقدلھم عقدا و جوارا.

سیرت ابن ہشام میں ہے :

استصرخ علیھم بنی عامر فابوا ان یجیبوہ الی ما دعاھم الیہ و قالوا لن نخفر.

مسلمانوں پر لشکر کشی کے لیے بنی عامر سے مدد طلب کی گئی تو بنی عامر نے اسے قبول نہ کیا اور کہا کہ ہمارا ان سے عقد و معاہدہ ہے ہم ابو براء کا ذمہ اور عہد ہرگز نہ توڑیں گے۔ (مولف)

مدارج میں ہے۔ تمامۂ بنی عامر از جنگ مسلماناں ابا آوردند۔

بنی عامر کے سب لوگوں نے مسلمانوں کے ساتھ لڑائی کرنے سے انکار کیا۔ ! (مولف)

اصحاب معونہ کے رہبر

حدیث میں ہے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مطلب سلمٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو (اصحاب بیر معونہ کی) رہبری کے لیے ہمراہ فرمادیا تھا۔

طبرانی بطریق عبداللہ بن لہیعہ حضرت عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی۔

قال ثم بعث النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم المنذر بن عمرو الساعدی و بعث معہ المطلب السلمی لیدلھم علی الطریق الحدیث. ذکر فی الاصابۃ فی ترجمۃ المطلب.

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منذر بن عمرو ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا اور ان کے ہمراہ انھیں راستہ بتانے کے لیے مطلب سلمٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا۔ (مولف)

حضرت منذر کی شہادت

منذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عین معرکہ میں شہید ہوئے۔

معالم التنزیل میں ہے:

قتل المنذر بن عمرو و اصحابه الا ثلثة نفر كانوا فى طلب ضالة لهم الخ.

حضرت منذر بن عمرو ساعدی اور ان کے ساتھی رضی اللہ تعالیٰ عنہم شہید ہو گئے سوا ان تین لوگوں کے جو کسی گم شدہ چیز کی تلاش میں گئے تھے۔ (مولف)

مدارج میں ہے:

تمامہ اصحاب شہید شدند الا منذر بن عمرو با او گفتند اگر خواہی ترا امان دہیم او امان ایشاں را قبول نہ کرد و با ایشاں مقاتلہ کرد تا شہید شد۔

منذر بن عمرو کے علاوہ تمام اصحاب شہید ہو گئے کافروں نے ان سے کہا کہ اگر تم چاہو تو ہم تم کو امان دے دیں گے حضرت منذر بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے امان کو قبول نہیں کیا اور لڑائی کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ (مولف)

اکعب بن زید

سیرتین ابنائے اسحاق و ہشام میں ہے:

لما راؤهم اخذوا سيوفهم ثم قاتلوهم حتى قتلوا من عند آخرهم يرحمهم الله الا كعب بن زيد اخا ابن دينار بن النجار فانهم تركوه وبه رمق فارتث من بين القتلى فعاش حتى قتل يوم الخندق شهيدا يرحمه الله .

صحابہ کرام نے جب کافروں کو دیکھا تو تلواریں لیں اور ان سے لڑنے لگے یہاں تک کہ سب سے آخر میں اکعب بن زید کو قتل کیا اور انھیں اس حال میں چھوڑ دیا کہ ان میں زندگی کا کچھ اثر باقی تھا تو وہ مقتولین کے درمیان سے زندہ بچ کر نکلے اور بعد تک زندہ رہے یہاں تک کہ جنگ خندق کے دن شہید ہوئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ (مولف)

مواہب میں ہے:

قتلوا الی آخرھم الا کعب بن زید.

خمیس میں ہے:

قتلوا من عند آخرھم الا کعب بن زید .

کافروں نے سب سے آخر میں اکعب بن زید کو قتل کیا۔ (مولف)

شہداء معونہ کی حضور نے خبر دی

(جب تمام صحابہ کرام شہید ہو گئے اور کوئی خبر دینے والا نہیں تھا تو بذات خود غیب داں رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خبر دی۔) حدیث میں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خبر دی۔

ان اخوانکم لقوا المشرکین فاقتطعوھم فلم یبق احد و انھم قالوا ربنا بلغ قومنا انا قد رضینا و قد رضی عنا ربنا فانا رسولھم الیکم قد رضوا و رضی عنھم (ربھم) رواہ الحاکم عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ .

تمھارے کچھ بھائی مشرکین سے ملے تو مشرکوں نے ان سے لڑائی کی، ان مومنوں میں سے کوئی باقی نہ رہا اور انھوں نے کہا کہ اے رب ہمارے ہماری قوم کو ہماری خبر دے دے کہ ہم راضی بالقضاء ہیں اور

ہم سے ہمارا رب راضی ہے تو ہم تمھاری طرف ان کے فرستادہ ہیں بیشک وہ راضی ہو گئے اور وہ ان سے راضی ہو گیا۔ اسے حاکم نے ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔ (مولف)

بیر معونہ کے اصحاب قراء تھے

اصحاب بیر معونہ کو قرا کہنے کی وجہ یہ ہے کہ شب کو درس و تلاوت قرآن مجید میں مشغول رہتے تھے۔ صحیح بخاری میں انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے۔

یتدا رسون القرآن بالليل و يصلّون .

رات کو درس و تلاوت قرآن مجید اور نماز میں مشغول رہتے تھے۔ (مولف)

عمدۃ القاری کتاب الجہاد باب العون بالمدد میں ہے

سموا به لكثرة قراتهم .

کثرت سے پڑھنے کے سبب سے ان کا نام قراء رکھا گیا۔ (مولف)

انصار و مہاجرین

بیر معونہ کے اصحاب سب انصاری نہ تھے، بعض مہاجر بھی تھے۔

خمیس میں ہے

كان اكثرهم من الانصار و اربعة من المهاجرين .

زیادہ تر اصحاب انصاری تھے اور چار مہاجر تھے۔ (مولف)

مدارج میں ہے۔ اکثر ایشاں انصار بودند و بعضے از مہاجراں۔

ان میں سے اکثر لوگ انصاری تھے اور بعض مہاجر۔ (مولف)

نیز خمیس میں ہے:

لم یکن القراء المذکورون کلهم من الانصار بل کان بعضهم من المهاجرین مثل عامر بن فهیرة مولیٰ ابی بکر الصدیق و نافع بن بدیل بن ورقاء الخزاعی و غیرهما رضی الله تعالیٰ عنهم۔

قراء میں سے سب کے سب انصاری نہیں تھے بلکہ بعض مہاجرین بھی تھے جیسے حضرت ابو بکر صدیق کے غلام حضرت عامر بن فہیرہ اور حضرت نافع بن بدیل بن ورقاء خزاعی وغیرہما رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔(مولف) (فتاویٰ رضویہ ج ۳،ص ۵۰۳۔اجتناب العمال)

قنوت نازلہ

جب قراء اصحاب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قتل ہونے کی خبر پہنچی تو بہت غمزدہ اور ملول ہوئے اور بہت کرب محسوس فرمایا یہاں تک کہ ایک ماہ تک اور ایک روایت میں ہے کہ چالیس روز تک فجر کی نماز میں قنوت پڑھی اور رعل وذکوان،عصیہ اور تمام قبائل نجد پر بددعا فرمائی۔(مولف) (مدارج النبوۃ جلد دوم)

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ ایک مقام پر فرماتے ہیں:

مدینہ طیبہ کے ستر (۷۰) جگر پاروں،محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خاص پیاروں،اجلۂ علماء صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو کفار نے دغا سے شہید کر دیا۔مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان کا سخت و شدید غم والم ہوا۔ایک مہینہ کامل خاص نماز کے اندر کفار نابکار پر لعنت فرماتے رہے۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۴،ص ۶۹۔الہادی الحاجب)

حدیث میں ہے: قنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شہرا علی عدۃ قبائل من الکفار

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کفار کے چند قبائل پر ایک مہینہ تک قنوت پڑھی۔ (مولف)

(فتاویٰ رضویہ ج ۳، ص ۵۱۰)

غزوۂ بنو نضیر

ما قطعتم من لینۃ او ترکتموھا قائمۃ علی اصولھا فباذن اللہ و لیخزی الفاسقین

جو درخت تم نے کاٹے یا ان کی جڑوں پر قائم چھوڑ دیے یہ سب اللہ کی اجازت سے تھا اور اس لیے کہ فاسقوں کو رسوا کرے۔ (الحشر، ۵)

غزوۂ بنونضیر ۴ ھ

حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قبیلہ بنوکلاب کے جن دوشخصوں کو قتل کر دیا تھا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان دونوں کا خون بہا ادا کرنے کا اعلان فرما دیا تھا۔ اسی معاملہ کے متعلق گفتگو کرنے کے لیے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قبیلۂ بنونضیر کے یہودیوں کے پاس تشریف لے گئے کیوں کہ ان یہودیوں سے آپ کا معاہدہ تھا مگر یہودی درحقیقت بہت ہی بد باطن ذہنیت والی قوم ہیں۔ معاہدہ کر لینے کے باوجود ان خبیثوں کے دلوں میں پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دشمنی اور عناد کی آگ بھری ہوئی تھی ہر چند حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان بد باطنوں سے اہل کتاب ہونے کی بناء پر اچھا سلوک فرماتے تھے مگر یہ لوگ ہمیشہ اسلام کی بیخ کنی اور بانی اسلام کی دشمنی میں مصروف رہے۔ مسلمانوں سے بغض وعناد اور کفار ومنافقین سے ساز باز اور اتحاد ہی ہمیشہ ان غداروں کا طرز عمل رہا۔

چنانچہ اس موقع پر جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان یہودیوں کے پاس تشریف لے گئے تو ان لوگوں نے تو بظاہر بڑے اخلاق کا مظاہرہ کیا مگر اندرونی طور پر بڑی ہی خوفناک سازش اور انتہائی خطرناک منصوبہ بنالیا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت ابو بکر وحضرت عمر وحضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی تھے۔ یہودیوں نے ان سب حضرات کو ایک دیوار کے نیچے بڑے احترام کے ساتھ بٹھایا اور آپس میں یہ مشورہ کیا کہ چھت پر سے ایک بہت ہی بڑا اور وزنی پتھر ان حضرات پر گرا دیں تا کہ یہ سب لوگ دب کر ہلاک ہو جائیں چنانچہ عمرو بن جحاش اس مقصد کے لیے چھت پر چڑھ گیا۔

محافظ حقیقی پروردگار عالم نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہودیوں کی اس ناپاک سازش سے بذریعہ وحی مطلع فرما دیا اس لیے فوراً ہی آپ وہاں سے اٹھ کر چپ چاپ اپنے ہمراہیوں کے ساتھ چلے آئے اور مدینہ تشریف لا کر صحابہ کرام کو یہودیوں کی اس سازش سے آگاہ فرما دیا اور انصار

ومہاجرین سے مشورہ کے بعد ان یہودیوں کے پاس قاصد بھیج دیا کہ چوں کہ تم لوگوں نے اپنی اس دسیسہ کاری اور قاتلانہ سازش سے معاہدہ توڑ دیا اس لیے اب تم لوگوں کو دس دن کی مہلت دی جاتی ہے کہ تم اس مدت میں مدینہ سے نکل جاؤ اس کے بعد جو شخص بھی تم میں کا یہاں پایا جائے گا قتل کر دیا جائے گا۔

شہنشاہ مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ فرمان سن کر بنونضیر کے یہودی جلاوطن ہونے کے لیے تیار ہو گئے تھے مگر منافقوں کا سردار عبداللہ بن ابی ان یہودیوں کا حامی بن گیا اور اس نے کہلا بھیجا کہ تم لوگ ہرگز ہرگز مدینہ سے نہ نکلو ہم دو ہزار آدمیوں سے تمھاری مدد کرنے کو تیار ہیں اس کے علاوہ بنوقریظہ اور بنوغطفان یہودیوں کے دو طاقتور قبیلے بھی تمھاری مدد کریں گے۔ بنونضیر کے یہودیوں کو جب اتنا سہارا مل گیا تو وہ شیر ہو گئے اور انھوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس کہلا بھیجا کہ ہم مدینہ چھوڑ کر نہیں جا سکتے آپ کے دل میں جو آئے کر لیجیے۔

یہودیوں کے اس جواب کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسجد نبوی کی امامت حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد فرما کر خود بنونضیر کا قصد فرمایا اور ان یہودیوں کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ یہ محاصرہ پندرہ دن تک قائم رہا قلعہ میں باہر سے ہر قسم کے سامانوں کا آنا جانا بند ہو گیا اور یہودی بالکل ہی محصور و مجبور ہو کر رہ گئے۔ مگر اس موقع پر نہ تو منافقوں کا سردار عبداللہ بن ابی یہودیوں کی مدد کے لیے آیا نہ بنوقریظہ اور غطفان نے کوئی مدد کی۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قلعہ کے محاصرہ کے ساتھ قلعہ کے آس پاس کھجوروں کے کچھ درختوں کو بھی کٹوا دیا کیوں کہ ممکن تھا کہ درختوں کے جھنڈ میں یہودی چھپ کر اسلامی لشکر پر چھاپہ مارتے۔ اور جنگ میں مسلمانوں کو دشواری ہو جاتی۔ ان درختوں کو کاٹنے کے بارے میں مسلمانوں کے دو گروہ ہو گئے۔

کچھ لوگوں کا یہ خیال تھا کہ یہ درخت نہ کاٹے جائیں کیوں کہ فتح کے بعد یہ سب درخت مال غنیمت بن جائیں گے اور مسلمان ان سے نفع اٹھائیں گے۔

اور کچھ لوگوں کا یہ کہنا تھا کہ درختوں کے جھنڈ کو کاٹ کر صاف کر دینے سے یہودیوں کی کمین گاہوں کو برباد کرنا اور ان کو نقصان پہنچا کر غیظ و غضب میں ڈالنا مقصود ہے۔ لہٰذا ان درختوں کو کاٹ دینا ہی بہتر ہے۔

اس موقع پر سورۂ حشر کی یہ آیت اتری :

ما قطعتم من لينة او تركتموها قائمة على اصولها فباذن الله و ليخزى الفاسقين.

جو درخت تم نے کاٹے یا جن کو ان کی جڑوں پر قائم چھوڑ دیئے یہ سب اللہ کے حکم سے تھا تا کہ خدا فاسقوں کو رسوا کرے۔

مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں میں جو درخت کاٹنے والے ہیں ان کا عمل بھی درست ہے اور کاٹنا نہیں چاہتے وہ بھی ٹھیک کہتے ہیں کیوں کہ کچھ درختوں کو کاٹنا اور کچھ کو چھوڑ دینا یہ دونوں اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی اجازت سے ہیں۔

بہر حال آخر کار محاصرہ سے تنگ آ کر بنونضیر کے یہودی اس بات پر تیار ہو گئے کہ وہ اپنا اپنا مکان اور قلعہ چھوڑ کر اس شرط پر مدینہ سے باہر چلے جائیں گے کہ جس قدر مال و اسباب وہ اونٹوں پر لے جا سکیں لے جائیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہودیوں کی اس شرط کو منظور فرما لیا اور بنونضیر کے سب یہودی چھ سو اونٹوں پر اپنا مال و سامان لاد کر ایک جلوس کی شکل میں گاتے بجاتے ہوئے مدینہ سے نکلے۔ کچھ تو خیبر چلے گئے اور زیادہ تعداد میں ملک شام جا کر ''اذرعات'' اور ''اریحا'' میں آباد ہو گئے۔

ان لوگوں کے چلے جانے کے بعد ان کے گھروں کی مسلمانوں نے جب تلاشی لی تو پچاس لوہے کی ٹوپیاں، پچاس زرہیں، تین سو چالیس تلواریں نکلیں جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قبضہ میں آئیں۔ (مولف) (مدارج النبوۃ دوم، سیرت مصطفیٰ)

ازواج مطہرات کا نفقہ

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بنو نضیر کے اموال غنیمت سے ازواج مطہرات کے لیے سال بھر کے اخراجات نکال لیتے تھے اس سلسلے میں امام احمد رضا بریلوی تحریر فرماتے ہیں :

صحیحین میں امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے:

کان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ینفق منہ (ای مما افاء اللہ علی رسولہ من اموال بنی النضیر) علی اھلہ رزق سنۃ ثم یجمع ما بقی منہ مجمع مال اللہ عزوجل.

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بنو نضیر کے اموال غنیمت میں سے اپنی ازواج مطہرات کے لیے ایک سال کا خرچ نکال لیا کرتے تھے پھر جو بچتا تھا اس کو اللہ کے بیت المال میں جمع فرمایا کرتے تھے۔ (مولف)

صحیحین میں امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے :

ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان ینفق علی اھلہ نفقۃ سنتھم من ھذا المال ثم یاخذ ما بقی فیجعلہ مجعل مال اللہ .

بیشک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس (بنو نضیر کے) مال غنیمت سے اپنی ازواج کے

لیے ایک سال کا نفقہ نکال لیا کرتے تھے اور جو باقی بچتا اس کو لے کر راہ خدا میں صرف فرمایا کرتے تھے۔ (مولف) (فتاویٰ رضویہ ج ۴، ص ۵۰۸)

بدر صغریٰ

جنگ احد سے لوٹتے وقت ابوسفیان نے کہا تھا کہ آئندہ سال بدر میں ہمارا تمھارا مقابلہ ہوگا چنانچہ شعبان یا ذوالقعدہ ۴ ھ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مدینہ کا نظم و نسق حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد فرما کر لشکر کے ساتھ بدر میں تشریف لے گئے۔ آٹھ روز تک کفار کا انتظار کیا ادھر ابوسفیان بھی فوج کے ساتھ چلا ایک منزل چلا تھا کہ اس نے اپنے لشکر سے یہ کہا کہ یہ سال جنگ کے لیے مناسب نہیں ہے کیوں کہ اتنا زبردست قحط پڑا ہوا ہے کہ نہ آدمیوں کے لیے دانہ پانی ہے نہ جانوروں کے لیے گھاس چارا۔ یہ کہہ کر ابوسفیان مکہ واپس چلا گیا۔ مسلمانوں کے پاس کچھ مال تجارت بھی ساتھ تھا جب جنگ نہیں ہوئی تو مسلمانوں نے تجارت کر کے خوب نفع کمایا اور مدینہ واپس چلے آئے۔

۴ ھ کے متفرق واقعات

(۱) اسی غزوۂ بنونضیر کے بعد جب انصار نے کہا کہ یارسول اللہ بنونضیر کے جو اموال غنیمت میں ملے ہیں وہ سب آپ ہمارے مہاجر بھائیوں کو دے دیجیے ہم ان میں سے کسی چیز کے طلب گار نہیں ہیں تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خوش ہو کر یہ دعا فرمائی۔

اللھم ارحم الانصار و ابناء الانصار و ابناء ابناء الانصار .

اے اللہ انصار پر اور انصار کے بیٹوں پر اور انصار کے بیٹوں کے بیٹوں پر رحم فرما۔

(۲) اسی سال حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نواسے حضرت عبداللہ بن حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ

عنہا کی آنکھ میں ایک مرغ نے چونچ ماردی جس کے صدمے سے وہ دوراتِ تڑپ کر وفات پا گئے۔

(۳) اسی سال حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ حضرت بی بی زینب بنت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات ہوئی۔

(۴) اسی سال حضور نے حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح فرمایا۔

(۵) اسی سال حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے وفات پائی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا مقدس پیرہن ان کے کفن کے لیے عطا فرمایا اور ان کی قبر میں اتر کر ان کی میت کو اپنے دست مبارک سے قبر میں اتارا اور فرمایا کہ فاطمہ بنت اسد کے سوا کوئی شخص بھی قبر کے دبوچنے سے نہیں بچا ہے۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ صرف پانچ ہی میت ایسی خوش نصیب ہوئی ہیں جن کی قبر میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خود اترے۔

اول : حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

دوم : حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ایک لڑکا۔

سوم : عبداللہ مزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کا لقب ذوالبجادین ہے۔

چہارم : حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی والدہ حضرت ام رومان رضی اللہ تعالیٰ عنہا

پنجم : حضرت فاطمہ بنت اسد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی والدہ محترمہ۔

(۶) اسی سال ۴/ شعبان ۴ ھ کو حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیدائش ہوئی۔

(۷) اسی سال ایک یہودی نے ایک یہودیہ عورت کے ساتھ زنا کیا اور یہودیوں نے یہ مقدمہ بارگاہ نبوت میں پیش کیا تو آپ نے تورات وقرآن دونوں کتابوں کے فرمان سے اس کو سنگسار کرنے کا فیصلہ فرمایا۔

(۸) اسی سال طعمہ بن ابیرق نے جو مسلمان تھا، چوری کی تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قرآن کے حکم سے اس کا ہاتھ کٹوا دیا اس کے بعد طعمہ مکہ بھاگ گیا وہاں بھی اس نے چوری کی اہل مکہ نے اس کو قتل کر ڈالا یا اس نے دیوار سے گر کر خودکشی کر لی یا دریا میں پھینک دیا گیا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ وہ مرتد ہو گیا تھا۔

(۹) بعض مورخین کے نزدیک شراب کی حرمت کا حکم بھی اسی سال نازل ہوا اور بعض کے نزدیک ۶ ھ میں اور بعض نے کہا کہ ۸ ھ میں شراب حرام کی گئی۔ (مولف)

(مدارج النبوۃ دوم، سیرت مصطفیٰ)

اللہ

غزوۂ ذات الرقاع

وَ اِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَ لْيَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ الآیۃ

اور اے محبوب جب تم ان میں تشریف فرما ہو پھر نماز میں ان کی امامت کرو تو چاہیئے کہ ان میں ایک جماعت تمھارے ساتھ ہو اور وہ اپنے ہتھیار لیے رہیں۔ (النسآ:١٠٢)

غزوۂ ذات الرقاع ۵ھ

سب سے پہلے قبائل، انمار و ثعلبہ، نے مدینہ پر چڑھائی کرنے کا ارادہ کیا جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ملی تو آپ نے چار یا چھ سو صحابہ کا لشکر اپنے ساتھ لیا اور ۱۰ محرم ۵ھ کو مدینہ سے روانہ ہو کر مقام، ذات الرقاع تک تشریف لے گئے لیکن آپ کی آمد کا حال سن کر یہ کفار پہاڑوں میں بھاگ کر چھپ گئے اس لیے کوئی جنگ نہیں ہوئی۔ مشرکین کی چند عورتیں ملیں جن کو صحابہ کرام نے گرفتار کر لیا۔

اس وقت مسلمان بہت ہی مفلس اور تنگ دستی کی حالت میں تھے چنانچہ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ سواریوں کی اتنی کمی تھی کہ چھ چھ آدمیوں کی سواری کے لیے ایک ایک اونٹ تھا جس پر ہم لوگ باری باری سوار ہو کر سفر کرتے تھے۔ پہاڑی یا پتھریلی زمین میں پیدل چلنے سے ہمارے قدم زخمی اور پاؤں کے ناخن جھڑ گئے تھے اس لیے ہم لوگوں نے اپنے پاؤں پر کپڑوں کے چیتھڑے لپیٹ لیے تھے یہی وجہ ہے کہ اس غزوۂ کا نام ''ذات الرقاع'' (پیوندوں والا غزوہ) ہو گیا۔

بعض مورخین نے کہا کہ چوں کہ وہاں کی زمین کے پتھر سفید و سیاہ رنگ کے تھے اور زمین ایسی نظر آتی تھی گویا سفید اور کالے پیوند ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں لہٰذا اس غزوہ کو ''ذات الرقاع'' کہا جانے لگا۔ اور بعض کا قول ہے کہ یہاں پر ایک درخت کا نام ''ذات الرقاع'' تھا اس لیے لوگ اس کو غزوۂ ذات الرقاع کہنے لگے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ ساری باتیں ہوں۔

امام سیرت ابن اسحاق کا قول ہے کہ سب سے پہلے اس غزوہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ''صلوٰۃ الخوف'' پڑھی۔

ایک اعرابی کی شرارت

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس غزوہ میں ایک درخت کے سایہ میں محوخواب تھے ایک اعرابی آیا اور اپنی تلوار کھینچ کر حضور کے سرہانے کھڑا ہو گیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بیدار ہو گئے۔ اعرابی نے کہا کون ہے جو آپ کو مجھ سے بچائے؟ حضور نے فرمایا کہ اللہ! یہ سن کر اس کے ہاتھ سے تلوار گر پڑی، حضور اٹھے اور اپنے ہاتھ میں تلوار لے کر فرمایا کون ہے جو تجھے مجھ سے روکے گا؟ اعرابی نے کہا مجھے بخش دیجیے فرمایا کیا تو گواہی دیتا ہے کہ میں خدا کا رسول ہوں اعرابی نے کہا میں عہد کرتا ہوں کہ آپ سے کبھی جنگ نہ کروں گا اور نہ اس جماعت میں شریک ہوں گا جو آپ سے لڑے۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے معاف کر دیا وہ اعرابی لوٹ کر اپنی قوم میں گیا اور کہا میں تمھارے پاس سب سے بہتر شخص کے پاس سے آیا ہوں۔ اس کی مانند ایک اور قصہ غزوہ غطفان میں گزر چکا ہے۔

حضرت جابر کی شادی

اس غزوے کے واقعات میں سے ایک واقعہ یہ ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہما ایک اونٹ پر سوار تھے وہ چاہتے تھے کہ اونٹ تیز چلے مگر وہ اونٹ بہت کمزور اور سست رفتار تھا، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس پر اپنا عصا شریف مارا تو وہ اونٹ تند و تیز رفتار ہو گیا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت جابر سے پوچھا اتنی تیز کیوں چلتے ہو؟ عرض کیا یا رسول اللہ میں نے نئی شادی کی ہے، حضور نے فرمایا باکرہ سے کی ہے یا ثیبہ سے؟ عرض کی، ثیبہ سے، فرمایا باکرہ سے کیوں نہ کی تاکہ وہ تم سے کھیلتی اور تم اس سے کھیلتے۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا میرے والد غزوۂ احد میں شہید ہو گئے اور نو یا سات بیٹیاں چھوڑی ہیں اس لیے میں نے زن ثیبہ کی ہے تاکہ وہ ان کی خدمت و تربیت کر سکے۔ اس وقت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت جابر سے اونٹ کو اس شرط پر خرید لیا کہ مدینہ تک اس پر سوار ہو کر

جائیں اور مدینہ میں سپرد کر کے اس کی قیمت وصول کر لیں جب مدینہ منورہ پہنچ گئے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اونٹ کی قیمت ان کو دے دی اور اونٹ بھی انھیں کو عطا فرما دیا۔ (مولف)

(مدارج النبوۃ دوم، سیرت مصطفیٰ)

حضرت جابر کا اونٹ

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اونٹ خریدنے والی روایت امام احمد رضا بریلوی نے اس طرح پیش کی ہے۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں سیدنا جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی :

قال غدوت مع رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و انا على ناضح قداعى فلا يكاد يسير فتلا حق بى النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فقال ما لبعيرك فقلت قداعى فتخلف رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فزجره فدعا له فما زال بين يدى الابل قدامها يسير فقال لى كيف ترى بعيرك فقلت بخير قد اصابته بركتك فقال افتبيعه باوقية فبعته على ان لى فقار ظهره الى المدينة فلما قدم رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم المدينة غدوت عليه بالبعير فاعطانى ثمنه ورده على.

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ میں صبح سویرے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہمراہ چلا اور میں بار بردار اونٹ پر سوار تھا وہ اونٹ چلنے سے اس طرح عاجز آ گیا کہ گویا چلے گا ہی نہیں۔ اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا جابر تمھارے اونٹ کو کیا ہو گیا ہے میں نے عرض کی نہیں چل رہا ہے۔ آپ اس کے پیچھے آئے اور اس کو ڈانٹا اور اس کے لیے تیز چلنے کی دعا فرمائی پھر اونٹ کے آگے چلتے رہے اور فرمایا اپنے اونٹ کو کیسا پاتے ہو میں نے عرض کی بہتر ہے آپ ہی کی برکت ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم اس کو ایک اوقیہ میں فروخت کرو گے؟ تو میں نے اسے اس شرط پر بیچ دیا کہ مدینہ شریف تک اس پر سوار ہو کر جاؤں گا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لا چکے تو میں صبح کو اونٹ لے کر حاضر ہوا تو حضور نے مجھے اس کی قیمت واپس دے دی اور اونٹ بھی مرحمت فرما دیا۔ (مولف) (فتاویٰ رضویہ، جلد ۷، ص ۶۴)

❁......❁......❁